

Brown Book

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224218

UNIVERSAL
LIBRARY

دَعْوَةُ صَلَاحٍ وَتَبْلِغٍ كَاتِبِهَا

کلمہ کلید

امانتہ

ہماری دعوت

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ مُخْتَدِّعُ قُلُوبِ النَّاسِ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد رکھی اور ہزار ایمان ہو کر یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہو گیا۔ لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک ہم فاصلہ جو دو ہیں۔ اس بات کا اعتقاد کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھی ہوتی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی عامل میں جہنم سے اور مرگے ہوئے جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لائے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس حمد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا حمد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر مبنی اور مزاجیاست ہے۔

قَامُوا الشَّهَادَاتِ وَالْأَنْصَارِ لِقَابِ اللَّهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

شُكْرًا لِلَّهِ عَلَيْهِمْ بِالنَّصِيحَةِ

”أَوَاذُ الْفَرَقَانِ“

مَنْ يَرْغَبُ فِي تَبْلِغِ دَعْوَةِ اللَّهِ

مَنْ يَرْغَبُ فِي تَبْلِغِ دَعْوَةِ اللَّهِ

شرعاً چندہ
غیر مالکے

۱۲ شلنگ سالانہ :-
۷ شلنگ سیشتماهی :-
دس آنہ فی پرچہ :-

شرح چندہ
ہندوستان اور پاکستان

سالانہ :- پانچ روپے
 ششماہی :- تین روپے
 فی پرچہ :- آٹھ آنہ

جلد (۱۹) بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ مطابق اکتوبر ۱۹۵۱ء نمبر (۱)

نمبر شمار	مضامین	کھنڈے وکے	صفحات
۱	نگارہ اولیں	میر	۳
۲	جماعت اسلامی سے متعلق مضمون کا مکملہ	"	۷
۳	حکمرانی کے دو نظریے	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۹
۴	امام ابن تیمیہؒ ابن قیمؒ کی علمی کتب خیال کی نظر میں!	میر	۲۹
۵	مکتوب جرمین	"	۳۳
۶	مکتبہ معظمہ سے لکھنؤ تک	"	۴۶
۷	انتخاب	اداکہ	۵۶

یہ سُرخی پنسل کا نشان ! اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری اس شمارہ پر ختم ہو گئی ہو، اگر آپ کو آئندہ سال بھی الغرقان سے تعلق رکھنا منظور ہے تو براہ کرم سالانہ چندہ مبلغ (یا پیچہ) بے روانہ فرمادیجئے، آپ کی آسانی کے لئے کسی آرڈر فارم حاضر ہے، ورنہ بصورت دیگر ایک کارڈ کے ذریعہ اپنے امدادہ سے دفتر کو مطلع فرمادیجئے۔ اگر وہ دوسرے ملک آپ کا پتہ نہ یا کارڈی کارڈ وصول نہ ہوا تو حسب قاعدہ اگلے مہینہ کا پرچہ بذریعہ وی بی بھیجا جائے گا، اُس میں آپ کے پتہ کا نئے زیادہ خرچ ہوں گے، اور اگر خدا نخواستہ آپ نے وصول نہ فرمایا تو الغرقان کو آپ کی ذات کے پتہ آنے کا نقصان پہنچے گا، اس بات کو ملحوظ رکھئے۔

نوٹ:- پاکستانی حضرات اپنا چھوڑہ ذیل کے پتہ پر ارسال فرمائیں:-

”جناب حاجی عبدالجبار صاحب ایں، جے، اینڈ جی فضل الہی کہیں، ساؤتھ نیسٹر روڈ کراچی

اور منی آرڈر سیل میں بھیجیں۔ نمبر خریداری کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنسٹن یونیورسٹی میں پڑھتے ہوئے تھے۔ ان کی پریس کتب خانہ میں چھپو اگر دفتر انگریزوں کو ان روز دیکھنے سے شائع کیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
۱۹
فِتْنَتَا جَنُودِ قَدِ

الحمد لله لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير
لا حول ولا قوة الا بالله ولا نعبد ولا نستعين الا اياه له النعمة وله الفضل وله الثناء
الحسن لا اله الا الله مختصين له الدين ولوكرة الكافرين اللهم لا ما نع لما اعطيت
ولا محطى لما منعت ولا ينفع ذا الجحذ منك الجحذ

نَسْئَلُكَ اللَّهُمَّ أَنْ تَصْنِي وَتَسْلِمَ عَلَى نَبِيِّكَ الْكَرِيمِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ
وَاتَّبَاعِهِ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ -

الفرقان اپنی عمر کے اٹھارہ سال طے کر کے آج انیسویں سال میں قدم رکھ رہا ہے۔ اٹھارہ سال کے اس طویل
عرصہ میں دین کی اگر کچھ خدمت ہوئی تو وہ محض اللہ کی طرف لکھی اور انکی توفیق ہے، اور جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئیں
وہ اپنی طرف سے۔ اللہ تعالیٰ ہماری سب جھوٹی بڑی غلطیوں کو معاف فرمائے، ان کو بھی جو نادانستہ نادانی کی وجہ سے ہوئیں،
اور ان کو بھی جو دانستہ نفس کی شرارت ہے۔ اور اگر نہ ہر اس چیز سے حفاظت فرمائے جو انکی مرضی کے خلاف ہو۔

یہ زمانہ دین کی غربت اور کس پر سہی کا ہے، ایسے وقت میں جس بندہ کو دین کی خدمت کا کوئی موقع ملے وہ اس کی
بڑی خوش نصیبی ہے، لیکن ساتھ ہی یہ زمانہ سخت فتنوں کا بھی ہے، جو اس لئے اس دور میں خدمت دین کا معاملہ بہت زکیم
اور توفیق الہی سنگیری نہ فرمائے کہ سخت خطر ہے۔ اس طریق کرام بھی دعا فرمائیں کہ جب تک یہ خدمت میرے مسلّم کو
اللہ تعالیٰ ہر بے مضلّال سے بچائے، ہوئے دین کی صحیح خدمت اور بلا خوف اور لا اُمّ انظار حتیٰ کی توفیق نصیب فرمائے،
اور ایک لمحہ کیلئے بھی ہمیں ہمارے نفردے کے حوالہ نہ کرے۔

يا حَيُّ يا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِيثُ اَصْلَمْ لَنَا شَانَا كُلَّهَا وَلَا تَكْلُنَا اِلَى الْاَنْفُسِ اطْرَفَةِ عَيْنٍ فَاَنَّا
اِنْ تَكْلُنَا اِلَى الْاَنْفُسِ تَكْلُنَا اِلَى ضَعْفٍ وَعَوْرَةٍ وَذَنْبٍ وَخَطِيئَةٍ -

”اور اللہ نفیس ترین“

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نگاہِ اولیں

اکتوبر کی ۹ تاریخ مئی، ہم جدہ سے بمبئی آرہے تھے، بمبئی پہنچنے میں ابھی ۳۲ دن باقی تھے، گویا ہمارا ہزار بیچ سمندر میں تھا، عصر کا وقت آئے، والا تھا کہ ہمارے ایک مسلمان اسٹریٹ لبرری کے ابھی پاکستان ریڈیو نے بتلایا ہو کہ "لیاقت علی خان وزیرِ اعظم پاکستان کو راولپنڈی کے ایک علیہ میں تقریر کرتے ہوئے کسی عالم نے گولی کا نشانہ بنادیا۔ انکی حالت نازک ہے۔ لیکن ڈاکٹر ایس نہیں ہیں"۔ ہر سننے والے کو رنج و قلق ہوا، بعض بندے دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے، مگر قضا و قدر کا فیصلہ دوسرا ہو چکا تھا، بخوشی ہی دیر کے بعد انہی صاحب نے پھر خبر سنائی کہ مرحوم جانبر نہ ہو سکے اور اس جہان سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔۔۔۔۔ سننے والوں نے منقرت کی دعا کی۔ اللہم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنه و تقبل حسناتہ ونجا وزعن سیناتہ

مرزا مینا اس دنیا کا کوئی نیاز لا واقعتاً نہیں، آمد و رفت کا یہ سلسلہ ہر روز اور ہر دم جاری ہو، ہر شہر کے قبرستان میں وہ چارنئی قبروں کا اضافہ روزانہ ہو رہی رہا ہو، لیکن بعض حادثے اپنی خاص نوعیت کے معاملے سے بڑے عبرت انگیز ہوتے ہیں۔ یقیناً پاکستان کے وزیرِ اعظم کا یہ حادثہ بھی انہی میں سے ہو اور جو دل اس سے سبق نہ لے وہ انسانی دل نہیں، پتھر کا ٹکڑا ہو۔

دنیا کی بے ثباتی دنیا میں اسی، قضا و قدر کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی طاقت اور اعلیٰ سے اعلیٰ اضطرابات کی بے چارگی و درماندگی اور موت کا یقینی ہونا، اور نفرت و وقت سے ایک ٹکڑے کے لیے بھی نہ مل سکتا، یہ سب اس حادثہ کے ظاہری و عمومی اسباق ہیں، لیکن اس وقت خصوصیت کے ساتھ جس چیز کی طرف توجہ دلانا مقصود ہو وہ یہ ہو کہ اس قسم کے حوادث سے ہم یہ سبق خاص طور سے لیں کہ موت کس قدر چالاک آتی ہو اور بڑے بڑے آدمی کو بھی تیاری کی کوئی اہلیت نہیں دیکھتی۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی پوری پوری مغفرت فرمائے اور ان کے اس مظلومانہ اور سیر حجاز قتل کو کفارہ سیئات اور دفع درجات کا ذریعہ اور حصول درجہ شہادت کا وسیلہ بنائے، مگر ہم زندوں کو اپنے واسطے سبق لینے کے لیے سوچنے کی بات یہ ہو کہ اس دوسرے عالم میں پہنچ کر جسکی پہلی منزل قبر کا گڑھا ہو، کتنے اعمال خیر اور کتنے اور مردانہ کی متعلق اس طرح جانیں والوں کو حسرت ہوتی ہوگی کہ کاش ہم ان میں کو تاہی نہ کرتے اور اپنے

کیے ہوئے کتے کا منہ کے متعلق رنج و انوس ہوتا ہو گا کہ کاش وہ ہم سے سرزد نہ ہوئے ہوتے۔ لیکن دہاں یہ حسرت اور یہ رنج و انوس کچھ کام نہ آئے گا، زندگی کے ختم ہونے کے ساتھ دفن ہونے سے پہلے ہی اعمال نامہ پر ہر گم چکی ہوگی۔ یہ دن یقیناً ہم سب کے لیے آنا ہو اور اسی طرح آنا ہو کہ اس دن کی صبح تک بھی خبر نہیں دی جائے گی کہ آج تمہارے کوچ کا دن ہو، پس موت کے لیے تیاری کا یہی وقت ہو جسکو ہم موت سے غافل ہو کر بے فکر یا اور بیدردی سے ضائع کر رہے ہیں۔ اور موت کی تیاری یہی ہو کہ اس دنیا میں پیدا کرنے والے اپنے جس مالک کے حضور میں موت کے بعد ہمیں حاضر ہونا ہو پس اس حضور کی اور پیشی کا دھیان اور فکر رکھتے ہوئے اس دنیوی زندگی میں اس کے فرمانبردار اور اسکی شریعت کے پیروکار رہو کہ رہیں اور اپنی زندگی کے ہر شعبہ کو اُسکے زیرِ حکم کر دیں و املاں خاف مقام ربہ و نہی النفس عن الھوی فان الجنة ہی المادوی۔ فہل من متدکر!

ہمارے مخدوم محترم مولانا گیلانی نے اپنے ایک حالیہ مکتوب گرامی میں (جو بنو ردار عتیق الرحمنؒ کے نام ہے) اسی حادثہ فاجعہ کے سلسلہ میں چند سطریں تحریر فرمائی تھیں وہ اس لائق ہیں کہ ہر لکھا پڑھا مسلمان انھیں بار بار پڑھے اور اس وقت کی تارکیوں میں ان سے روشنی حاصل کرے، تحریر فرماتے ہیں۔

”لوگ جان بچانے کے لیے پاکستان مہاگے جاتے تھے، مگر دیکھ لیا انھوں نے پاکستان ہو چکے، پاکستان کے سب بڑے اقتدار ہی عہدے پر قابض ہونے کے بعد بھی قابض ارادہ کو کوئی روک نہیں سکا، مرحوم کی موت سے مجھے تو زندگی کا یہی پیغام ملتا ہے: قل ان الموت الذی تعرفون منه فانه ملا فیکم۔ ملاقات کے لیے بہر حال عزرائیل علیہ السلام وزارت کی کرسی پر بھی پہنچ ہی جاتے ہیں۔ اسی قسم کے مرنے والوں کی زبان سے سننے والوں نے یالیت قوم یعلمون بما غفر لی ربی وجعلنی من المکرمین سنا ہو۔

جب ہند میں گاندھی جی کا واقعہ پیش آیا تھا اس وقت بھی دل نے ہی سمجھا تھا کہ غیر کے ملک، غیروں کی جماعت میں انیس، اپنوں میں اور کیسے اپنے جھکے جسم پر بھی حکومت قائم تھی اور روح بھی جھکی قابو میں تھی، ان ہی میں سے چاہنے والے کا جب ارادہ ہوا تو ایک شخص کو اٹھا لایا گیا اور وہی وہ کچھ کر گزرا جسکی بڑے سے بڑے دشمن سے بھی عقل توقع نہیں کر سکتی تھی۔

عقل سے انسان سوچتا ہو، اسکے فیصلے با اوقات غلط ثابت ہوئے۔ کاش! انسان کبھی مسلمان بن کر سوچا کرے۔ سوچنے کی اسکو توفیق ہو، اور گوناگوں کشتوں سے بھرا ہوا یہ عالم اسکو بھی ایک احد ارادہ اور مشیت کے شیرازے میں جکڑا ہوا نظر آئے۔ جیسے قرآن پر ہر ایمان والے کو نظر آتا ہو یا

اے نظر، انا چاہیے۔ تب قیمت سمجھ میں آئی جو اس آیت کی جسکو یوسف علیہ السلام کی زبان سے قرآن میں نقل کیا گیا ہو۔ یہ فرمانے کے بعد کہ

ماکان لنا ان نشرك
باللہ من شئ۔
ہمارے لیے اسکی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی ہو کہ
اللہ کے ساتھ کسی کو خواہ وہ کوئی ہو، ہم عالم کے
نظام میں سامع بنائیں۔

یہ کیا عجب دل دوز، دل آویز، روح پرور فقرہ ہو کہ
ذالک من فضل اللہ علینا و
علی الناس و لکن اکثر
الناس لا یشکرون
دساری کائنات کو ایک ہی مشیت اور ارادے کے
ساتھ وابستہ یقین کرنا، یہ اللہ کا فضل ہم پر بھی ہو
اور اور لوگوں پر بھی ہو۔ مگر اکثر آدمی اس کا شکر
نہیں کرتے۔

اس سے زیادہ فضل اور کیا ہو سکتا ہو کہ لامحدود اسباب کی گتھیوں کو سمجھانے کی جگہ ہم پر یہ راز وضع کر دیا
گیا کہ ہر چھوٹی بڑی بات میں ہمیں ایک ہی سے کتنا ایک ہی سے لینا اور دینا ہو، یہی مطلب ہو ”مواظفونی“
کے اس جز کا جو فرمایا گیا کہ

أرباب متصرفون خیرام اللہ
الواحد القہار۔
بہت متفرق پروردگار بہتر ہیں، یا ایک اللہ جو
سب پر غالب ہو۔

بہر حال عقل والے انسانوں کو یہ بھولنا نہ چاہیے کہ عقل کے ساتھ ساتھ انکو قرآن کی شکل میں بھی علم کا ایک
مستقل ذریعہ ارزانی فرمایا گیا ہو لیکن جو انسان ہو کہ بھی ہو انسان ہی بننے پر اصرار کرتے ہیں جب ان کا یہ حال ہو تو جو
غریب بھی صرف انسان ہیں، اصحاب قرآن کی جماعت میں شریک نہیں ہوئے ہیں انکا مشکوہ کیا۔

ایک زریں وصیت اور نصیحت!

حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے شاخ حرمین کے تذکرہ میں ایک مختصر رسالہ ”انسان العین فی مشائخ الحرمین“ تحریر فرمایا
ہو کل اتفاق سے اسکو دیکھ رہا تھا چند سطریں اس میں ایسی نظر پڑیں جنہیں خاکسار اس نے ان کے اہل علم و دین کے لیے براہین الفرقان
کی خوش قسمتی ہوگی کہ یہ سطر اس کے صفحات پر آجائیں۔

شاہ صاحب اپنے اتنا حدیث شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی (مدنی) کا حال بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ایک
دن صوفیاء کرام کے احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ موصوف نے فرمایا۔۔۔ ان حضرات میں اگرچہ آپس میں اختلافات ہوں
لیکن میں ان کے انکار سے بہت ڈرتا اور بچتا ہوں، اسی سلسلہ کلام میں شیخ موصوف نے شیخ اکبر بن العری کی ”فتوحات حکیمہ“

کا بابا الوصیت کمال کر مجھے وہ مقام پر مقرر کیا جہاں شیخ نے کھایا ہو کہ ایک شخص سے مجھے عداوت و نفرت تھی اور اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ شخص شیخ ابو مدین مغربی کو برا کہتا تھا اور میں انکو پوری بصیرت کیساتھ مقبولین میں سے جانتا تھا۔ لیکن خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی زیارت سے مشرف فرمایا، اور ارشاد فرمایا۔

لعمریضا خلا تاً
فقم لانه یبغض ابامدین وانا
علی یصیرہ منہ
قال الیس یحب اللہ ورسولہ
قلت نعم !
قال فلم تبغضہ لبغضہ ابامدین
ولا تحبہ لحب اللہ ورسولہ
فلان شخص سے تمہیں کیوں بغض ہو ؟
میں نے عرض کیا اے بیٹے کہ وہ شیخ ابو مدین سے بغض رکھتا
ہو اور میں علی و جبرائیلؑ نے عقیدت رکھتا ہوں۔
خو نے فرمایا کہ اسکو اللہ و رسول سے محبت نہیں ہے؟
میں نے عرض کیا ہاں اللہ و رسول سے تو وہ محبت رکھتا ہو۔
خو نے ارشاد فرمایا کہ پھر کیا کیوں ہو کہ ابو مدین سے بغض
رکھنے کی وجہ تم اس سے بغض رکھتے ہو اور اللہ و رسول کی
محبت کی بنا پر تم اس سے محبت نہیں کرتے۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں۔ میں نے اپنی اس حالت سے اسی وقت توبہ کی اور اس شخص کے گھر پہنچا اور معذرت کر کے معافی چاہی اور ایک بیش قیمت کپڑا ان کی خدمت میں دیدیا اور میں نے ان کو راضی کر لیا اور خواب کا قصہ بھی بیان کر دیا۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ شیخ ابو مدین کو برا کہنے کی وجہ آپ کے لیے کیا ہو؟۔ انھوں نے ایک ایسی بات بیان کی جو سراسر غلط فہمی پر مبنی تھی۔ میں نے ان کو حقیقت حال سمجھائی، انھوں نے اپنی غلطی پر مطلع ہو کر فوراً رجوع کر لیا اور اسی وقت توبہ کی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہم سب میں سرایت کر گئی۔

(ازان العین، صفحہ ۸۰)

کیا دینی مدرسوں، خانقاہوں، اور دینی تحریکوں سے تعلق رکھنے والے ہم لوگ اس سے وہ سبق لیں جس کے لیے ہم سب کے مقتدا حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے اساذ شیخ ابو طاہر کے اس درس کو اپنے رسالہ میں محفوظ کیا تھا۔ بزرگوں کی نصیحت توبہ کو کہ "در نوشت است پند برد یوار۔"

جماعت اسلامی سے متعلق مضمون کا تذکرہ

(از: محمد منظور حسینی)

ذیقعدہ کے شامے میں ”جماعت اسلامی“ سے تعلق ہو مضمون شائع ہوا تھا، اگرچہ معاملہ کی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر اس عاجز نے زور خوب سوچ بچ کے اور کافی غور و فکر کے بعد لکھا تھا، لیکن جن دن میں نے اس کو لکھ کر ختم کیا، چونکہ اُس دن مجھے سفر حجاز کے لئے روانہ ہو جانا تھا اسلئے دن سہرا ایک غریبی اطمینان سے نظر ثانی نہیں کر سکا تھا۔ حجاز سے واپسی پر ”انفرسٹریکچر“ میں اپنا وہ مضمون میں نے مہینے اُن کے پڑھا، اور اسی وقت احساس ہوا کہ دو تین باتیں جن کا ذکر کرنا میرے لئے ضروری تھا وہ ذکر سے رہ گئیں۔
ذیل کی سطروں میں وہی چیزیں عرض کرنی ہیں، گویا یہ سطور اسی مضمون کا تذکرہ ہیں۔

”جماعت اسلامی ہند“ نے اپنے مرکز راپور میں ارکان کی تربیت کا ایک شعبہ قائم کر رکھا ہے، گزشتہ سال ایک دفعہ جب راپور جانا ہوا تھا تو میں نے اُس کے نظام و نصاب کو تفصیل سے دیکھا اور سمجھا تھا، اور اُس وقت یہ اندازہ کر کے طبیعت خوش ہوئی تھی کہ جماعت نے تعلق رکھنے والے جو افراد اس شعبہ سے پورا فائدہ اٹھا لیں گے وہ انشاء اللہ بہت سے اُن مفاسد سے محفوظ ہو جائیں گے جو میرے خیال میں جماعت کے بعض حلقوں میں پیدا ہوئے ہیں، اور جن کی نشاندہی اس عاجز نے ”انفرسٹریکچر“ کے اُس مضمون میں کی تھی۔ راپور کی اس حاضری کے موقع پر اس شعبہ کے متعلق اس عاجز نے کچھ دوستانہ مشورے بھی دیئے تھے۔

بہر حال میرا خیال ہے کہ اپنے کچھ مضمون میں جہاں میں نے جماعت کے بعض حلقوں میں پیدا ہونے والے مفاسد کا تذکرہ کیا تھا وہیں مجھے جماعت اسلامی ہند کے اُس شعبہ تربیت کا اور مفاسد کی اصلاح یا تقبیل کی آس سے مجھے جو امید ہوئی تھی اُس کا بھی تذکرہ وہیں مجھے کر دینا چاہیے تھا۔

مجھے معلوم نہیں کہ جماعت اسلامی پاکستان اس کام کی راستہ کس وجہ میں متوجہ ہے، اور اس کے لئے کوئی ایسا

موزوں آدمی اُس کو طے یا نہیں؟ جیسے کہ ہندوستان کی جماعت کو مولوی حامد علی صاحب طے ہوئے ہیں، جو جماعت کے حلقہ میں اس کام کے لئے موزوں ترین آدمی ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح ایک یہ چیز بھی ظاہر کر دینا میرے لئے ضروری ہے کہ جماعت اسلامی سے تعلق جو باتیں میں نے اپنے اس مضمون میں لکھی ہیں اور اگر جماعت سے جن پر غور و توجہ کی استدعا کی ہے اُن میں سے بعض کبھی کبھی میں نے اُٹھاتے ہوئے اسلامی ہند کے ذمہ داروں سے زبانی بھی عرض کی ہیں، انھوں نے ازراہ اجلاس و اعتماد اس عاجز کو کئی دفعہ اس کا موقع دیا، اور جہاں تک اپنا اندازہ ہے ہر دفعہ میری ان باتوں کو ان حضرات نے مفصلاً نہ مشورہ سمجھ کر ہی سنا ہے، اور اگر اپنی یہ معروضات مجھے جماعت اسلامی پاکستان کے حضرات تک پہنچانی نہ تھیں تو غالباً میں اُن کے لئے الفرقہ کا صفحہ کتب استعمال کرنا پسند نہ کرتا کیونکہ جماعت اسلامی ہند کے اہل حل و عقد سے ملاقات اور گفتگو کی راہ کھلی ہوئی ہے، اور ہم ایک دوسرے پر اعتماد کے ساتھ کھل کر باتیں کر لیتے ہیں۔

اسی طرح ایک یہ بات عرض کر دینا بھی میرے لئے ضروری ہے کہ جماعت اسلامی کے ذمہ دار بزرگوں سے جو کچھ عرض کرنا اس عاجز کے نزدیک ضروری اور مناسب تھا، اگرچہ وہ سب بے تکلفی اور صفائی سے عرض کر دیا گیا ہے، لیکن دین کو برسرِ اقتدار لانے کی جو جدوجہد اس وقت خصوصاً ہندوستان میں کر رہے ہیں اس کے ساتھ اس عاجز کو بہر حال دلی، اور گہری ہمدردی ہے۔ اور میں پوری صفائی اور صراحت کے ساتھ اپنی طرف سے یہ اعلان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ انکی یہ جدوجہد اصولی اور مقصدی طور پر میرے نزدیک قطعاً دینی جدوجہد ہے، مجھے اس کے ساتھ خاص ہمدردی ہوگی اور میں ان کی کبھی نیت کر کے دُعا کرتا ہوں۔ اللہ (نصر دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) واجعلنا منہم واخلد من خذل دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ولا تجعلنا منہم۔

آخر میں ایک بات یہ بھی عرض کرنی چاہیے کہ جماعت اسلامی کے بعض حلقوں میں پہلا ہونیوالے جن مفاسد کی میں نے اپنے مضمون میں نشاندہی کی، اُس سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ جماعت سے تعلق رکھنے والے تمام افراد ان مفاسد میں مبتلا ہیں، بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ چیزیں جماعت کی ایک معتد بہ تعداد میں پیدا ہو رہی ہیں اور پھیل رہی ہیں، یعنی میں جماعت سے تعلق رکھنے والے ایسے بہت سے افراد سے ذاتی طور پر واقف ہوں جو بحوالہ ان چیزوں سے محفوظ ہیں۔ یہ بات اگرچہ میں اپنے مضمون میں بھی صراحت کیسے ظاہر کر چکا تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے مضمون کے بعض ناظرین نے اس بات کو نظر انداز کر دیا، اسلئے مکرر اس کی تصریح کرتا ہوں۔

حکمرانی کے دو نظریے

”مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ایک عربی مقالہ کا ترجمہ“
(از عتیق الرحمن سمبلی)

اگر ہم حکومتوں کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ممکن ہے بظاہر دیکھنے میں ہیں بیسیوں قسم کی حکومتیں نظر آویں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حکومت کی اصل قسمیں دو سے زیادہ نہیں ہیں اور ماضی و حال کی تمام حکومتیں ان ہی دو میں سے کسی ایک کے تحت میں آجاتی ہیں۔ حکومت برائے عیش و دولت یا حکومت برائے بہادری و شہادت۔ یہ دونوں قسمیں ہر بات میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتی ہیں، ہر ایک اپنا ایک خاص مزاج رکھتی ہے، ہر ایک کے الگ الگ رجحانات ہوتے ہیں، ہر ایک اپنے لئے خاص سیرت و کردار کے آدمی چاہتی ہے، اور پھر ہر ایک کے کام کے نتائج بھی الگ الگ شکلوں میں رونما ہوتے ہیں۔

دونوں قسموں کا فرق ! جس حکومت کا طبع نظر تحصیل عیش و دولت ہوتا ہے اس کا سارا نظام بس اسی فکر کے تحت گردش کرتا ہے کہ اس کا مالیہ زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو، آمدنی بے حساب ہو، اہل حکومت کو عیش و آرام کے زیادہ سے زیادہ مواقع میسر ہوں، ملک کی معیاری تہذیب تکلفات ٹیٹاپ کا مرقع ہو، اور شہریت اور اس کے مظاہر میں اس بلا کا حسن و جاذبیت اور اس غضب کی رونق اور سجاوٹ دیکھائے کہ دیکھنے والے کو جنت ارضی کا گمان ہو۔ چاہے ان اغراض کیلئے اسے غریبوں کا خون چوسنا پڑے، مزدوروں اور کسانوں پر ستم توڑنے پڑیں، جان لیوا ٹیکس اور ماضی نامہ کرنے پڑیں، اسے کوئی مطلب نہیں کہ غریب رعایا پر کیا گزرے گی، بھاری بھاری ٹیکسوں کے نیچے دب کر اس کی کیا گت بنے گی، یا جس شہریت کے ایک رخ کو وہ اتنا خوش منظر بنا چاہتی ہے اس کا دوسرا رخ کتنا کرہیہ نظر ہو جائے گا۔ اسکی تمام تر دلچسپی صرف ان کاموں اور ان چیزوں سے تعلق رکھتی ہیں جن سے اس کی آمدنی اور آمدنی کے ذرائع میں اضافہ ہو، جن سے اس کی شان و شوکت میں چار چاند لگتے ہوں، جو بادشاہ یا رئیس مملکت اور اس کے وزراء کے لئے ان کی آل و اولاد کے لئے ان کے خاندان اور اہل خاندان کیلئے ان کے دوستوں اور دوستوں کے عزیزوں کیلئے ان کے خدمت گزاروں، حاشیہ نشینوں اور بچی حضور یوں کے لئے عیش و عشرت کے سامان جیا کریں، اور جن

چیزوں کی بدولت وہ شاندار محل اور عالیشان کوٹھیاں تعمیر کر سکیں اور بڑی بڑی جائیدادوں، کارخانوں اور فیکٹریوں کے مالک بن سکیں۔ اس قسم کی حکومت کو اس کے علاوہ دوسری چیز سے دیکھی نہیں ہوتی۔

ایسی حکومت کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ وہ جمہور کی اخلاقی اور روحانی تربیت سے غفلت برتی ہے، ان کے اخلاق اور جذبات کی نگرانی کی قطعاً فکر نہیں کرتی، کیونکہ اس کے نزدیک کسی چیز کے قابلِ توجہ ہونے کا معیار یہ ہے کہ اس میں کوئی مالی یا سیاسی فائدہ نظر آئے۔ اسی لئے بے اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کسی معیوب یا ممنوع کام کے انتخاب میں حکومت کو کوئی اس قسم کا فائدہ نظر آتا ہے تو وہ اس کام کو قانوناً جائز قرار دیتی ہے بلکہ اس میں لوگوں کی ہمت افزائی کرتی ہے، اور اس کے برعکس اگر کسی جائز کام میں کسی مالی یا سیاسی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے تو اس کو قانوناً ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس کی مالی حرص بلکہ بھوک اس حد تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے کہ ہر وہ کام اور ہر وہ اقدام جو آمدنی بڑھانے کا ذریعہ بن سکتا ہو فی نفسہ خواہ کتنا ہی معیوب کیوں نہ ہو اس کی نگاہ میں مقبول ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات عبادات اور مرنے جیسے تک پر کسی بہانہ سے ٹیکس لگا دیا جاتا ہے اور اس طرح یہ حکومت اپنے اصل فرائض (یعنی عوام کے مفاد کی نگرانی، ان کی راحت اور خوشحالی کی فکر، اور ان کی اصلاح و تربیت کے انتظام) کو پر پشت ڈال کر ایک بڑی تجارتی کمپنی کا پارٹ ادا کرنے لگتی ہے جسے نفع اندوزی کے سوا نہ کوئی فکر ہے نہ کوئی کام۔

اس کے برعکس دوسری قسم کی حکومت یعنی جو ”حکومت برائے ہدایت“ کے نظریہ پر قائم ہوتی ہے اس کے سامنے ایسے پست اور ذلیل مقاصد نہیں ہوتے، وہ مالی منفعت اور سیاسی قوت کی بندگی نہیں کرتی، بلکہ اس کا ایک بالکل بے غرض اور بے لوث مشن ہوتا ہے جس کی خدمت کو وہ اپنے اقتدار اور اختیار کا سبب اہم اور اولِ مصرف سمجھتی ہے۔ وہ مشن کیا ہوتا ہے؟ لوگوں کو اللہ کی بندگی کی طرف بلانا، انھیں بھلائی اور سچائی کی راہ پر لگانا، اور بُرائی کی راہ سے ہٹانا۔۔۔۔۔۔ وہ اپنی کامیابی کا معیار زیادہ آمدنی اور زیادہ بچت کو نہیں قرار دیتی، بلکہ اس کے نزدیک کامیابی کا معیار یہ ہے کہ اس کی قلمرو میں عام طور سے لوگوں کا کیئر بلند ہو، ان کے دل اور ان کی رو میں پاکیزہ ہو، ان کی سیرتیں پسندیدہ اوصاف اور اچھی عادات کا آئینہ ہوں، مرنے کے بعد دلی زندگی ان کی توجہات کام کر رہی ہو، اس دنیا کے لہذاؤ اور منافع میں ان کا انھماک کم سے کم ہو، معیشت میں قناعت کے اصول پر عمل پیرا ہوں، معمولی گنہگار کیسے جتنا کافی ہو اس سے زیادہ کی ہوس نہ رکھتے ہوں، بُری باتوں سے نفرت رکھتے ہوں، خالق کی نافرمانی کے قریب جانے سے ڈرتے ہوں، اور اچھی باتوں اور بھلے کاموں میں ہر شخص دوسروں پر حجامانے کی حرص نہ رکھتا ہو۔۔۔۔۔۔ یہ ہے اس حکومت کی کامیابی کا معیار۔ اگر یہ باتیں اس کے جمہور میں پائی جاتی ہیں تو وہ اپنے آپ کو انتہائی کامیاب اور خوش نصیب سمجھتی ہے، اگرچہ اس کامیابی کی قیمت اُسے اپنے پورے خزانہ سے

اور کرنی پڑے، اور بچت کے نام کی ایک کوٹری بھی نہ ہے۔

اپنے پر خلوص مشن کی تکمیل کے لئے یہ حکومت طرح طرح کی کوششیں کرتی ہے، ملک کے ہر حصے میں واعظوں کا تقرر کرتی ہے، تبلیغی جماعتی ہے، اہلِ خیر میں بہت افزائی کرتی ہے، شراب سازی اور شراب نوشی بند کرتی ہے، ہر بُرے اور نازیبا کام پر دار و گیر کرتی ہے، ناچ رنگ کی مغفلیں سر دکتی ہے، اخلاق اور جذبات کو بگاڑنے والے کھیل تماشوں کو ممنوع قرار دیتی ہے، عریانی اور فحاشی پھیلانے والے عناصر کو معاشرہ میں سے نکال کر پھینکتی ہے۔ غرض وہ نظامِ عقاید، نظامِ اخلاق، اور نظامِ معاشرت میں بگاڑ پیدا کرنے والے تمام عوامل اور محرکات کا انسداد کرتی ہے، اور اس کو وہ اپنا اہم فرض سمجھتی ہے۔ اس حکومت کے دور میں مسجدیں آباد اور میکے ویران نظر آتے ہیں، اچھے عناصر طاعت پاکر اکبرتے ہیں اور ملک پر اپنی اچھائیوں کے ساتھ چھا جاتے ہیں، اس کے برعکس بُرے عناصر دُبنے اور دُپوش ہو جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں، ہر طرف نیک کرداری اور نیک عملی کا دور دورہ ہوتا ہے،

اور

”الذین ان مکنا هم في الارض اقاموا الصلوة داؤا الزکوۃ دامر دا
بالمعروف و نهوا عن المنکر و الله عاقبة الامور“ (وہ لوگ کہ اگر تم ان کو
زمین پر اقتدار بخشیں تو یہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، معروف کا حکم کریں اور منکر سے
منع کریں۔ اور بیشک اللہ ہی کے قبضہ میں ہے انجام کار)۔

کا منظر آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔

اس حکومت کی پوری مشینری میں، اور اقل الذکر قسم کی حکومت کی مشینری میں ہر لحاظ سے بڑا اختلاف ہوتا ہے۔ یہ اپنے طبعی میلانات اور جذبات میں اپنے کردار اور معاملات میں اُس سے بالکلہ معیار ہوتی ہے، اس کے کاموں میں حُبِ خیر اور احتساب کی شان، ایشاء و خدمت اور دیانت داری کی اسپرٹ اور قربانی و وفا شعار کی جذبات نظر آتے ہیں، اس کا ہر قدم اسی اسپرٹ اور انھیں جذبات کے ماتحت اُٹھتا ہے۔ اس کے برعکس دوسری قسم کی حکومت (جس کا اصل مقصد تحصیلِ دولت ہوتا ہے) کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس کی مشینری میں خدمتِ ایشاء اور دیانت داری کی روح بالکل مفقود ہوتی ہے، اسلئے خود مملکت کے قانون اور اس کی مشینری کے درمیان سخت کشاکش دیکھنے میں آتی ہے۔ خود حکومت کی مشینری ہی حکومت کے قانون کو ناکام اور بے بس کرنے اور اس سے گلوغلا بھی درپے رہتی ہے۔ وہ عوام کے مقابلے میں خود کو برتر سمجھتی ہے، اُسے اپنی حیثیت پر غرور اور گھمنڈ ہوتا ہے، اس کے کل پُر زے جھوٹ، بددیانتی، منافقت اور رشوت ستانی کے اس درجہ خوگر ہوتے ہیں کہ بعض وقت ایک شریف انسان خانہ کعبہ تک میں یہ دُعا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ خدایا! ان سے کبھی واسطہ نہ ڈالے!۔ ان لوگوں کی یہ خصلتیں

یہ حال کر دیتی ہیں کہ جب تک آدمی ادھر ادھر تھوڑا بہت خرچ نہ کرے اپنے اُن حقوق کا فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتا جو بحیثیت ملکیت شری ہونے کے ملکیت کا قانون اُس کے لئے تسلیم کرتا ہے، حتیٰ کہ انصاف جیسے بنیادی حق کے حاصل کرنے کے لئے بھی اُسے کچھ قیمت بچانی پڑتی ہے۔ غرض اس حکومت کے سایہ میں عام باشندوں کو بڑی سخت پریشانیوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسے کہ بھول کے سایہ میں کانٹوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ اسلئے کہ اس حکومت کی مشینری کا کوئی فرد یہ عقیدہ تو رکھتا نہیں کہ مجھے جو کچھ اختیار اور قوت حاصل ہے وہ قوم اور اہل ملک کی امانت ہے جس کا مجھے غلط استعمال نہیں کرنا چاہئے، اور میں صرف ایک خادم ہوں۔ بلکہ وہ تو اپنے بالے میں یہ خیال رکھتا ہے کہ میں ایک مختل ہوں اور مجھے جو کچھ اختیار حاصل ہے اس کا صحیح مصرف تفصیل وصول ہے۔ اور وہ بھی جہاں تک ہو سکے اپنے لئے نہ کہ سرکاری خزانے کے لئے حکومت نے مجھے اس عہدے یا پوسٹ پر پہنچا کر کمائی کا ایک بہترین موقع دیا ہے، میں اسے کیوں ہاتھ سے جانے دوں۔ یہ تو بہتی لنگاہ ہے جس میں ہر شخص ہاتھ دھور ہا ہے، میں ہی کیوں محروم رہوں، اور جب لٹروں کے قافلے میں شرکت ہی کی ہے تو ان کے امتیازی پیشے سے پرہیز کیوں کروں؟۔

حکومت برائے ہدایت کا ایک مثالی نمونہ

تاریخ میں اس ننگِ انسانیت حکومت کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں اور کچھ بھی ہم اپنے چاروں طرف اسی قسم کی حکومتیں پاتے ہیں، اسلئے نہ تو اس کی تیشیل کی چنداں ضرورت ہے اور نہ اس کی خصوصیات کی مزید وضاحت کی، البتہ وہ حکومت جس کے پیش نظر بندگانِ خدا کی ہدایت اور بھلائی ہوتی ہے اس کی مثالیں تاریخ میں شاذ و نادر ہی نظر آتی ہیں، اور فی زمانہ تو بالکل ہی غنقا ہے، اسلئے اس کی وضاحت کے لئے ضرورت ہے کہ اس قسم کی حکومت کی کوئی مثال بیان کی جائے۔

چھٹی صدی عیسوی میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب عرب کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو مخالفین کا وہ بہترین منہ اس دعوتِ حق کی طرف کھینچ آیا جس نے اپنے زمانے میں اپنے کو قرآن کی ان آیات کا بہترین مصداق ثابت کیا۔

”فتیۃ“ منوا برہم وزدناہم مدنی دربطنا علی قلوبہم اذ

قاموا فقا لودنا رب السہوات والا رض لن ندعو من دونہ العا

لقد قلنا اذا شططا ھولاء قومنا اتخذوا من دونہ اللہ، لولا

یا تون علیہم سلطان بین، فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا

(ترجمہ) وہ ایک جماعت تھی جو اپنے پیچھے رب پر ایمان لائی اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی اور مضبوط کر دیا ان کے دلوں کو جبکہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے یہ کہتے ہوئے کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمان و زمین کا رب ہے، ہم ہرگز نہ پکار سکیں گے اس کے سوا کسی کو (اور بالقرض اگر ایسا کیا گیا) تو ہماری یہ بات نقل سے بہت دور ہوئی، یہ ہماری قوم والے ہیں جنہوں نے اُس ایک کے سوا دوسرے معبود بنائے ہیں، یہ اُن کے معبود ہونے پر کوئی وزنی دلیل کیوں نہیں لاتے (اور اگر دلیل نہیں ہے) تو اُس سے بڑھ کر نا انصاف کون ہے جو اللہ پر ہتان تراشے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس دعوت پر لبتیک کننا سوائی کی نظر میں ان کا بہت بڑا جرم تھا جس کی پاداش میں یہ مردان باصفاء جو روحنا اور قلوبنا کے تیروں پر رکھ لئے گئے، خوب غوب شقِ تہم کی گئی، اور پوری سنگدلی کے ساتھ تائے گئے، مگر اُن سے تو پہلے ہی کمدیا گیا تھا۔

”احسب الناس ان یبقوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین“ (ترجمہ) ”کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انھیں صرف ”آمینا“ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا اور ان کے اس دعوے کی آزمائش نہیں کی جائیگی حالانکہ ہم نے ان کے انگوں کو آزمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ضرور جان لے گا اُن کو جو سچے ہیں اور اُن کو جو جھوٹے ہیں۔“

اسلئے آزمائش کے کسی مرحلے میں ان کے قدم ذرا نہ ڈگے اور پہاڑوں کی شانِ استقامت کے ساتھ اپنے موقع پر ڈٹے رہے، انھوں نے پہچان لیا کہ یہ مصائب تو وہی ہیں جن کے درود کی خبر اللہ اور اللہ کے رسول نے نہیں پہلے ہی دی تھی۔ ہذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ۔ وہ آزمائش وابتلا کے ان کٹھن مراحل کو پورے صبر و ثبات کے ساتھ طے کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کا کھرا پن اور سچائی ظاہر ہو گئی، اور اللہ نے ہجرت کی اجازت مرحمت فرمادی، اب ان کی دعوت کو نسبتاً کم دشوار گزار راستہ مل گیا پہلی سی مداخلتوں کا سامنا نہ رہا اسلئے کامیابی کی رفتار تیز ہو گئی اور رفتہ رفتہ یہ جماعت اس پوزیشن میں آگئی کہ خلافتِ رضی کی ذمہ داریاں منہمال سکے، پس مشیتِ الہی کا تقاضہ ہوا کہ انھیں اقتدارِ حکومت بخش دیا جائے، تاکہ یہ دنیا میں اعتدال قائم کریں، ظلم اور بے انصافی کا استیصال کریں، انسانوں کو ظنون و ادہام کی اندھیریوں سے نکال کر نورِ حقیقت سے آشنا کریں، جن غلط اصولوں کی پابندی اور رسوم و رواج

کی بندشوں نے ان پر زندگی تنگ کر رکھی ہے ان سے نجات دلا کر ان پر جینا آسان کریں اور ان کو انھیں جیسے انسانوں کی غلامی سے آزاد کر اگر صرف خدائے وحدہ لا شریک کی غلامی اور بندگی کا سبق پڑھائیں ————— یہ ذمہ داریاں تھیں جو حکومت کے ساتھ ان پر عائد کی گئیں ————— تاریخ گواہ ہے کہ انھوں نے ان مفادریوں کا حق ادا کر دکھایا اور وہی کام کئے جو حکومت برائے ہدایت کا طرہ امتیاز ہیں، نماز اور زکوٰۃ کا اہتمام کیا، ہر برائی کی بندش کی، اور ہر بھلائی کی پرورش کی۔

بہر حال دعوتِ اسلامی کا یہ شجر حکومت کا پھل لایا اور جن لوگوں نے اس پودے کے نشوونما اور اس کی حفاظت و بقا کی خاطر اپنی جانوں کی بازیاں کھیلی تھیں انھوں نے اپنی قربانیوں کا پہلا صلہ عزت و شوکت اور اقتدار کی صورت میں پایا۔

لیکن سچ یہ ہے کہ یہ انعام بجائے خود ایک بڑا امتحان تھا، بلکہ اب تک کے تمام امتحانوں و تمام آزمائشوں زیادہ سخت اور نازک امتحان تھا، مشیت کے اس تازہ فیصلہ نے انھیں ایک دور لمبے پر لا کھڑا کیا تھا ————— حکومت کے دور لمبے پر —————! جہاں ان کے سامنے دو راستے تھے، ایک راستہ ”حکومت برائے خدمت و ہدایت“ کا تھا، اور دوسرا راستہ ”حکومت برائے دولت و راحت“ کا تھا، اس سنسنیل تک یہ قافلہ بغیر حکومت کے ہدایت و خدمت ہی کی راہ پر گامزن تھا۔ مگر یہاں پہونچ کر ایک دوسری راہ بھی سامنے آگئی تھی جس کا ہر ذرہ مجسم کشش تھا، اس میں قدم قدم پر مال و دولت کے انبار تھے، سیم و زر کی چمک دمک تھی، عیش و عشرت کے مواقع تھے، اور سب بڑھ کر حکومت کے نام سے خدائی تھی، بس شرط اتنی تھی کہ یہ اس راستہ پر قدم بڑھادیں اور اس راہ کے پیشروؤں کی طرح رعایا کو ٹیکس، محاصل اور رشوت و خراج کے بھاری بوجھوں تلے دبا دیں ————— ان دونوں میں سے کسی ایک راہ کا انتخاب کرنا تھا، اسلئے یہ قافلہ ذرا ٹھٹکا، مگر فوراً ہی ہاتھ منہ پیچنے لگا کر کہا۔

”خبردار! تم جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جانشین ہو، جو دنیا کو سیدھی راہ پر

لگانے آئے تھے، کچھ وصول کرنے نہیں آئے تھے، وہ صرف ہادی تھے، نہ کہ محصل“

انھیں ذرا لمبی تردد نہ ہوا اور ایک لمحہ کی پس و پیش کے بغیر ”حکومت برائے ہدایت“ کی راہ اختیار کر لی اور فیصلہ کر لیا گیا کہ اللہ کے بجٹے ہوئے اس اقتدار کو شخصی اور ذاتی منفعات و جا طلبی کے بجائے عالم انسان کی ہدایت اور ہر پہلو سے اس کی زندگی کی اصلاح و تربیت کیلئے استعمال کیا جائے گا، اور یہی کام ہماری اس نوازیئہ مملکت کا امتیازی نشان ہوگا، اس طرح وہ اس سخت ترین آزمائش میں بھی پورے اترے۔ وحی اللہ عنہم وادھم بالغرض اگر وہ اس کے برعکس فیصلہ کر لیتے اور فرض کو نظر انداز کر کے منافع کا راستہ اختیار کر لیتے تو واقعہ یہ ہے کہ انھیں کوئی روکنے والا نہ تھا، دنیا نفع پرست اور فرض ناشناس حکومتوں کی عادی تھی، اس کے جسم پر

اس قسم کی سیکردوں جنکیں چٹی ہوئی تھیں، اگر اس نئی حکومت کے قیام سے بھی اس کی جونکوں میں ایک لڑکھونک کا اضافہ ہو جاتا، تو یہ کوئی ایسا حادثہ نہ ہوتا جس پر یہ چیخ اٹھتی، لیکن ایک خیال تھا جو اس وقت اٹھے آیا، اور اس نے ان کا دامن پکڑ کر کتنا شروع کیا — آپ کو اختیار ہے کہ جس راستے کو چاہیں اپنے لئے پسند کر لیں! مگر یہ سمجھ لیجئے کہ اگر آپ نے دعوت و ہدایت کی راہ کو چھوڑ کر ذاتی عیش و آرام اور نفع پرستی کی راہ کو اختیار کیا تو یہ اپنے اُن ساتھیوں کے ساتھ غداری ہوگی جو اپنی قربانیوں اور جاں نثاریوں کا پھل چکے بغیر نصیب چکے ہیں، یہ اُن مخلصین کے ساتھ بے وفائی ہوگی جن کے حصے میں جہاد کی سختیوں اور بھوک پیاس کی شدتوں کے سوا کچھ نہیں آیا، آپ کا یہ فعل اُن اصحاب باصفا کی مقدس رگوں پر ظلم ہوگا جن کی زندگی مسلسل فاقوں میں گزری، اور آج کی زبردست فتوحات اور بے شمار مال غنیمت میں ان کا کچھ بھی حصہ نہیں ہے۔ جیسے عثمان بن مظعون، حمزہ بن عبدالمطلب، مصعب بن عمیر، انس بن نصر، ذر سعد بن معاذ وغیرہ جن کی قربانیوں، جاں نثاریوں و فراقہ منیتوں کی بدولت آپ کو یہ حکومت و اقتدار نصیب ہوا ہے، دراصل یہ اقتدار ایک حیثیت سے ان کی امانت ہے اسلئے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ آپ اس کو اپنے مصالح اپنے منافع اپنی خواہشات اور اپنی اغراض کی تکمیل میں استعمال کریں، اقرباء پروری اور اجتماعِ نوازی کے کام میں لائیں، شکم پروری اور پیش کوشی کا ذریعہ بنائیں۔ اسلام کے ان جاں نثاروں نے اسلئے وطن نہیں چھوڑا تھا، اسلئے فاقے نہیں کئے تھے، اسلئے جہاد نہیں کیا تھا، اور اسلئے مصیبتیں مول نہیں لی تھیں کہ وہ اور ان کے ساتھی طاقت حاصل کر کے قیصر و کسریٰ کی جانشینی کریں اور اوچے اوچے محلوں میں داخل عیش دیں، یہ پاڑا انھوں نے اسلئے بیلے تھے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقصدِ نبوت کی تکمیل کریں، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا مقصد عالم انسانی کی ہدایت تھا ہدایت! اس کے سوا کچھ نہیں۔

بس یہ خیال تھا جس نے ان کو اقتدار کے غلط استعمال سے باز رکھا، اور صحیح راہ کے انتخاب میں امداد دی۔ چنانچہ انھوں نے اپنے شایانِ شان راستے کا انتخاب کر لیا، اور فیصلہ کر لیا کہ وہ بھی اسی طرح سے زندگی گزار اپنے رفقاء کے پاس پہنچیں گے جیسے انھوں نے گزاری تھی۔

پھر ان کے عمل نے اس فیصلے کا کتنا احترام کیا؟ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ مملکت کے قیام کے بعد چند ہی سال کے عرصے میں جب اس کے مجاہدین نے شام و ایران کو فتح کر لیا، اور قیصر و کسریٰ کے ہاتھوں سے اقتدار کی باگیں چھین لیں، اور ان دونوں مفتوح شہنشاہتوں کے سارے خزانے اس نئی مملکت کے پایۂ تخت — مدینہ منورہ — میں لا کر ڈھیر کر دیئے گئے، بلکہ کتنا چاہئے کہ چاندی سونے کے ڈوڑیاں ان دو عظیم ترین سلطنتوں سے نکل کر مدینہ کی سمت میں بہنے لگے اور دونوں سلطنتوں کے وہ بہترین اموال اور ٹھاٹھ باٹھ کے وہ لاجواب اسباب

اس نئی مملکت کے سربراہ کاروں کے قدموں میں آپڑے بھینس انھوں نے اپنی پوری عمر میں بیداری میں تو کیا شاید خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ تو اس وقت اس کا پورا پورا موقع تھا کہ ان میں سے کوئی اگر چاہتا کہ کسرا تاج زرنگا اس کے سر پر رکھ دیا جائے یا قصر کا بستر خاص اس کے نیچے بچھا دیا جائے تو بلا تکلف ایسا ہو جاتا۔ مگر ہمیں حیرت ہو جاتی ہے جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ۔۔۔۔۔ اس ارادہ سے تو انھوں نے ان چیزوں کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔۔۔۔۔ پھر ہماری حیرت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے جب ہم اس پہلو پر بھی نظر کرتے ہیں کہ یہ موقع انھیں اس وقت حاصل ہوا تھا جبکہ انھیں زندگی کی تنہا برداشت کرتے، کھانے پینے اور پہننے میں تنگی اور تکلیف اٹھاتے ہوئے تقریباً ایک چوتھائی صدی گزر چکی تھی، اس مدت میں انھیں مشکل ہی سے اتنا کھانا اور کپڑا میسر ہوتا تھا جس سے بیٹ بھرا جاسکے اور تن ڈھکا جاسکے۔ ایسے وقت میں دنیا کی دو عظیم ترین سلطنتیں مع اپنے ہر قسم کے مال و دولت ان کے قبضے میں آتی ہیں، اور یہ ان کے مال و دولت کو نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتے۔ بڑی بات تھی!۔۔۔۔۔ استغناء و استقامت کا حیرت انگیز مظاہرہ!!۔۔۔۔۔ بخدا ایسی استقامت! جس کی توقع پہاڑوں سے بھی نہیں کی جاسکتی، استغناء کے ایسے امتحان میں بڑے بڑے ضربِ انشل کرداروں کو فیل ہوتے دیکھا ہے۔۔۔۔۔ مگر یہ کامیاب ہوئے۔ کیوں۔۔۔۔۔ اسلئے کہ انھوں نے اس مسئلہ کو سرسری نظر سے نہیں دیکھا، اُن کے نزدیک یہاں سوال صرف یہ نہیں تھا کہ وہ تنگ دستی اور فاقہ منسی سے نجات پا کر خوش حالی اور کشائشِ اختیار کرنا چاہتے ہیں کہ نہیں؟ بلکہ اصل سوال ان کے خیال میں یہ تھا کہ کیا وہ آج اس مال و دولت، اس تاج و تخت، اور "زینتِ دنیا" پر بیٹھ کر ہمیشہ کے لئے اپنے اصول، اپنے مقاصد، اپنی دعوت، راہِ حق کی رہبری اور اُسکے تقاضوں کو خیر باد کہہ دینے کا فیصلہ کرتے ہیں، یا یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ سیم و زر کے اس سیلاب، اور سکون کی جھکا ر میں بھی دعوتِ نبوی کی اصل روح کو مضبوطی سے تھامے رہیں گے، اور جانشینانِ انبیاء و علما ان دعوتِ حق کے مثالی کردار اور حصہ دنیا کا کوئی ٹکڑے سے ہلکا دھتہ بھی نہ لگنے دیں گے۔

ان کے لئے بہترین موقع تھا۔۔۔۔۔ روحِ ویرانی شہنشاہیوں کے سقوط کے بعد وہ ایک عظیم عربی شہنشاہیت کی بنیاد ڈالیں گے، اور انہی کے اربابِ خداری طرح عیش و عشرت میں ڈوب جاتے، اسلئے کہ یہ دونوں شہنشاہیاں بیک وقت ان کی ٹھنی میں بھیں۔۔۔۔۔ کسری اگر تنہا مملکت ایران کی دولت اور وسائل کے بن پریش و عشرت کے ریکارڈ قائم کر سکتا تھا۔۔۔۔۔ قصر اگر تنہا رومی شہنشاہیت کی دولت اور وسائل پر ناز کر کے شان و شوکت کے منکبرانہ مظاہرے کر سکتا تھا۔۔۔۔۔ تو خطاب کے بیٹے عمر فاروقؓ کیسے بھی یہ سب کچھ کرنے، بلکہ اس سے بہت زیادہ کرنے کا موقع حاصل تھا، کیونکہ ان کا اقتدار بیک وقت روم و ایران دونوں پر تھا۔

بیشک عرض اور ان کے رفقاء کرنے کو ایسا کر سکتے تھے۔۔۔۔۔ مگر وہ اس کو کیا کرتے کہ کانوں میں تو قرآن کی

یہ تینہ ہر وقت گونج رہی تھی۔

”ثَلَاثُ الدَّارِ الْآخِرَةِ نَجْعُلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ“ (ترجمہ) ”اس دارِ آخرت میں ہم اُن لوگوں کو عیش کا حق دیں گے
جو دنیا میں نہ اپنی بڑائی کے خواہشمند ہیں، نہ (اس غرض کے لئے) فساد برپا کرتے ہیں،
— اچھا انجام تو متقیوں ہی کا حق ہے۔“

اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ ارشاد حافظہ کی تختیوں پر ابھرا بھر کر سامنے آ رہا تھا کہ:-
”لَا الْفَقْرَ انْهَضْنِي عَلَيْهِمْ وَلَكِنْ الْخَافَةَ اِنْ تَبَسَّطَ عَلَيْهِمُ الدِّينُ اَلَمْ يَأْمُرْ بِطَعْنِ عُلَى
مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ قَدْ كَلَمَكُمْ كَمَا اَهْلَكْتُمْ“ (ترجمہ) ”مجھے تمھارے فقر و فاقہ سے خطرہ
نہیں ہے، بلکہ مجھے خطرہ اس سے ہے کہ دنیا تیرا کشادہ ہو جائے، جیسے تم سے اگلوں پر
ہوئی تھی، اور اُس نے جیسے انہیں برباد کر دیا تھا تمھیں بھی کر دے۔“
اسلئے وہ سب بیک آواز بول اُٹھے:-

”اللَّهُمَّ لَا عِيشَ الْآخِرَةَ فَاغْفِرْ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ“
(ترجمہ) بیشک زندگی آخرت ہی کی زندگی ہو، خدایا تو ہم سب انصار و مہاجرین کو بخش دے۔

الغرض انھوں نے ہر قیمت پر اپنی دعوتی رُوح اور اپنے دعوتی کردار کی حفاظت کی، حکومت کی گرگھا کمانہ
انداز کے بجائے داعیانہ انداز سے، دنیا میں رہے مگر اہل دنیا کی طرح نہیں بلکہ طالبِ آخرت بن کر، انھوں نے
اس سیلِ تند و تیز میں بھی اپنے اوپر پورا قابو رکھا جس میں ہزاروں حکومتیں، سیکڑوں قومیں، اُنکے تہذیب و تمدن،
ان کے اصول و احکامات اور علوم و فنونِ حسن و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ یہ قوت و اقتدار کا سیلاب تھا جس کے
متعلق علامہ اقبال نے کہا ہے:-

تاریخِ امم کا یہ پیغام اُڑی ہے صاحبِ نظر ان نشہ قوت ہے خطرناک
اس سیلِ بیک سیر و زمیں گیر کے آگے عقل و خرد و علم و ہنر ہے خوں خاشاک

لوگ تاریخِ اسلام کے اس واقعہ کو انتہائی حیرت اور تعجب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ مجاہدینِ اسلام
حضرت سعد بن وقاصؓ کی قیادت میں اپنے گھوڑوں سمیت دریائے دجلہ میں پھانڈ پڑے اور بغیر کسی جانی اور مالی
نقصان کے اس کے پھاٹ کو پار کر کے دوسرے کنارے پر جا اُترے۔ — بیشک واقعہ اپنی جگہ پر تعجب خیز ضرور ہے

اور اس پر زیادہ سے زیادہ تعجب کرنا بجا ہے، لیکن اس سے کہیں زیادہ قابلِ تعجب بات یہ ہے کہ خلافتِ اشرف کے دور میں روم و ایران کو فتح کرنے والے مسلمان رومی و ایرانی تہذیب و تمدن کے تلامذہ خیرِ سمندر میں گھسے اور اس گنہگار سے اُس گنہگار تک جانچلے، مگر اس ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ کہ ان کے اخلاق و اطوار کا دامن ذرا بھی تر نہ ہونے پایا۔

عین فتوحات کے شباب کے زمانے میں ان کے بڑے سے لیکے چھوٹے تک ہر ایک نے اپنے تمدن کی زہد، سادگی، اور جفاکشی جیسی خصوصیات کو پوری طرح برقرار رکھا اور اپنی رُوح اور اپنے مزاج کو ان مفتوح اقوام کے عیش پرستانہ تمدن کی آلودگیوں سے بالکل پاک رکھا، حالانکہ ”قدرِ دریا“ میں بیوپار کر تو دہائی سے بچے رہنے کو عقل آج تک محال سمجھتی رہی ہے!۔

عزت و اقتدار کی دن دو گنی رات چو گنی ترقی کے باوجود ان کی سادگی اور متاعِ دنیا سے بے رغبتی کا جو عالم تھا اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ شاہِ اہواز ہر مرزا نے جب غلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا، تو:۔

”خدا نے اس کی خاص شاہانہ وضع بنائی، دیباچ کی ایک زرکار پوشاکی زیب تن کی گئی، اس پر سامانِ زینت آراستہ کیا گیا، سر پر آذین نامی تاج رکھا گیا جس میں یا قوت بڑے ہوئے تھے، تاکہ غلیفہ اسلام اور مسلمان اس کو بہیت شاہی میں دیکھیں جیانیچہ اس کو اس شان کے ساتھ لے ہوئے حضرت عمرؓ کے مکان پر پہنچے، وہاں آپ کو نہ پایا، تو لوگوں سے دریافت کیا کہ کہاں ملیں گے؟ معلوم ہوا کہ کوفہ کے ایک وفد سے مسجدِ نبویؐ میں ملاقات کر رہے ہیں، لہذا مسجد کا رخ کیا، مگر آپ وہاں بھی نظر نہ آئے، پھر واپس ہوئے، راستے میں مدینہ کے کچھ لڑکے پھیلے ہوئے ملے، انھوں نے دریا کیا کیا معاملہ ہے؟ کیا امیر المومنین کی تلاش ہے؟ وہ تو دیکھو مسجد کے داہنے حصے میں اپنی بُرقع سر کے نیچے رکھے ہوئے صوبے ہیں (ہوایہ تھا کہ حضرت عمرؓ کو فی وفد ملاقات کے وقت اپنی بُرقع پہنے ہوئے تھے، جب اُن سے فارغ ہو گئے اور وہ وفد اُٹھ کر چلا گیا اور آپ تنہا رہ گئے تو بُرقع جسم سے اتار کے نیکہ کی جگہ سر کے نیچے رکھ کر سو گئے تھے) خبر وہ پھر پڑی، اور آپ اُن کے ساتھ کچھ تاشین بھی ہو گئے تھے مسجد میں داخل ہوئے، حضرت عمرؓ پر نظر پڑی تو آپ کے قریب بیٹھ گئے، آپ بالکل تنہا تھے، ہاتھ میں درہ لٹکا ہوا تھا، ان کے بیٹھنے پر ہر مرزا (شاہِ اہواز) نے دریافت کیا کہ

عمرؓ کہاں ہیں؟ بتلایا کہ یہ سوجو ہے ہیں (اور یہ خیال کر کے کہ باتوں سے امیر المؤمنین کی نیت خراب نہ ہو جائے) وفد نے باقی لوگوں کی طرف خاموشی کا اشارہ کیا (ہرمزانؓ نے بھی اس کو محسوس کیا) اور اپنے ساتھ والوں سے کان میں پوچھا، ان کے دربان اور محافظ کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا ان کا نہ کوئی دربان ہے نہ محافظ، نہ دفتر نہ محراب اور نہ بارگاہیوں اس پر ہرمزان بولا: پھر تو انھیں نبی ہونا چاہئے تھا! کہا گیا کہ نبی گو نہیں ہیں مگر یہ کام نبیوں ہی کا کرتے ہیں، اسی اثنا میں حضرت عمرؓ کی آنکھ کھل گئی اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، ہرمزان پر نظر پڑی تو فرمایا کون؟ ہرمزان! وفد نے کہا جی ہاں! حضرت عمرؓ نے پھر اس کی حیثیت اور لباس کو غور سے دیکھا تو فرمایا: اعوذ باللہ من البلاء واستعین اللہ (میں جہنم کی آگ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اور اس کی نعمت کا طالب ہوں) پھر فرمایا: بے الحد للہ الذی اذل بالاسلام ہذا اداشیاعہ۔ (تعریف اُس خدا کی جس نے اسلام کی قوت سے اس کو اور اس کے اعوان و انصار کو ذلیل و خوار کر دیا) پھر مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: برادران اسلام! اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہو، اپنے نبی کے طریق زندگی کو اختیار کئے رہو، خبردار! یہ دنیا تمھیں اپنے دامِ فریب میں نہ لے لے، یہ بڑی ہی دھوکہ باز ہے۔ اس کے بعد وفد ہواڑے لے لے کر ہرمزان کی طرف اشارہ کر کے عرض کیا: یہ ہواڑے کا بادشاہ ہیں، ان سے گفتگو فرمائیے! آپ نے فرمایا: نہیں! میں اس سے اس وقت تک خطاب نہیں کر دوں گا جب تک کہ اس کے جسم سے نہ نیت دآرائش کی ایک ایک چیز نہ الگ کر دی جائے! یہ سن کر اس نے صرخت بلند کر کے علاوہ اپنے بدن کی ہر چیز اتار ڈالی، اور ایک ٹوٹے کھردے قم کا لباس اس کو پہنا دیا گیا، تب آپ نے اس سے گفتگو فرمائی۔

یہ حال تو مملکت اسلامی کے دوسرے خلیفہ کا تھا، اسی مملکت کے چوتھے خلیفہ کا بھی حال سن لیجئے جن کا دور آئے تک حدود مملکت کچھ اور وسیع ہو چکی تھیں۔

ضرار بن نمیرؓ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد ان کے دور خلافت کا حال حضرت معاویہؓ سے بیان کرتے ہیں کہ:-
”آپ دنیا کی نگینوں سے نفور تھے، رات کی تاریکیوں اور تنہائیوں سے آپ کو افس تھا،

قلب مضطرب اور چشم اشکبار پائی تھی، آخرت کے سوچ میں ڈوبے رہتے، اور اسی سچ میں کبھی کبھی خود اپنی ذات سے مخاطب ہو جاتے، روکھا پھیکا کھانا اور بوٹا جھوٹا پہننا پسند فرماتے، خدا گواہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو اپنی برابر سمجھتے، ہم اگر کوئی درخواست کرتے تو آپ منظور فرماتے، ہم اگر آپ کے پاس جاتے تو خود بڑھ کر خندہ پیشانی سے ملتے، ہم اگر آپ کو دعوت دیتے تو تشریف لاتے، اہل دین کی توفیق فرماتے، ناداروں سے محبت رکھتے، کوئی طاقت ور یا ذمی اثر فریق (طاقت اور اثر کے بل پر) آپ سے نامضمانہ فیصلہ کرا لینے کی توقع نہیں رکھ سکتا تھا، اور کوئی کمزور اپنی کمزوری پر نظر کر کے آپ کے انصاف اور اپنے حق سے یاس نہیں ہوتا تھا، خدا گواہ ہے کہ بعض مواقع پر ان آنکھوں سے نظر دیکھا ہے کہ شب تاریک اپنے پرے چھوڑ چکی ہے، ستاروں تک کو نیند آچکی ہے مگر وہ اپنی خلوت گاہ میں اپنی داڑھی پٹے ہوئے کھڑے ہیں، تڑپ رہے ہیں، بلبل رہے ہیں، جیسے کسی کو سانسب نے ڈس لیا ہو، اس طرح پیوٹ پیوٹ کر رہے ہیں جیسے کبھی کسی غم نصیب کو رشتے دیکھا ہو، آپ کے اس وقت کے یہ الفاظ اب بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ یاد دنیا! ابی تعاضب! ام لی تشوف۔ ہیہات ہیہات غری غیری، قد بقتک ثلاثا لا رجعة لی فیک فعمرو قصیر وعیشک حقیق وخطرہ کبیر۔ آہ! من قلة الزاد وبعال السفر ووحشة الطريق۔ (لے دنیا! کیا تو میرے آگے اپنا جال بچھا رہی ہے؟ کیا تو مجھ پر اپنے بناؤ سنگار کا جادو چلانا چاہتی ہے؟ جادو رہو جا! کسی اور کو ہنلا، کسی اور کو بھسلا! میں تو تجھ کو تین سلاقیں لے چکا ہوں، اب تو اللہ سے ناپوس ہو جا، اب میں تیری طرف رخ نہیں کر سکتا، تیری عمر بہت تھوڑی ہے، تیرا عیش بہت حقیر ہے، لیکن تجھ سے خطرات بہت بڑے ہیں۔ آہ! تو شہ کتنا کم! منزل کتنی دور!! اور آستہ کتنا وحشت ناک!!!۔

بہر حال خلفائے راشدین کے دور میں اسلامی حکومت کا شعار انسانی برادری کی خدمت اور دعوتِ دہرا

کی جدوجہد تھا، حکومت دین و اخلاق کے لئے بڑے بڑے مالی خسارے برداشت کرتی تھی، اگر کسی موقع پر اس کے سامنے لوگوں کے رُو حانی و اخروی منافع اور اپنے مادی و مالی فوائد میں ترجیح کا سوال آجاتا تو وہ بڑی خوشی سے لوگوں کی رُو حی و اخروی منفعت کی خاطر اپنی مالی منفعت قربان کر دیتی، اور اگر کبھی کوئی ایسی صورت ہو جاتی جس سے اس کو تو کچھ مالی فائدہ حاصل ہو جاتا مگر دوسرے لوگوں کو رُو حانی اعتبار سے نقصان پہونچ جاتا تو اس پر خود حکومت کو اور عام مسلمانوں کو اتنا رنج و افسوس ہوتا جیسے کہ ان کے ہاتھ سے حکومت جاتی رہی، پہلے چار خلفاء اور پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن العزیز نے ہمیشہ غیر مسلم مفتوحین سے جزیہ وصول کرنے پر ان کے اسلام لانے اور ہدایت یاب ہونے کو ترجیح دی، باوجودیکہ ان کے اسلام قبول کرنے کی صورت میں اسلامی بیت المال کو مالی اعتبار سے زبردست نقصان پہونچتا تھا، مگر چونکہ اس نقصان کے مقابلے میں بندگانِ خدا کو نجات اور دخولِ جنت کا عظیم الشان اخروی فائدہ پہونچتا تھا جس کے لئے خود دعوت دینا اور لوگوں کو راغب کرنا ان کی حکومت کا اولین مقصد اور ان کا منصبی فرض تھا، اسلئے اس پر وہ دل سے خوش ہوتے تھے، اور اگر اس کے برعکس غیر مسلم اسلام لانے سے انکار کر دیتے تو باوجودیکہ جزیہ کی رقم جتنی بیت المال کو فائدہ پہونچتا، مگر انھیں سخت دکھ ہوتا، اسلئے کہ ان لوگوں کا ہدایت پا جانا انھیں اپنے اس مالی فائدہ سے کہیں زیادہ محبوب تھا۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ مؤرخ طبری نے بروایت زیاد بن جریزہ الزبیدی بیان کیا ہے۔

”زیاد دیکھتے ہیں کہ: ایک مرتبہ مصر میں ہم نے عیسائی قیدیوں کو ایک جگہ جمع کیا، کچھ مشہری عیسائی بھی اکٹھے ہو گئے، پھر ہم نے یہ کرنا شروع کیا کہ ایک قیدی کو سامنے لاتے اور اس سے سوال کرتے کہ نصرا نیت ہی پر قائم رہنا چاہتے ہو یا اسلام کو پسند کرتے ہو؟ اگر وہ اسلام کو اختیار کر لیتا تو ہم جو بیشِ مسرت سے اتنا زور دار نعرہ بکیر بلند کرتے کہ کسی شہر کے فتح کرنے کی خوشی میں بھی اتنے زور دار نعرے نہیں گلاتے تھے، پھر ہم اس کو اپنی جماعت میں شامل کر لیتے، اور اگر وہ نصرا نیت ہی کو پسند کرتا تو عیسائیوں کی طرح خوشی کی آواز بلند ہوتی، اور وہ اس کو اپنی طرف لے لیتے، تب ہم اس پر جبر سزہ مقرر کر دیتے، مگر بادل ناخو استہ، اسلئے کہ اس صورت میں ہمیں اتنا بچ ہوتا تھا کہ جتنا کسی مسلمان کے نصرا نیت ہو جانے کی صورت میں ہو سکتا تھا۔“

خلفاء و مشہرین کے یہی ہی خواہانہ جذبات اور ان کا یہی دایمانہ طرزِ عمل تھا جس کے نتیجے میں اسلام گنتی کے چند سال میں مدینہ کے نکل کر مشرق و مغرب کی دھوئیں میں پھیل گیا، اور انسانی دنیا اخلاقِ فاضلہ کی دولتِ مالا مال ہو گئی

_____ خلفاء اربعہؓ کے گزر جانے کے بعد حکومت کی نوعیت بدل گئی، اسلئے رفتہ رفتہ آثار و نتائج بھی دوسرے رنگ کے ظاہر ہونے لگے، جاہلی طور و طریق زندہ ہونے لگے، اسلام کے سادہ تمدن میں ترقی و تفاخر کا رنگ بھرا جانے لگا، اور جامع الفاظ میں اقتدار کا نشہ رنگ لائے لگا۔ اسی اثناء میں حکومت کی باگ عمر بن عبد العزیز کے ہاتھ میں آئی، یہ اس دوسرے دور کے خلفاء کے راستے کو چھوڑ کر خلفاء اربعہؓ کے راستے پر چسپا، انھوں نے پہلے حکومت کو دعوتِ دین کا خادم بنایا، ہدایت و خدمت کو شعارِ حکومت قرار دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گونا گویں کام کرنے کے لئے دس سال چند عیسائی ہی کا وقت ملا، مگر انھوں نے عالمِ اسلامی کا رنگ بدل کر رکھ دیا، عیش پرستی کے سیلاب کو روکا، تمدن کا نقشہ بدل، کار پر داندان حکومت کے دماغ سے "نشرِ قوت" دُور کیا، غیر اسلامی رسوم اور جاہلی تخیلات کا قلع قمع کیا، اور دینِ حق کو سر بلند اور کفر کو سرنگوں کرنے کے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جن سے بڑی بڑی طویل المدت اسلامی حکومتیں قاصر رہیں۔ _____ کیونکہ وہ مخلوق کی ہدایت و بھلائی کو اپنا دامنِ نصب العین بنانے کا فیصلہ کرنے پر قادر نہ ہو سکیں، بلکہ تحصیلِ مال و منفعت کو بھی اس کے ساتھ لیکر چلنا چاہا، اور جہاں ان دونوں چیزوں میں ٹکراؤ ہوا وہاں حکومت اکثر اپنی مالی منفعت کی طرف جھک گئی۔

حکومتِ راشدہ کے دور میں اسلامی ریاست کے مرکزی مقامات، دعوت و ہدایت کا بھی مرکز تھے، بایں میں ایک جب کوئی مسلمان ان مقامات میں پہنچتا تو وہ عمارتِ طور پر محسوس کرتا کہ وہ اسلام کے مرکز میں چل پھر رہا ہے، اسلامی فضا میں سانس لے رہا ہے، کیونکہ وہ کھلی آنکھوں سے دیکھتا کہ اسلامی حدود و قائم ہیں، شرعی قوانین نافذ ہیں، اور ہر مسئلہ میں شریعت کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے۔ وہاں اُسے کوئی متغص ایسا نظر نہیں آتا جو دینی امور میں مست ہو، دین کی وقعت کو کم کرتا ہو یا کھلے بندوں احکامِ اسلامی کی خلاف ورزی کرتا ہو۔ وہاں اُسے بدعت و نصیحت کا وجود نہ ملتا، وہاں تمدن میں اُسے عربی و فحاشی اور بے حیائی کا نام و نشان نظر نہ آتا۔ وہاں وہ حکومت کی تیزی کی شغلیں رشوت کے چرچے اور بددیانتی کے قصے نہ سنتا، غرض اُسے وہاں کوئی چیز بھی ایسی نظر نہ آتی جو رُوحِ اسلام کے منافی ہو، بلکہ ہر طرف تعلقِ بائبر اور مکررِ آخرت کی دعوت، جن احسناق اور خدا ترسی کی دعوت، اقبالِ کتاب و سنت کی دعوت، شرکِ بدعت سے بچنے کی دعوت، اور دین سے مکمل وابستگی کی دعوت و تاکید کے چرچے ہی سُننے میں آتے۔ وہ ان مقامات کا باشندوں کو اسی ذکر و فکر میں ڈوبا ہوا، اور اسی کے متفقہی پر عمل پیرا دیکھتا، خواہ وہ جلوت میں ہوں یا خلوت میں، بازار میں ہوں، یا رگزار میں، پلٹے گھومیں ہوں یا حکومت کے دفتر میں۔ _____ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان مقامات کے قیام سے اس شخص کی رگ رگ میں دین کی روح سرایت کر جاتی، وہ دین کا لذت شناس ہو جاتا، اس کا ایمان تازہ ہوتا، دل ایمانی قوت، اور اہل ایمان کی محبت سے لبریز ہو جاتا، دین کے احکام و مسائل معلوم ہوتے، اور دماغِ حکمت و بصیرت

بہرہ ور ہو جاتا، اور وہ وہاں سے علم و حکمت، ایمان و استقامت، اہل دین کی محبت، اور اس کے نامزدوں پر اعتماد کی
میش بہادری لیکر اپنے گھر لوٹتا۔ یا اگر کوئی غیر مسلم یا باطل فسطیحانہ عقائد کے پیروں میں مقیم ہو جائے تو اس پر غیر اسلامی
نظام حیات کے مقابلے میں اسلامی نظام حیات کی اور غیر اسلامی حکومت کے مقابلے میں اسلامی حکومت کی
بہتری اور برتری عیاں ہو جاتی، اس کا جی چاہتا کہ میں رہ پڑے اور یہاں سے لوٹ کر غیر اسلامی حکومت میں جانے کا
تصور تو اس کے لئے ایسا زح و فرس ہو تا جیسے اُسے جنت سے نکال کر جہنم میں ڈھکیلا جا رہا ہے۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ، جنہیں اس ہدایت شعار حکومت میں سب سے زیادہ مرکزیت حاصل تھی پیرن حکومت کے صدر مقامات ہی نہیں تھے، بلکہ دین کی مشائی درس گاہ اور اسلامی تہذیب کا گوارہ بھی تھے۔ یہاں اسلامی زندگی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر تھی، عالم اسلامی کے گوشہ گوشہ سے مسلمان یہاں کھینچ کر آتے تھے تاکہ دین کی حقیقت کو سمجھیں، اور اس کے عملی نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ پھر وہ یہاں سے دینی علم و عمل اور دعویٰ روح کی سوئالے کر اپنے وطن واپس جاتے، اور ہر معاملے میں اہل حرمین کے طرز عمل کو بطور حجتہ کے پیش کرتے، اور اس کو حجتہ مانا بھی جاتا، کیونکہ اس وقت حجاز کتاب و سنت کا علم و عملی محافظ تھا، اور وہ اس کی حکومت کو ہر دم اس بات کی نگاہ تھی کہ مرکز اسلام میں زندگی کا نقشہ پوری طرح کتاب و سنت کے مطابق ہو۔

اس حکومت کے مثالی دو گنا خاتمہ [لیکن بہت قریب آج کے جیسے سنانوں نے اس حقیقت کو نبھادیا کہ زائد اسی میں ایک نعام تھا جو ان کے اسلاف کو داعی مانہ اور مجاہدانہ خدمات کے صلے میں دربار خداوندی سے عطا ہوا تھا۔ اور اب انھیں کے سلسلے میں ان کو حاصل ہوا تھا۔ وہ اس بات کو بھول گئے کہ اگر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بعثت نہ ہوتے، اگر انھوں نے دنیا کو اللہ کا پیغام اور اس کے دین کی دعوت نہ دی ہوتی، اگر آپ نے اس کے لئے قریش کو اور قبائل عرب کے ہاتھوں کو ہلاک کر دیا، اگر آپ نے اسے اس دعوت کے لئے مکہ جیسا وطن نہ چھپے ڈرا ہوتا، اگر آپ نے اس کے لئے کئی دنوں کے مظالم نہ سہے ہوتے، اگر آپ نے اس دعوت کے لئے مکہ جیسا وطن نہ چھپے ڈرا ہوتا، اگر آپ نے اس کے لئے کئی دنوں کے مظالم نہ سہے ہوتے، اگر آپ نے اس دعوت کو ادا نہ فرمائی ہوتی، اگر سحر کو احمق دینا مبارک نہ شہید ہونے ہوتے، اور اگر اسی احمق کے دن آپ کے پیارے چچا اس دعوت حق کے لئے شہید نہ ہوئے ہوتے، ہندہ نے ان کا مشکرہ کہ ان کا بھگوان مبارک نہ چھپایا ہوتا، اگر ہر مومن نے مقدس صحابہ کا دردناک قتل نہ ہوا ہوتا، اور اگر خلیفہ بیٹھ بیٹھ پھر

اس لیے یہ انصاری صحابی ہیں جن کے جسم مبارک کو کفار نے پہلے بھالوں سے چھیدا، اور پھر پچاسی دیدی، مگر اس انتقامتِ فداکاری کے پھل نے یہ شعر پڑھتے ہوئے جان دیدی:۔۔۔

ولست ابا الى حين، اقل مسلمًا
على اى جنب كان فى الله مصرى

(اگر میرا قتل راہِ خدا میں ہے تو پھر مجھے پرواہ نہیں کیسے ہی قتل کیا جاؤں)

نہ چڑھے ہوتے۔۔۔۔۔ تو یہ دنیا آج یوں عربوں کی قدم بوس نظر نہ آتی، اور نہ یہ دُشمن و بُغداد شہرت کے ہفت آسمان پر پہنچے، نہ بنی مروان روم و ایران سے باج و خراج وصول کر سکتے تھے، اور نہ ہارون الرشید کا یہ منہ ہوتا کہ گزرتے بادلوں سے کہہ سکے:-

”امطری حیث شئت فسیا تینی خراجک“ (جا، جہاں جی چاہے برس، تیر سی

پیداوار کا خراج بہر حال میرے پاس آئے گا)۔

بہر حال ایک زمانہ آیا کہ مسلمان اس حکومت اور دعوت کے تعلق کو بھول گئے، خلافت راشدہ کے بعد ان کے حکمرانوں نے ”حکومت برائے ہدایت“ کے اساسی نظریہ کو بدل کر ”حکومت برائے دولت و قوت“ کی بنیاد ڈالی، اور اس خداداد اقتدار کو دعوت نبوی کی خدمت کے بجائے مالی منافع اور سیاسی مصالح کا آلہ کار بنادیا، دنیا کو اندر کی بندگی کی طرف بلانے اور حجت کی راہ پر لگانے کا کام چھوڑ دیا، شریعت کی مقرر کردہ حدود و احکام معطل کر دی گئیں، جمہور کے دین و اخلاق پر سے اعتبار اٹھایا گیا، اور امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا سسٹم گویا اڑا دیا گیا، غرضیکہ قرآن پاک نے انبیاء سابقین کے گمراہ ہو جانے والے اخلاق کے متعلق جو فرمایا تھا:-

”خلف من بعدہم خلف اصدا عوا الصلوٰۃ و اتبعوا الشہوات“ (ان اسلاف

کی جگہ ایسے اخلاق نے لی جنہوں نے نمازوں کو لاپرواہی کی نذر کیا، اور خواہشات کی

پیروی کی)۔

ان مسلمان حکمرانوں نے اپنے آپ کو اس کا صحیح مصداق نہ لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے مرکز اب باہر سے آنے والے مسلمانوں کو نہ دینی زندگی کا درس دیتے، اور نہ ان کے سامنے اسلامی تہذیب و تمدن کی صحیح تصویر پیش کرتے، اب یہاں آنے والے ایمان و یقین کی رُوح پرور کیفیات، عقاید کے استحکام، دین اور اہل دین پر اعتماد کے بجائے شک و نفاق اور بے اعتمادی کے امراض میں مبتلا ہو کر لوٹتے۔ پہلے جن مقامات سے اطراف عالم کے مسلمان شکارِ اسلامی کی توقیر، دین پر استقامت کا جو شش، اس کے احکام کی تعمیل میں مجبوتی، اور اس کے نامندوں کے ساتھ حسن ظن کی سوفا لیکر لوٹا کرتے تھے، اب وہ وہاں سے عظیم توقیر کی جگہ استخفاف و بے وقعتی، جو شش استقامت کی جگہ ضعف، بچستی کی جگہ مستی، اور حسن ظن کی جگہ سوء ظن کی پوٹھ لیکر لپٹے گھر واپس آتے، اور پہلے جس طرح وہاں کے طرز عمل و طرز زندگی کو ہر معاملے میں بطور حجتہ پیش کیا جاتا تھا، اب بھی اسی طرح پیش کیا جاتا۔۔۔۔۔ حالانکہ اب وہ اس قابل نہ رہا تھا۔

اور نادانوں کو اب بھی اس کی اس حیثیت کو تسلیم کرتے، اور یہ چیز ان لوگوں کے لئے بڑی مصیبت اور ان کی راہ میں زبردست رکاوٹ بنی، اور آج بھی بن رہی ہے جو عالم اسلامی کے مختلف حصوں میں پھر سے اسلام کے نظام حیات کو زندہ کرنے کے لئے کوشاں تھے، یا کوشاں ہیں۔

اسلامی دنیا بلکہ کل انسانی دنیا کی آج عالم اسلامی کی میسوں مختلف ضروریات ہیں، مگر اس کی سب سے بڑی سب سے بڑی ضرورت سب سے اہم اور سب سے مقدم ضرورت ایک ایسی حکومت ہے جو دعوتِ ہدایت اور خدمت و خیر خواہی کے نظریہ پر قائم ہو، اور عالم اسلامی کی اصل حیثیت کو دنیا کے سامنے پیش کرے، اسلئے کہ اسلام اس وقت تک نہ لوگوں کے دلوں کو اپیل کر سکتا ہے اور نہ مفکرین عالم کے دماغوں کو مطمئن کر سکتا جب تک کہ زمین پر اُسے ایک ایسا نمونہ نہ مل جائے جہاں نظام زندگی کی تشکیل اس کی مرضی کے مطابق ہو، جہاں صرف اس کی تہذیب اور اس کا تمدن رائج ہو، جہاں انفرادی اور اجتماعی زندگی کا سارا کاروبار اُس کے نقشہ کے مطابق چلے، اور پھر دنیا اس تجربے کے نتائج دیکھے۔ یہ تجربہ اگرچہ چھوٹے سے چھوٹے خطہ زمین پر بھی ہو مگر اس کے نتائج دنیا کو مجبور کر دیں گے کہ وہ سنجیدگی سے اسلام پر غور کرے، اور پھر اگر خدا نے چاہا تو بدخلوں فی دین اللہ افواج کا وہ منظر جسے دیکھنے کے لئے اُنہیں مدت سے ترسی ہوئی ہیں ایک بار پھر دیکھا جاسکے گا۔ یاد رہے کہ یہ ضرورت نہما عالم اسلامی ہی کی نہیں ہے بلکہ پوری انسانی دنیا اس قسم کی حکومت کی اتنی ہی حاجت مند ہے جتنی حاجت مند اسلامی دنیا ہے، اسلئے کہ آج کی مریض و مجروح انسانیت کے دکھ درد اور دلزدہ و دور ہونے کی کوئی صورت اس کے سوا اور نہیں ہے کہ زمین کے کسی خطہ پر ایک ایسی حکومت کا قیام عمل میں آوے جس کی بنیاد اللہ کی اطاعت و عبادت، نوع انسانی کے احترام و عظمت، مادی منافع کے مقابل میں روح کی اہمیت، خواہشات پر احتیاطی احساس کے غلبہ، اور دولت بنانے پر آدمی بنانے کو ترجیح دینے کے بلند نظریات پر رکھی گئی ہو۔ یہ حکومت چاہے کتنی ہی چھوٹی اور کتنی ہی قلیل الوسائل ہو، مگر جس وقت بھی اور جہاں کہیں بھی قائم ہو گئی تو دنیا کے لئے ایک نادر واقعہ ہی نہیں جائے گا، مزید بھی ہوگی، جس کے نتائج منظر عام پر آتے ہی ہر طرف سے بے اختیار مرجح ہوں گی، اور ازیں بلند ہوں گی، دنیا کے بڑے بڑے یاسین اور مدبرین اور ائمہ فکر جو انسانیت کا حال زار دیکھ دیکھ کر روز بروز اس کے مستقبل سے یابوس ہوتے جا رہے ہیں، ایک نئی امید کے ساتھ اس کی طرف نظریں اٹھائیں گے۔

لو وہ گمن سے نکلا سورج

بحرِ محض سے نکلا سورج

روشن اپنا مستقبل ہے

انسانیت کے اُلجھے ہوئے مسائل کو حل کرنے میں اس کی کامیابی ضرب المثل بنے گی، آج جو مفکرین عالم اسس پر سنجیدگی سے غور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں، وہی دنیا کو اس کی دعوت دیں گے، اور اس پر بڑی بڑی ضمیمہ تالیفات و تصانیف کا ڈھیر لگا دیں گے، دنیا کے عوام کے لئے اس کا قیام ایک ایسی نعمتِ غیر متزقہ ہوگا جیسے ڈوبتے کو کھینکنا رہ مل جائے، انسانیت کی مظلوم اولاد، تہذیبِ جدید کی خوشگمانگن کے ڈسے ہوئے اور ناہموار سماج کے تائے ہوئے انسان، حکومتوں کے جور و ستم اور لوٹ کھسوٹ کے مارے ہوئے عوام ہر طرف اس نئی حکومت، نئی تہذیب، اور نئے سماج کے سایہِ عافیت میں پناہ لینے کے لئے دوڑیں گے۔ اور بلاشبہ یہ حکومت جبین دہر کا نور، اور ریح انسانیت کا خال و گلشن قرار پائے گی۔

انسانیت سکھ اور چین کی تلاش میں بہت سی حکومتوں کا تجربہ کر چکی، اس نے شخصی حکومت کو بھی آزمایا، جمہوری راج کو بھی آزمایا، سرمایہ داری اور اشتراکیت کو بھی آزمایا، مگر کہیں اس غریب کی اُمیدیں بر نہ آئیں، کسی دکان پر اس کے درد کی دوائ نہ ملی، اسے دکھو الوں کے بھیس میں رہن ملے جنھوں نے اس کا سہاگ لوٹ لیا، اس کی رگ جاب کا خون چوس لیا، ہر نیا تجربہ کچھ نئی تلخیوں اور نئی الجھنوں کا باعث بنا، اور اب بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئی ہے کہ ان حکومتوں کے نام ایک دوسرے نے کتنے ہی مختلف سی مگر اصل سب کی ایک ہی ہے صورتوں میں کتنا ہی فرق سی مگر حقیقت سب کی ایک ہی ہے، فطرت ایک ہی ہے، مزاج ایک ہی ہے، اور ملج نظر سب کا ایک ہی ہے، اور وہ ہے۔ اس کا خون چوسنا اور موٹا ہونا اس کو تباہ کر کے خود کو بنانا۔

اب اگر ایسے وقت میں ایک نئی مملکت وجود میں آتی ہے جس کا صدر مسلمان، وزراء مسلمان، اور اراکان حکام مسلمان، مگر اپنی حقیقت، اپنی فطرت، اپنے مزاج، اور اپنے مقاصد و نظریات کے اعتبار سے وہ دنیا کی دوسری حکومتوں سے مختلف و ممتاز نہیں ہے۔ تو یہ دنیا کا کوئی نرالا واقعہ نہ ہوگا، نہ یہ مظلوم انسانی دنیا اس کو کوئی خاص اہمیت دے گی، اور نہ کوئی بڑی اُمیدیں اس سے وابستہ کرے گی، اس لئے کہ اس قسم کی تو ہزاروں حکومتیں پہلے ہی سے موجود ہیں جو اپنی حدود کے لحاظ سے اس نئی حکومت سے کہیں زیادہ وسیع ہیں، ان کا میزانیہ بھی اس کے میزانیہ سے بہت زیادہ مضبوط ہے، ان کی پیداوار اور برآمد بھی زیادہ ہے، فوجی طاقت میں بھی ان کا پتہ بھاری ہے، بری فوج ان کی زیادہ مضبوط، بحری بیڑہ ان کا زیادہ طاقتور، اور فضائی طاقت میں بھی وہ اس سے فائق تر، کارخانے اور فیکٹریاں ان کے پاس زیادہ، صنعت و تجارت کے میدان میں بھی وہ زیادہ ترقی یافتہ، آرائش و نمائش کے لحاظ سے ان کی تہذیب و تمدن کا معیار بھی زیادہ بلند، ملکی نظم و نسق کے لحاظ سے بھی ان کی حالت بہتر، ان کے عوام میں قیسم بھی نسبتاً عام، غرض دوسری موجودہ حکومتیں خصوصاً مغربی دنیا کی حکومتیں جب اس قسم کی چیزوں میں اس نوزائیدہ مسلم حکومت سے بدرجہا زیادہ آگے ہوں گی تو کیوں کر اس کا قیام دنیا کی نظر میں کوئی خاص اہمیت حاصل کر سکے گا جبکہ

اس کے پاس نہ کوئی نیا مقصد ہو نہ کوئی نیا نظریہ، اور نہ وہ اپنی خوبو میں ان سے مختلف!۔

دینی و اصلاحی دعوتوں کی تاریخ پر عبور رکھنے والے اور عاداتِ انہ کے جاننے والے جانتے ہیں کہ دنیا کے کسی حصے میں مسلمانوں کی کسی سلطنت کا وجود میں آنا ایک ایسے نادر موقع کے ساتھ آنے کے مرادف ہے جو صدیوں میں کبھی آتا ہے، یہ گردشِ میل و نہار کا ایک سنہرا لمحہ ہوتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے رات کی گھٹا ٹوپ اندھیروں کے بیچ بیچ میں کبھی بجلی چمک جائے، لیکن جس قدر یہ موقع قیمتی ہے اور اب حکومت کیلئے اتنا ہی بڑا امتحان بھی ہے، اگر انھوں نے اس موقع کو اپنے ذاتی مفادات اور مصالح کے لئے استعمال کرنے کے بجائے اپنے دین کی دعوت کو طاقت و دار و نوثر بنانے اور اس کے نظریات کو برے کار لانے کے لئے استعمال کیا تو بیشک انھوں نے اس کی قیمت پہچانی اور اس کا حقیقی فائدہ حاصل کیا، بیشک انھوں نے اپنے دین کی سچ نمائندگی کی اور لوگوں کے حُسنِ ظن کو حق بجانب ثابت کر دکھایا، اور حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنے والوں نے اپنے دین ہی کا نام اُدا نہ کیا، بلکہ خود اپنی ذات کو بھی لافانی فائدہ پہنچا دیا، جو انھیں مرنے کے بعد ضرور معلوم ہو جائے گا، اور اگر انھوں نے اس کا اٹکا لیا یعنی دین، اس کی دعوت، اس کے مصالح، اس کے پھیلانے اور اس کا علم تھا سہے رہنے کیلئے لوگوں کی قربانیاں، نیز قیامِ حکومت کے سلسلہ میں ان کی مساعی وغیرہ ان تمام چیزوں کو نظر انداز کر کے اس نادر موقع سے صرف اپنی ذات اور متعلقین کے لئے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، اور بنو امیہ اور بنو عباس کے نقش قدم پر چلے، تو بیشک انھوں نے بہت بُرا راستہ اختیار کیا، انھوں نے اس بہترین موقع کو ضائع کر دیا، انھوں نے اپنا بھی نقصان کیا اور اپنے ساتھ دینی دعوت کا بھی نقصان کیا، اب کہے تھے کہ یہ موقع دوبارہ کب آئے گا، یا کبھی آئے گا یا نہیں؟ اس کے متعلق کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ تاریخ ایسی بہت سی امتوں اور جماعتوں کے متعلق بتلاتی ہے جو جنھوں نے اپنی حکومت و اقتدار کے موقع کو ضائع کر دیا، اور اس کا اصل فائدہ نہ اٹھایا۔ کہ جب ان کا دور ختم ہو گیا اور یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو وہ زندگی کے میدان سے ہٹ گئیں، اور بعدِ حُسن و ندامت کچھڑی ہوئی قوموں کی صف میں کھڑے ہو کر عہدِ رفتہ کی واپسی کا انتظار کرنے لگیں۔ مگر کہتے تھے کہ یہ موقع لوٹ کر آئے گا یا نہیں یا اگر آئے گا تو کب آئے گا۔

اسلامی حکومتوں سے!

آج روئے زمین پر جتنی مسلمان حکومتیں قائم ہیں ان کے اربابِ حل و عقد کو گویا یہ ذریعہ موقع حاصل ہو، کاش! وہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور ایک بڑے کارنامے کا سہرا اپنے سر باندھیں، ان کے لئے موقع ہے کہ ہمت اور توجہ کا ملکہ وہ مرتبہ حاصل کر لیں جس پر بڑے بڑے اقلیاء و علماء اور عبادِ دوز با بھی نہیں پہنچ پاتے، پہلے انھیں قوت و اقتدار اور وہ مواقع کار حاصل ہیں جو دوسروں کو حاصل نہیں، ان کے لئے موقع ہے کہ اگر عزم و احسن لاس کیا تھ

کھڑے ہو جائیں تو صرف ایک دن میں دین کی خدمت اور اس کے اہماء، سوسائٹی کی اصلاح، اور جاہلیت سے اسلام کی طرف اس کے رخ کی تبدیلی کا اتنا کام ہو جائے جتنا مصلحین و اہل قلم برسوں میں نہیں کر سکتے، اور پھر دین و دنیا میں اللہ کی اتنی خوشنودی حاصل ہو جس پر بڑے بڑے زاہدوں اور تقویوں کو بھی رشک آجائے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کو ایک عظیم المرتبت مجدد اور خلیفہ راشد کے لقب کا اعزاز آخر اسی بنا پر تو حاصل ہوا کہ اسلامی حکومت خلافتِ راشدہ کے بعد جس غلط سمت میں سرگرم عمل ہو گئی تھی — ان کے ہاتھ میں جوں ہی باگ ڈور آئی — انھوں نے فوراً ہی اُسے اس سمت سے ہٹا کر صحیح سمت پر ڈال دیا، سیاست، تمدن، اور معاشرت میں زبردست اصلاحات کا بیڑا اٹھایا، اور جاہلیت کی ایک ایک آئینہ نش کو بین ڈالا، اور اس سلسلہ میں ہر وقت ہزار ہنگی اور ہر چیز مجبئی کا انتہائی ثابت قدمی اور ہر فردی سے مقابلہ کیا — اور پھر اس کا عظیم کی انجام دہی میں انھوں نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ اگر کوئی یہ معلوم کرنا چاہے! تو واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے جو کچھ جان بوجھ کر کھو دیا، وہ اس شے کے مقابلے میں بالکل بچ ہے، جس کو انھوں نے پایا، اور اس پہلو سے ان کا یہ کارنامہ ان کی انتہائی دانشمندی کا بھی ثبوت ہے۔ جو چیزیں انھوں نے کھوئیں وہ یقیناً ہی ایسی کہ ایک نہ ایک دن کھوئی ضرور تھی یعنی دنیا کا عیش، مال و متاع، لہذا کھانے، عمدہ پوشاکیں، اور خدم و حشم — جنھیں نذر فنا ہو جانا ہی تھا، لیکن اتنا کچھ کھو کر جو کچھ انھوں نے پایا تھا وہ ایسا تھا کہ دنیا و مافیہا کے عوض میں بھی لہجائے تو مستجاب ہے یعنی ایک دائمی راحت، لازوال عیش، پایدار دستر، سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک نظرِ کرم، اور آپ کے حلقہٴ رفاقت کی شرکت کی اُمید، اور بعد والوں کے دلوں میں وقعت اور زبانوں پر ذکرِ خیر!۔

آج اسلام کو پھر ایک عربین عبد العزیز کی ضرورت ہے —!۔ دیکھیں یہ سعادت کس نصیب و کس لئے مقدر ہے۔

امام ابن تیمیہ اور ابن اہتم ولی اللہی مکتب خیال کی نظر میں

(از: محمد منظور نعسانی)

اس ماجرنے دارالعلوم دیوبند کا طالب علم بننے سے پہلے بھی جہاں کیس اور جس مدرسہ میں پڑھا، عموماً دیوبندی سلسلہ کے اساتذہ ہی سے پڑھا، اور جہاں تک یاد ہے اپنے ان سب اساتذہ کا یہی حال دیکھا کہ مختلف مباحث مذاکرآت کے سلسلہ میں امام ابن تیمیہ اور ابن اہتم کا ذکر یہ حضرات احترام کے ساتھ کرتے تھے اور ان کی جلالت قدر کا اعتراف کرتے تھے۔ پھر جب توفیق الہی نے دارالعلوم دیوبند پہنچایا اور اساذی حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کے حلقہ درس کی حاضری کی نعمت نصیب ہوئی تو دیکھا کہ حضرت مہرورح کے درس میں حافظ ابن تیمیہ کا ذکر خصوصیت سے بڑی کثرت سے آتا ہے، ان کی بہت سی باتوں پر بحث و تنقید بھی کرتے ہیں، جو ابات دیتے ہیں، لیکن انکی جلالت قدر کے پورے اعتراف کے ساتھ، اور اس انداز میں جس طرح دوسرے علماء ملت اور اکابر امت کی تحقیقات اور آراء پر درس میں بحث ہوتی تھی۔

بہر حال اپنے اساتذہ کے اس طرز عمل کا اثر مجھ پر قدرتی طور سے یہی پڑا کہ امام ابن تیمیہ اور ابن اہتم کو میں اکابر علماء اہل سنت میں سے سمجھتا رہا۔ پھر طالب علمی کا یہ دور ختم کرنے کے بعد جب ان دونوں حضرات کی بعض تصانیف دیکھیں تو اس مطالعہ نے مجھے ان کی جلالت و عظمت کا اور زیادہ قائل کر دیا، اور ان دونوں بزرگوں کو میں امت کے مخصوص ترین دینی و علمی مہمنوں میں سے سمجھنے لگا۔

اے ۱۵-۱۶ سال پہلے کی بات ہے ایک مناظرہ میں ایسا اتفاق ہوا کہ میں نے علم غیب نبوی کے رمی ایک جتدہ مناظر کے سامنے قلمی قاری حنفی کی ”موضوعات کبیر“ سے ایک عبارت پیش کی، اُس مناظر نے بڑی سادگی سے کہا کہ

”یہ عبارت خود ملا علی قاری کی نہیں ہے، بلکہ ابن قیم بد مذہب کے ایک راۓ کی یہ عبارت ہے جو ملا علی قاری نے یہاں رد کیلئے نقل کی ہے، اسکی عبارت ہم پر حجت نہیں، وہ بد مذہب تھا اور اس کا استاذ ابن تیمیہ بھی بد مذہب تھا۔“

اس ”مذہب اور باتیمز“ مناظر کے الفاظ غالباً یہی تھے، مجھے بڑا دکھ ہوا کہ یہ شخص ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسے طویل القندہ اماموں اور امت کے ایسے محنوں کے متعلق کیا کہہ رہا ہے اور کن الفاظ اور کیسے انداز میں کہہ رہا ہے۔ بہر حال میں نے اس کے اس جواب کو رد کرتے ہوئے اور اصل مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہا:۔ تم بالکل غلط کہتے ہو، جو عبارت میں نے پیش کی ہے وہ خود ملا علی قاری کی ہی ہے، امام ابن تیمیہ کی جو عبارت میری اس پیش کردہ عبارت کی نصف پہلے انہوں نے نقل کرنی شروع کی تھی وہ اس عبارت سے بہت پہلے ختم ہو چکی ہے، اور یہ کہنا بھی غلط ہے، بلکہ سر اسر جھوٹ ہے کہ ملا علی قاری نے شیخ ابن تیمیہ کی وہ عبارت رد کیلئے نقل کی تھی، ملا علی قاری نے اس کے رد میں ایک لفظ بھی نہیں کہا، پھر تم ابن تیمیہ کو بد مذہب کہتے ہو، حالانکہ یہی ملا علی قاری ان کے متعلق شہادت دیتے ہیں کہ ابن تیمیہ اور ان کے استاذ امام ابن تیمیہ دونوں المسند کے اکابر علماء میں سے، اور اس امت کے خاص مولویاء، اشراف سے ہیں۔“

بہر حال مجھے یہاں صرف یہ عرض کرنا تھا کہ امام ابن تیمیہ اور ابن تیمیہ کے متعلق یہ رائے میں نے ان ہی الفاظ میں بریلوی جماعت کے ایک بدنام ترین مناظر کی زبان سے اب ۱۵-۱۶ سال پہلے ایک مناظرہ میں سن لی تھی۔ ابن حجر عسقلانی وغیرہ بعض مصنفین نے کسی غلط فہمی کی بنا پر یا اور کسی وجہ سے ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی مینا وقف نہیں تھا، اور یہ خیال کر کے ان باتوں کو نظر انداز کر دیتا تھا کہ معاصرین یا آگے چلے گئے مصنفین کی کتابوں میں ایک دوسرے کے متعلق اس قسم کی باتیں کہیں کہیں جو کچھ لکھی گئی ہیں ان کا حق یہی ہے کہ ان کو بالکل نظر انداز کیا جائے، اور ان کے لئے استغفار کیا جائے۔ ورنہ ابن حجر عسقلانی کے اس تطاول ہی کا مد جواب ”میتے ہوئے اُن ہی جیسے ایک دوسرے مصنف نے یہ بھی تو لکھا ہے۔“ (ابن حجر لا یسادی قلامہ اظفار شیخ الاسلام غایتہ الامانی) اور پھر ابن تیمیہ و ابن تیمیہ ہی پر کیا موقوف ہے، امت کے اندر میں سے کتنے ایسے ہیں جن کے خلاف طعن و جرح کے سخت سے سخت کلمات تلاش کر کے کتابوں سے نہیں نکالے جا سکتے۔ ”ما من امام الا وقد طعن فیہ طاعنون و دھلک ذہاب الکون“ (تاج الدین السبکی فی طبقات الشافعیۃ الکبریٰ)

بہر حال امام ابن تیمیہ اور ابن تیمیہ کے متعلق میرا خیال اور میرا علم وہی تھا جو میں نے اوپر عرض کیا، اور حضرت شاہ ولی اللہ اور ان سے علمی انتساب رکھنے والے سلسلہ دیوبند کے اپنے اساتذہ کرام کے متعلق میں اب تک یہی جانتا تھا کہ

لے ملا علی قاری نے ان دونوں حضرات کے متعلق اپنی یہ رائے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں، اور شرح شمائل ترمذی میں ظاہر کی ہے۔

یہ سب بھی ان دونوں حضرات کو اکابر علماء اہل سنت میں سے سمجھتے ہیں، اور ابن حجر بیہقی جیسے ان کے خاص مخالفین اور طاعنین کی اس رائے سے متفق نہیں ہیں جو انھوں نے ان دونوں حضرات کے متعلق ظاہر کی ہے۔ لیکن دارالعلوم دیوبند کے رسالہ ”دارالعلوم“ (بابت ماہِ محرم) میں لکھا کہ عبد الرشید محمود صاحب گنگوہی کا جو ایک مضمون ”جماعتِ اسلامی“ سے متعلق شائع ہوا ہے، اس میں ابن تیمیہ وابن اتیم کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے پہلی ذمہ معلوم ہوا کہ دیوبند سے علمی انتساب رکھنے والے ہمارے حلقہ میں بعض ایسے حضرات ہیں جو ان دونوں بزرگوں کو اہل حق اور اہل سنت میں سے نہیں سمجھتے، بلکہ تحسیم جیسی شدید ترین قسم کی گمراہیوں میں مبتلا (فاسد العقیدہ) اور گمراہ سمجھتے ہیں، اور وہ ان دونوں اماموں پر اس بدوق کے چلانے کیلئے دوشِ غیر کی تلاش کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے، بلکہ خود ہی بکرانِ دعاوی اور الزامات کے ثبوت میں ابن حجر بیہقی جیسے گواہوں کو پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ ابن حجر بیہقی کی اس قسم کی تحریروں کی بناء پر ابن تیمیہ وابن اتیم کو ان جرائم کا مجرم قرار دینا قریب قریب ایسا ہی ہے جیسا کہ آج کوئی شخص مولوی عبد السبع صاحب میرٹھی صاحب انوارِ ساطعہ کے بیان کی بنا پر شاہ اسماعیل شہید اور ان کے متبعین کو ان جرائم کا مجرم قرار دینے لگے جو ان پر مولوی عبد السبع صاحب نے ”انوارِ ساطعہ“ میں عائد کئے ہیں۔

پھر انتہائی حیرت اس بات سے ہوتی کہ حکیم صاحب موصوف نے اپنے اس مضمون میں حضرت شاہ ولی اللہ کے متعلق بھی لکھا ہے کہ: ”حضرت شاہ ولی اللہ کے کلام میں ان پر (ابن تیمیہ پر) سخت رد موجود ہے۔“ (دارالعلوم بابتہ ماہِ محرم ص ۲۳) لیکن شاہ صاحب کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا کہ مراجعت کر کے دیکھا جاسکتا۔

اس عاجز نے حضرت شاہ صاحب کی تصانیف اور مکاتیب کا جہاں تک مطالعہ کیا ہے، یا وہیں پڑا کہ کہیں شاہ صاحب ابن تیمیہ کا ”سخت رد“ کیا ہو، بلکہ اس کے برعکس ابن تیمیہ کی منقبت میں شاہ صاحب کا ایک مستقل مکتوب ہے جس میں انکی طرف سے بہت سے اعتراضات کی جوابدہی بھی کی گئی ہے جو ان کے مخالفین کی طرف سے ان پر کئے گئے ہیں۔

شاہ صاحب کے کوئی ذی علم معاصر مخدوم معین الدین متتائی ہیں، انھوں نے ایک خط کے ذریعہ شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ ”ابن تیمیہ کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے، اور ہم انھیں کیسا سمجھیں؟“ شاہ صاحب کا جواب (جو گویا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے) عربی میں ہے۔ چند سطر کی تیسرے بعد اصل جواب کی ابتدا اس طرح کرتے ہیں کہ:۔

..... فانا قد تحققنا من حاله انه عالم بكتاب الله ومعانيه اللغويه والشرعيه و
حافظ لسنة رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) واثار السلف بمعانيها اللغويه والشرعيه

لے ہمارے دیوبندی اور گنگوہی سلسلہ کے حضرات کو شاید یہ معلوم ہو گا کہ یہ مولوی عبد السبع صاحب میرٹھی حضرت حاجی امجد اللہ صاحب قدس سرہ کے متبعین و تلامذہ میں سے تھے۔ ۱۲

..... محرر ملن ہب الخابلة فروعه واصوله فائق في الذكاء ولس في الذب عن عقيدة
 اهل السنة لم يدر عنه فبق ولا بدعة اللهم الا هذه الاسود التي ضيق عليه لاجلها
 وليس شئ منها الا ومعه دليله من الكتاب والسنة واشار السلف فمثل هذا الشيم عزيز
 الوجود في العالم ومن يطبق ان يلحق شأؤا في تحويره وتقريره والذين ضيقوا عليه
 ما بلغوا معاصرا آتاه الله تعالى (یعنی شیخ تقی الدین ابن تیمیہ) عالمہ اللہ تعالیٰ بفضلہ کے حالات کے تعلق
 جو کچھ ہمیں تحقیق سے معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک کا خاص علم نصیب فرمایا
 وہ آیات قرآنی کے لغوی معانی کے بھی شناسا ہیں، اور ان کی شرعی مراد سے بھی واقف ہیں، اسی طرح وہ
 احادیث نبویہ اور آثار سلف کے حافظ اور ان کے لغوی اور شرعی معانی کے عارف ہیں، حنا بلکہ کے مذہب کے
 محقق ہیں، اس کے اصول و فروع کے محرر ہیں، ذہانت و ذکاوت میں ان کا پایہ بہت بلند ہے، عقیدہ ملت
 کی حمایت میں ان کا خاص مقام ہے، ان کے بارے میں فق و بدعت کی کوئی بات نقل نہیں کی جاتی، بجز
 ان چند مشہور باتوں کے جن کی وجہ سے ان کو بہت تنگ بھی کیا گیا، اور حال یہ ہے کہ ان میں سے ہر بات کے اور
 ہر مسئلہ کے متعلق ان کے پاس کتاب و سنت کے دلائل، اور آثار سلف کے شواہد ہیں۔ بہر حال شیخ ابن تیمیہ
 جیسی جامع الکملات مہتیاں دنیا میں شاذ و نادر ہی ہوتی ہیں، اور کس میں طاقت ہو کہ تحریر و تقریر میں
 ان کا مقابلہ کر سکے۔ اور وہ علماء و مصنفین جنہوں نے ان کی سخت مخالفتیں کیں، اور ان کے لئے تنگیوں اور
 پریشانیوں پیدا کیں، ان کے پاس ان کمالات کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے، جو ان کے شیخ ابن تیمیہ کو
 عطا فرمائے تھے (۱)۔

یہ اس مکتوب کی ابتدائی سطریں ہیں، اسکے بعد حضرت شاہ صاحب نے ان الزامات کا کسی قدر تفصیلی جائزہ بھی لیا، جو شیخ موصوف پر عام طور سے
 لگائے گئے ہیں، اور دکھایا جو کہ ہر الزام غلط ہے اور اصل حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں نے شیخ کے حسنات یہ باتیں
 کہی ہیں۔

جہاں کرمض کیا گیا مکتوب خاصا طویل ہے، گویا ایک مختصر سالہ ہے، لیکن جو ابتدائی سطریں اوپر نقل کی گئی ہیں وہی یہ
 اندازہ کرنے کیلئے کافی ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو کیسا سمجھتے ہیں۔

یہاں تک کہ بھی لکھا تھا ابھی کچھ اور بھی لکھنے کا ارادہ تھا کہ امام ابن تیمیہ ہی کے متعلق مولانا محمد امین حسام الدینی گرامی کا
 ایک مستقل مضمون اشاعت کیلئے آگیا، موصوف نے بھی یہ مضمون حکیم عبد الرشید محمود صاحب کا مضمون پڑھ کر اور اس سے
 متاثر ہو کر ہی لکھا ہے، اب آئندہ اشاعت میں انشاء اللہ وہی ہدیہ ناظرین کر دیا جائے گا۔

۱۔ یہ مکتوب شاہ صاحب نے اس مضمون کے تالیف میں موجود ہے جو ان کے شاگرد رشید خواجہ محمد امین کشمیری کامر تب کیا ہوا ہے، اس جگہ کے پاس ۴

شیخ تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی دیوان فضائل و فتویٰ پریشان اور زمرہ علماء اہل سنت درمجموعہ کے زبان طبع در حق فی دلائل کثیرہ و انصار رحمہم
 بہ عقیدہ خویش بہ نسبت اور مضمون اشاعت و عن سائر علماء و سبب دریافت ۱۳۷۱ھ۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے ان مکتوب کا کاشا کر دے اس کا فتویٰ تو موجود ہے اور خود مکتوب میں نے اس مکتوب کے تالیف میں فرمایا ہے۔

مکتوبِ حرمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

از محمد منظور نعمانی

۱۸ دسمبر ۱۳۷۰ھ پنجشنبہ
رابطہ بھوپال، محلہ شامیہ، محکمہ معظہ

عزیزانِ من! نلکا اللہ تعالیٰ، دعا فاکما۔ سلام سنون
محکمہ معظہ پہنچے تقریباً دو ہفتے ہو چکے اور صبح سے فاصلہ ہوئے بھی تقریباً ایک ہفتہ گزر چکا، لیکن ان
دنوں میں مشغولیت ایسی رہی کہ خط لکھنے کے لیے کم سے کم وقت بھی فارغ نہیں کر سکا۔ اس سے پہلا
خط جرحہہ پہنچ کر روانہ کیا تھا، جرحہہ پہنچنے تک کے حالات اس میں لکھ چکا ہوں، آگے کے واقعات کا
تمہیں انتظار ہوگا۔ اس لیے خاص خاص باتیں لکھتا ہوں۔

جرحہہ کا دن جدہ ہی میں گزر گیا۔ رات کو بعد نماز عشاء موٹر بس پر سوار ہو گئے اور یہاں کے حسابے
قریب ۵۔۶ بجے کے (ہندستان ٹائم سے قریباً ۱۱۔۱۲ بجے) موٹر بس محکمہ معظہ کے لیے روانہ ہوئی، روانگی سے
ذرا پہلے خیال ہوا کہ یہ موٹر اب رات کے آخری حصے میں محکمہ معظہ پہنچے گی اور مسلسل بیٹھے رہنے اور جاگنے کی
وجہ سے اس وقت اپنی طبیعت بھی خستہ اور تھکی ماری ہوگی۔ اور جی یہ چاہتا تھا کہ اللہ کے بلدا میں
میں داخلہ دن میں ہو اور اس وقت طبیعت بھی تھکی ماری نہ ہو۔ اس لیے یہ ارادہ کیا کہ اس موٹر سے
اسباب اتروالیا جائے اور کل صبح کسی اور موٹر سے جایا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی رکاوٹ ڈالی
کہ یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا اور بادلِ ناخوشہ اسی موٹر میں سوار ہونا پڑا۔ بہر حال موٹر روانہ ہوئی۔
جرحہہ سے ۳۵ کیلو میٹر چل کر ایک منزل آتی ہو "بحرا" یہاں چار کے ہوٹل ہیں، گزرنے والی ہر موٹر اور
لاری یہاں رکتی ہو، ڈرائیور اور اکثر مسافر انہ کر چار وغیرہ پیتے ہیں اور آگے چل دیتے ہیں، بعض ڈرائیور
کچھ دیر کے لیے یہاں نیند بھی لے لیتے ہیں۔ بہر حال رات کے ایک بجے کے بعد ہماری موٹر یہاں پہنچ کر رکی

اکثر مسافر بھی اترے۔ ہم سے پہلے پہنچنے والی ایک بس یہاں پہلے سے کھڑی تھی اور اس کا ڈرائیور سو گیا تھا اتفاق سے اس وقت قدوائی صاحب مکہ منظر سے جدہ کے لیے آ رہے تھے، کار روک کر اترے پہلے اس لاری کے پاس پہنچے جو ہم لوگوں سے پہلے سے کھڑی تھی، اور اس کے مسافروں سے (جو سب ہندوستانی تھے، بہت ہمدردانہ گفتگو کی اور پوچھا کہ اگر آپ کو کوئی تکلیف یا کوئی شکایت ہو تو مجھ سے بتلائیے پھر پوچھا کہ آپ کی بس کا ڈرائیور کہاں ہو؟ مسافروں نے بتلایا کہ وہ تو سو گیا۔ قدوائی صاحب نے خود جا کر اسے اٹھایا اور کہا تم سو رہے ہو اور تمہارے مسافر تکلیف میں ہیں پہلے انھیں پہنچاؤ۔ اور اس کے بعد سو ڈرغرض اس موٹر بس کو اپنے سامنے روانہ کرایا۔ پھر اتفاق سے مجھ پر نظر پڑی، مزاج پر سی کے بعد پوچھا کہ کیا آپ کا ڈرائیور بھی سو گیا ہے، میں نے کہا نہیں، ہم تو ابھی آئے ہیں ذرا چلے بیٹھ گئے، ڈرائیور بھی جا اپنی رہا ہوگا۔ قدوائی صاحب کی اس فرض شناسی اور اس جتنی کو دیکھ کر طبیعت بڑی خوش ہوئی، اس کے بعد وہ جدہ روانہ ہو گئے۔ چار سے فارغ ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ ہمارا ڈرائیور بھی سو گیا ہو اور اب ہماری موٹر فجر کے بعد چلے گی۔ یہ معلوم کر کے میں نے تودل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔ یہ گویا میری عین مراد تھی، قریب ہی بس ایک صاف تھرا چوڑا تھا، وضو کر کے چند رکعت نماز پڑھی اور احرام کی چادر سر کے نیچے رکھ کے جانا زہی پر سوار۔ صبح صادق ہو جانے پر اکٹھ کھلی اس طرح دو گھنٹے کے قریب سونے کا موقع مل گیا اور الحمد للہ طبیعت بالکل ٹھکی ہو گئی۔ اٹھ کر جماعت سے نماز فجر پڑھی اور طلوع آفتاب سے پہلے ہی ہماری موٹر مکہ منظر کے لیے روانہ ہو گئی، اور سورج نکلنے پر ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا ہوگا کہ ہم اللہ کے بلد امین میں جا اترے اسباب اثر واکے رکھا اور اپنے معلم مولوی عبداللہ صاحب کے کہا کہ اگر آپ غسل کا انتظام آسانی سے کر سکیں تو جی چاہتا ہو کہ غسل کر کے مسجد حرام میں حاضر ہوں، اللہ انھیں جزائے خیر دے اسی وقت انھوں نے غسل خانہ میں پانی چھونچوایا اور میں نہا کر عمرہ کے طواف کے لیے مسجد حرام آیا پہلے طواف کیا اس کے بعد رکعتیں طواف پڑھنے کے لیے مقام ابراہیم کی طرف آیا، وہاں اثر و حام اور کشکش و کچھ کر حطیم میں جا کر دو گنا نہ پڑھا، اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسی وقت ملتزم پر موقع مل گیا، دعا کی اور سعی کے لیے سعی میں آ گیا۔ سعی سے فارغ ہو کر اسی وقت طواف قدم کیا، ان سب کاموں سے فارغ ہو کر معلم صاحب کے مکان پر آیا، غلام عبد صاحب بھی ان ہی کے مکان کے ایک حصہ میں فروکش ہیں، مولوی عبداللہ صاحب کھانا لائے، غلام عبد صاحب نے بھی اپنے ہاں سے احضر منگوایا، کھانے سے فارغ ہو کر نظر کے لیے مسجد حرام آ گئے، مولانا علی میاں اگرچہ دو دن سے سخت بیچینی کے ساتھ انتظار کر رہے تھے لیکن ابھی تک ملاقات نہیں ہو سکی تھی، نماز فجر سے فارغ ہو کر انھوں نے مجھے اور میں نے انھیں پایا، یہ ذمی الحجہ کی بہتر سچ تھی اور دن شنبہ کا تھا، کہہ سکتے ہیں

رہنا ہوا اور ۸ کی صبح کو کمرے سے منی پیدل روانگی ہوئی، دو ڈھائی گھنٹہ میں پہنچ گئے، گرمی کی شدت کی وجہ سے سایہ دار جگہ کی ضرورت تھی اور دیر ہو جانے کی وجہ سے مسجد خیف میں جگہ ملنے کا وقت نہیں رہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ سے فضل کی امید باندھے ہوئے گئے اور بحمد اللہ بہت اچھی جگہ مل گئی۔ بقیہ دن اور رات بھی ہیں گزار دی، نوبت کی صبح کو عرفات روانگی ہوئی اور چونکہ مولانا علی میاں اور اکثر تبلیغی رفقاء کے معلم سلیمان ہاشم تھے اس لیے میں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ آج کا دن ان سب اہل حجاب رفقاء کے ساتھ سلیمان ہاشم ہی کے خیمہ میں گزاروں، سلیمان ہاشم نے ان حضرات کے لیے ایک بہت بڑے اور اچھے آرام دہ خیمہ کا انتظام کیا تھا، نظم سے قریب دو گھنٹے پہلے ہم سب اس خیمہ میں جمع ہو گئے تھے، پہلا کام یہ کیا گیا کہ اپنے سب اہل حجاب رفقاء کو جمع کر کے کھج کے دن کی اہمیت بیان کی گئی اور یہ کہ شام تک کا وقت کس طرح اور کن مشاغل میں گزارا جائے۔ پھر طے ہوا ان باتوں کو حتیٰ الوسع خیمہ خیمہ پہنچانے کے لیے جماعتیں گشت کریں، اسی وقت دس جماعتیں بن گئیں ان میں سے پھر ہندستان، پاکستان کے حجاج میں کام کرنے کے لیے اور عربی ممالک سے آئے ہوئے حجاج کے لیے، ان چاروں جماعتوں میں دو دو آدمی وہ تھے جو بحمد اللہ عربی زبان میں دعوت و تبلیغ کی اچھی مشق بہم پہنچا چکے ہیں، قریباً ڈیڑھ گھنٹہ ان جماعتوں نے گشت کیا، نظر کی نماز کے بعد اس پاس کے خیوں کے بہت سے لوگ بھی یہاں سے اس خیمہ میں آ گئے، اس موقع پر مولانا علی میاں نے ایک تقریر فرمائی اور آج کے دن دعا اور توبہ و استغفار اور اس میں اسحاح اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حُسن ظن بلکہ مغفرت و رحمت کا یقین اپنے اندر پیدا کرنے کی تلقین فرمائی اور اس کے بعد سب اپنے اپنے طور پر دعا وغیرہ میں مشغول ہو گئے۔ پھر شاید کوئی بھی نہ تھا جو آنکھوں سے اور دل سے نہ رو رہا ہو، اللہ تعالیٰ جملے خیر دے اپنے ان بندوں کو جن کا رونا اور ٹرپنا دوسروں کو بھی رلا رہا تھا اور ٹرپا رہا تھا۔ اولیٰ الش قوم لا یشقی جلسہ۔

جب دن آخر ہونے لگا سب لوگ جبل رحمت کی طرف چلے، یہ عاجز بھی مولانا علی میاں اور چند اور رفقاء کے ساتھ تھا، جیسی کچھ اللہ نے توفیق دی سبے دباں دعائیں کیں۔ یہاں تک کہ آفتاب گویا ہاری آنکھوں کے سامنے غروب ہوا۔ اس کے بعد ہم لوگ یہیں سے مزدلفہ کو پیدل روانہ ہوئے اور قریباً ڈھائی گھنٹہ میں مزدلفہ پہنچے، وہم و گمان بھی نہ تھا کہ خاص مشعر حرام میں ہمیں جگہ مل جائے گی مگر اللہ کے فضل سے اس کے بالکل وسط میں جگہ ملی، یہاں پہنچ کر مغرب و عشا کی نماز ادا کی اور کچھ دیر کے لیے سو گئے۔ قریباً ڈھائی تین گھنٹہ کی نیند کے بعد سب راتھیوں کی آنکھ کھل گئی، الحمد للہ طبیعت بالکل اچھی ہو چکی تھی، اب تھکن کا کوئی اثر نہ تھا وضو کر کے سب نوافل میں اور ذکر و دعا میں مشغول ہو گئے

صبح صادق نمودار ہوئی، فجر کی نماز پڑھی اور طلوع آفتاب سے کچھ پہلے تک ذکر و دعا میں مشغول رہے۔ ان دنوں میں یہاں گرمی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، ایک ڈاکٹر نے بتایا کہ ہر کو عرفات میں اور، اگر کو منی میں درجہ حرارت ۱۲۵ تھا، مجھے اور بعض اور ساتھیوں کو زلزلہ کی شکایت تھی جسکی وجہ سے کچھ حرارت بھی تھی۔ اس لیے پوچھا سے منی جانے کا فیصلہ کیا۔ بہت انتظار اور تلاش کے بعد ایک کار ملی اس لیے ہم ایسے وقت روانہ ہو سکے کہ آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔ راستہ میں سخت رش ہونے کی وجہ سے مزدلفہ سے منی کا فریاض صرف ۲-۳ میل کا راستہ کار نے کوئی دو گھنٹہ میں طے کیا۔ منی پہنچ کر حجرۃ العقیقہ کی رمی کی، طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے خود بخیر جانا مناسب نہیں سمجھا۔ اس لیے قربانی کا کام بعض دوسرے رفقاء کے سپرد کر دیا۔ اور اللہ انھیں جزائے خیر دے انھوں نے اس کو انجام دیا۔ اور خود میں نے وہ پورا دن مسجد حنیف کے اندر کے حصہ میں گزارا۔ مولنا علی میاں وغیرہ اپنے معلم سلیمان ہاشم کے خیمہ میں رہے اور انھوں نے گرمی کی بڑی تکلیف اٹھائی۔ ان دنوں میں یہاں گرمی کی شدت جیسا کہ ابھی لکھ چکا ہوں انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، ملاحظہ اندازہ ہو کہ عرفات اور منی کے ۴ دنوں میں پندرہ ہزار سے کم اموات نہ ہوئی ہوں گی۔ میں تو منی کے زمانہ قیام میں مسجد حنیف ہی میں گویا متکلف رہا، دن میں بس رمی کے لیے نکلتا تھا اور الحمد للہ اس کی وجہ سے گرمی کی تکلیف سے میں بہت محفوظ رہا۔

۱۳ رعدی الحجہ کی شام کو عصر پڑھ کر منی سے مکہ معظمہ آگئے۔ اب مکہ معظمہ ہی میں قیام ہو طبیعت الحمد للہ بالکل اچھی ہے۔ مولنا علی میاں، مولنا عبداللہ صاحب ندوی، مولوی معین اللہ، مولوی عبدالرشید مولوی رضوان، مولوی محمد رابع، مولوی محمد طاہر، یہ سب حضرات پہلے سے بھوپال کی رباط میں مقیم ہیں، میں یہاں گیا ان سب کا ہمان ہوں، مکہ معظمہ میں اور وہ بھی خاص موسم حج میں آرام دہ قیام گاہ اور عادات کے مطابق وقت پر کھانے پینے کا انتظام صرف ان لوگوں کو نصیب ہو سکتا ہو جو اس کے حاصل کرنے کے لیے ہزاروں خرچ کر سکیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ان غلصہ دوستوں کے طفیل یہ سب کچھ عطا فرما رکھا ہو۔ اللہ ہمہ ما اصبحونی من نفعہ ادباجد من خلقت فمذا وحدا لا مشرک لک لا اُحصى ثناء علیہ طہنت لکما اقیئت علی نفسک۔

مولنا علی میاں کے غنا و نفس اور توکل کو تو ہم جانتے ہی ہیں، لیکن معلوم ہوتا ہو کہ ان کی صحبت و رفاقت اور اس وادی غیر ذی ذعاع کے قیام کی برکت سے ان سب دوستوں کو بھی توکل کی خوب مشق ہو گئی ہو پاس کچھ نہیں ہو بالکل فقیر بے نوا ہیں لیکن روزانہ صبح کو چار پورے اہتمام کے ساتھ بنا کر مجھے پلاتے ہیں۔ دوپہر کو ترکاری سالن خود اپنے ہاتھ سے پکاتے ہیں، روٹی بازار سے کچی پکائی لے آتے ہیں، برت تک کا اہتمام کرتے ہیں۔ گویا فقط شیرازی کی اس نصیحت کو انھوں نے پوری طرح قبول کیا ہو۔

ہنگام تنگ دستی درمیش گوش دستی کیں کیمیاے ہستی قاروں کسند گدارا
دو پہر کا کھانا پھر کے بعد ہوتا ہو اس کے بعد عصر تک آرام کا وقت ہو عصر کے حرم شریف جانے کے
بعد اکثر عشا پڑھ کے ہی واپسی ہوتی ہو ان دوستوں نے رات کو بالکل نہ کھانے کا اپنے کو عادی بنالیا ہو اور عبادت
کم از کم یہاں کے لیے تو بڑی اچھی ہو۔ میں بھی ان حضرات کے ساتھ بس دو پہر ہی کو کھانا ہوں، راستہ کو نہ کھانے کی
وجہ سے طبیعت بڑی اچھی اور ٹکی پھلکی رہتی ہو۔

اس سفر کی خاص برکات اور منافع میں سے مصر و شام کی بعض ان خاص ہستیوں سے تعارف اور تعلق
ہو جو ان ممالک میں احیاء دینی کی مساعی میں مصروف ہیں جن سے مولانا علی میاں کے مصر و شام کے دورہ میں
رابطہ و تعارف ہوا۔ اتفاق کی بات ہو کہ اس سال ایسے اہم افراد کافی تعداد میں آئے ہیں، ان میں سے ایک شخص سے
طبیعت خاص طور سے متاثر ہوئی، یہ الاخوان المسلمون کے خاص آدمی ہیں، سعید رمضان نام ہو۔ یہ وہی ہیں جن کے
متعلق گزشتہ سال اخبارات میں ہم نے پڑھا تھا کہ سعودی حکومت نے حجاز میں ان کے داخلہ پر پابندی لگا رکھی
ہو معلوم ہوا کہ وہ پابندی ابھی تک اٹھائی نہیں گئی ہو لیکن یہ اس سال آئے ہیں، پہلی ہی ملاقات میں جب
مولانا علی میاں نے میرے متعلق انھیں بتایا کہ یہ میرا ساتھی ہو اور ہم دونوں گویا ایک ہی وجود کے دو بازو ہیں
تو اس طرح ملے کہ میرا دل بھر آیا اور انھیں رونے لگیں۔ حرم شریف میں روزانہ ملنا ہوتا ہو، ہر وقت معافہ
کے وقت وہ شخص مجھ محبت اور سراپا حرارت محسوس ہوتا ہو۔

یہ خطہ ازری کچھ کو مکہ منغلہ میں کھٹا شروع کیا تھا، لیکن اس دن پورا نہ ہو سکا تھا، پھر وہ ہی گیا
یہاں تک کہ مدینہ طیبہ روانگی کا وقت آگیا۔ ہم لوگ چونکہ سب آخری جہاز یعنی محمدی سے آئے تھے اس
لیے اگر کوٹر سے مدینہ طیبہ آتے تو یہاں کے قواعد کی رو سے کہیں وسط محرم میں ہمیں مدینہ طیبہ کے لیے کوٹر
ملتی اس لیے ہم نے ہوائی جہاز سے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ازری کچھ پنجشنبہ کو کنٹ حاصل کر لیا۔ اور ہزری کچھ
شنبہ کے دن طواف رخصت کر کے جدہ کو روانہ ہو گئے۔ شنبہ اور یکشنبہ کی درمیانی رات مطار (ہوائی اڈہ) پہنچا
پر گزرا ہی، نماز فجر پڑھ کر سوار ہوئے اور صرف ۵ منٹ میں ہمارا جہاز مدینہ طیبہ کے ہوائی اڈہ پر اتر گیا
اڈہ پہنچا پر وضو کیا، چارپائی اور ٹھوڑی دیر بعد سرکاری بس پر سوار کر کے شہر روانہ کر دیے گئے، بس چند
منٹ پہنچی تھی کہ مدینہ منورہ کے اہل نظر آنے لگے، ذرا اور آگے بڑھی تو مسجد شریف کے منارے اور گنبد خضراء
آنکھوں کے سامنے تھا، الحمد للہ دل نے، زبان نے اور آنکھوں نے اپنا اپنا وظیفہ ادا کیا۔ اپنے اڈہ پر پہنچ
کر بس ٹھہر گئی، سامان ایک مزدور سے اٹھوایا، صطفیٰ خاں منزل کے سامنے پہنچے تو غلام احمد صاحب سامنے

کھڑے جو ہم سے دودن پہلے ہوئی جہانزی سے یہاں پہنچ چکے تھے، انھوں نے بڑھ کر سامان اتروایا اور رکھوایا۔ اور کھانے پینے کے لیے پوچھا میں نے کہا اگر غسل کرنے کا کوئی انتظام ہو سکے تو بس یہ کر دیجیے۔ فوراً انھوں نے بندوبست کیا، میں نے غسل کیا، کپڑے بدلے، اور مسجد شریف آیا، باب جبریل پر پہنچا تو دواں کے قباب (دوان) نے پہچان لیا اور مرحبا مرحبا کہہ کے لپٹ گیا اور دیر تک لپٹا رہا، میری آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ اللہ اس کو دنیا و آخرت کی نعمتوں سے بھر پور رحمہ دے اس کی اس محبت و عنایت سے لبریز ممانعت نے اس وقت بڑا ہی نفع پہنچایا اور الحمد للہ اس چیز کے پیدا کرنے میں بڑی مدد دی جس کا میں اس وقت بڑا حاجت مند تھا۔ ”بسم اللہ والصلوة والسلام علی رسول اللہ کہہ کر مسجد شریف میں داخل ہوا۔ پہلے روضۃ البختہ میں پہنچ کر تحیۃ المسجد پڑھی، سجدہ شکر کیا، دعا کی اور پھر مواہبہ شریف میں حاضر ہوا، سلام عرض کیا اور جو کچھ عرض کرنا تھا جس طرح اس وقت عرض کیا جاسکا عرض کیا۔ تم دونوں کا ہتھاری آپا کا اور ان سب بزرگوں اور دوستوں کا سلام پہنچایا انھوں نے کہا تھا، بھرا چنے لیے اور ان سب کے لیے جن کا اپنے پر کسی شکم کا کوئی حق ہو، قرابت کا، احسان کا، محبت کا، خدمت کا، سب ہی کے لیے شفاعت کی درخواست کی۔ اس سفر میں ہر ایسے موقع پر ————— قاری عبدالوہاب صاحب، اسٹرکچرینین صاحب (پہلے سفر کے رفیق) اور محمد احمد صاحب خاص طور سے یاد رہے۔

اس سب کے بعد مسجد شریف سے واپس آیا، مدرسہ شرعیہ میں قیام کی اجازت لی اور سامان دواں منتقل کرایا۔ ————— آج یہاں آئے تیسرا دن ہو، اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی ہر طرح کی رحمتیں نصیب فرما رکھی ہیں، گویا کسی کریم کی ہمانی میں ہیں، عجب حال ہو، عجب کیف ہو، چہ گویم و چہ گو نہ گویم۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکمبت گل نسیم صبح تری نسیم ربانی

اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ شَكَرًا وَ لَكَ الْمُنَ فَضْلًا

کل روضۃ اقدس پر اس جانب کھڑے ہو کر جہد حضور کے قدم مبارک ہیں درود شریف پڑھ رہا تھا اس وقت والد ماجد علیہ الرحمہ کے اس احسان کی عظمت دل پر وارد ہوئی کہ انھوں نے ہم کو علم دین کے راستہ پر ڈالا اور صرف اس نیت سے ڈالا کہ ہم کو علم دین آجائے اور اس کے واسطے سے ہم اللہ رسول سے اپنا صحیح تعلق جوڑ سکیں۔ اس وقت والد ماجد کے یہ الفاظ گویا کانوں میں گونج رہے تھے جو انھوں نے بار بار اس ناچیز سے بھی مختلف اوقات میں فرمائے تھے، کہ مجھے اس کی فکر نہیں کہ تم لوگ بڑے دولتمند ہو جاؤ۔ میں بس یہ چاہتا ہوں، اور اللہ سے اس کی دعا کرتا ہوں کہ تمہیں دین نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کی اور والدہ ماجدہ کی فکر کو نہ بھرنے جو کچھ نصیب ہو اللہ کے فضل کے جہان ہی کی نیتوں اور دعاؤں کا ظہیر ہو۔

دُبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ - دُبِّ اَرْحَمِهَا لِمَا رُبِّيَا فِي صَفِيهَا

انشاء اللہ اب ۱۰-۱۲ دن یہاں قیام رہے گا۔ ۳-۴ محرم کو جدہ واپسی کا ارادہ ہو، امید ہو کہ جدہ سے پھر مکہ منظرہ حاضری نصیب ہوگی۔ اور خدا نے چاہا تو ۵-۶ دن قیام کا بھی موقع مل جائے گا، اب تک کا اندازہ یہ ہو کہ ۱۲ رذی الحجہ (۳۱ اکتوبر) کو جدہ سے اسلامی جہاز جو روانہ ہوگا انشاء اللہ اس سے ہم سب سوار ہو سکیں گے۔ یہ ہمارے ۹-۱۰ دن میں بیٹھی ہو چکا دیتا ہو۔ اس حساب سے انشاء اللہ آخر محرم تک کھنڈ پہنچ جائیں گے۔ مولانا علی میاں، مولوی محمد رابع، مولوی معین اللہ، مولوی عبدالرشید انشاء اللہ سب ساتھ ہی آئیں گے۔ محمد شفیع صاحب برابر ساتھ ہیں، ابھی طرح میں ان کے کارخانہ جا کر کر دیا جائے۔ والسلام۔
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۳ رذی الحجہ سنہ ۱۳۸۷ھ

(ہوائی ڈاک سے روانہ کرنے کا ارادہ تھا لیکن غلام احمد صاحب کی واپسی کا وقت آگیا اب ان کے ذریعہ بھیجتا ہوں) (۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزان من ! سلمکم اللہ تعالیٰ دعا فاکم سلام مسنون۔

اس وقت جب کہ یہ خط لکھنا شروع کر رہا ہوں، غلام احمد صاحب کے ذریعہ میرا وہ خط تمہیں اس سے پہلے مل چکا ہوگا جس کا کچھ حصہ میں نے مکہ منظرہ میں لکھا تھا اور کچھ مدینہ طیبہ پہنچ کر لکھ رکھا تھا۔ تمہیں اس کے بعد کے حالات کا انتظار ہوگا۔ جیسا کہ پہلے خط سے معلوم ہو چکا ہوگا میں ۱۲ رذی الحجہ کو مدینہ طیبہ پہنچ گیا تھا اور یکم محرم کو دسویں دن وہاں سے واپسی ہوئی۔ الحمد للہ ولا اللہ کہ اس پورے وقت میں اللہ تعالیٰ کا وہ فضل رہا جس کا ہرگز کوئی استحقاق نہ تھا، طبیعت بھی بڑی شاداب رہی، البتہ اس دفعہ اس چیز کا احساس پہلے سے بھی زیادہ ہوا کہ ساری اسلامی دنیا سے آنے والے حجاج و زائرین کی غالب اکثریت حج و زیارت کے مقصد اور اس کی حقیقت سے اور حرمین پاک کے حقوق و آداب سے اور اللہ رسول کے احکام سے کس قدر بے خبر ہو اور پھر اس بے خبری کے احساس اور اس کے انجام کی فکر سے کس درجہ غافل ہو۔ کاش ایسا ہوتا کہ مختلف ممالک سے اللہ کے جولا کھوں بندے ہزاروں میل کے سفر کی مصیبتیں برداشت کر کے اور ہزاروں روپے خرچ کر کے حج و زیارت کے لیے یہاں آتے ہیں کم از کم دہی ایسے ہوتے یا ایسے بن کر آیا

گرتے کران کے اجتماع سے یہاں ایک ایسا ماحول بن جایا کرتا جس میں اصلی ایمان و اسلام کی بہار کچھ دیکھی جاسکتی اور ہمارے دینی ضعف کو اس سے کچھ تقویت اور غذا ملا کرتی۔ لیکن معاملہ کچھ اس کے برعکس ہو، معلوم ایسا ہوتا ہو کہ جو خوبیاں اور جو برائیاں جو ایمانی تفصیلات اور برکتیں اور جہالت و گمراہی اور بد علمی و بد کرداری کی جو بری عادتیں اور خنثیتیں عالم اسلامی میں منتشر ہیں سچ کے موقع پر وہ سب یہاں یکجا ہو کر اور زیادہ مہم جوئی میں ہیں، اور چون کہ ہم مسلمانوں کی زندگی میں بحیثیت مجموعی شرکی مقدار زیادہ ہو اور اس کے مقابلہ میں خیر بہت کم اور مغلوب ہو اس لیے سچ کے موقع پر ہم جیسے عوام کی آنکھیں مکہ منظمہ کی مسجد حرام اور مدینہ طیبہ کی مسجد نبوی میں بھی خیر اور نورانیت کو غالب اور چھایا ہوا دیکھنے کے لیے ترستی ہی رہتی ہیں فانی اللہ مشتکی و هو المستعان۔

مسجد حرام میں اور مسجد نبوی میں بیٹھے بیٹھے بار بار یہ خیال یا وسوسہ دل میں پیدا ہوتا تھا کہ اگر کوئی اللہ کو حجر اسود کو مقام ابراہیم کو اور صفات کو کچھ بولنے کی اجازت ہو یا روضہ انور سے کوئی چیز ہمیں سنوانے کا حکمت الہی فیصلہ کرے تو اس میں بڑا حصہ غالباً ہماری بے ادبیوں، بد تمیزیوں اور طرح طرح کی جہالانہ و موزیانہ حرکتوں کی شکایت کا اور اس تکلیف و اذیت کا ہو گا جو روح نبویؐ اور ان شعائر اللہ کی روجوں کو ہر دم زائرانِ حرمین کے احوال و اعمال سے پہنچتی ہو۔

مرحوم اقبالؒ نے تو غالباً دین کے حقوق اور تقاضوں کو ادا نہ کرنے والے "حاملانِ دین" کا مجرّم کرتے ہوئے کہا تھا لیکن ہمارے اس دور کے زائرینِ حرمین کے متعلق بھی اگر کہا جائے تو بالکل صحیح ہو گا کہ۔

گلہ بھائے و فانا حرم کو جو "اہل حرم" سے ہے

جو تنگدہ میں بیباں کروں تو صنم بھی کسے ہری ہری

بہر حال اس دفعہ خصوصاً مدینہ طیبہ کے زائرانہ قیام میں عام زائرین کے ان احوال و اعمال کو دیکھ دیکھ کر جو یقیناً اللہ کو سخت ناپسند ہیں اور روح نبویؐ کو یقیناً اذیت پہنچانے والے ہیں اس تاثر و احساس کا بہت غلبہ رہا، بلکہ ایک دن تو ایسا ہوا کہ میں روضہ اقدس کے جنوبی مشرقی گوشے کے قریب مشرقی جانب کی جالی سے متصل کچھ دیر بیٹھا رہا۔ قریباً ڈیڑھ دو گھنٹہ کی مدت میں مختلف ملکوں کے زائرین کے میسوں پچاسوں گروہ اس جانب گئے اور آئے۔ اس وقت خواہش بھی تھی اور ایک حد تک اس کی کوشش بھی کہ لوگ اپنی جہالت اور ناتربیتی کی وجہ سے جو نامناسب حرکتیں یہاں کرتے ہیں ان کو نہ دیکھوں، لیکن اس کے باوجود مختلف ملکوں کے گروہوں کے مردوں اور عورتوں کی جہالت اور گمراہی کے اتنے نمونے آپ سے آپ اس غلوئے

سے وقت میں سامنے آئے کہ دل میں یہ دوسوہ پیدا ہوا کہ جب امت کا عموم اس درجہ بگڑ چکا ہو تو اصلاح کی ماری کو ششیں بے نتیجہ اور بیکار رہیں۔ اس لیے اصلاحی کوششوں میں وقت صرفت کرنے والوں کو اب اپنا وقت اور اپنی کوششیں اس میدان میں خرچ نہیں کرنی چاہئیں۔ لیکن بعد میں یہ خیال پیدا ہوا کہ سب کچھ کرنے والے دراصل جب اللہ تعالیٰ ہیں اور وہ اس سے بدرجہا کمال کو بھی اچھے حال سے بدل سکتے ہیں اور رات کی اندھیاری کے بعد روزانہ صبح کا اجالا پیدا کر کے اور خزاں کے بعد بہار کو لاکے وہ اپنی قدرت کا نمونہ برابر دکھلاتے رہتے ہیں تو امت کی موجودہ بگڑی ہوئی حالت سے مایوس ہو کر اصلاحی کوششوں سے کنارہ کش ہو جانے کا خیال صحیح نہیں، حکم الہی کی تعمیل میں ہمیں اپنی سی کوششوں اور دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے اور اللہ کی اس قدرت پر یقین رکھنا چاہیے کہ ————— ”هو الذي ينزل الغيث من بعد ما قطفوا وينشر رحمته وهو الولي الحميد“ — اور ————— ”اعلموا ان الله يجزي الارض بعد موتها قلنا ما ينالكم الايات لعلكم تعقلون“

مدینہ طیبہ کے زمانہ قیام میں ایک دن سید الشہداء حضرت حمزہ اور دیگر شہداء اُحد کے دفن پر بھی جانا ہوا جو اسی اُحد پہاڑ کے دامن میں ہو۔ اس دن اس تصور سے طبیعت کو ایک خاص کیف حاصل ہوا کہ یہ پہاڑ وہی ہو اور یقیناً وہی ہو جس کے متعلق حضور نے ارشاد فرمایا تھا ”یحببتنا ونحبہ“ اس کو ہم سے اور ہم کو اس سے محبت ہو، اور یہی وہ بابرکت پہاڑ ہو جس کے متعلق صحیح روایات میں آیا ہو کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم) کو ساتھ لے کر اس پر چڑھے تو پہاڑ میں ایک خاص قسم کی حرکت اور جنبش پیدا ہوئی، حضور نے پہاڑ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ”اُتْبِتْ اَحدًا فانما علیک نبی وصدیق وشہیدان“ (اُحد! ٹھہر جا، تیسکراؤ پر اس وقت ایک اللہ کا پیغمبر ہو، ایک صدیق ہو، اور راہ خدا میں دو شہید ہونے والے ہیں)۔ حضور کے محترم چچا حضرت حمزہ اور دیگر شہداء اُحد کے دفن پر پہنچ کر راہ خدا میں حضرت حمزہ کا شہید ہونا ان کے ناک اور کان کاٹے جانا، ان کے جگر کا چبایا جانا یا داہیا، حضرت مصعب بن عمیر کی زندگی کا اول و آخر یاد آنا کہ اسلام لانے سے پہلے بڑے ٹھٹھاٹ باٹ کے ساتھ رہنے والے وہ ایک رئیس زادہ تھے۔ دو دوسو درہم کی قیمت کی ایک ایک چادر اوڑھتے تھے، اور اسی اُحد کے میدان میں جب راہ خدا میں وہ شہید ہوئے تو ان کے کفن کے لیے اس کلی کے سوا کوئی کپڑا نہ تھا جس کو پھینے ہوئے وہ شہید ہوئے اور وہ بھی اتنی چھوٹی تھی کہ جب اس سے ان کے سر اور پھرے کو ڈھکتے تھے تو پاؤں کی طرف سے کھل جاتا تھا۔ اور جب پاؤں ڈھکتے تھے تو چہرہ اور سر کھل جاتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مصعب کے

کفن کے لیے ان کی کبلی کے سوا کچھ نہیں ہو اور وہ اتنی چھوٹی ہو کہ سر ڈھانکتے ہیں تو پاؤں کھلتے ہیں اور پاؤں ڈھانکتے ہیں تو سر کھلا رہ جاتا ہو، حضورؐ نے فرمایا کہ سر اور چہرہ کفنی ہی سے ڈھانک دو اور خدا کی راہ میں امیر سے فقیر بن جانے والے اس شہید کے پاؤں اور خٹکھانے سے چھپا دو، جہاں چہرہ ایسا ہی کر کے انھیں دفن کیا گیا۔

عبداللہ بن جحش بھی یاد آئے اور ان کی قابل یاد کار دعا بھی یاد آئی، انھوں نے اُحد کا معرکہ گرم ہونے سے ایک دن پہلے دعا کی تھی کہ — ”خداوند! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ جب اس میدان میں حق و باطل کی جنگ برپا ہو تو میرا مقابلہ کسی بہادر کا فرسے ہو، وہ مجھے قتل کر ڈالے، میرا سیٹ سپر ڈالے، میرے ناک کا ناک کاٹ ڈالے، پھر جب میں اس حالت میں کسی پاس پہنچوں تو مجھ سے تو پوچھ کر لے عبداللہ تیرے ساتھ یہ کیوں کیا گیا؟ تو میں عرض کروں کہ صرف تیری راہ میں“ — عبداللہ بن جحشؓ کی یہ عارف برف قبول ہوئی، وہ شہید کیے گئے اور ان کے ناک کا ناک کاٹے گئے۔

سعد بن زیدؓ بھی یاد آئے، اسی جنگ اُحد میں ان کے جسم پر تیرہ دن، نیزوں اور تلواروں کے سترے اور زخم آئے تھے، جنگ کے خاتمہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو حکم دیا کہ میدان میں جا کر سعد بن زیدؓ کو تلاش کرو، اور اگر وہ زندہ نظر آجائیں تو انھیں میرا سلام کہو اور میری طرف سے ان کا حال پوچھو! چنانچہ ان صحابی نے انھیں ایسے حال میں پڑا یا کہ اکہا جم اگرچہ زخموں سے تھپی تھا مگر شاید حضور کا سلام پہنچانے ہی کیلئے اللہ نے ابھی انھیں زندہ رکھا تھا، بہر حال صحابی نے حضور کا سلام پہنچایا اور حال پوچھا، عرض کیا حضور کو میرا آخری سلام پہنچا دینا اور عرض کر دینا کہ میں جنت کی خوشبو پارہا ہوں، اور میری قوم انصار کو میرا یہ پیام پہنچا دینا کہ تم میں سے ایک آدمی کے زندہ ہوتے ہوئے بھی اگر حضور پر کوئی کجی آئی تو اللہ کے سامنے تمہارا کوئی عذر نہ چل سکے گا۔

حضورؐ کے نہایت بڑے صحابی ابو سعد خثیمہؓ بھی یاد آئے جن کے جوان صاحبزادہ سعد بدرؓ میں شہید ہو چکے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اُحد کے لیے تیاری کر رہے تھے تو انھوں نے، اگر حضورؐ سے عرض کیا کہ میں نے اپنے بیٹے سعد کو خواب میں دیکھا ہو، انھوں نے مجھ سے کہا ہو کہ اباجان! جنت کی زمین ایسی نفیس و خوشبودار ہو اس کا پانی ایسا لذیذ اور شیریں ہو اور اس میں ایسی ایسی نعمتیں ہیں اس لیے آپ شہید ہو کے جلدی یہاں پہنچ جائیے۔ حضور اب میری طبیعت اس دنیا سے اکھڑ چکی ہو میں جلدی اپنے بیٹے سعد کے پاس جنت میں چلا جانا چاہتا ہوں اس لیے مجھے بھی اس صحرے میں ساتھ چلنے اور شریک ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیے حضورؐ نے اجازت دی اور وہ شہید ہو کر اپنی مراد کو پہنچے۔ اور وہیں دفن ہیں۔

اس گنج شہیدانِ یثربؓ کے اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ اصلی ایمان انہی کے پاس تھا اور اسی نے ان کے لیے راہِ خدا میں اس طرح مزاد و ملنا آسان کر دیا تھا بلکہ اس کو محبوب بنا دیا تھا اور ہم اس ایمان سے خالی ہو چکے ہیں۔ اس احساس کے بعد خیال کے (صرف خیال کے) کانوں سے سنا گیا اللہ کے یہ بندے

اپنی قبروں سے پکار کر کہہ رہے تھے۔ نفاق چھوڑو، ایمان اختیار کرو، زندگی سے زیادہ موت کی فکر کرو دنیا کی نعمتوں سے زیادہ جنت کی چاہت اپنے اندر پیدا کرو، اور پھر دنیا اور آخرت میں اللہ کے وعدہ کا ظہور دیکھو۔ اللہ کی رحمتیں ان بندوں پر ایمان کی ایسی مثالیں قائم کر گئے ہیں کہ ان کو یاد کر کے اپنے پر نفاق کا شبہ ہوتا ہو۔

اسی روز غزوہ خندق والے میدان میں بھی جانا ہوا، اب وہاں مختلف ناموں سے پانچ مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک مسجد الفتح کے نام سے مشہور ہو، بیان کیا جاتا ہے کہ جس جگہ یہ مسجد ہو اسی جگہ حضور خندق کے موقع پر فروکش تھے اور آپ ہمیں مصروف و عار سے تھے، جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سنت تیز کر دی گئی اور اس کی مدد سے انھی جنہوں نے دشمنوں کے مذہبی دل لشکر کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ خندق کے محل وقوع اور طویل و عریض رقبہ کو دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اللہ اکبر اس زمانہ میں جبکہ خندق میں کھودنے کا کوئی خاص اثر نہ تھا، معمولی کدالوں سے اتنی لمبی چوڑی خندق اس سنگستان میں اللہ کے بندوں نے کیسے کھودی ہوگی۔ خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی پاک زبانوں سے نکلا ہوا ایسا نثرانہ "اللھم لا عیش الا عیش الاخرہ" اس میدان کی ہواؤں اور فضاؤں سے خیال کے کانوں نے بار بار سنا۔ گویا کہ دنیا اور اس کی رنگ رلیوں میں گم ہو جانے والے ہم نام کے مسلمانوں کے لیے جو ایک تماشائی زائر کی طرح ان سب مقامات پر جاتے ہیں اس میدان کے سنگریزوں اور وہاں کی ہواؤں اور فضاؤں کا یہی پیام تھا۔ "اللھم لا عیش الا عیش الاخرہ"۔

مدینہ طیبہ میں قیام اس دفعہ بھی "مدرسۃ العلوم الشرعیہ" میں رہا۔ مدرسہ کا اصلی موضوع تو تعلیم ہی ہے۔ اور مختلف درجوں کی درسگاہوں کو طالبوں سے معمور اور اساتذہ کو اپنے کام میں مشغول و منہمک دیکھ کر دل بڑ خوش ہوتا رہا کہ کیا بابرکت جو ہندوستان کا وہ خاندان جس نے یہاں یہ درسگاہ قائم کی اور کیسے مبارک اور خوش نصیب ہیں وہ بندے جن کی مالی شرکت و توجہ سے بدالبنی الامین میں یہ فیض جاری ہے، لیکن زمانہ عجیب میں سینکڑوں یا بیسکڑوں سے بھی زیادہ زائرین مدینہ کو مدرسہ کی عمارتوں میں قیام سے جو آرام فائدہ و بلاشبہ وہ بھی درسگاہ بہت فیض ہو خود اپنی آنکھوں سے ۱۰۰۰ برابر دیکھا کہ ہر قسم کے حجاج اگر ٹھہرتے ہیں جن میں سے بہت سے نہایت ہی ناز بیت یافتہ بھی ہوئے ہیں جو بڑی ہی تکلیف دہ گندگی مدرسہ میں کرتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس مدرسہ کا

لے ہرگز کسی کو غلط فہمی نہ ہو کہ کوئی کدواں زور پکا نہیں تھی جس کو میرے سر کے کانوں نے سنا ہو، بلکہ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ اپنے خیال میں وہاں یہ بات اگر بھی تھی کہ اگر اللہ کے یہ بندے ہیں کوئی بی نام دے سکتے تو غالباً نہیں دیتے۔ ۳

سارا علم بڑی سے بڑی بے تیزی پر کبھی غصہ یا ناراضی کا اظہار کیا جانتا ہی نہیں، اللہ تعالیٰ انھیں دنیا اور آخرت میں خوش رکھے۔

یکم محرم کو ہمیں مدینہ طیبہ سے روانہ ہونا تھا، ہندوستانی نام سے دن کے ۹ بجے کے قریب مسجد نبوی روضۃ النجۃ میں وداعی فضل پڑھے، پھر مواہجہ شریف میں رخصتی سلام کے لیے حاضر ہوئے اور جو عرض کرنا تھا وہ کیا۔ بڑی محبت پیش آنے والے باب جبریل کے بواب سے ملے اور قیام گاہ سے سامان لے کر ہوائی جہاز کے دفتر پر آئے کچھ دیر کے بعد وہاں سے بس میں سوار کر کے ہوائی اڈہ بھیج دیے گئے جس طیارہ سے ہمیں روانہ ہونا تھا وہ مصر سے آنے والا تھا اس کے آنے میں کچھ دیر ہوئی پھر اس کے علانے کچھ دیر آرام کیا، ہم نے نظر وہیں پڑھی اسکے بعد طیارہ پر سوار ہوئے اور قریباً سو گھنٹہ میں جدہ آ کر گئے۔ عصر حجاج منزل میں پہنچ کر پڑھی رات کو وہیں رہے اگلے دن مکہ معظمہ چلے گئے۔ بدھ۔ جمعرات۔ جمعہ پورے تین دن اللہ تعالیٰ نے پھر رہنا نصیب فرمایا۔ حجاج کا مجمع بہ نسبت سابق کے چون کہ بہت کم ہو چکا تھا اس لیے ان دنوں میں اور زیادہ انشراح نصیب رہا۔ مدینہ طیبہ جانے سے پہلے یہ ملے ہو چکا تھا کہ وہاں سے میسری واپسی پر علوی یا اسلامی جہاز سے ہمارا واپسی ہوگی اور مولنا علی میاں اور ان کے رفقاء مولوی معین اللہ ندوی، مولنا عبدالرشید ندوی مولوی محمد رابع ندوی سب ساتھ ہی چلیں گے، لیکن مدینہ طیبہ سے جب مکہ معظمہ واپس آیا تو معلوم ہوا کہ بعض مخلصین کی رائے ہو کہ مولنا ہندستان جانے سے پہلے چند روز کے لیے ریاض تشریف لے جائیں، مثلاً میر سامنے بھی پیش کیا گیا، اگرچہ طبیعت کا سخت تقاضا یہ تھا کہ مولنا ساتھ ہی چلیں لیکن دینی مصلحت کا اقتضا یہ معلوم ہوا کہ وہ ضرور ریاض تشریف لے جائیں، چنانچہ یہی فیصلہ ہو گیا اور اب مولنا غالباً آخر نومبر تک پہنچ سکیں گے۔ میں نے علوی جہاز ہی سے آنا اب ملے کر لیا جو، علوی اسلامی سے ایک ہفتہ پہلے ۲۷ مارچ کو تبرکہ جدہ سے چل کر انشاء اللہ، اریہ اگر کو مبہی پہنچے گا۔ مبہی میں ایک دو دن سے زیادہ قیام کا ارادہ نہیں ہو۔ واپسی میں بھوپال اطلاع دینے کا وعدہ مولنا محمد عمران خاں صاحب سے کر لیا تھا اس لیے مبہی سے انھیں اطلاع دینی پڑے گی اور اگر وہ بھوپال ہوئے اور انیشن تشریف لے آئے تو بلا آثارے مانیں گے نہیں اور بچے اتنا پڑ جائے گا۔ پھر بھی ۲۰ مارچ تک کھنڈ انشاء اللہ پہنچ ہی جاؤں گا۔ یہ خط لکھ تو لیا ہو لیکن پچھلے کئی دفعہ کے تجربہ کی بنا پر خطرہ ہو کہ شاید میرے لکھنؤ پہنچنے کے بعد پہنچے۔ اس پورے سفر میں مجھے تھا اس صرف ایک خط لکھا جو جو تم نے ۸ ذی الحجہ کو ہوائی ڈاک سے روانہ کیا تھا یہ مجھے ۲۸ ذی الحجہ کو مدینہ طیبہ میں ملا۔

میرے پیچھے تم پر کاموں کا بہت بوجھ پڑا ہوگا۔ میں برابر دعائیں کرتا رہا ہوں اور یہاں سے دعا کے سوا اور کچھ کیا بھی نہیں جاسکتا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ کارساز تو ہر حال میں بس اللہ ہی ہے اس لیے قریب ہو کر بھی جو کچھ آدمی کسی کے ساتھ کر سکتا ہو، دعا، اُس سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہی ہو، کاش اللہ تعالیٰ ہمیں دعا کی حقیقت اور اس کا عرفان نصیب فرماویں۔ من فتحت له ابواب الدعاء فتحت له ابواب الرحمة۔

اللهم اجعلنا منهم۔ والسلام

محمد منظور نعمانی، عفا اللہ عنہ

مولانا علی میاں کی تشریف آوری لکھنؤ میں تبلیغی ہفتہ

محمد شہد مولانا علی میاں حجاز اور دیگر ممالک اسلامیہ کے ۱۴ ماہ کے دورہ کے بعد لکھنؤ تشریف لے آئے یہاں کے تبلیغی رفقائے نوبہ کے آخری ہفتہ میں ۲۲ صفر مطابق ۲۲ نومبر سے ۲۹ صفر مطابق ۲۹ نومبر تک اصلاح و تبلیغ کی جدوجہد کا ایک خاص پروگرام طے کیا ہے، اس سلسلہ میں ۲۷ نومبر سے ۲۹ نومبر تک شہر میں بڑے پیمانہ پر اجتماعات بھی ہوں گے۔ ادارہ ”الفرقان“ نے طے کیا ہے کہ انشاء اللہ اس پورے ہفتہ کی کاروائی دس تقریروں کے الفرقان کی آئندہ اشاعت میں دیئے ناظرین کی جائے گی۔

اس غرض کے لیے آئندہ اشاعت صفر و ربیع الاول کی مشترک اشاعت ہوگی۔ ہم پوری کوشش کریں گے کہ آئندہ ماہ ربیع الاول کے آخر تک اپنے ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کر سکیں۔

والسلام

ناظم ”الفرقان“ لکھنؤ

مکہ معظمہ سے لکھنؤ تک

۱۹ محرم کو یہ عاجز و عافیت لکھنؤ پہنچ گیا۔ — محرم کا یہ شمارہ جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں جو کتابت کی منزل میں تھا، اس میں میرے وہ دو خط شائع ہونے والے تھے جو گزشتہ صفحات میں ناظرین نے ملاحظہ فرمائے ہوں گے۔ مناسب معلوم ہوا کہ مکہ معظمہ سے لکھنؤ تک کہیں سفر کا بھی کچھ حال لکھ کر اس لذیذ حکایت کی ایک گز تکیں کر کے انہی خطوں کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ لذت و دلچسپی کے علاوہ بعض باتوں سے واقفیت ناظرین کے لیے انشاء اللہ فائدہ مند بھی ہوگی۔

ناچین۔ محمد منظور نعمانی

علوی ہماز جس سے میں نے آنے کا ارادہ کر لیا تھا وہ ۵ محرم مطابق ۶ اکتوبر بشتہ کے دن روانہ ہونے والا تھا۔ اس لیے طے یہ کیا کہ جمعہ کا دن مکہ معظمہ میں گزار کر بعد نماز مغرب طواف واداع کر کے انشاء اللہ جدہ روانہ ہوں گے، چنانچہ مغرب کی نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر طواف واداع کیا، طائفین کے کافی اثر و حام کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس طواف کے اول و آخر میں حجر اسود تک پہنچ کر اطمینان سے سنت کے مطابق اسلام اپنے خاص فضل سے میسر فرمایا۔ طواف کے بعد کعبتین طواف عظیم میں ادا کیں۔ وہاں سے مہترم پر آئے یہاں اچھا خاصہ مجمع تھا لیکن حق تعالیٰ نے کسی طویل انتظار کے بغیر یہاں بھی جگہ دلا دی، الحمد للہ بڑے اطمینان سے عرض و معروض کا موقع مل گیا، یہاں سے ہٹ کر پھر وہ اعلیٰ اسلام (خصتی بوسہ) کے لیے حجر اسود پر آئے، اس دفعہ بھی اللہ تعالیٰ نے اطمینان سے اسلام نصیب فرمایا الحمد للہ علی ذالک اس کے بعد زمزم شریف پی کر حرم شریف سے رخصت ہوئے اور اس مقام پر پہنچے جہاں سے جدہ کے لیے موٹر ٹیٹی تھی، کچھ دیر کے بعد مسافروں کو جدہ لے جانے والی ایک موٹر بس آئی اور ہم اس میں سوار ہو بھی گئے، لیکن اس کے نگران نے ہمارا "ورقہ اجازہ" دیکھ کر کہا کہ آپ صرف "شرکہ" کی موٹر سے سفر کر سکتے ہیں اور ہماری بس دوسری کمپنی کی جو اس لیے ہم آپ کو جدہ نہیں لے جا سکتے اور شرکہ کی انویس بس بھی جا چکی اس لیے اب آپ کل بعد نماز فجر شرکہ کی بس سے جا سکیں گے۔ یہ معلوم کر کے ہمیں اترا نا پڑا۔ لیکن انوس کم اور الحمد للہ خوشی زیادہ ہوئی کہ چلو ایک رات اور رہنے کا موقع مل گیا اور اگر

علوی سے جانا مقدر ہو تو وہ بھی انشاء اللہ مل ہی جائے گا۔۔۔۔۔ الغرض وہاں سے حرم شریف اور پھر وہاں سے قیام گاہ (رباط بھوبال) واپس آئے۔

اسحج دن میں آرام کرنے کا موقع بالکل نہیں ملا تھا اس لیے بڑا تکلیف تھا اور دوسرے آرام کرنے کا طبیعت پر بڑا اتقا تھا۔ گویا طبیعت اس کے لیے مضطر تھی اللہ تعالیٰ کے کرم کے قربان کہ اس وقت کا سفر تھوڑی کر کے اس نے عیب کے آرام کی یہ صورت پیدا کی۔ تین چار گھنٹے اطمینان سے سوئے، الحمد للہ طبیعت بھلی ہو گئی، اٹھ کر حرم شریف آئے۔ حسب توفیق نوافل پڑھے، طواف کیا، جب اذان فجر کا وقت قریب آیا تو پھر دعا کی نیسے طواف کیا۔ اس طواف میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے اول و آخر میں بڑے اطمینان سے اسلام کا موقع فراہم فرمایا۔ رکعتیں طواف اکیسے بھی غالباً حلیمہ بی بی میں پڑھیں، اس کے بعد مترم پر پہنچے سخت ہجوم کے باوجود اللہ تعالیٰ کے کرم خاص سے اس وقت پھر جگہ نہایت فرمائی اور عرض کی بھی توفیق نصیب فرمائی۔

واقعہ یہ ہو کہ اگر ادھر سے عطا نہ ہو تو زندہ کے بس میں یہ بھی نہیں، اس آٹنا میں اذان فجر شروع ہوئی اس کے خاتمہ پر رکعتیں فجر پڑھیں، دہان کے رواج اور قاعدہ کے مطابق چند ہی منٹ بعد فجر کی نماز شروع ہو گئی، نماز سے فارغ ہو کر یہ عاجز و داعی اسلام کے لیے پھر جہر اسود پر حاضر ہوا، اس دفعہ بھی اطمینان سے تقبیل کا اللہ تعالیٰ نے پھر موقع نصیب فرمادیا اور یہ سمجھ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہی تمیم اللہ فی الارض ہے۔ اپنا منہ اس پر رکھ دیا اور جو اس وقت عرض کرنے کی توفیق ملی وہ عرض کیا۔

معلوم ہوا تھا کہ شرک کی پہلی موڑ بس نماز فجر سے ٹھوڑی دیر بعد ہی چھوٹ جاتی ہو اور نماز کے بعد ذرا دیر کی جائے تو اس میں جگہ لمبی مشکل ہو جاتی ہو اس لیے حرم شریف سے براہ راست اس کے آئینش پر پہنچے اس میں عجب اطمینان سے مل گئی۔ اور ٹھوڑی دیر کے بعد روانہ ہو کہ بس نے قریباً ڈیڑھ گھنٹے میں ہمیں جہہ پہنچا دیا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ علوی جہاز جس کو آج جانا تھا اس کے جہہ پہنچنے میں کچھ تاخیر ہو گئی، اس لیے اب بجائے آج کے وہ کل راکتور کو انشا اللہ روانہ ہوگا۔ اس طرح ایک دن جہہ میں اطمینان کا اور مل گیا اگرچہ اس سفر میں اس سے پہلے تین دفعہ جہہ قیام ہو چکا تھا، سب سے پہلے جہاز سے اتر کر ایک دن سے زیادہ ٹھہرنا پڑا تھا، پھر مدینہ طیبہ جاتے وقت بھی جہہ ٹھہرنا ہوا تھا، پھر مدینہ طیبہ سے واپس آکر مکہ منظر جانے سے پہلے بھی قریباً ۲۴ گھنٹے جہہ میں گزرے تھے۔ اور ہر دفعہ حجاج منزل ہی میں قیام ہوا تھا اور ہر مرتبہ اس کا احساس ہوا تھا کہ اگر ”حجاج منزل“ بن جائے تو اس سے حاجیوں کو کتنا آرام مل سکتا ہے۔ لیکن آخری دو دفعہ کے قیام جہہ میں اس احساس نے سخت تھکنے کی شکل اختیار کر لی اور اس عاجزانے

حکیم نعیم صاحب اور ان کے برادر معظم مولانا محمد سلیم صاحب سے اس بارہ میں گفتگو کی اور کچھ معلومات حاصل کیے اور آخر میں یہ تجویز پیش کی کہ آپ بنام خدا اس سال کم از کم "حجاج منزل" کی مجوزہ مسجد اور اس کے ساتھ چند پاخانوں، غسل خانوں اور چند کمروں کی تعمیر کا کام شروع کرنے کا ارادہ کر لیں، لیکن ان حضرات نے جب سامان تعمیر کے دہان کے زرخ بتلائے اور سماروں، مزدوروں کی شرح اجرت تو واقعہ یہ ہو کہ میں بھی سکتے میں رہ گیا۔ پھر بھی سوچ سمجھ کر میں نے ان سے بھی عرض کیا کہ بہر حال آپ مسجد اور اس سے متعلق چند کمروں، پاخانوں اور غسل خانوں کی تیاری کا تخمینہ کسی ماہر فن سے بنوائیے اور حجاج منزل کی ضرورت اہمیت کو محسوس کرنے والے اور اس کی تعمیر کے مسئلہ سے دلچسپی اور بھرپور دی رکھنے والے ہندوستان و پاکستان کے اپنے واقفین کو بھیج دیجیے۔ اگر انھوں نے اپنا فرض ادا کیا تو انشاء اللہ یہ کام آپ اس سال شروع کر سکیں گے اور خدا نے چاہا تو درمیان میں آپ کو کام روکنا نہ پڑے گا۔ اور جتنی طویل و عریض مسجد زیر تجویز ہو اگر فی الحال صرف وہی تیار ہو گئی اور اس سے متعلق چند کمرے بن گئے اور پاخانوں، غسل خانوں کا معقول انتظام ہو گیا تو اتنی تعمیر سے بھی ہزاروں حاجیوں کے آرام کا سامان ہو جائے گا۔ خصوصاً چون کہ موسم کے حساب سے آئندہ ۱۵-۲۰ سال تک حج اب سخت گرمیوں ہی میں ہو گا۔ اس لیے کم از کم اتنی عمارت جتنی جلد تیار ہو سکے اور اس کے لیے جو کچھ ہم کر سکیں اس سے ہمیں دریغ نہ کرنا چاہیے۔ ان حضرات نے وعدہ تو کیا ہو، خدا کرے یہ کام کسی طرح ہو جائے، دراصل اس کی اہمیت کو وہی حضرات محسوس کر سکتے ہیں جو اس سے واقف ہیں کہ حجاج کو جدہ میں وکیلوں کے دروازوں پر پڑ کر کبھی تکلیف ہوتی ہو اور آئندہ سالوں میں جب حج سخت گرمی کے موسم ہی میں ہوا کرے گا تو یہ تکلیف کتنی خطرناک ہوگی۔ بیساکہ عرض کیا میرا اندازہ ہو کہ اگر حجاج منزل کی مجوزہ مسجد اور اس کے ساتھ چند کمرے (جن میں سے دو چار کمرے مستورات کے لیے مخصوص ہوں) تیار ہو جائیں تو ہزاروں حاجی انشاء اللہ آرام سے رہ سکا کریں گے۔ واللہ المیسر یکل عسیرو علیہ التکلان۔

مولانا علی میاں، ان کے رفقا، مولانا عبداللہ صاحب ندوی، مولانا امین اللہ صاحب ندوی، مولانا عبدالرشید ندوی، عزیز می مولوی محمد رابع ندوی، مولوی محمد رضوان (سلمہ اللہ) یہ سب حضرات مجھے نصحت کرنے کے لیے ہر اکٹو برکی شام کو جدہ تشریف لائے تھے۔ راکٹو برکی بعد نماز نظر بلکہ قریب عصر میں علوی ہماز پر سوار ہوئے، یہ سب حضرات بھی خصوصی اجازت سے ہماز پر تشریف لائے اور ہم مسافروں کو "فی ان اللہ" کہہ کر اس وقت ہماز سے اترے جب کہ ہماز چھوٹنے لگا۔ بہر حال ہماز نے جدہ کا ساحل چھوڑا اور بمبئی کے لیے روانہ ہو گیا۔ رکی شام کو چل کر ۱۰ راکٹو برکی صبح کو ہمارا ہماز

بہٹی کے ساحل پر لنگر اٹھا دیا۔ گویا کربلاؑ دن میں ہو چکا۔ یہ دن الحمد للہ بڑے اچھے گزرے۔ تجربہ کاروں سے سنا ہو کہ اس موسم میں سمندر عموماً اتنا پرسکون نہیں ہوتا جتنا کہ الحمد للہ ان دنوں میں رہا۔ طبیعت بہت اچھی رہی، عام طور سے حجاج خوش رہے، علوی جہاز کا علاقہ بھی بڑا اچھا نظر آیا۔ چھوٹے بڑے سب نرم طبیعت اور خوش اخلاق، امیر حجاج حیدر آباد دکن کے ایک وکیل مرتضیٰ احمد صاحب نصاریٰ تھے، ہر شخص کو خوش رکھنا اور ہر ایک کی فرمائش کی تعمیل کرنا تو کسی کے لیے بھی آسان نہیں، لیکن اس عاجز کا اندازہ یہ ہو کہ انھوں نے اپنے فرائض منصبی اور حجاج کی ضروریات و شکایات سے تغافل نہیں بڑھا، ورنہ بعض جہازوں میں تو ایسے لوگ امیر حجاج بنادے جاتے ہیں کہ سفر کی آخری منزل تک بھی جہاز کے مسافر نہیں جانتے کہ اس جہاز میں کوئی امیر حجاج بھی ہیں اور ان کا عام مسافروں سے کوئی تعلق ہو۔

جیسا کہ بن پڑا ہماز میں تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ بھی کچھ جاری رہا، بعض رفقاء سفر نے اللہ انھیں جزائے خیر دے "اسلام کیا ہو" اور "حکایات صحابہ" کے مضامین جہاز کے مختلف حصوں میں چکر لگا لگا کر سنائے علوی منسل لائن کے چھوٹے جہازوں میں سے ہو۔ جس میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہو کہ دو تین سو آدمی بھی ایک جگہ بیٹھ سکیں اس لیے کسی بڑے اجتماع اور تقریر کی کوئی صورت سمجھ میں نہ آئی، اور تین چار دن ایسے ہی گزر گئے۔ بالآخر جہاز کے ایک حصہ کو جس میں بہ مشکل ڈیڑھ سو آدمی بیٹھ سکتے تھے، اس کے لیے منتخب کر لیا گیا اور روزانہ بعد نماز عصر تقریر کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان تقریروں کی حیثیت تقریر سے زیادہ مسلسل درس و تعلیم کی تھی۔ اس سلسلہ میں دین کے تمام شعبوں، ایمانیات، پھر اعمال میں حقوق اللہ، حقوق العباد، معاشرت و معاملات اور اخلاقی و آداب سب کو ترتیب وار بیان کیا گیا، اور غلطیاں اور خرابیاں ہم مسافروں میں نسبتاً زیادہ تھیں ان کی اصلاح پر زیادہ زور دیا گیا۔ آخر دن کی تقریر کے بعد اللہ کے ہمت مندوں نے زندگی کی سابقہ غلطیوں سے استغفار کے ساتھ آمندہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے عہد بھی کیے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان عہود و موثیق کو یاد رکھنے اور ان پر قائم رہنے کی توفیق دے۔

حج چنچو دین کا مقدس رکن اور تکلیف فریضہ ہو اس لیے حج کرنے والوں کے متعلق لوگوں کا تصور عام طور سے اچھا اور بلند ہی ہوتا ہو اور ہونا بھی چاہیے، لیکن جب آدمی اس راہ سے گزرتا ہو تو اسے آنکھوں سے وہ دیکھ کر جس کا اسے پہلے دہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا بڑی حیرت اور بعض اوقات بڑی مایوسی ہوتی ہو۔ وہ دیکھتا ہو کہ بیت اللہ اور مدینہ الرسول سے واپس آنے والے جنھیں اگر "دلی" نہیں تو کم از کم "بھلا آدمی" تو ضرور بن جانا چاہیے تھا۔ ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو بازاروں کی طرح آپس میں لڑتے ہیں، گام گلوچ کرتے

ہیں، اور بعض اوقات گنہگار بھی ہو جاتے ہیں اور کاسے پر؟ نل سے پہلے یا بعد میں پانی لینے پر، بسترے کے ذرا آگے یا پیچھے کر لینے پر، اور بعض اوقات اس سے بھی بھوٹی بھوٹی باتوں پر، لاحول و لا قوۃ الا باللہ — خیر یہ باتیں تو اس عاجز کے لیے نئی نہ تھیں، لیکن اس سفر میں ایک دفعہ یہ دیکھ کر بڑی تکلیف اور روحانی اذیت ہوئی کہ حج سے واپس آنے والوں میں ایسے گھٹیا درجہ کے جاہلانہ اور شرکانہ خیالات رکھنے والے بھی ہوتے ہیں جنہیں سن کر شاید بت پرست اور اہل تشلیث بھی ہنسیں۔

ایک دن وضو کر رہا تھا، قریب میں یو، پی کے ایک پوری غنم کے چند حاجی صاحبان بیٹھے باتیں کر رہے تھے، ایک صاحبان میں بول رہے تھے اور باقی خاموشی سے سن رہے تھے، میرے کانوں تک بعض ایسے الفاظ پہنچے جنہوں نے مجھے ادھر متوجہ کر دیا۔ میں نے سنا وہ اپنے ساتھیوں کو سنا رہے تھے — نقل کفر کفر نہ باشد — ”ایک آدمی تھا وہ غوث پاک کو بہت مانتا تھا، ان کی گیارھویں اور نذر نیا زہیشہ کیا کرتا تھا اور اس کے سوا کچھ نہیں کرتا تھا، وہ جب مرا اور لوگوں نے اسے قبر میں دفن کر دیا تو منکر نکیر فرشتے اس کے پاس آئے اور پوچھا بتا تیرا رب کون ہے؟ اس نے کہا غوث پاک، فرشتے حیران ہوئے کہ یہ کیا کہتا ہو؟ انہوں نے پھر پوچھا تو اس نے پھر وہی جواب دیا کہ غوث پاک، فرشتوں نے تیسرے دفعہ پھر پوچھا کہ تیرا رب کون ہے؟ اس نے پھر کہا غوث پاک۔ اب فرشتے نے مارنے کے لیے اپنا گرز اٹھایا، اس نے فوراً بچھا ”یا غوث المدد!“ ابھی فرشتے نے گرز مارا بھی نہیں تھا کہ فوراً غوث پاک نے اس کو پکڑ لیا اور ہاتھ سے گرز چھین لیا اور کہا خبردار! تو نے سنا نہیں وہ ہمارا نام لے رہا ہے — فرشتے حیران ہوئے اور خدا کے دربار میں پہنچ کر پوچھا یا اللہ پاک! یہ کون ہے جس کو تو نے ایسے اختیارات دے دیے ہیں اور ایسی قوت دے دی ہے کہ اس نے ہم سے گرز چھین لیا — اللہ تعالیٰ نے کہا، خبردار ان سے کبھی نہ اٹھنا، یہ ہمارے غوث ہیں —“

یہ قصہ قریب قریب انہی الفاظ میں اس عاجز نے اس بندہ خدا کی زبان سے اپنے کانوں سے سنا۔ بڑا دمک ہوا، لیکن زبان سے کچھ کہنے سے پہلے سوچا کہ میں ان لوگوں سے کیا کہوں اور کس طرح کہوں جس سے ان پر کچھ اثر پڑ سکے اور یہ اس شرک کی گندگی سے نکل سکیں — دیر کے بعد ایک تدبیر سمجھ میں آئی، میرے ساتھ حکیم عبدالرشید صاحب کان پوری ایک بڑے ذہنی فہم اور باسلیقہ رفیق تھے، میں نے ان سے کہا کہ آج میں نے ان لوگوں کو یہ باتیں کہتے سنا ہو اور ہمارا فرض ہے کہ ان بیچاروں کی اصلاح کی کوشش کریں، لیکن اگر میں براہ راست ان سے اس سلسلہ میں بات کروں گا تو شیطان انہیں سمجھنے نہیں دے گا۔ اس لیے ان بیچاروں کی اصلاح کے لیے ایک حکیمانہ تدبیر کرنی ہو، اور آپ اس کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ آپ کوشش کر کے آج ان

صاحبوں کو شام کی تقریر میں لائے۔ میں توحید کے متعلق بھی کچھ بیان کروں گا جس میں ان لوگوں کی اس بات حجت کا تو کوئی ذکر نہ کروں گا، البتہ کچھ ایسی معمولی چیزیں انشاء اللہ کون کا جن سے ان کا ذہن کچھ درست ہو۔ پھر تقریر کے بعد کسی ایسے وقت جب کہ یہ لوگ ہم سے اور آپ کے قریب بیٹھے ہوں آپ مجھ سے تقریر کی بنیاد پر کچھ سوالات کریں اور اس قسم کے جاہلوں میں حشر پھیلانے والوں کے متعلق اس جاہلانہ کمافی کے علاوہ جو اور کمافیاں کچھ اسی قسم کی مشہور ہیں آپ ان کے بارہ میں مجھ سے پوچھیں، لیکن خاص اس کمافی کا اس وقت ذکر نہ کریں۔ میں آپ کے سوال کا جو جواب دوں گا انشاء اللہ اس سے ان کے عقیدے کی اصلاح ہو جائے گی۔ پھر دوسرے وقت خاص اس کمافی کے متعلق بھی مناسب طریقہ سے ان سے اور کچھ کہا جائے گا تو انشاء اللہ وہ اس گندگی سے صاف ہونے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ حکیم صاحب کو میں نے خود ہی ایسے دو ایک قصے بتلا بھی دیے۔ ہمسہ حال یہی تدبیر کی گئی، حکیم صاحب کو شش کر کے بعد عصر تقریر میں ان لوگوں کو لے آئے، اس عاجز نے اس دن کی تقریر میں توحید کے متعلق بھی کچھ کہا اور بتلایا کہ حج سے توحید کی تکمیل بھی ہونی چاہیے، اور توحید بھی وہ جس کی تعلیم انبیاء علیہم السلام نے اور خاص کر سیدنا حضرت ابراہیم اور سیدنا حضرت محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دی۔ پھر کسی قدر تفصیل سے قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبوی سے بتلایا کہ اس توحید کی حقیقت کیا ہو۔ بہر حال تقریر میں نہ میں نے بچاؤ سے ان صاحبوں کی طرف خطاب کیا جن کے عقیدہ کی میں دراصل اصلاح کرنا چاہتا تھا۔ نہ اپنے نزدیک کوئی ایسی بات کہی جس سے انھیں خیال ہوتا کہ یہ بات خاص ہمارے متعلق ہو، اور ہم سے کسی جارہی ہو، چنانچہ دوران تقریر ہی میں میں نے ان کے چہروں سے اندازہ کیا کہ وہ میری باتوں سے مطمئن ہو۔ ہے ہیں۔ تقریر کے ختم پر مغرب کی نماز ہوئی، وہ لوگ بھی جماعت میں شریک ہوئے۔ پھر ایک وقت جب کہ وہ لوگ میرے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے، حکیم عبدالرشید صاحب نے پوچھا کہ آپ نے تو اپنی تقریر میں یہ بیان کیا کہ اللہ کی قضا و قدر میں کسی کا دخل نہیں، اور کوئی اس کے فیصلوں کو بدل نہیں سکتا، وہ جس کی موت کا فیصلہ کرے کوئی اس کو زندہ نہیں رکھ سکتا۔ اور وہ جس کو زندہ رکھنا چاہے کوئی اس کو مار نہیں سکتا۔ لیکن بزرگان دین کے ایسے بہت سے قصے مشہور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ ان سب باتوں میں ان کو بھی دخل ہو، چنانچہ حضرت غوث پاک کے متعلق مشہور ہو کہ کوئی بڑھیا ان کی مریدگی اس کا اکھوتا جو ان لڑکا بیمار ہوا، وہ روتی ہوئی حضرت کے پاس آئی، حضرت نے اسے اطمینان دلایا کہ جا تیرا بیٹا نہیں مرے گا۔ وہ گھر واپس آئی تو دیکھا کہ اس کے پو پونچنے سے پہلے بیٹا ختم ہو چکا ہو، وہ روتی ہوئی حضرت کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ آپ نے تو فرمایا تھا وہ نہیں مرے گا وہ تو مر گیا۔ میں تو اپنا بیٹا آپ ہی سے لوں گی، آپ نے کہا اچھا ہم ابھی تیرے بیٹے کو بچھ دیں گے، اور یہ کہہ کر آپ آسمان کی طرف اٹھے اور لاتے

ہی میں موت کے فرشتے کو بچڑایا وہ بہت سی روہیں ایک تھیلے میں بند کیے ہوئے لیے جا رہے تھے جن میں اس بڑھیا کے بیٹے کی روح بھی تھی، آپ نے وہ تھیلان کے ہاتھ سے پھینک دیا اور پھینک کر اس کا منہ کھول دیا، وہ سب روہیں نکل گئیں اور اس دن کے راسے مردے زندہ ہو گئے، بڑھیا کا بیٹا بھی زندہ ہو گیا۔ تو ایسے قصوں کی کیا حقیقت ہو؟

میں نے کہا اصل بات یہ ہے کہ شیطان انسانوں کا اور خاص طور سے مسلمانوں کا بڑا دشمن ہے وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح انھیں شرک اور کفر کے راستے پر ڈال کر اللہ سے دور اور جنت سے محروم کر کے دوزخ میں پہنچا دے۔ اور بہت سے لوگوں پر اس کا جادو چل جاتا ہے اور چلتا رہے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگلی امتوں میں جو برائیاں آئیں وہ سب تم میں آئیں گی اور جو کچھ انھوں نے کیا وہ سب تم بھی کرو گے اور قرآن شریف میں عیسائیوں کے منقلب ہو۔

اتخذوا الاحبار و رہبا منهم ارباباً من دون اللہ والمسیح بن مریم۔ انھوں نے اپنے عالموں اور پیروں فقروں کو اور مسیح

تو حضور کی پیشین گوئی کے مطابق ضروری تھا کہ اس امت میں بھی یہ گمراہی آئے چنانچہ کئی اور بہت سے جاہل لوگوں میں بزرگان دین کے متعلق ایسے خیالات شیطان نے پیدا کر دیے۔ دراصل ان قصوں کے ذریعہ شیطان بزرگان دین کی شان بڑھانا نہیں چاہتا بلکہ اللہ کی اور اس کے فرشتوں کی شان گھٹانا چاہتا ہے اور بزرگان دین کی محبت اور عظمت کا دھوکا دے کر لوگوں کو اللہ اور رسول کے راستے کے خلاف لے جانا چاہتا ہے۔ شیطان بڑا فریبی اور بڑا گھاگ ہے۔ اس نے اس بات کو خوب سمجھ لیا ہے کہ لوگوں کو بزرگوں اور پیروں کی محبت کے نام سے بڑی آسانی سے گمراہ کیا جاسکتا ہے، اسی دھوکے سے اس نے عیسیٰ علیہ السلام کی ساری امت کو کفر میں مبتلا کیا، بیچارے شیعوں اسی راستے سے گمراہ ہوئے اور ہم ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ شیطان نے انہیں بزرگوں کی محبت اور عظمت کا دھوکا دے کر ایسے عقیدوں میں مبتلا کر دیا ہے جو سراسر شرک ہیں، اگر شیطان یا کوئی اس کا پیلا جاننا کسی مسلمان سے صاف اور سیدھے لفظوں میں یہ کہے کہ اللہ ایسا نہیں ہے کہ اس کا ہر حکم چلے تو کوئی مسلمان کبھی بھی ایسی بہودہ بات کہنے کے لیے تیار نہ ہوگا، مگر شیطان نے بزرگان دین کے نام پر ایسے قصے پھیلا کر ہزاروں مسلمانوں سے گویا یہ بات کھلوا دی، آپ خود سوچیے اس قصے کا ہی تو مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کی موت کا فیصلہ کیا، فرشتہ نے اللہ کے حکم سے اس کی روح قبض کی، لیکن حضرت پیران پیر نے زبردستی بیچ میں آکر اللہ کی بات نہیں چلنے دی۔ اس طرح کے قصوں سے دراصل شیطان بزرگان دین کو بڑھانا نہیں چاہتا، بلکہ اللہ کی اور اس کے فرشتوں کی شان گھٹانا چاہتا ہے۔ اور خیر شیطان تو شیطان ہے،

تعب اور حیرت اس پر ہو کہ کوئی مسلمان یا کوئی سمجھ دار انسان ایسی باتوں پر یقین کیسے کر سکتا ہو۔ ایک فقہ حضرت پیران پیر ہی کے متعلق ایک صاحب نے قصہ سنایا کہ جب وہ پیدا ہونے والے تھے تو والدہ امجدہ کو بڑی تکلیف تھی اور کسی طرح ولادت نہ ہوتی تھی، بہت دواؤں دی گئیں مگر سب بیکار رہیں، آخر ایک بزرگ کے پاس گئے انھوں نے فرمایا تم احسن ہو انھیں خبر نہیں کہ یہ پیدا ہونا لایعنی ہوگا ورنہ یہ دنیا میں نہ جاتا۔ اس لیے موارز پیرا اس کی ماں کو لگوا دو وہ تہ بند باندھ کر فوراً پیدا ہو جائیں گے۔ جب میں نے یہ قصہ سنا تو بیان کرنے والے شخص سے کہا کہ گڑھنے والا کوئی اتنا جاہل اور احمق ہو کہ یہ بھی نہیں جانتا کہ رحم کا منہ سے کوئی تعلق نہیں اور منہ کے راستے کوئی چیز رحم میں نہیں پہنچائی جاسکتی، اس کے علاوہ اس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت پیران پیر تمام انبیاء سے بلکہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہیں کہ وہ سب عام انسانی قاذون کے مطابق بغیر کسی کپڑے کے پیدا ہوئے اور پیران پیر ماں کے پیٹ سے تہ بند باندھ کر تشریف لائے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ان سوال و جواب سے جو باتیں جن صاحبان کو سنانی مقصود تھیں اگرچہ ان کی طرف روئے سخن بالکل نہیں کیا گیا، لیکن انھوں نے بڑی توجہ سے سنی، اور انھوں نے اس تدبیر سے ان کا عقیدہ درست ہو گیا۔ اس کے بعد وہ روزانہ پابندی سے تقریریں کرتے رہے اور پھر دوسری جمعہوں میں براہ راست ان کو مخاطب بنا کر بھی، اصلی اسلامی توحید ان کو سمجھائی گئی، اور محمد شہ جہانک پناہ اندازہ ہو وہ شرک کی گندگی سے نکل گئے۔

بات طویل ہو گئی۔ لیکن قصہ عبرت انگیز تھا اور امید ہو کہ اللہ کے بندوں کے لیے مفید بھی ہوگا اس لیے ذکر کر دیا گیا ورنہ اگر جہاز کی روزمرہ کی محفلوں کی اس قسم کی سہ ماہی نقش کی جائیں تو ضخیم کتاب بن جائے گی۔

۸۔ اکتوبر مطابق ۱۶ محرم جمعرات کے دن ہمارا جہاز بمبئی کے ساحل پر لگا، قریباً آٹھ بجے ہم لوگ اتر گئے مولانا محمد قاسم صاحب شاہ جہان پوری، مولانا حفیظ الرحمن صاحب ای، محمد حسین صاحب توفیق سے گویا دریا سے پہلے لگا ہوا برقی انکھ دن جو کہ نماز تک مجلس علم کلام و عربی پڑھائی کے مکان پر پہنچی جس میں قیام ہوا، ملاقاتی، انہی مشائخ کیساتھ ملاقاتیں ذکر فرمایا کہ یہاں لمبوی کے کسی اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ جس محمدی جہاز سے آپ یہاں سے گئے تھے اسی میں مولوی شمس علی صاحب بھی تھے اور آپ کے اور ان کے دو بیٹان کوئی مکان اور رہائش گاہ، یہ سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا، یہ تو صحیح ہو کہ محمدی جہاز سے جانے والوں میں مولوی شمس علی صاحب بھی تھے، اور مجھے ان کی مزاحمی خصوصیات اور افتاد طبع سے اس کا اندیشہ بھی تھا کہ شاید وہ کوئی تائیدیہ یا تعزیری ایجنٹ جلال کی کوئی مشورہ دہ ہو لیکن میں ان تو طویل تجروں کے بعد سلسلہ کی بحثوں کو مفید نہ سمجھ کر اس بالکل کناہ کش جوچک ہوں، اور اللہ جلّیٰ تو فقیہ و دیتا ہو

ان طریقوں سے کام کرنا چاہتا ہوں جن کو میں مفید اور موثر سمجھتا ہوں۔ علاوہ ازیں اس سفر میں ہر شخص کی خواہش قدرتی طور پر یہی ہونا چاہیے کہ اس کے دل میں کوئی تکدر نہ ہو، اور اللہ توفیق دے تو حرمین کے مختصر زمانہ قیام میں دل خارجی خطرات و خیالات سے بالکل صاف اور خالی رہے۔ اس لیے مجھے جب یہ معلوم ہوا تھا کہ مولوی حسنت علی صاحب بھی اسی جہاز سے جانے والے ہیں تو اس کی کچھ فکرتھی اور میں نے پورے عزم کے ساتھ یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ انشاء اللہ اذا مترو باللغو مرو کراما اور والذین ہم عن اللغو معوضون کی قرآنی تعلیم کی پوری پوری پابندی کرنی ہو، اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کہیں کہ وہ ہر اس چیز سے دل و دماغ کی حفاظت فرمائے جو اس سفر کے مناسب نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہو کہ اس نے پوری پوری غفلت فرمائی، اور ایک ہفتہ کے جہاز کے سفر میں کم از کم اس بارے میں تو مولوی حسنت علی صاحب کو میں نے بالکل بلا ہوا، پایا کہ انھوں نے بھی کوئی چھپر بھاڑ کی بات نہیں کی، ان کے متعلق اتنی معقولیت کبھی میرا پہلا تجربہ تھا۔ آخری دنوں میں جب کہ جہاز کے پونچھنے میں غالباً دو دن باقی تھے مجھے میقات کے متعلق وہ سوال یاد آیا جو پچھلے چند سالوں میں بعض اہل علم نے اٹھایا ہو یعنی یہ کہ آج کل جو وہ خانی جہاز ہندوستانی حاجیوں کو لے کر جدہ جاتے ہیں وہ یلم کی پہاڑیوں سے کھاجاتا ہو کہ قریباً پچھتر میل کے فاصلہ سے گزرتے ہیں اور مدینہ جیسے کسی اکڑ سے بھی وہ پہاڑیاں دہاں سے دکھائی نہیں دیتیں۔ ایسی صورت میں ہندوستانیوں کو احرام اسی جگہ سے باندھنا چاہیے یا جدہ کو ان کا میقات سمجھا جائے، یا جدہ سے مکہ منقطع جاتے ہوئے پھر جو ایک مقام آتا ہو جہاں سے یلم کی پہاڑیوں کی پھر محاذ آہ ہوتی ہو اس کو میقات سمجھا جائے۔ اس بارہ میں ہندستان کے اکثر علمی حلقوں کی رائے کا تو مجھے علم تھا لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اس سلسلہ میں اپنی کوئی رائے ظاہر کی ہو یا نہیں، چنانچہ میں نے یہ خیال کیا کہ مولوی حسنت علی صاحب سے دریافت کروں چنانچہ ایک روز جبکہ میں اس طرف سے گزر رہا تھا جہاں جہاز میں ان کی قیام گاہ تھی میں ان کے پاس چند منٹ کے لیے بیٹھا۔ کم از کم میرے سابقہ تجربوں اور میری توقع کے خلاف وہ زیادہ معقولیت پیش آئے میں نے ان سے ذکر کیا کہ پچھلے دنوں بعض اہل علم نے یہ سوال اٹھایا ہو مجھے اپنے اکابر علماء دیوبند اور ہندستان کے اکثر دوسرے علمی حلقوں کا خیال تو معلوم ہو لیکن یہ معلوم نہیں کہ آپ کے اعلیٰ حضرت نے اس مسئلہ پر کہیں اس سوال کو اٹھا کر بحث کی ہو یا نہیں؟ میں نے یہ بھی پوچھا کہ کیا مناسک پر ان کی کوئی مستقل تعینیت ہو، انھوں نے بتلایا کہ ہاں ہو، اور یہ بھی کہا کہ وہ میرے ساتھ اس سفر میں بھی ہو اور یہ کہ ہمارے نزدیک احرام وہیں سے باندھنا چاہیے جہاں سے اب باندھا جاتا ہو۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے صحت یہ دریافت کرنا ہو کہ وہ خانی جہازوں کے موجودہ راستے کی وجہ سے صورت حال میں جو فرق پڑا ہو اس کو سامنے رکھ کر آپ کے

اعلیٰ حضرت نے کوئی رائے ظاہر کی ہو یا نہیں، ورنہ احرام تو میں خود بھی وہیں سے باندھتا ہوں اور دوسروں کو بھی وہیں سے بتلاتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ اعلیٰ حضرت نے اس سوال کو اٹھایا نہیں لیکن مسئلہ وہی ہے۔ اُن ہی ملاقات میں کوئی بحث علی نے یہ بھی کہا کہ میں نے سنا ہے کہ اپنے اپنی کسی تقریر میں یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ بغیر سوقِ حرمی کے قارن نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کسی نے آپ سے غلط بیان کر دیا، الحمد للہ حضرات کا یہ مسلک ہے ممکن ہے کسی احمدیث عالم نے بیان کیا ہو۔ ہم احتیاط کے نزدیک تو بغیر سوقِ حرمی کے بھی قرآن ہو سکتا ہے اور میں نے خود بھی قرآن کا ارادہ کیا ہے۔

اس کے علاوہ کسی اختلافی مسئلہ میں کوئی گفتگو میرے ان کے درمیان مطلق نہیں ہوئی، بلکہ چشمہ منٹ کی اس ملاقات کے سوا اس پورے سفر میں کوئی ملاقات ہی نہیں ہوئی، مجھے معلوم نہیں کہ کمالہ اور مباحثہ کا کوئی افسانہ بعد کو انھوں نے گرکھایا لمبئی ہی میں گرکھا گیا۔

ابھی بتلا چکا ہوں کہ لمبئی پہنچنا جمعرات کے دن ہوا تھا، ہر جمعرات کو چونا بھٹی والی مسجد میں تبلیغی جماعت کا اجتماع ہوتا ہے۔ وہیں آنے والے حجاج میں کام کرنے کے لیے دہلی، میوات، حیدر آباد، گجرات سے جماعتیں لمبئی آئی ہوئی ہوتی تھیں۔ اجتماع میں اس عاجز نے تقریر کی اور دین کی خدمت اور خود دین کی تحصیل کے لیے اوقات صرف کرنے کی دعوت دی گئی۔ جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھ کر اسٹیشن آئے، لمبئی کے اکثر احباب نصرت کرنے تشریف لائے۔ سواتین بجے ٹرین روانہ ہوئی جس نے اگلے روز رات کو پونے آٹھ بجے لکھنؤ پہنچا دیا۔

آئینون نائینون عابدون لربنا حامدون

انتخاب : (از اداریہ)

سچی باتیں شہر کے کسی کباڑیے کی دوکان پر تو کبھی آپ کا گز ضرور ہوا ہوگا، ضرورت نہ سی، تفریحا، یا سر پر بگڑا چڑ جانے کی حیثیت سے، نخاس لکھنؤ کا سارا بازاری گویا ایک عظیم الشان کباڑ گھر کا نام ہو۔ پھر آپ ایسی جگہوں میں کیا پاتے ہیں؟ ایک عظیم اشیاء کا ڈھیر، ایک انبا عظیم، بیکار بے مصرت رزمی اور ناقابل استعمال چیزیں، ٹوٹے ہوئے گلاس، درکی ہوئی پچھیاں، چٹنی ہوئی چائے دانیاں، ٹوٹی چھوٹی کرسیاں، دیکھ کھائے ہوئے کوچ اوڑھوٹے، بلمی لوٹے، رنگ کھائے ہوئے برتن، پچھے ہوئے پاجامے، بچے چمے ہوئے کوٹ، بوسیدہ گھڑیاں، بے مرست سائیکلیں، پرزہ ٹوٹے ہوئے بد رنگ موٹر، غرض ساری دنیا کا بلایا، یا کوڑا کرکٹ، جع، مگر یہ کوڑے کرکٹ کا انبار ہے کیا؟ سب کی سب ایسی چیزیں جو اچھی کل تک آپ کو کس قدر عزیز تھیں، وہی سامان جسے آپ نے کس شوق سے، کس تلاش محنت سے کتنا دیر خرچ کر کے جمع کیا تھا، وہی سا سامان جس کے پیچھے آپ دیوانہ ہوئے جا رہے تھے! — کیا دنیا کی بڑی سی بڑی رغبت بھی کچھ دن کے بعد، کچھ وقت گزر جانے کے بعد کمزور ہو کر آخر بے رغبتی ہی میں تبدیل ہو کر ہمیں تہا

حقیقت بھی یہ ہے اور جزااتی نقطہ نظر سے انوس بھی ہے کہ لذیذ غذاؤں کے لذتے کس ذوق و شوق سے آپ منہ تک لے جاتے ہیں، لیکن وہی لذیذ ترین اور مرغوب ترین غذاؤں میں بھر میں طلق سے اترنے کے بعد کسی نامرغوب، بلکہ نفرت انگیز ہو جاتی ہیں؟ ہر جوانی کی قسمت میں بوڑھا ہونا اور ہر شوق کے نصیب میں پشیمند ہونا ہے۔ جوانی کو قائم اور تازگی کو سدا بہار رکھنے کا نسخہ آسان ترین اور سب سے زیادہ صرف ایک ہے، اپنا دل اپنے پسند کرنے والے سے ذرا الگا لیجئے، اور دیس کی جس چیز سے بھی شوق یا رغبت پیدا کیجئے، انھیں کے واسطے اور غفلت سے پرہیز کیجئے، مگر میں ٹھنڈے ٹھنڈے لذت پروری طرح محسوس کیجئے، بس صرف یہ سمجھتے ہوئے کہ ”اتنی بڑی نعمت کس کی دی ہوئی ہے“ بیوی سے ملے، بچوں کو پیسا کیجئے، بس یاد صرف اتنا رکھ لیں کہ ”یہ سب نعمتیں بھی کسی کی بخشی ہوئی ہیں“ اتنا ہلکا پھلکا نسخہ، جس کی تیار میں نہ ایک منٹ کی مشقت، نہ ایک پیسہ کا خرچ، کیا اسلئے ناقابل التفات اور حقیر ہے گا کہ گھر بیٹھے، آپ سے آپ مل گیا؟۔

(صدق جسدید لکھنؤ)

چند ہ
غیر ممالک سے
سالانہ ... ۱۲ شنگ
ششماہی ... ۱۲ شنگ
اس پرچہ کی قیمت ... ۴۴

۷۸۶

انفستان

چند ہ
ہندستان اور پاکستان سے
سالانہ ... ۱۲ شنگ
ششماہی ... ۱۲ شنگ
اس پرچہ کی قیمت ... ۴۴

جلد ۱۹ ماہ صفر و ربیع الاول ۱۳۷۱ھ مطابق دسمبر و جنوری ۱۹۵۱ء نمبر ۲۱ و ۲۲

نمبر شمار	مضامین	لکھنے والے	صفحات
۱	نگاہ اولیں	مدیر	۲، ۳
۲	معارف الاحادیث	مدیر	۱۶، ۱۵
۳	مجرم ابن تیمیہ	مولانا محمد اویس ندوی	۲۳، ۱۶
۴	دعائی ختمہ اور سورہ کھٹ	مولانا سید مناظر حسن گیلانی	۴۷، ۲۵
۵	روڈا و اجتماعات دعوت اصلاح و تبلیغ	علیق بنعلیق	۳۹، ۳۸
۶	نبیایمان	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۵۶، ۵۰
۷	نبیایمان کیا ہو اور کس طرح وہ پیدا ہوتا ہے	محمد منظور نعمانی	۶۶، ۵۷
۸	نفس پرستی یا خدا پرستی	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۷۵، ۶۷
۹	دعوت اصلاح و تبلیغ کے رفقاء سے خاص خطاب	محمد منظور نعمانی	۸۳، ۷۶
۱۰	میری غلطیاں	محمد منظور نعمانی	۹۳، ۸۵

یہ سرخ پیل کا نشان، اس بات کی علامت ہو کہ آپ کی مدت خریداری اس شمارہ پر ختم ہو گئی ہو، اگر آپ کو آئندہ سال بھی الفرقان سے نقلت رکھنا منظور ہو تو براہ کرم سالانہ چندہ مبلغ (پانچ روپے، روانہ فرمادیجیے، آپ کی آسانی کے لیے منی آرڈر فارم حاضر ہے، ورنہ بصورت دیگر ایک کارڈ کے ذریعہ اپنے ارادہ سے دفتر کو مطلع فرمادیجیے، اگر جنوری تک آپ چندہ یا انکاری کارڈ وصول نہ ہوا تو حسب قاعدہ اگلے عینے کا پرچہ بذریعہ دی، پی بھیجا جائے گا، اس میں آپ کے چھ آنے زیادہ خرچ ہوں گے، اور اگر خدا نخواستہ آپنے وصول نہ فرمایا تو الفرقان کو آپ کی ذات سے چھ آنے کا نقصان پہونچے گا۔ اس بات کو ملحوظ رکھیے۔ ناظم الفرقان لکھنؤ

اسمہ بیگم

نگاہ اولیں

مخدوم اسلام

[الفرقان کے اس شمارہ میں تبلیغی تحریک یا "دعوت اصلاح و تبلیغ" سے متعلق ناچیزہ ریالفرقان اور رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی کی چند تقریریں شائع ہو رہی ہیں جو گزشتہ مہینہ (صفر و ربیع الاول) کے آخری ہفتہ میں ان عام اجتماعات میں کی گئی تھیں جو اس دینی دعوت کے سلسلہ میں منعقد ہوئے تھے، ان تقریروں سے اس دینی دعوت کے مرکزی عقائد اور طریقہ کار کے متعلق انشاء اللہ بہت کچھ معلوم ہو سکے گا۔ ناظرین کی مزید بصیرت کے لیے "نگاہ اولیں" کے ان صفحات میں بھی اس دعوت کی کے متعلق چند تقریرات چینی کرنا مناسب معلوم ہوا]

تبلیغی جماعت سے جو حضرات کچھ بھی واقف ہیں یا جنہوں نے اس سے واقف ہونے کی کبھی کوئی کوشش کی ہو وہ متناظرہ جانتے ہوں گے کہ موجودہ زمانے کی دوسری عام جماعتوں اور جمعیتوں کی طرح یہ وہ کوئی منظم جماعت نہیں ہے، نہ اسکے ارکان ہیں، نہ ممبران، نہ رئیس، نہ امیر، نہ صدر، نہ سکریٹری، نہ دفتر، نہ سب سے نام نہ عہد نامہ، نہ شرائط نہ قواعد و ضوابط، بلکہ وہ مسلمانوں میں اصلی ایمان اور ایمان والی زندگی پیدا کرنے کی ایک خاص طریقہ پر دعوت اور کوشش ہے، یعنی اسکی طرف سے مسلمانوں سے یہ نہیں کہا جاتا کہ ہماری کوئی جماعت جو تم ہمیں سجاؤ، اسکے رکن یا امیر یا معاون یا ہمدرد بن جاؤ، بلکہ صرف یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی اور اپنے دینی بھائیوں کی ایمانی اور دینی حالت درست کرنے کی فکر اور کوشش کرو، اور اسکا ایک مناسب زمانہ طریقہ جس کا ہم نے تجربہ کیا ہے اسکو جان لو اور لکھ لو، اور اگر تم کو بھی وہ صحیح معلوم ہو تو اپنے ائمہ کو راضی کرنے کے لیے اور آخرت کی زخمت ہوئی زنگی میں دائمی عیش و راحت حاصل کرنے کے لیے تم بھی اسی طریقہ پر کوشش میں لگ جاؤ۔

یہ بات اگرچہ جو توصات اور بیحدی لیکن اس زمانہ میں اس طرح کے اجتماعی کام جو کچھ منظم جماعتیں ہی کرتی ہیں اور بقاعدہ پارٹیاں ہی ایسی وسیع تحریکوں کو چلاتی ہیں، ایسے ہر ایک کو گوں کو تبلیغی جماعت کی اس خاص نوعیت کو سمجھنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ ایک مذہب حکومت کے ایک مستحسن (سی ایس ای) ڈوی انکسٹر تبلیغی جماعت کے متعلق ایک سوالنامہ لیکر میرے پاس آئے، وہ سوالات کرتے گئے اس میں جوابات دیتا گیا، لیکن جماعت کی اس خاص پوزیشن کو میں بھنس بڑی مشکل سے سمجھا سکا، وہ بار بار کہتے تھے کہ یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آتی کہ اتنی بڑی اور اتنی وسیع تحریک کسی منظم پارٹی کے بغیر چل رہی ہے۔ بہر حال ایسے لوگوں کے لیے اس حقیقت کا سمجھنا خواہ کیسا ہی مشکل ہو، لیکن واقعہ بالکل یہی ہے۔

اس دور میں اس خاص طریقہ سے اس کام کی ابتدا حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی، ہم لوگ ان کی چیزوں کو آسانی دینی یا نفس شائع نہیں سمجھتے، بلکہ ایسا خیال کرنے کو بھی گمراہی سمجھتے ہیں، لیکن فکر و تجربہ اور دینی مطالعہ سے اس حقیقت پر ہمارا اطمینان روز بروز بڑھتا جا رہا ہے کہ اس کام کے لیے جو اصول اور طریقہ اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے حضرت

مولانا نے اختیار فرمایا تھا وہ خاص کر اس زمانہ میں اصولی طور پر صحیح ترین طریقہ ہے۔

اس تحریک کا کوئی وسیع لہر تو بیک نہیں ہے لیکن پھر بھی جتنا کچھ اسکے متعلق کہنا چاہیگا وہ اسکو اور اسکے اصول اور طریقہ کو سمجھنے کے لیے — تحریر کی حد تک — کافی بھی نہیں ہو۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم اور جامع چیز مولانا سید ابوالحسن علی کی مرتب کردہ حضرت مولانا مرحوم کی سوانح حیات ہے جو — ”مولانا محمد ایساں اور ان کی دینی دعوت“ کے نام سے اس کے ۷۰ سال پہلے شائع ہو چکی ہے۔ اس تحریک کو سمجھنے کے لیے اسکو ضرور پڑھنا چاہیے اور خاص کر جو حضرات اس دینی دعوت سے علماً وابستہ ہیں انھیں تو اس کو (اور مولانا مرحوم کے ملفوظات کو بھی) بار بار پڑھتے رہنا چاہیے۔

مولانا مرحوم امت کی جن بیماریوں کو تھک سمجھتے تھے اور اپنی اس دینی تحریک کے ذریعہ جن کا براہ راست علاج کرنا چاہتے تھے ان میں سے ایک امت کے مختلف طبقوں اور طبقوں کا وہ بعد و اختلاف تھا جو خواہ مخواہ غلط فہمیوں اور بگاڑوں کی وجہ سے اور دور دور رہنے سے پیدا ہوا اور بڑھا ہوا۔ مولانا سید ابوالحسن علی مولانا مرحوم کی سوانح حیات میں لکھتے ہیں :-

مولانا کی دعوت کا ایک اہم مقصد یہ تھا کہ امت کے مختلف طبقوں اور طبقوں میں جو بعد و بگاڑ اور غلط فہمیوں کی بنا پر جو دشنت و تفرید پیدا ہو گیا ہے وہ دور ہوان میں پھر ربط و الفت پیدا ہو اور وہ اسلام کے لیے تعاون اور اشتراک عمل کریں، ایک دوسرے کی تعظیم اور قدر کرنا جانیں اور ہر ایک کو دوسرے کے محاسن سے فائدہ اٹھانے کی توفیق ہو۔ (ص ۱۲۳)

اسی سلسلہ کلام میں نین صنف کے بعد پھر لکھتے ہیں :-

خیالات کے تھوڑے تھوڑے اختلاف اور عرصہ سے ایک دوسرے سے دور رہنے سے امت کی مختلف جماعتوں میں ایک دوسرے سے دشنت پیدا ہو گئی تھی، ہر جماعت اپنے دین کی حفاظت اسی میں سمجھتی تھی کہ دوسرے کے سایہ سے بھاگے، ایک کو دوسرے کے محاسن کی بالکل خبر نہیں تھی، ایک دوسرے سے نفع اٹھانے کے راستے عرصہ سے بند ہو چکے تھے۔

ان اختلافات کو دور کرنے کا طریقہ مولانا کے نزدیک یہ تھا کہ اخلاق و اکرام سے ان کے

۱۔ اس کے علاوہ چھوٹے رسائل میں ”ایک اہم دینی دعوت“ اور ”دعوت اصلاح و تبلیغ“ اور تبلیغی تحریک کا مقصد اور طریق کار بھی اس تحریک کے مقصد، اصول اور طریق عمل کو سمجھنے کے لیے بڑی حد تک کافی ہیں۔ خاص کر آخری مختصر رسالہ ”ہر کارکن کو پڑھنا چاہیے“ اور ہر جماعت کے ساتھ رہنا چاہیے۔ یہ حال ہی میں لکھنؤ کی جماعت کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ ۱۲۔

زمین کی گرمی کھولی جائیں اور دل کی سلطیں اور محن دور کیے جائیں، تعلق پیدا کیا جائے، اور انوس کیا جائے ایک دوسرے کو قریب دیکھنے اور برتنے سے غلط فہمیاں خود بخود رفع ہو جائیں گی۔ (جلد ۱۲ ص ۱۲۷)

مولانا مرحوم کی حالات کے آخری ایام میں مسلمانوں کی ایک سیاسی جماعت کے ایک بڑے ذی اثر اور معتبر بزرگ عبادت کیلئے تشریف لائے، یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں کی مختلف سیاسی پارٹیوں میں سخت جوتم پیزا ہو رہا تھا۔ اسدن مولانا باطل بولنے کے قابل نہ تھے، صنعت کا یہ عالم تھا کہ خدام بھوں پر کان لگا لگا کے بات سنتے تھے، اسکے باوجود مولانا نے ان صاحبکے دیر تک گفتگو فرمائی اور اسی گفتگو میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مدد حاصل ہونے کے لیے اعتراف علی الکافریں کے ساتھ ”اذلہ علی المؤمنین“ کی صفت کا ہونا بھی ضروری ہو، مسلمانوں میں حبیب تک دوسرے مسلمانوں کیلئے تذلل دینی ان کے مقابل میں بچا ہو جانے اور ان کے سامنے ذلیل ہو جانے، کی خصلت پیدا نہ ہوگی، اللہ کی رحمت اور مدد ہرگز نہیں آئے گی،

آخری حالات ہی کے زمانہ میں ایک دفعہ دہلی میں مسلمانوں کی ایک شہو جماعت کا اجلاس ہو رہا تھا، راقم الطہر کو حضرت مولانا نے بلا کر فرمایا، اس اجلاس میں اس جماعت کے خلائ فلاں بزرگ تشریف لائے ہوئے تھے مگر انے جاکر لو اور مناسب طریقہ موقع سے میری بات بھی انکو پہنچاؤ۔ میں نے عرض کیا ایک مدت سے ان حضرات سے میرے تعلقات اچھے نہیں رہے ہیں اسلئے میرا انکی خدمت میں جانا مناسب نہ ہوگا اور نہ میرا بات کرنا مفید ہوگا۔ فرمایا میں تمہیں اسی لیے تو بھیج رہا ہوں، انکے پاس جا کے اپنے کو ذلیل اور پال کر وہی سے تعلقات درست ہوں گے، اور اللہ کی رحمت ان ہی کے لیے ہو جو اللہ کے واسطے اور صرف دین کے رشتہ سے دوسرے ایمان والوں کے سامنے خود کو ذلیل کر لیں۔

بہر حال مسلمانوں کے مختلف طبقوں اور علقوں کے ان اختلافات کو جو محض غلط فہمیوں کی پیداوار ہیں اور خواہ مخواہ کی بدگمانیوں کی وجہ سے بڑھ گئے ہیں ختم کرنا اور انہیں باہم قریب اور ایک دوسرے کے خاص کا قدر شناس بنا کر مل جلنے کیلئے تعاون و اشتراک کی اور ایمانی اخوت اور الفت کی فضا پیدا کرنا حضرت مولانا مرحوم کی اس دعوت کے خاص مقاصد میں تھا۔ اس نبی دعوت سے تعلق رکھنے والے ہر لوگوں کا فرض ہو کہ اس مقصد سے اور خود اپنے طرز عمل کو اس اصول کے مطابق بنانے کی فکر سے کبھی غافل نہ ہوں اور اس باہ میں ہمارے عمل اور طرز عمل میں جتنی کمی اور کوتاہی ہو اس کو کمی اور کوتاہی ہی سمجھیں اور اس کی اصلاح کی فکر کریں۔

تخریب اور دھڑے بندی کے اس زمانہ میں حضرت مولانا مرحوم کے دل میں امت کی اس بیماری کا درد اور اسکی غیر معمولی اہمیت کا احساس پیدا کرنا اور اس چیز کو اپنی دعوت کے مقاصد میں شامل کر لینے پر انہیں آمادہ کر دینا اللہ تعالیٰ کا خاص انعام و احسان تھا، اگر ہم اس سے تغافل برتیں گے تو اس نعمت کی یہ سخت ناشکری بھی ہوگی۔

مَعَارِفُ الْاَحَادِیْث

(از محمد منظور نعمانی)

اب سے کئی سال پہلے اس عنوان کے تحت احادیث نبوی کی تشریح کا ایک سلسلہ القرآن میں شروع ہوا تھا جو کئی سال تک جاری رہا۔ پھر اس عاجز کے وقت پر ایسے مشاغل کے غالب گمانے کی وجہ سے کبھی اطمینان طلب کام کی ہمت نہیں دیتے، ایک مدت سے وہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس دفعہ کہ مسئلہ میں ایک محترم بزرگ نے میرے اس طرز عمل پر کہ ایک عرصہ سے میں نے علم دین کی خدمت سے اپنے کو گویا فارغ اور سبکدوش کر لیا ہے، بڑا سخت بخاندہ کیا اور اس وقت تک میرا تقاب نہ چھوڑا جب تک کہ ان سے اس عاجز نے وعدہ نہ کر لیا۔ اور وہیں عہد کر لیا کہ جس طرح بھی بن پڑے گا "معارف الاحادیث" کے چھوڑے ہوئے سلسلہ کو اپنا، اللہ پیر شروع کر دوں گا۔ چنانچہ بنام حسد آج اس کو پھر شروع کر رہا ہوں۔

ایمان اور اس کے مختلف شعبوں سے متعلق پچاس حدیثوں کی تشریح اس سے پہلے بھی جا چکی ہے، آج ان حدیثوں کی شرح کا سلسلہ شروع کرنا ہو جن میں "ما بعد الموت" یعنی عالم برزخ (قبر، قیامت، آخرت، جنت و دوزخ) کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ امور بیان فرمائے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحی سے آپ کو معلوم ہوئے تھے۔ واللہ الموفق۔

عالم برزخ

قبر کا سوال وجواب اور عذاب و ثواب :-

اس سلسلہ کی حدیثیں پڑھنے اور ان کے مطالب سمجھنے سے پہلے چند اصولی باتیں ذہن میں حاضر کر لینا چاہئیں، ان باتوں کے مستحضر کر لینے کے بعد عالم برزخ کے سلسلہ کی حدیثوں کے مضامین کے متعلق وہ دسادس اور شبہات انشاء اللہ پیدا نہ ہوں گے جو حقیقت ناشناسی کی وجہ سے بہت سے دلوں میں اس زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) انبیاء علیہم السلام کا خاص کام (جس کے لیے وہ مبعوث ہوتے ہیں، ہمیں ان باتوں کا بتلانا ہو جن کے ہم

ضرورت مند تو ہیں لیکن اپنے عقل و حواس سے بطور خود ہم ان کو نہیں جان سکتے یعنی وہ ہماری عقل کی دسترس باہر ہیں۔
(۲) انبیاء علیہم السلام کے لیے یقینی علم کا ایک خاص ذریعہ جو دوسرے عام انسانوں کے پاس نہیں ہو، اللہ تعالیٰ کی وحی ہو، ان کو اسی ذریعہ سے ان چیزوں کا علم ہوتا ہو جن کو ہم اپنی آنکھوں، کانوں سے اور اپنی عقل و فہم سے دریافت نہیں کر سکتے، جس طرح دودھ میں رکھنے والا آدمی بہت دیر کی وہ چیزیں دیکھ لیتا ہو جن کو عام آدمی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔

(۳) کسی نبی کو نبی مان لینے اور اس پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہی ہوتا ہو کہ ہم نے اس بات کو تسلیم کر لیا اور پورے یقین کے ساتھ اس کو مان لیا اور قبول کر لیا کہ وہ ایسی جو باتیں بتلاتا ہو جن کو ہم خود نہیں جانتے اور نہیں دیکھتے وہ اللہ کی وحی سے ان کا علم حاصل کر کے ہمیں بتلاتا ہو، اور وہ سب حروف بحرف صحیح ہو، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہو۔

(۴) انبیاء علیہم السلام کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو عقلاً ناممکن اور محال ہو، ہاں یہ ہو سکتا ہو کہ ہمارا عقل اور ہمارے حواس بطور خود اس کو سمجھ لینے سے عاجز اور قاصر ہوں۔ بلکہ ایسا ہونا ضروری ہو اگر انبیاء علیہم السلام صرف وہی باتیں بتلائیں جن کو ہم خود ہی غور و فکر سے معلوم کر سکتے ہوں تو پھر ان کی ضرورت ہی کیا ہے۔

(۵) انبیاء علیہم السلام نے عالم برزخ (عالم قبر) اور عالم آخرت کے متعلق جو کچھ بتلایا ہو اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں جو عقلاً ناممکن اور محال ہو، ہاں ایسی چیزیں ضرور ہیں جن کو ہم اپنے غور و فکر سے نہیں جان سکتے اور اس دنیا میں ان چیزوں کے نمونے نہ ہونے کی وجہ سے ہم ان کو اس طرح سمجھ بھی نہیں سکتے جس طرح اس دنیا کی دیکھی بھائی چیزوں کو سمجھ لیتے ہیں۔

(۶) علم کے جو عام فطری ذریعے اور ذیلیے ہمیں دیئے گئے ہیں، مثلاً آنکھ، ناک، کان، عقل و فہم، ظاہر ہو کہ ان کی طاقت اور ان کا دائرہ عمل بہت محدود ہو، اور ہم دیکھتے ہیں کہ جدید آلات کی خارجی مدد کے ذریعہ بہت سی وہ چیزیں ہمارے علم میں آجاتی ہیں جن کا پہلے کبھی تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ مثلاً پانی میں یاغون میں جو جراثیم پائے جاتے ہیں اب خود بین کی مدد سے آنکھ ان کو دیکھ لیتی ہو، ریڈیو کی مدد سے کان ہزاروں میل دور تک کی آواز سن لیتے ہیں۔ اسی طرح کتابی معلومات کی مدد سے پڑھے لکھے انسان کی عقل اس سے زیادہ سوچ لیتی ہو جتنا کہ آنکھ کان کے ذریعہ حاصل شدہ معلومات کی مدد سے سوچ سکتی تھی۔ اس تجربے سے معلوم ہوا کہ کسی حقیقت کا صرف اس نیا دہ پر انکار کر دینا کہ آج ہم اس کو نہیں دیکھتے، نہیں سنتے، یا ہماری عقل اس کو نہیں سمجھتی، بڑی بے عقلی کی بات ہو و ما اوتیم من العلم الا قلیلاً۔

(۷) انسان دو چیزوں سے مرکب ہو، ایک جسم جو ظاہر ہو اور نظر آتا ہو، دوسری روح جو اگرچہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا لیکن اس کے ہونے کا ہم سب کو یقین ہو۔ پھر انسان کے ان دونوں جہازوں کا بھی تعلق اس دنیا میں اس طرح ہو کہ تکلیف و مسیبت یا راست و لذت کی جو کیفیت یہاں آتی ہو وہ براہ راست جسم پر پڑتی ہو اور روح اس سے بے اعتنائی ہو جیسا کہ مثلاً انسان کو چوٹ لگتی ہو، وہ زخمی ہوتا ہو، یا مثلاً وہ کہیں آگ سے جل جاتا ہو تو ظاہر ہو کہ چوٹ اور آگ کا تعلق براہ راست اس کے جسم سے ہوتا ہو لیکن اس کے اثر سے روح کو بھی دکھ ہوتا ہو۔ اسی طرح کھانے پینے سے جو لذت حاصل ہوتی ہو وہ بھی براہ راست جسم ہی کو حاصل ہوتی ہو لیکن روح بھی اس سے لذت حاصل کرتی ہے۔

الغرض اس دنیا میں انسان کے وجود اور اس کے حالات میں گویا جسم اصل ہو اور روح اس کے تابع ہو۔ لیکن قرآن و حدیث میں عالم برزخ کے متعلق جو کچھ بتلایا گیا ہو اس سے معلوم ہوتا ہو کہ وہاں معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔ یعنی اس عالم میں جس پر جو اچھل برسی اور ذات ہوگی وہ براہ راست اس کی روح پر ہوگی اور جسم اس سے بے اعتنائی ہوگا۔ _____ اللہ تعالیٰ نے (شاید اسی لیے کہ اس حقیقت کا سمجھنا ہمارے لیے آسان ہو جائے) اس دنیا میں بھی اس کا ایک نمونہ پیدا کر دیا ہو، اور وہ عالم رویا یعنی خواب ہو۔ عقل و ہوش رکھنے والا ہر انسان اپنی زندگی میں بار بار ایسے خواب دیکھتا ہو جن میں اس کو بڑی لذت ملتی ہو یا بڑی تکلیف ہوتی ہو۔ لیکن خواب میں یہ لذت یا تکلیف براہ راست دراصل روح کے لیے ہوتی ہو اور جسم بے اعتنائی سے متاثر ہوتا ہو۔ یعنی خواب میں آدمی مثلاً جب یہ دیکھتا ہو کہ وہ کوئی لذیذ کھانا کھا رہا ہو تو صرف یہ ہی نہیں دیکھتا کہ میری روح ہی کھا رہی ہو یا خیالی قوت ہی کھا رہی ہو، بلکہ اس وقت وہ یہی دیکھتا ہو کہ بیداری کی طرح وہ اپنے اس جسم والے منہ سے کھا رہا ہو جس سے روزانہ کھایا کرتا ہو۔ اسی طرح خواب میں اگر وہ یہ دیکھتا ہو کہ کسی نے اس کو مارا تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اس کی روح کو مارا گیا، بلکہ وہ اس وقت یہی دیکھتا ہو کہ مارا اس کے جسم پر پڑی اور اس کے جسم پر اس وقت دھبہ ہی چوٹ لگی جیسی بیداری میں مار پڑنے سے لگتی ہو۔ حالانکہ واقعہ میں جو کچھ گزرتا ہو وہ خواب میں دراصل روح پر گزرتا ہو اور جسم اس سے بے اعتنائی ہو جاتا ہو۔ البتہ کبھی کبھی جسم کا یہ تاثر اتنا محسوس ہو جاتا ہو کہ آدمی بیدار ہونے کے بعد جسم پر اس کے نشانات اور اثرات بھی پاتا ہو۔ _____ الغرض میں نے کی حالت میں، اچھے یا بُرے خواب دیکھنے والے شخص پر جو کچھ گزرتا ہو اس کی نوعیت یہی ہو کہ وہ براہ راست اور اصلی طور پر روح پر گزرتا ہو اور جسم پر اس کا اثر بے اعتنائی ہو۔ اسی لیے خواب دیکھنے والے کے قریب والا آدمی بھی اس کے جسم پر کوئی واردات گزرتے ہوئے نہیں دیکھتا کیوں کہ ہم اس دنیا میں کسی انسان کے ان ہی حالات کو دیکھ سکتے ہیں جن کا تعلق براہ راست اُس کے جسم سے ہو۔ پس عالم برزخ میں (یعنی مرنے کے بعد سے قیامت تک کے دور میں)، اچھے برے انسانوں پر جو کچھ گزرنے والا ہو جس کی بعض تفصیلات مندرجہ ذیل حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں، اس کی نوعیت بھی یہی ہو

کہ وہ اسی طور پر ادراہ راست روح پر گزرے گا اور جسم تبعاً اس میں شریک ہوگا۔ اور عالم رویا و خواب کے تجربات کی روشنی میں اس کو سمجھ لینا کسی سمجھنے والے آدمی کے لیے مشکل نہیں ہے۔ امید ہو کہ اس دنیا اور عالم برزخ کے اس فرق کو جان لینے کے بعد وہ عامیانہ اور جاہلانہ شبہ اور دوسرے پیدا ہونے لگے جو اس سلسلہ کی حدیثوں کے متعلق بعض ضعیف الایمان اور کم عقل لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔

(۵۱) عن البراء بن عازب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يأتية ملكان فيجلسانه فيقولان له من ربك؟ فيقول ربى الله فيقولان له ما دينك؟ فيقول ديني الاسلام، فيقولان له ما هذا الرجل الذي بعث فيكم؟ فيقول هو رسول الله فيقولان له وما يدريك؟ فيقول قرأت كتاب الله فآمنت به وصدقت، فذلك قوله "نثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت الآية" قال فينادى مناد من السماء ان صدق عبدى فافرشوه من الجنة والسبلون الجنة وافتحوا باباً الى الجنة فيفتح له، قال فيأتية من روحها وطيبها ويفتح له فيها مد بصره واما الكافر فذكر موته قال ويعدا روحه في جسده ويأتية ملكان فيجلسانه فيقولان من ربك؟ فيقول هاه هاه لا ادرى، فيقولان له ما دينك؟ فيقول هاه هاه لا ادرى، فيقولان ما هذا الرجل الذي بعث فيكم؟ فيقول هاه هاه لا ادرى، فينادى مناد من السماء ان كذب فافرشوه من النار والسبلوه من النار وافتحوا باباً الى النار قال فيأتية من حرها وسموها قال ويضيق عليه قبره حتى تختلف فيه اضلاعه ثم يقبض له اعنى اصم مع مرزبة من حديد لوضرب بها جيل لصار تراباً فيضربه بها ضرباً فيصير صبيحة يسمعها ما بين المشرق والمغرب الا الثقلين فيصير تراباً ثم يعاد فيه الروح (رواه احمد و ابو داود)

(ترجمہ) حضرت براء بن عازب صحابی سے مروی ہے، وہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے (ایک سلسلہ کلام میں مردہ کے سوال و جواب اور عالم برزخ یعنی قبر کے ثواب عذاب کا تذکرہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ اللہ کا مومن بندہ اس دنیا سے منتقل ہو کر جب عالم برزخ میں پہنچتا ہو یعنی قبر میں دفن کر دیا جاتا ہو تو اس کے پاس اللہ کے دو فرشتے آتے ہیں وہ اس کو بٹھاتے ہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہو کہ میرا رب اللہ ہے، پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہو کہ میرا دین اسلام ہے، پھر پوچھتے ہیں کہ یہ آدمی جو تمہارے اندر (نبی کی حیثیت سے) کھڑا کیا گیا تھا (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اسی کے بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ کہتا ہو وہ اللہ کے سچے رسول ہیں، وہ فرشتے کہتے ہیں کہ تمہیں یہ بات کس نے بتلائی؟ (یعنی

تھیں ان کے رسول ہونے کا علم کس ذریعہ سے ہوا؟ وہ کہتا ہو کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اس نے مجھے بتلایا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، تو میں ایمان لایا اور میں نے ان کی تصدیق کی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ، مومن بندہ کا یہی جواب ہو جس کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو کہ "يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ" اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو سچی کجی بات (یعنی صحیح عقیدہ اور صحیح جواب) کی برکت سے ثابت رکھے گا دنیا میں اور آخرت میں یعنی وہ گمراہی سے اور اس کے نتیجہ میں آنے والے عذاب سے محفوظ رکھے جائیں گے)۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن بندہ فرشتوں کے مذکورہ بالا سوالات کے جب اس طرح ٹھیک ٹھیک جوابات دے دیتا ہو، تو ایک ندا دینے والا آسمان سے ندا دیتا ہو (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے اعلان کرایا جاتا ہو)، کہ میرے بندہ نے ٹھیک بات کہی اور صحیح جوابات دیئے لہذا اس کے لیے جنت کا فرش کرو اور جنت کا اس کو لباس پہناؤ اور جنت کی طرف اس کے لیے ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ وہ دروازہ کھول دیا جاتا ہو اور اس سے جنت کی خوشگوار ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں اور جنت میں اس کے لیے نہایت نازک کٹا دگی کر دی جاتی ہو۔ (یعنی پودے اس طرح اٹھا دیے جاتے ہیں کہ جہاں تک اس کی نگاہ جاوے وہ جنت کی بہاروں اور اس کے نظاروں سے لذت اور فرحت حاصل کرتا رہے)۔ (یہ حال تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرنے والے سچے اہل ایمان کا بیان فرمایا، اس کے بعد ایمان نہ لانے والے کافر) کی موت کا ذکر اپنے کیا اور فرمایا کہ (مرنے کے بعد) اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہو اور اس کے پاس بھی دو فرشتے آتے ہیں، وہ اس کو جھٹاتے ہیں اور اس سے بھی پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہو؟ وہ (خلعناش) کہتا ہو "ہائے ہائے" میں کچھ نہیں جانتا۔ پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ دین تیرا کیا تھا؟ وہ کہتا ہو کہ ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا۔ پھر فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ یہ آدمی جو تمھارے اندر نہ سچیت نبی کے، مبعوث ہوا تھا تمھارا اس کے بارے میں کیا خیال تھا؟ وہ بھربھی ہی کہتا ہو ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا (اس سوال و جواب کے بعد آسمان سے ایک ندا دینے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکارتا ہو کہ اس نے جھوٹ کہا (یعنی اس نے فرشتوں کے سوال کے جواب میں اپنا بالکل انجان اور بے جرم ہونا جو ظاہر کیا یہ اس نے جھوٹ بولا، کیوں کہ واقعے میں وہ اللہ کی توحید کا، اس کے دین اسلام کا اور اس کے رسول برحق کا منکر تھا)۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے سنا دی تاکہ اگر کوئی کہ اس کے لیے دوزخ کا فرش کرو، اور دوزخ کا اس کو لباس پہناؤ اور اس کے لیے دوزخ کا ایک دروازہ کھول دو (چنانچہ یہ سب کچھ کر دیا جائے گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ (دوزخ کے اس دروازے سے) اس کو برابر دوزخ کی گرمی اور دوزخ کی بیٹیں اور جلائے جھلانے والی ہوائیں اس کے پاس آتی رہیں گی۔

.... اور اس کی قبر اس پر نہایت تنگ کر دی جائے گی جس کی وجہ سے (اتنا دباؤ پڑے گا کہ) اس کے سینہ کی پلیدیاں اور سرے اُدھر ہو جائیں گی، پھر اس کو عذاب دینے کے لیے ایک ایسا فرشتہ اس پر مسلط کیا جائے گا جو نہ کچھ دیکھے گا نہ سنے گا۔ اس کے پاس لوہے کی ایسی نگر می ہوگی کہ اگر اس کی ضرب پہاڑ پر لگائی جائے تو وہ بھی خاک ہو جائے وہ فرشتہ اُس نگر می سے اس پر ایک ضرب لگائے گا جس سے وہ اس طرح چیخے گا جس کو — جن دانس کے علاوہ — وہ سب چیزیں سنیں گی جو مشرق اور مغرب کے درمیان ہیں۔ اس ضرب سے یہ خاک ہو جائیگا اس کے بعد اس میں پھر روح ڈالی جائے گی۔“

(۵۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وَضَعَ فِي قَبْرِهِ وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نَالَصِمَاتِهِ مَلَكَانِ فَيَقْعَدَانِهِ فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ فَمَا الْمَوْمَنُ فَيَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ فَيَقَالُ لَهُ انْظُرْ إِلَى مُقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ أَبَدَكَ اللَّهُ بِهِ مُقْعَدًا مِّنَ الْجَنَّةِ فَيُرَاهُمَا جَمِيعًا وَأَمَّا الْمَنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيَقَالُ لَهُ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي كُنْتُ أَتَوَلَّى مَا يَقُولُ النَّاسُ فَيَقَالُ لَهُ مَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ وَيَضْرِبُ بِمِطْرَاقٍ مِّنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً فَيُصَيِّمُ صَيِّمَةً يَسْمَعُهَا مَنَ يَلِيهِ غَيْرُ الثَّقَلَيْنِ .

(منفق علیہ ولفظہ للبخاری)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (مرنے کے بعد) بندہ جب اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہو اور اس کے ساتھی (یعنی اس کے جنازے کے ساتھ آنے والے) واپس چلے جاتے ہیں (اور ابھی وہ اتنے قریب ہوتے ہیں کہ) ان کی جوتیوں کی چاپ وہ سن رہا ہوتا ہو تو اسی وقت اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں وہ اس کو بٹھاتے ہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ — ان کا یہ سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہوتا ہو — پس جو سچا مومن ہوتا ہو وہ کہتا ہو کہ میں گواہی دیتا رہا ہوں (اور اب بھی) میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول برحق ہیں۔ (یہ جواب سن کے) فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ (ایسا نہ لانے کی صورت میں) دوزخ میں جو تمھاری جگہ ہونے والی تھی ذرا اس کو دیکھ لو، اب اللہ نے بجائے اس کے تمھارے لیے جنت میں ایک جگہ عطا فرمائی ہو (اور وہ یہ ہو اس کو بھی دیکھ لو، یعنی دوزخ اور جنت کے دونوں مقام اس کے سامنے کر دیے جائیں گے) چنانچہ وہ دونوں کو ایک ساتھ دیکھے گا — اور جو منافق اور کافر ہوتا ہو تو اسی طرح (مرنے کے بعد) اس سے بھی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق) پوچھا جاتا ہو کہ اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے تھے؟ (اور اس کو) کیا اور کیا سمجھتے تھے؟ پس وہ منافق اور کافر کہتا ہو کہ میں ان کے بارے میں خود تو کچھ جانتا نہیں دوسرے

لوگ جو کہہ کرتے تھے وہی میں بھی کہتا تھا اس کے اس جواب میں اس کو کہا جائے گا کہ تو نے نہ تو خود جانا اور نہ (جانکر) ایمان لانے والوں کی تو نے پیردی کی اور لوہے کے گرزوں سے اس کو مارا جائے گا جس سے وہ اس طرح پیچھے گا کہ — جن والوں کے علاوہ — اس کے اس پاس کی ہر چیز اس کا چھینا سنے گی۔

(دفعہ پہلی حدیث معلوم ہوا تھا کہ سرخیزلے سے فرشتے تین سوال کرتے ہیں اور اس دوسری حدیث میں صرف ایک ہی سوال کا ذکر کیا گیا ہے، پہلی یہ ہو کہ سوال چوک باتی دونوں پر بھی حادی ہوا اسکے جواب میں ان دونوں کو ایک جواب بھی معلوم ہوا جاتا ہے، ایسے بعض محدثین میں سرخیز ایک سوال کا ذکر کر دیا جاتا ہے، قرآن وحدیث کا طریق بیان یہی ہو کہ ایک واقعہ کو کبھی تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور کبھی صرف اس کے بعض اجزاء ہی بیان کر دیے جاتے ہیں — معارف الاحادیث

کے اسی سلسلہ میں یہ بات پہلے بھی ذکر کی گئی ہو اور اب پھر اس کو یاد دلایا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں تفصیلی مقالات نہیں ہیں بلکہ عموماً مجلسی ارشادات ہیں اور کسی معلوم اور مربی کے مجلسی ارشادات میں ایسا ہونا کہ کبھی ایک بات کو پوری تفصیل سے بیان کیا جائے اور کبھی اس کے صرف بعض اجزاء کا ذکر کر دیا جائے بالکل صحیح اور فطری بات ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اس دوسری حدیث میں اس سوال جواب کے سلسلہ میں قبر کا لفظ بھی آیا ہے اور اسی طرح بعض اور حدیثوں میں بھی قبر کا ذکر ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ سوال وجواب صرف ان ہی مردوں سے مخصوص ہے جو قبروں میں دفن ہوتے ہیں۔ دراصل قبر کا ذکر ان حدیثوں میں صرف اس لیے کر دیا گیا ہے کہ وہاں مردوں کو قبروں ہی میں دفن کرنے کا عام رواج تھا اور لوگ صرف اسی طریقہ کو جانتے تھے، ورنہ اللہ کے فرشتوں کی طرف سے یہ سوال وجواب ہر مرنے والے سے ہوتا ہے خواہ اس کا جسم قبر میں دفن کیا جائے خواہ دریا میں بہا یا جائے، خواہ آگ میں جلا یا جائے خواہ گوشت خور جانوروں کے پیٹ میں چلا جائے — اور مہیا کو اگر پر تہلایا جا چکا ہو یہ سب کچھ براہ راست اور اصلی طور سے روح کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم خواہ کہیں ہو اور کسی حال میں ہو وہ تبعاً اس سے متاثر ہوتا ہے اور خواب کی مثال اس کے سمجھنے کے لیے کافی ہے — اور خواب ہی کی مثال سے اس مشبہ کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مردہ دو چار دن تک ہمارے سامنے پڑا رہتا ہے اور اس سوال وجواب کی آواز اس کی لاش سے کوئی نہیں سنتا، اور نہ اس پر عذاب یا ثواب کا کوئی اثر معلوم ہوتا ہے — پس یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ خواب میں ایک آدمی پر سب کچھ گزر جاتا ہے، وہ بات حقیقت کرتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، لیکن اس کے برابر والوں کو کچھ بھی نظر نہیں آتا،

اسی قسم کے عامیانہ اور جاہلانہ شبہوں میں سے قبر کے اس سوال وجواب پر ایک شبہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ قبر میں جانے کے لیے جب کوئی راستہ اور کوئی چھوٹے سے چھوٹا روزن بھی نہیں ہوتا تو فرشتے اس میں جاتے کس طرح

ہیں؟ ————— پیشہ دراصل ان حقیقت ناشناسوں کو ہوتا ہے جو فرشتوں کو شاید اپنی طرح گوشت پرست سے بنی ہوئی آدمی مخلوق سمجھتے ہیں۔ ————— بہر حال فرشتوں کے کہیں پہنچنے کے لیے دروازہ کی یا کھرکی کی ضرورت نہیں ہماری نگاہیں یا آفتاب کی شعاعیں جس طرح شیشوں میں سے نکل جاتی ہیں، اسی طرح فرشتے اپنے وجود کی لطافت اور اللہ کی دی ہوئی قدرت سے تجربوں میں سے بھی پار ہو جاتے ہیں۔ سبحانہ تعالیٰ شانہ۔

(۵۲) عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احدکم اذا مات عرض علیہ مقعدہ بالغداة والعشی ان کان من اهل الجنة فمن اهل الجنة وان کان من اهل النار فمن اهل النار فيقال هذا مقعدك حتى يبعثك الله الیہ یوم القیمة۔ (متفق علیہ)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب مر جائے تو ہر صبح و شام اس کے سامنے اس کا ٹھکانا پیش کیا جائے گا، اگر وہ جنتیوں میں سے ہو تو جنتیوں کے مقام میں سے (اس کا جو مقام ہونے والا ہوتا ہے وہ ہر صبح و شام اس کے سامنے کیا جائے گا اور اس کو دکھلایا جائے گا) اور اگر وہ مرنے والا دوزخیوں میں سے ہوتا ہے تو (اسی طرح صبح و شام، دوزخیوں کے مقامات میں سے اس کا مقام اس کے سامنے کیا جائے گا) اور کہا جائے گا کہ یہ ہونے والا ہو سیرا سقل ٹھکانا (اور یہ اس وقت ہوگا) جبکہ اللہ تجھے اپنی طرف اٹھائے گا قیامت کے دن۔

(۵۳) قبر میں روزانہ صبح و شام جنتیوں کو اپنا مقام دکھ کر جو غیر معمولی لذت و مسرت حاصل ہوا کرے گی اور دوزخیوں کو دوزخ کا اپنا ٹھکانا دکھ کر روزانہ صبح و شام جو بیخ و غم مزید ہوا کرے گا اس دنیا میں کوئی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اہل جنت میں شامل فرمائے۔

(۵۴) عن عثمان رضی اللہ عنہ انہ کان اذا وقف علی قبر یبکی حتی یمیل لحیتہ فقیل لہ تذکر الجنة والنار فلا تبکی وتبکی من هذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان القبرا ول منزل من منازل الآخرة فان نجما منہ فما بعدہ الیسر منہ وان لم یمنج منہ فما بعدہ الشد منہ۔ قال وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما رأیت منظراً قط۔ إلا والقبرا فظم منہ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کا حال یہ تھا کہ جب وہ کسی قبر کے پاس

کھڑے ہوتے تو بہت روتے، یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کی ڈاڑھی تر ہو جاتی، ان سے پوچھا گیا (یہ کیا بات ہو) کہ آپ جنت و دوزخ کو یاد کرتے ہیں تو نہیں روتے، اور قبر کی وجہ سے اس قدر روتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہو، پس اگر بندہ اس سے نجات پا گیا تو آگے کی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہیں، اور اگر قبر کی منزل سے بندہ نجات نہ پا سکا تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے زیادہ سخت اور کٹھن ہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرماتے تھے کہ ہمیں دیکھا میں نے کوئی منظر مگر یہ کہ قبر کا منظر اس سے زیادہ خوفناک اور شدید ہو۔

(ف) مطلب یہ ہو کہ جب کسی قبر سے میرا گزر ہوتا ہو تو قبر کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات یاد آجائے ہیں اور نکو و غم میں مبتلا کر کے مجھے رلاتے ہیں۔

(۵۵) عن عثمان رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لایحکم شمس سلاوالہ بالثنیت فاما الآن یسأل۔
(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت عثمان ہی سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جب میت کے دفن سے فارغ ہو جاتے تو قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اپنے اس بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرو۔ اور یہ بھی استدعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو سوالوں کے جواب میں ثابت قدم رکھے، کیوں کہ اس وقت اس سے پوچھ گچھ ہوگی۔

(۵۶) عن جابر قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی سعد بن معاذ حین توفي فلما صلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووضع فی قبرہ وسوی علیہ سیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسمعنا طویلاً ثم کبر ثم کبرنا فقیل یا رسول اللہ لم یسبحک ثم کبرت فقال لقد تضایق علی ہذا العبد الصالح قبرہ حتی فرجہ اللہ عنہ۔
(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت جابر سے مروی ہو کہ جب مشہور انصاری صحابی سعد بن معاذ کی وفات ہوئی تو ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میت میں ان کے جنازہ پر گئے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو قبر میں اتار کر جب قبر برابر کر دی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبحان اللہ سبحان اللہ

اپنی پھری پر سوار قبیلہ بنی نجار کے ایک باغ میں سے گزر رہے تھے، اچانک آپ کی پھری راستہ سے نہی اور طیر می ہوئی اور اس کی ایسی حالت ہوئی کہ قریب تھا کہ آپ کو گرا دے۔ اچانک نظر پڑی تو دیکھا کہ وہاں چھ پانچ قبریں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان قبر کے مردوں سے کون واقف ہو؟ یعنی تم میں کوئی جو جان جانتا ہو ان قبروں میں مدفون ہیں؟ (ساتھیوں میں سے) ایک شخص نے کہا میں جانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ کس زمانہ میں مرے تھے؟ اس شخص نے عرض کیا زمانہ شرک میں۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ اپنی قبروں میں عذاب میں مبتلا ہیں، اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن نہ کر لو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ قبر کے عذاب میں سے جتنا کچھ میں مر رہا ہوں وہ اس میں سے کچھ تم کو بھی سنا دے۔ یہ فرمانے کے بعد آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا دوزخ کے عذاب سے اللہ سے پناہ مانگو! سب کی زبان سے کلام دوزخ کے عذاب اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، آپ نے فرمایا قبر کے عذاب اللہ کی پناہ مانگو، سب نے کہا ہم قبر کے عذاب اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا سب فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو ظاہری فتنوں سے بھی اور باطنی فتنوں سے بھی، سب نے کہا ہم غلبہ ہری و باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ دجال کے (عظیم ترین) فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگو، سب نے کہا ہم دجال کی فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

(۵) اس سلسلہ کی بعض حدیثوں سے پہلے معلوم ہو چکا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے برزخ (قبر) کے عذاب کو جن و انس کے مخفی رکھا ہے، انہیں اس کا باطل پتہ نہیں چلتا، لیکن ان کے علاوہ دوسری مخلوقات کو اس کا ادراک و احساس کچھ ہوتا ہو۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ بنی نجار میں دفن شدہ ان لوگوں پر جو عذاب ہو رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب و رفقاء کو اگرچہ اس کا کوئی احساس نہیں ہوا لیکن جس پھری پر آپ سوار تھے اس کو اس کا احساس ہوا اور اس پر اثر پڑا۔ اس کی حکمت ظاہر ہو، مرنے والوں پر مرنے کے بعد کچھ گزرتا ہو، اگر ہم سب بھی اس کو دیکھ یا سن لیا کرتے تو "ایمان بالغیب" نہ رہتا، اور دنیا کا یہ نظام بھی نہ چلی سکتا جس وقت ہمارے سامنے ہمارا کوئی عزیز سخت تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہو ہم سے اس وقت کوئی کام نہیں ہو سکتا، اگر کہیں قبروں کا عذاب ہم پر منکشف ہو جایا کرتا تو کسی اور کام کا کیا ذکر، مائیں بچوں کو دودھ بھی نہ پلا سکتیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان قبر والوں پر جو عذاب ہو رہا تھا اور اس کی وجہ سے جو حج پکا ان قبروں میں بھی ہوئی تھی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والے صحابہ کرام بالکل نہیں سن سہے تھے، خود آپ کو سن رہے تھے۔

یہ ایسا ہی تھا جیسا کہ وحی کا فرشتہ جب وحی لیکر آتا تھا تو سادقات صحابہ کرام بھی اس وقت آپ کے قریب ہوتے تھے لیکن ان کے والے فرشتہ کو ان کی آنکھیں عام طور سے نہیں دیکھ سکتی تھیں، نہ وہ اس کی آواز سنتے تھے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھتے اور اس کی آواز سنتے تھے، اہل مکاشفہ تو اس صورت حال کو بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں، لیکن ہم میسے عوام بھی اس کو خواب والی مثال ہی سے کچھ سمجھ سکتے ہیں۔

مجرم ابن تیمیہ

(از مولانا محمد اویس صفی (نگرامی)

لاؤ تو قتل نامہ مرا میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی نثر ہے سہرِ محضر نگلی ہوئی!

رسالہ دارالعلوم (بابت ماہ اکتوبر ۱۹۵۱ء) میں مولانا حکیم عبدالرشید محمود صاحب گنبد گوی کا ایک خط جماعتِ اسلامی کے سلسلہ میں شائع ہوا ہے۔ اس میں ایک موقع پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا ذکر ایسے انداز سے کیا گیا ہے کہ خط کے اُس حصہ کو طاؤس کے پائے زشت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ جن کے متعلق حافظ ذہبی نے فرمایا ہے کہ :-

”ان کا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ مجھ جیسا شخص اُن کی سیرت و فضیلت بیان کرے،
قسم خدا کی! اگر میں خانہ کعبہ میں عینِ رکن و مقام کے درمیان قسم کھاؤں کہ نہ تو میری آنکھوں نے
ان کا شل دیکھا اور نہ خود انھوں نے اپنا ہتھکا، تو میری قسم سچی ہوگی، اور میرے لئے کفارہ نہیں ہیں“

حافظ ابوالکجاج مزنی نے کہا :-

”نہ میں نے ان کا شل دیکھا اور نہ خود انھوں نے کسی کو اپنا ہتھکا پایا، اور نہ میں نے کسی شخص کو
ان سے زیادہ کتاب و سنت کا علم رکھنے والا اور کتاب و سنت کا اتباع کرنے والا دیکھا
— چار سو برس سے ایسا بالکالی نہیں پیدا ہوا۔“

حافظ برزلی کا ارشاد ہے :-

”ہم نے ابن تیمیہ سے بڑھ کر نہ تو کسی کو کتاب و سنت کا عالم دیکھا اور نہ عامل“

جب ابن دقیق العید ابن تیمیہ سے ملے تو پہلی ملاقات سے متاثر ہو کر کہا:۔

”کب امید تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ جیسے آدمی اب بھی پیدا کرے گا۔“

بعد کو لوگوں سے کہا:۔

”میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا کہ سارے علم اس کی آنکھوں کے سامنے ہیں، جس کو چاہتا ہے

اٹھائیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے چھوڑ دیتا ہے۔“

حافظ حماد الدین واسطی نے فرمایا:۔

”قسم خدا کی آسمان کے نیچے آج تھا لے شیخ ابن تیمیہ کا نظیر و مثل کوئی دکھائی نہیں دیتا

نہ علم میں نہ عمل میں، نہ حال میں نہ اسلاف میں، نہ اتباع حق اور نہ شیوہ کرم و کمال

علم میں، اور نہ اشہد اور اس کے شعائر کے حفظ و قیام کی راہ میں۔۔۔۔۔ قسم خدا کی

ہم نے اپنے زمانہ میں کسی کو نہ دیکھا جس کے اقوال و افعال سے نبوت محمدیؐ کے انوار اور

ان کی سنت کی روشنیاں چھن چھن کر نکلتی ہوں مگر ابن تیمیہ کو۔۔۔۔۔ ان کو دیکھ کر

دل بے اختیار بول اٹھتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی اتباع

اس کو کہتے ہیں، اور ایسا ہوتا ہے۔“

وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ جن کے مذاہب میں حافظ ابن قیم، حافظ ذہبی، محدث ابن کثیر، شمس الدین بن قدامہ،

ابن قاضی امیل، طوطی مصری، ابن الوردی، زین الدین حرائی، ابن مفلح، شرف الدین بن المنجا، ابن ناصر الدین،

حافظ عسقلانی، علامہ عینی، شیخ ابراہیم کورانی، تالاعلی قاری، علامہ سیدی بغدادی، شیخ آلوسی بغدادی، شاہ ولی اللہ

محض دہلوی جیسے محققین اور گناہ روزگار لوگوں کا نام بے تکلف لیا جاسکتا ہے!۔

وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ

جن کی زندگی ہی میں یہ حال تھا کہ بڑے بڑے اکابر و اعظم علم ائمہ سلف کی کتاہیں

فروخت کر ڈالتے تاکہ مؤلفات ابن تیمیہ پر یکس۔ شیخ شہاب الدین شافعی نے

امام نوادی کی شرح مسلم فروخت کر دی اور اس کی قیمت سے امام موصوف کی الرغلی انصاری خریدی،

ایک شخص نے اس پر اعتراض کیا کہ شرح مسلم دے کر ابن تیمیہ کی کتاب خریدتے ہو تو کیا کہہ پاس

شرح مذکور کے دو نسخے تھے ایک فروخت کر دیا، لیکن اگر ایک ہی نسخہ ہوتا جب بھی مستفاد ابن تیمیہ کیلئے

اس نقل و نقل میں وہ جن تحقیق کا نام لیتے ہیں وہ امام ابو الحسن سبکی، ان کے بیٹے تاج الدین سبکی، اور امام عز بن جامع ہیں، ان کا حال ہی ملاحظہ ہو کہ یہ امام ابو الحسن تقی الدین سبکی، شیخ الاسلام کو ابن حجر کی طرح

عبد خذله الله واضله واعماله واصبه واذله

کھنے کے بجائے ہمیشہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، سبکی کی ثناء، انعام اس پر شاہ عادل ہے، اس موقع پر امام ذہبی کے نام تقی الدین سبکی یا ان کے بیٹے تاج الدین سبکی کا وہ خط قابل ذکر ہے جس میں لکھتے ہیں :-

”یقین کیجئے کہ یہ خادم ان کی (یعنی ابن تیمیہ کی) قدر و منزلت کی بے پایاں، علوم و فہم و عقلمیہ

میں وسعت نظر، کمال ذکاوت و اجتہاد، اور ان سارے اوصاف کمال میں وہاں تک

پہنچ جانے کا معترف ہے جو حد تو صیغت سے باہر ہے، علی الخصوص ان اوصاف ساتھ

ان کا زہد، ورع اور دیانت و حق پرستی اور صرف اللہ کیلئے نصرت حق میں قیام و ثبات

اور طریق سلف پر سلوک اور بواہر و سلفیہ سے بہرہ کمال اخذ و نظر اور جہد و حثیت جمعی ان کا وہ نمونہ کمال

کو موجودہ عہد میں اپنی نظیر آپ ہیں بلکہ کتنے عہدوں سے ایسے بالکمال پیدا نہیں ہوئے“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنے مخالف شیخ سبکی کے ساتھ کیا طرز عمل رکھتے تھے اس کو خود شیخ سبکی کے بیٹے تاج الدین سبکی کی ”طبقات“ سے سن لیجئے کہ :-

”امام ابن تیمیہ اپنے معاصرین میں جس قدر احترام شیخ تقی الدین سبکی کا کرتے تھے اس قدر احترام

کسی دوسرے کا نہ کرتے تھے بلکہ وہ سبکی کے اس رد کی (جو انھوں نے ابن تیمیہ پر کیا ہے)

بے حد تعجب کرتے تھے“

امام ابن تیمیہ کے مخالفین میں ابن حجر کی نے دوسرا نام ”تاج الدین سبکی“ کا لیا ہے، مگر شیخ الاسلام سے اس مسئلہ

مذاکرہ تھے کہ لکھتے ہیں کہ حافظ مزہبی شیخ الاسلام کا لفظ صرف تین آدمیوں کے لئے لکھتے تھے، ایک تو ان کے والد تقی الدین سبکی

کے لئے، دوسرے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کیلئے، تیسرے شیخ شمس الدین ابو عمرو کے لئے :-

اب خود کہتے کہ تاج الدین سبکی کے نزدیک اگر ابن تیمیہ بلند مرتبہ نہ ہوتے یا وہ مبتدع اور زندقہ ہوتے تو کیا تاج الدین سبکی

پسند کرتے کہ اپنے والد کے ساتھ شیخ الاسلام کا ذکر کرتے :-

ابن حجر کی نے تیسرا نام عز الدین بن جامع کا لیا ہے، یہ نحو میں ابو حیان کے شاگرد تھے، ابو حیان پہلے شیخ الاسلام ابن تیمیہ

بڑے معتقد اور ملامت تھے۔ ابن تیمیہ کی شخصیت میں ذیل کے اشعار انھیں کے ہیں :-

قام ابن تیمیہ فی نصہر شرعنا

مقام ستید تینہم اذ مضت مضی

فاظہر الحق اذا شاہ درست

واخذ الشر اذا طارت له شرر

کنا نحدث عن حیدر یجی فیما

است الامام الذی قد کان ینتظر

لیکن ایک موقع پر ابن تیمیہ نے سبویہ کی نحوی غلطیوں کے متعلق کچھ ذکر کیا، اُس وقت سے ابو حیان ابن تیمیہ سے ناراض ہو گئے، اور بقول حافظ ابن حجر عسقلانی کے ”یہ ایک ناقابل معافی گناہ ہو گیا“

اس تلمذ کے اثر کی وجہ سے اگر عبداللہ بن جہاد کو ابن تیمیہ سے کچھ اختلاف پیدا ہو گیا ہو تو بعید نہیں !۔

حکیم صاحب نوصیف نے ابن تیمیہ کے ناقدین میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا نام بھی لیا ہے، پس اگر کسی مسئلہ میں اختلاف رائے کے معنی مخالفت کے ہیں تب تو کچھ نہیں عرض کیا جاسکتا ورنہ خود شاہ صاحب نے ابن تیمیہ کی طرف سے دفاع کیا ہے اور نہایت بلند الفاظ میں ان کے فضل و کمال کی شہادت دی جو اس سلسلے میں شاہ صاحب نے مستعمل رسالہ لکھا ہے جس میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

”ہم نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے حالات کو جانچا ہے، وہ کتاب اللہ کے عالم اور

صلوات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حافظ ہیں، ان میں فتنہ و بدعت کی کوئی بات نہیں ہے

اور جن مسائل میں ان پر اعتراض کیا گیا ہے ان مسائل میں ان کے ساتھ کتاب و سنت اور

اسناد سلف کے دلائل ہیں، ایسا عالم یہ شکل پیدا ہوتا ہے اور جن لوگوں نے ابن تیمیہ پر

اعتراض کئے ہیں وہ ابن تیمیہ کو دسواں حصہ بھی نہیں پہنچتے ہیں“

حضرت شاہ صاحب توحید الاسلام سے اس قدر متاثر ہیں کہ اپنی کتابوں میں صفحات کے صفحات ابن تیمیہ کی کتابوں کے نقل کر دیئے ہیں مگر غالباً اہل زمانہ کے تعصب کی وجہ سے نام لینا قرین مصلحت نہیں سمجھا، راقم سطور نے ”الفتنان“ کے ”ولی اللہ نمبر“ میں ان مقامات کی نشان دہی کی تھی :-

حکیم صاحب نے شاہ ولی اللہ صاحب کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا نام بھی ابن تیمیہ کے

رد کرنے والوں میں لیا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ جو شاہ عبدالعزیز صاحب ایسے وسیع القلب ہوں کہ علامہ ابن حزم ظاہری کی تحقیقات سے نفع اٹھاتے ہوں مثلاً ان کا رسالہ "الستر الجلیل" از اول تا آخر علامہ ابن حزم کی کتاب "الفصل فی الملک و الخلق" جلد ۱ (بحث وجوہ الفضل و المفاعلہ بین الصحابہ) سے مانع ہے جس کا جی چاہے دونوں کو ملا کر دیکھ لے، مگر غالباً تعصب ابن حزم کے باعث ابن حزم کا نام نہیں لیتے ہیں، وہ شاہ عبدالعزیز صاحب اس قدر رنگ دل نہیں ہو سکتے ہیں کہ ابن تیمیہ جیسے محقق جلیل سے بظن ہوں۔

صورت یہ ہے کہ شاہ صاحب کے جس فتویٰ کا ذکر حکیم صاحب نے فرمایا ہے اُنہی سے ظاہر ہے کہ شاہ صاحب نے ابن تیمیہ کے خلاف فتاویٰ میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی اصل کتابوں کو دیکھ کر نہیں بلکہ نقول کی بنیاد پر لکھا ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں، کہ:-

"وہذہ المواضع منقولہ موجودہ عندی" (فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۷۷)

اور ان منقولات کے غیر متعذر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان میں ابن تیمیہ کی طرف وہ مسائل منسوب ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے اسی فتویٰ میں شاہ صاحب نے ابن تیمیہ کی "مناہج السنۃ" کا حوالہ دیا ہے، اور اس کی بعض عبارتوں کو خوش تلبایا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب کے پیش نظر "مناہج السنۃ" نہ تھی، اس کی دلیل یہ ہے کہ شاہ صاحب نے اسی مجموعۃ الفتاویٰ ص ۱۲۷ میں ان کتابوں کو شمار کر لیا ہے جو تحفۃ اشاعرہ پر یہ کی تصنیف کے وقت ان کے پیش نظر نہیں اس فہرست میں منہاج السنۃ (جو اس سلسلہ کی اہم ترین کتاب ہے) کا نام نہیں لیتے ہیں۔

یہ بات بھی لطفت سے خالی نہیں ہے کہ یہی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اپنی کتاب "بستان المحدثین" میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے وسعت علم پر حیرت کرتے ہیں اور اس کو اُمت پر خدا کے انعامات میں سے شمار کرتے ہیں ملاحظہ ہو، منسہر ماتے ہیں:-

"شیخ نقی الدین ابن تیمیہ کے متعلق یہ بات تو اتنے ثابت ہے کہ انھوں نے نوۃ نوح

کی تفسیر ایک سال سے زیادہ بیان کی سبحان اللہ اس اُمت کو "دب زدنی علماء"

لکھنے والے کے صدقے میں کیا وسعت علم نصیب رہائی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے"

(بستان المحدثین ص ۸۹)

سلفہ ناچر مدبر افغان عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی طرف منسوب جو کفر فتاویٰ کا جو مجموعہ چھاپا ہوا ہے جو شخص اُس کو اول سے آخر تک دیکھے گا اُس کو اس میں متعدد ایسے فتوے نظر پڑیں گے جن کی نسبت شاہ صاحب کی طرف وہی کہہ سکتا ہے جو شاہ صاحب کے (بقیہ ص ۱۲ پر)

اب ذرا ابن تیمیہ کی وہ فرد جرم بھی سن لی جائے جو حکیم صاحب نے ابن حجر مکی کی تبعیت میں ان پر عائد فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے :-

”انہوں نے حدیث شذوخال کے سلسلہ میں روضۃ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت کو ممنوع قرار دیا، وہ خدا کے ذہبت اور مجسم ہونے کے قائل تھے، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا سخت تظہیر کرتے تھے، حضرت علیؓ کی تین سو غلطیاں پڑیں، انبیاء کو معصوم نہیں جانتے تھے، توریت اور انجیل کے الفاظ کو غیر حرف مانتے تھے“

اس سلسلہ میں پہلی گزارش یہ ہے کہ کسی کو مجرم اور ملزم قرار دینے کے لئے کیا صرف مخالفین کا نام لے دینا اور جرائم کا گنا دینا کافی ہے؟ بتلایا جائے کہ ان مخالفین نے ابن تیمیہ کے کس مسئلہ سے اختلاف کیا ہے؟ اور وہ مسئلہ ابن تیمیہ کی کس کتاب میں اور کہاں درج ہے؟ اور اگر ابن تیمیہ کے بعض تفردات ہیں تو کیا سلف میں اس بارہ میں ان کا ہم زبان کوئی نہیں ہے؟ اور کیا وہ تفردات ان کے فسق و ضلال یا کفر کا باعث بن سکتے ہیں؟

ہم ابن تیمیہ کو معصوم نہیں مانتے ہیں اور بے شر غلطیوں سے معصوم کے سوا دوسرے کو نجات نہیں دے۔ خوب کہا ہے حافظ ابن حجر شافعی نے، کہ :-

”ابن تیمیہ غلطی بھی کرتے تھے لیکن ان کی غلطیاں صحیح مسائل کے مقابلہ میں کم ہیں اور جہاں ان سے غلطیاں ہوتی ہیں اس میں ان کی پیروی نہ کی جائے گی“

محدث ابن کثیر نے فرمایا، کہ :-

”صحیح مسائل کے مقابلہ میں ابن تیمیہ کی غلطیوں کی مثال ایسی ہے جیسے سمندر کے صفا بلہ میں قطرہ“

(۱) کا بقیہ حاشیہ علمی مقام اور مسائل واقف نہ ہو۔ مثلاً عرض کرنا ہوں کہ اس میں قرون پچھولی چڑھانے جیسے نیم شکرانہ عمل کا مدلل جواز بھی موجود ہے۔ پس اس جو بظن قناعتی پیش شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے متعلق جو سطرین موجود ہیں (رحمہم اللہ) اپنے مضمون میں حکیم صاحب نے دیا ہے، اغلب یہ ہے کہ بعض اور فتوؤں کی طرح وہ بھی شاہ صاحب کی طرف سے تصنیف کر کے اس میں شامل کی گئی ہیں اور اس کے دو قوی قرینے ہیں، اول ”بستان المحققین“ میں شیخ الاسلام کے متعلق شاہ صاحب کا یہ اعتراف و احترام، دو شکر شاہ ولی اللہ رحمہما کا کہ وہ جس سے شاہ عبدالعزیز صاحب نے خبر نہیں ہو سکتے۔ علاوہ ازیں ”قنادلی عربی“ کے بعض فتوؤں کی نسبت شاہ صاحب کی طرف صحیح نہ ہونا علماء محققین کے نزدیک ایک معلوم و مشہور حقیقت ہے۔

۱۔ القول اہل مکہ۔ ۲۔ القول اہل مصر۔ ۳۔ القول اہل مصر۔

کاشش حکیم صاحب نے ابن الاکوسی بغدادی کی ”جلاء العینین“ ہی کے مطالعہ کی زحمت گوارا فرمائی ہوتی تو وہ دیکھتے کہ باریک مصری ٹائپ کی تین سو ساٹھ صفحہ کی اس کتاب میں ابن حجر کی کی اس قسم کی تمام غلط فہمیوں کا کس طرح ازالہ کیا گیا ہے !

محقق اکوسی زادہ اس قسم کے تمام الزامات کے متعلق فرماتے ہیں :-
 ”ان میں سے بعض اعتراضات وہ ہیں جن کا ذکر تک ابن تیمیہ کی کتابوں میں نہیں ہے، بعض وہ ہیں جن کے خلاف ان کی کتابوں میں تصریحات موجود ہیں، بعض غلط فہمیاں“
 اختصاراً ہیں :-

ایک جگہ فرماتے ہیں :-
 ”گذشتہ مباحث سے معلوم ہو گا کہ ابن حجر کی نے جو کچھ ابن تیمیہ کی طرف منسوب کیا ہے ان میں سے اکثر اقوال کی کوئی بنیاد نہیں ہے، اور ان کے نقل کی کوئی سند نہیں ہے۔“
 کتاب کے آخر میں فرماتے ہیں :-

”بعض الزامات جھوٹے ہیں، بعض لازم مذہب ہیں، گو لازم منسوب نہیں ہیں، بعض قبیحا جو حنبلیہ کا مسلک ہے، اور بعض وہ ہیں جو شیخ کے بھتدات میں سے ہیں، اور شیخ نے مزید تہجد کو پہنچ چکے تھے۔“

رسالہ ذرا معلوم ”میں جو اعتراضات منقول ہیں اب ذرا اختصار کے ساتھ ان کا جائزہ لے لیا جائے پہلا اعتراض یہ ہے کہ ابن تیمیہ زیارت قبر نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روکتے تھے، صاحب القول الکی ”کہتے ہیں، کہ :-
 ”یہ بات شہرت پا گئی ہے کہ ابن تیمیہ زیارت قبور کو منع کرتے ہیں، حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے“ (صفحہ ۱)

شیخ الاسلام کا رسالہ ”منارک حج“ آج مطبوعہ موجود ہے، اس میں زیارت قبر مبارک کے آداب تحریر ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ابن تیمیہ کو بعض روایات کی بنا پر شرہ حال سے اختلاف تھا، گو ہم ان سے اس معاملہ میں متفق نہیں ہیں، مگر کیا ابن تیمیہ اپنے اس خیال میں مفرد ہیں؟ اور کیا ان کا یہ اختلاف تفصیل و تکفیر کا باعث بن سکتا ہے؟ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں، کہ :-

”ابن تیمیہ کا زیارت قبر مبارک سے روکنا ثابت نہیں ہے بلکہ وہ بعض روایات کی بنا پر زیارت لینے

دجالی فتنہ اور سورہ کہف

(از: مولانا یونس ناظر حسن گیلانی)

قسط نمبر (۱۸)

”اس شامے میں اس مضمون کی اٹھارویں قسط پڑھناظرین کی جا رہی ہے۔ مولانا نے ایک گرامی نام میں جیسا کہ تحریر فرمایا ہے ابھی اس سلسلہ کی دو ایک قسطیں اور باقی ہیں۔۔۔ اس قسط میں مولانا نے ”یا جوج ماجوج“ سے متعلق اپنے ذہنی آلہ قلمبند فرماتے ہیں، جن کی طرف تران کا ذہن قرآن مجید کے بعض اشارات سے متقل ہوا ہے، یا بعض دوست علمی یا قیاسی ذرائع سے جن کا ان کو شریک لگا ہے۔۔۔ خود مولانا پہلی بعض قسطوں میں تصریح بھی فرما چکے ہیں کہ اس سلسلہ میں وہ جو کچھ لکھ رہے ہیں انکی حیثیت ”تفسیر و تاویل“ کی نہیں ہے بلکہ زیادہ تران کے ذہنی انتقالات ہیں جن سے قرآن پاک میں خود و منکر کرنے والوں کے لئے نئی نئی راہیں کھلتی ہیں، اور دراصل وہی اس مضمون کے اصل مخاطب ہیں۔“

”مدیر“

کچھ بھی ہو ”یا جوج و ماجوج“ کے الفاظ کی نوعیت قرآن کے ان اجمالی الفاظ اور اشارات کی نہیں ہے جنکی تفصیل و تشریح قرائنی مطالب و مقاصد کے سمجھنے اور سمجھانے کیلئے غیر ضروری ہو۔

اہمیت ان الفاظ کی یوں بھی ظاہر ہے کہ سورہ کہف میں ذوالقرنین کے اس قصہ کے سوا، قرآن ہی کی دوسری سورہ الانبیاء نامی میں بھی ان دونوں الفاظ ”یا جوج و ماجوج“ کو ہم اس مشہور آیت یعنی:-

”حتى اذا خفت يا جوج و ماجوج دهم من كل حدب يشامون“ (تا آنکہ جب کھول دیئے جائیں یا جوج و ماجوج ہر حدب سے تیزی کے ساتھ چلیں گے)۔

لے حدب کا ترجمہ میں نے حدب ہی کر دیا ہے، آئندہ اس کی شرح آنے والی ہو۔ کوزہ نشینی کی صفت کو عربی میں حدب کہتے ہیں، (بقیہ صفحہ ۲۷ پر)

میں پاتے ہیں، بلکہ دو مختلف سورتوں کی دو مختلف آیتوں میں ”یا جوج و ما جوج“ کے ان الفاظ کو پا کر بقول حضرت الاستاذ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ”من تبادر لادھام فقط“ (یعنی خواہ مخواہ اس وہم میں لوگ مبتلا ہو گئے کہ دو فقرین کی حکومت کی طرف سے دونوں پہاڑوں کے بیچ میں یہ دیوار جو بنائی گئی تھی، اسی دیوار کو توڑ کر یا جوج و ما جوج نکل پڑیں گے حالانکہ بقول شاہ صاحب :-

ولیس فی القرآن ان هذا الخرد ج
یکون عقیب الاسد کاک متقبلا بل
فیہ وعد باند کاکہ فقط فقد
اندک کما وعد۱۰ اما ان خرد جهم
موعود بعد اند کاکہ بدون فصل
فلاح حرف فیہ -

(فیض الباری شرح بخاری)

(جلد ۴ - ۲۳)

قرآن میں یہ کہیں نہیں ہے کہ یا جوج و ما جوج کے
خروج کا واقعہ دیوار کے ڈھ جانے کے ساتھ ہی
پیش آئے گا، بلکہ دیوار کے ڈھ جانے کا صرف وعدہ
(سورہ کعبہ) والی آیت میں کیا گیا ہے، اور دیوار
حسب وعدہ ڈھ گئی، لیکن یہ بات کہ دیوار کے
ڈھ جانے کے ساتھ اسی وقت بغیر کسی وقفہ کے
یا جوج و ما جوج نکل پڑیں گے، قرآن میں کوئی حرف
ایسا نہیں پایا جاتا جس سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سورہ کعبہ کی آیت جس میں ذوالقرنین نے یہ کہتے ہوئے کہ ”دیوار کی تعمیر میں کامیابی یہ صرف میرے
پروردگار کی ہر بانی ہے، پھر جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا، تو اُس وقت وہی میرا رب اس کو ریزہ ریزہ کرے گا“
یعنی (هذا رحمة من ربی فاذا اجاء وعدہ ربی جعلہ دکاء) اس آیت کا جو ترجمہ اور حاصل ہے، خود ہی اس پر
غور کیجئے اور دیکھئے اس میں کون سا نقطہ ہے جس سے یہ ثابت کیا جاسکتا ہو کہ دیوار کے گرنے یا گرانے اور توڑنے کے بعد
یا جوج و ما جوج نکل پڑیں گے۔

مگر کیا کچھ عوام میں ہی مشورہ ہو گیا ہے، کہ بعد یا جوج و ما جوج کی قوم روزانہ اس کے توڑنے کی
کوشش میں لگی ہوئی ہے، اور آخر میں کسی نہ کسی دن اس کے توڑنے میں وہ کامیاب ہو جائیگی، حالانکہ اسی موقع پر
اسی آیت سے پہلے قرآن ہی میں :-

”فما استطاعوا ان ینظروہ و ما استطاعوا لہ نقبا“ پس وہ (یعنی یا جوج و ما جوج والے) نہ اس پورا پر
چڑھنے ہی کی قدرت رکھتے تھے اور نہ ان کے بس میں یہ تھا کہ اس دیوار میں نقب لگائیں، یعنی سوراخ کریں۔

(طے کا بغیر حافیہ) گو اب سمجھنا چاہئے کہ پانی کے اندر سے زمین کا جو حصہ ابھر کر باہر نکل آیا ہے، ابھار کی وجہ سے کوڑھ بستی کی کیفیت اس میں ہو کہ
پانی جاتی ہے اسلئے اسی کو صوب کہا گیا ہے۔ نیکون کی تفصیل بھی آگے آ رہی ہے۔ ۱۲

اور جب آپ دیکھ رہے ہیں کہ قرآنی الفاظ ہی نے ان روایتوں کی تصحیح کی گنجائش باقی نہیں رکھی ہو، قرآن مجید رہا کہ دیوار میں نقب زنی بھی ان کے بس کی بات نہ تھی، تو پھر اُسی دیوار کے متعلق یہ باور کرنا کہ یا جوج و ما جوج والے اس میں نقب لگانے ہی میں کامیاب نہ ہوئے، بلکہ اس کو دکاء (یعنی ریزہ ریزہ) کر کے رکھ دیا، یہ کچھ سمجھ میں آنے کی بات ہے؟۔

خلاصہ یہ ہے کہ دیوار کا حتیٰ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت پر منہدم ہو جانا، یہ بجائے خود ایک الگ واقعہ ہے جس کی اطلاع سورہ کف میں دی گئی ہے، اور یا جوج و ما جوج کا کھول دیا جانا، یا ان کا خروج جس کی پیشین گوئی سورہ الانبیاء میں کی گئی ہے، یہ دوسرے مستقل واقعہ ہے، اسی لئے ان دونوں واقعات کا ذکر بھی دو مختلف سورتوں میں کیا گیا ہو۔

اس عام غلط فہمی کے ازالہ کے بعد اب میں چاہتا ہوں کہ یا جوج و ما جوج کے متعلق قرآن سے جو معلومات فراہم ہوتے ہیں، ان کو ایک خاص ترتیب کی شکل میں آپ کے سامنے پیش کر دوں، ذیل اس سلسلہ میں معلومات کے دوسرے ذرائع سے بھی کچھ کام لیا جائے گا۔

یہ صحیح ہے کہ سرسری طور پر قرآنی آیات سے گزرنے والوں کو بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرآن نے ”یا جوج و ما جوج“ کے ذکر میں حد سے زیادہ اجمال سے کام لیا ہے، لیکن آپ اگر غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ باوجود اجمال کے پھر بھی قرآن نے اس قوم کے حال کو چار مختلف ادوار پر (PERIOD) میں گویا تقسیم کر کے بیان کیا ہے۔

(۱)

اس سلسلہ میں قرآن مجید پہلے ان کے جس حال سے ہمیں روشناس کرتا ہے وہ اسی سورہ کف کی آیت

ان یاجوج و ما جوج
یاجوج و ما جوج زمین میں بگڑا
مفسدین فی الارض پیدا کرنے والے لوگ ہیں۔

کے الفاظ سے سمجھا جاتا ہے۔ ذوالقرنین دو پہاڑوں کے بیچ میں رہنے والی قوم میں جب پہنچے، تو اس قوم نے ان ہی الفاظ میں ”یا جوج و ما جوج“ والوں کے متعلق ان کے یعنی ذوالقرنین کے دربار میں رپورٹ پیش کی، یہ واقعہ دنیا کے

(۱) کا بقیہ حاشیہ: جہاں تک میرا خیال ہے، علماءوں میں یا جوج و ما جوج کے متعلق زیادہ تر قصے یہودیوں ہی کی کتابوں سے ماخوذ ہیں، اور جب کہ قدیم مکاشفات کا قاعدہ تھا کہ استعلاء کے رنگ میں لوگ مطلب کو میان کیا کرتے تھے، اگر یہ سمجھا جائے کہ یا جوج و ما جوج باہر نکلنے کیلئے باہمی اتفاق و اتحاد کی کوشش میں دن بھر اپنی قوتِ تقریر صرف کیا کرتے تھے، لیکن رات کو جب واپس ہوتے تو اختلافات پر تروتازہ ہو جاتے، دیوار کو زبان سے چاٹ چاٹ کر بتلی بنانے کا مطلب ممکن ہے کہ یہی ہو، اس زمانہ میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ یورپ کی قومیں اپنے منکلات کو کمیشن اور مجلس، انجمن وغیرہ کی تقریروں سے سُن کر کرتی ہیں۔ بہر حال ان یہودی روایتوں کا نہ قرآن ہی ذمہ دار ہے، اور نہ اس کے لانے والے بغیر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحیح بیانات میں ان کا نشاء ملتا ہے۔ ۱۲۔

کس خطہ کا ہے؟ اور کس زمانہ کا ہے؟ عرض کر چکا ہوں اس کا پتہ چلانا آسان نہیں ہے، لیکن واقعہ کمین کا ہو، اور جس زمانہ میں بھی پیش آیا ہو، اتنا تو بہر حال رپورٹ کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں فساد پیدا کرنا یہی اس قسم کی سب سے بڑی خصوصیت تھی ہے اس فساد یعنی فساد پیدا کرنے کے تفصیلات، تو ظاہر ہے کہ فساد عربی زبان کے لفظ اصلاح کا مد مقابل ہے، بنی آدم کے مختلف افراد میں تعلقات کے سلجھانے اور ان سے امن و امان کے ساتھ رہنے کی کوششوں کا نام اصلاح ہے، اسی کے بالمقابل اس قسم کے حرکات جن سے باہم لوگوں میں پھوٹ اور نفاق، لاک ڈائٹ، عداوت و بغض کی چمکاریاں بھڑک اٹھیں، اور ملک کے آبادکاروں میں باہم ایک دوسرے پر اعتماد باقی نہ رہے، ایک دوسرے کی فکریں لگ جائے، جان و مال، عزت و آبرو لوگوں کی خط سے میں پڑ جائے، یہی شکلیں ہیں جن کی تعبیر اصلاح کے مقابلہ میں فساد کے لفظ سے کی جاتی ہے۔

بہر حال یا جوج و یا جوج کی یہ پہلی قومی خصوصیت ہے، قرآن نے ان کی قومی زندگی کے پہلے دور میں اسی خصوصیت یعنی خساد فی الارض (زمین میں لگاڑ پیدا کرنے) کی نشاندہی کی ہے۔

(۲)

دوسرا دور (PERIOD) وہ ہے جب ذوالقرنین نے اپنی سانٹفک دیوار قائم کر کے دوسری قوموں تک ان کی رسائی کی راہ بند کر دی تھی، قرآن نے اس دور کے حال کی تعبیر

و تکتنا، بعضہم یومئسین اور چھوڑ دیا ہم نے بعض انکے بعض
یموج فی بعض ————— کے ساتھ موج مارنے لگے ————

کے الفاظ سے کی ہے، جس کا مطلب یہی ہو کہ غیر قوموں کے مقابلے میں تو خساد فی الارض (زمین میں لگاڑ پیدا کرنے کی) کاروائیوں کو وہ اختیار کرتے تھے، لیکن غیروں سے رخ جب ان کا دیوار بن جانے کی وجہ سے پھر گیا، تو آپس ہی میں باہم

سے بعض مفسرین نے قرآن ہی کی ایک دوسری آیت یعنی اذ اتولى سعى فی الارض لیسفد فیہا ویہلک الحورث والنسل (جب وہ پیٹھ پھیرتا ہے تو دوڑتا پھرتا ہے زمین میں تاکہ فساد پیدا کرے اس میں اور برباد کرنا پھرنا ہے کھیتوں اور بوٹیوں کو) اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جوج و جوج والوں کا دیر ہو یہی تھا کہ کھیتوں اور بوٹیوں کو برباد کرتے تھے، گویا مفسدین فی الارض ہونے کی خبر یا جوج و جوج والوں کے متعلق جو دی گئی ہے اس کا یہی مطلب تھا، لیکن کھیتوں اور بوٹیوں کے برباد کرنے کا ذکر تو مذکورہ بالا آیت میں خساد فی الارض کے جرم کے بعد کیا گیا ہے، جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کھیتوں اور بوٹیوں کے برباد کرنے کے جرم کے سوا خساد فی الارض والوں کو جرم بنی علیحدہ مستقل نوعیت رکھتا ہے، اور وہ بھی اصلاح اور بنی آدم کے باہمی تعلقات کے سلجھانے کے مقابلہ میں ان کے تعلقات کو لگاڑ لگانا، امن و امان اور باہمی استمداد کے اطمینان کی زندگی کو برباد کرنا جو ملتا ہے، قرآن ہی میں دوسری جگہ ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جن میں اپنی برتری اور علو کا غلط سمجھنا ہے (بقیہ صفحہ پر)

ایک دوسرے کے ساتھ ایسی زندگی گزارنے لگے، جسے قرآن نے خاص الفاظ یعنی بعضہم یوحیٰ فی بعض کے ذریعہ ادا کیا ہے، اس میں ان کے تعلقات کی کس نوعیت اور کیفیت کی تعبیر ہے؟ غیروں سے یا یوں ہو جانے کے بعد یا بوج و ما بوج والے زندگی کے اس دور میں لڑتے بھڑتے اور باہم دست و گریبان رہتے تھے۔ اس مضمون کے ادا کرنے کے لئے عربی زبان میں بیسیوں تعبیریں مل سکتی تھیں۔

اسی طرح میل ملاپ یا ہمبازی اور دو مواساتہ موانست کی زندگی کی تعبیر کے لئے بھی اس زبان میں الفاظ کی کمی نہ تھی لیکن تعبیر و بیان کے ان دونوں طریقوں کو چھوڑ کر قرآن نے بعضہم یوحیٰ فی بعض کے الفاظ جو یہاں استعمال کئے ہیں واضح طور پر ان دونوں حالتوں میں سے کسی ایک خاص حالت کو متعین کرنا دشوار ہے۔

لفظ موج کے لفظ سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ تلاطم اور طوفان کے وقت سمندر اور دریا میں موجوں کی جو کیفیت ہوتی ہو، یعنی سمندر کی سطح بجائے ساکن کے صرف لرزش و اضطراب، بے چینی اور بے قراری کی تصویر بن جاتی ہے، اور لامحدود بے شمار موجیں اٹھ اٹھ کر ایک دوسرے کو دھککتی ہی چلی جاتی ہیں، اور اسی طرح ہر پھلپلی موج اگلی موج کو آگے بڑھاتی ہی چلی جاتی ہے۔ ہم ان موجوں کے متعلق یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان میں ایک دوسرے پر چڑھ جانا بھی چاہتی ہے، اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان میں ہر ایک کی ہمتی دوسری کی ہمتی سے وابستہ ہی ہے، اور ایک دوسرے کو آگے بڑھنے اور بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتی بھی چلی جاتی ہے، آپس میں موجیں ایک دوسرے سے گویا لڑتی بھی ہیں، لیکن ان میں ہر ایک کی ہمت کی ضامن بھی باہم ہی موجیں، اور ان کے فوجی تعلقات ہی ہوتے ہیں۔

الغرض بعضہم یوحیٰ فی بعض کے الفاظ سے صرف یہ مطلب نکالنا کہ غیروں سے ہٹ جانے کے بعد یا بوج و ما بوج والے باہم ایک دوسرے سے لڑتے بھڑتے ہی رہتے تھے، یا اس کے بالمقابل یہ سمجھنا کہ جیسے سمندر کی موجوں کا وجود باہم ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ و ہم رشتہ رہتا ہے، اور ہر موج دوسری موج کو آگے بڑھاتی ہے، اسی طرح یا بوج و ما بوج والے بھی آپس میں بجائے دست و گریبان رہنے کے ایک دوسرے کے ساتھ چلی دامن کا تعلق رکھتے تھے، یعنی غیروں میں تو بجائے اصلاح اور سنوار کے فساد اور بگاڑ پیدا کرتے تھے، لیکن آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مل جلے باہم ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالنے زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ ان دونوں مطالب میں سے کسی ایک مطلب کے ساتھ قرآنی الفاظ اور تعبیر کو محدود کر دینا غالباً صحیح نہ ہوگا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا اگر یہی سمجھنا تاثر ان کا مقصود تھا، تو ان دونوں مطالب میں سے ہر ایک کی تعبیر کے لئے

۱۔ دھاکا بقیہ حاشیہ) انکی طرف بھی خدایہی کے جرم کو منسوب کیا گیا جو فرمایا گیا ہے: "تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عِلاَاقَ
الدُّنْيَا بَلَاغًا لِّدَعْوَاهُمْ اَلَّذِينَ هُمْ عَنْ حُرُمَاتِ اللَّهِ لَقَدْ جَاءَهُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَبِّهِمْ اَلَّذِينَ هُمْ عَنْ حُرُمَاتِ اللَّهِ لَقَدْ جَاءَهُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَبِّهِمْ اَلَّذِينَ هُمْ عَنْ حُرُمَاتِ اللَّهِ لَقَدْ جَاءَهُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَبِّهِمْ"۔

عربی زبان میں جیسا کہ جاننے والے جانتے ہیں، سرمایہ کی کیا کمی تھی؟ پھر جب ان ساری تعبیروں کو ترک کر کے ایک مخصوص تعبیر سے موقع پر قرآن میں جو اختیار کی گئی ہے، ہمیں اس کی مصلحت سے چشم پوشی نہ کرنی چاہئے، اور لا پرواہی سے کام لیتے ہوئے ان دونوں مطالب میں سے کسی ایک مطلب کا سرسری ذکر کر کے آگے بڑھ جانا قرآنی الفاظ کی ناقدری ہوگی۔ ہمیں اس ذمہ داری کو محسوس کرنا چاہئے کہ خالق کائنات کے کلام پر ہم غور کر رہے ہیں، ہر بولنے والے آدمی کے کلام پر اس لاہوتی کلام کو قیاس کرنا مناسب نہ ہوگا۔

سوال یہی ہوتا ہے کہ پھر ان الفاظ کا مطلب کیا سمجھا جائے؟ ظاہر ہے کہ موج کا لفظ سمندر اور دریائی متلاطم سطح اور اس پر ابھرنے والی موجوں کی جس تصویر کو بے نقاب کر رہا ہے، اسی تصویر کو ہم اپنے سامنے رکھ کر قرآن جو کچھ سمجھنا چاہتا ہے اُسے کیوں نہ سمجھیں، کوئی مانے مانے لیکن فقیر کا ذہن تو یہی باتا ہے کہ غیروں سے ہٹ جانے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے اس دور میں یا جوج و ماجوج کی قوم کی زندگی صرف اضطراب اور بے قراری، ہنگامہ اور لرزش و جنبش بن کر رہ گئی تھی، ایسے مشاغل میں وہ مبتلا تھے جن میں صبح و شام، شب و روز، گٹ دو، دوڑ دھوپ، آمد و رفت، چلنے بھرنے، دوڑنے بھاگنے کے ہنگامے ہی برپا رہتے ہیں۔

یہ تو ان کی عام زندگی کا غالباً نقشہ تھا، اور باہم اس قوم کی مختلف ٹولیاں ایک دوسرے کے ساتھ ابھی بھی رہتی تھیں، لیکن اسی کے ساتھ ان میں کوئی ٹولی دوسری ٹولی کو کلیتہً ختم کرنے کا بھی فیصلہ اسلئے نہیں کر سکتی تھی کہ اس میں خود اپنے وجود کے اختتام کا خطرہ اس کو محسوس ہوتا تھا، کچھ حالات اس قوم کے ایسے تھے کہ نہ ایک دوسرے سے کلیتہً الگ ہی ہو سکتے تھے، اور نہ ان میں کوئی دوسرے ٹوٹ کر یا جدا ہو کر فنا ہونے ہی کے لئے تیار تھا، گویا ان میں وہی تعلقات قائم تھے جو باہم دریائی موجوں میں ہوتے ہیں، بایں طور کہ باہم ایک دوسرے کو ڈھکیلے بھی رہتے تھے، لیکن اسی کش مکش میں ارادی یا غیر ارادی طور پر ایک کو دوسرے آگے بڑھ جانے میں مدد بھی مسلسل ملتی چلی جاتی تھی۔

اسی کے ساتھ میرا وہ بیان بعضہم بعضہم عموماً فی بعض کے الفاظ سے کچھ ادھر بھی جاتا ہے کہ بعضی و بعضی یعنی باخود ہا یا جوج و ماجوج کی تقسیم بھی محدود نہ تھی، بلکہ موجوں کا جو حال ہوتا ہے کہ ان کو کوئی گنا چاہے تو گن نہیں سکتا، ان میں بڑی موجیں بھی ہوتی ہیں اور بچھوٹی بھی، کچھ ہی حال معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے اس دور میں ان کا ہو گیا تھا، کہ ان گنت، بے شمار ٹولیوں میں وہ بٹے ہوئے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ غیروں میں توفاد اور لگاڑ پیدا کرنا یہی یا جوج و ماجوج والوں کا شیوہ تھا، اور خود باہم ایک دوسرے کے ساتھ موجی تعلقات رکھتے تھے۔

اب تک قرآن کی دو اطلاعوں سے اس قوم کی ان ہی دو خصوصیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ باقی ان کی زندگی کے

دوسرے دور کو بیان کرتے ہوئے شروع میں ترکنا (بھٹو دیا ہم نے) کا لفظ جو پایا جاتا ہے کیا اس سے بھی کسی خاص واقعہ اور یا جوج و ما جوج والوں کے متعلق کسی خاص پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یا جوج و ما جوج والوں کے متعلق اتنی بات تو بہر حال اجتماعی ہے کہ یہ لوگ نہ دیوزاد ہیں اور نہ ان کا تعلق جن وغیرہ جیہتیوں سے ہے، بلکہ حضرت آدم علیہ السلام ہی کی اولاد میں بالاتفاق ان کو بھی شمار کیا جاتا ہے۔ بعض ناقابل اعتبار روایتوں میں کچھ اس قسم کا اشارہ پایا جاتا ہے جس سے سمجھا جاتا ہے کہ ان کی طرف سے حضرت حق پر یا جوج و ما جوج کی نسل ختم نہیں ہوتی، بالفاظ دیگر دادیہال تو ان کی وہی ہے جو عام انسانی نسلوں کی ہے، لیکن ناپائمال میں کچھ فرق پیدا ہو گیا ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ سائے قصے سب تخمینی ہیں، اور کوئی فیصلہ قطعی ان معاملات میں دشوار ہے تاہم یا جوج و ما جوج کے متعلق رطب و یابس روایتوں کا جو ذخیرہ کتابوں میں پایا جاتا ہے، اسی میں ایک روایت کے اندر یہ الفاظ بھی ملتے ہیں:-

یا جوج و ما جوج سہریکین فیہم صدیق
یا جوج و ما جوج میں نہ کبھی کوئی "صدیق" ہوا، اور
قطرہ کیون ابدا۔
نہ بھی ہوگا۔

۴۳ - ضمیمہ (درمنشور)

"صدیق" ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ سے خصوصی تعلق رکھنے والوں کے ایک خاص طبقہ کی قرآنی تعبیر ہے حضرت یوسف علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کے لئے بھی اسی صدیق کے لفظ کو قرآن نے استعمال کیا ہے، ہر قسم کے شکوک و شبہات سے جس کی تصدیق اور جس کا یقین کلیتہً پاک ہو، بظاہر صدیق اس کو کہتے ہیں۔

بہر حال "ترکنا" (بھٹو دیا ہم نے) کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے اس دور میں جب وہ سراپا مضطرب،

ملہ یہ میرا نہ ذاتی خیال ہے اور نہ میری اپنی تلاش ہوئی کوئی تعبیر، بلکہ حضرت شیخ اکبر نعمی الدین بن عربی (رحمۃ اللہ علیہ) کے الفاظ سے خیال بھی اور تعبیر بھی ماخوذ ہے، فتوحات کبریٰ میں انھوں نے لکھا ہے، "ابن جریر نے "فتح الباری" میں بھی اس کو بایں الفاظ نقل کیا ہے کہ: یا جوج و ما جوج من اولاد آدم کا من جواد عند جماہد العلماء (۳۳۳) ملہ فتح الباری - لفظی ترجمہ جس کا یہ ہے کہ یا جوج و ما جوج والے آدم کی ایسی اولاد ہیں جو خدا سے پیدا نہیں ہوئی ہے۔ شیخ نے اسی کو جہو علماء کا خیال قرار دیا ہے، ابن جریر کو ان کے اس دعویٰ پر تعجب ہوا ہے، لیکن العلماء سے مراد علماء کشف و شوق ہوں، توحش کے کلام کی توجہ کی ایک صورت پیدا ہو سکتی ہے، خود خاک رکھنا کشف و شوق سے تعلق نہیں، لیکن بعض روایاں خود اس کو بھی کچھ سیٹی کھایا گیا تھا، اور اسی لئے علماء کا مطلب میری سمجھ میں یہی آتا ہے کہ علماء رسوم مراد نہیں ہیں، آگے بھی اپنے اس خواب کے بعض جزاء کسٹن اشارہ کر دیا گیا۔

اور ہم تن حرکت و گردش بن کر رہ گئے تھے، قدرت نے بھی اُن کو چھوڑ دیا تھا، اور آسمانی راہ نمائی نے انکی دنگیری نہیں کی، اسی لئے ان کی تاریخ کا یہ عہد نبوت و رسالت اور ان کے آثار سے بالکل خالی ہو گیا، اور اسی قوم یا امت جو آسمانی راہ نمائی کی روشنی سے محروم ہو، مجبور ہے کہ اپنی شخصی، خاندانی، قومی، عام انسانی تعلقات کے لحاظ سے اپنے آپ ہی قوانین بنائے، قدرت کی چھوڑی ہوئی، یا ستر وک اللہ قوم، خود سوچنے کے سوا اور کر ہی کیا سکتی ہے۔

۱۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے عہد کے مشروط طوفان کا ذکر فرماتے ہوئے قرآن میں ہے ”وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ“ ترجمہ نوح ہی کی نسل کو باقی رہنے دیا، اس سے سمجھا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی موجودہ نسل کو نسب نامہ نوح علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے، لیکن قرآن ہی کی سورۃ ہود میں یہ آیت بھی ملتی ہے یعنی ”قُلْ يَا اُولَآئِیْہِ السَّلَامُ اٰھِبُوا صِلٰتِیْ عَلَیْکُمْ وَاَعْلٰی اٰمِنِیْمْ مَعْلٰتِیْ“ و اعم سلفکم ثم عیشکم متاعا عذاب اللہ (یعنی کیا گیا کہ لے نوح اتر جا سلامتی ہو تیرے ساتھ میری جانب سے اور بدترین تعبیر بھی یوں اور ان بتوں پر بھی ہوں جو تیرے ساتھ ہیں، اور کچھ امتیں ہیں جنہیں آئندہ زمانہ میں ہم متاع اور سرمایہ بخشیں گے، پھر ان کو کچھ دے گا ہماری طرف سے دردناک عذاب) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام کو امتیں جو ان کے ساتھ تھیں، اُن کے سوا بھی کچھ امتیں ایسی ہیں جنہیں آئندہ زمانہ میں دنیاوی مال و متاع سے استفادہ کا موقع دیا جائے گا، پھر ان کو عذاب کپڑے گا جس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ ان لوگوں کو جو کچھ دیا جائے گا اس سے غلط کام لیں گے۔ بہر حال قرآن کی دونوں آیتوں کو پیش نظر رکھ کر اگر سمجھا جائے کہ بقاء کی خبر نوح کی ذریت ہی کے متعلق ہو دی گئی ہے، یہ ان لوگوں کی حد تک محدود ہے جن کی طرف نوح علیہ السلام مبعوث تھے، گویا یہ سمجھا جاتے کہ اُن لوگوں میں صرف نوح علیہ السلام کی ذریت ہی طوفان سے بچ کر رہ گئی، اور آئندہ زمانہ میں مال و متاع کا وعدہ جن کے متعلق قرآن میں کیا گیا ہے، یہ دوسرے لوگ تھے۔ اس موقع پر مذکورہ بالا آیت کے بعد فرمایا گیا ہے کہ یہ غیب کی خبریں ہیں، نہ تم ہی ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم ہی میری وحی کرنے سے پہلے ان سے واقف تھی، یعنی ”ذٰلَکَ مِنْ اٰیٰتِ الْغَیْبِ نُوْحِیْہَا اِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُ اَنْتَ وَآلُکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُ“ من قبل هذا کا جو خلاصہ ہے، یہ قصہ بھی قابل توجہ ہے، نوح علیہ السلام کے قصے سے جبکہ معلوم ہے اور جاہلیت کے کلام سے بھی پتہ چلتا ہے کہ عرب کے باشندے واقف تھے، جب یہود و نصاریٰ سے ان کے تعلقات تھے تو ناواقف رہنے کی وجہ یہی کیا ہو سکتی ہے، خصوصاً طوفان کا قصہ ایسا قصہ ہے جس کا ذکر کسی نہ کسی شکل میں دنیا کی تمام قوموں میں پایا جاتا ہے، حتیٰ کہ امریکہ والوں میں بھی اور گناہم جزائر کے باشندوں میں بھی، ایسی صورت میں قرآن کا یہ دعویٰ کہ تم ہی واقف تھے نہ تمہاری قوم، اس کا تعلق نظائر خبر کی مجموعی حیثیت سے معلوم ہوتا ہے، خصوصاً یہ خبر کہ نوح کے ساتھیوں کے سوا بھی کچھ امتیں ہیں جنہیں آئندہ دنیا سے استفادہ کا موقع دیا جائے گا۔ یہ قطعاً نئی خبر ہے، قرآن ہی میں سب سے پہلے اس ہم پائے ہیں، اب اسی کے ساتھ سورۃ الحدید کی اس آیت میں نور کیجئے، یعنی: ”لَقَدْ اٰدٰسَلْنَا نُوحًا وَاٰبِرٰہِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذٰلِکَ بَیِّنٰتٍ لِّلنَّبِیِّۃِ وَاَلَّا تُشَآبَ“ (ہم نے نوح کو اور ابراہیم کو رسول بنایا اور ان ہی دونوں (نوح و ابراہیم) کی نسل کو نبوت اور کتاب ہم نے دی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام کی نسل میں جو امتیں تھیں اُن کو نبوت اور کتاب سے محروم رکھا گیا، گویا تمنا کے (بقیہ صفحہ ۳۵ پر)

بہر حال عام طور پر تو معورہ ارض پر پھیلی ہوئی انسانی نسلوں کی موروثی روایتوں اور تاریخی شہادتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عام معاشی ضرورتوں کی فراہمی کے لئے جہاں ان کو حواس (مبنائی شنوائی وغیرہ کی قوتوں) اور ان جسمی و ادراکی قوتوں کے معلومات کے استعمال کے واسطے عقل دی گئی ہے، ان ہی کے ساتھ بنیادی سوالات زندگی کے متعلق انسانی فطرت میں جو پیدا ہوتے رہتے ہیں، یعنی ہم کہاں سے آئے ہیں، کہاں جا رہے ہیں، اور یہاں ہمارے آنے کی اور چند دن کے قیام کے بعد روانہ ہو جانے کی آخر غرض کیا ہے، یعنی وہی اجتراء، انتہاء، وجہ کے مدعا کے سوالوں کے جواب کا علم عقل و حواس کے سوا ایک اور عقلی علمی ذریعہ (وحی و نبوت) کی راہ سے عطا کیا گیا ہے۔

لیکن اگر کسی اُمت یا قوم کی تاریخ علم کے مستقل ذریعہ کے ذکر سے خالی ہے، اور یہی لئے زندگی کے مذکورہ بالا بنیادی سوالوں کے متعلق قطعی فیصلہ کے علم و یقین سے اپنے آپ کو وہ محروم پاتی ہے، تو واقعہ یہ ہے کہ اس کے سوا اور گنجائش ہی کس بات کی تھی، ایسا آدمی جو مبنائی کی قوت سے محروم ہو، اگر روشنی کے متعلق صحیح علم اپنے اندر نہیں پاتا، تو آخر وہ بیچارہ کرے کیا؟۔ ہر چیز کے جاننے کا قدرت ہی نے ایک خاص ذریعہ مقرر فرما دیا ہے، آواز کو ہم آنکھوں سے، یا

دھڑکا کا بقیہ حاشیہ) جن نفاذ میں جو اشارہ یہاں پایا جاتا ہے، ہم اس اشارے کو ان تفصیلات سمجھ سکتے ہیں، باقی نوح کے سوا کچھ نہیں جو انہیں قرآن کے رو سے آئندہ زمانہ میں قیامت کا موقع جن کو ملنے والا تھا، اس کے متعلق کچھ اشارے بائبل میں ملتے ہیں۔ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں قابیل اور قابیل (قائن) میں جیسا کہ معلوم ہے قائن (قابیل) نے بائبل کو مار ڈالا کرتے ہیں کہ بائبل نامی بت عرب میں جو چوچا جاتا تھا وہ اسی بائبل کی مورتی تھی۔ واللہ اعلم، بہر حال قائن کے متعلق بائبل میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے قائن کو زمین کا نعمتی قرار دیا، تب قائن نے کہا کہ میرا میری برداشت سے باہر ہے، اور بولا کہ: ”دیکھ آج تو نے مجھے زمین سے نکال دیا ہے، میں تیرے حضور سے روپوش ہو جاؤں گا“ (پیدائش ۴: ۱۲) ظاہر ہے کہ زمین سے مراد زمین کا وہ آباد حصہ ہی ہو سکتا ہے جہیں عام آبادی آباد تھی، اور طوفان نوح میں بظاہر یہی زمین وائے آدمی بجز ذریعہ نوح کے ہلاک ہو گئے، اور قائن، روپوش ہو کر زمین کے ایسے حصوں میں جا کر چھپ گیا جو نوح انسانی سموتوں سے خالی تھیں، پھر آگے بائبل میں بیان کیا گیا ہے، ”لکن نوح نامی ملائقہ قائن جابسا“، واللہ اعلم یہ تو کس علاقہ کا نام ہے، اسی واقعہ پر یہ بھی ہے کہ ”قائن خدا کے حصہ سے نکل گیا“، پھر بائبل میں اطلاع دی گئی ہے کہ ”قائن اپنی بیوی کے پاس گیا وہ حاملہ ہوئی“، یہاں یہ پیچیدہ سوال ہے کہ جب وہ اُس جہاں سے روپوش ہو گیا جہاں آدم اپنی اولاد کے ساتھ تھے، تو قائن کی حکومت کس سے ملی، نسل انسانی کی سموت تک پہنچی نہ تھی، اور جس علاقہ میں آدم تھے، جی علاقہ تک محدود تھی، غیر قائن کا بیٹا لکھا ہے کہ مونک نامی پیدا ہوا، و جن کو کچھ چھٹی پشت میں لکت پیدا ہوا، لکت نے دو عورتوں سے نکاح کیا، ہر ایک سے بائبل میں لکھا ہے ایک ایک بیٹا لکت کے پیدا ہوا، جن میں ایک مینا میں اور بائبل میں نے والوں کا باپ تھا، اور دوسرا مینا تیز تھیا روں کا بنانے والا تھا، جی تھیا روں بنانے والے کا نام تو بائبل میں بلقان بتایا گیا ہے، گویا گانا بنانا، اور مرد کم کشی کے آلات کے موجد قائن ہی کی اولاد تھی، مشرق سے مغرب کی طرف جانے والوں کو بلقان نامی علاقہ سے گزرنا پڑتا ہے، یہ ساری باتیں قابل توجہ ہیں۔ ۱۲۔

رنگ کو ہم کانوں سے جاننا چاہیں گے، تو کیا اس میں کا میاب ہو سکتے ہیں، پھر زندگی کے بنیادی سوالوں کے حل اور ان کے جوابات کے جاننے کی جو قدرتی راہ ہے یعنی وحی و نبوت اس سے محروم رہ کر صرف حواس و عقل کے زور سے کوئی قطعی غیر مشکوک فیصلہ ان سوالوں کے متعلق اپنے اندر کیسے پاسکتا ہے۔ روایتوں میں جو آیا ہے کہ "ان میں نہ کبھی کوئی حقیقی ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا" اس کا مطلب یہی تو ہے، صدیق کے معنی یہی ہیں کہ ان بنیادی سوالوں کے جوابوں کا ایسا غیر مشتبہ یقین و علم اس کے اندر پایا جائے، جو ہر قسم کے شکوک و شبہات کی آلائشوں سے پاک ہو۔ اور ان جوابوں کے علم و یافت کی جو قدرتی راہ ہے، اس سے محروم رہ جانے والوں کے لئے اس علم و یقین تک رسائی کی آخر شکل یہی کا ہے عقل کے زور سے اس کو پانا بھی چاہیں گے، تو ان کی مثال اُس بہرے کی ہوگی، جو سونگھ کر، یا چھو کر آواز کے سننے کی کوشش کر رہا ہو۔

باقی ایسی قوم یا قومیں دنیا میں کبھی پائی گئی ہیں، یا اب بھی پائی جاتی ہیں، اس کے لئے چاہئے کہ نتائج کا مطالعہ کیا جائے، اور موجودہ قوموں کی قومی روایات کا جائزہ لیا جائے۔

البتہ اس موقع پر یہ ایک مقبول سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم و یقین کے ایسے ناگزیر، اور اہم ترین ذریعے محرومی کی اس مہیب، ہولناک، انجام سوز، عاقبت گذار سزا کی مستحق یہ قوم کس جرم اور قصور کی وجہ سے قرار پائی؟ جس کا نتیجہ یہ ہے، اور اس کے سوا ہو ہی کیا سکتا تھا کہ زندگی کا یہ سلا سفر بے معنی بلکہ یا گلوں کا سفر بن کر رہ جاتا ہے، گویا کسی ایسے مسافر کا سفر ہے، جو نہ یہ جانتا ہے کہ وہ کہاں سے آ رہا ہے، اور نہ اسی سے واقف ہے کہ کہاں جا رہا ہے، اور یہ کہ کس لئے وہ چل رہا ہے، اس سے بھی آگاہ نہیں ہے، مگر پھر بھی چلا ہی جا رہا ہے، بلکہ پچ پوچھتے تو عالم کا یہ سارا نظام ہی صرف دیوانے کا ایک لا حاصل خواب پریشاں بن کر رہ جاتا ہے کسی حقیقی نقص، یا اصل سرشت میں کوتاہی کے دعویٰ سے

سلہ ہمارے بزرگ، جامعہ تہذیب کے نبراستاؤ، فاضل علامہ مولانا عبدالباقی صاحب ندوی فرماتے تھے، کہ یورپ کی قوموں کی تاریخ کا مطالعہ ان کی نظر میں نہ کیا ہے، ہجرت ہوتی ہے کہ کسی زمانہ میں ہم اس قوم کے اندر نبوت و وحی کا ذکر نہیں پاتے، بعد کو باہر سے جب عیسائی مذہب ان میں آیا تو چاہتے تھا کہ اب وہ ظلم کے اس خاص ذریعہ سے ناپس ہو جائے، لیکن بجائے اس کے وحی و نبوت کی تشریح کے ایسے پیرایہ پر ہر دلیل کی طرف سے کیا جا رہا ہے، جس کا اصل سبب یہ ہو سکتا ہے کہ ظلم کے نام ذرائع عقل و حواس ہی کے پھیلے ہیں اس کو بھی گم کر دیا جائے، یا پھر وہم و گمان کی تباہی و فساد جیسے دماغی امراض کے ذیل میں وہ شریک ہو جائے۔ ۱۰

سلہ مطلب یہ ہے کہ وحی و نبوت کا نوس و مانوس ہونے کے لئے بنی فطری رجحانات کی ضرورت ہے، ان ہی سے گویا یہ قوم خالی ہے، پھر بکروں، یا بیلوں کو جیسے نہیں سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ کسی چیز کا نام ہے، یا نبوت و رسالت سے کیا مطلب ہے، یہی حال اس قوم کا بھی ہے، پچھلے ایک فنٹ نوٹ کی وہ بات یاد ہوگی کہ قاضی (قاضی) جب رشے زمین سے نکالایا، اور اکرم علیہ السلام سے روپوش ہوا، اور خدا کے حضور کھل گیا (تہذیب ص ۲ پر)

اس کی توجیہ اولاً آسان نہیں ہے، اور اس قسم کی فطری کوتاہیوں کا اقرار بھی کر لیا جائے، تو آگے بڑھ کر کچھ اور ہی سوال اُپس ہو جاتا ہے کہ قدرت نے انسانی نسل میں پیدا کر کے اس کو تا ہی کو ان میں اپنی کیوں رہنے دیا۔

بلکہ اصل یہی ہے کہ بنی آدم کے سارے نوعی اقتضاؤں کو جب ہم ان میں پاتے ہیں، وہ بھی اسی طرح دیکھتے ہیں جیسے انسانوں کی ساری دوسری نفسیں دیکھتی ہیں، اسی طرح سُنتے ہیں، جیسے سب سُنتے ہیں، اسی طرح سوچتے ہیں جیسے سب سوچتے ہیں۔ ان ہی چیزوں کی ضرورت وہ بھی محسوس کرتے ہیں، جن کی ضرورت سب محسوس کرتے ہیں۔

الغرض اندر ہو، یا باہر پانے والوں نے جب سب کچھ ان میں بھی پایا ہے، جو کچھ دوسروں میں پایا جاتا ہے، یا پایا جاسکتا ہے، تو پھر کوئی وجہ نہیں ہو سکتی، وہی وجہ موت سے ان کی پروائیوں اور ان کی اہمیت و توجہ کو جبلت کے کسی نقص یا کوتاہی کا نتیجہ قرار دیا جائے، بلکہ یقیناً اس میں ان کے ارادی عینان اور سرکشی کے ان احساسات کو دخل ہے جنہیں بے پکار نہ مبالغہ کے انتہا کرنے ان میں پیدا کر دیا ہے۔

کسی مجازاتی و مبالغہ خانی جملہ جہاں ہر وقت نگران قوت کے حضور کا خیال ان کی من مانی خواہشوں، اور غنا گینتہ انگلوں اور امانوں کے لئے ناقابل برداشت تھا، گریز کی واحد منطق بھی ہو سکتی تھی کہ جس ذریعے اس قوت کی نگرانی و حضور کا دباؤ انسانی فطرت محسوس کرتی ہے، اسی سے انجان بن جانے کی ذہنیت کی پرورش میں اتنا مبالغہ کیا جائے کہ کوئی اس کا مطلب سمجھنا بھی چاہے تو سمجھنے سے اپنے آپ کو معذور بنایا جائے۔

الغرض سارے انسانی اقتضاؤں کے اشتراک کے ساتھ ساتھ اچانک انسانی فطرت ہی کے اسی ایک خاص اقتضاء کے ساتھ ان کا یہ برتاؤ کسی منظر اور بے چارگی کا نہیں، بلکہ ان کے اختیار و ارادہ کی غمازی کر رہا ہے،

(دھڑکا کا بقیہ حاشیہ) اور پوشی کے اس زمانہ میں عورت کے پائے کا امکان یقیناً اُس کے لئے باقی نہ رہا تھا، مگر بائبل میں خبر دی گئی ہے کہ وہ عورت کے پاس گیا، وہ حاملہ ہوئی، اور اسی سے قاش کی نسل جاری ہوئی، یہ عورت اس کو کہاں ملی؟ میں تو اس کو خواب و خیال ہی سمجھتا ہوں کہ بجائے انسانی عورت کے بندروں کی اسی مادہ سے جو انسانوں سے ٹکڑا، صورت زیادہ قریب تھی اسی سے قاش کی نسل کنی کا کام لیا، لیکن کیسا کہا جائے کہ دیکھنے والوں کو کچھ اسی قسم کا خواب دکھایا گیا ہے، تنہائی کے بدل جانے کی وجہ سے قاش کی اُمید فسلوں میں کچھ کو نمایاں فطرۃ گوین، مگر ایک فائدہ بھی ہو کہ غیبیہ کلیتہً منطق ہو کہ صرف عالم محسوس ہی میں ان کی ساری نوائیاں جذب ہو گئیں، لگانے بجانے کے آلات اور مردم کشی کے اوزار کی ایجاد کا سہرا غالباً اسی ایک سوئی کی بدولت ان کے سر بندھا، (واحد عالم باصطوب) اسی لئے شاید پچھلے دنوں یورپ میں پختہ بلند ہوا کہ انسانی شجرہ نسب کی انتہا منس کے روسے بندروں پر ہوئی ہے، یوں بھی لوگ کہتے ہیں کہ خیر کو خیر کہہ کر ایک وقت گھوٹے کیسا تھ گھرے کی، اوگھرے کیسا تھ گھوٹے کی صورت بھانکنے لگتی ہے۔ اس طرح بعض خاص نسلوں کے افراد کو کچھ کر عوام کے دل میں آدمی کیساتھ بندروں کا اور بندر کیسا تھ انسان کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا وغیرہ الفاظ سے اپنے اس احساس کا عوام کو اطلاع دیتے رہتے ہیں۔

جان سکتے ہیں، لیکن نہ جاننے کا فیصلہ ہی کر کے جو بیٹھ گئے ہوں ان کے جاننے کی صورت ہی کیا باقی رہتی ہے۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کے قومی مزاج کے اسی طاغوتی فیصلہ نے ان کو وحی و نبوت سے محرومی کی سزا کا
سزاوار ٹھہرایا، جب وہ طے ہی کئے ہوئے تھے کہ ہم نہیں بنیں گے تو سنانے والوں کو ان میں بھیجے گا حاصل ہی کیا ہوتا۔
خلاصہ یہ ہے کہ گو ”ترکمان“ کے قرآنی لفظ کو چنداں اہمیت نہیں دی گئی، چنداں کیا معنی؟ سوال ہی نہیں
اٹھایا گیا کہ اس خاص لفظ کو قرآن نے اس موقع پر کیوں استعمال کیا ہے، اسی لئے اس اجمال کی تفصیل میں مجھے
ذرا زیادہ دراز نفسیوں سے کام لینا پڑا، ورنہ پہلے سے کتابوں میں اس کے متعلق اگر کچھ مواد موجود رہتا، تو چند الفاظ
ہی ان کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کافی ہو سکتے تھے۔

قرآن سے باجوج و باجوج والوں کی زندگی کے دو سکر دور کے جن خصوصیات کا پتہ چلتا ہے، وہ تو یہی تھے۔
اب آئیے ان ہی لوگوں کی زندگی کے تیسرے دور پر۔

(۳)

دو سکر دور میں بتایا گیا تھا کہ ”باہم ایک دو سکر میں موج زن رہے“ گو یا غیر قوموں سے اس دور میں ان کا
رشتہ منقطع ہو گیا تھا، لیکن سورہ کہف میں تو نہیں، بلکہ سورہ الانبیاء کی اس مشورائیت سے یعنی:-

”اس موقع پر چاہذا کی مشورادہی کتاب“ بھل و اخلاء کے ایک لطیفہ کا خیال کر رہا ہے:- ”بغداد کے ایک تاجر کے پاس قزوین کا کوئی تاجر ہر سال
ہمان بن کر مینوں قیام کیا کرتا، میزبان بھی میزبان کی خاطر و مہارات کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا تھا، قزوینی ہمان ہمیشہ بغدادی میزبان سے
آرزو کرتا کہ آپ کبھی قزوین نہیں آتے، میرے دل کی حسرت دل ہی میں رہ جاتے گی، برسوں کے بعد ایک دفعہ بغدادی میزبان قزوین کی ضرورت
پونچھا، اپنے قزوینی دوست کا خیال آیا، دوکان پر پہونچا، خیال تھا کہ دیکھتے کے ساتھ قزوینی دوست اچھل پڑے گا، سامنے اپنی دکان پر
دیکھا کہ بیٹھا ہوا ہے، بغدادی نے سلام کیا، لیکن ادھر سے جواب بھی نہ ملا، خیال ہوا کہ سفر کے لباس میں ہونے کی وجہ سے قزوینی دوست نے
پہچان نہیں، عیاں اتار دی اور سلام کیا، مگر وہی بے رخی اب بھی باقی تھی، اعمامہ اتار دیا، مگر ادھر بھی کسی قسم کی خوشنہ نہ ہوئی، صرف کرتے او
پانچاسے میں جیسے گھر میں رہتا تھا، بے تکلف ہو کر کھڑا ہو گیا، تب قزوینی دوست نے کہا:-

”اگر از ہرست بردارائی من ترانی شناسم“

یعنی اپنی کمال اتار کر بھی میرے سامنے تم کھڑے ہو جاؤ گے تب بھی میں تمہیں نہیں پہچانوں گا۔

جب نہ پہچاننے کا فیصلہ ہی قزوینی کر چکا تھا تو ظاہر ہے کہ اب اس کے بعد پہچاننے کے لئے گنجائش ہی کیا باقی رہ گئی تھی۔

حتیٰ اذا فُتِحَ یا جوج و ما جوج و هم من کل حذب ینسلون۔
تا اینکہ کھول دیئے گئے یا جوج و ما جوج اور وہ ہر ہر
سے تیزی کے ساتھ چل نکلے۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر قوموں سے منقطع اور بے تعلق ہو جانے کے بعد، پھر ان کو ایک موقع غیر قوموں کی طرف رخ کرنے کا دیا جائے گا، اور اسی کو میں یا جوج و ما جوج والوں کی قومی زندگی کا تیسرا دور قرآن کے رو سے خیال کرتا ہوں۔ چونکہ اس دور کا ذکر سورہ کہف میں نہیں، بلکہ عرض کر چکا ہوں کہ یہ سورہ الانبیاء کی آیت ہے، اسلئے اُس کے تفصیلاً کا ذکر آئندہ کروں گا۔

پہلے چوتھے دور کے تعلق جس کا تذکرہ سورہ کہف میں کیا گیا ہے، اُسے پڑھ لیجئے۔

(۴)

یہ چوتھا دور اُن کا میرے خیال میں وہی ہے جسے ہم سورہ کہف کی اس آیت میں پاتے ہیں، یعنی:-

دنفخ فی الصور نجمعناھم جمعاً
اور پھونک دیا جائے صور پھر ہم ان کو (یا جوج و ما جوج)
کو اچھی طرح سمیٹ کر سمیٹ لیں گے۔
(سورہ کہف)

مطلب وہی ہو کہ نفعِ صور کے بعد جیسے ساری انسانی نسلیں، اُن کے اگلے پھیلے، بڑے چھوٹے، مرد و عورت سب ہی دوبارہ جمع کئے جائیں گے، اسی طرح ”یا جوج و ما جوج“ بھی اس چوتھے دور میں اپنے آپ کو پائیں گے کہ ایک ایک کر کے اول سے آخر تک سب اکٹھے کر لئے گئے ہیں۔

اس چوتھے دور اور تیسرے دور میں فرق یہ ہے کہ چوتھے دور کا ظہور تو قرآن کے رو سے نفعِ صور یعنی قیامت کے وقت ہوگا، برخلاف اس کے غیر قوموں سے منقطع اور بے تعلق ہو جانے کے بعد یا جوج و ما جوج والوں کو پھر اُن کی طرف جس زمانہ میں کھولا جائے گا۔ قرآن ہی کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ صورت حال قیامت کے قائم ہونے سے پہلے پیش آئے گی۔

آخر خود سوچئے، یا جوج و ما جوج کے کھلنے کے بعد ارشاد ہوا ہے کہ:-

واقرب الی وعد الحق فاذا ہی
اور تنجایگا وعدہ (قیامت کا) بہت زیادہ نزدیک
ہو گیا، پس، جاناک اُن لوگوں کی نگاہیں جنھوں نے انکار
کی راہ اختیار کی اور کی طرف اُٹھ جائیگی (وہ کہیں گے)
یادیلنا قد کنا فی غفلۃ۔
کہ ہم پر افسوس، ہم غفلت میں تھے۔
(سورہ الانبیاء)

حاصل جس کا یہی ہے کہ یا جوج و ما جوج کے کھل پڑنے کے بعد بھی جب اس پچھے اور کچے وعدے یعنی قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی نہیں بلکہ قریب آسمانے کی خبر دی جا رہی ہے، تو یقیناً یا جوج و ما جوج کے کھلنے کے اس زمانے کو

قیامت کے قائم ہونے سے پہلے بدرجہ اولیٰ ماننا بڑے گلا، بلکہ انکار کرنے والوں کی طرف اسی آیت میں اپنے غافل و جاہل کا اعتراف خود بتا رہا ہے کہ اس وقت تک قیامت کی ہدایت، نائیاں ان کے سامنے بے نقاب ہو کر سامنے نہیں آگئی تھیں، ورنہ غافل رہ جانے کا مطلب ہی کیا ہوگا۔

بہر حال قرآنی الفاظ سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ یاجوج و ماجوج والوں کی قومی زندگی کا یہ تیسرا دور یعنی منقطع ہونے کے بعد پھر غیر فوہوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا موقع ان کو قیام قیامت سے پہلے دیا جائے گا، ان کی قومی زندگی کے اسی دور کی تعبیر فتح یاجوج و ماجوج یا خروج یاجوج و ماجوج کے الفاظ سے کی جاتی ہے۔

اور جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ آثار و اخبار کا جو سرمایہ ہماری کتابوں میں پایا جاتا ہے، اس کے بڑے حصے سے ارباب تنقید و تحقیق مطمئن نہیں ہیں، لیکن ایک دور وائیں اس سلسلہ کی بخاری جیسی معتبر کتابوں میں جو ملتی ہیں، ان سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ یاجوج و ماجوج کے خروج کے زمانہ میں کاروبار کے لحاظ سے دنیا کے عام تمدنی و عمرانی مشاغل میں کسی قسم کا کوئی خاص نمایاں تغیر و انقلاب رونما نہ ہوگا، آخر حضرت ابوسعید خدری صحابی کی یہ مشہور روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:-

لَيَحْجِي (الْبَيْت) وَيَعْمُرُونَ بَعْدَ خُرُوجِ

یاجوج و ماجوج (بخاری)

کا مطلب، یا مزید اضافہ کے ساتھ یہی روایت بخاری کے سوا دوسری کتابوں میں جو پائی جاتی ہے، یعنی:-

ان الناس لَيَحْجُونَ وَيَعْمُرُونَ بَعْدَ خُرُوجِ

النخل بعد خروج یاجوج و ماجوج

(فتح الباری)

بتایا جائے کہ اس سے اور کیا سمجھا جائے۔

یقیناً ج و عمرہ یا غرس نخل (نخلستان لگانا) ان کا ذکر بطور مثال فرمایا گیا ہے، مقصد بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب حج و عمرہ جیسے عبادات جن کے لئے طول و طویل مسافتوں کو طے کر کے لوگوں کو مکہ منظمہ پہنچنا پڑتا ہے، اور نخلستان جن کے لگانے کا ارادہ وہی کر سکتے ہیں، جن کے سامنے پر امید مستقبل ہو، ورنہ قیامت کی رست خیزیوں میں جب:-

”الكل امرء منهم يومئذ شأن يغنيه“

کی کیفیت دماغوں پر تسلط ہوگی، بھلا باغ و ارغ کی گنجائش ہی کیا رہ جائے گی۔

اور حج توبہ ہے کہ نیند سے بیدار ہو کر ایسی حالت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تمٹایا ہوا تھا، بخاری میں ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما رہے تھے کہ:-

فتحہ الیوم من ردم یا جوج وما جوج مثل هذه۔
یا جوج وما جوج ولے بندیں اس کے ایسا سوراخ
آج کھول دیا گیا۔

منیٰ هذه (یعنی ایسا سوراخ) کو بتاتے ہوئے عقد انابل کی اصطلاح میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سمجھایا تھا
مطلب یہ تھا کہ بہت ہی باریک سوراخ گویا اس بند میں آپ کو دکھایا گیا تھا۔

بہر حال اس مشہور روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) گویا اسکی اطلاع دے چکے تھے
کہ یا جوج وما جوج کی قومی زندگی کے تیسرے دور کے ظہور کے امکانات آپ ہی کے زمانہ میں قریب آچکے تھے، بلکہ
اس سے لمبی آگے بڑھ کر کوئی کہنا چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ ظہور کے آغاز کی کرن گویا عہد نبوت میں چھوٹی چلی تھی۔

پس عام طور پر "یا جوج وما جوج" کے خروج کو قیامت کے علامات میں جو شمار کیا جاتا ہے، تو زیادہ سے زیادہ
اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ یہ اسی قسم کی علامت ہے، جیسے خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کو بھی قیامت کے
اشراط وعلامات میں شمار کیا جاتا ہے، اور چہ پوچھے تو یا جوج وما جوج کا خروج کے بعد آخری انجام جو ہوگا، جس
روایتوں میں اس دردناک انجام کی تفصیل کی گئی ہے، لوگوں نے ان کو خروج سے متعلق کر دیا۔ اس سلسلہ
اس کی تفصیلی بحث آرہی ہے۔

بہر حال پہلے کہ خروج کے ساز و سامان، اور زمین کی تیاری کا کام عہد نبوت میں جو شروع ہو چکا تھا، اس کی تکمیل کا وقت بھی بالکل
متعین کیا گیا ہے؟ اسی سورۃ الانبیاء کی آیت :-

حتی اذا فتحت یا جوج وما جوج و هم من کل حدب ینسلون۔
تا انکہ کھول دینے لگے یا جوج وما جوج اور ہر حدب
تیز چلتے ہوئے وہ کل پڑے۔

کے آخری ٹکڑے یعنی "ہم من کل حدب ینسلون" میں اگر غور کیا جائے، اور یہ سوچا جائے کہ زمین کے وہی تھے

۱۔ کہ چکا ہوں کہ یا جوج وما جوج کے خروج کے اس واقعہ کو ذوالقرنین والی دیوار کے اندام و انداک سے کوئی تعلق نہیں ہے، حضرت لاسا
کشمیری کی تحقیق اس باب میں نقل کر چکا ہوں، اسی صورت میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نیند سے بیدار ہو کر یہ فرمانا کہ: "یا جوج وما جوج
ولے ردم (بند) میں اتنا سوراخ ہو چکا" اس کا مطلب بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ روایا در خواب میں یا جوج وما جوج کے خروج کی ابتداء
کا مثل دیوار کے سوراخ کی شکل میں ہوا، لیکن ظاہر ہے کہ خواب میں دودھ دکھا یا جاتا ہے، اور مطلب اس کا ظم ہوتا ہے، قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے
کہ قلعہ خشک خوشوں اور دہلی پتلی گایوں کی شکل میں دکھایا گیا۔ بہر حال اس روایت سے یہ سمجھنا کہ واقعی یا جوج وما جوج ولے اسی دیوار میں سوراخ
کرنے پر وہ قادر ہو گئے تھے جس کے متعلق قرآن میں اٹلان دی گئی ہے کہ نقب لگانا اس میں ان کے بس کی بات نہ تھی، حقائق و واقعات کا ہمارا منہ
نتیجہ ہو سکتا ہے۔ ۱۲۔

جو پانی سے کشوف اور نمایاں ہوئے ہیں، جن میں حدیث (کوڑہ شتی اور ابھار) پایا جاتا تھا، گویا حاصل ہی ہوا کہ زمین کے سارے عمودہ میں پھیل پڑیں گے، اور اس طور پر پھیل پڑیں گے، کہ ان کی آمد کا یہ سیلاب جاری رہے گا، اور بڑی تیزی کیساتھ زمین کے آباد حصوں میں یہ کھنسنے لگیں گے۔ تب سمجھا جائے گا کہ عند نبوت میں جس خروج کے لئے سورج پیدا ہوا تھا، وہ مکمل ہو گیا، اور فحشہ و راجحہ و لاجحہ (کھول دیئے گئے یا جوج و ماجوج) کی قرآنی پیشین گوئی تکمیل شکل میں سامنے آگئی۔ حضرت الازد مولانا نوشاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کا خیال اسی لئے یہ تھا کہ یا جوج و ماجوج کے خروج کا واقعہ دفعۃً پیش آنے والا ایک واقعہ نہیں ہے، بلکہ :-

لحم خروچ مرة بعد مرة ان کے خروج کا یہ واقعہ یکے بعد دیگرے
(فیض داری، شمع بخاری - ۴۳ ص ۱۲۱)

اور یہ معلوم بھی ہوتا ہے، کہ خروج کا ان کے یہ قصہ تدریجی طور پر آہستہ آہستہ پایہ تکمیل کو پہنچا ہے، یہ عجیب بات ہے کہ ”نیامندنامہ“ — یعنی انجیل کے نام سے جو مجموعہ اہل کتاب میں موسوم ہے اس میں ایک چھوٹا سا رسالہ بالکل آخر میں ”یوحنا عارف کا مکاشفہ“ — کے نام سے بھی شریک ہے، کتاب کی ابتدائی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ یوحنا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے حواری ہیں، اور ان کو کچھ شبی مکاشفات ہوئے ہیں، جنہیں قلم بند کر کے ساتوں کلیسا کے نام ایک ایک نسخہ روانہ کیا گیا تھا۔ بہر حال آئندہ پیش آنے والے واقعات ہی سے زیادہ تر ان مکاشفوں کا تعلق ہے، منجملہ دو سے مکاشفات کے ایک مکاشفہ کے الفاظ یہ ہیں کہ :-

”پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا، اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا ہے، اور اس پر ایک سوار ہے، جو سچا اور برحق کہلاتا ہے، اور وہ راستی کے ساتھ انصاف اور لڑائی کرتا ہے، اور اس کی آنکھیں آگ کے شعلے ہیں، اور اس کے سر پر بہت سے تاج ہیں، اور اس کا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، اور وہ خون کی چھڑکی ہوئی پوشاک پہنے ہوئے ہے، اور اس کا نام کلام خدا کہلاتا ہے، اور آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار اور سفید صاف مین کتانی کپڑے پہنے اُس کے پیچھے پیچھے ہیں، اور قوموں کے مارنے کے لئے اس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے، اور وہ لوہے کی عصا سے ان پر حکومت کرے گا، اور قادر مطلق خدا کے سخت غضب کی سے کے حوض میں انکو رنویں گا۔ اور اس کی پوشاک اور ران پر یہ نام لکھا ہوا ہے

بادشا ہوں کا بادشاہ، اور خداوند کا خداوند“

(یوحنا کا مکاشفہ - ۱۹ - ۱۱ تا ۱۶)

نہیں کہا جاسکتا، کہ ”سچا اور برحق“ کن الفاظ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ ”اللہ ادا“ (امین) ”صلی اللہ علیہ وسلم“ سے کون واقف نہیں ہے، ان سے بھی، ان بادشاہوں سے بھی، جن کے سر کے تاج ان کے نہیں، بلکہ اسی کے مقدس فریق مبارک کے تاج تھے، گھوڑوں پر چڑھے ہوئے فرشتوں کو بھی لوگوں نے بدر کے میدان میں دیکھا تھا، ہوا نصاف کے مستحق تھے ان کے ساتھ انصاف، اور جنہوں نے لڑنے کا ارادہ کیا ان کے ساتھ لڑائی، اور ان ہی لڑائیوں میں خون کے پھینٹوں کا دامن پر پڑنا، انہیں پہننے کے ساتھ ایسی حکومت قائم کرنا کہ شہریروں کے حوصلہ پست ہوئے، اور جو موت ماننے کے لئے کھڑے ہوئے وہ گرے گئے، روندے گئے، بادشاہوں کے اس بادشاہ اور خداوندوں کے اس خداوند کو کوئی نہیں پانتا۔

صلوات اللہ علیہ وسلم

اسی مکاشفہ کے بعد دوسرا طویل مکاشفہ اور ہے، جس میں دکھایا گیا ہے کہ ایک فرشتہ آسمان سے اُترا، اور اُس نے:-
 ”پرانے سانپ کو بوا لیس اور شیطان ہے بڑا بڑا برس کے لئے بانہاں اور تہا
 گڑھے میں ڈال کر بند کر دیا، اور اُس پر ضرر کر دی تاکہ وہ ہزار برس پورے ہونے تک
 قوموں کو پھر گمراہ نہ کرے“
 (ب - ۲ - ۳)

اس کے بعد یہ کہتے ہوئے کہ:-

”اس کے بعد ضرور ہے کہ تھوڑے عرصہ کے لئے کھولا جائے“

اسی تھوڑے عرصے کے متعلق جس میں شیطان کا کھلنا بیان کیا ہے کہ ضروری ہے، اسی مکاشفہ میں اسی کی یہ تفصیل بھی پائی جاتی ہے، لکھا ہے کہ:-

”اور جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے، تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا“

جھوٹ کر کیا کرے گا، مکاشفہ میں ہے:-

”ان قوموں کو جو زمین کی چاروں طرف ہوں گی یعنی یاجوج و ماجوج کو گمراہ کر کے
 لڑائی کے لئے جمع کرنے کو نکلے گا“

قرآن کے رو سے تو ”من کل حدیب“ کے مفہوم کو ادا کرنے والے الفاظ چاہتے تھا کہ یہاں ہوتے، واللہ اعلم اصل مکاشفہ کی عبارت کیا تھی، جس کا ترجمہ نے ”زمین کے چاروں طرف“ کے الفاظ سے ترجمہ کیا ہے۔ اب بادشاہوں کے بادشاہ، خداوندوں کے خداوند ”اللہ ادا“ (امین) ”کو جو پہچانتے ہیں وہ حساب کر کے دیکھ سکتے ہیں، کہ یاجوج و ماجوج والو کی قومی زندگی کے اس تیسرے دور کی تکمیل کا زمانہ کیا ہونا چاہئے۔

یوحنا عارف یا عاری کے اسی مکاشفہ میں ”یا جوج و ما جوج“، والوں کے متعلق جنہیں شیطان اکس کر باہر نکالے گا، آگے یہ بیان بھی درج ہے، کہ:-

”ان کا (یا جوج و ما جوج) اکاشا سند کی ریت کے برابر ہوگا، اور وہ تمام زمین پھیل جائیگا اور مقدسوں کی لشکر گاہ اور عزیز شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی۔“

مقدسوں کی لشکر گاہ اور عزیز شہر سے مراد کیا ہے؟ عزیز کا مادہ عزت ہے، ”البلد اعظم“ کے عربی لفظ کا ترجمہ کر لیا جائے تو بھی ”عزیز شہر“ ہو سکتا ہے، باقی دس ہزار قدیوں کے جس لشکر کا نظارہ ہوسنی (علیہ السلام) کو جس مقام پر کرایا گیا تھا، اس سے تورات کے پڑھنے والے خوب واقف ہیں۔

یوحنا کے اسی مکاشفہ کے آخر میں ہے، کہ:-

”آسمان سے آگ نازل ہو کر انھیں کھا جائے گی۔“

”انھیں“ سے یا جوج و ما جوج والوں ہی کی طرف اشارہ ہے جس سے آنشیں ہتھیاروں کے استعمال پر بھی روشنی پڑتی ہو، لیکن یہ انجام تو خیر آئندہ پیش آئے گا، اس وقت تو مجھے صرف یہ بتانا ہے، کہ یا جوج و ما جوج والوں کے خروج کی تکمیل کے زمانے کو اس مکاشفہ کی روشنی میں ہم متعین کر سکتے ہیں، اسی طرح دوسری دفعہ غیر قوموں سے رشتہ جوڑنے کا موقع جب ان کو دیا جائے گا، اُس وقت وہ کیا کریں گی، اس کا بھی کچھ اندازہ اسی مکاشفہ کے الفاظ سے ہوتا ہے یعنی ”وہی فتنہ و فساد لڑائی جھگڑوں کے قصوں کو یہ پھیل دیں گے، تاہنیکہ عزیز شہر“

کو چاروں طرف سے یہ گھیر لیں گے۔“

گویا قرآن میں ”ذوالقرنین“ کی دیوار کی تعمیر سے پہلے ان کی قومی خصوصیت کی تعبیر:-

ان یا جوج و ما جوج مفسدین فی الارض یا جوج و ما جوج زمین میں بگاڑ پیدا کرنے والے ہیں

کے الفاظ میں ہم جو پاتے ہیں، دوبارہ کھلنے کے بعد پھر اپنی اسی جہتی عادت اور اقتضائے کے ساتھ نمایاں ہوں گے،

”مسلک کا بغیر حاشیہ“ ”پندرہویں صدی کے وسط سے مغربی یورپ میں یکے بعد دیگرے متعدد ہجرت آئینز واقعات ہوئے:-

(مترجم خلیفہ علیہ السلام ص ۲۴۴)

چھٹی صدی عیسوی کے وسط (تقریباً) سے پندرہویں صدی کے وسط تک جو لیتے کہ اوسط قدرت کیا تھرتی تے، کاش: ”تاریخ کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کیا جائے، یقیناً نشأت ثانیہ کے نام سے جو دور ”عزب ملاک“ کا مہوم ہے اس کی ابتداء اور تاریخی ارتقاء کا مطالعہ اس نظر سے ہر ادا چپ ہوگا۔“

”تورات کی کتاب اشتہار کا مشورہ ہے“ ”قرآن ہی کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدیوں کیساتھ آیا، (بائبل) بخاری میں ہے، کہ:-

”فتح مکہ کے وقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دس ہزار صحابہ کیساتھ تشریف لے کر آیا۔“

۳۔ متروکیت یعنی غیب سے تعلقات قائم کرنے کے لئے بہو ملی زندگی میں عام نسل انسانی کو علم کے ایک خاص فیلہ وحی و نبوت کے ساتھ قدرت جو سرفراز کرتی رہی ہے، گویا خدا کا ان ارضی پر آدم (علیہ السلام) کو رخصت کرتے ہوئے:-

فاما یا تبیکم منی ہدی فمیں تبسم پھر جب تمہارے پاس جمائے ہاں سے ہٹا کر نیوالے
ہدای فمیں خوف علیہم ۵۶ آتے رہیں تو جو پیڑ ہو گا میرے ان ہٹا کر نیوالوں کا
ہم بخیر ہوں۔ پھر نہ اُس کو کچھ ڈر ہے اور نہ وہ کڑا ہیں گے۔

کی آخری وصیت جو کی گئی تھی، اور اسی وصیت کے مطابق ہر امت میں نذیر (چونکا نے والے) جو آتے ہے، زمینی زندگی کی اس خاص لاہوتی نعمت سے اپنی فطری طبعی اور سرکشی کی بدولت یا جوت و مابجوت والے محروم ہے، اور یوں خدا کی جھوٹی ہوئی امت بن کر وہ رہ گئے، چاہا جائے تو ڈاکٹر اقبال مرحوم کی اس نیکمانہ دعا فائدہ بخشیں کو پڑھنے والے ان کی پیشانی کی لکیروں میں پڑھ سکتے ہیں، یعنی:-

یا بزدان نظر ہر بستہ از حد و حس بروں ناجستہ
کو ریز و زان نائناس ادرالک و ناکساں زنجیری بیچاک او
فطرش از سوز عشق آزادمانہ در جہان جستجو ناشادمانہ
ایں نے دیرینہ درمناش نیست
شور یا رب قسمت نبھاش نیست

۴۔ اور قرآنی الفاظ میں کل حدب سے یہ اشارہ جملتا ہے کہ زمین کا ہر وہ حصہ جو ابھرا بھر کر پانی سے باہر ہو گیا ہے، خواہ وہ جزائر ہوں، یا بزمیرہ نما ہوں، یا خشکی کے وہ قطعات ہوں، جنہیں بھرنے کے مقابلہ میں برکتے ہیں، کل کے لفظ کا اقتضاء تو یہی ہے، سب ہی میں یہ پہونچ جائیں گے، صرف پونچنے ہی کا پتہ نہیں چلتا ہے، بلکہ من کے لفظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس اور مرکز بننا کرواں سے نکلیں گے، اور قرآن کے اسی اشارے کی تفصیل یوحنا عارف مکاشفہ میں ملتی ہے، یعنی:-

”کب نکلیں گے؟ کس لئے نکلیں گے؟ اور کہاں تک پھیل جائیں گے؟“

گنہگار کا کہ ان سارے سوالوں کا جواب اس مکاشفہ میں دیا گیا ہے، یعنی الامین الصادق بادشاہوں کے بادشاہ خداوندوں کے خداوند کے ہزار سال بعد ان کو منقطع ہونے کے بعد پھر غیر قوموں کی طرف پل پڑنے کا انکو موقع دیا جائے گا، یہ جواب تو کب نکلیں گے؟ کے سوال کا ملتا ہے، ”اڑائی کے لئے شیطان ان کو باہر نکالے گا، یہ کس لئے نکلیں گے؟ کا جواب دیا گیا ہے، اور ”عزیز شمر“ کو چاروں طرف سے گھیر لیں گے، یہ ان کے فتوحات کی وسعت کا حال ہو گا۔

۵۔ اور ”ینسلون“ کا لفظ ”من کل حدیب“ کے بعد جو قرآن میں پایا جاتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے مادہ اس کا نسل ہے، لغت والوں نے لکھا ہے کہ ”شیر“ کہہ کر انہیں بے دوشیدن بیروں آکر، یعنی دو بھئی کی کوشش کے بغیر نقص سے جو دو دھنچو دھہڑے اسی کو عربی میں نسل کہتے تھے، اسی طرح بکثرت اُن جب بوشیوں کے بدن سے جھڑنے لگے تو اس پر بھی اسی نسل کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ پھر اسی مناسبت سے تیز سے تیز رفتار کی تعریف سے ہونے لگی، ان لغوی اشاروں سے اگر سمجھا جائے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کی منتقلی میں جن ذرائع یا سوار یوں سے وہ کام لیں گے وہ حد سے زیادہ تیز رفتار ہوں گی، تو یقیناً یہ کوئی ایسی بات نہ ہوگی جس کے تعلق دعویٰ کیا جائے کہ زبردستی قرآن سے یہ سمجھ لیا گیا ہے۔

۶۔ اور چار سے ماں کی روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی بچہ نبی اور پیغمبر کے دین کو وہ اگر قبول بھی کر لیں گے تب بھی لوگوں کے معاشرتی نظام کو بگاڑنے اور نہ وبال کرنے سے یہ باز نہ آئیں گے، خواہ وہ دین اسلام ہی کیوں نہ ہو۔

۷۔ اسی طرح اگر یہ مان لیا جائے اور ثابت ہو جائے کہ یا جوج و ماجوج والوں کا نسلی تعلق قاضی (قابیل) حضرت آدم (علیہ السلام) کے اس نافرمان، حاق شدہ لڑکے سے ہے، جس پر حضرت آدم (علیہ السلام) نے لعنت کی تھی، اور اسی لئے اُس آبادی سے جس میں آدم (علیہ السلام) اپنے بچوں کے اور ان کی اولاد کے ساتھ رہتے تھے جہاں کہ وہ روپوش ہو گیا تھا، تو ایسی صورت میں مردم کشی کے نت نئے ہتھیاروں کی ایجاد و اختراع اسی طرح قص و سرود، گانے بجانے کے غیر معمولی ذوق و شوق، اور اس سلسلہ میں حیرت انگیز صنائع و بدائع کے ظاہر کرنے پر تعجب نہ ہونا چاہئے کہ ان ہی دونوں خصوصیتوں کو قابیلی نسل کی طرف بائبل میں منسوب کیا گیا ہے، بلکہ بائبل یعنی قاضی کے مقتول کے نام یواؤں کے ساتھ انکی چہرہ دستیوں کے قصوں کو بھی چاہئے کہ یا جوج و ماجوج کے موروثی تمام عادات و خصائل میں شمار کیا جائے۔

(باقی آئندہ)

رُوءِ اَدَا جَمَاعًا دَعْوۃِ اِصلاح و تبلیغ

منعقدہ لکھنؤ

۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، نومبر ۱۹۵۱ء

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ گذشتہ ماہ کے اشرفان میں ہم نے اپنے ناظرین کو جس تبلیغی ہفتہ کی روءِ اَدَا کا منظر بنایا تھا وہ طے شدہ پروگرام کے مطابق بحسن و خوبی تمام ہوا، لکھنؤ سے قریب کے مختلف تبلیغی مراکزوں کو اس پروگرام کی اطلاع اور اس میں شرکت کی دعوت دیدی گئی تھی، چنانچہ تقریباً ان تمام مراکز کی جماعتوں نے اس میں شرکت کی۔ کاتپور، گھٹلم پور، اُتناؤ، سندیلہ، بازہ، سکی، الہ آباد، ریلے، بریلی، گوئندہ، سیٹاپور، رام پور، نجرام وغیرہ کی تمام جماعتوں کے افراد کی مجموعی تعداد تین لاکھ لگ بھگ تھی، جن میں سے اکثر حضرات نے ۲۶ نومبر سے ۲۹ نومبر تک لکھنؤ کے مرکز میں قیام کیا۔ لکھنؤ کے مرکز کی عمارت جو ایک عرصہ سے زیر تعمیر تھی، اسی موقع پر اس کے ایک بڑے حصہ کی تعمیر مکمل ہوئی، جس کے بعد وہ پہلی بار اس قابل ہوئی کہ اس سے مرکز کا کام لیا جاسکے، اور باہر سے آنے والی جماعتیں اس میں قیام کر سکیں۔ تعمیر جس دن مکمل ہوئی ہے اُسی روز یعنی ۵ نومبر کو مرکز کا افتتاح اس طور پُرملا میں آیا کہ سب پہلے مرکز کی مسجد میں ”الصلوٰۃ الوسطیٰ“ یعنی نماز عصر باجماعت ادا کی گئی، نماز کے بعد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ایک مختصر سی تقریر فرمائی، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرنے کے بعد ایک دینی مرکز کی تعمیر کی مناسبت سے حاضرین کو (جن میں بیشتر رفقاء دعوت تھے) دنیا میں سب پہلے ”دینی مرکز“ راہِ دل بیتِ دھم للناس کی تعمیر یاد دلائی، اور بتلایا کہ یہ سب فیض اسی مرکز کا، اور اس کے بنانے والوں کے اخلاص و نیت کا ہے۔ یہ

ہمارا اب جو دنیا میں کی گئی ہوئی ہے

یہ سب پورا انھیں کی لگائی ہوئی ہے

اچھے حاضرین کو اس پہلو کی طرف بڑی اہمیت کے ساتھ توجہ دلائی کہ اس عمارت کا بن جانا کوئی خاص خوشی کی بات نہیں ہے

اصل چیز اس کا مقصد اور اس کے لئے اخلاص ہے یہی سیدنا حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی اصل میراث ہے، اور یہی ان مسجدوں کا مقصد اور ان مرکزوں کی روح ہے، اس کے بعد مولانا نعمانی نے چند الفاظ فرما کر دعا فرمائی مغرب کی نماز پڑھنی نماز کے بعد چائے سے حاضرین کی تواضع کی گئی، جس کا اہتمام بعض رفقاء نے ذاتی طور پر کیا تھا۔

۲۶ نومبر کی صبح کو بیرونی جماعتوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ زیادہ تر جماعتیں ۲۷ نومبر تک لکھنؤ پہنچ گئیں، اور اسی نوعیت میں قیام پذیر ہوئیں حسب معمول ہر شخص اپنے مصارف خورد و نوش کا خود ذمہ دار تھا۔ مرکز کے دوران قیام میں جماعتوں کا وقت بھرا شدہ بہت منظم اور بامقصد طریقے پر گذرا، ان کے وقت کی تنظیم اور تقسیم یوں کی گئی تھی، کہ

صبح نماز فجر کے بعد مختصر اصلاحی و تربیتی تقریر ہوتی، اس کے بعد سے ۸ بجے تک کا وقت ناشتہ اور دیگر ضروریات سے فراغت کے لئے دیا جاتا تھا، ٹھیک ۱۱ بجے سے تعلیم کا پروگرام شروع ہوتا تھا جس میں بلا استثناء جماعتوں کے تمام افراد پوری پابندی اور احساس ذمہ داری کے ساتھ الگ الگ محکمے میں مشغول رہتے تھے۔ اس سلسلے میں پروگرام میں سیرت اور منتخب کتابوں سے عمومی دینی تعلیم کے علاوہ درس قرآن کا بھی اہتمام کیا گیا تھا قرآن مجید کا درس مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دیتے تھے، جس کا وقت کم و بیش ڈیڑھ گھنٹہ تھا۔ ان تین چار دنوں کے درس کے لئے مولانا نے بہت سوچ سمجھ کر سورہ پونس کو منتخب فرمایا تھا، اور یہاں کہ ارادہ فرمایا تھا، اللہ کی توفیق سے ان چار دنوں میں اس پوری سورہ کا درس تمام ہو گیا، یہ درس اس پروگرام کا خاص جزو تھا، اولاً اسلئے کہ کتاب اللہ کا درس تھا، اور دوسرے اس وجہ سے کہ اس جزو کی ذمہ داری خود مولانا علی میاں نے اپنے ذمہ لے لی تھی، غالباً اسی وجہ سے شہر کے بہت سے حضرات بھی دور دور سے صبح سویرے پروگرام کے اس جزو میں شرکت کے لئے تشریف لاتے تھے۔ گیارہ بجے تعلیمی پروگرام ختم ہوتا، اور نیم منظم مجمع کھانے سے فراغت پانے کیلئے منتشر ہو جاتا، کھانے کے بعد ظہر کی نماز تک آرام کا وقت تھا، ظہر کی نماز کے بعد سب لوگ جماعتیں بنا کر شہر میں پھیل جاتے تھے تاکہ شہر کے باشندوں سے ملیں، اور انھیں دین کی طرف توجہ دلانیں، اور رات کے عام اجتماع میں شرکت کی دعوت دیں۔ ان گشتی جماعتوں میں کچھ جماعتیں عوام سے ملنے کیلئے ہوتی تھیں، اور کچھ جماعتیں خواص سے ملاقات کرنے کیلئے، شام تک یہ جماعتیں اس طرح سے کام کرتی رہتی تھیں۔ شام کو واپس آکر جماعتیں کھانے سے فراغت حاصل کرتیں، اور نماز عشاء ادا کر کے اجتماع گاہ میں پہنچ جاتیں۔ اجتماع ختم ہونے پر جماعتوں کے تمام افراد مرکز میں واپس تشریف لاتے، اور وہیں رات گزارتے۔ چوتھا اور آخری اجتماع چونکہ جمعرات کا تھا اسلئے حسب معمول شہر سے باہر ندوۃ العلماء کی وسیع مسجد میں منعقد ہوا، یہاں سے رات کو واپس جانا نہ تھا، اسلئے مرکز کی پوری آبادی اس رات کو یہیں آباد رہی۔ یہ ہے اس تبلیغی ہفتہ کی مختصر و مفاد، اب رہا اس کا اجتماعات کی تقریروں والا حصہ وہ آپ اگلے صفحے سے پڑھئے۔

”نیا ایمان“

”دعوتِ اسلام و تبلیغ کے پہلے عام اجتماع میں مولانا شبیب الرحمن علی ندوی کی تقریر جو ۲۶ نومبر ۱۳۷۰ء کو جناب شیخ اقبال علی صاحب ایدو کیٹ کی کوٹھی کے وسیع میدان میں منعقد کیا گیا تھا۔“

خطبہ مسنونہ کے بعد

بھائیو اور بزرگو! آپ حضرات کو اس حقِ اقدس دیکھ کر ٹرمی شرت ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا جی چاہتا ہے کہ دین کی آواز پر اپنے کاموں کو چھوڑ کر آپ یہاں تشریف لائے، اور سب سے بڑا احساس یہ ہوتا ہے کہ ایمانی دعوت میں اب بھی طلاق ہے کہ دورِ داز کے بھائیوں کو ایک جگہ جمع کر سکتی ہے، جی چاہتا ہے کہ ایمان کی قوت اس سے زیادہ بڑھے، اور ہمارے اندر رازِ سرِ نو ایمانی زندگی پیدا ہو۔

دوستو! ایک چیز ہے دین، اور ایک ہے ایمان، ان دونوں میں ایک فرق ہے۔ دین تو وہ نظام ہے جس کو لیکر تمام انبیاء آتے رہے، اور جس کا آخری پیغام رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لیا تشریف لائے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ اس دین کو مکمل فرمایا، ”الیوم اکملت لکم دینکم“ و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً۔ دین تو یقیناً مکمل ہو چکا، اب اس میں جو کوئی ترمیم اور اضافہ کرنا چاہے وہ دجال کا ذب، و مغتری ہے۔ لیکن دوسری چیز ہے اس دین پر یقین کرنا، اور اسی دین کی حقیقتوں پر ایمان لانا۔ دین پر تو بیشک ضرر ناک کچھ ہے، اس سے کسی اضافہ کی دعوت نہیں دی جا سکتی، اس میں جس طرح کچھ گھٹایا نہیں جا سکتا، بڑھایا بھی نہیں جا سکتا۔ لیکن ایمان کا معاملہ یہ نہیں ہے، اس میں زیادہ سے زیادہ ترقی کی گنجائش ہے اس لئے ایمان میں تنازگی اور زیادتی کی دعوت قیامت تک جاری رہے گی، بلکہ ضروری ہے کہ دین پر اپنے ایمان و یقین کو مضبوط کرنے، اس کو اپنی زندگی اور زیادتی کی دعوت پر قربان کرنے، اور ہر چیز کو اس پر قربان کرنے، اور اس کو کسی چیز کے عوض ہاتھ سے نہ دینے کی کوشش برابر جاری رہے۔ اس امت کی ہر نسل، ہر حصے، اور ہر دور کو اس دین پر نیا ایمان لانا اور اس پر نو دین کو سمجھنا ضروری ہے۔

دوستو اور بزرگو! آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کے وقت بھی دین کے بعض حصے موجود تھے، نماز و حج وغیرہ کسی نہ کسی جگہ اور کسی نہ کسی حالت میں پائے جاتے تھے، دین کا وجود بالکل ختم نہیں ہو چکا تھا، قدیم مذاہبِ ادیان کی بہت سی

ٹھیکس اور صورتیں موجود تھیں لیکن جو چیز کھونی گئی تھی وہ یہ تھی کہ دین میں کوئی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ ان لوگوں کا ان حقیقتوں پر تو ایمان و یقین تھا کہ سادہ سادہ قافل ہے، ہوا زندگی کے لئے ضروری ہے، کھانے سے پیٹ بھرنا ہے، اسی طرح زندگی کے اور بہت سے تجربی حقائق پر وہ دل سے یقین رکھتے تھے، لیکن اس پر ایمان نہیں تھا کہ دوزخ کی آگ کسی خطرناک ہے، اور جنت کا آرام اور اس کی راحتیں کسی قابل رشک ہیں۔ ان کا ایمان نہیں تھا کہ اللہ کو ناراض کر کے وہ دنیا میں فلاح نہیں پاسکتے، دراصل ایک اُن کا نواز کرنا کی تاخریابی کر کے اُن کے گھریں نہیں رہ سکتا تھا، اُن کا ایمان تھا کہ آگ کی ایک چمک گاری گھروں کو خاک سیاہ کر سکتی ہے، لیکن اُن کا ایمان نہیں تھا کہ گناہ و ظلم سے بستیاں اور ملک تباہ ہو سکتے ہیں۔ وہ جتنا ایک طبیب کی باتوں پر استغما کرتے تھے، رسول کی باتوں پر انھیں اتنا بھی استغما نہیں تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ان کا تعلق دین اور دوسری زندگی سے مردہ ہو چکا تھا، اور انھیں اس سے کوئی دلچسپی باقی نہ رہی تھی، صرف دنیا کی زندگی اور اس کی کچھ بھالی اور آزمائی ہوئی حقیقتیں ان پر بھائی ہوئی تھیں۔

دوستو! کچھ ایسا ہی حال اب ہمارا ہو گیا ہے، اگر اسی وقت کوئی یہاں آکر کمدے کے عجائب گھر سے شیر چھوٹ گیا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ یہ پورا رائج اسی خبر کی طرف توجہ ہو جائے گا، اور سب کو اپنی اپنی فکر پیدا ہو جائے گی، ابستار کا سارا شکون، انتشار سے بدل جائے گا، کیونکہ ہماری زندگی ہمارے اوپر مبنی ہے۔ جب کوئی خطرہ زندگی کو چیلنج کرتا ہے تو ہماری قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور زندگی کے لئے محافظ بن جاتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اس زندگی کے خطرات آپ کو آگاہ کرے جو ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے، اور جس میں تکلیف ہے تو دوا می، اور آرام ہے تو دوا می اور غیر فانی تو ہم نہایت بے توجہی اور بے خبری سے سُر لیں گے، اس کا سبب بے دینی نہیں ہے، بلکہ دین پر ایمان کی کمی اور کمزوری، اور ایک طرح کی بے یقینی ہے، اور ظاہر ہے کہ ایمان کی اس درجہ کمزوری کے ساتھ ایک ایسی زندگی سے کیسے دلچسپی ہو سکتی ہے اور کیسے اس کے خطرات سے خبر پیدا ہو سکتی ہے جو بالکل آڑ اور اوٹ میں ہے۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنایا، اُس زمانہ میں عرب میں ایک یہ دستور تھا کہ اگر کوئی قبیلہ کسی دوسرے قبیلہ پر حملہ آور ہوتا، اور اُس قبیلہ کا کوئی شخص حملہ آور شدہ کو اوقات دیکھ لیتا جب وہ بالکل سرور پہنچ چکا ہوتا، تو وہ شخص دوزخ پر چڑھ جاتا اور بالکل برہنہ ہو جاتا اور دہائی دیتا، اس شخص کو "الذین والعریان" کہا جاتا تھا، اُس کا فیصل اس بات کی علامت ہوتی کہ دشمن بالکل سرور پہنچا ہے، اور جس حال میں بھی ہو اُس حال میں مقابلہ کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔

اسی دستور کے مطابق آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک دن ایک پہاڑ پر چڑھ گئے، مگر آپ کیسے چڑھنے رہے، اور پکارا "انا الذین والعریان"، مکہ والے آپ کی صداقت اور شرم و حیا کے معترف تھے، اسلئے سارا شہر آٹا فٹا کام کاج چھوڑ کر پہاڑ کے دامن میں جامع ہوا، انھوں نے اتنی توجہ اور فخر سے اسلئے کام لیا تھا کہ حضورؐ کے اس فعل کو انھوں نے

اپنی اس زندگی کے لئے ایک خطرے کی علامت سمجھا تھا، وہ سمجھے تھے کہ کوئی دشمن حملہ آور ہو رہا ہے جس کی اطلاع یہ ہیں دیں گے، چنانچہ جب حضورؐ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے دشمن کا لشکر چھپا ہوا ہے، جو تمہاری گھات میں ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ حالانکہ تم اُسے نہیں دیکھ رہے ہو، مگر میں چونکہ اوپر کھڑا ہوں اسلئے میری نظر اور اُس کے درمیان کوئی آڑ نہیں ہے۔ سبکے کما بیشک ہم آپ کی بات کی تصدیق کریں گے۔ مگر جب آپؐ نے فرمایا کہ وہ لشکر عذابا کسی کا لشکر ہے جو بالکل سر پر کھڑا ہوا ہے، میری بات مانو تو اُس کے حملہ سے بچ سکتے ہو۔ پس یہ سنکر ان کی ساری توجہ اور ساری فکر ختم ہو گئی، وہ اکر پچھتائے، اور کہنے لگے کہ کیا آپؐ نے یہی بات سنانے کو ہمیں یہاں بلایا تھا؟ ————— یہ کیا بات تھی؟ اُن برس اپنی دنیا کی زندگی بھائی ہوئی تھی، اُس کے ہر خطرے پر اُن کے کان کھڑے ہو جاتے تھے، مگر دوسری زندگی کا انہیں خیال نہ تھا، اسلئے اس کے خطرات کی انہیں مطلق فکر نہ ہوتی تھی۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں مختلف مذاہب موجود تھے اور وہ ایمان کے مدعی تھے، مگر ان کے ماننے والوں کا ایمان اتنا بے جان اور بوسیدہ ہو گیا تھا کہ محض فرسٹی اور خیالی تکالیف کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، اُن کی مرغوب معیتیں اور بد اخلاق نہیں چھڑا سکتا تھا، اُن کے پاس دین تو موجود تھا، مگر ایمان کی طاقت اور تازگی کھو جانے کی وجہ سے وہ دین چھوٹے چھوٹے حوادث کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی انہیں آمادہ نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے دین پر پتے دل سے ایمان لانے والوں کا حال ان لوگوں سے بالکل مختلف تھا، انہیں اس زندگی سے زیادہ دوسری زندگی سے دلچسپی تھی، اس کی فکر تھی، اور ان کا دین اُن سے بڑی سے بڑی قربانی بکاسنی کر لیتا تھا، اسلئے کہ دین اور دینی حقیقتوں پر ان کا ایمان تازہ اور نہایت جاندار تھا۔ دوسرے مذاہب کے ٹھیکیداروں اور ان سچے دیداروں میں ایسا فرق تھا جیسا کاندھ کی تصویر اور ایک زمیندار انسان میں، یا آگ کی تصویر اور خود آگ میں جیسا فرق ہوتا ہے، صحابہ کرامؓ کے لئے ایمان نے ان کی رگ رگ میں وہ آگ بھری تھی کہ مقابلے میں آنے والے جو اس ایمان سے محروم تھے وہی تصویروں کی طرح مچل جاتے تھے یا اپنی خیر مناتے ہوئے سامنے سے ہٹ جاتے تھے، انکی تلواروں میں لوہے کی گرمی نہ تھی، بلکہ ان کے ایمانوں کی گرمی تھی، وہ فائدہ کش اور ترقی پرشوش مجاہد رسل تھیما کی طاقت نہیں ملکہ ایمان کی طاقت پر لڑتے تھے اور دشمنوں کے چھکے چھڑا دیتے تھے۔ اُن کا یقین تو یہ تھا کہ اگر ساری دنیا کی تلواریں ہماری گونوں پر پڑیں، مگر اللہ کا حکم نہ ہو تو ہمیں کوئی نہیں مار سکتا، جبکہ ان کے مقابل یہ یقین رکھتے تھے کہ تلوار کا ایک ہی وار ہمارا خاتمہ کرے گا۔ اس لئے ایمان کی طاقت نے ان غریب عربوں کے دل سے ان کی کمزوری کا احساس بالکل نکال دیا تھا۔ ایران کے دربار میں جب انکے سفیر گئے تو انکی تلواروں پر پتھرے پٹے ہوئے تھے، اور گھوڑے پستہ قامت تھے، مگر ان کا ایمان شعلہ زن تھا، اور اسی کی طاقت ساری طاقتوں پر غالب تھی، یہی طاقت تھی جس سے یہ سالار ایران حستم بھی لوزاں تھا، اور ایران کے سامنے درباری بھی اپنی اپنی فکروں میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کی اسی قوت نے انہیں اس قدر جرئی اور نڈر بنا دیا تھا کہ ان درباروں میں قالیبوں پر گھوڑوں کو

لئے ہوئے چلے جاتے، اور تحت پر نیزہ گاڑ دیتے تھے۔

اسی ایمان کا فرق تھا کہ حضورؐ کی بعثت کے وقت اگر نمازیں عقیں تھیں، تو خشوع و خضوع نہ تھا، اور اگرچہ تھا تو اسکی روح نہ تھی۔ لیکن جو لوگ حضورؐ کی دعوت پر ایمان لے آئے ان میں آپؐ نے ایسا ایمان پیدا فرما دیا کہ حج و نماز کے وقت مکہ ملاؤ بھجھو ان پر چھایا رہتا تھا، اور گویا ہر دم خدا اور آخرت کو اپنی آنکھوں کے سامنے پاتے تھے، اسی دنیا میں جنت کی خوشبوئیں محسوس کر لیتے تھے۔

ایک مرتبہ کہ واقعہ ہے کہ میدان جنگ میں اپنے ایک صحابی کے متعلق ایک دوسرے صحابی سے حضورؐ نے فرمایا کہ جاؤ ذرا فلاں کا پتہ چلاؤ، کس حال میں ہیں (یعنی صحیح سلامت ہیں، یا خدا نخواستہ زخمی پڑے ہیں، یا جان بقی ہو گئے) انھوں نے ایک جگہ دیکھا زخمی پڑے ہوئے ہیں اور تقریباً وقت آخر ہو رہا ہے، کہا حضورؐ نے حال دریافت فرمایا ہے، جواب دیا جاؤ میرا سلام عرض کرنا، اور عرض کر دینا کہ حضورؐ جنت کی خوشبوئیں آ کر ہی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا واقعہ ہے کہ وہ مرض الوفا کی سخت تکلیف میں مبتلا تھے، یوی قریب بھی تھیں، تکلیف کی شدت دیکھ کر ان کے منہ سے نکلا: ”اے اللہ! اے حبیب! اے محمد! حضرت ابو ہریرہؓ کی جب ذرا طبیعت جلی، فوراً بولے کیا کمٹی ہو دو اکریا؟ نہیں! واطربا! واطربا! اے اللہ! اے حبیب! اے محمد! (وہ کیا خوشی کا موقع ہے، کیا نشا کا عالم ہے، کل ہم دوستوں سے ملیں گے، محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپؐ کی جماعت سے ملیں گے۔

غرض صحابہ کرامؓ کو دین کی حقیقتوں پر ایسا یقین تھا کہ ہمیں محسوسات و مشاہدات پر بھی ویسا یقین نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا ایمان نیا اور تازہ تھا، اور ہر نئی اور تازہ چیز میں ایک قوت اور شادابی ہوتی ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے، تو اس کا جوش پیدا ہوا کہ حق کا اعلان اور اظہار کروں (حالانکہ پشیمان اسلام کی نظر میں وہ ایک جرم کا اظہار تھا) آپؐ نے بیچ حرم میں جا کر بلند آواز سے کلمہ پڑھا، انکار چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور خوب زد و کوب کیا، مگر ان کو وہ لذت ملی کہ دو سکر دن پھر جا کر یہی پٹنے کا کام کیا، اور پھر بیٹے گئے۔ یہ دراصل ان کے ایمان کی تازگی تھی، ان کا نیا اور تازہ ایمان دین کی راہ میں دنیا کی ہر تکلیف کو حلاوت و لذت سے بری دیتا تھا۔

حضرت عبداللہؓ ذوالنجاہ دین اسلام لانے سے قبل اپنے والد کے فوت ہو جانے کی وجہ سے اپنے چچا کے پاس ہا کرتے تھے، اور انھیں کا کام کاج کیا کرتے تھے، ان کی کبریاں وغیرہ پرانے لے جاتے تھے، کانٹوں میں اسلام کی آواز پہنچ چکی تھی، ایک دن تہیتہؓ کو لیا کہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر اسلام لے آنا ہے۔ چچا کے پاس آئے، کبرویں کے رپوڑ بچا کے حوالہ کیا، اور کہا، میں اب اس ذمہ داری سے نکل رہا ہوں، اسلام قبول کرنے جا رہا ہوں، بچا لے لیا، ہون پر جو کسے ہیں اُتار دے جاؤ، ظالم نے بالکل برہنہ کر کے چلتا کر دیا، کیسے نہ کیسے والدہ کے پاس پہنچے، اور پسپنے کے لئے

کپڑا مانگا، انھوں نے ایک کٹل دیا، جس کے دو ٹکڑے کر کے ایک اوڑھا ایک باندھا اور حضورؐ کی خدمت میں پہنچے، اور پھر تقیہ زندگی آپ کے قدموں میں گزار دی، ذوالنجاوین کا لقب آپ نے انکی دو کمینوں کی وجہ سے دیا تھا۔

بزرگوار و دوستو! نیا اور نازہ ایمان اس زندگی کو بالکل بے وقعت بنا دیتا ہے، اور اس کو قبول کرنے والا فوراً داعی و مجاہد بن جاتا ہے۔ ایک جنگ کے موقع پر رومیوں کی صف سے ایک بہادر نکلا اور اس نے حضرت خالدؓ کو پکارا، آپ گئے، اُس نے بجائے لڑنے کے اسلام کے متعلق کچھ سوالات شروع کر دیئے، اور آخر میں دریافت کیا کہ تمھارے دین میں داخل ہونے کا طریقہ کیا ہے، آپ نے سب سوالات کے جوابات دیئے، اور اپنے خیمہ میں لے آئے، وہاں اُسے غسل کرایا، کلمہ پڑھایا، اُس نے دو رکعت نماز پڑھی، اور پھر میدانِ جنگ میں واپس آیا، اور اللہ کی مدد میں ٹری بہادری اور بے جاگرمی سے لوگوں کو شہید ہو گیا۔ دیکھا آپ نے؟ اور تازہ ایمان کی کتنی کشش ہے کہ حضرت خالدؓ نے میدانِ جنگ میں سے ایک دشمن کو اسلام کا خادم بنانے کے لئے آئے، اور اُس نے اسلام قبول کرتے ہی اپنی زندگی اس پر نثار کر دی۔

دوستو! ہماری دعوت دراصل ایمان کی اسی اصل طاقت کو حاصل کرنے کی دعوت ہے، اور ایسا ایمان پیدا کرنے کی دعوت ہے جس سے ہمارے متعلقین اور ہمارے احباب بھی ایک خوشبو محسوس کریں۔ پھول میں اگر خوشبو ہوتی ہے تو ضرور محسوس ہوتی ہے، لہذا جب گرمی ہوتی ہے تو ضرور محسوس ہوتی ہے، اسی طرح اگر ہمارے ایمان میں خوشبو ہو، گرمی ہو تو اس سے دوسرے ضرور متاثر ہوں گے، ورنہ دوسروں کی شکایت اور غیروں کے شکوے سیکھیں۔

محسوس میں مسلمانوں کا غلبہ ہوا، اور وہاں بڑی دھول مچا گیا، مگر تجھ سے ہی دن بعد خلیفہ وقت کے حکم سے اس جگہ کو چھوڑ کر جانا پڑا، تجزیہ کی ایک ایک پالی کا حساب کر کے واپس کیا گیا، یہ ان کے ایمان کا اثر تھا، جس کے یہودیوں اور مسیحیوں سے ان کے ایمان کی خوشبو محسوس کی، چنانچہ جب سلمان نصرت ہو رہے تھے تو وہ لوگ رفتے تھے، اور دعائیں کرتے تھے کہ اللہ تم کو پھر واپس لائے۔ اسی طرح اگر ہمارے اندر کوئی ایمانی طاقت، کوئی اندرونی قوت، اور حسِ سلامتی برتری ہو، تو ناممکن ہے کہ دوسرے انسان اس کو محسوس نہ کریں۔

مسلمانوں کے پاس سرمایہ اور علم تمدن اور دوسری دولتوں کی کمی نہیں، اصل میں جو کمی ہے اور جس سے لوگوں کی نگاہیں نہیں اور مسلمان دنیا کی نظروں سے گئے، وہ ایمان کی تروتازگی اور شادابی کی کمی ہے، اس کی کا اثر آج ہی نہیں اسی وقت ظاہر ہو گیا تھا جب سلمان صاحبِ اقتدار و حکومت بھی تھے، بنی امیہ کے عہد میں حکومت کی طرف سے ایک غیر مسلم باجگذار ریاست میں جزیہ کی رقم وصول کرنے کے لئے مقرر ہوئے، یہ پہلا موقع تھا جب اسلامی حکومت کے محسوس کوئی کوئی فرما کے ساتھ وہاں گئے تھے، تو وہاں ریاست کے حکماء نے کہ وہ اللہ کے بندے کہاں ہیں جو پہلے آبا کرتے تھے، جو گھاناس کے پتے پہنچے ہوئے تھے، جن کے پہروں سے ناقہ نشینی اور کپڑوں سے غربت چمکتی تھی؟ اُس کو بتلایا گیا کہ وہ تو ان کے زمانہ کے مسلمان تھے، اب وہ کہاں ہیں، تو اس نے کہا کہ اب ہم ایک پیسہ خراج کا نہیں دیں گے، کیونکہ ہم نے اب تک ان سے محبوب ہو کر خراج دیا تھا، وہ جس وقت کہتے تھے کہ اللہ کے بندے اللہ کا مطاع ہے،

تو ہم ان کی بات کو رد نہیں کر سکتے تھے، لیکن تم سے مرعوب ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، تمہارا جو بی چارے کر لو!۔
 دنیا کو آج اس ترقی یافتہ ایمان کی شدید ضرورت ہے جو آدمی کی پوری زندگی کو اپنے تابع کرے، مگر یہی ضروری چیز ہے جو دنیا سے ناپسند ہوگئی۔ اس یورپ کے کافرانہ نے دنیا کی ہر ضروری بلکہ غیر ضروری بھی چیز بنا ڈالی ہے، اور ہر ضرورت مند بازار سے خرید سکتا ہے، مگر وہ چیز جس کو پیدا کرنے سے یورپ کے کارخانے بھی عاجز ہیں یہی خالص بود و بود کا ایمان ہے، اور اسی بنا پر یورپ کو اس بات کا پورا پورا اعتراف ہے کہ وہ دنیا کو برائیوں اور جرائم سے پاک کر دینے سے قاصر ہے۔ بڑے بڑے ماہرین اخلاقیات و نفسیات اسلامی جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یورپ کا ایک ماہر نفسیات و جنسیتات جو ہر سال اپنی خدمات قبول کرنے کے لئے حکومت کے سامنے سفارش پیش کیا کرتا تھا، ایک بار ایک عورت کے گلے سے ہار چرتے ہوئے پکڑا گیا۔ یہ چرچل و ٹرومین جو دنیا کے امن کے چوکیدار بنے بیٹھے ہیں، اگر موقع ملے تو شخصی یا قومی اقتدار حاصل کرنے یا قیام رکھنے کے لئے ایٹم بم گرا کر دنیا کو تباہ و برباد کر دیں، جیسا کہ گذشتہ جنگ میں جاپان کے دھمکے و صنعتی شہروں کے ساتھ کیا۔
 دوستو! ہم کس نئے دین کے داعی نہیں، لیکن ایک نئے ایمان کے ضرور داعی ہیں، ہم ضرور کہتے ہیں کہ اپنے ایمان کو تازہ کرو، خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا“

(اے وہ لوگو! جو ایمان لاچکے ہو! ایمان لاؤ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

”جَنَّتْ دُورَ اِيْمَانٍ كَلَمَةً“

(اپنے ایمانوں کو نیا کرتے رہو)

اور

یہی ہماری دعوت ہے!

ہم کھل کر کہتے ہیں کہ ہم اور ہمارے بزرگ، بڑے اور چھوٹے، ہمارے گھروالے اور ہمارے ساتھی، اس کے محتاج ہیں کہ ہمارا ایمان تازہ ہو، اور وہی ایمان پیدا ہو جو ہمارے اسلاف کا تھا۔ اس ہندوستان میں جو بزرگ اپنے اپنے وقت میں ایمان کے داعی اور مجتہد گذرے ہیں انھوں نے بھی اُس وقت باوجود دیکھ دیں اور ایمان موجود تھا، اور عالم دین موجود تھے، ایمان کی تجدید کی دعوت دی، اور امت کے اندر ایک نئی ایمانی زندگی پسند کر دی۔ پھر ان قدیم الاسلام، نو مسلموں سے وہ باتیں ظہور میں آئیں جنھوں نے قرنِ اول کی یاد تازہ کر دی، اور ثابت کر دیا کہ ایمان میں بڑی طاقت ہے، اور اس طاقت کو ہر زمانہ میں زندہ کیا جاسکتا ہے۔ آج بھی اس طاقت سے دنیا میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے اسلاف کی روایات تازہ ہو جاتی ہیں۔ مصر میں ”غوان المسلمین“ کے نوجوانوں نے جب اپنے اندر نیا ایمان پیدا کیا تو انھوں نے دین کے لئے ایسی قربانیاں پیش کیں جن کی

اس زمانہ میں مثال نہیں ملتی۔

اس وقت ساری اسلامی دنیا میں ایمان کی طرف ایک بازگشت ہو رہی ہے۔ ترکی، مصر اور حجاز میں اپنے اپنے طرز پر ایمان کو بڑھانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

ہر ملک کی طرح، اور شاید اور ملکوں سے زیادہ ہمارے اس ملک میں ضرورت ہے کہ نیا ایمان حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، اور اس کی دعوت عام کی جائے۔

ہمارا افسردہ اور بوسیدہ ایمان مشکلات کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، معمولی حالات کا مقابلہ معمولی اور کمزور ایمان کر سکتا ہے، لیکن غیر معمولی حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے غیر معمولی طاقت کا ایمان درکار ہے۔ آج دنیا میں مسلمانوں کو غیر معمولی حالات کا سامنا ہے، اسلئے ہمیں اپنے ایمان میں غیر معمولی تازگی، اور اپنی زندگی میں غیر معمولی تغیر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے ان اجتہادات کی دعوت

اور

ہماری حقیر کوششوں کا مقصد

یہی ہے، کہ

ہم میں از سر نو تحقیق ایسا

اور

ابتداء اسلام کے نو مسلموں کا سا جوش اور ذوق پیدا ہوا

حالات کے بدلنے میں صرف اتنی ہی بات کی دیر ہے۔

سیرت سید احمد شہید

(از مولانا سید ابوالحسن علی ہادی)

یہ کتاب صرف سیرت صفا کی تاریخ نہیں ہے، بلکہ ایک پوری جماعت کی تاریخ ہے جس نے ہندوستان میں ابے سوا سو ڈیڑھ سو برس پہلے نیا ایمان پیدا کرنے کی جدوجہد کی۔ اس کتاب کے مطالعے سے آپ کو معلوم ہو گا کہ نیا ایمان کیا ہوتا ہے، اس کی کیا طاقت ہے، وہ آدمی کو کیا بنا دیتا ہے؟ اور وہ جس جماعت میں پیدا ہو جائے، وہ دنیا کی کیسی ممتاز جماعت ہو جاتی ہے۔

جلد اول للعمر، جلد دوم (تاریخ)

نیا ایمان کیا ہے؟ اور کس طرح وہ پیدا ہوتا ہے؟

”دعوت اصلاح و تبلیغ کے دو سب سے نام آستان میں جوہر زوہر کو بنیاد و کمرہ علیہ جس کی کوٹھی (واقعہ نادانان کل و دکھنہ) کے وسیع میدان میں ہوا تھا مولانا محمد منظور عثمانی نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی :-“

الحمد لله الذي هدانا لهذا وما كنا لنهتدي لولا ان هدانا الله
لقد جاءت رسل ربنا بالحق صوابات الله تعالى عليهم وعلى كل من
اتبعهم باحسان الى يوم الدين :-

بزرگو اور دینی بھائیو!

آپ میں سے جو حضرات کل کے اجتماع میں شریک تھے انہیں یاد ہو گا کل یہ کہا گیا تھا کہ اس وقت مسلمانان عالم کا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ انہیں اپنے دین میں کسی ترمیم یا نظر ثانی کی ضرورت ہے! دین تو کامل و مکمل ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی کمی کسر باقی نہیں ہے، خود اس کے نازل کرنے والے علیم و خبیر کا ارشاد ہے: ”ایوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی“ اور وہ دین پوری طرح محفوظ بھی ہے، اس کا بنیادی دستور قرآن حکیم محفوظ ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت اور آپ کا اسوہ حسنہ جو قرآن مجید کی گویا عملی تشریح ہے وہ بھی محفوظ ہے، بلکہ آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والی اور براہ راست آپ سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے والی پہلی جماعت یعنی صحابہ کرام کا طرز عمل بھی محفوظ ہے، اسلئے اس طرف سے تو بالکل اطمینان ہے۔ البتہ مسئلہ ہے اس بن پر ایمان کا تجدید کا، اور اس سے از سر نو وفادارانہ تعلق پیدا کرنے کا، یعنی ہماری ضرورت نے اور تروتازہ ایمان کی ہے، نہ کہ

نئے دین کی۔۔۔۔۔ کل جو کچھ آپ حضرات سے کہا گیا تھا اس کا یہی دعا تھا، آج مجھے اسی کی کچھ اور تشریح کرنی ہے یعنی یہ بتلانا ہے کہ اس نئے ایمان سے ہمارا مطلب کیا ہے، اور اس کے پیرا کرنے اور حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے۔
اس سلسلہ میں پہلے ایک اصولی بات آپ پر سمجھ لیجئے کریں تو ایمان کے درجے گنتی میں اہل ایمان کم نہ ہوں گے
یعنی جس طرح ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک صورت ملی ہے جو دنیا کے کسی دوسرے آدمی سے پوری طرح نہیں ملتی،
بلکہ کچھ نہ کچھ فرق ضرور رہتا ہے اسی طرح میرے خیال میں دو ایمان والوں کا ایمان بھی بالکل ایک درجہ کا بھی نہیں ہوتا،
اس لئے ایمان کے اتنے ہی درجے ہیں جتنے دنیا میں ایمان والے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم کہہ سکتے ہیں کہ اصولی طور پر
ایمان کے دو درجے ہیں۔

ایک درجہ تو یہ ہے کہ آدمی اللہ و رسول کی تکذیب نہیں کرتا، بلکہ تصدیق کرتا ہے، انکار نہیں کرتا، بلکہ اقرار کرتا ہے، اور اپنے کو ایمان والوں کی جماعت میں سمجھتا ہے لیکن اللہ و رسول کی باتوں پر اُسے ایسا یقین نہیں جیسا یقین اپنی دیکھی بھالی اور آزمائی ہوئی چیزوں پر آدمی کو ہوتا ہے، اور اسلئے اللہ و رسول کی بتلائی ہوئی باتوں کے یقین کا اثر اسکی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ ان یقینوں کا ہوتا ہے جو اس کو اپنی آنکھ کان اور اپنے روزمرہ کے تجربے حاصل ہونے ہوں۔

آپ غور کریں! جن چیزوں کا ہمیں اپنے مشاہدے یا تجربے سے یقین ہو گیا ہے ہماری زندگی اُس یقین کی بالکل غلام ہے مثلاً ہمیں آگ کے متعلق یہ یقین ہو گیا ہے کہ وہ بجاتی ہے تو ہم آگ سے بچتے ہیں، پانی کے متعلق ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ اُس سے پیاس بجھتی ہے تو پیاس کے وقت ہم چٹائی کے ساتھ پانی کی طرف دوڑتے ہیں، نوکری کرنے والے کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ مینہ بھر کام کرنے پر اس کو تنخواہ مل جائے گی، یہی یقین اُس سے مینہ بھر محنت کرا لیتا ہے۔ لیجئے پیشینگوں کے قلی جن سے ہماری کوئی جان بچان نہیں ہوتی، بس زبان سے ہمارے کدینے سے ہمارا منوں سامان اپنے سر پر لا دیتے ہیں، صرف اسلئے کہ روزمرہ کے تجربے سے انھیں اس کا یقین ہے کہ ہم ان کو مزہ دوری کے پیسے دیدیں گے۔۔۔۔۔ بہر حال یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ آدمی کو اگر کسی بات کا پورا اور صحیح قسم کا یقین ہو تو اس کی زندگی میں اس کا اثر ضرور ہوگا۔۔۔۔۔

تو جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ و رسول کی اور ان کی باتوں کی دل سے یا زبان سے تکذیب تو نہ کرتے ہوں بلکہ تصدیق کرتے ہوں لیکن ان کی زندگی میں اس تصدیق کے اتنا نظر نہ آئیں تو یہی سمجھا جائے گا کہ اللہ و رسول کی باتوں کا اگرچہ وہ انکار نہیں کر رہے ہیں لیکن ان کے باطن میں ان کو ایسا یقین حاصل نہیں ہے جیسا کہ اپنی دیکھی بھالی اور اپنی آزمائی ہوئی چیزوں کا انھیں یقین ہے۔۔۔۔۔ الغرض ایک درجہ تو یہ ہے کہ اللہ و رسول کی باتوں پر آدمی کا ایمان اتنا کمزور اور اُس قدر بے جان ہو کہ زندگی پر اس کا کوئی خاص اثر نہ ہو، نہ وہ اس سے بری عادتیں چھڑا سکے، نہ اللہ کے اُن احکام پر عمل کر سکے جو اس کی طبیعت اور اس کی نفسانی خواہشات کے خلاف ہوں، نہ اس سے کوئی محنت اور قربانی کر سکے۔۔۔۔۔

تو ایک درجہ تو یہ ہے جس کے متعلق میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ اس کو ایمان کا درجہ قرار دینے کا مطلب صرف یہ ہے کہ

تیار نہ ہوں گے، اور آج میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے ان کا ساتھ چھوڑا دینے میں کامیاب ہو جاؤں گا، چنانچہ وہ ابو بکرؓ کے پاس ان کے گھر پر پہنچا، وہ چونکہ ابھی تک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے تھے، اسلئے انھیں مراجع کے بارہ میں کچھ نہیں سمجھی، ابو بکرؓ نے جاکر ان سے کہا، کچھ نہ نام لے! تمھارے پیغمبر صاحب آج کیا بیان کر رہے ہیں اب دیکھنا ہے تم کہاں تک ان کا ساتھ دو گے، آج انھوں نے بہت سے آدمیوں کے سامنے بیان کیا ہے کہ میں ات کمہ سے بیت المقدس پہنچا اور وہاں سے آسمانوں پر گیا، اونہیں و آسمان کا یہ بیجا سفر کر کے رات ہی میں واپس ملے آگیا، تو کیا اس کے بعد بھی تم انھیں سچا ہی سمجھو گے؟ — ابو بکرؓ نے اپنے لیے کسی تامل اور تکلف کے جواب دیا کہ وہ جو کچھ فرماتے ہیں صحیح فرماتے ہیں، اور میں تو روزانہ اس سے بھی عجیب بات میں ان کی تصدیق کرتا ہوں، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میں کئی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا فرشتہ ابھی یہ پیام مجھے پہنچا کر چلا گیا، میں فرشتہ کو نہ آتے ہوئے دیکھتا ہوں نہ جاتے ہوئے، لیکن ان کے فرمانے کے بعد مجھے اس میں ذرا بھی شک شبہ نہیں ہوتا اور میں یقین کر لیتا ہوں کہ بیشک فرشتہ آیا اور ان کو ان کے رب کا پیام پہنچا کر چلا گیا، تو جب میں روزانہ ایسی باتوں کی تصدیق کرتا ہوں تو اگر آج رات اللہ نے ان کو کوئی ایسا سفر کرایا ہو، اور انھوں نے اس کو بیان فرمایا ہو تو مجھے اس میں شک شبہ کیوں ہوگا۔

یہ واقعہ بہت مشہور ہے اور جیسا کہ میں نے کہا تھا آپ میں سے بہت سوں نے اس سے پہلے بھی اس کو سنا ہوگا، یا کتابوں میں دیکھا ہوگا، لیکن شاید اس بات کی طرف آپ کا دھیان نہ گیا ہو کہ اس سے ایمان کی اصل حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔

صحابہ کرام کے حالات میں اس قسم کے واقعات کمزرت ملتے ہیں، صرف ایک واقعہ اور نقل کرتا ہوں۔ ابوذر غفاریؓ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مشہور صحابی ہیں، بعض خاصہ صلہوں سے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) اپنے زمانہ خلافت میں ان کے تعلق یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ یہ دو سب سے اونوں سے الگ کسی جگہ قیام فرمائیں، چنانچہ بعد کے مقام پر ایک جگہ میں انھوں نے اپنا اکیلا جھوپڑا ان لیے تھا اور وہیں وفات پائی۔ جس واقعہ کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ ان کی وفات ہی کا واقعہ ہے۔

جب ان کی حالت نازک ہوئی اور ان کی بیوی کو (جو اس جگہ بیابان میں تنہا ان کی رفیقہ تھیں) موت کے آہٹا محسوس ہوئے تو وہ غور مند اور پریشان ہوئیں، اور ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، حضرت ابوذرؓ نے ان کی اس حالت کو دیکھا تو پوچھا کیوں اتنی پریشان ہو اور کیوں روتی ہو؟ انھوں نے کہا آپ کی یہ حالت ہے اور میں یہاں بالکل اکیلی ہوں۔ (انکا مطلب یہ تھا کہ اگر حکم الہی آگیا تو میں عورت ذات اکیلی کس طرح آپ کے کفن دفن کا انتظام کر سکوں گی)۔

حضرت ابوذرؓ نے کہا، غور نہ کر، اور پریشان نہ ہونے لگیں، یہ کہ اللہ کے کچھ بندے میرے کفن دفن کے لئے ضرور پہنچیں گے، جب اللہ کا فرشتہ میری روح قبض کر لے، تو تم چادر سے مجھے ڈھانک کر قبرستان لگائے والی طرح پر چلی جانا،

وہاں سے مسلمانوں کا کوئی قافلہ گزرتا ہوا تھیں انشاء اللہ نظر آئے گا، تم ان سے کہدینا کہ ابوذرؓ کا یہاں انتقال ہو گیا ہے، وہ تم کو سلام کہہ گیا ہے، اور تم ہی کو اس کی تجیز و تعین اور دفن کا کام کرنا ہے۔۔۔۔۔ یہ قریب سے گزرنے والی سڑک کو فہ سے مکہ معظمہ جانے والی سڑک تھی، اور چونکہ کثرت کا زمانہ بالکل قریب تھا، اور حج کے لئے کہ جانے والے قافلے جا چکے تھے، اور اب سڑک کشی دہن سے سسنان پڑی تھی، شاید اسلئے ان کی بیوی کو اس میں تردد اور تعجب ہوا اور انھوں نے پوچھا کہ آپ کیس بنیاد پر کہہ رہے ہیں؟

حضرت ابوذرؓ نے فرمایا، بات یہ ہے کہ ایک دن اہم چند آدمی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں ایک آدمی وہ ہے جو آبادیوں سے دور ایک جگہ میں انتقال کرے گا، اور اللہ اپنے کچھ بندوں کو بھیجے گا جو وہاں پہنچ کر اس کے کفن و دفن کا انتظام کریں گے۔ (حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ اُس مجلس میں میرے سوا جتنے بھی میرے دوست تھے وہ سب کسی نہ کسی شہر میں انتقال کر چکے ہیں، ان میں سے اب صرف میں ہی باقی ہوں، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات یقیناً صحیح ہونے والی ہے، اور اب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وقت آگیا ہے، اسلئے مجھے بالکل یقین ہے کہ اللہ کے کچھ بند جن کی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خبر دی ہے ضرور پہنچیں گے، اور میری قبر تیار کرنے اور دفن کرنے کا کام تحصیل انجام دینا نہیں پڑے گا۔ اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ شکر نہ ہو، بلکہ تیاریاں کرو، میرا وقت قریب ہے، روح قبض کرنے کے لئے اللہ کے فرشتے آئے دہلے ہیں، فرشتوں کو خوشیہ مرحوب ہے، لہذا وہ جو ذرا سانس تک کیس رکھا ہوا ہے پانی میں گھول کے اُس کو منہ پر چھڑک دو، اور اللہ کے جو بندے مجھے دفن کرنے کے لئے پہنچیں گے ان کی تمنا کیلئے بکری کا بچہ ذبح کر کے گوشت چولہے پر چڑھا دو، انھیں میری طرف سے کہدینا کہ وہ کھانا کھا کر جائیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت ابوذرؓ کی روح جب ملا، علیؓ کی طرف چلی گئی تو یہاں کہ انھوں نے حکم دیا تھا جسم پر عاود نکال کر ان کی بیوی سڑک پر جائیں، تھوڑی ہی دیر کے بعد کچھ غبار سا اڑنا نظر آیا، یہ ایک قافلہ تھا جو نہایت تیز رفتار دؤنیوں پر کوفہ سے بھاگ بھاگ چلا آ رہا تھا (اس قافلے میں فقہہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے چند ساتھی تھے) جب قافلہ قریب آیا تو حضرت ابوذرؓ کی بیوی نے ان کا، اور حضرت ابوذرؓ کے انتقال کی اطلاع دی، اور ان کا پیام پہنچایا، یہ حضرت اتاب اللہ پڑھتے ہوئے فوراً دؤنیوں سے اتر گئے، پھر حضرت ابوذرؓ کو انھوں نے غسی دیا۔ اسی قافلے کے ایک انصاری فوجی نے کفن کے لئے دو چادریں دیں جو اپنے احرام کے لئے وہ گھر سے لے کر چلے تھے (ابوذرؓ نے اپنے لئے کفن بھی نہیں چھوڑا تھا) ان ہی

ملہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حضرت عثمانؓ کا ملکہ کوفہ میں پہنچا تھا کہ فوراً مکہ معظمہ آکر گھر سے ملو، وقت چونکہ نہایت تنگ تھا اسلئے یہ قافلہ غیر معمولی تیز رفتاری سے مکہ معظمہ کی طرف جارہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا دراصل یہ انتظام فرمایا تھا۔

حضرات نے قبر تیار کر کے دفن کیا، اور وصیت کے مطابق کھانا کھا کے واپس ہوئے (اور جیسا کہ روایات میں ہے حضرت ابوذرؓ کے گھر والوں کو بھی اپنے ساتھ مکہ معظمہ لے گئے)۔

حضرات! مجھے اس واقعہ کے جس جز کی طرف آپ حضرات کو توجہ دلائی ہے وہ حضرت ابوذرؓ کا یقین ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کسی مجلس میں فرمایا تھا کہ تم میں سے ایک شخص اس طرح جنگل میں انتقال کرے گا۔ اور اُس کو دفن کرنے کے لئے اس کے گھر جو ست روز وقت پہنچیں گے۔ چونکہ حضرت ابوذرؓ کے سوا اس مجلس کے سب حاضرین شہروں اور بستیوں میں انتقال کر چکے تھے اسلئے انھیں کافی یقین تھا کہ اب میرے ساتھ یہ واقعہ ضرور پیش آئے گا۔

اور اگرچہ جس قوم اور وقت رہ جانے کی وجہ سے قافلوں کی آمد و رفت اُس وقت اُس راستے سے نہیں ہو سکتی تھی اور اسلئے کسی قافلہ کا دھرسے گزرنا بظاہر خلاف قیاس سا تھا، لیکن اس کے باوجود انھیں پورا پورا یقین تھا، ایسا یقین کہ آئے والوں کے لئے وہ کھانا تیار کرنے کا بھی حکم دیتے ہیں، اور یہی کسی کا پچھڑا کر کے چوٹے پر چڑھوا دیتے ہیں۔ ایمان دراصل اللہ و رسول کی باتوں پر اسی قسم کے یقین کا نام ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ صحابہ کرامؓ کے حالات میں اس قسم کے واقعات بڑی کثرت سے ملتے ہیں، میں نے تو صرف اپنی بات بھانے کے لئے بطور مثال کے یہ دو واقعے نقل کر دیئے ہیں۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں ایک صحابہؓ کے چند شعر ہیں، ان میں کا ایک شعر ہے۔

اِنَّا اِنَّا اَلْهٰدٰی بَعْدَ اَلْمَیِّ قَسْلُوْنَا

بہ موقفات ان ما قال واقع

یعنی ہم گمراہ تھے، آپؐ نے ہمیں راہ ہدایت دکھائی، اب ہمارے دلوں کو اس بات کا پورا یقین ہے کہ جو کچھ آپؐ نے فرمایا ہے، وہ سب ہونے والا ہے۔

توصیحات کرام کا یہ عام حال تھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بتلائی ہوئی ہر بات پر ان کے دلوں کو پورا پورا یقین تھا، ایسا ہی یقین جیسا کہ اپنی آنکھوں و کئی چیزوں پر ہوتا ہے، بلکہ اُس سے بھی زیادہ۔

اسی یقین اور اسی ایمان کا نتیجہ تھا کہ ان کی زندگیوں کا نقشہ بالکل بدل گیا تھا۔ شراب، جس کے وہ عمر بھر کے عادی تھے، بلکہ جو گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی مٹی، جب اُس کے حرام ہونے کا حکم آیا، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اس کا اعلان کیا گیا تو مینہ کی پوری آبادی میں کوئی ایک شراب پیئے والا نہیں رہا۔ شراب کے بھرے برتن اور ہادینے گئے بلکہ توڑ ڈالے گئے، گھر گھر شراب کی بوتلیاں بنی ہوئی تھیں سب توڑ پھوڑ کے اسی وقت برابر کر دی گئیں۔ یہ سب دراصل اسی یقین اور اصلی ایمان کا کرشمہ تھا۔

بعض صحابہؓ سے بھی کبھی گناہ بھی ہوئے ہیں، لیکن بعد میں ان گناہوں کا جو رد عمل ہوا ہے، اور جس طرح انھوں نے

اس کی تلافی کرنی چاہی اُس سے پتہ چلتا ہے کہ ان گناہ کرنے والے صحابہ میں بھی اللہ و رسول کی باتوں پر ایمان و یقین کس درجہ کا تھا۔

معاذ اللہ! ایک صحابی ہیں، ان سے ایک دفعہ ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا، یعنی وہ بے چارے زنا کے مرتکب ہو گئے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے انھوں نے زنا کے عذاب کے بارے میں جو کچھ سنا تھا اس پر انھیں ایسا یقین تھا جس نے ان کے لئے جینا نامکن کر دیا، یہ شادی شدہ تھے اور انھیں معلوم تھا کہ شادی شدہ آدمی سے اگر زنا کا گناہ ہو جائے تو شریعت کے قانون میں اس کی سزا سنگسار ہے، یعنی اُس شخص کو پتھر مار کے ختم کر دیا جاتا ہے، اس کے باوجود ان کے ایمان و یقین نے انھیں مجبور کیا، اور انھوں نے خود کو اپنے اس گناہ کی ابتلا و حضور کو مارنے کو سنگسار کرانے کی درخواست کی اور وہ سنگسار کئے گئے۔

اسی طرح مدینہ کے قریب کے کسی دیہات کی رہنے والی ایک صحابی عورت کا واقعہ حدیثوں میں نقل کیا گیا ہے کہ اُس بچاری سے بھی ایک دفعہ یہی بڑا گناہ ہو گیا، جس کی کسی کو کچھ بھی خبر نہ تھی، لیکن زنا کاروں کے عذاب کے متعلق اُس نے جو کچھ سنا تھا اُس پر اسے ایسا یقین تھا کہ اُس نے بھی اپنے گناہ کی خود ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیکر آپ سے سنگسار کرانے کی درخواست کی تاکہ دنیا میں یہ سزا پا کر وہ آخرت کے سخت عذاب سے بچ جائے، اور پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کے یہی بیان سے یہ معلوم ہوا کہ وہ حمل کی حالت میں ہے، اور آپ نے یہ کہہ کر اُس کو اس وقت واپس کر دیا کہ اس حالت میں سزا نہیں دیا جاسکتی، جب ولادت سے فارغ ہو جاؤ تب تم آنا۔ تو وہ اللہ کی بندی اس وقت تو چلی گئی، لیکن بچہ پیدا ہونے کے بعد فوراً خود بخود پیر سنگسار ہونے کے لئے حاضر ہو گئی، لیکن اس دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے یہ فرما کر واپس کر دیا کہ ابھی بچے کو تمھارے دودھ کی ضرورت ہے، اس لئے اتنے دنوں تک اس کو پرورش کرو کہ تمھارے دودھ کی اسے ضرورت نہ رہے، اور روٹی کھا کر کچھ کھانے لگے۔ جب ایسا ہو جائے تب آنا۔ وہ پھر چلی گئی، اور کافی مدت کے بعد جب وہ بچہ روٹی کھا کھانے کے قابل ہو گیا تو پھر خود بخود حاضر ہوئی اور کھینچنے والے صحابی نقل کرتے ہیں کہ وہ خدا کی بندی اس حال میں حاضر ہوئی کہ اپنے بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا لے رکھا تھا جس کو وہ کھا رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے عرض کیا کہ حضور آپ دکھائیے اب یہ روٹی کھانے کے قابل ہو گیا ہے، اب اسے میرے دودھ کی ضرورت نہیں رہی ہے، لہذا اب مجھے سنگسار کر دیا جائے تاکہ دنیا میں اپنے گناہ کی یہ سزا پا کر میں آخرت کے عذاب سے بچ سکوں۔

حضرات! یہ واقعات ہیں واقعات افسانے نہیں ہیں۔ دراصل ایمان و یقین میں ہی طاقت ہے، آج اگر اس قسم کے واقعات ہماری دنیا میں نہیں ہو رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اس حسی ایمان و یقین سے خالی ہیں، اور پھر اس کا یہ نتیجہ ہے کہ ایمان والوں سے جو بڑے بڑے وعدے کئے گئے تھے، اور جو جرمی و برمی بشارتیں سنائی گئی تھیں ان کا آج

کیوں ظہور نہیں ہو رہا ہے۔

اگر ہم ان وعدوں کی امید پر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو یہ ہماری بہت بڑی غلطی ہے، ہمیں اپنے اندر کی طرف دیکھنا چاہئے۔

قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ وعدے ہیں، ہر جگہ ایمان کی صفت اور ایمان والی زندگی کی شرط کے ساتھ ہیں یعنی یہ وعدہ کسی ایسی قوم کے حق میں نہیں ہیں جو اپنے کو مسلمان تو کہے لیکن اصلی ایمان و یقین اور ایمان و یقین والی زندگی سے وہ خالی ہوا بلکہ اُس جماعت اور اس گروہ کے لئے ہیں جس میں ایمان کی صفت موجود ہو، اور جس نے ایمان ہی کو اپنی زندگی کی بنیاد بنالیا ہو۔ ”كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ“ ”اِنَّ اللّٰهَ بِدَاخِرِ عَمَلِ الدّٰنِیْنَ“ ”مَنْ شَاءَ

”اَفْتَحْ اِلَیْهِمْ اَبْوَابَ رَحْمَتِیْ“ اس طرح کی سب آیتوں میں ایمان کی شرط کے ساتھ نصرت و حمایت اور سرفرازی اور سر بلند بنی عطا کرنے کے وعدے فرمائے گئے ہیں۔

بجی بات یہ ہے کہ اس وقت مسلمان کھلانے والی اور ایمان کا دعویٰ کرنے والی کروڑوں کی اس اُمت میں لاکھوں کی تعداد میں، بلکہ شاید ہزاروں کی تعداد میں بھی اصلی ایمان رکھنے والے موجود نہیں ہیں۔

ہمارے مَرمَز مولانا علی میاں نے جیسا کہ کل فرمایا تھا، واقعہ یہی ہے کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کا ایمان بس کچھ ایسی طرح کا اور اسی درجہ کا ہے جیسا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کے وقت اگلے پیغمبروں کی امتوں میں خاص کر بنی اسرائیل میں رہ گیا تھا، جو نہ تو ان سے بے ایمانی چھڑ سکتا تھا نہ ترانہ خوار سی نہ فریب کاری، نہ جھوٹ، نہ رشوت، نہ ظلم، نہ بے نصافی، کئے کو وہ اپنے اپنے پیغمبروں، اور اپنے اپنے مذہب کی کتابوں پر ایمان کے تدعی تھے۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ آج کل کے ہم مسلمانوں ہی کی طرح زبانی اقرار کے علاوہ وہ دل سے بھی اپنے پیغمبروں اور اپنی کتابوں اور اپنے مذہبی احکام کو سچا اور صحیح ہی سمجھتے تھے، لیکن ان کا یہ ایمان و یقین اتنا بوسیدہ اور اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ عام طور سے زندگی پر اس کا کوئی اثر نہیں تھا۔ حتیٰ کہ ان میں بہت سے ایسے تھے کہ چار پیسے کے نفع کے لئے جھوٹ بولنے سے بھی ان کا ایمان ان کو نہیں روک سکتا تھا، ان کے عام علماء اور ان کے مذہبی درویش تک اصلی ایمان اور ایمان والی زندگی سے خالی تھے، اور بس معدودے چند تھے جنکی ایمانی او دینی حالت بہتر تھی۔ قرآن مجید میں جا بجا ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی اسی حالت کی وجہ سے اللہ نے اپنی نعمتوں سے ان کو محروم کر دیا، اور مقبول ہونے کے بعد وہ اللہ کے یہاں سے مردود ہو گئے۔

ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر ہمیں آپ کو پسندیدگی سے اپنے بارے میں سوچنا چاہئے، تو جیسا کہ کل مولانا علی میاں نے

لہ بعثت نبوی کے زمانہ کے تعلق صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے: ”اِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ اِلٰی اَهْلِ الْاَرْضِ فَخَظَمَهُمْ عَرَبٌ وَعَجَمٌ اَبَقَا“
یا من بنی اسرائیل - دینی روایت الا بقایا من اهل الکتاب - ۱۲۔

فرمایا تھا، اور آج میں نے عرض کیا، ہمارے نزدیک مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اصلی ایمان و یقین جو ان کا اصل مارتھا اور جس کی وجہ سے اللہ کا بھی ان کے ساتھ خاص معاملہ تھا اس کو پھر سے پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

شاید آپ کے دل میں سوال پیدا ہو کہ کیا اس زمانہ میں بھی ایسا ایمان پیدا ہو سکتا ہے؟ ہیں کتنا ہوں جی ہاں پیدا ہو سکتا ہے، اور یقیناً ہو سکتا ہے، لیکن میرا مطلب اس سے یہ نہیں ہے کہ ہم سب میں صدیق اکبرؑ کے درجہ کا ایمان پیدا ہو سکتا ہے، صدیق اکبرؑ کے درجہ کا ایمان تو سب صحابہ میں بھی نہیں تھا، بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ اوروں کا کیا ذکر حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، اور حضرت علیؓ میں بھی نہیں تھا۔۔۔۔۔۔ بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ اللہ و رسولؐ کی باتوں پر ایسا یقین جیسا اپنی دیکھی بھالی اور آزمائی ہوئی چیزوں پر ہوتا ہے اور جو زندگی کو اپنے اثر میں لے لیتا ہے، بس یہ یقین انشاء اللہ ہر شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جو دیانت داری کے ساتھ اس کو حاصل کرنا چاہے۔۔۔۔۔۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ ہر چیز کے حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے، اور اگر اس طریقے سے کوشش کی جائے تو وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے، یہی حال ایمان و یقین کا بھی ہے، اور الحمد للہ ہمارے سامنے اس کے پیدا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

یہ دینی دعوت اور دینی تحریک جس کو آپ لوگ تبلیغی تحریک اور تبلیغی جماعت کہا کرتے ہیں، اس کے سامنے یہی مسئلہ او یہی مقصد ہے، اور اس کے لئے اس کا ایک خاص پروگرام ہے۔ اور آج کل آپ کے شہر میں جو یہ اجتماعات ہو رہے ہیں، یہ اُسی سلسلہ کے دعوتی اجتماعات ہیں۔ اور ہم لوگ جو آپ کے دینی بھائی اور خادم ہیں، اور آپ میں سے بہت کم کو ذاتی طور پر بھی جانتے ہیں ہم ایمان داری سے اس تحریک کو اور اس کے پروگرام کو صحیح سمجھتے ہیں، اور ہمیں پورا یقین ہے کہ اگر امت اس تحریک کو قبول کیا، اور اس کو اپنایا، تو انشاء اللہ وہ ایمان و یقین، اور ایمان و یقین والی زندگی اپنے سب آثار اور لوازم کیساتھ امت میں عام ہو سکتی ہے۔

میرے بزرگوں اور بھائیو! ہم آپ چندہ نہیں مانگتے، ہم آپ سے یہ بھی نہیں کہتے کہ آپ ہمارے کسی ایجنٹ یا جماعت کے رکن یا ممبر بن جائیے، ہم نے رکنوں اور ممبروں والی اور چندہ والی کوئی ایجنٹ یا جماعت نہیں بنائی ہے، ہم آپ سے یہ بھی نہیں کہتے کہ آپ فلاں بزرگ سے یا فلاں سلسلہ میں بیعت ہو جائیے، بلکہ ہم آپ سے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ آپ یہ فیصلہ کر لیجیے کہ آپ خود اپنے اندر اور اپنے دوست بھائیوں میں اصلی ایمانی اور ایمان والی زندگی پیدا کرنے کی اس کوشش میں اپنے حالات کے مطابق حصہ لیا کریں گے۔ آپ کو ہماری بس یہی دعوت ہے۔

آپ کو معلوم ہو گا کہ آپ کے شہر میں (اندوہ کی مسجد میں ہر جمعرات کو) اس سلسلہ کا ہفتہ وار اجتماع ہوتا ہے، اور جماعتیں دین و ایمان کی اس دعوت کو لیکر مختلف شہروں اور دیہاتوں کی طرف برابر جا یا کرتی ہیں۔ بس ان دونوں کاموں میں آپ کی شرکت ہی ایمان پیدا کرنے والی کوشش میں آپ کی شرکت ہوگی۔

اس سلسلہ کے ہمارے ہفتہ وار اجتماع میں کیا ہوتا ہے، اور باہر جانے والی جماعتیں کس طرح اپنا کام کرتی ہیں، او

ان کا کیا پروگرام ہوتا ہے۔ تفصیلی باتیں میں اگر عرض بھی کروں تو آپ کے لئے زیادہ مفید نہ ہوں گی اسلئے میں یہی عرض کروں گا کہ آپ اپنے ان بھائیوں پر مستحکم کر کے جن کے متعلق کم از کم اتنا ضرور آپ کو تجربہ ہے کہ وہ آپ کے کفایتی نفع کے طالب نہیں ہیں، اور نہ وہ آپ کی مرد سے کوئی عمدہ اور عزت کا کوئی مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں، نہ اس قسم کا کوئی اور ذاتی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

بہر حال آپ اپنے ان دینی بھائیوں پر مستحکم کر کے جنہوں نے آپ کو کبھی دھوکہ نہیں دیا ہے، اور کبھی آپ سے کوئی ناجائز فائدہ حاصل نہیں کیا ہے، پہلے تجربہ اور دیکھ بھال ہی کے لئے شریک ہوں، اور جب آپ کو یہ اطمینان ہو جائے کہ ہاں اس راستے سے اپنی اور اپنے دوست بھائیوں کی دینی اور ایمانی حالت انشاء اللہ ضرور کچھ بہتر ہو سکتی ہے، تو اس وقت آپ ساتھ دینے کا مستقل فیصلہ فرمائیں۔

آپ ہماری یہ بات مان کر انشاء اللہ اپنا کچھ کھوئیں گے نہیں، بلکہ پائیں گے، اور خدا نے چاہا تو دیکھ لیں گے کہ آپ نے کیا پایا۔

بزرگو اور بھائیو!

ہم آپ کو اس کام کی طرف بلاتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کا خاص کام تھا، اور آج بھی اس میں اپنی قوتوں کو صرف کرنا، اللہ کو راضی کرنے کا اور انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ طیبہ کو خوش کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اور اس میں خود آپ کی بھی حیات اور نجات ہے۔ یا ایہا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم واعلموا ان اللہ یحول بین المارء وقلوبہ وانہ الیہ ترجعون۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مُصَنَّف:

(ڈاکٹر محمد احمد علی، بی، ایچ، ڈی)

رسولِ کرم صلم کی سیاسی زندگی!

رسولِ کرم صلی اللہ علیہ وسلم (ایک نظریاتی دین اور ایک استہدائی نظام حیات دیکھیے) کے تھے جب عرب میں یہ نظام جیتا جاگتا اور اس کے نتیجہ میں ایک اسلامی ریاست ظہور میں کی تو خصوصاً نبی کریم صلم نے اس نئی اسلامی مملکت دینی اور خارجی معاملہ کو کس طرح انجام دیا؟ یہی ڈاکٹر محمد احمد علی نے اس تازہ ترین تصنیف کا موضوع ہے۔ یہ کتاب پہلی اسلامی مملکت کے تمدنی اور سیاسی طرز عمل کی ایک مستند تاریخ ہے۔ یہ ایک صحیح فکر اور رہنما ہوا محقق کی تحقیقات کا بخوبی ہے، اور ہر قسم کی غیر اسلامی آکاشوں سے پاک ہے۔ اس کتاب میں غیر مسلم ملکوں سے اسلامی مملکت کے معاملات اور دیگر بین الاقوامی مسائل میں حضور نبی کریم صلم کے فیصلے بھی دیئے گئے ہیں نبی کریم صلم کے بعض اہم حکام کے فوٹو بھی شائع کئے گئے۔ اسی کے ساتھ پہلی اسلامی مملکت کا ایک مستند نقشہ بھی ایک کتاب کی زینت ہے۔ (صفحات ۳۸۰) قیمت: ۵۰ روپے

نفس پرستی یا خدا پرستی؟

”مولانا ابوالحسن علی ندوی کی وہ تقریر جو دعوتِ اہل حق و تبلیغ کے تیسرے عام اجتماع میں ۲۸ نومبر کی شب امین الدولہ پارک میں کی گئی، اس اجتماع میں مرزا شب و شبان کے لوگ موجود تھے۔ بڑی تعداد میں غیر مسلم بھی شریعت حاضرین کا اندازہ دس بارہ ہزار کا کیا جاتا ہے۔ اس تقریر کا خلاصہ متعدد اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ یہاں مفصل تقریر روضہ کی جاتی ہے۔“ (ادل ۵)

خطبہ مسنونہ کے بعد:

آئیں جمع ہیں احباب درود دل کہ لے!
پھر التفاتِ دل دوستان ہے ہے نہ ہے

دوستو!

میں اس وقت آپ کے کچھ دل کی باتیں کہنا چاہتا ہوں، اور اس طرح کہنا چاہتا ہوں جیسے میں آپ میں سے ہر ایک کے ساتھ تنہا بیٹھا ہوا گفتگو کر رہا ہوں۔ فی الواقع اگر اس کا کوئی امکان ہوتا کہ آپ میں سے ہر دو دوست ایک ہی انگ اپنی دل کی بات کہہ سکتا تو میں ضرور ایسا ہی کرتا، تاکہ آپ اُسے تقریر سمجھ کر نہیں، بلکہ ایک دوست کا دردِ دل سمجھ کر سنسے، ملوکیا کروں ایسا ممکن نہیں ہے۔ اگر یہ چیز ممکن ہوتی تو ایکشن میں کٹھے ہونے والے امیدوار ضرور اس پر عمل کرتے۔ اور وہ اپنی انتخابی جم کے مسئلے میں جیسے منعقد نہ کرتے، اسلئے کہ انھیں تو ان جلسوں میں وہ باتیں کہنا ہوتی ہیں جو تنہا بیٹوں میں لے جا کر کسی کے کان میں بھی کہنا گراں ہوتی ہیں، یعنے اپنی تعریف، اپنی اہمیت کا اظہار اور اپنی شان میں اپنے آپ ہی قصیدہ خوانی، اسلئے میں بس تنہا ہی کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے یہ درخواست کروں کہ براہِ کرم میری گزارشات کو اسٹیج کی نہیں، بلکہ دل کی باتیں سمجھ کر سنسے۔

دوستو! اور بزرگو!

دنیا میں زندگی کے بہت سے طرزِ رائج ہیں اسکی بہت سی قسمیں سمجھی جاتی ہیں مشرقی زندگی، مغربی زندگی، جدید طرزِ زندگی، تسلیم

طرز زندگی وغیرہ، لیکن حقیقت میں زندگی کی بنیادی قسمیں صرف دو ہیں۔ ایک نفس پرستانہ زندگی، دوسری خدا پرستانہ زندگی، باقی یعنی قسمیں جتنے مختلف ناموں سے مشہور ہیں وہ سب ان ہی دو کی شاخیں ہیں۔

پہلی قسم کی زندگی یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو ایک تہہ بے ہار کچھ کر زندگی گزارے، اور جو میں آئے وہ کر لے، اس کو من مانی زندگی بھی کہہ سکتے ہیں، دوسری قسم کی زندگی ایک ایسے آدمی کی زندگی ہے جو یقین رکھتا ہے کہ اُسے کسی پیدا کیا ہے وہ پیدا کر نہ لایا ہی اسکی زندگی کا مالک اور حاکم ہے، وہ اسکی ضرورتوں اور مصلحتوں کو سب زیادہ جانتا ہے، اس کی طرف سے زندگی گزارنے کے کچھ ضابطے اور قاعدے ہیں جن کی پابندی کرنا ضروری ہے۔

ہندوستان میں ماہ بھارت ایک بہت بڑی تاریخی لڑائی ہوئی ہے، مجھے اسکی تاریخی حیثیت سے انکار نہیں ہے، مگر اس دنیا میں ایک دوسری ماہ بھارت بھی پائی جاتی ہے، یہ ہندوستان کی مشہور ماہ بھارت سے زیادہ قدیم ہے، یہ وہ لڑائی ہے جو خدا پرستی اور نفس پرستی کے درمیان ہمیشہ سے جاری ہے، یہ لڑائی کسی ایک ملک ہی تک محدود نہیں رہی ہے، بلکہ دنیا کے ہر ملک میں ہو چکی، اور نہ یہ جنگا کے میدانوں ہی تک محدود رہی، بلکہ اسکے معرکے گھروں کے اندر بھی ہوئے ہیں، یہ زندگی کے دو اصول ہیں جو ہمیشہ ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ حضراتِ پیغمبران نے اپنے اپنے وقتوں میں ہر ملک خدا پرستانہ زندگی کی دعوت دی ہے، اور انکی کامیابی کے دور میں اسی قسم کی زندگی کا دور دورہ رہا، لیکن نفس پرستی ہمیشہ کے لئے کبھی فنا نہیں ہوئی، بلکہ اُسے جب بھی موقع ملا وہ زندگی پر قابض ہو گئی۔ بد قسمتی سے ہمارا زمانہ وہ ہے جس میں نفس پرستی زندگی پر پوری طرح مسلط ہے، زندگی کا ہر شعبہ اور ہر میدان اسکی گرفت میں آیا ہوا ہے، گھروں میں نفس پرستی، بازاروں میں نفس پرستی، دفاتروں میں نفس پرستی، کارخانوں میں نفس پرستی، گویا ایک سمندر ہے جو خشکی میں پورے زور شور سے بہہ رہا ہے، اور ہم اس میں گلے گلے اترے ہوئے ہیں۔ یہ نفس پرستی ابستقل ایک مذہب بن چکا ہے، نہیں بلکہ ہمیشہ سے اسکی یہ نوعیت رہی ہے اور عموماً اسی مذہب کے ماننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ رہتی ہے، ہر چند کہ مذہب کی نفرت میں اس نام کا کوئی مذہب نہیں بتلایا جاتا، اور نہ اس نام سے کسی مذہب کے ماننے والوں کی تعداد کا شمار کیا جاتا ہو، مگر یہ اپنی جگہ بالکل حقیقت ہے کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے، اور اسکے ماننے والے سب سے زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ آپ کے سامنے مختلف مذہب کے ماننے والوں کے اعداد شمار آتے ہیں کہ عیسائی مذہب کے پیرو اتنے، اسلام کے پیرو اتنے، اور ہندو دھرم کے ماننے والے اتنے، مگر ان میں سے ہر ایک میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو کھلتے تو ہیں مذہب عیسائی، ہندو، اور مسلمان، لیکن ہیں درحقیقت اسی مذہب نفس پرستی کے پیرو!۔

نفس پرستی کی زندگی کا رواج، اور اس مذہب کی مقبولیت صرف اسوجہ سے ہو کہ آدمی کو اس میں مزہ بہت آتا ہے، مانا کہ نفس پرستی کی زندگی بڑے مزے کی اور بڑے لطف کی زندگی ہے، اور ہر آدمی کی طبعی خواہش لطف اندوزی ہوتی ہے، لیکن اگر دنیا کے تمام انسانوں کو سامنے رکھ کر سوچا جائے تو پھر اس قسم کی زندگی دنیا کیلئے ایک لعنت ہے، اور اسکی ساری مصیبتیں او

سارے دکھ اسی نفس پرستی کا نتیجہ ہیں، اور دنیا کی ساری تباہیوں، تمام قحطوں اور نا انصافیوں کی ذمہ داری انھیں لوگوں پر رہتی ہوتی ہے جو اس منحوس مذہب کے پیرو ہیں۔

اس دنیا میں اس مذہب کی گنجائش صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ پوری دنیا میں صرف ایک انسان کا وجود ہو، اسی صورت میں وہ اپنے نفس کی مانگوں کو من مانے طور پر پورا کرنے کا حقدار ہو سکتا ہے، لیکن واقعیوں میں نہیں ہے، اس دنیا کے پیدا کرنے والے نے اس میں کروڑوں اور اربوں انسانوں کو بسایا ہے، اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ نفس، خواہشات، نفس، اور ضروریات نفس لگی ہوئی ہیں۔ اسی صورت میں جو شخص بھی من مانی زندگی گزارنے کی کوشش کرتا ہے وہ گویا اس واقعے سے انکس بند کرتا ہے کہ اس کے ساتھ اس کے اور بھی بھجنس بستے ہیں۔ لیکن واقعہ سے انکس بند کرنے سے واقعہ غلط نہیں ہو جاتا، وہ اپنی جگہ پر رہتا ہے، اسلئے کچھ لوگوں کی نفس پرستی کا نتیجہ لامحالہ دوسروں کی مشکلات اور مصائب کی شکل میں نکلتے گا۔

نفس پرستی کی زندگی گزارنے والا من کا راجہ ہوتا ہے، من کا راجہ وہ راجہ ہے کہ اگر ساری کائنات میں بھی اسکی خواہشات کا سکھ چلے، تو اس کا پیٹ اتنے میں بھی نہیں بھر سکتا، وہ اس سے اور زیادہ کا خواہش مند ہے گا۔ غور فرمائیے جب ساری کائنات بھی ایک من کے راجہ کی تسکین کیلئے نا کافی ہے تو آج جو ایک ایک گھر کی محدود سی دنیا میں کئی کئی من کے راجہ پائے جاتے ہیں تو وہ کیونکر تسکین اور چین پاسکتے ہیں۔ اس نفس پرستی کے مرض نے ایک ایک گھر میں چار چار من کے راجہ پیدا کر دیئے ہیں، باپ بھی راجہ، ماں بھی رانی، بیٹا بھی راجہ، اور بیٹی بھی اپنے من کی رانی، تو کیونکر گھروں میں چین اور سکون رہ سکتا ہے؟ یہ نفس پرستی کی زندگی جو کہ شخص گزار کر مزہ حاصل کرنا چاہتا ہے ایک آگ بنی ہوئی ہے جس میں ایک گھر کے افراد بھی جل رہے ہیں، ایک ملک کی قوم بھی جل رہی ہے اور دنیا کی پوری آبادی جھلس رہی ہے۔

دوستو! دنیا کی مصیبتوں کی جڑ یہی ہے کہ ہر شخص اپنے نفس کی اطاعت کرنا چاہتا ہے، اور ان مصیبتوں کا علاج یہ ہے کہ من کا کمانے کے بجائے خدا کی اطاعت کرو۔ یہ دنیا کروڑوں کی تو کیا، دو آدمیوں کی بھی من مانی زندگی کی گنجائش اپنے اندر نہیں رکھتی، اسلئے من مانی زندگی گزارنے کے خیال کو چھوڑ دو، اور اس طرح زندگی گزارنے کی کوشش کرو جس کا پیغام اللہ کے پیغمبروں نے دیا تھا، یعنی خدا پرستی کی زندگی۔ اس دنیا کے پیدا کرنے والے نے ہر زمانہ میں اس زندگی کے پیغام پیدا کئے، کیونکہ اسی طرح زندگی سے دنیا کا نظام ٹھکانے سے چل سکتا تھا، ان پیغمبروں نے پوری طاقت اس طرح زندگی کی دعوت دی، اوفس پرستی کا زور توڑنے کی اپنی طاقت بھر پوری کوشش کی، لیکن جیسا کہ میں شروع میں عرض کر چکا ہوں پھر بھی نفس پرستی کا رواج دنیا سے مٹ نہیں، اور جب بھی خدا پرستی کی دعوت کو رد کر دیتی، نفس پرستی کا رواج بڑھ گیا، اور اس کا سیلاب آتے ہی دنیا کے عام لوگوں کی مصیبتیں بھی بڑھ گئیں، اور ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئیں۔ مثال کے طور پر چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ دیکھو، صمدی میں نفس پرستی کی زندگی کا رواج انتہائی عروج کو پہنچ گیا تھا، ملک ملک اس کا دورہ دورہ تھا، یہ ایک بہتا ہوا دریا تھا جسکے دھارے پر ہر چھوٹا بڑا بہہ رہا تھا، بادشاہ اپنی نفس پرستی میں مبتلا تھے، رعایا انکی نقل میں نفس پرستی کا شکار تھی مثال کے طور پر ایران کا حال

بیان کرتا ہوں :- وہاں قوم کا ہر طبقہ نفس پرستی کا بیمار تھا۔ شاہ ایران کی نفس پرستی کا حال یہ تھا کہ اُسکی بیویوں کی تعداد بارہ ہزار تھی، جب مسلمانوں نے اُس ملک کو اس صیدِ بیستِ نجات دلائے کیلئے حملہ کیا، اور ایران کا بادشاہ تخت چھوڑ کر بھاگتا تو ایسے نازک وقت میں بھی یہ حال تھا کہ اُسکے ہمراہ ایک ہزار بارہوی تھے، ایک ہزار گویے تھے، اور ایک ہزار بارہاؤں سرے کے محافظ و نظم تھے، مگر اس بھی اُسکو فہوس تھا کہ بڑی بے سروسامانی میں ٹھکانا ہوا ہے۔ اُس زمانہ کے جہول اور سپہ سالار ایک ایک لاکھ کی ٹوپی، اور ایک ایک لاکھ کا بچکا لگاتے تھے، اونچی سوسائٹی میں مولیٰ کپڑا پہننا گویا ہر دم تھا، لیکن اس طبقہ کی نفس پرستی نے عوام کو کون شکلات میں مبتلا کر دیا، اس کا اندازہ اس کے کیئے کہ کسانوں کا حال یہ تھا کہ وہ لگان بھی نہیں دے سکتے تھے، اور زمینیں چھوڑ چھوڑ کر خاںقاہوں اور عبادت گاہوں میں جا بیٹھتے تھے۔ متوسط طبقہ کے لوگ اُمراء کی ریس میں دیوانہ ہوئے جا رہے تھے، چنانچہ معاشی لوٹ کھسوٹ برپا تھی، غرض زندگی کیا تھی، ایک ریس کا میدان تھی، ظلم و زیادتی عام تھی، ہر بڑا اپنے چھوٹے کو، اور حاکم اپنے محکوم کو لوٹنے، اور اُس کا خون چوسنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا، اور پوری سوسائٹی میں ایک مٹرا ہنسا بھیلی ہوئی تھی۔ آپ سمجھتے ہیں کہ ایسی سوسائٹی میں عقائد، اخلاق اور کیر کڑ کیسے پنپ سکتا ہے، اور کس کو آخرت کی فکر اور اخلاقی ذمہ داریوں کا احساس رہ سکتا ہے، ان تمام علی چیزوں کو تو وہ نفس پرستی کا سیلاب بہائے لئے چلا جا رہا تھا، لیکن کوئی نہ تھا جو اس سیلاب پر بند باندھتا، اور اس دھائے کو روکتا، علماء، ادبا، اور فلاسفہ، سب اسی کے رُخ پر تنکوں کی طرح بہہ رہے تھے۔ کسی میں ہمت نہ تھی جو دھائے کے رُخ کے خلاف پیر کر دکھاتا، اور دھارا بھی کون سا؟ پانی کا نہیں، عام رواج کا دھارا؟ اسکی ہمت ایک شیرِ دل انسان ہی کر سکتا ہے۔ اللہ کو منظور ہے کہ اس دھائے کا رُخ موڑا جائے، اس کام کیلئے اُس نے عرب میں ایک انسان کو بیدار کیا اور اُس کو نبوتِ عطا کی، جس کو ہم محمد رسول اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، (صلی اللہ علیہ وسلم) انھوں نے دھائے کے خلاف صرف پیر کر ہی نہیں، بلکہ اس کا رُخ موڑ کر دکھا دیا۔ اُس وقت کسی ایسے آدمی سے کام نہیں چل سکتا تھا جو دھائے کا رُخ تو نہ موڑ سکے، بلکہ اُس میں بہنے والی چیزوں کو نکال لائے۔ مسئلہ کہ اُس وقت کوئی ایسا محفوظ مقام نہ تھا، جہاں اس سیلاب کا دھارا نہ چل رہا ہو۔ عبادت گاہوں اور کلیساؤں تک کو تو اس سیلاب نے اپنی زد میں لے رکھا تھا، اس مسئلہ میں کوئی ٹاپا نہ تھا، اور اگر تھا تو فہر ان خطرے کی زد میں تھا۔ ایمان، اخلاق، شرافت، تہذیب، اور مختصر الفاظ میں انسانیت کی روح کو اس سیلاب سے بچانے کا کام اگر کوئی شخص کر سکتا تھا تو وہی شخص کر سکتا تھا جس میں دھائے کا رُخ موڑنے کی ہمت ہو۔ ایسی ہستی اُس وقت صرف اللہ کے اُسی آخری پیغمبر کی ہستی تھی جس نے رواجِ عام کے اُس دھائے کو جو ایک طوفانی انداز میں نفس پرستی کی سمت میں بہہ رہا تھا چند سال کی کوشش سے خدا پرستی کی طرف پھیر دیا۔ ہمیں جو پچھٹی صدی عیسوی کی دنیا کی تاریخ میں ایک دم سے ایک حیرت انگیز انقلاب نظر آتا ہے جسے ساری زندگی کو اور بالآخر ساری دنیا کو متاثر کیا، اور اب بھی جو کچھ انسانیت اور خدا پرستی کا بچا کھچا سرمایہ ہے، وہ سب انھیں کی محنت کا فیض ہے۔

ہمارا بوجہ دنیا میں آئی ہوئی ہے یہ سب پودا انھیں کی لگائی ہوئی ہے

مکن ہے آپ میں سے کسی کو یہ شبہ گزرنے کہ یہ کتنا تو صحیح نہیں ہے کہ اُس زمانے میں عام طور پر لوگ صرف نفس پرست تھے، کیونکہ وہاں

ہمت سی دوسری "پرستیاں" بھی موجود تھیں۔ کچھ لوگ سوچ پرست تھے، کچھ لوگ کوپو جتے تھے، کچھ صلیب کو پوجتے تھے، کچھ درختوں کو پوجتے تھے، اور کچھ پتھروں کی پرستش کرتے تھے، لیکن یہ بات اپنی جگہ پر صبح ہے، مگر یہ تمام "پرستیاں" اسی ایک پرستی کی نقیص تھیں جس کے عام رواج کائیں دعویٰ کر رہا ہوں۔ یہ ساری پرستیاں اسی لئے کیجاتی تھیں کہ نفیس پرستی کے مخالف نہ تھیں، یہ "پرستیاں" من مانی زندگی گزارنے میں رکاوٹ نہیں ڈالتی تھیں۔ آگ، پٹر، پتھر، سورج وغیرہ ان سے کہتے تھے کہ یکایک کرو، اور میرت کرو، اسلئے وہ انکی پرستش کے پہلو پہلو اپنے نفس کی اطاعت بھی کرتے رہتے تھے، اور دونوں میں کوئی تناقض نہیں پاتے تھے۔

بہر حال ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس سیلاب لڑنے اور اس کاٹھ موڑ دینے کا بیڑا اٹھایا، اول پوری سوسائٹی سے لڑائی مول لی، حالانکہ آپ اپنی اس سوسائٹی میں بہت مقبول اور ہر دلعزیز تھے، صادق و امین تھے، معزز تھے، یاد کئے جاتے تھے، اور اسلئے آپ کو ترقی کے ٹرے سے ٹرے مواقع حاصل تھے، آپ کو اپنی قوم کا اتنا اعتماد حاصل تھا کہ ترقی کا کوئی اونچے سے اونچا مقام نہ تھا جو آپ کو مل نہ سکتا، مگر یہ سب کچھ ممکن تھا جب آپ انکی زندگی کے رخ کو غلط نہ کرتے، اور اس کا ایک دوسرے رخ پر موڑ دینے کے عزم و ارادہ کا اظہار نہ فرماتے، مگر آپ کو تو اللہ نے کھڑا ہی اسلئے کیا تھا کہ ہمارے رخ پر نہ خود پسند اور نہ کسی کو مجبے دیں۔ اسلئے سب پہلے تو اپنے اپنی زندگی کو خدا پرستی کی زندگی کا نمونہ بنا کر پیش کیا، اور با نفاذ دگر چلنے کے خلاف تیر کر دکھادیا، اور پھر پوری سوسائٹی کے رخ کو نفس پرستی سے ہٹا کر خدا پرستی کی طرف موڑ دینے کی کوشش شروع کی، اس کوشش کو کامیاب بنانے کیلئے آپ نے تین بنیادی چیزیں لوگوں کے سامنے پیش کیں۔

یہ یقین کر دو کہ تمہارا اور اس ساری دنیا کا پیدا کرنے والا اور اس پر حکومت کرنے والا ایک ہے۔ یہ یقین کر دو کہ اس زندگی کے ختم ہونے کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جس میں اس زندگی کا حساب و کتاب دینا ہے۔ یہ یقین کر دو کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں، اسلئے اس زندگی کے متعلق احکام دیکر مجھے بھیجا ہے، جن احکام پر مجھے بھی جہنم بھی جلتا ہے اور جہنم بھی۔

آپ نے جب ان چیزوں کا اعلان فرمایا تو سوسائٹی میں ایک ہلچل مچ گئی، مخالفین اٹھ کھڑے ہوئے، اسلئے کہ یہ نعرہ انکی زندگی کے آرام میں خلل ڈالنے والا تھا، سارا زمانہ جس رخ پر بہہ رہا تھا، اس کو بھجور کر دوسرے رخ اختیار کرنا آخر کوئی آسان کام تو تھا نہیں۔ زندگی کی کشتی ہمارے پر بلا دقت چلی جا رہی تھی، انھیں کیا پڑی تھی کہ ہمارے خلاف اپنی کشتی چلا کر دقتیں اور خطرات مول لیں، اسلئے انھوں نے چاہا کہ یہ آواز دب جائے، کچھ لوگوں نے آپ کی نیت ہی پر شبہ کیا، انکی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ دیکھنے میں ایک انھیں جیسا انسان اتنا صاحب عزم بھی ہو سکتا ہے کہ زندگی کے اس طوفانی دھارے کاٹھ جوڑنے کی ٹھانے جس میں صرف ہم ہی نہیں دنیا کی ساری قومیں، انکے علماء اور علما، انکے اجداد و رہبان، انکے ائمہ، مذہب و سیاست، انکے عقاید و اخلاق، انکے علوم و فلسفے، اور ادب و سیاست خس و خاشاک کی طرح جبرے چلے جاتے ہیں۔

وہ اس دعوے میں کسی شخص کو مخلص ماننے سے قطعاً عاجز تھے، اسلئے انھوں نے سمجھا کہ اس دال میں کچھ کالا ضرور ہے، ہونہ ہو اس بلند بانگ دعوے کے پیچھے کچھ اور مقصد اور کوئی اور خواہش کام کر رہی ہے، اسلئے انھوں نے ایک وفد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بھیجا جس نے اپنے خیال کے مطابق تین بڑی چیزیں آپ کے سامنے پیش کیں، اس نے کہا کہ اگر آپ کا مقصد

اس قسم کی باتوں سے یہ ہو کہ ہم آپ کو اپنا سر دار تسلیم کر لیں تو چھوٹیے ان باتوں کو ہمیں یہ منظور ہے، یا اگر آپ بہت مال و دولت کے طالب ہیں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے، اور یا اگر آپ کسی حسین عورت کو خواہش مند ہوں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے، ہم ملک کی سب حسین عورت آپ کو پیش کر سکتے ہیں، آپ نے جو یہ نئی بات اٹھائی شرم کی ہے اس کے دستبردار ہو جائیے، اگر اللہ کے اس سچے رسول اور خدا پرستی کے سب سے بڑے علمبردار نے نہایت بے نیاز سچی باتوں کو آپ کو کہہ کر ہم سے کچھ لینا نہیں چاہتا، انھیں کچھ دینا چاہتا ہوں، اور وہ میری اپنی حق باتیں ہیں جن کی میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ تمہیں موت کے بعد والی زندگی میں راحت ملے، اور وہ میری ان تین باتوں کے قبول کرنے پر موقوف ہے۔ آپ کی زبان ہی نہیں بلکہ آپ کی پوری زندگی نے ان لوگوں کے اس خیال کی تردید کی کہ آپ دنیا کی کسی چیز کے خواہش مند ہیں، غنا، لغت، آسائش، شہرت، اعتبار یا کسی اور کچھ نہ کچھ ڈر کر مذہب مانا جائے، مگر خدا پرستی کی دعوت کو ہمیں چھوڑنا۔ مخالفین کو اندازہ نہیں تھا کہ آپ نفس پرستی کے کتنی دہشت گرد تھے، اور اس جھلے کے مخالف سمت میں تشریف لے کر آپ میں کتنی طاقت تھی، اور کتنا عزم تھا۔ آپ نفس پرستی سے اتنی دور تھے کہ جب مکہ چھوڑنے کے کچھ سال بعد آپ پھر مکہ میں گئے، اور فاطمہ حبیبتہ گئے، اپنے مخالفوں کو مغلوب کر کے لائے، تب بھی آپ کی خدا پرستانہ شان میں کوئی تغیر نہ ہوا، فتح کا نشانہ آپ پر فوراً بھی نہیں چڑھا، مکہ میں آپ کا فاطمہ داخلہ اس شان سے ہوا کہ اونٹ پر سوار تھے، بدن پر غربانہ لباس تھا، اور زبان پر خدا کا شکر، اور اپنی عاجزی کا اظہار تھا۔ اس موقع پر ایک آدمی آپ کے سامنے آیا اور سب کانپنے لگا، آپ نے فرمایا گھر و زمینیں، میں قریش کی اس غریب عورت کا بیٹا ہوں، جو سوکھا گوشت کھا کر قیامتی ہو چکے، ایک کوئی فاجی ایسے وقت میں ایسی بات کہہ سکتا ہے جس سے اس کا رعب لوگوں پر سے اٹھ جائے، جیسے وقت میں تو کو شمش کی جاتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ رعب ڈالا جائے۔ آپ آج بھی دیکھتے ہیں اور آج سے پہلے کاحال نابینا میں بڑے کچھ نہیں کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت اور اقتدار آجاتا ہے، انکی آگے اولاد سے بے کفایت لطف اٹھاتے ہیں، اور اس کے بدلے کیے عیش و آرام کے مرنے لوٹتے ہیں، مگر خدا پرستی کے سب سے بڑے علمبردار کا حال اس معاملہ میں بھی دنیا سے مختلف تھا، آپ کی صاحبزادی اپنے گھر کا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں، جسکی وجہ سے آپ کے ہاتھوں گھٹے بڑھ گئے تھے، اور حرم پر شکوہ اٹھانے کے نشانات ہو گئے تھے، ایک دن انھوں نے سنا کہ میدان جنگ سے کچھ غلام اور کنیز اس تابا جان کی خدمت میں لائی گئی ہیں، خیال کیا کہ میں بھی اپنے لئے ایک اور غلام یا کنیز مانگ لاؤں، تشریف لے گئیں، اپنی پریشانی کا حال بیان کیا، ہاتھوں کے گھٹے دکھائے، حضورؐ نے فرمایا: بیٹی! میں تمہیں غلام اور باندی سے بھی چیز دیتا ہوں، غلام اور باندی اور مسلمانوں کے حق میں جانے دو، تم سوتے وقت تین تیس مرتبہ سبحان اللہ، تین تیس مرتبہ الحمد للہ، اور پچاس تیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، بے نفسی اور خدا پرستی کی کسی عجیب مثال ہے، بیشک آپ خدا پرستوں کے سردار تھے، کیا کوئی پھر بھی آپ کی بے نفسی پر حیرت لاسکتا ہے، دوسروں کے حق میں یہ فیاضی اور اپنے، اور اپنی اولاد کے لئے فقر و غربت کو ترجیح دینا بغیر ہی کی شان ہے۔

عدیل ہمت ساقیت فطرت عرفی کہ عالم دگراں و گدائے خویش تن است

آج ایسے لوگ آپ کے سامنے ہیں جنہوں نے کچھ کچھ دنوں میں چند در چند سال جلیں کاٹی ہیں تو آج اقتدار حاصل یعنی پرنسپل ہونے کا سارا حساب مع سود کے چکا لینے کے درپے ہیں۔ جب کسی شخص کو اقتدار اور قانون کی طاقت ملتی ہے تو عموماً وہ اپنے عزیز، اور اپنی اولاد کو قانون کی گرفت سے بچانے کی سعی کرتا ہے، مگر خدا پرستوں کے سردار کی شان اس معاملہ میں بھی بالکل برعکس تھی۔ ایک عورت پر چوری کا جرم ثابت ہوا، آپ نے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیدیا، لوگوں نے حضورؐ کے ایک مقرب اور بہت محبوب صحابی سے سفارش کرائی کہ معاف فرما دیا جائے، حضورؐ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا، اور فرمایا: خدا کی قسم! اگر خود محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ سے بھی جرم سرزد ہوجائے، تو تمھارا س کا بھی ہاتھ کاٹے گا۔ اپنے آخری حج کے موقع پر مسلمانوں کے عظیم ترین اجتماع میں آپ نے کچھ قوانین اور احکام کا اعلان عام فرمایا تو ان کو سب سے پہلے اپنے رشتہ داروں اور اپنے خاندان پر جاری کیا۔ آپ نے مجمع عام میں کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ جاہلیت کا نام دستور ختم کے جانے میں، تمھارے کوئی دین

آج سے ختم، اور سب پہلے میں اپنے چچا جتاس کے سو دی قرضے کو باطل قرار دیتا ہوں، اب اُن کا سود کسی پر واجب نہیں، اب وہ سود کا دیکر کسی وصول نہیں کر سکتے۔ یہ بھی خبر دیتی ہے اور نہ آج کل کے قانون ساز اگر اس قسم کا قانون بنانے والے ہوں تو اپنے رشتہ داروں اور اپنے والوں سے پہلے سے کہیں کہ فلاں قانون آئے والا ہے، ذرا جلدی جلدی اپنی فکر کرو۔ زمینداری کے خاتمہ کا قانون پاس ہونے والا ہے، یعنی زمین بیکل کیسے ہو نکال لو، یا بیچنا چاہو تو بیچ دو۔ ایسے ہی اس موقع پر اپنے اعلان فرمایا کہ زمانہ جاہلیت (یعنی قبل اسلام کے تمام خون باطل کے جاتے ہیں، اب ان کا اہتمام نہیں لیا جاسکتا، اور اس کے ماتحت میں سب پہلے اپنے خاندان کا خون) ربیع بن الحارث کا خون باطل قرار دیتا ہوں۔ ہمارے حضورؐ اس سے مثال خدا پرستی کیساتھ (جسکی صرف چند مثالیں میں نے بیان کیں ہیں) انفس پرستی کے اُس سیلاب (پڑنے سے) جو دنیا کی ساری قوموں کو بہا رہا ہے لے چلا جا رہا تھا، اور آخر کار اُس کو روکنے میں کامیاب ہوئے، اور لوگ مجبور ہوئے کہ آپ کی بات پر کان دھیں، اور انہیں چنانچہ جن لوگوں آپ کی انتہا بنیادی باتوں کو مکافہہ قبول کر لیا جو خدا پرستی کی زندگی کی بنیاد ہیں، تو پھر ان لاکھوں کروڑوں انسانوں کی زندگیوں کا اُنچ ایک دم ایسا بدلا، کہ آج کی دنیا میں یقین نہ کرنا مشکل ہے کہ کیا ایسے بھی انسان ہو سکتے ہیں۔ میں مثال کے طور پر اُن میں سے چند کا ذکر کرتا ہوں:-

آپ کی دعوت قبول کرنے والوں میں سے ایک ابو بکر صدیقؓ بھی تھے، جو آپ کی وفات کے بعد آپ کے پہلے جانشین، اور اسلامی حکومت کے ذمہ دار بھی ہوئے۔ آپ کی بے غمی کا حال یہ تھا کہ گو اسلامی سلطنت کے سب سے بڑے عہد ہمارے تھے، مگر زندگی اس طرح گزارتے تھے کہ آپ کے گھر والے منہ میٹھا کھانے کے لئے ترستے تھے۔ ایک دن اہلہ نے عرض کیا کہ بیٹوں کا جی کچھ میٹھا کھانے کو چاہتا ہے، تو فرمایا کہ ساری خزانہ تو ہمارا منہ میٹھا کرنے کا ذمہ دار نہیں ہے، ہاں جو کچھ وہاں سے میں روزانہ ملتا ہے اُسی میں سے اگر تم کچھ بچا سکو تو بچا لو، اور کچھ بیچ کر پکالو۔ چنانچہ انھوں نے روزانہ کے خرچہ میں سے روزانہ کچھ تو تھوڑا بچا کر تھوٹے سے پیسے جمع کرنے لگے اور ایک دن حضرت ابو بکرؓ کو دینے لگے اس کا کچھ سامان لایا جو تاکہ آج کچھ میٹھی چیز پکالوں۔ آپ وہ پیسے لے ہوئے خرچی کے پاس چلے گئے، اور وہ پیسے بیت المال کو واپس کر دیئے، اور فرمایا کہ یہ اسی خرچ میں سے جو بیت المال سے ملتا ہے اتنے دنوں میں بچا یا ہوا ہے، معلوم ہوا کہ ہمارا کام اس سے کم میں چل سکتا ہے، لہذا اب ہمیں اتنا کم کر کے دیا جاتا ہے۔

غلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں جب مسلمانوں نے بیت المقدس فتح کیا، اور حضرت عمرؓ وہاں تشریف لے گئے، ساتھ میں ایک غلام تھا، لیکن اسلامی حکومت کے اُس سب سے بڑے شخص کے پاس سواری صرف ایک تھی، تھوڑی دور خود سواری ہوتے تھے تھوڑی دور غلام کو سوار کر کے خود پیدل چلتے تھے، جس وقت بیت المقدس میں داخل ہوئے تھے غلام سواری پر تھا اور خود پیدل، اور گہڑوں میں کئی ایک بیوند۔ آپ ہی کے زمانہ میں ایک دفعہ سخت قحط پڑا، تو آپ وہ کھانا کھانا لانے لے جاتے نہ سمجھتے تھے، جو قحط کی وجہ سے عام رعایا کو میسر نہ تھا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ جو مسلمان فوجوں کے کمانڈر انچیف تھے، اور خود حضورؐ نے ان کو بیت المقدس کی تلوار کا اعزازی خطاب عنایت فرمایا تھا، ایسے بے نفس اور فاضل پرستی سے اس قدر آزاد تھے کہ ایک مرتبہ ان کی کسی غلطی کی بنا پر عین میدان جنگ میں اُنکے پاس حضرت عمرؓ کی طرف سے معزولی کا پروانہ بھیج دیا تو ماتھے پر شکن نہ آئی اور کہا، کہ اگر میں اب تک عمرؓ کی خوشنودی کیلئے اپنی ماموری کے لئے لڑتا تھا تو اب نہ لڑوں گا، لیکن اگر میں اللہ کے لئے لڑتا تھا تو پس سالار کے بجائے ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے بھی بہرستور لڑتا رہوں گا۔ ایک برس اس زمانہ کی ایک تازہ مثال آپ کے سامنے میکہ آنکھ کی ہے جنھیں ثروتمین نے گوریا میں لڑنے والی افواج کی سپہ سالاری سے معزول کر دیا تو وہ حق تعالیٰ ناراض ہوئے، اور ثروتمین کی عداوت کے درپے ہو گئے۔

اور صرف یہی چند افراد نہیں، بلکہ آپ نے پوری قوم اور سوامیٹی کی اسی اصول پر تربیت کی تھی کہ وہ ایک خدا پرست سوامیٹی ہو

آپ کا ایک اصول یہ تھا کہ جو کسی عہدے کا طالب ہو، اور خواہش مند ہو اس کو عہدہ نہیں دیتے تھے، ایسی سوسائٹی میں عہدے کے امیدوار بننے اپنی تعریف و توصیف کرنے، اور حکومت کے لئے ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کی کیا گنجائش تھی، جس جماعت کے سامنے ہر وقت فرائض جمید کی یہ آیت رہتی ہو:-

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا
يَرْسُدُونَ عَنْهُ أُنْفَى الْأَرْضِ وَلَا فُسَادًا
وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقِيَّةِ ۝

جس جماعت کا اس حقیقت پر ایمان ہو، وہ کیا اپنی سر بلندی اور فتنہ و فساد کے جرم کا ارتکاب کر سکتی ہے؟

دوستو! اور بزرگو! یہ خدا پرستی کی دعوت تھی جو حضورؐ نے دنیا میں پیش کی تھی، اور نتائج کے لحاظ سے یہ دنیا کی سب سے زیادہ نفع بخش کو مشتمل ہے، کوئی شخص دنیا کی کسی اور دعوت کا نام لیکر نہیں بتلا سکتا کہ اس نے دنیا کو اتنا فائدہ پہنچایا۔ حالانکہ اس دعوت کو حضرت عیسیٰ انصاریؑ کی اتنی کوششیں اور لٹے وسائل نہیں آئے جو حضرت عمرؓ کی معاشی اقتصادی اور سیاسی تحریکوں کے حصے میں گئے ہیں، مگر پھر بھی ان تمام تحریکوں کے فائدے مل کر بھی اس ایک دعوت کے فائدوں کا دسواں حصہ بھی نہ ہو سکتا۔ آج بھی دنیا سے معاشی اور سیاسی علم اور جہتلافی برائیاں بھی دور ہو چکی ہیں جب دنیا اس دعوت کو قبول کرے، لیکن اور کسی کے متعلق کیا کہا جائے جب کہ خود اس دعوت کے علمبردار ہی نفس پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ نفس پرستی تو چوٹ کھائے ہوئے بیٹھے تھی اُس نے موقع پا کر خدا پرستی کے علمبرداروں سے خوب انتقام لیا، جسے اُسے شکست دی تھی، اور وہ مسلمان جس کا امتیاز تھا کشتہ خیز ہوا، اخوت للناں، قاتمرون، بالمعروف و نہیہ عن المنکر افسوس! آج اس نفس پرستی کا خود شکار ہے۔

مسلمانو! تم نے بڑا ظلم کیا ہے، تمہارا کام تو خدا پرستی کا نمونہ بننا تھا، اور ساری دنیا کو اسکی دعوت و دنیا میں، تم نے نفس پرستی کو اختیار کر کے اپنا بھی نقصان کیا، اور ساری دنیا کو بھی مشکلات میں پھنسا دیا۔ اگر تم اپنا فرض ادا کرتے رہتے، تو نہ یہ نفس پرستی دنیا میں دوبارہ غالب ہوتی، اور نہ دنیا کا یہ شیر بننا۔ آج دنیا کی سب سے بڑی مصیبت نفس پرستی ہے، دنیا کے بڑے بڑے لیڈر اور امن کے علمبردار (ژورنل، پریس، اور اٹارنی) سب بڑے نفس پرست ہیں، یہ اپنی نفس پرستی میں، اور قومی غرور میں (جو نفس پرستی کی ایک ترقی یافتہ اور وسیع شکل ہے) دنیا کو خاک سیاہ کرنے کیلئے ہر وقت تیار ہیں، ایٹم بم سے زیادہ خطرناک نفس پرستی ہے جس نے دنیا کو تباہ کر دیا، لوگوں کو ایٹم بم پر غصہ آتا ہے کہ قیامت برپا کر دے گا، میں کتنا ہوں، ایٹم بم کا کیا قصور، اہل مجرم تو اس کا بنانے والا ہے، اور اس سے بھی پہلے وہ درمگاہیں اولیٰ وہ تہذیبیں، جو اس ایٹم بم کو وجود میں لائی ہے، اور اس سب کی برہمہ نفس پرستی ہے جس نے اس تہذیب کو جنم دیا ہے۔

دوستو! ہماری دعوت اور ہماری تحریک بس یہی ہے، اور اسی مقصد کیلئے ہے کہ نفس پرستی کے خلاف محاذ قائم کیا جائے، خدا پرستی کی زندگی کا طریقہ دنیا میں عام کیا جائے۔ ہم نے اسی مقصد کیلئے یہ خاص ارہتمامات کئے ہیں، اور محض اسی مقصد کیلئے ہفتہ وار اجتماع کرتے ہیں، جہاں ہم قوم کے ہر طبقہ کو جمع ہونے کی دعوت دیتے ہیں، اور ان کے سامنے خدا پرستی کی دعوت کے سب سے بڑے علمبردار حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات، ان کے حالات زندگی، اور ان کے ساتھیوں کے واقعات پیش کرتے ہیں جو سچی خدا پرستی کا راستہ دکھانے والے ہیں، اور ہمارے یقین کے مطابق، یقیناً انسانیت کی نجات، اور دنیا کی مشکلات کا حل ہے۔

ہمارا کام، اور ہماری دعوت ایک کھلی ہوئی کتاب ہے، جس کا جی چاہے پڑھ لے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ۝

تبلیغی جماعتوں کے خاص خطاب



ذیل میں مولانا محمد منظور نعمانی کی وہ تقریر درج کی جا رہی ہے جو موصوت نے ۹ نومبر کی صبح کو تعلیمی پروگرام کے ختم ہونے کے بعد مقامی اور بیرونی تبلیغی رفقاء کے سامنے کی تھی۔ یہ تقریر جیسا کہ ناظرین کام خود محسوس کریں گے، دعوتی نہیں تھی، بلکہ تعلیمی اور تربیتی تھی۔ مولانا نے حمد و صلوات کے بعد فرمایا:-

دینی بھائیو اور راہ خدا کے رفیقو! حق تعالیٰ مجھے اور آپ کو اپنی سیدھی راہ پر چلائے اور ان کاموں اور ان باتوں سے بچائے جو اس سے اور اس کی رحمت سے دور کرنے والے ہیں۔

پچھلی تین راتوں میں جو تقریریں مولانا علی میاں نے بایں نے کی ہیں ان میں ہمارا خطاب ان لوگوں سے تھا جو دین کے اس کام میں اور اس کوشش میں ابھی لگے نہیں ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے ہیں اور آپ کو کسی درجہ میں لگا دیا ہے۔ بلکہ رات کی تقریر میں تو ہمارے مخاطب غیر مسلم بھی تھے اور اسی لیے ہم نے اس میں ایسی باتیں کہیں جن سے اگرچہ ہیں تو غیر مسلم بھی پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن اس وقت مجھے خاص طور سے آپ بھائیوں سے کچھ باتیں کہنی ہیں۔ یعنی اس وقت کی میری گفتگو کی خصوصی مخاطب وہ تبلیغی جماعتیں ہیں جو مختلف مقامات سے آئی ہوئی ہیں آپ حضرات میری ان باتوں کو غور اور توجہ سے سنیں۔

اس تبلیغی سلسلہ کی تقریروں میں آپ نے بار بار سنا ہو گا کہ یہ تحریک مسلمانوں میں اہلی ایمان اور ایمان والی زندگی پیدا کرنے کی کوشش ہے اور اس مقصد کے لیے ہم لوگ عام مسلمانوں کو دوجیزوں کی خصوصیت کے ساتھ دعوت دیتے ہیں، ایک شہرلوں اور قصبوں میں مقامی ہفتہ وار تبلیغی اجتماعات قائم کرنے اور ان میں برابر شرکت کرنے کی۔ اور دوسرے دعوت و تربیت کے لیے تبلیغی جماعتوں کے ساتھ اپنے وطن سے سفراء عارضی ہجرت کی، اور واقعہ یہ

ہو کہ ہماری نظریں ان دونوں چیزوں کی اہمیت اتنی ہی ہے جتنی کہ ہم بیان کرتے رہتے ہیں۔ گویا یہی ہماری تحریک کے دوازدہ ہیں۔ لیکن اس وقت مجھے آپ حضرات سے یہ عرض کرنا ہے کہ ہماری اس بات سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے اجتماعات میں یا ہماری جماعتوں کے سفروں میں کرامت یا جادو کی قسم کی کوئی خفیہ تاثیر ہے کہ جو آگے کا وہ ضرور آپ سے آپ مومن صاحب بن جائے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ دل میں ایمان کا پیدا ہونا اور زندگی کا ایمان والی زندگی بن جانا اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ آدمی خود اس کا ارادہ اور فیصلہ کرے اور اس کی سچی طلب اور فکر اس کے اندر پیدا ہو جائے۔ اجتماعات کا خاص فائدہ بس یہ ہے کہ اس سے اس ارادہ اور فیصلہ کی تحریک ہوتی ہے اور دل میں طلب اور فکر پیدا ہوتی ہے اور پھر اس کو ہر ہفتہ غذا ملتی رہتی ہے اور طاقت پہنچتی رہتی ہے۔ اس کے بعد جماعتوں کے ساتھ سفر سے اس کو اور زیادہ تقویت پہنچتی ہے۔ اس کے علاوہ تبلیغی سفروں میں جماعتی ماحول کی وجہ سے وہ تبدیلیاں بھی آدمی کے لیے آسان ہو جاتی ہیں جو اپنے گھر پر اور اپنے روزمرہ کے مشاغل اور ماحول میں سب کے لیے مشکل ہوتی ہیں۔ اسکے سوا اجتماعات کی شرکت اور جماعتوں کے ساتھ سفر میں جانا اور بھی بعض پہلوؤں سے ایمان اور ایمان والی زندگی کے پیدا ہونے میں مفید اور مددگار ہوتا ہے لیکن اس کا اصل دار و دار جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے ارادہ اور اپنے فیصلہ پر اور اپنی کوشش پر ہی ہے۔ اس لیے مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ آپ اس کے لیے اپنے مقامی ہفتہ وار اجتماعات کی شرکت اور جماعتوں کے ساتھ کبھی کبھار چلے جانے کو کافی نہ سمجھیں بلکہ ایمان اور ایمان والی زندگی حاصل کرنے کو اپنی مستقل فکر بنائیں اور کبھی اس سے غافل نہ ہوں۔ اس کے لیے میں اس وقت آپ کو چند چیزوں کی طرف خصوصیت سے توجہ دلاتا چاہتا ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ ہماری زندگی کا ایک تعلق اپنے خالق سے ہو اور ایک اس کی مخلوق سے، جس ان دونوں تعلقوں کو صحیح کر لینا ہی دینی زندگی ہے اور انبیا علیہم السلام جس ان دونوں تعلقوں کی تصحیح اور درستی ہی کے لیے آتے رہے ہیں۔ اور یہ دونوں تعلق ہفتہ وار ہیں، نماز، ہمارا، نہ سالانہ، بلکہ اپنی پوری عمر کے ایک ایک لمحہ میں ہم ان دونوں تعلقوں میں بندھے ہوئے ہیں اس لیے ہماری زندگی دینی زندگی حسب بن سکتی ہے جب کہ ہم ہمیشہ اس کا خیال اور اس کی فکر رکھیں، چاہے گھر پر ہوں چاہے سفر میں، چاہے بازار میں ہوں چاہے کارخانہ میں۔ تو ہمارا اصل کام ہے اللہ کے ساتھ عبدیت کا اپنا تعلق صحیح کرنا اور اس کی مخلوق کے ساتھ اس کے حکم کے مطابق اچھا برتاؤ کرنا۔

اللہ کے ساتھ تعلق صحیح ہونے کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم توحید پر قائم ہوں اور عقیدہ اور عمل کے ہر قسم کے شرک سے محفوظ رہیں۔ انبیا علیہم السلام کی امتوں کو شیطان نے زیادہ تر شرک ہی میں مبتلا کر کے

گمراہ اور برباد کیا ہے۔ پھر شیطان مردود کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آدمیوں کو اور قوموں کو توحید سے ہٹا کر شرک میں مبتلا کر دیتا ہے لیکن ان کو کچھ ایسی تاویلیں سمجھا دیتا ہے کہ وہ خود اپنے کو شرک نہیں سمجھتے اور صریح شرک کرنے کے باوجود وہی سمجھتے رہتے ہیں کہ توحید کا دامن ہمارے ہاتھ سے نہیں چھوڑنا ہے آپ تثلیث پرست عیسائیوں سے پوچھیے وہ کبھی بھی اپنے شرک ہونے کا اقرار نہیں کریں گے، قرآن شریف میں عرب کے مشرکوں کا یہ قول نقل فرمایا گیا کہ "مَا نَعْبُدُ هَٰذَا اِلَّا لِيُقَرِّبُنَا اِلَى اللّٰهِ نُرَٰثَرُ" ————— کہ ہم تم تو اپنے ان دیوتاؤں کی پوجا جس اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے وسیلہ سے ہمیں خدا کا تقرب حاصل ہو جائے — اور "هُوَ الَّذِي سَفَعَا نَاعِدًا عِنْدَ اللّٰهِ" (ان دیوتاؤں کو تو ہم اللہ کے دربار میں بس اپنا سفارشی سمجھتے ہیں) تو قرآن شریف کے اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے مشرک بھی اپنے شرک کی تاویل کرتے تھے اور اس کو توحید کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح مسلمانوں کے جن جاہل طبقوں میں صریح شرک آگیا ہے وہ بھی نادانی سے یہی سمجھتے ہیں کہ ہم توحید پر قائم ہیں۔ اس لیے ضروری ہو کہ آپ توحید اور شرک کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں اور عقیدہ اور عمل کے ہر شرک سے اپنے کو برابر بچائے رکھیں۔

یاد رکھیے عرب کے مشرک جس شرک میں مبتلا تھے وہ یہ تھا کہ خدا کے سوا کچھ ہستیوں کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان میں ایسی طاقت اور قدرت ہے کہ یہ ہماری بنی کو بگاڑ سکتے ہیں اور ہماری کو بنا سکتے ہیں اور ہماری حاجتیں پوری کر سکتے ہیں اور اسی عقیدہ کی بنا پر وہ اپنی ضرورتوں اور حاجتوں میں ان سے دعائیں کرتے تھے ان کی ہوائی دیتے تھے اور ان سے مدد مانگتے تھے اور انھیں راضی اور خوش رکھنے کے لیے وہ کام کیا کرتے تھے جو خدا کو راضی اور خوش رکھنے کے لیے کیے جاتے ہیں جیسے سحر کرنا، اس کے نام کا وظیفہ پڑھنا، انکی نذر ماننا، اسکے لیے قربانیاں کرنا۔ یہی ان کا شرک تھا۔ یہ بات نہیں تھی کہ وہ خدا کے برابر کے چند خدا مانتے ہوں، بلکہ وہ اپنے دیوتاؤں کو خدا کی مخلوق ہی سمجھتے تھے اور دنیا کی جن قوموں میں بھی شرک آیا ہے عموماً ان میں یہی عبادت اور متعانت والا شرک آیا ہے۔ شیطان نے پیارے بہت سے مسلمان لکھلانے والے جاہلوں کو بھی آج ہی شرک میں مبتلا کر رکھا ہے وہ بزرگان دین اور ان کی قبروں کے متعلق کچھ ایسے ہی عقیدے رکھتے ہیں اور صریح شرک کا زعمال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں اس گندگی سے نجات دے اور حقیقی توحید نصیب فرمائے۔

توسب سے پہلی اور سب سے اہم بات تو مجھے آپ سے یہی کہنا ہے کہ عقیدہ اور عمل میں صحیح توحید ایمان و اسلام کی پہلی شرط ہو، اگر خدا انخواستہ توحید صحیح نہیں ہے تو پھر اگر کوئی رات بھر نوافل پڑھے اور اللہ کا ذکر کرے اور بارہ مہینے دن میں روزہ رکھے اور ساری عمر تبلیغی جماعتوں میں پھرتا رہے تو خدا کی تم نجات کی ہوا بھی نہ پاسکے گا اور دور سے بھی جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔ قرآن مجید میں صاف صاف احکام ملانے سے

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ مَنْ يُشْرِكُ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ

میں نے اس وقت توحید کے بارہ میں یہ بالکل ابتدائی اور بنیادی بات کہی ہے، کامل توحید کا درجہ اس سے بہت آگے ہے۔ مجھے چوں کہ اور بھی کئی ضروری ضروری باتیں اس وقت کہنا ہیں اس لیے میں توحید کے بارہ میں اس سے زیادہ اس صحبت میں کچھ نہیں کہوں گا۔ اگر کوئی صاحب توحید کے متعلق اس سے آگے کی باتیں جاننا چاہیں تو مکملہ طبع کی حقیقت کے نام سے میرا ایک رسالہ ہے اس میں دیکھ لیں۔

توحید کے بعد دوسری چیز جس کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ اپنی نمازوں کو بہتر سے بہتر بنانے اور ترقی دیتے رہنے کی مسلسل کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو بڑھانے اور ایمانی کیفیات اور ایمانی زندگی پیدا کرنے میں نماز کو بڑا دخل ہے بشرطیکہ نماز نماز ہو، ہماری نماز میں جو نہ اللہ کے تعلق میں کوئی اضافہ کرتی ہیں نہ ایمانی کیفیات اور ایمانی زندگی پیدا کرنے میں کوئی مدد دیتی ہیں، یہ صورتہ تو نماز ہیں لیکن حقیقتہً نماز نہیں، اگرچہ نماز نہ پڑھنے سے ایسی نماز پڑھنا بھی ہزاروں درجہ بہتر ہے، لیکن ہمارے لیے ضروری ہے کہ ان بے جان نمازوں پر مطمئن اور قانع نہ رہیں اور حضور و نشرع و خشیت و محبت کی کیفیات اپنی نمازوں میں پیدا کرنے اور ان کو بڑھانے کی مسلسل کوشش کرتے رہیں۔ فرضوں اور سنتوں کے علاوہ نوافل کا بھی ذوق و شوق اپنے اندر پیدا کریں، خاص کر تہجد پڑھنے کا ضرور اہتمام کریں۔

اللہ کی یاد اور اللہ کے ذکر کی کثرت رکھیں اور ہر حال میں اللہ کا خیال اور سفاکار کھنے کی مشق کریں۔

روزانہ کم از کم ایک نفع دہے تمام خیالات سے مکیو ہو کر کہیں تنہائی میں بیٹھ کر موت اور قبر اور قیامت اور میدان حشر اور دہل کے سب کتاب اور پھر آخری انجام کا ضرور دھیان کیا کریں اور اپنے اعمال اور احوال کا جائزہ لے کے روزانہ توبہ و استغفار کیا کریں۔ — میرا مطلب یہ ہے کہ اس مراقبہ کو روزانہ کا اپنا وظیفہ بنالیں یہ بڑی اکیڑہی ہے۔

یہ چیزیں انشاء اللہ نیکیوں کے کرنے میں اور گناہوں سے بچنے میں بہت مدد دینگیں، لیکن بعض بڑے بڑے گناہ ہمارے ماحول میں اتنے عام ہو گئے ہیں کہ حجب ناکارہ ان کی برائی اور ناپاکی کو کچھ کریم آپ خود ان کے پھوٹنے کی ہمت نہ کریں گے ان سے چھپا چھوٹنا بہت مشکل ہے، اس لیے بڑی ضرورت ہو کہ ان گناہوں سے اپنے کو بچانے کی اور محفوظ رکھنے کی ہم اور آپ خاص فرار اور کوشش کریں۔ — میرا خیال ہے کہ شراب دنا اور چوری جیسے گناہوں سے بچنا خدا کے فضل سے ہمارے آپ کے لیے آسان ہے، بلکہ اللہ کے رحم سے مجھے ایسے کہ کمی سو کہ اس صحیح میں ایک بھی انشاء اللہ ایسا نہ ہو گا جو ان ذمیل گناہوں کا عادی ہو، لیکن جھوٹ، غیبت، باغظی، سینا بینی، مسلمانوں کی توہین و تفسیر اور دل آزاری یہ بلائیں آج کل ہم مسلمانوں میں اتنی عام ہو گئی ہیں کہ خود ہم حسیوں کو ان سے اتنی نفرت نہیں ہستی کہ چوری سے اور شراب سے اور زنا سے ہے۔ تو اس قسم کے گناہوں سے ہم اپنے کو جب ہی بچا سکتے ہیں جبکہ

اس کا خاص اہتمام کریں۔

شروع میں میں نے آپ حضرات سے عرض کیا تھا کہ ہماری زندگی کا ایک تعلق اللہ کی مخلوق سے اور اس کے بندوں بھی ہے اور ہماری زندگی اس وقت تک صحیح معنی میں دینی زندگی نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ تعلق بھی درست نہ ہو۔ دین کے اس پہلو کی اہمیت کا پورا اندازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ہوتا ہے جس کو امام ابو داؤد نے سنن ابی داؤد و کتاب الادب میں روایت کیا ہے، حدیث یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا "الا ینبکرم بانفضل من درجۃ الصلوۃ والصیام والصدقہ؟ قالوا بلیٰ یا رسول اللہ، قال اصلاح ذات البین" یعنی ایک دن حضور نے صحابہ سے فرمایا کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز بتلاؤں جس کا درجہ نماز اور روزہ اور صدقہ خیرات سے بھی بڑا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا، ضرور بتائیے، آپ نے فرمایا آپس کے تعلقات کی درستی اس سے معلوم ہو کہ اس کی اہمیت نماز روزہ وغیرہ عبادات سے بھی زیادہ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا۔ "فساد ذات البین ہی الحالۃ لا اقول لتخلق الشعرو لکن تخلق الدین" (یعنی آپس کے تعلقات کی سہرابی (حضور نے فرمایا) مونڈ دینے والا اُسترا ہے، (پھر خود ہی فرمایا کہ) میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بالوں کو مونڈتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ دین کو مونڈ دیتا ہے اور بالکل بڑے اس کا صفایا کر دیتا ہے) گویا دین کے اگر اس پہلو کی دستی کی فکر نہیں کی گئی تو پھر دین کے دوسرے پہلو کی یعنی ذکر و عبادت وغیرہ کی بھی خیر نہیں ہے۔ توجہ بنی آدم آپ اللہ تعالیٰ کے فضل کرم سے ذکر و عبادت کا اہتمام کرتے ہیں۔ اتنا ہی اہتمام ہمیں اس کا کرنا چاہیے کہ اللہ کے بندوں کے ساتھ ہمارا معاملہ اور ہمارا برتاؤ صحیح اور درست ہو، اگر یہ نہ ہوا تو صرف ذکر و عبادت سے ہماری کشتی پار نہیں لگ سکتی اور ہماری زندگی ایمان والی زندگی نہیں بن سکتی۔ میرا خیال ہے کہ اپنے گھر کے چھوٹے بڑوں کے ساتھ اور دوسرے عزیز و اقربوں کے ساتھ اسی طرح پڑوسیوں وغیرہ کے ساتھ تعلق اور برتاؤ کے متعلق اللہ و رسول کی جو ہدایتیں ہیں انشاء اللہ آپ حضرات ان سے ناواقف نہیں ہوں گے لیکن دو چیزوں کی طرف میں اس وقت آپ حضرات کو خصوصیت سے توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ ایک یہ کہ اللہ کے جو بندے دین کی خدمت کسی عنوان سے کر رہے ہوں ان کے متعلق ہمیشہ اچھا گمان قائم کیا جائے، دل میں ان کی محبت اور عزت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ دین کی خدمت صرف اپنے ہی کام کو نہ سمجھیں اور اس غلطی میں مبتلا نہ ہوں کہ دین کے خادم صرف آپ اداس کے ساتھی ہیں اور جو آپ کے ساتھ ہو کر دین کی خدمت اس خاص طریقہ پر نہیں کر رہا ہے اس کے دل میں گویا دین کا رد ہی نہیں ہو۔

تو اللہ کے جو بندے بھی دین کی خدمت کی شکل میں کر رہے ہیں ان کو ہم اپنی جگہ پر غلط سمجھیں، خاص کر اپنے اپنے مقام کے علماء اور صلحا کی دینی ہی عزت کریں جیسا کہ آپ حضرات کا معاملہ میرے اور مولانا علی میاں کے ساتھ ہے، خواہ ہمارے اس تبلیغی کام سے ان کا کچھ بھی تعلق نہ ہو۔ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی جن چند باتوں کو ہم نے بہت ہی بلند پایاں میں ایک دیر خاص چیز تھی کہ ایک طرف تو ان کو اس کام کے ساتھ عشق کا تعلق تھا اور ایسا درد تھا کہ ہم نے اپنی زندگی میں کسی میں نہیں دیکھا اور اس لیے ان کی بڑی ٹرپ یہ تھی کہ اللہ کے سب بندے خصوصاً علماء اور صلحا کے لیے سب سے کام میں لگ جائیں (جو لوگ مرض وفات میں مولانا کے قریب رہے انھوں نے بار بار دیکھا ہے کہ بستر مرگ پر ٹرپ ٹرپ کے بعض وقت ایک عجیب درد کے ساتھ کہتے تھے "ہائے اللہ کیا کروں علماء متوجہ نہیں ہوتے) لیکن اس کے باوجود ان علماء اور صلحا کا بھی جنھوں نے اس تبلیغی کام کی طرف کوئی توجہ نہیں کی ایسا احترام کرتے تھے کہ ہم اپنے اساتذہ اور شاخ کا اس سے زیادہ نہیں کرتے اور تبلیغی کام کرنے والوں کو اور خاص کر اپنے سے محبت رکھنے والوں کو سخت تاکید فرماتے تھے کہ ان حضرات سے محبت کریں اور حدیثوں میں علماء اور صلحا کی زیارت کے جو فضائل آئے ہیں ان کو یاد کر کے ادران کا اتھنار کر کے ان کی خدمتوں میں حاضر ہوا کریں اگر کبھی کوئی خادم کسی عالم یا بزرگ کے متعلق شکایت یا اعتراض کرنا کہ وہ اس کام میں ہماری مدد نہیں کرتے تو مولانا بہت سختی سے ڈانٹتے ادران کی طرف سے خود عند بیان کرتے۔ کبھی فرماتے کہ وہ حضرات دین کے جن کاموں میں لگے ہوئے ہیں ان کے نافع ہونے پر انھیں اطمینان ہے اور ہمارے اس کام کا انھوں نے تجربہ نہیں کیا ہے اس لیے اس پر انھیں اطمینان نہیں اس لیے عند اللہ مدد و معذرت ہے۔ کبھی فرماتے کہ تمھارے اندر درد تھا رے کام میں کوتاہیاں ہیں جن کی وجہ سے اہل دین مطمئن نہیں ہوتے اس لیے ان کی شکایت نہ کرو اپنی اصلاح کرو۔ بہر حال پہلی چیز جس کی طرف میں اس سلسلہ میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو حضرات کسی شکل میں دین کی خدمت کر رہے ہیں اور خصوصاً علماء اور صلحا ان کے متعلق ہمارا خیال اور گمان ہمیشہ نیک ہو اور ہمارا بتا د عزت اور احترام کا ہو اور ایسی باتوں سے بچنے کی ہم پوری کوشش کریں جن سے کسی کو اس کا شبہ بھی ہو سکتا ہو کہ ہم اپنے کو ان سے بہتر اور بالاتر سمجھتے ہیں اور بس اپنے ہی کام کو دینی کام سمجھتے ہیں۔

توضیح اللہ کے ساتھ برتاؤ کے سلسلہ میں جن دو باتوں کی طرف مجھے اس وقت آپ کو توجہ دلانی تھی ان میں سے ایک تو یہ تھی جو میں نے عرض کی — دوسری بات یہ ہے کہ غریبوں اور کمزوروں اور اپنے سے کم حیثیت لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک اور اچھا معاملہ اور ان کی خدمت اور مدد کرنے کے متعلق اسلام میں جو احکام ہیں ہم ان پر عمل کرنے کے بالکل عادی نہیں رہے ہیں حالانکہ قرآن مجید ہی کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہو کہ

دین میں اس کی کتنی اہمیت ہے تو مجھے اپنے نفس سے بھی اور آپ حضرات سے بھی اس سلسلہ میں دوسری بات کہنی ہے کہ ہم اپنے اندر اس کو پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ بعض عارفوں کا ارشاد ہے کہ طاعت اور عبادت کے بدلہ میں جنت ملے گی اور اللہ کے قابل خدمت بندوں کی خدمت کے بدلہ میں خود اللہ کی رضا ملے گی۔ میں نے یہ مضمون پہلے بعض بزرگوں کے کلام میں دیکھا تھا لیکن بعد میں بعض حدیثوں میں بھی اس کے اشارے مجھے ملے۔ الغرض یہ واقعہ ہے کہ اللہ کے مکر و ربوبی کی خدمت اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ اور اچھا سلوک اللہ تعالیٰ کو بے حد راضی کرنے والا اور اس کی رحمت کو بہت کھینچنے والا عمل ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ اس بارہ میں مسلم اور غیر مسلم میں فرق نہیں کیا گیا ہے، یعنی مسلمانوں کی طرح غیر مسلم غریبوں اور کمزوروں اور مصیبت زدوں کی خدمت اور مدد کرنے کا اور ان کے ساتھ احسان کرنے کا بھی ہمیں حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر بھی بڑے بڑے اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔ بلکہ انسانوں سے گزر کر جانوروں تک کے ساتھ حسن سلوک کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے ”ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء“ (یعنی تم زمین پر مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو، آسمان والا تم پر رحمت کرے گا) بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ بعض لوگ صرف اس گل پر بچنے جائیں گے کہ انھوں نے کسی پیاسے جانور کو پانی دے کر موت سے بچا لیا تھا۔ اسلام میں غریبوں اور بھوکوں کی خبر گیری کا حکم آنا سخت اور تاکید کی حکم ہے کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی ثقافہ سے سوتے تو وہ مسلمان ہی نہیں ہے، اور حضور نے اس حدیث میں بھی مسلمان اور غیر مسلمان کا کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ الغرض ہمیں آپ کو جن باتوں کو اپنے اندر پیدا کرنے اور جن عادتوں کو اپنی زندگی کا جز بنانے کی خاص طور سے کوشش کرنی ہے ان میں سے ایک غریبوں اور کمزوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور ان کی خدمت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں سختی میں اس کا اجر ملنے والا ہے وہ تو ملے گا ہی اور دہی اصل اجر ہے لیکن آپ ذرا غور کر کے سمجھ سکتے ہیں کہ ہم مہذب تہذیبی مسلمانوں کے لیے دنیوی نقطہ نگاہ سے بھی یہ چیز کس قدر مفید ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو کچھ دے۔ آج ہماری ساری دوڑ بھاگ صرف اس کام کے لیے ہو کہ فلاں پارٹی برسر اقتدار آجائے اور فلاں لیڈر کی حمایت ہمیں حاصل ہو جائے۔ حالانکہ یہ چیزیں بالکل وقتی ہوتی ہیں اور ان کا کوئی بھروسہ نہیں، حالات کے درست ہونے کی اصل کنجی تو خود اپنا درست ہونا ہے۔ آپ جانتے ہیں ملک میں ہر مذہب کے ماننے والوں میں بڑی اکثریت غریبوں کی ہو، اگر غریبوں کے ساتھ ہمارا رویہ وہ ہو جو اللہ و رسول نے ہمیں بتلایا ہے اور جس کی طرف میں اس وقت آپ کو توجہ دلا رہا ہوں تو اس ملک میں آپ کو وہ مقام حاصل ہو سکتا ہے جس کا اب کسی کو کوئی امکان نظر نہیں آ رہا ہے۔

حضرات امیں نے آپسے اب تک جو باتیں کہیں انکا سب کا تعلق اپنی اصلاح سے اور اپنی دینی سے ہو
یعنی یہ سب چیزیں وہ ہیں جن کو اپنے اندر پیدا کرنے کی اور جن کو اختیار کرنے کی ہیں خود ضرورت ہو اب
میں دو ایک باتیں آپسے دوسروں میں کام کرنے کے بارہ میں بھی کہنا چاہتا ہوں — پہلی بات تو یہ ہو
کہ آپ دوسروں میں کام صرف باہر جانے کو اور مقامی گشت ہی کو نہ سمجھیں، یہ دونوں شکلیں تو دراصل اجتماعی
دینی کوشش کی شکلیں ہیں اور اپنی جگہ پر بہت ضروری اور نہایت اہم ہیں لیکن دین کی کوشش ان ہی پر ختم
نہیں ہو جاتی، ہمارے آپسے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنے ان جماعتی گشتوں اور مفردوں کے علاوہ بھی لوگوں سے
دینی باتیں کرنے کو اور دین کی طرف دعوت دینے کو ہم اپنی زندگی کا جزو بنالیں اور اس کو اپنی خاص منکر
بنالیں، یہاں تک کہ اپنے کاروبار میں اور عزیزوں دوستوں سے ملاقاتوں میں بھی اس سے غافل نہ ہوں اور
اپنے جس عزیز سے یا جس دوست اور جس بھائی سے جب آپ کو دینی باتیں کرنے کا اور دین کی طرف دعوت
دینے کا موقع ملے تو آپ ضرور اس موقع پر اپنا کام کریں۔ اور اس کی بھی عادت ڈالیں کہ اس سلسلہ میں بات
کرنے سے پہلے اپنی نیت کو درست کر لیا کریں یعنی اس دینی بات کرنے سے آپ کا مقصد بس اللہ کی رضا اور
آخرت کا ثواب اور اس بھائی کی خیر خواہی ہو اور اس کی بھی عادت ڈالیں کہ بات شروع کرنے سے پہلے
اپنی بے بسی اور اپنی صلاحیت کی کمی اور اپنے نیچے پن کا خیال کر کے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا ضرور کر لیا کریں
کہ اللہ مجھے اپنی بات اچھی طرح کہنے کی توفیق دے اور اس بھائی کے دل کو اپنے دین کی طرف پھیرے۔
دعا کے سلسلہ میں چند باتیں مجھے آپ سے اور بھی کہنی ہیں اور بس اسی پر میں اپنی گفتگو ختم کرنا چاہتا
ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور ہم پر اس کا شکر واجب ہے ہم برابر دیکھتے ہیں کہ اس دینی کام میں لگنے سے
کچھ اور بوجہ ہو، لیکن ذکر عبادت کا شوق اور دعا کا ذوق تو کچھ نہ کچھ ضرور پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ
کا بڑا انعام ہے، دعا کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ بندہ دعا اپنی ضرورت سے اور اپنی غرض سے کرتا ہے اور
پھر اس پر وہ اعلیٰ درجہ کی عبادت کے ثواب کا بھی مستحق ہوتا ہے، حدیث شریفین میں ہے ”الدعاء
نحو العبادۃ“ یعنی دعا عبادت کا مفزا اور جو ہر ہے تو جس بندہ کو دعا کا ذوق نصیب ہو جائے وہ
بڑا ہی خوش نصیب ہے، حدیث شریفین میں ہے ”من فتحت لہ الابواب الدعاء فتحت لہ الابواب
الرحمۃ“ یعنی جس کے لیے دعا کے دروازے کھل گئے یعنی دعا کا ذوق اور دعا کی کیفیت جسے اللہ کی طرف
سے نصیب ہو گئی اس کے لیے اللہ کی رحمت کے دروازے کھل گئے۔

دعا کے لیے تین یقین ضروری ہیں اور جب یہ تین یقین دعا کے وقت جمع ہو جائیں تو کھنچا چاہیے کہ

اس مرتبہ حقیقی دعا نصیب ہو گئی۔ ایک اس بات کا یقین کہ میں عاجز اور بے بس ہوں دوسرا اس بات کا یقین کہ اللہ تعالیٰ میں پوری قدرت ہے اور جو کچھ میں مانگنا چاہتا ہوں وہ بالکل ان کے قبضہ میں اور اختیار میں ہے تیسرا اس بات کا یقین کہ وہ کریم ہے اور پکارنے والوں کی سنتا ہے اور مانگنے والوں کو دیتا ہے — حسبِ یتمن ہائیں جمع ہو جائیں گی تو انشاء اللہ اس طرح نصیب ہو جائے گا اور حقیقی دعا دی ہی جس میں اس طرح ہو۔

دعا کے متعلق ایک خاص بات آپ حضرت سے یہ بھی کہنی ہے کہ دعا میں اصل اور افضل آہستہ دعا کرنا ہے اگر ساتھ میں ایسے لوگ ہوں جن کے متعلق ہمارا اندازہ ہو کہ ہمارے بارِ ادا دعا کرنے سے دعا کے مضمون میں ان کو مدد مل جائے گی تو پھر اس غرض سے آواز سے دعا کرنے میں کوئی ہرج نہیں اور ہم لوگ اجتماعات وغیرہ میں جو ایسا کرتے ہیں تو وہ اسی وجہ سے کرتے ہیں۔ بہر حال آپ یہ ضرور یاد رکھیں کہ دعا میں اصل اور افضل آہستہ ہی دعا کرنا ہے۔ کسی خاص ضرورت اور صحت کے بغیر زور سے دعا نہیں کرنی چاہیے۔

آخری بات مجھے دعا ہی کے متعلق یہ عرض کرنی ہے کہ ہمیں دعا کی عادت زیادہ سے زیادہ دلانی چاہیے۔ اور ہر گھنٹی بڑی ضرورت میں پہلے ہم دعا کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ آج کل کا حال یہ ہے کہ ہماری دعاؤں کے وقت اور سوتے مقرر میں جیسے نمازوں کے بعد، اتنا مات کے بعد، یا کسی بڑی مصیبت کے وقت۔ مومن کا حال یہ ہونا چاہیے کہ ہر گھنٹی بڑی ضرورت کے لیے وہ اللہ سے سوال کرے اور اس سے انگنتا ہی رہے۔ اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بہت غور سے مطالعہ کرے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ آپ کی زندگی میں سب سے زیادہ غالب کیا چیز تھی تو اسے یہی نظر آئے گا کہ دعا سب چیزوں پر غالب تھی تو دعا کی کثرت اور دعا کا ذوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص نسبت اور خاص انخاص میراث ہو۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی نصیب فرمائے اور آپ سب حضرات کو بھی۔ آمین

مندرجہ بالا تقریر ۲۹ نومبر بروز پچھنہ صبح کے وقت ”دعوتِ صلاح و تبلیغ کھنہ“ کے مرکز واقع کپری روڈ میں مقامی اور باہر سے آئے ہوئے تبلیغی رفقاء کے سامنے کی گئی تھی۔ اس کے بعد شام کو حسب معمول بعد نماز مغرب ندوہ کے مسجد میں اجتماع ہوا اس میں جو تقریریں ہوئیں اور اجتماعوں کی باہر دوامی کے سلسلہ میں جو کام ہو اس کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں ہدیہ ناظرین ہوگی۔ ”دعوتِ صلاح و تبلیغ“ کے طریق کار اور پروگرام کی وضاحت اس آخری اجتماع کی تقریروں میں ہی کی گئی تھی۔

میری غلطیاں

از محمد منظور نعمانی

ذیقعدہ کے الفرقان میں "جماعت اسلامی اور اس کے خلاف فتوے" کے عنوان سے اس عاجز کا جو مضمون شائع ہوا تھا، ماہ صفر کے "زبان القرآن" میں میرے محترم دوست مولانا امین احسن صاحب اسلامی کے قلم سے اس کا جواب شائع ہوا ہے۔ اگرچہ میں پہلے ہی سے یہ فیصلہ کیے ہوئے تھا کہ جماعت اسلامی کے حامیین یا مخالفین کی طرف سے میری ان گزارشات کے جواب میں اگر کچھ لکھا گیا تو اس کا جواب میں نہیں دوں گا۔ اور اسی مضمون کے آخر میں اس کا ذکر بھی کر دیا تھا لیکن اگر بالفرض پہلے سے یہ فیصلہ نہ بھی ہوتا تب بھی مولانا امین احسن صاحب کے اس جواب کے بعد یہی فیصلہ کرنا پڑتا۔۔۔۔۔ میں مولانا کے اس جواب سے اپنی چند غلطیوں پر بھی مطلع ہوا ہوں ان میں سب سے بڑی اور بنیادی غلطی میری یہ ہے کہ اپنی نادانی اور سادہ لوحی سے میں یہ سمجھ رہا تھا کہ ہمارے درمیان اگرچہ رائے اور راہ کا کچھ اختلاف ہے لیکن باہم اعتماد اور حسن ظن اور سچی محبت و مودت اور خیر خواہی و خیر اندیشی کا بالکل وہی تعلق باقی اور محفوظ ہے جو کبھی پہلے تھا۔۔۔۔۔ اب میں نہیں کہہ سکتا کہ میں ہمیشہ ہی سے اس بارہ میں غلط فہمی میں تھا یا اب دہر ۷۰ برس میں (جب سے کہ ہم ایسے الگ ہوئے کہ پھر مل نہ سکے) مولانا کو میرے متعلق کچھ ایسی چیزیں نہیں سمجھیں جنہوں نے مولانا کے دل میں اتنا فرق ڈالا۔ میں چوں کہ اپنے اندر بال برابر بھی فرق نہیں پاتا تھا اس لیے ان حضرات کے متعلق بھی میرا اندازہ اور گمان یہی تھا۔ اگر یہ معاملہ نہ ہوتا تو جو کچھ میں نے لکھا تھا کم از کم اپنے لیے تو اس کا لکھنا میں بالکل صحیح نہ سمجھتا۔ کیوں کہ میرے نزدیک یہ باتیں تب ہی مفید اور نتیجہ خیز ہو سکتی ہیں جب کہ باہم پورا اعتماد اور حسن ظن موجود ہو۔

مولانا کا جواب ان مضمون پڑھ کر مجھے افسوس اور افسوس سے بھی زیادہ اس پر تعجب ہوا کہ مولانا میرے بارہ میں ایک نہیں چند و چند سخت تم کی بدگمانیوں میں مبتلا ہیں، حد یہ ہے کہ وہ یہ خیال فرما رہے ہیں کہ "تبلیغی جماعت" سے جو کچھ اس عاجز کا تعلق ہے اور تبلیغی جماعت مولانا کے خیال میں جماعت اسلامی کی کوئی حریف یا رقیب جماعت ہو اس لیے

۱۔ جو لوگ تبلیغی جماعت اور ان کی نوعیت سے ذرا بھی واقف ہیں وہی جان سکتے ہیں کہ مولانا امین احسن صاحب کا یہ خیال حقیقت سے کتنا دور ہے۔ تبلیغی جماعت میں کوئی اور خوبی یا زیادہ ہو لیکن مسلمانوں کی مختلف جماعتوں اور مختلف حقوق کے ساتھ حسن ظن اور ہر ایک کے خاص کی قدر و تائید اور کام و احترام پر جتنا زیادہ دیا جاتا ہے وہی لوگ عقیدے کے ساتھ کہتا ہوں کہ باہر کے حضرات کی مذہبی کے اس زمانہ میں اس کا اندازہ بلکہ غالباً تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مولانا امین احسن صاحب کو اب میں کیسے عقیدے دلا سکتا ہوں کہ میرے جن مضمون کا انھیں جواب لکھنا پڑا اگر میں تبلیغی جماعت کے مہمل اور تقاضے پر پورا عمل کرتا تو یہ مضمون لکھا ہی نہ جاتا۔ جب بھی سینوں کے راز ظاہر ہوں گے اس وقت مولانا کو معلوم ہو گا کہ یہ مضمون مجھ سے تبلیغی جماعت کے تعلق سے نہیں، بلکہ "جماعت اسلامی" اور اس کے دھرم و ادب کے ساتھ تعلق سے لکھوایا تھا۔ ۱۲

اس رقیبانہ بنوا ہی کے تحت ہی گویا میں نے وہ مضمون لکھا ہے۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ وہ مجھے گروتھی عصیت کا مریض بھی سمجھ رہے ہیں اور میری اس بیماری کو بھی اس مضمون کے لکھنے میں ذخیل اور محرک خیال فرما رہے ہیں۔۔۔۔۔ نیز انھوں نے اپنا یہ خیال بھی ظاہر فرمایا ہے کہ میں جاسوسانہ ذرائع سے جماعت اسلامی کے متعلق خاص معلومات حاصل کرتا رہا ہوں اور اس سے پہلے "دوسرا اندازیاں" بھی کرتا رہا ہوں۔ اور خلق خدا کو دھوکا دینے کے لیے میں نے اس مضمون میں خوب مغالطے بھی دیے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے شتاق میں نے یہ مضمون مولانا امین حین کے نزدیک اس لیے لکھا ہے کہ اس کو پڑھنے کے بعد بدیعہ جماعت کے ارکان جماعت اسلامی کے خلاف پوری تیاری کے ساتھ ہر سنگ خطبہ دے سکیں۔" انا للہ وانا الیہ راجعون

مجھے مولانا کی ان باتوں سے قدرتی طور پر تکلیف بھی ہوئی اور تکلیف سے زیادہ حیرت ہوئی، اور میرا خیال ہے کہ میرے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات کو یہ حیرت ہوئی ہوگی۔ ایک تو میرے بعض ان مخدوم بزرگوں کو جن سے میں خلوتوں میں اور جہلوں میں اور تحریری مراسلات تک میں جماعت اسلامی کی طرف سے پوری شدت سے لڑتا رہا ہوں اور بعض اوقات نوبت سخت آزدگی تک پہنچی ہے اور یہ ان بزرگوں کے ساتھ ہوا جو جن کو میں نے کبھی میں کبھی کسی اور مسئلہ پر آزدہ نہیں کیا تھا۔ اسی طرح میرا خیال ہے کہ "جماعت اسلامی ہند" کے ان بزرگوں کو بھی مولانا کے ان خیالات سے تعجب ہوا جو کاجن سے یہ عاجز ہوا رہا تھا۔ جتنا ہے اور بدیعہ تکلفی سے اپنے خیالات ظاہر کرتا رہا ہے بشرطیکہ میرا یہ گمان صحیح ہو کہ ان حضرات نے میری لاتاؤں کو کبھی متاقتانہ اور تجسس نہ نہیں سمجھا ہو (ہاں اگرچہ مولانا امین حین صاحب کے اس تجربہ کے بعد مجھے اپنی اس قسم کی خوش گمانیوں پر اب زیادہ بھرپور نہیں کرنا چاہیے) کیا عرض کروں، جماعت اسلامی کے حضرات میں سے اگر کوئی اور میرے ساتھ ایسی بے انصافی کرتا اور میں کسی سے ان جھکا کی شکایت کرنا مفید یا ضروری سمجھتا تو مولانا امین حین صاحب سے ہی شکایت کرتا، لیکن جب وہ خود ہی میرے متعلق ان بدگمانیوں کا بے تکلف اظہار فرما رہے ہیں تو اب "کس سے شکوہ کرے کوئی"۔

پھر بعض باتوں کو میری طرف منسوب کرنے میں اور بعض میری گزارشات کا مطلب سمجھنے میں مولانا سے جو حیرت انگیز اور میرے لیے تکلیف دہ غلطیاں ہوئی ہیں، چوں کہ وہ سب ان بدگمانیوں ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں اس لیے ان کے بارے میں بڑی حد تک میں ان کو معذور سمجھتا ہوں۔ آدمی جب کسی کو بدینیت اور بد باطن سمجھ لے تو پھر ذہن اس کے بارہ میں بالکل دوسری طرح کام کرنے لگتا ہے۔ البتہ ان میں سے خاصا حکم دو تین غلطیاں مولانا سے ایسی ہوئی ہیں کہ ان کے بارہ میں کم از کم اپنی شدید قلبی تکلیف کا ان سے اظہار کر دینا میرے لیے ضروری ہے۔ ایک میرے لفظ "اکرام" مسلم کے جو عجیب و غریب معنی میری طرف انھوں نے منسوب کیے اور پھر پورے ۴-۵ صفحے میں جس طرح اس کا رد فرمایا ہے۔ اس سے مجھے بہت اذیت ہوئی۔ گویا مولانا کی بدگمانی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اب میں اتنا

جابل اور احمق بھی ہو گیا ہوں کہ ”اکرام مسلم“ کے نام سے میں ان کو اس طرز عمل کا مشورہ دے رہا ہوں جس کا مشورہ کوئی اعلیٰ درجہ کا دین سے جابل اور احمق ہی دے سکتا ہے۔ حالاں کہ ”الانخوان المسلمون“ کے طرز عمل کا میں نے جو حوالہ اس سلسلہ میں دیا تھا مولانا اگر چاہتے تو میرا مطلب سمجھنے میں اس سے بھی کچھ مدد لے سکتے تھے۔

دوسرے دیوبند کے ایک رسالہ کے ایک مضمون کا حوالہ دے کر جو کچھ میں نے لکھا تھا اس کو مولانا نے اتنے غلطاً معنی پہنائے ہیں کہ مولانا کا مضمون دیکھنے سے پہلے میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اللہ کا کوئی بندہ میرا مطلب سمجھے گا۔ اس معاملہ میں میری جماعت اسلامی ہنس کے ایک ذمہ دار بزرگ سے بھی مختصر مراسلت ہوئی تھی۔ چوں کہ وہ مولانا امین احسن صاحب کی طرح میرے ساتھ بدگمان نہ تھے اس لیے ان کا جواب اور رد عمل مولانا امین احسن صاحب سے بہت مختلف تھا۔

مولانا امین احسن کی تیسری بات جس سے مجھے بہت تکلیف ہوئی یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے لڑکچہ پر نافرمانی کے متعلق میں نے جو مشورہ دیا تھا اور یہ کام دو دھابوں کے سپرد کرنے کے لیے جو عرض کیا تھا اس کا مطلب مولانا نے یہ سمجھا اور اپنے ناظرین کو سمجھایا کہ دوسرا آدمی میں جماعت کے ان مخالفین کا نمائندہ ہے چاہتا ہوں تجھوں نے حال میں جماعت کے خلاف فتوے صادر فرمائے ہیں اور اس طرح گویا میرا ٹھکانہ مشورہ نہیں بلکہ شاذ و نادر مطالبہ ایک ایسی کمیٹی کے لیے ہو جس میں ۵۰ فیصدی نمایندگی جماعت اسلامی کے مخالفین کی ہو۔

اللہ اکبر! بدگمانی کی حیرت انگیز کار فرمائی کی یہ عجیب و غریب مثال ہے کہ کوئی اور نہیں مولانا امین احسن میری طرف ایک ایسی تجویز کو منسوب کر رہے ہیں جس کو کوئی انتہائی درجہ کا احمق یا نہایت شریر قسم کا آدمی ہی پیش کر سکتا ہے، اللہ کے بندو! میں نے جماعت کے مخالفین کا اس جگہ کہاں ذکر کیا تھا، آخر آپ کا ذہن اس طرف کس قرینہ سے گیا؟ _____ کھلی ہوئی بات ہے کہ جماعت کے مخالفین کے نمائندہ کے ساتھ مل کر کبھی یہ کام نہیں ہو سکتا میرا مطلب تو ان اہل علم سے تھا جو نظام جماعت سے باہر ہونے کے باوجود جماعت اور ذمہ داران جماعت کے ساتھ اعتماد اور حسن ظن کا تعلق رکھتے ہیں اور تعاون کر سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ کام صرف ان ہی سے لیا جاسکتا ہے اور میں پاکستان میں ایسے بہت سے حضرات کو جانتا ہوں اور کوئی پوچھے تو نام بتا سکتا ہوں۔

بہر حال یہ تین باتیں تو ایسی تھیں جن سے مجھے بے حد تکلیف ہوئی اور میں ان پر سکوت نہیں کر سکا۔ ان کے علاوہ جو دو غلطیاں میرے معاملہ میں پورے ۶۴ صفحے کے اس مضمون میں مولانا سے ہوئی ہیں اگر اللہ کا کوئی بندہ انہیں بھی معلوم کر کے میرے ساتھ انصاف کرنا چاہے تو انشاء اللہ اتنا ہی کافی ہو گا کہ وہ میرا اصل مضمون سامنے رکھ کر مولانا کا جواب پڑھے۔

انہم میں ان سی غلطیوں کی بنیاد جس کا میں نے عرض کیا، مولانا کی ان بدگمانیوں ہی کو سمجھتا ہوں جو وہ اپنے اس

نیا زندہ کے متعلق قائم کیے ہوئے ہیں، بدگمانی اچھے خاصے مقول اور ذہین فہیم آدمیوں سے بھی بڑی سے بڑی اس قسم کی غلطیاں کرا دیتی ہے۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مولانا کے جواب کو پڑھ کر مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں مجھ سے سب سے بڑی اور بنیادی غلطی یہ ہوئی کہ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ ہمارے درمیان وہ امتداد و تعلق باقی ہے جو ان باتوں کے مفید ہونے کے لیے ضروری ہے۔ مگر میں عرض کر دوں گا کہ میری اس غلط فہمی کی ذمہ داری میری نادانی اور سادہ لوحی کے علاوہ کچھ مولانا امین احسن صاحب کی ذات گرامی پر بھی ہے مولانا نے اپنے جوابی مضمون میں میرے جس خط کا کئی جگہ ذکر کیا ہے (جو میں نے اس مضمون سے کافی مدت پہلے ان کی خدمت میں لکھا تھا) اس میں میں نے اپنی اس غلط فہمی کو پوری طرح ظاہر کر دیا تھا اور اسی بنیاد پر بے تکلف اس کا بھی اظہار کر دیا تھا کہ میں عنقریب جماعت اسلامی کے متعلق ایک مضمون بھی لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں جس میں ان چیزوں کے متعلق اپنے خیالات اور اپنی معروضات آپ حضرات کے سامنے پیش کر دوں گا جن کو میں جماعت کے سلسلہ میں قابل اصلاح سمجھتا ہوں۔ مگر مولانا نے اس کے جواب میں مجھے اشارہ بھی اس پر مطلع نہیں کیا کہ باہمی تعلق اور امتداد کے بارہ میں میں کسی غلط فہمی میں ہوں، اگر کئی غلطی سے غلطی سے بھی میں یہ سمجھ لیتا یا مولانا ازراہ کرم اس کا بھی کوئی اشارہ کر دیتے کہ یہ وقت اس کام کے لیے ان کے نزدیک مناسب نہ ہو گا تو اس مضمون کا لکھنا میں ہرگز مفید نہ سمجھتا۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ اس وقت جب کہ جماعت اور مولانا مودودی کے خلاف فتوؤں کا ایک طوفان برپا ہے جس کے کھٹنے والوں میں میرے بعض بزرگ بھی ہیں، جب میں ان فتوؤں سے اپنے ایسا اندازہ اختلاف کو صاف صاف ظاہر کر دوں گا اور یہی کیا کہ جماعت کے کام میں میرے نزدیک جو چیزیں اصلاح طلب ہیں ان کے بارہ میں بھی اپنے خیالات عرض کر دوں گا تو صرف میرے واقفین اور دوست ہی نہیں بلکہ جماعت کا سارا حلقہ میری گزارشات کو مخالفانہ اعتراض و تنقید کے بجائے مخلصانہ رائے اور خیر خواہانہ مشورہ تصور کر کے ان پر غور کرے گا۔ الغرض میں نے اسی خیال سے اس مضمون کے لیے اس وقت کو اور اس طریقہ کو مناسب سمجھا تھا اور اپنے خط میں اس کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ لیکن اب مولانا امین احسن صاحب کے مضمون سے معلوم ہوا کہ یہ میری انتہائی غلط فہمی تھی بجائے اس کے ان حضرات نے اس مضمون کے کھٹنے کے لیے اس وقت کے میرے انتخاب کو ایک قسم کی نیشی اور شرارت نفس کا نتیجہ سمجھا ہے۔ مادہ خیالیم و فحاک درجہ خیال

۱۷۔ بلکہ اس خط کے وصول ہونے پر مولانا نے جو مختصر سا خطارید کے طور پر مجھے لکھا یا تھا اس سے بھی میں یہ سمجھا تھا کہ ہمارے

بہر حال اس سلسلہ میں اس قسم کی مجھے جو جو غلط فہمیاں ہوئیں جن پر مولانا امین احسن صاحب کے اس مضمون نے مطلع کیا مجھے ان سب کا اعتراف ہو۔ اسی طرح مولانا کا مضمون پڑھ کر میرے دل نے یہ بھی اعتراف کر لیا کہ مجھے اپنا وہ مضمون جس طرح لکھنا چاہیے تھا اس طرح لکھنے میں میں کامیاب نہ ہو سکا اور میرے قلم سے بعض طنزیہ الفاظ بھی نکلے جن کی مولانا نے نشانہ ہی کی ہے (اگرچہ خدا جانتا ہے کہ میں اپنے ارادہ اور شعور کی حد تک اس غلطی سے بچنے کی بہت کوشش کرتا ہوں) مولانا نے میری اس غلطی کی جو سزا دی ہے میں ایمان داری سے اس کو ہلکی سمجھتا ہوں۔ اسی طرح مولانا کے جوابی مضمون سے میں اپنی ایک اس غلطی پر بھی مطلع ہوا کہ اپنے مضمون میں ”غیر اسلامی نظام سے تعلق کے مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے میں نے ”تعاون“ کا لفظ اس جگہ غلط استعمال کیا ہے۔ سچا ہے اس کے وہاں ”تعلق“ کا یا اسی قسم کا کوئی لفظ استعمال ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اصل مسئلہ کی تسبیح چونکہ بجائے خود میرے نزدیک ضروری ہے اس لیے انشاء اللہ نفس مسئلہ پر کسی وقت تفصیل سے اور مستقلاً کچھ عرض کروں گا اور اسی وقت بتلاؤں گا۔ کہ اس بارہ میں میرا جو نقطہ نظر ہے اس کا ذکر اس زمانہ کی تحریر میں بھی کہیں محفوظ ہے یا نہیں۔ بلکہ میرے خیال میں مولانا امین احسن صاحب کے اس جواب نے تو مسئلہ کو اور زیادہ آسان کر دیا ہے اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں ان کی توضیح نے میرا مقصد بڑی حد تک پورا کر دیا ہے۔

آخر میں صرف ایک چیز اور عرض کرنی ہے۔ مولانا امین احسن صاحب نے اپنے جوابی مضمون میں میرے ایک خط کا کئی جگہ ذکر فرمایا ہے اور اس کے متعلق صفحے کے صفحے لکھے ہیں، جو کچھ انھوں نے میرے مضمون کے متعلق تحریر فرمایا ہے اگر اللہ کا کوئی بندہ اس پر غور کرے کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہے تو ذیقعدہ کے الفرقان میں میرا اصل مضمون پڑھ کر غور کر سکتا ہے لیکن جو کچھ انھوں نے میرے خط کے بارہ میں تحریر فرمایا ہے، وہ خط جو کہ شائع نہیں ہوا جو اس لیے اس کے بارہ میں ناظرین کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے میں نے مولانا کو جب وہ خط لکھا تھا تو ساتھ ہی اشاعت کی اجازت بھی لکھ دی تھی، اگر وہ اس پر کچھ لکھنا چاہتے تھے تو میرے خیال میں اس کو شائع کر دینا چاہیے تھا۔ بہر حال اب اس کا وہ حصہ ذہن میں شائع کیا جا رہا ہے، جس کا تذکرہ مولانا نے اپنے جواب میں فرمایا ہے۔ ترجمان القرآن کے ناظرین میں سے جن حضرات کی نظر سے خط کا یہ اقتباس گزرے گا وہ اندازہ کر سکیں گے کہ مولانا امین احسن صاحب نے اس خط کے مضمون کا جس طرح ذکر فرمایا ہے وہ اس کے مقصد اور اس کی روح سے کتنا مطابق ہو؟ راقم نے یہ خط غالباً شروع شوال میں مولانا کو لکھا تھا، ابتدائی حصہ ان فتوؤں پر اظہارِ افہام و رسوخ کے متعلق تھا جو ان دنوں میں جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے خلاف مختلف حلقوں سے شائع ہوئے

تھے اور دوسرا احمد خود مولانا امین احسن صاحب کے ایک مضمون سے متعلق تھا۔ مولانا موصوف نے اپنے مضمون میں اسی کا ذکر فرمایا ہے اس سلسلہ میں جو کچھ اس عاجز نے لکھا تھا وہ بلفطہ درج ذیل ہے۔۔

”تمثال کا ترجمان مولانا ابوالیث صاحب نے ہی کہیں سے پڑھنے کے لیے میرے پاس بھیجا یا تھا جو پڑھ کر واپس بھی کر دیا اس میں آپ نے حکیم عبدالرشید محمود صاحب کے جواب میں تصور شیخ پر کلام کرتے ہوئے حضرات نقشبند یہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھ کر افسوس ہی نہیں ہوا بلکہ بڑی تکلیف بھی ہوئی۔ کاش آپ کا قلم اس قدر بے احتیاط ہو کر نہ چلتا۔ جو شخص تصور شیخ کی حقیقت مانتا ہو اس کے لیے آپ کا یہ فتویٰ ان فتوؤں سے زیادہ غلط اور تکلیف دہ ہو گا جو بدستار اور پاکستان میں آپ حضرات کے خلاف لکھے گئے ہیں خود آپ کی تحریر بتلا رہی ہے کہ آپ نے تصور شیخ کی حقیقت معلوم کرنے کی بالکل کوشش نہیں کی ہے بلکہ آپ کے ذہن اور دماغ میں اس کا ایک تصور اور عقل سے دھو دھو اتنے شرک ہی ہو گا کہ آپ نے اسی کو اہل سلوک کا معمول تصور شیخ سمجھ کر سارے نقشبند یہ کو شرک کے گھاٹ اتار دیا اور ”اجعل لنا اللہ ما نلہم اللہ“ کے مجرموں کے ساتھ باندھ کر ان کی سزا (قتل) برپائے (ارتداد) کا منتہی ان کو بھی قرار دے دیا لیکن ہے آپ کی نیت یہاں تک نہ ہو لیکن خدا را سوچئے کہ عام ناظرین اس سے اس کے سوا اور کیا سمجھیں گے۔ میرے نزدیک یہ دہی نفسی بیماری ہے جس میں آپ حضرات کے خلاف فتوے دینے والے بزرگ مبتلا ہیں انھوں نے پہلے ہی سے کچھ بدگمانیوں کی بنا پر آپ حضرات کو گمراہ اور گمراہ کن سمجھ رکھا ہے اور اسی لیے سخت سے سخت ناروا الفاظ آپ کے متعلق لکھے وقت ان کا ضمیر ان کو نہیں ٹوٹتا کہ تحقیق کا حق ادا کیے بغیر کسی کے متعلق اتنی سنگین بات تم کیوں کہہ رہے ہو میرا خیال ہوتا ہے کہ اسی طرح آپ نے غریب اہل تصوف و سلوک کے متعلق ایک خیال قائم کر رکھا ہے کہ شرک و بدعت کے سارے کپڑے ان میں موجود ہیں، اس لیے اتنی بڑی اور اتنی در دریں بات کہتے وقت آپ کے ضمیر نے آپ کا قلم نہیں روکا اور کچھ نہیں تو یہ تو سوچا ہوتا کہ تم انکم حضرت مجدد دافعت ثانی اور حضرت شاہ دلی اثمر حقیقت توحید حقیقت شرک سے اتنے جاہل نہیں ہو سکتے کہ ایک خالص مشرک نہ ملے (جس کی سزا قتل ہے) وصول الی اللہ کا ذریعہ قرار دے جائیں۔ معلوم نہیں آپ واقف ہیں

۱۔ اس سلسلہ میں مولانا امین احسن صاحب نے اپنے جوابی مضمون میں ایک عجیب غلط بحث کیا ہے جو ان جیسے حضرات کی شان سے بہت بعید ہے۔ ناظرین کے سامنے میری اہل عبارت موجود ہے وہ دیکھ سکتے ہیں کہ میں نے یہاں حضرت مجدد اور حضرت شاہ دلی اثمر کا نام ہی نہ لائے کے لیے کیا ہے کہ جب یہ حضرات بھی تصور شیخ کے مجرم ہیں تو اس سے اتنا تو ضرور سمجھنا سکتا ہے کہ ”تصور شیخ“ کی جو اصل حقیقت ہو اور (باقی صفحہ ۸۹)

یا نہیں کہ یہ دونوں حضرات بھی تصور شیخ کے استعمال اور تجویز کے مجرم نقشبند یوں ہی میں ہیں اور خود ان کے تذکرہ اور ان کی کتابوں میں اس شغل کا ذکر موجود ہے۔ حضرت مجدد کے مکتوبات میں بھی اور اشغال تصوف سے متعلق شاہ صاحب کے رسائل میں بھی ”شغل رابطہ“ اور ”شغل برزخ“

(بقیہ صفحہ ۸۹)

جو نقشبند یہ معمول ہے وہ شرک نہیں ہے۔ کیوں کہ مولانا امین حسن صاحب جیسے حضرات کے نزدیک بھی یہ مسئلہ ہے کہ یہ حضرات حقیقت توحید اور حقیقت شرک سے متنبہ جاہل نہیں ہو سکتے کہ ایک مشرک کا دخل کو وصول الی اللہ کا ذریعہ قرار دے جائیں۔ یہ تو میرا مطلب اور میرے الفاظ ہیں لیکن اس سلسلہ میں مولانا نے اس کے باطل برعکس جو کچھ میرے سر تھوپا ہے اس کو ان کے جوابی مضمون میں دیکھا جائے۔ اگر بھی ان کے متعلق اتنا بدگمان ہو چکا ہوتا جتنا کہ وہ میرے متعلق ہو چکے ہیں تو میں ان کے مضمون کی اس قسم کی باتوں کو تسامح اور غلط فہمی نہیں بلکہ کرتب بھٹاتا۔

مولانا کے جوابی مضمون سے میں نے یہ بھی سمجھا ہے کہ وہ میرے اس طرز فکر اور طرز بحث کو بہت غلط سمجھتے ہیں کہ میں اس قسم کے مباحث اور مسائل میں حضرت مجدد اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی شخصیتوں کو بچھ میں لے آتا ہوں۔ مولانا کا غلط نظر یہی ہوگا لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں اور میرا عقیدہ کا تجربہ ہے کہ یہ طریقہ بہت صحیح ہے اور سب اوقات یہ بڑے سے بڑے غلط روا و غیر منصف آدمی کو بھی حقیقت پسند بننے پر مجبور کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر عرض کروں فرض کیجئے ایک شخص جو حضرت مجدد اور شاہ ولی اللہ کو مجدد اور دین کا معتقد شارح اور امام تسلیم کرتا ہو، کسی غلط فہمی کی وجہ سے یہ کہتا ہو کہ نقشبندیہ جو نقشبند ہیں کے معمولات میں سے ہے قطعاً مشرک ہو اور اس کے عامل قطعاً مشرک ہیں۔ تو میرے نزدیک اس کو سمجھانے اور اس غلط راوی سے اس کو روکنے کا سب سے آسان اور نصیحت رانہ یہی ہے کہ میں اس کو یہ دکھلا دوں کہ حضرت مجدد اور شاہ ولی اللہ بھی ان نقشبند یوں ہی میں سے ہیں اور وہ بھی اس تصور شیخ کے قائل اور مجوز ہیں۔ اس کے بعد وہ اس پر مجبور ہوگا کہ تصور شیخ کے خود کوئی ایسے معنی دھونڈے جو اس کے نزدیک بھی مشرک نہ ہوں اور جو دین کی امامت کے ساتھ بھی جوڑ رکھا سکیں اور پھر خود کہے گا کہ یہ حضرات اس تصور شیخ کے قائل اور مجوز ہوں گے۔ اور اس طرح بھگڑا ہڑی آسانی سے چاک چلے گا۔ بہر حال یہ عاجزان بزرگوں کا نام اس قسم کے مسائل اور مباحث میں اس لیے نہیں لیتا کہ ان کا قائل یا خائن کوئی حجت شرعی ہے یا یہ حضرات معصوم عن الخطا ہیں، بلکہ اس لیے لیتا ہو کہ ان کے متعلق مولانا امین حسن صاحب جیسے حضرات کو بھی یہ مسلم ہو کہ یہ نہ مشرک تھے نہ دین میں فساد پیدا کرنے والے اور نہ گمراہیوں کو اس میں گھسانے والے بلکہ آمنہ بدلتی میں سے تھے اور جو شخص ان حضرات کی اس واقعی حیثیت کو تسلیم کرے اسے عقلاً و نقلاً ضرور ماننا پڑے گا کہ ان بزرگوں نے جن چیزوں کی مسلمانوں کو دعوت و تبلیغ دہی وہ نہ شرک نہ کفر نہ بد گمراہی، الغرض میں صریحاً بتایا ہے ان حضرات کا نام بھی کبھی تصوف اور اس کے متعلق مسائل میں لیتا ہوں اس کے جواب میں یہ کہنا کہ یہ حضرات معصوم نہیں تھے اور اس پر صنف کے صفحہ غلط بحث کی مثال جو اہل علم اور اہل ذہانت کے لیے ہرگز ذریعہ نہیں۔

کے نام سے اس شغل کا تذکرہ بہت سی جگہ آپ کو مل سکتا ہے۔ اہل ملوک کے یہاں اس کے معروف عنوانات یہی ہیں۔

بہر حال آپ کی اس بے احتیاطی بلکہ تکلیف دہ زیادتی سے بڑی تکلیف ہوئی اگر لکھتے وقت میں آپ کے پاس ہوتا اور یہ اندازہ کرتا کہ محبت و اخوت کا وہ حق میرے لیے اب بھی آپ مانتے ہیں جس میں میرے نزدیک کبھی کوئی فرق نہیں آیا ہے تو میں آپ کا ہاتھ پکڑ لیتا، ظلم چھین لیتا اور کاغذ بھاڑ دیتا اب اتنی دور سے کیا کر دوں اور کس طرح آپ پر اپنے دل کا رنج اور دکھ ظاہر کروں۔ تصور شیخ جو صوفیا کی خاص اصطلاح اور ان کے بعض سلاسل کا خاص معمول ہے اس میں شرک کا تو شائبہ بھی نہیں تھا طین نے جو اس کو ترک اور منہ کیا ہے (اور یہ عاجز بھی ترک و منع ہی کے حق میں ہے) تو وہ دوسرے خطرات کی وجہ سے — بہر حال تصور شیخ کا جو تصور آپ کے ذہن میں ہے (جو غالباً شرک ہی ہو گا) اس کو حضرات نقشبندیہ کی طرف منسوب کر کے ان کے خلاف اتنا سخت لکھ دینا اس کے سوا کیا عرض کروں کہ اللہ کے ہزاروں مقبول بندوں کو اپنے حق میں مدعی بنالینا ہو۔

آپ یقین فرمائیں کہ میں صرف اپنی قلبی تکلیف ہی کی وجہ سے آپ سے یہ باتیں اس طرح نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ خدا جانتا ہے کہ آپ کا اپنے پرستی تھک کر بھی عرض کر رہا ہوں اگر میری بات کسی درجہ میں قابلِ شنوائی و پذیرائی ہو اور مجھے کوئی ایسی بات عرض کرنے کا حقدار سمجھا جائے جو خاص تعلق و اعتماد ہی کی بنا پر کہی جاسکتی ہو تو میں آپ سے عرض کر دوں گا کہ اس سنگین غلطی سے بلا تامل رجوع فرما کر اپنی ذمہ داری کا حق ادا کرنے کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی اپنی غلطیوں سے رجوع کرنے کے لیے اچھی مثال قائم فرمائیے! کلام خطاؤن و خیر الخطائین التواجون۔

۱۔ اس موقع پر ناظرین کرام سے اتنا عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حکیم عبدالرشید محمود صاحب کے مضمون کا جواب دیتے ہوئے مولانا امین احسن صاحب نے جو کچھ لکھا تھا میں اس سے یہ سمجھا تھا کہ (الغرض صوفیہ کا اصطلاحی "تصور شیخ" ان کے نزدیک بالکل شرک ہی "شرک" دون شرک" والا شرک نہیں بلکہ شرک حقیقی و حسی گویا بہت بڑی کے درجہ کا شرک)۔

(د) اور ان کے ذہن میں اس کا کوئی ایسا تصور ہے جو واقعہ بھی غالباً شرک ہی ہو گا۔

(ج) اور ایسا پارہ یہ مان کر نقشبندیہ تصور شیخ کے کھال ہیں ان کو شرک اور گردن زدنی قرار دے رہے ہیں۔

بہر حال میں نے ان کے مضمون سے یہی سمجھا تھا اور اسی بنا پر اپنے کون کا ایک بے تکلف اور غصہ دوست سمجھ کر یہ ساری خاموشی کی تھی لیکن اب انھوں نے میرے مضمون کے جواب میں جو کچھ اس سلسل میں ارشاد فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اس سہا کا رہے کہ حضرت محمد و شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نقشبندی بزرگان دین تصور شیخ کی کسی ایسی صورت کے قابل اور مجوز ہوں جو شرک ہو۔ — اگلا ترجمہ بارودش دل ماثاد — میرے لیے یہ مان لینا بجا و ضرر آسان ہو کر ان کی پہلی عبارت سے جو کچھ میں نے سمجھا تھا وہ غلط سمجھا ہو گا۔ اگر اور کوئی نے بھی دیکھا تھا ہو اور ان کے لیے بھی اپنی ہی غلط فہمی مان لینا یا آسان ہو تو وہ بھی یہی مان لیں۔

آج سب بات چل پڑی ہو تو نفسِ تصوف کے متعلق بھی اتنا عرض کر دوں کہ کسی اور کے لیے تصوف ضروری ہو یا نہ ہو، جس کام کو نے کر آپ حضرات کھڑے ہوئے، ہیں اس کے علمبرداروں کے لیے تو تصوف بالکل ناگزیر ہے آج کی دنیا میں اگر کسی ہر طرح کے آدمی چلا سکتے ہیں۔ انکھنوں کی دھڑبھاگ میں ڈوانے ہو کہ بھوک پیاس برداشت کرتا، چھانڈ بھوسے پاؤں سے دوڑتے رہنا اور موقع آجائے پر گولیساں کھانا، پھانسی کے بھند سے گونوم کر گلے میں نو ڈال لینا اب تو یہ ساری باتیں فسق اور خدا کے انکار کے ساتھ بھی ہوتی ہیں لیکن انبیا علیہم السلام کے مقصد کے لیے جب وہ سب جس عبادتی ذوق اور جس یقین و عشق (جنون) اور ابتغا و سبغ اللہ اور شوقِ جنت کی جن کیفیات کے ساتھ ہونی چاہیے جو صحابہ کرام کا امتیاز تھا اور جو حضرت سید شہید کے رفقا میں نظر آتا ہے اور تلاش کرنے والوں کو اب بھی کہیں نہیں اس کے نمونے مل سکتے ہیں، اس مادیت کے دور میں اس کے پیدا کرنے کا کوئی راستہ تصوف کے سوا اب تک تو نکلا نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں آپ حضرات نے مختلف موقعوں پر جو کچھ لکھا ہے تقریباً سیرے مطالعہ میں آیا ہے اس سے تو میں یہی کچھ رہا ہوں کہ اس مقصد کے لیے ابھی تاک اپنے کسی دوسرے راستے کا تجربہ نہیں کیا ہے، صرف ذہن، زبان اور قلم ہی سے سوچا، لکھا اور کہا جا رہا ہے۔ بے تکلف عرض کرتا ہوں کہ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے آخری دور حیات میں سب ان کے قریب رہنا ہوا تو میں نے اس شخص کے وجود میں اس حقیقت کو گویا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کیا عرض کروں اب کوئی ایسا مرد خدا اپنی نظر میں بھی نہیں درہ ایک وفد تو آپ دونوں

۱۔ مولانا امین احمد صاحب کے تازہ جوابی خطوں سے معلوم ہوا کہ انھوں نے میرے ان الفاظ کا مطلب یہ سمجھا کہ میری نظر میں اب کوئی اللہ کا بندہ ایسا موجود نہیں جس میں تصوف کے ان اچھے نتائج کو دیکھا جاسکے جن کے حصول کے لیے تصوف کی ضرورت بتلائی جاتی ہے۔ اگھر اللہ میں اللہ کے ایسے منہ و بندہ کو جانتا ہوں اور وہ اس دنیا میں موجود ہیں۔ ہاں مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے بعد میری نظر نے کوئی ایسا شخص بھی نہ دیکھا جس نے اپنی زندگی اور اپنی ساری طاقتوں کو ان کی طرح اختیار علیہم السلام کے مقصد کے واسطے جبر و جبر کی تدویر کیا ہو اور اس کا حال یہ ہو کہ ہم حیدر کی نظریں بھی صاف دیکھ سکیں کہ یہ جو کچھ کرتا ہو کیسے عبادتی ذوق سے اور یقین و عشق اور ابتغا و سبغ اللہ اور شوقِ جنت کی ایسی کیفیات کے ساتھ کرتا ہے مولانا امین احمد اور مولانا دودی جیسے حضرات کے متعلق چونکہ میرا یہ اندازہ ہو کہ وہ کسی ایسی ہی شخصیت سے متاثر ہو سکتے ہیں جس میں دین کی سبب کے ساتھ یہ چیزیں موجود ہوں اس لیے اس موقع پر حسرت کے ساتھ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر قلم کی زبان پر آگیا تھا، درہ جہاں تک نفسِ تصوف کے نتائج کے اچھے نمونوں کا تعلق ہے، یہ نہیں کیا اب تو ضرور ہے لیکن اگھر اللہ نایاب ابھی تاک نہیں ہے۔

حضرات کا ہاتھ بلکہ پاؤں پکڑ لیتا کہ چند دن اس کے پاس رہ کر دیکھو پھر معلوم ہو جائے گا کہ اصل تقویٰ کیا چیز ہے اور اس کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اور دین میں اس کا درجہ اور اس کی حیثیت کیا ہے۔ آپ جیسے اصحاب بکار و مالکان زبان و قلم کو کوئی دوسرا باتوں اور دلیلوں سے نہیں منرا سکتا، اچھی باتیں کہنے اور اچھا لکھنے کا سلیقہ آپ کا سا کیسے ہو؟۔ بے تکلفی میں لذت معلوم ہوئی اس لیے استعمال کر لی گئی، معافی کا خواہشگار ہوں۔“

والسلام

مولانا امین احسن صاحب نے اس عاجز کے متعلق جن شدید بدگمانیوں کا اپنے جواب میں اظہار فرمایا ہے میں نے ان کو دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی ہے اور نہ اس قسم کی کوششیں مفید ہو سکتی ہیں۔ صرف اس عرض کرتا ہوں کہ اگر اس زندگی میں نہیں تو آنے والی زندگی میں انشاء اللہ ضرور مولانا کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سراسر ان کی غلط گمانیاں تھیں بشرطیکہ ہم دونوں کا خاتمہ ایمان پر ہو اور اس گنگار کو اللہ کی رحمت سے دونوں کے بارہ میں بھی امید ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی بعض اہم تصانیف

تہنایہ کتاب پورا اصلاحی اور تجدیدی کتب خانہ ہے، اس میں حضرت تھانویؒ نے جو ادارہ النورؒ اپنے قریباً تین سو مضامین و مقالات کو جمع فرمایا ہے۔ خواص اور اہل علم کو ضرور ہی اس کو لینے پاس رکھنا چاہیے، اسی الفرقان سائز پر دو ضخیم جلدیں ہیں۔ (قیمت بارہ روپے عظم)

بہشتی زیور: جو تمام بہشتی زیوروں میں ہر حیثیت سے اعلیٰ اور اعلیٰ خصوصاً صحت میں نانی ہے۔ قیمت ۱۵

حیات المسلمین — (مجلد مع خوشنما گرد پوش) — قیمت ۱۴

تعلیم الدین — (مجلد مع خوشنما گرد پوش) — قیمت ۱۴

اصلاح الرسوم — (مجلد مع خوشنما گرد پوش) — قیمت ۱۴

”ملفوظات“

حضرت مولانا محمد الیاسؒ

عمر تہذیب

(مولانا محمد منظور غفاری)

آج مولانا مرحوم اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن اگر کوئی انھیں جاننا اور ان کی باتیں اور باتیں سنانا چاہے تو حضرت مرحوم کے اس مجموعہ ”ملفوظات“

کا مطالعہ کر لے جو دین کے حقائق و معارف کا عجیب غریب گنجینہ ہے اس سے مولانا مرحوم کی دینی دعوت کی روح و حقیقت، اس کے اصول و مقاصد اور ادب و ادب اور اس کی گرائیوں بھی معلوم ہوگی اور یہ بھی اعجاز ہے

اگر تھوڑی دیر میں اور حضرت یقین میں مولانا کا مقام کتنا بلند تھا اور اگر تھوڑی دیر میں دین کے حقائق و معارف ان کے قلب پر شگفتہ فرما دیئے تھے اور اس سلسلہ کے اعراض کی مولانا نے بھی سچے سچے تحقیق کی تھی حقیقت اس کی مثال میں اس مجموعہ کا ایک ایک ملفوظ ایسا ہے جس پر فہم کن بین قرآن کی سبکدستی ہیں۔ قیمت جلد ہفتم

اسلامی ہنر کے رطوفانی عہد میں

خدا کا ایک وفادار بندہ

حضرت شاہ ولی اللہ

(مولانا صاحب شافعی گیلانی)

شاہ ولی اللہ رحمہ کا دور اسلامی ہنر کا عرصہ رطوفانی دور تھا مصلحت کا زوال و انحطاط، ہندوستان میں آخری قیامت کا آغاز، سکھ اور مرہٹہ تحریکوں کا زور و اذان کے غارتگریز جنگوں کے بعد شاہ کا خوشی سیلاب اور احمد شاہ ابدالی کی تاریکی جنگ، یہ سارے واقعات شاہ صاحب نے ہی کے زمانے میں ہوئے، اور خود شاہ صاحب ان سے غیر متعلق تھے

اس لیے

اس مقالہ میں ان تمام واقعات اور ان کے اسباب اثرات کا ذکر بھی ہوگا خاصہ تفصیل سے لگایا ہو، پھر نکلایا گیا ہے کہ شاہ صاحب نے فتنوں کے اس طوفانی دور میں اسلام کی خدمت کیا اور کس طرح کی؟ اور ان کے جزئیں سے موجودہ حالات میں کیا روشنی ملتی ہے۔

کاغذ سفید چمکانا۔ قیمت: دو روپے

حضرت مولانا محمد الیاسؒ

اور انکی دینی دعوت

(تالیف: مولانا ابوالحسن علی حسینی ندوی)

اس دور کے شہور مصلح اور عارف حضرت مولانا محمد الیاس کے نام سے جانے لگے بہر حضرت عام طور سے واقف ہیں کتاب درجہ مولانا مرحوم کی سوانح حیات پر جس میں ان کے ذاتی حالات اور سوانح کے علاوہ ان کی شہرہ دینی و علمی دعوت کو بھی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے جو اہل شریعت اور دین کے نہایت وسیع اور گہری دینی و علمی تحریک ہے اس دعوت و تحریک کے پس منظر کے منظر اور انکی انقلابی نزول کو جس تحقیق و توجہ کے ساتھ بہترین علمی اور تحقیقی زبان میں اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے وہ اسے محترم قارئین کی کا حدیث۔ شرح میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نے لکھا کہ اس وقت کے بہترین کتاب و سنت کی روشنی میں انبیاء و اہل اسلام کے پہلی دعوت کی تشکر کر کے لکھا لایا کہ اس دینی تحریک کو کوہ انبیاء سے کس درجہ مطابقت ہو۔

کاغذ سفید چمکانا۔ قیمت: دو روپے

امام ولی اللہ دہلویؒ

اور ان کا فلسفہ

(از: حضرت مولانا عبد اللہ ندوی)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ کے فلسفہ کے علوم و معارف اور ان کے فلسفہ پر یہ نہایت گہری علمی مقالہ لکھا ہے مولانا دہلوی کی علمی خصوصیات اور ان کے فلسفہ کی بنیادوں کو سمجھنے کے لیے یہ کہیں کی حیثیت رکھتا ہے اس میں

پانچ باب ہیں۔ پہلے باب میں شاہ صاحب کی تعلیم و تربیت اور ہندو میں کے سادہ و شائستہ سے استفادہ و تحصیل کا بیان ہے دوسرے اور تیسرے باب میں علوم قرآن و حدیث میں انکی تعبدیات و خاصہ نظریات کی شرح کی گئی ہے، اور چوتھے باب میں انکی تشریفات و تہذیب و تہذیب کا بیان ہے اس میں ان کے خاص تہذیب و تہذیب پر روشنی ڈالی گئی ہے

لیکن صرف اہل علم اور عربی و فارسی حضرات کے مطالعہ کے لائق ہو گا کاغذ سفید چمکانا۔ قیمت: دو روپے

غیر مالک
سالانہ :- ۱۳ شلنگ
فی کاپی :- گیارہ آنے

لفتن کھنؤ

ہندوستان اور پاکستان
سالانہ چنڈ :- ۵
فی کاپی :- ۸

جلد ۱۹ بابہ ماہِ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق فروری ۱۹۵۲ء نمبر ۴

نمبر شمار	مضامین	کھنڈے والے	صفحہ
۱	نگاہِ اولیں	مدیر	۲ - ۴
۲	معارف الاحادیث	"	۵ - ۱۲
۳	دجالِ فتنہ اور سورہ کہف	مولانا سید مناظر احسن گیلانی	۱۳ - ۲۰
۴	نورِ ہر اک کی روشنی میں	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۲۱ - ۲۸
۵	ہماری دعوت اور اُس کا طریق کار	مدیر الفرقان کی ایک تقریر	۲۹ - ۳۹
۶	روحانیت (نظم)	حضرت شقیق صدیقی جونپوری	۴۰
۷	تعارف و تبصرہ	مولانا سید محمد اسحق سندیلوی	۴۱ - ۴۵
۸	مولانا امین احسن اصلاحی بنام محمد منظور نعمانی		۴۶ - ۴۸
۹	محمد منظور نعمانی بخدمت مولانا امین احسن اصلاحی	الحمد للہ	

سُرخ پینسل کا نشان! اس بات کی علامت ہے کہ جناب کی مدتِ خوبداری اس شماره پر ختم ہو گئی ہے لہذا اپنا چنڈہ برائے ایک سال مبلغ (۵ روپے) بذریعہ پی آر ڈی ارسال فرما کر شکوہ فرمائیے اگر ۲۵ فروری ۱۹۵۲ء تک جناب کا چنڈہ وصول نہ ہوا اور نہ کوئی اطلاع آئی تو اگلا پرچہ دی، پی بھیجا جائے گا، جس کا وصول کرنا جناب کا اخلاقی فریضہ ہوگا۔ پاکستان کے حضرات اپنا چنڈہ حسبِ معمول "جناب امجدی عبدالحجرت احسن" سے، اینڈ، جی فضل الہی کمپنی ساؤتھ نیپیر روڈ کراچی پاکستان کے پتہ پر ارسال فرما کر رسید ہمارے پاس ارسال فرمادیں۔ اگر آپ کے چنڈ کی اطلاع ۲۵ فروری تک موصول نہیں ہوئی، تو ادارہ اصلاح و تبلیغ "لاہور" سے آپ کی خدمت میں "الفرقان" بذریعہ دی، پی ارسال کیا جائیگا۔ والسلام۔ ناظم الفرقان۔ لکھنؤ۔

(مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔)

باسمہ سبحانہ

نگاہِ اولیں!

محمد رسول اللہ

”الفرقان کی گذشتہ اشاعت کے ان ہی صفحات میں تسلیعی تحریر کے بعض خاص پہلوؤں پر کچھ عرض کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی بعض خاص ہدایات کا اس عاجز نے ذکر کیا تھا، اُمید ہے کہ ناظرین کرام کے حافظہ میں وہ باتیں محفوظ ہوں گی۔ آج بھی اسی سلسلہ میں چند اور چیزیں عرض کرنے کو جی چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ الفرقان کے ناظرین کرام کو عموماً اور تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والے دوستوں کو خصوصاً ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔“

ہماری اس دنیا میں اختلاف اور نزاع کے موقع پر ہر شخص اپنے کو بری اور بے قصور ثابت کرنے کی اور سارا الزام دوسرے ہی فریق پر رکھنے کی کوشش کرتا ہے یہی اس دنیا کا عام رواج ہے (اور یہ واقعہ ہے کہ ان سطروں کا لکھنے والا بھی اس سے متنبہ نہیں ہے) لیکن مولانا محمد الیاسؒ اپنی اصلاحی و تبلیغی جدوجہد کے سلسلہ میں اس پر انتہائی زور دیتے تھے کہ ایسے واقعے پر اپنی غلطی اور دوسرے کا عذر اور اس کے طرز عمل کی کوئی مناسب توجیہ معلوم کرنے پر اپنی فکری قوت کو صرف کیا جائے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم ”ظنوا بالمؤمنین خیراً“ اور ”اتھموا انفسکم“ مولانا کے قلب و روح پر اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ آج کسی کو اس کا اندازہ کرنا ناچھنی شکل ہے۔ اور یہ چیز ان کی کوئی مبنی بر مصلحت پالیسی اور حکمت عملی نہیں تھی، بلکہ وہ اس کو قربت و عنادت سمجھتے تھے اور اس کے فضائل بیان فرماتے تھے۔

اسی طرح مولانا مرحوم ایک اس چیز کی بڑی تاکید فرماتے تھے کہ گفتگو میں غالب آنے کی اور اپنی بات کو اونچا رکھنے کی کوشش کبھی نہ کی جائے، بلکہ جہاں تک ہو سکے اپنے ہی کو جھکا نے اور نیچا رکھنے کی کوشش کی جائے۔ ایک دن اس عاجز ہی سے فرمایا: اگر کوئی اعتراض کرے اور اس کا اعتراض غلط ہو تو بھی اُس کا جواب اس طرح نہ دو جس میں وہ اپنی بار سمجھے، بلکہ اپنے کو ہراتے ہوئے اور اس کو جتاتے ہوئے جواب دو۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہو گا کہ تمہیں ہرانے کے لئے پھر وہ اور نئے نئے اعتراض اور حربے تلاش نہیں کرے گا۔ اور تمہارا اور اُس بیچارے کا وقت ضائع ہونے سے بچ جائے گا، اور دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ اُس کا دل تمہاری بات کو سمجھنے کے لئے کھل جائے گا۔ جب تک آدمی کو دوسرے کے متعلق یہ شبہ رہتا ہے کہ یہ مجھے ہرانا چاہتا ہے وہ اس کی کسی بات کو ماننا نہیں چاہتا، اس لئے اس کا ہمیشہ لحاظ رکھا جائے کہ گفتگو میں جیتنے کی اور اپنے کو غالب کرنے کی کوشش بالکل نہ ہو، اللہ تعالیٰ متواضع نہیں ہی کی مدد کرتا ہے۔

اسی طرح مولانا مرحوم الزام اور اعتراض و تنقید کے بالکل قائل نہ تھے اور اُس میں کوئی خیر نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اس کو گناہ سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا: "اعتراض حرام ہے" اور اصلاح فرض ہے۔ "اُن کا یقین تھا کہ الزام اور اعتراض دوسرے کو نیچا دکھانے اور اپنے کو اونچا کرنے کے لئے اور حظ نفس حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے، اور اس کا محرک علوی خواہش یا انتقام اور عداوت کا جذبہ ہوتا ہے۔ اور اصلاح کے لئے اٹھانے اور اس کی راہ میں محنت کرانے کا محرک حکم الہی کا دباؤ یا دل کا درد و سوز اور محبت و خیر خواہی کا جوش ہوتا ہے، اور یہی انبیاء علیہم السلام کی خصوصاً خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کی میراث ہے۔

_____ لعائن باختم نفسان کا یہ کو نوا مومنین ۵۔

مولانا مرحوم کے اسی طرح کے خاص اصولوں میں سے ایک یہ تھا جس کی وہ اپنے لوگوں کو بڑی تاکید فرماتے تھے کہ ہمیشہ "ما علیکم" پر نظر رکھو، اور "مالکم" کو خدا کے حوالہ کرو یعنی تم صرف اس پر نظر رکھو کہ دوسروں کے ساتھ تعین کیا کرنا چاہئے، اور اُن کے کیا حقوق ہیں جن کو تعین ادا کرنا چاہئے، اس کو بالکل مت دیکھو کہ دوسروں کا معاملہ تمہارے ساتھ کیا ہے اور وہ تمہارے حقوق ادا کر رہے ہیں یا نہیں، یہ دیکھنا اُن کا کام ہے۔ فرماتے تھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جو شخص کسی معاملہ کو لیکر آتا آپ اس کو ہمیشہ "ما علیکم" ہی کی تاکید فرماتے تھے، اور "مالکم" کے بارہ میں صبر اور غصہ کی تلقین فرماتے تھے۔

_____ پھر احادیث سے اگر کبھی ایسی مثالیں اور نظیریں بیان فرماتے تو بعض اوقات گھٹنے لگ کر جاتے۔

مولانا مرحوم کی اس قسم کی گفتگو میں سن کر کتنی ہی دفعہ اس ظلم و جہول کو اس کا احساس ہوا کہ یہ حدیثیں ہم نے بھی بار بار پڑھی اور پڑھائی ہیں، لیکن وائے جمالت و محرومی کہ کبھی ہم نے ان سے یہ سبق نہیں لیا جو مولانا کی اس گفتگو سے کس حاصل ہوا؟ حالانکہ یہی دراصل ان حدیثوں کا مغز ہے۔

اسی قسم کے مولانا مرحوم کے خاص نظریات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اگر کسی کو کسی غلطی میں اور گناہ میں مبتلا دیکھا جائے تو فوراً اس کو تو کا نہ جائے، بلکہ پہلے خوب سوچا جائے کہ کس طریقہ سے اس اللہ کے بندہ کو اس برائی سے بچایا جاسکتا ہے پھر جو طریقہ کار اگر معلوم ہو اس کے مطابق کوشش کی جائے۔

ایک دن راقم سطور ہی نے عرض کیا کہ سنکر پر نکیر کرنا اور ٹوٹنا تو واجب ہے اگر ہم خاموشی اختیار کر سیکے تو گنہگار ہونگے۔ مولانا نے فرمایا کہ: "ٹوٹنے کا اور اسی وقت نکیر کرنے کا حکم کس نص میں ہے؟"

میں نے عرض کیا کہ یہ چونکہ شریعت کا مشہور مسلم مسئلہ ہے، اسلئے اس کے اخذ کے بارہ میں کبھی خاص طور سے غور تو نہیں کیا، لیکن اگر کوئی اور دلیل نہ بھی ہو تو بھی حضرت ابوسعید خدریؓ والی صحیحین کی مشہور حدیث کافی ہے۔ یعنی —

"من دأى منكم منكرًا فليغيره بيده فان لم يستطع فليسانه فان لم يستطع فليقلبه" وذا لث

مولانا نے فرمایا۔۔۔ اس کا ترجمہ تو کیجئے۔

میں نے ترجمہ اس طرح کرنا شروع کیا۔۔۔ ”تم میں سے جو شخص کوئی مُنکر دیکھے تو چاہئے کہ اس کو بدلنے کی کوشش کرے، اپنے ہاتھ سے، اگر ایسا نہ کر سکے تو اپنی زبان سے، اگر یہ بھی نہ کر سکے تو پھر اپنے دل ہی سے، اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔“

فرمایا۔۔۔ ”ٹھیک ہے، لیکن اس میں تو اس مُنکر کو بدلنے کا یا بدلنے کی کوشش کرنے کا حکم ہوا، اپنے ٹوٹنا اور زبان سے نیک کر دینا کہاں سے نکالا۔۔۔ میں نے عرض کیا: ”میں سمجھ گیا۔“

پھر فرمایا:۔۔۔ حدیث میں مُنکر کو بدلنے کی کوشش کرنے کا حکم دیا گیا تھا، اور مطلب یہ تھا کہ جب تم کسی اشرکے بندہ کو منکر میں مبتلا دیکھو تو اس کو منکر سے ہٹانے کے معروف پر لگانے کی جو کوشش ہاتھ سے، زبان سے، یا مجبوری کے درجہ میں لی جاسکتے ہو وہ کرو، اور اس کو بدلنے کی ٹھان لو، مگر یہ کام پتہ مارنے کا اور مشکل تھا، اور وقت اور محنت چاہتا تھا، اس لئے آپ لوگوں نے حدیث کا مطلب یہ کر ڈالا کہ بس اس کو ٹوک دو اور نیکر کے دو لفظ زبان سے نکال کے اپنے اوپر سے دھجھاتا دو۔۔۔ بھائی اس سے تبدیلی تو نہیں ہوگی، ہاں! اُس بے چارہ کو ذلیل اور شرمندہ کر کے شاید تمہارا بھی خوش ہو جائے۔

مولنا کو اس کا بڑا یقین تھا کہ امت میں اصلاح کا کام پردہ پوشی اور شہم پوشی ہی کو اصول بنا کر ہو سکتا ہے، اور مولنا اسی کو دینی حکمت اور دین کی تعلیم سمجھتے تھے۔

دوسرے مسلمانوں کو ذلت اور شرمندگی سے بچانے کے مولنا کس حد تک قائل تھے اور اپنی نجی زندگی میں بھی اُن کی طرح عمل اس بارہ میں کیا تھا، اس کا کچھ اندازہ ذیل کے ایک واقعے سے کیا جاسکتا ہے۔

وفات سے ایک سال پہلے کا واقعہ ہے مولنا اپنی ایک جماعت کے ساتھ یوپی کے ایک شہر میں فروکش تھے، یہ عاجز بھی اس سفر میں بھر کا ب تھا، اور جہان نیک یاد پڑتا ہے کسی بیغنی جماعت کے ساتھ یہ اس عاجز کا پہلا سفر تھا، وہاں کے ایک بڑے عالم دین اور محترم بزرگ نے (جن سے اس عاجز کو پہلے سے نیاز حاصل تھا) مولنا کی دعوت کرنا چاہی، مولنا نے اپنے خاص اصولوں کے تحت دعوت قبول فرمائی (راقم سطور اس پوری گفتگو میں شریک تھا) اُن بزرگ کے جو نامندے دعوت کے لئے تشریف لائے تھے، آخر میں جب اُن سے وقت دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کل ۱۱، اور ۱۲ کے درمیان چنانچہ اگلے دن ”بچے کے بعد حضرت مولنا“ اپنے چند رفیقوں کے ساتھ (جن میں ایک ان سطور کا راقم بھی تھا) اُن بزرگ کے ہاں پہنچ گئے۔ اُن محترم بزرگ نے بڑی غلغلہ ناگوار سی اور ولی افسوس کے اظہار کے ساتھ فرمایا کہ آپ حضرات نے بڑی دیر کر دی، میں نے تو آپ کے ساتھ شہر کے بہت سے ایسے حضرات کو بھی مدعو کیا تھا جنہیں نئے نئے دکھانا اور اپنے دفاتر اور لینے کاموں پر جانا تھا، اسی لئے میں نے فیض کا وقت رکھا تھا، میں نے سوچا تھا کہ فیض سب حضرات آجائیں گے تو کچھ دیر سب مدعو حضرات آپ اپنی بات بھی (باتی نہ ہو)

مَعَارِفُ الْإِحَادِيثِ

قیامت :-

(۵۹) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثْتُ أَنَا وَالسَّاعَتِہُ كَمَا تَبِينَ

(بخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں۔“

(تشریح) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ شہادت والی انگلی اور اس کے برابر والی بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا کہ میری بعثت میں اور قیامت میں اتنا قرب اور اتصال ہے جتنا کہ ان دو انگلیوں میں۔ اس سے غالباً آپ کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کے جتنے دور مقرر کئے تھے وہ ختم ہو گئے، اب یہ دور اس کا آخری دور ہے جو میری بعثت سے شروع ہوا ہے اور قیامت پر ختم ہوگا، میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نیابتنی نہیں آئے گا، نہ کوئی نئی امت پیدا ہوگی، اسلئے اس کو بہت دوسمجھ کر اس کی طرف سے بے فکر اور بے پروا نہ ہونا چاہئے۔

(۶۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلُ هَذِهِ الدُّنْيَا مِثْلُ ثَوْبٍ شَقَّ مِنْ أَوَّلِهِ

إِلَى آخِرَتِهِ فَبَقِيَ مَتَعْلَقًا بِخِطِّهِ إِلَى آخِرَتِهِ فَيُوشِكُ ذَٰلِكَ الْخِطُّ أَنْ يَنْقَطِعَ۔ (مصحف فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”اس دنیا کی مثال اُس کپڑے کی سی ہے جو اقول سے آخر تک پھاڑ دیا گیا، اور بس سرے پر ایک دھاگے سے وہ جڑا رہ گیا، اور یہ آخری دھاگا بھی بس عنقریب ٹوٹنا ہی چاہتا ہے۔“

(تشریح) پہلی حدیث کی طرح اس حدیث میں بھی قیامت کا قریب ہونا بیان فرمایا گیا ہے، اور مقصد یہی ہے کہ قیامت کو بہت دوسمجھ کر اس کی طرف سے غفلت نہ کی جائے، بلکہ اس کو بہت قریب اور ناگہانی پیش آنے والا ایک عظیم حادثہ

یقین کرتے ہوئے ہر وقت اس کی فکر اور اس کے لئے تیاری کی جائے۔

(۶۱) عن جابر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول قبل ان یموت بشہر تسام لو فی

عن الساعۃ ولا نعلمہا عند اللہ ولا قسمہ یا اللہ ما علی الارض من نفس منقوسۃ یا نبی علیہا

(مسلم)

ما تہ سنتہ وہی حیۃ یومئذ۔

(ترجمہ) حضرت جابر سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا، آپ اپنی وفات کے ایک مہینہ پہلے فرماتے تھے کہ: ”تم لوگ مجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہو، اور اس کا (یعنی اس کے معین وقت کا علم تو میں اللہ ہی کے پاس ہے، اور میں اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ روئے زمین پر کوئی قنفس ایسا نہیں ہے کہ اُس پر رسول گزریں اور وہ اُس وقت تک زندہ باقی رہے۔“

(تشریح) قرآن پاک سے بھی معلوم ہوتا ہے اور حدیثوں سے بھی کہ بہت سے لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے تھے کہ وہ کب آئے گی؟ آپ ہمیشہ اُس کے جواب میں وہی فرماتے تھے جو اس حدیث میں اپنے ارشاد فرمایا، یعنی یہ کہ اس کے مقررہ وقت کا علم اللہ ہی کو ہے، یعنی وہی جانتا ہے کہ کس سن کے کس مہینہ کی کس تاریخ کو آئے گی، اس کا علم اس نے کسی اور کو نہیں دیا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس جواب کے علاوہ اور اصل سوال سے زائد ایک بات یہ بھی فرمائی جو کہ اس وقت جو لوگ روئے زمین پر زندہ ہیں وہ سب سو سال کے اندر آخر ختم ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کبریٰ جس میں یہ سارا عالم ختم ہو جائے گا، اُس کا معین وقت تو مجھے معلوم نہیں، بس اللہ ہی کو اس کا علم ہے، ہاں اللہ نے مجھے اس کی اطلاع دی ہے کہ اس سال اور اس قرن کا خاتمہ سو سال تک ہو جائے گا، اور جو لوگ اس وقت زندہ ہیں وہ سو سال پورے ہونے تک ختم ہو جائیں گے، اسلئے یوں سمجھو کہ تمہاری قیامت تو اس صدی کے اندر ہی اندر آجائے گی۔

(۶۲) عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تقوم الساعۃ حتی لا یقال فی الارض

اللہ اللہ ———— دفی رواۃ لا تقوم الساعۃ علی احد یقول اللہ اللہ ———— (مسلم)

(ترجمہ) حضرت انس سے مروی ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ: ”قیامت نہیں ٹانگی جب تک کہ (ایسا بڑا وقت نہ آجائے کہ) بالکل نہ نکما جائے دنیا میں اللہ اللہ“ ———— اور اسی حدیث کو بعض راویوں نے اس طرح نقل کیا ہے، کہ قیامت نہیں قائم ہوگی کسی ایسے شخص پر جو کہتا ہو اللہ اللہ۔

لے بعض علماء کرام نے اس حدیث سے ذکر اسم ذات کی صحت اور اُس کے ثبوت پر استدلال کیا ہے، اور بلا مشبہ یہ استدلال بہت صاف اور صحیح ہے۔ اللہ کی رحمت ہو حافظ ابن تیمیہؒ اس مسئلہ پر غور کرتے وقت اُن کی نظر غالباً اس حدیث کی طرف گئی نہیں۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ قیامت اُس وقت آئے گی جبکہ دنیا اللہ کی یاد سے اور اللہ کی یاد کرنے والوں سے بالکل خالی ہو جائے گی، اور اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری اور اللہ کے ساتھ بندگی کے صحیح تعلق کا دنیا سے بالکل خاتمہ ہو جائے گا۔ جب ایسا وقت آئے گا اُس وقت یہ پورا عالم فنا کر دیا جائے گا، گو یا اللہ کا ذکر اور اللہ کے ساتھ بندگی کا صحیح تعلق اس عالم کی رُوح اور اس کے باقی رہنے کے لئے وجہ جواز ہے، جس دن ہماری یہ دنیا اُس سے بالکل خالی ہو جائے گی اُسی دن اپنے پیدا کرنے والے اور چلانے والے کے حکم سے توڑ پھوڑ کے برابر کر دی جائے گی۔

(۶۳) عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تقوم الساعة

الا على شرار الخلق (مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ: یہ قیامت نہیں

قائم ہوگی، مگر بدترین آدمیوں پر۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ سے تعلق رکھنے والے اچھے لوگ جب خستہ ہو جائیں گے، اور یہ دنیا جب صرف بدکرداروں اور خدافروشیوں ہی کی دنیا رہ جائے گی تب اللہ کے حکم سے قیامت آجائے گی۔

(۶۴) عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج الدجال

فيمكث اربعين لا ادرى اربعين يوماً او شهراً او عاماً فبيعت الله عيسى بن مريم

كانه عروة بن مسعود فيطلبه ثم يمكث في الناس سبع سنين ليس بين اثنين عداوة

ثم يرسل الله رجلاً بارؤة من الشام فلا يبقى على وجه الارض احد في قلبه مثقال

ذرة من خير او ايمان الا قبضته حتى لو ان احدكم دخل في كبد جبل لدخله عليه

حتى تقبضه قال فيبقى شرار الناس في خفة الطير و احلام السباع لا يعرفون محروفاً

ولا ينكرون منكراً فيتمثل لهم الشيطان فيقول الا تستحيون فيقولون فما تا امرنا

فيا مرهم بعبادة الاوثان وهم في ذلك دائر رزقهم حسن عيشهم ثم ينغم في الضك

فلا يسمعه احد الا اصغى ليتا ورفع ليتا قال واقل من يسمعه رجل يلوط حوض ابده

فيصق ويصق الناس ثم يرسل الله مطراً كأنه الطل فينبت منه اجساد الناس

ثم ينغم فيه اخرى فاذا هم قيام ينظرون ثم يقال يا ايها الناس هلم الي ربكم

فقوهم انهم مسئولون فيقال اخرجوا لبعث النار فيقال من كم كم؟ فيقال من كل

الف تسعمائة وتسعة وتسعين، قال فذاك يوم يجعل الولدان شيباً - وذاك

يوم يكشف عن ساق (مسلم)

يوم يكشف عن ساق

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:۔ (قیامت سے پہلے) دجال کا خروج ہوگا، اور وہ ٹھہرے گا چالیس تک۔۔۔۔۔ اس حدیث کو روایت کرنے والے صحابی عبد اللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ حضورؐ کا مطلب چالیس سے چالیس دن تھے یا چالیس مہینے یا چالیس سال۔۔۔۔۔ آگے حدیث بیان کرتے ہیں کہ۔۔۔۔۔ پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کو (اس دنیا میں) بھیجیں گے، گویا کہ وہ عروہ بن مسعود ہیں (یعنی اُن کی شکل و صورت عروہ بن مسعود ثقفی سے بہت ملتی جلتی ہوگی) وہ دجال کو تلاش کریں گے (اور اُس کا تعاقب کریں گے، اور اُس کو پا کر) اُس کا خاتمہ کر دیں گے پھر (دجال کا خاتمہ کر دینے کے بعد) سات سال تک وہ اس دنیا کے لوگوں میں اور اُن کے ساتھ رہیں گے، اور (اُن کی برکت سے) لوگوں میں ایسا اتحاد و اتفاق ہو جائے گا کہ (دُعا آدمی بھی ایسے نہیں رہیں گے جن میں باہم عداوت اور دشمنی ہو، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک (خاص قسم کی) ٹھنڈی ہوا چلائے گا، جس کا اثر یہ ہوگا کہ رشتے زمین پر کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہے گا جس کے دل میں ذرہ برا بھلا نہ ہو۔۔۔۔۔ یا فرمایا کہ ذرہ برا ایمان ہو۔۔۔۔۔ (بہر حال اُس ہوا سے تمام اہل ایمان اور اہل نیک خیر خستہ ہو جائیں گے) یہاں تک کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی پہاڑ کے اندر چلا جائے گا، تو یہ ہوا وہیں پہنچے گی کہ اس کا خاتمہ کرے گی۔۔۔۔۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ۔۔۔۔۔ اس کے بعد صرف خراب آدمی ہی دنیا میں جائیں گے (جن کے دل ایمان اور نیکی سے بالکل خالی ہوں گے) ان میں برندوں والی تیزی اور پھرتی اور درندوں والا ذہن جمع ہوگا (اس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ ان میں ظلم اور سفاکی تو درندوں کی سی ہوگی، اور اپنے ظالمانہ مقاصد اور اپنی ناپاک خواہشات پورا کرنے میں وہ ہلکے پھلکے برق رفتار پرندوں کی طرح تیزرو، اور پھر تیلے ہوں گے) نیکی اور بھلائی سے وہ مانوس نہ ہوں گے، اور بُرائی کو وہ بُرائی نہ سمجھیں گے (نہ اُس کی مذمت کریں گے) پس شیطان ایک شکل بنا کر اُن کے سامنے آئے گا اور اُن سے کہے گا، کیا تم شرم و حیا نہیں کرو گے، وہ کہیں گے تم ہم کو کیا حکم دیتے ہو؟ (یعنی تم جو کہو وہ ہم کریں)۔ پس شیطان انھیں تبوں کی پرستش کا حکم دے گا (اور وہ اس کا اتباع کریں گے)۔ اور وہ اس حال میں ہوں گے کہ رزق کی افراط اور بارش ہوگی، اور دنیوی زندگی (بظاہر) بڑی اچھی (میش و نشاط والی زندگی) ہوگی۔۔۔۔۔ پھر صور پھونکا جائے گا، پس جو کوئی اُس کو سنے گا، اس کی جانب گردن ایک طرف جھک جائے گی اور ایک طرف کو اٹھ جائے گی (یعنی سر جھک پر سیدھا قائم نہ رہے گا، بلکہ ادھر یا ادھر کو لٹک جائے گا، جیسا کہ اُس شخص کا حال ہو جاتا ہے جس پر چانک کوئی ایسا دورہ پڑے جس سے اُس کے رگ پٹھے بے کار اور بے جان ہو جائیں) اور سب سے پہلے جو شخص صورت کی آواز کو سنے گا (اور جس پر سب سے پہلے اس کا اثر پڑے گا) وہ ایک آدمی ہوگا جو اپنے اذن کے حوض کو مٹی سے درست کر رہا ہوگا، پس وہ بیہوش اور بے جان ہو کر گر جائے گا (یعنی مرنے لگا) اور دوسرے لوگ بھی اسی طرح

ملے یہ نوا اہل ایمان کے لئے رحمت کی ہوا ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلئے بھیجی جائیگی کہ سب اچھے بندوں کو قیامت سے پہلے اٹھایا جائے

بے جان ہو کر جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ (ایک لمبی سی) بارشیں بھیجے گا، گویا کہ وہ شبنم ہے، اُس کے اثر سے انسانوں کے جسموں میں روئیدگی آجائے گی۔ پھر دوسری مرتبہ صور بھونکا جائے گا تو ایک دم سب کے سب کھڑے ہوں گے، دیکھتے ہوں گے پھر کھائے گا کہ لے لوگو! اپنے مالک اور رب کی طرف چلو (اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) انھیں (حساب کے میدان میں) کھڑا کرو، ان سے پوچھا جائے گا (اور ان کے اعمال کا حساب کتاب ہوگا) پھر حکم ہوگا کہ ان میں سے دوزخ کی فوج نکالو، عرض کیا جائیگا کہ کہتے ہیں سے کتنے؟ حکم ہوگا کہ ہزار میں سے نو سو نانوے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ یہ ہوگا وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کرنے کا، اور یہی ہے دن سخت مصیبت اور شقت کا۔

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خروجِ دجال سے لیکر حشر تک کے، بلکہ میدانِ حساب میں جمع ہونے تک کے بعض واقعات کا تذکرہ فرمایا ہے، اس طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں قیامت کے پہلے ہونے والے بعض اہم واقعات کا اور قیامت اور اس کے بعد کی منزلوں کا بیان اس سے بھی زیادہ اجمال کے ساتھ یا اس سے کچھ زیادہ تفصیل سے کیا گیا ہے، ان سب حدیثوں کے متعلق یہ بات ذہن رہنی چاہئے کہ سیکڑوں ہزاروں سال کی مدت میں ہونے والے واقعات کا بہت ہی مجمل بیان ان میں کیا گیا ہے۔ جو لوگ اس نکتہ کو ملحوظ رکھیں گے انشاء اللہ وہ ان حدیثوں کے بارہ میں بہت سے شبہات اور دساوسس سے محفوظ ہو جائیں گے۔

حدیث کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے کہ فرشتوں کو بتلایا جائے گا کہ ایک ہزار میں سے نو سو نانوے جہنم والے ہیں دنیا میں مومنین اور غیر مومنین کا جو تنا سب سے، اور اکثر زمانوں میں رہا ہے اُس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اہل جہنم کی یہ تعداد ۹۹۹ مستبعد نہیں معلوم ہوتی۔ تاہم بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ان ۹۹۹ فی ہزار میں سے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوگی، جو اگرچہ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے دوزخ کے قابل ہوں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے یا شافعیین کی مفارش سے آخر میں نجات پا جائیں گے۔ اللہم ان مغضرتک اوسع من ذلونا ورحمتک ارحی عندنا من اعمالنا۔

(۶۵) عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیف انعم

وصاحب الصور قد التقمہ واصغی سعه ودفنی جہمہ، یقظرتی یوم ربنا لنفخ فقوالوا

یا رسول اللہ فماتامرنا؟ قال قولوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ (ترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، میں کیونکر خوش اور بے غم ہو کر رہ سکتا ہوں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ صور والا فرشتہ صور کو اپنے منہ میں لئے ہوئے ہے، اور اپنا کان اُس نے لگا رکھا ہے اور اس کی پیشانی شیدہ اور جھکی ہوئی ہے، وہ انتظار کر رہا ہے کہ کب اُس کو صور کے بھونکنے کا حکم ہو، اور وہ بھونکے۔ (یعنی جب مجھے اس واقعہ کا علم ہے تو میں کیسے اس دنیا میں اطمینان اور خوشی سے رہ سکتا ہوں) صحابہ نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! تو ہمیں آپ کا کیا حکم ہے (اُن کا مطلب یہ تھا کہ جب معاملہ اتنا خطرناک ہے تو ہمارے رہنمائی فرمائیے کہ قیامت کی

ہوں گیوں اور غیبیوں سے بچنے کے لئے ہم کیا کریں؟)۔ آپ نے ارشاد فرمایا، کہ رہا کرو حبیبنا اللہ دفرما لو کیل “

(۶۶) عن ابی سزین العقیلی قال قلت یارسول اللہ کیف یعید اللہ الخلق وما آیتہ

ذالک فی خلقہ قال اما مررت بواحدی قومک جد بآثم مررت بہ لیمتہن خضر

قلت نعم قال فتلک آیتہ اللہ فی خلقہ کذلک یحیی اللہ الموتی۔ (رزین)

(ترجمہ) (ابورزین عقیلی سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے (ایک دفعہ) عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ مخلوق کو دوبارہ کیسے پیدا کرے گا، اور (اس عالم میں) اس کی مخلوق میں اس کی کیا نشانی ہے (اور کیا دلیل اور مثال ہے) آپ نے فرمایا:۔ کیا تمہارے لئے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تم اپنی قوم کی وادی پر ایسی حالت میں گزرے ہو جبکہ وہ (پانی نہ برسنے کی وجہ سے) سبزہ سے خالی اور خشک ہو، اور پھر کبھی ایسی حالت میں گزرے ہو کہ (پانی برس جانے کی وجہ سے) وہ ہری لہلہا رہی ہو۔ (ابورزین کہتے ہیں) میں نے عرض کیا، ہاں (ایسا ہوا ہے)، اور میں نے یہ دونوں منظر دیکھے ہیں)۔ آپ نے فرمایا:۔ بس (حیاتیات الموت کو سمجھنے کے لئے) ایسی اللہ کی نشانی ہے اس کی مخلوق میں، ایسے ہی زندہ کرنے کا اللہ مردوں کو۔

(۶۷) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) من سرہ ان ینظر الی یوم القیمۃ

کانہ رای عین خلیقہ اذا الشمس کورت واذا السماء الفطرت واذا السماء انشقت۔

(احمد و ترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:۔ جس شخص کی یہ خوشی ہو جی کہ وہ چاہے کہ قیامت کا منظر وہ اس طرح دیکھے کہ گویا سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے تو وہ قرآن مجید کی سورۃ اذا الشمس کورت، اذا السماء الفطرت، اور اذا السماء انشقت پڑھے۔

(۶۸) عن ابی ہریرہ قال قرع رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہذہ الاشیۃ یومئذ

تحدت اخبارہا قال اتدرون ما اخبارہا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال فان اخبارہا

ان تشہد علی کل عبد وامۃ بما عمل علی ظہرہا ان تقول علی کذا وکن ایوم کذا و

کذا قال فہذہ اخبارہا۔ (احمد و ترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سورۃ ذلزال کی یہ آیت تلاوت فرمائی:۔ ”یومئذ تحدت اخبارہا“ (جس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن زمین اپنی سب خبریں بیان کرے گی) پھر حاضرین فرمایا:۔ کیا تم جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟۔ انھوں نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا اس کی خبریں یہ ہیں کہ وہ ہر بندہ اور ہر بندہ کی متعلق شہادت دے گی کہ اس نے فلاں دن میرے اوپر فلاں کام کیا تھا اور فلاں دن فلاں عمل کیا تھا، پس یہ ہیں زمین کی خبریں (جو قیامت کے دن بیان کرے گی)۔

(تشریح) گویا انسان جو عمل زمین کے جس حصے پر کرتا ہے زمین کا وہ حصہ اُس کو محفوظ رکھتا ہے، اور قیامت تک محفوظ رکھے گا، اور اللہ کے سامنے اُس کی شہادت ادا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اُس دن اور اُس وقت کی رسوائیوں کی حفاظت فرمائے۔ اس قسم کی چیزوں پر یقین لانا ایمان والوں کے لئے تو پہلے بھی مشکل نہ تھا، لیکن اب تو یکاڑو وغیرہ کی ایجادوں نے ان باتوں کا سمجھنا اور ان پر یقین کرنا سب کے لئے آسان کر دیا ہے۔ صدق اللہ عز وجل سربہما یا تانی الأفاق
وفی انفسہم۔

(۶۹) عن المقداد قال سمعت رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) يقول تد فی الشمس
یوم القیامہ من الخلق حتی تكون منهم کقدر میل فیکون الناس علی قدر اعمالہم
فی العرق فمنہم من یکون الی کعبہ ومنہم من یکون الی رکتہ ومنہم من یکون
الی حقو بہ ومنہم من یلجمہم العرق الجأءا و اشار رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم)
بیدہ الی فیہ۔ (مسلم)

(ترجمہ) حضرت مقداد سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے، قیامت کے دن سورج مخلوق سے بہت قریب ہو جائے گا، یہاں تک کہ اُن سے صرف ایک میل کے بقدر وہ جائے گا اور (اس کی گرمی سے) لوگ بقدر اپنے اعمال کے پسینہ پسینہ ہو جائیں گے (یعنی جس کے اعمال جتنے بُرے ہوں گے اُسی قدر اُس کو پسینہ زیادہ چھوٹے گا پس بعض وہ ہوں گے جن کا پسینہ ان کے ٹخنوں تک آئے گا، اور بعض کا پسینہ ان کے گھٹنوں تک ہوگا اور بعض کا ان کے کولہوں کے اوپر تک (یعنی کمر تک) اور بعض وہ ہوں گے جن کا پسینہ ان کے منہ میں جا رہا ہوگا، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے دامن مبارک کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے دکھایا کہ اُن کا پسینہ یہاں تک پہنچ رہا ہوگا، اور اُن کے اس منہ میں جا رہا ہوگا۔

(۷۰) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) ما من احد یؤت الا ندم
قالوا وما ندم امته یا رسول الله قال ان کان محسنًا ندم ان لا یکون اذ حداد وان کان مسیئًا
ندم ان لا یکون نزع۔ (ترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص بھی مرے گا اس کو (مرنے کے بعد اچھی زندگی پر) ندامت اور پشیمانی ضرور ہوگی، عرض کیا گیا کہ حضرت! اُس کو ندامت کیوں ہوگی؟ اور اس کا کیا سبب ہوگا۔ آپ نے فرمایا، اگر وہ مرنے والا نیکو کار ہوگا تو اسے ندامت اور حسرت ہوگی کہ اس نے نیکو کاری میں اور زیادہ ترقی کیوں نہیں کی (اور جو حسرت وہ کما کے لایا ہے اس سے زیادہ کیوں نہیں کما کے لایا) اور اگر وہ بدکار ہوگا تو اسے اس کی ندامت اور حسرت ہوگی کہ وہ بدکاری سے باز کیوں نہیں رہا۔

(۱) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یحشر الناس یوم القیمۃ ثلاثۃ اصناف صنفاً مشاةً وصنفاً ركباً و صنفاً علی وجوہہم قیل یا رسول اللہ کیف یمشون علی وجوہہم؟ قال ان الذی امشاهم علی اقداحہم قادیان یمشیہم علی وجوہہم اما انہم یشقون بوجوہہم کل حدب وشوک۔ (ترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ: قیامت کے دن سب آدمی تین قسموں اور تین گروہوں میں اٹھائے جائیں گے، ایک قسم پیدل چلنے والے، ایک قسم سوار، اور ایک قسم منہ کے بل چلنے والے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! یہ (تیسرے گروہ والے) منہ کے بل کس طرح چل سکیں گے؟ آپ نے فرمایا جس اللہ نے انھیں پاؤں کے بل چلا یا ہے وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ ان کو منہ کے بل چلائے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ لوگ اپنے منہ کے ذریعہ زمین کے ہر ٹیلے ٹھیسے اور ہر کانٹے سے بچیں گے۔

(تفسیر) حدیث میں جن تین گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے شارحین حدیث نے ان کی تفصیل اس طرح کی ہے کہ پیدل چلنے والا گروہ عام اہل ایمان کا ہوگا، اور دوسرا گروہ جو سوار یوں پر ہوگا وہ خاص مقربین اور عباد صالحین کا گروہ ہوگا، جن کا وہاں شروع ہی سے اعزاز و اکرام ہوگا، اور سر کے بل اور منہ کے بل چلنے والے وہ بد نصیب ہوں گے جنھوں نے اس دنیوی زندگی میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور ہدایت کے مطابق سیدھا چلنا قبول نہیں کیا، اور مرتے دم تک وہ اٹلے ہی چلتے رہے، قیامت کے دن اس کی پہلی سزا انھیں یہ ملے گی کہ سیدھے پاؤں پر چلنے کے بجائے وہاں وہ اٹلے منہ کے اور سر کے بل چلائے جائیں گے، یہاں تک کہ جس طرح اس دنیا میں چلنے والے راستے کی اوپن پنچ سے اور بھاڑیوں اور کانٹوں سے اپنے پاؤں کے ذریعہ بچ کر نکلتے ہیں اسی طرح قیامت میں یہ سر کے بل چلنے والے وہاں کے راستے کی اوپن پنچ سے اور وہاں کے کانٹوں سے اپنے سروں اور چروں ہی کے ذریعہ بچ کر نکلیں گے، یعنی یہاں جو کام پاؤں سے کئے جاتے ہیں وہاں وہ سب کام خدا کے ان مجرموں کو سر سے اور منہ سے کرنے پڑیں گے۔ اللہم لا تجعلنا منہم۔

(باقی آئندہ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دَجَالِی فِتْنہ اور سورہ کہف

(مولانا سید مناظر احسن گیلانی)

﴿۱۹﴾

مذکورہ بالا علامات اور نشانوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے، آئیے اور قرآن کا کے ایک اور اشارے پر غور کیجئے۔ مطلب یہ ہے کہ نفعِ صورت (یعنی صورت بھونکے جانے) سے پہلے اور کھول دیے جانے کے بعد درمیانی وقفہ نما یا جوج و ماجوج والوں کے متعلق ایک اور اشارہ سورہ الانبیاء کی اس مشہور آیت میں ملتا ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے:

”اور حرام ہو اس آبادی کے لیے جسے ہم نے ہلاک کر دیا یہ کہ نہ وہیں لوٹیں وہ تاہنکہ جب کھول دیے جائیں یا جوج و ماجوج اور حدب سے تیز چلتے ہوئے وہ نکل پڑیں۔“

پڑھیے سورہ الانبیاء کی آیت و حرار علی قریۃ اهلکناھا انھم لا یرجعون، حتی اذا فتحت یا جوج و ماجوج و دھرم من کل حدب ینسلون، آیت کا آخری حصہ یعنی یا جوج و ماجوج کے کھول دیے جانے کا ذکر جس میں کیا گیا ہے، یہ پہلے بھی گزر چکا، لیکن اسی آیت کا پہلا جز یعنی جو ابادیاں ہلاک کی گئی ہیں ان کے واپس نہ لوٹنے پر حرمت کا حکم اس وقت تک کے لیے جو لگایا گیا ہے، جب یا جوج و ماجوج کھول دیے جائیں گے، اس کا مطلب کیا ہے؟

جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ یا جوج و ماجوج کے خروج یا فتح یعنی دنیا کے مستقبل کی تاریخ میں ان کے نکل پڑنے کا ذکر عام مذاہب وادیان کی یادداشتوں میں لفظ کے معمولی رد و بدل سے پایا جاتا ہے۔ لگا لگا دیا لگا لگا دیا لگا لگا، غوغا و غوغا، کے سوا اسی کے قریب قریب ہندوستان کی بعض قدیم کتابوں میں بھی لفظ لگا لگا کی شکل میں بھی بعضوں کو ملا ہے، لیکن مذاہب کی ان پیش گوئیوں کے متعلق یہ عام دشواری تقریباً مشترک ہے، کہ واقعہ جب تک سامنے نہ آجائے، پیش گوئی کے الفاظ سے واقعہ کے تمام صحیح خط و خال سامنے نہیں آتے، رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ آئندہ پیش آنے والے واقعات کے بڑے ذخیرے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امین بنایا تھا، عہدِ صحابہ میں جب اس نوعیت کی

کوئی بات دریافت طلب ہوتی، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ان ہی سے پوچھا کرتے تھے، بہر حال ان ہی حضرات حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بخاری اور مسلم وغیرہ صحاح کی کتابوں میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کے متعلق جن کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے سنا تھا، ایک بڑے پتے کی بات نقل کی گئی ہے، حاصل جس کا یہی ہے کہ واقعہ جب پیش آئے، تب فرماتے کہ مجھے یاد آجائے کہ یہ تو وہی بات ہے، جس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کیا تھا، پیش گوئیوں کے اس خاص پہلو کو مثال سے سمجھاتے ہوئے وہی یہی بھی فرماتے تھے کہ حالت یہ ہوتی ہے کہ

کما یدکھ الرجل وجه الرجل اذا
غاب عنه شعره اذا آء عرفه۔
جیسے کسی ایسے آدمی کے چہرے کا جو غائب ہو،
کوئی خیال کرے پھر جب اس کو دیکھے تو اس کو
پہچان لے۔ (از مشکوٰۃ)

جس کا بظاہر مطلب یہی ہے کہ کسی شخص کے حلیہ اور اس کے چہرے کے خصوصیات کا ذکر کسی نے سنا ہو، اور وہی آدمی جب اس کے سامنے آجائے تو پہچان لے، پیش آنے سے پہلے میٹگوٹیوں کی کچھ بھی نوعیت ہوتی ہو۔ اسی لیے پیش گوئیوں کی تفسیر جن الفاظ میں کی جاتی ہو، ان سے اصل حقیقت کی یقینیں اس وقت تک دشوار ہوتی ہو جب تک واقعت کا قالب اختیار کر کے واقعہ خود سامنے نہ آجائے۔

۱۔ اور پیش گوئیاں تو غیر پیش گوئیاں ہی ہوتی ہیں، اپنا ذاتی تجربہ تو یہ ہو کہ الفاظ سے یوں بھی مناجہ سے پہلے کسی خبر کی اصل حقیقت کے متعلق صحیح رائے قائم کرنا آسان نہیں ہو، خاک زچین سے مٹھا اور مردہ کا ذکر نہ سنا جاتا تھا، پھر خدا ہی جانتا ہو کہ کتنی کتابوں میں مجھے پھیلایا گیا کہ حج میں دوسرے افعال کے ساتھ مٹھا اور مردہ پہاڑیوں کی درسیاتی دادی میں حاجیوں کو دوڑنا پڑتا ہے۔ خیال ہی تھا کہ وہ پہاڑیوں کے بیچ میں کوئی میدان ہوگا۔ جس میں حجاج دوڑتے ہیں، لیکن جب خود حج کی سعادت حاصل ہوئی اور مطوف صاحب کعبہ کا طواف کرانے کے بعد مٹھا اور مردہ کی طرٹ مجھے لے چلے تو حرم کی مسجد سے نکلنے کے ساتھ ہی ہم حرم کے دروازے کے متصل بازار میں پہنچے جو ادریسہ مفت تھا اور دوریہ ہر طرح کی چیزوں کی دکانوں سے بازار پٹا ہوا تھا۔ پٹرول میسن لیمپ دوکانوں پر جھلکا رہے تھے۔ دوسری چیزوں کے ساتھ کھانے پینے کی دکانوں کا بھی سلسلہ تھا جس میں بیٹہ کرکٹ کھاتی رہے تھے۔ حرم کے اسی بازار میں پہنچ کر مطوف صاحب چلنے لگے جیسے بازار میں کوئی ٹہل رہا ہو، مجھے غصہ آگیا اور مطوف سے کہنے لگا کہ بھائی یہ بازار کے سیر کا وقت ہے، مجھے تم مٹھا اور مردہ کی طرٹ لے چلو! تب مطوف ہنسا، اور بولا کہ آپ ہیں کہاں؟ میں نے کہا کیا یہی مٹھا اور مردہ کے درمیان کی دادی ہو۔ بولے پھر ادریسہ کیا ہو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ برسوں کا پروردہ تصور نہ دے والا ہو گیا۔ شاد مرحوم کا شعر عموماً اسی موقع پر یاد آ جاتا ہے۔

تری لگی میں جو ہوئے تو سب غلط پایا
دیا گیا تھا مگر جہاں جہاں کا پرستہ

آپ دیکھیے یا جوج و ما جوج کے کھل جانے کی گویا ایک علامت قرآن میں یہ بتائی گئی ہے کہ ہلاک شدہ آبادیوں کو واپس پلٹنے کا موقع اس وقت تک نہ ملے گا جب تک کہ یا جوج و ما جوج کھول نہ دیے جائیں۔ حاصل جس کا یہی ہوا کہ یا جوج و ما جوج کے کھل جانے کے بعد یہ روک جو ہلاک شدہ آبادیوں پر قدرت کی طرف سے لگی ہوئی ہو، اٹھ جائے گی، اس روک کے اٹھ جانے کے بعد پھر کیا ہوگا؟ کیا ساری ہلاک شدہ آبادیوں کو واپس پلٹنے کا موقع ملے گا، یا بعضوں کو ملے گا اور بعضوں کو نہ ملے گا، اس سوال کے جواب کو ہم قرآنی الفاظ سے نہیں نکال سکتے، ان سے بس اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ واپس نہ لوٹنے کی حرمت اور روک ختم ہو جائے گی، یہ تو حاصل ہو نہ کہ روہ بالا آیت کا، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

انھد لا یرجعون ہلاک شدہ آبادیاں نہ واپس پلٹیں گی

ان الفاظ کا مطلب کیا ہے؟ اور یہی نہیں "حرام" کا لفظ اس آیت میں جو استعمال کیا گیا ہے، خود اس سے کیا مراد ہے؟ اور یہ کہ "اھلکتھا" (ہلاک کر دیا ہم نے) کے الفاظ سے جس ہلاکت کی خبر دی گئی ہے اس ہلاکت کیا مقصود ہے۔ اور اسی کے ساتھ "یرجعون" پہلے حرف نفی لا کا جو پایا جاتا ہے عربی محاورے کی رو سے اس کی نوعیت اس مقام پر کیا ہے،

تفسیر کی کتابیں اٹھا کر دیکھیے ان میں سے ہر سوال پر مفسرین کے جھوٹے پڑے ہوئے ہیں اور اپنے اپنے حمان کے مطابق لوگوں نے خیالات ظاہر کیے ہیں۔

علامہ شوکانی نے مشہور مفسر الخاس کے حوالے سے اسی لیے نقل کیا ہے،

ذآلایۃ مشککۃ یعنی مذکورہ بالا آیت مطلب کے لحاظ سے کافی

دشواری ہے۔

(رج ۳ صفحہ ۴۱۲)

دشواری کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ارباب تفسیر کو کوئی ایسی صحیح روایت نہیں مل سکی، جس کی روشنی میں کسی پہلو کو وہ متعین کر سکتے ہوں، اسی لیے قرآن و قیاسات سے مدد لے کر مختلف بزرگوں نے کسی خاص پہلو کو متعین کرنا چاہا ہے، اس سلسلہ میں ابو عبیدہ، ابو علی فارسی، الزجاج لغت اور عربیت کے حلیل آٹھ کا نام لیا جاتا ہے۔ میرے لیے یہ ممکن ہے کہ اور نہ ضرورت ہے کہ سوال و جواب کے اس تمام سلسلے کا یہاں ذکر کرے ہر ایک کی تنقید کرتے ہوئے اپنے ذاتی احساس کو پیش کر دے، کیونکہ اس طولِ عمل کے بعد بھی میری رائے اور میرے خیال کی حیثیت بھی منجملہ دوسرے احتمالات کے ایک احتمال ہی کی رہے گی، میں خود قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ جس پہلو کی طرف میرا ذہن منتقل ہوا ہے اس کی نوعیت کیا ہے۔ بالکل ممکن ہے کہ اس مسئلہ میں بھی میرے احساس کا حشر وہی ہو جو صفا اور مردہ والے غریب احساس کا انجام اصل حقیقت کے سامنے آنے کے

بعد ہوا، جس کا تذکرہ میں نے نوٹ میں کیا ہے۔

کچھ بھی ہو، قرائن اور قیاسات ہی کی مدد سے میرا ذہن بھی ایک نتیجہ تک پہنچا ہو، اسی کو پیش کر دیتا ہوں، اس باب میں خود قرآن مجید کے عام طریقہ تعبیر ہی سے کم از کم اپنے نزدیک میں اپنے آپ کو متاثر پاتا ہوں، آپ قرآن کی تلاوت شروع کیجئے، دیکھیے گا کہ یہودیوں کی وہ نسل جو نزول قرآن کے زمانے میں پائی جاتی تھی، ان ہی کو خطاب کر کے ان کی طرف ان کی گزشتہ نسلوں کے اچھے اور بُرے کارناموں اور کرتوتوں کو منسوب کرتا چلا جاتا ہو، اور جن نعمتوں اور نوازشوں سے ہزار ہا ہزار سال پہلے ان کے آباؤ اجداد سرفراز ہوئے تھے، ان کو بھی نزول قرآن کے وقت پائے جانے والے بنی اسرائیل کی طرف منسوب کر کے اہان جتلا یا گیا ہے۔

قرآنی تعبیر کی یہ ایسی خصوصیت ہو، جس کے لیے مثالوں کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں، جس کا جی چاہے قرآن کھول لے، تیسرے چوتھے درجے سے خطاب کا یہ خاص طریقہ سلسل اس کے سامنے گذرتا چلا جائے گا۔ طریقہ خطاب و تعبیر کے اس خاص اسلوب کا حاصل ہی تو ہو کہ بجائے انفرادی شخصیتوں کے جماعی وحدت کو سامنے رکھ کر افعال و اعمال صفات و حالات کو منسوب کرنا قرآن کا عام سیرایہ بیان ہو۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسری بات جو بنی اسرائیل ہی کی متعلقہ آیتوں سے سمجھ میں آتی ہو، مثلاً سورہ بنی اسرائیل میں نبی اسرائیل ہی کو خطاب کر کے

ان عدتم وعدنا اگر تم واپس ہو جاؤ، تو ہم بھی واپس ہوں،

جو فرمایا گیا ہو عود اور واپسی کے اس عام قانون کا ذکر کرتے ہوئے اسی قوم کے ساتھ یہ تاریخی حادثہ جو پیش آیا تھا کہ بعض زور آور (اھل باس شدید) قوموں نے ان کو برباد و ہلاک کر دیا تھا۔ اور پھر یہودیوں کو دوبارہ سنبھالا لیئے کا موقع عطا کیا گیا جس کے آثار و نتائج کو بتاتے ہوئے فرمایا گیا ہو کہ

امددناکم باموال و بنین وجعلناکم اکثر نفیرا۔ ہم نے مال و دولت اور اولاد و نرینہ سے تمھاری مدد کی اور تم کو بنادیا ہم نے بڑی تعداد والی قوم۔

ظاہر ہو کہ زور آور قوموں سے تباہ و برباد ہونے والی اسرائیلی نسل کا وہ طبقہ اس طبقہ سے یقیناً مختلف تھا جن کو اپنی پرانی عظمت و شوکت، دولت و امارت، قوت و طاقت کی طرف واپس ہونے کا موقع ملا تھا۔ لیکن قرآن نے بربادی اور تباہی کو جن کی طرف منسوب کیا، ان ہی کی طرف عظمت و رفعت کی واپسی کو بھی اس نے منسوب کیا ہو۔

ان دو تنہیدی مقدمات کے بعد اگر یہ سمجھا جائے کہ یا جوج و ماجوج سے تعلق رکھنے والی مذکورہ بالا

آیت میں جو یہ فرمایا گیا ہو کہ ہلاک شدہ آبادی کو واپس پلٹنے کا موقع اس وقت تک حاصل نہ ہوگا، جب تک یا جوج و ماجوج نہ کھول دیے جائیں، اس کا اگر یہ مطلب سمجھا جائے کہ یا جوج و ماجوج کے کھلنے سے پہلے بڑا سبب ہونے والی آبادیوں کو پھر دوبارہ سر اٹھانے اور عروج و ترقی حاصل کرنے کا موقع یا جوج و ماجوج کے کھول دیے جانے کے بعد ہی مل سکتا ہو، تو میں نہیں سمجھتا کہ قرآنی طریقہ تعبیر اور طرز خطاب سے جو مانوس ہیں، ان کے لیے یہ کوئی اچھے کی ایسی بات ہو جسے خواہ مخواہ دوران کار شاعرانہ تاویل قرار دے کر ناقابل لحاظ ٹھہرا دیا جائے۔

بلکہ یوحنا کے یا جوج و ماجوج والے جس مکاشفے کا میں نے ذکر کیا تھا، اس میں بھی الصادق الامین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہزار سال تک شیطان کے قید ہو جانے کا تذکرہ کرتے ہوئے اور یہ بتاتے ہوئے کہ ہزار سال جب پورے ہو جائیں تو

اس کے بعد ضرور ہو کہ تھوڑے عرصہ کے لیے وہ (شیطان) کھولا جائے۔“

آگے اسی سلسلہ میں اسی مکاشفہ میں چند سطریں پائی جاتی ہیں، جن میں اب تو ”یسوع“ اور ”مسح“ کا نام ملتا ہو، لیکن قریب بتاتا ہو کہ اسی مکاشفہ کے الصادق الامین کے الفاظ پر جس کا عام دستور ہو تحریف کی تسبیحی چل گئی ہو، ورنہ پہلے سے جب ”الصادق الامین“ کا ذکر علاحدہ کرتا تھا، تو ”چنانکہ یسوع“ اور ”مسح“ کے تذکرہ کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں، کچھ بھی ہوا آگے جو کچھ بیان کیا گیا ہو، اس کا حاصل میرے نزدیک یہی ہو کہ الصادق الامین ”یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی۔“ وہ زندہ ہو کہ ہزار برس تک ”مسح“ کے ساتھ بادشاہی کرتے رہے۔“

(مکاشفہ یوحنا ۱۱)

یہاں مسیح کے لفظ کی جگہ ”الصادق الامین“ پڑھتے ہوئے یہی سمجھ میں آتا ہو کہ یہ اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہو، ہزار سال تک دنیا کی سیاسی باگ جن کے ہاتھوں میں رہی، اس کے بعد سے ”اور جب تک ہزار برس پورے نہ ہو لیے باقی مَرَدے زندہ نہ ہوئے“ (مکاشفہ باب ۶)

۱۔ مسیح کا خدا صیحت ہو، یہ تو خیر ماسیحا تو مسیح ہو لیکن ارباب تحقیق کے نزدیک اس لفظ کا عبرانی لفظ ”مسیح“ اور اس کے صلاحتی لفظ ہو اور اس مراد خدا کا برگزیدہ بندہ ہو، اس کے سر پر خدا کی خوشنودی کا تیل مسح کیا گیا، چہرہ لگایا، الٹا والا امام، بحیرہ کی شرح بخاری میں بھی یہ قول نقل کیا ہو کہ ”مسیح“ سے بعض مواقع میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مراد ہیں۔ دیکھ فیض الباری صفحہ ۴۴۔

تقریباً اس فقرے کا کمال بھی وہی ہو جو سورہ الانبیاء کی مذکورہ بالا یا جوج و ماجوج والی آیت کا ہو، خود اسی مکاشفہ کے حوالے سے نقل کر چکا ہوں کہ

”جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے بھڑوایا جائے گا
اور ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی، یعنی یا جوج و ماجوج کو
گمراہ کر کے لڑائی کے لیے جمع کرنے کو سکھائے گا۔ (باب ۷، ۸)“

حاصل یہی تو نکلا کہ یا جوج و ماجوج کے کھولے جانے کے بعد ان مردوں کو زندہ ہونے کا موقع ملے گا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر ہزار برس والے زمانہ میں زندگی نہ حاصل کر سکے۔
میں نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ مسیری سمجھ میں آیا ہو اسے ادا بھی کر سکا یا نہیں، لیکن مطلب میرا یہی ہو کہ یوحنا کے اس مکاشفہ میں قدرے رسمی تخریف کے ساتھ جو کچھ پایا جاتا ہو اسی کا اعادہ قرآن میں کیا گیا ہو، اور خلاصہ دونوں کا یہی ہو کہ یا جوج و ماجوج کے کھل جانے کے بعد دنیا کی ان قوموں کو سراٹھانے کا موقع ملے گا جو اسلام لا کر زندہ قوموں میں شریک نہ ہو سکی تھیں۔

اور یہ بھی یا جوج و ماجوج نامی اقوام کے پہچاننے کی منجملہ دوسری نشانوں کے ایک سی ثنائی ہو جس کا مطالعہ ہم تاریخ کے ادراک کے سوا اپنی موجودہ دنیا کے بیچ پر بھی کر سکتے ہیں اور ان قوموں کو ہم پہچان سکتے ہیں جو اسلامی دولت کے ایام میں تو مردہ رہیں لیکن مسلمانوں کا دور جب ختم ہوا تو زندگی کی نئی ٹپھل ان ہی مردہ قوموں کی آبادیوں میں شروع ہوئی اور یکے بعد دیگرے زندہ ہو ہو کر دنیا کے سامنے نمایاں ہو رہی ہیں۔

اور اب پھر پڑھیے مذکورہ بالا معروضات کی روشنی میں اس قرآنی آیت کو

و حرام علی قریۃ اہلکناھا	اور روک لگی ہوئی ہو اس آبادی پر جسے
انھم لا یرجعون حتی	ہم نے ہلاک کیا کہ وہ نہ واپس لوٹیں گے
اذا فتحت یا جوج و ماجوج	تو، ایک جگہ کھول دیے جائیں یا جوج و ماجوج
و هم من کل حدب	اور ہر ڈھلاؤ (حدب) سے وہ تیز رفتار
یسئلون	کے ساتھ چل نکلیں۔

اور غور کیجیے کہ فقیر کا ذہن جس پہلو کی طرف منتقل ہوا ہو دوسرے قرآن و قیاسات اور قرآن کے خاص طریقہ تعبیر و تفسیر زاد اسے اس کی کس حد تک تائید ہوتی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علماہم و احکم۔

”ماہم باوجود ان تمام صفاتی نشانوں کے مجھے اعتراف کرنا چاہیے کہ قرآنی آیات کی روشنی میں ہم نام اور

رہی تعین کے ساتھ ان قوموں کو متعین نہیں کر سکتے، جن کو قرآن نے یا جوج و ماجوج کی بیٹری میں داخل کیا ہو، مذکورہ بالا قرآنی آیتوں کا ہم بیونہ کر کے دیکھنے کے بعد بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ ایک ٹوپی ضرور تیار ہو گئی ہو، اب یہ آپ کا اور ہمارا کام ہو کہ قوموں کے سردوں پر رکھ رکھ کر دیکھیں کہ یہ ٹوپی ٹھیک کن کے سردوں پر بیٹھ جاتی ہو۔ اس سلسلہ میں غیر قرآنی چیزوں سے کچھ مدد بھی اگر لی گئی ہو تو ان کی حیثیت مغزی اور گرٹ کی ہو، لیکن جو ہری ٹکڑے صرف قرآن سے حاصل کیے گئے ہیں۔

بقیہ نگاہ اولیں

کر سکیں گے، وہ سب حضرات تو وہی بنے آگئے تھے، کچھ دیر انتظار کے بعد آخر ان کو کھانا کھلا دیا گیا اور اب وہ سب پلے گئے۔ میں حضرت مولانا مرحوم کے بالکل برابر بیٹھا تھا، جب میں نے دیکھا کہ مولانا اس کے جواب میں بالکل خاموش ہیں، اور ہم سب خاموہ تصور وار بن رہے ہیں، تو میں نے اصل حقیقت ظاہر کر دینے کا ارادہ کیا، (یعنی یہ کہ کل آپ کے جوفلاں صاب دھوت کی گنتنگو کے لئے تشریف لائے تھے، انھوں نے ہم لوگوں کو صراحتہ ۱۲۰۱۱ کے درمیان کا وقت بتلایا تھا، اس لئے یہ غلطی دراصل اُن سے ہوئی) مولانا مرحوم نے میرے اس ارادہ کو ٹاٹ لیا، اور میرے کان میں فرمایا: ہرگز نہیں، اُن کے آدمی پر بات نہ آئے، اپنے ہی اوپر لوٹ۔ سبھی بات یہ ہے کہ میں دم بخود رہ گیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد جب واپسی ہونے لگی تو مولانا نے بڑی ندامت کے اظہار اور قصور کے اعتراف کے ساتھ ان بزرگ سے معذرت کی، اور اصل بات کی کسی کو ہوا نہ لگنے دی۔

اُس وقت تو میں نے اس چیز کو مولانا مرحوم کی بے نفسی اور اخلاقی بلندی اور عالی حوصلگی ہی سمجھا، لیکن عرصہ کے بعد جب یہ حدیث ایک دفعہ نظر سے گذری، کہ:-

”اللہ کا جو بندہ قدرت کے باوجود دوسرے مسلمان بھائی کو جواب دینے سے عفت اس لئے زبان روک لے کہ وہ بھائی قائل اور شرمندہ نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ قیامت میں اُس کے سر پر کرامت کا تاج رکھے گا۔“

تو معلوم ہوا کہ مولانا مرحوم کا یہ طرز عمل دراصل اس بنیاد پر اور اس اجر و عود کی طبع میں تھا۔

بہر حال مولانا مرحوم اپنی اصلاحی اور تبلیغی جدوجہد میں، اور اپنی نجی زندگی میں بھی، ان اصولوں کے اس درجہ میں پابند تھے اپنے لوگوں کو اسی کی تعلیم دیتے تھے، اسی کی تاکید کرتے تھے، اور چاہتے تھے کہ اللہ کے سب بندے ان اصولوں کی قدرت سمجھیں، اور ان کو اپنی زندگی کے اصول بنائیں۔

اللہ باقی

محمد نیاز

نے انجسم و خور، نے ماہ باقی نے کوہ باقی ، نے کماہ باقی

درویش باقی ، نے شاہ باقی باقی گدا نے ذیجہاہ باقی

اللہ باقی ، اللہ باقی

سازِ طبیب کا ہر تار فانی رنج و الم کا بازار فانی

بے جان فانی ، جاندار فانی فانی رعایا ، سرکار فانی

اللہ باقی ، اللہ باقی

لہات فانی ، کیارات کیا دن ہر ذات فانی ، انساں ہو یا جن

فانی ٹرومن ، فانی سٹالن فانی من و تو، اے دوست لیکن

اللہ باقی ، اللہ باقی

ہر خطہ فانی ، ہستی ہو یا بن شہر و بیاباں ، صحرا و گلشن

اے دوست ! فانی ، فانی یقیناً ! باہم بھٹکم ، قصہ کریمین

اللہ باقی ، اللہ باقی

نیلا سا خیمہ جو یوں تنہا ہو پھر اس کے نیچے جو کچھ بنا ہو

گوشِ یقین سے میں نے سنا ہو سب کو فنا ہو ، سب کو فنا ہو

اللہ باقی ، اللہ باقی

نورِ اسرار کی روشنی میں

دنیا کے پیچیدہ مسائل کا حل

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک تقریر کا ترجمہ جو ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
میں سعودی ریڈیو امینین (جددہ) سے نشر کی گئی تھی۔

(از: عتیق الرحمن سنہلی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میں جہلِ نور پر چڑھا اور اس کے غار پر جو غارِ مراد کے نام سے مشہور ہے جا کھڑا ہوا یہاں پہنچ کر میں نے اپنے
دل میں کہا۔ یہی جگہ جو جہاںِ خداوند کو کم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبری کا شرف عطا فرمایا اور پہلی مرتبہ وحی نازل
فرمائی، میں (یہ کہنا حق ہے کہ) ہمیں سے وہ آفتاب طلوع ہوا جس کی کرنوں نے دنیا پر نور برسا یا اور اسے ایک نئی زندگی بخشی۔
یہ عالم ہر دن ایک نئی صبح کو خوش آمدید کہتا ہے لیکن اکثر و بیشتر نہ اس صبح میں کوئی نیا پن ہوتا ہے نہ کوئی ندرت اور نہ ہر صبح
صبحِ سعادت۔ ان صبحوں کی آمد سے انسان تو جاگ جاتے ہیں مگر انسانیت سوتی ہی رہتی ہے جسم بیدار ہو جاتے ہیں مگر
دلوں کی نیند میں ذرا فرق نہیں آتا اور در و دھوں کی بستی یونہی خواب غفلت میں پڑی رہتی ہے۔ کیا شمار ہے ایسے تاریک دنوں
کا اور ایسی بھوٹی صبحوں کا۔ البتہ اس غار سے ایک سچی صبح نمودار ہوئی تھی جس کے نور نے ہر چیز کو چمکایا اور اس کی آمد نے ہر
شے کو جگایا اور اسی صبح سے تاریخ کا رخ مڑا اور زمانہ کا رنگ بدلا۔

اس صبح سے پہلے انسانی زندگی کا فطری بہاؤ رکھا ہوا تھا اس کے ہر دروازہ پر بھاری بھاری قفل چڑھے ہوئے تھے
اور وہ گویا چند مقفل دروازوں اور کچھ بند تالوں کا مجموعہ بنی ہوئی تھی۔ عقل قفل چڑھے ہوئے تھے جن کے کھولنے سے سکھاء
اور خلاصہ عاجز تھے، ضمیر انسانی مقفل تھا جس کو آزادی دلانے سے دغلیں اور مصلحین عاجز تھے، قلب انسانی مقفل تھے جن کے
قفل توڑنے میں قہر و قوت کی نشانیاں اور زمانہ کے عبرت انگیز حوادث ناکام ہو چکے تھے۔ صلاحتیں مقفل تھیں جن کو بڑے کار
لانے سے تعلیم و تربیت کا نظام اور ماحول اور سوسائٹی کے اثرات تاثر تھے۔ درگاہوں کا وجود لا حاصل تھا جن کو کار آمد
اور نتیجہ خیز بنانے میں اہل علم اور مدبرین بے بس تھے، عدالتیں اپنے فرض کے حق میں مقفل تھیں جن سے انصاف حاصل کرنے کے
لئے مظلوموں اور غلاموں کی فریادیں بہتر نہیں سنائی دیتی تھیں۔ سب کچھ بے بس تھے جن کے سنبھالنے سے مصلحین و مفکرین عاجز تھے،

تھہرے سلطنت مقفل تھے جن میں راہ پائے سے عزت کش کان، پسے ہوئے مزدور اور مظلوم رعایا محروم تھی، دولت مند اور امیروں کے خزانے مقفل تھے جن کے قفل کھولنے سے ناداروں کی بھوک ان کی عورتوں کی بربادی اور ان کے دودھ پیئے بچوں کی گریہ و زاری عاجز تھی۔ بڑے بڑے صحابی عہدِ اسلام کے ساتھ لوگ میدان میں آئے، بڑے بڑے قانون ساز مکرمتہ ہوئے لیکن ان بیشیا قفلوں میں سے کوئی ایک قفل بھی کھولنے میں کامیاب نہ ہو سکے اسلئے کہ ان تالوں کی اصل کنجی ان کے ہاتھ میں تھی وہ کنجی گم ہو چکی تھی اور تالابگیر اپنی کنجی کے کبھی کھل نہیں سکتا، انھوں نے اپنی بنائی ہوئی کنجیوں سے کام لینا چاہا لیکن وہ ان تالوں کو نہ لگیں اور ایک تالاب بھی نہ کھول سکیں اور بعض نے ان تالوں کو کھولنے کے بجائے توڑنے کی کوشش کی مگر اٹے اس کوشش میں ان کے اذراڑوٹ گئے اور ہاتھ بھی زخمی ہو گئے۔

ایسے وقت میں تمدن دنیا سے الگ تھلک ایک چھوٹے سے خشک پہاڑ کے اوپر اس گنہگار اور ظاہری اعتبار سے بے حیثیت مقام (غارِ حراء) میں دنیا کا وہ عقدہ لایحیٰ حل ہوا جو نہ بڑی بڑی سکونتوں کی راجدہائوں میں حل ہو سکا نہ عظیم الشان درگاہوں میں حل ہو سکا اور نہ علم و ادب کے پرشکوہ ایوانوں میں حل ہو سکا یہاں پر دروگاہِ عالم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صورت میں عالمِ انسانیت پر ایک حیرانِ عظیم کا دروازہ کھولا اور صدیوں کی گمشت، کنجی پھرتے انسانیت کو مل گئی۔ یہ کنجی ہے ایمان۔ اللہ پر اس کے رسول پر اور یومِ آخرت پر۔ اس کنجی سے اپنے صدیوں کے ان بن قفلوں کو ایک ایک کر کے کھول ڈالا جس کے نتیجے میں حیاتِ انسانی کے ہر شعبہ کے دروازے چوہ پٹ کھل گئے۔ اپنے جب نبوت کی اس کنجی کو مقفل کے قفل پر رکھا تو اس کی ساری گرمیں کھل گئیں، اس کی سلوٹیں اور اس کے بیج دور ہو گئے، اسے نشاۃِ فکر حاصل ہو گیا اور وہ اس قابل ہو گئی کہ نفسِ انسانی میں پھیلی ہوئی خدا کی نشانیوں سے نفع اندوز ہو سکے، اس کائنات میں غور کر کے اس کے خالق کو پا سکے، کثرت کے پردوں کو چیر کر وحدت کا سلوہ دیکھ سکے اور شرک و بت برستی اور اداہم و خرافات کی لغویت کو محسوس کر سکے۔ حالانکہ اس سے بیشتر یہ عقل ان باتوں میں دخل دینے کی مجاز نہ تھی اور صدیوں سے اپنے منصبِ معزول تھی۔ اسی کنجی سے اپنے انسان کے ضمیر کا قفل کھولا، سویا ہوا خیمہِ جاگ اٹھا اور اس کے مردہ شعور و احساس میں حرکت اور زندگی پیدا ہوئی، ضمیر کی روک تھام سے آزاد ہو کر نفسِ انسانی جو صدیوں سے نفسِ آثارہ بنا ہوا تھا اب ہی نفسِ لوامہ میں تبدیل ہوا اور نفسِ لوامہ دیکھتے ہی دیکھتے نفسِ مطمئنہ بن گیا جس کے بعد اس میں کسی ہلاک کے گھسنے کی گنجائش نہ رہی اور گناہ اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا۔ اس حد تک کہ گنگار، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کر اذخود اپنے گناہ کا اقرار کر کے اپنے لیے سخت ترین سزا کی درخواست کرتا جو ایک گنگارِ عورت اپنے لیے سنگاری کی سزا کی درخواست کرتی ہے حضور، عندِ شریعی کی وجہ سے سزا کو کچھ دن کے لیے مؤخر فرماتے ہیں وہ اپنے دیہات کو واپس چلی جاتی جو نہ اسکی نگرانی کے لیے سی، آئی، دیہتیں جو نہ عرصہ کو وقت پر دوبارہ حاضر کرنے کے لیے پولیس تھیں ہو لیکن وہ بد وقت پھر وہیہ پھونکتی ہے اور خود کو اس سزا کے لیے بخوشی اور باصرہ امپش کرتی ہو جو تقنیناً قتل سے بھی زیادہ سخت ہو (یعنی سنگاری) فتح ایران کے وقت ایک غریب قومی کے ہاتھ کسری کا تاج زیبائی آتا ہے وہ اس کو کپڑوں میں

چھپا لیتا ہے اور غیظہ طور سے اپنے ہر کا خدیت میں لے جا کر پیش کر دیتا ہوتا کہ اداۓ امانت تو ہر ملینک انسانداری کی ناکش نہ ہو۔ انسانوں کے وہ دل جو اس طرح ناقص پڑے ہوئے تھے کہ زمان میں عبرت پذیری تھی، نہ خوف خدا تھا اور نہ رقت اور نرمی تھی یہ کبھی جیلان دلوں پر لگانا کئی تو کسیر کا یا پٹی ہوئی نظر کی، اب وہ خدا کے خوف سے ہر دم زراں و ترساں تھے، حوادث و واقعات سے عبرت حاصل کرتے تھے، انفس و آفاق میں پھیلی ہوئی نشانیوں کا وجود اب ان کے لیے نفع بخش تھا، مظلوموں کا حال زار دیکھ کر رٹ پ جاتے تھے اور غریبوں اور یتیموں کے ساتھ نفرت و تحارت کا برتاؤ کرنے کے بجائے محبت و شفقت کا برتاؤ کرنے لگے۔ اسی طرح نبوت کی اس کئی نئے جیلانوں کی ان فطری صلاحیتوں اور قوتوں کو چھپا کر عرصہ سے ٹھہری پڑی تھیں اور نفع مند ہونے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہو رہی تھیں تو وہ شلوں کی طرح بھڑک اٹھیں اور سیلاب کی طرح موجیں مادی ہوئی اہل پڑیں اور صبح و ریح پر لگ گئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلاحیتوں کو اٹھرنے کا موقع نہ ملنے کی وجہ سے جو لوگ بکریوں کی نگہ بانی میں ضائع ہو رہے تھے وہ اب بہترین طور سے قوتوں کی نگہ بانی اور عالم کی فرمانروائی کی نازک ذمہ داریوں سے عہدہ ہوا ہونے لگے اور جو شخص کل تک صرف کسی ایک قبیلے یا ایک شہر کا نامور شہسوار تھا کیا جاتا تھا وہ اب بڑی بڑی سلطنتوں اور ایسے ایسے ملکوں کا فاتح ثابت ہوا جو قوت و شوکت میں بکتا تھے۔ اسی کئی سے اپنے درگاہوں کے قفل کھولے اور ان میں ان سر نو چھل پہل اور رونق پیدا کی حالانکہ علم کی کسا و بارزائی اور تعلیم کی کسی میری اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ وہ تعلیم کو کچھ بڑی تھی اور نہ تعلیم کو۔۔۔ اپنے علم کی قدر و قیمت یا دلائل اہل علم کا مرتبہ بتایا اور علم و دین کا باہمی تعلق سمجھایا چنانچہ لوگ درگاہوں کی ترقی کے لیے دے دے قدمے کو شاں ہو گئے مسلمان کا ہر گھر اور ہر گھر میں بجائے خود ایک مدرسہ بن گئی، ہر مسلمان اپنے حق میں متعلم اور دوسرے کے حق میں معلم بن گیا کیونکہ ان کا دین ہی خود و طلب علم کے لیے سبب بڑا محرک تھا، اپنے اسی کئی سے عدالت کو تعطیل ختم کیا، اب تمام قانون دال اس قافل تھا کہ اس پر ایک نصف رجب کی حیثیت سے تھما گیا تاکہ اسے ہر مسلمان کا حکم ملے درجہ کا اصل شمار کا تھا اور یہ سچے مسلمان سب کے سب غضب اللہ کے لیے کئی شہادتیں دینے والے تھے جب اللہ اور اخوت کے حساب و کتاب پر ایمان ہوتا ہوا تو عدل و انصاف کی فراوانی ہوتی، بے انصافیاں اور بد معاہلیاں کم سے کم تر ہو گئیں اور جھوٹی شہادتیں اور ظالمانہ فیصلے ناپید ہو گئے خاندانی معاملات جو اس قدر تیر ہو گئے تھے کہ باپ بیٹے کے درمیان بھائی بھائی کے درمیان شوہر و بیوی کے درمیان کشاکش اور جھینجھپٹ کا میدان گرم تھا پھر یہ بیماری خاندانوں کے حدود و میدان سے نکل کر معاشرہ کے وسیع میدان میں بھی پھیل چکی تھی یہی کشاکش تو گروہ و ماک کے تعلقات میں بھی برپا تھی حاکم اور رعیت کے تعلقات میں بھی برپا تھی، بڑے اور چھوٹے کے تعلقات میں بھی برپا تھی۔ ہر ایک کا یہ حال تھا کہ اپنا حق کسی طرح چھوڑنا چاہتا تھا اور دوسرے کا حق کسی طرح دینا نہ چاہتا تھا جو خود اگر کوئی چیز خیریتا تو ناپ تول میں ذرا ذرا سی اونچ نیچ پر بار ایک بیٹی سے نظر رکھتا لیکن اگر دوسرے کے ماتھ کچھ بہتا تو کم سے کم اپنے اوڑھنے میں پوری پوری ہمارت ہم پہنچاتا (اذا انالوا علی الناس یتوقون و اذا کالوہم اور ذرہم بحسروں)۔ اپنے اس خاندانی اور معاشرتی نظام کے عقد وں کا حل بھی اسی کئی سے کیا۔ خاندان اور معاشرہ میں ایمان کا بیج بویا لوگوں کو اللہ کی ناراضی سے ڈرایا اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ الَّذِي
خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ
بَيْنَهُمْ زُرُوعًا وَبَثَّ فِيْنَهُمْ رِجَالًا كَثِيرًا
وَلِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَتَّكُونَ
حِيَهٗ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ
مُحْتَسِبًا

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک
نفس سے پیدا کیا (اس طرح کہ) اس کا ایک جوڑا
پیدا کیا اور ان دونوں (کی نسل) سے پھیلائیے
بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں۔ اور اس اللہ سے
ڈرو جس کے واسطے سے تم مانگتے ہو اور درجہ اول کا
خیال رکھو بیشک اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔

اور خدا نازل اور معاشرہ کے افراد میں سے ہر ایک پر کچھ ذمہ داریاں ڈالیں اور اسی طرح از سر نو خدا نئی نظام کو بھیجی صلہ محبت اور
راستی کی بنیادوں پر قائم کرے۔ اور معاشرہ کو بھیجی اعلیٰ درجہ کا عدل شمار بنایا۔ معاشرہ کے ہر رکن میں امتداری کا ایسا گہرا شعور اور
خدا ترسی کا ایسا شہیدانہ احساس پیدا کر دیا کہ اس معاشرہ کے افراد اور عہدیداران تک پر ہرگز گہری اور سادہ زندگی کے نونے بن گئے
قوم کے سرشار اپنے قوم کے خادم سمجھے۔ قانون سلطنت اپنی حیثیت میں قوم کے سرپرست سے زیادہ نہیں سمجھے تھے کہ اگر اپنی ذاتی
فلیٹ کچھ ہے تو سلطنت کے مال و دولت سے کوئی مطلب نہیں اگر نہیں ہے تو بقدر ضرورت لینے پر قناعت کرے۔ اسی اعلان کی بدولت
اپنے وطنوں اور تاجروں میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے ہوسپی پیدا کی، انھیں بتلایا کہ مال اصل میں اللہ کا ہے تمہیں اس
نے اس کے تصرف میں اپنا نائب بنایا۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ جَعَلَكُمْ مَسْخَرَتَيْنِ
فِيْهِ۔

اور خراج کر داس (مال و دولت) میں سے جس میں
اللہ نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے۔

وَأَسْخَرُوا مِنْ مَّالِ اللَّهِ الَّذِي
آخَرْتُمْ۔

اور وہ ان کو (ضرورت مندوں کو) اس مال
میں سے جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے۔

انھیں تجویزوں میں بند کر کے رکھنے اور راہ خدا میں خرچہ کرنے سے یکہ کر ڈرایا۔

وَالَّذِينَ يَكْنُزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا
يُنْفِقُوهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ
أَلِيمٍ۔ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ تَتَكَلَّوْنَ
فِيهَا جُثَاثٌ مِّمَّنْ رَّحِبُواهُمْ وَظَلَمُواهُمْ هَٰذَا
مَّا كُنْتُمْ تَكْنُزُونَ۔

اور وہ لوگ جو سونے چاندی کے خزانے جمع کرتے ہیں
اور اللہ کی راہ میں خرچہ نہیں کرتے آپ انھیں بشارت دیکھیں
وہ دن تک عذاب کی آگ میں جھکناں کے خزانوں کو دوزخ
کی آگ میں تباہ یا جھانگیا پھر اس سے ان کی پشیمانیوں،
کڑوئیاں و شہتیں اسی جائیگی۔ لہذا یہ دیکھنا شروع کیا ہوا
اب چکھو اس کا مزہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام اور اپنی دعوت کے ذریعہ جس سے فرد کو تیار کر کے کارگہ حیات میں آتا تھا

وہ اکثر پچا یا ان کہنے والا، نیک جوئی کو پسند کرنے والا، اللہ کے عفو سے ڈرنے اور رزقے والا امانت کا پاس کرنے والا، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادہ کو حقیر سمجھنے والا اور اپنی روحانیت سے مادیت پر غالب آنے والا تھا۔ وہ اس بات پر دل سے یقین رکھتا تھا کہ دنیا تو میرے لیے بنائی گئی ہو لیکن میں آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہوں میں یہ فرد اگر تجارت کے میدان میں اترا تو نہایت پکا اور ایماندار ثابت ہوتا، اگر مزدوری کا پیشہ اختیار کرتا تو نہایت محنتی اور بھی خواہ مزدور ثابت ہوتا، اگر مالدار ہو جاتا تو ایک رحم دل اور قیاض و دقت مند ثابت ہوتا۔ اگر غریب ہوتا تو شرافت کو قائم رکھتے ہوئے مصیبتوں کو کھیلتا، اگر کسی عدالت پر بٹھایا جاتا تو نہایت سمجھ دار اور ضعف و رنج ثابت ہوتا۔ اگر صاحب سلطنت ہوتا تو ایک مخلص اور بے غرض حکمران ثابت ہوتا، اگر آقا ہوتا تو رحم دل اور نیکو مزاج آقا ہوتا، اگر نوکر ہوتا تو نہایت حسرت اور فرمانبروار نوکر ہوتا اور اگر قوم کا مال و دولت اس کی تحویل میں آجاتا تو حسرت انگیز میردادی اور مابھی سے اس کی گمانی کرتا۔ ————— یقیناً وہ انہیں جن سے اسلامی سوسائٹی کی تعمیر کی گئی اور جن پر اسلامی حکومت کی علامات کھڑی کی گئی۔ اسی بنا پر یہ سوسائٹی اور یہ حکومت ایک بڑے پائے پر افراد کے خلاق ان کی انہیات اور ان کے طرز حیات کا منظر تھی۔ افراد میں جو چیزیں تھیں وہ سب کی سب معاشرے میں جمع ہو گئی تھیں، اس کے تاجری کی سچائی اور ایمانداری اس میں تھی اس کے غریب کی خود داری اور شفقت کاوشی اس میں تھی، اس کے مزدور کی محنت کشی اور بھی خواہی اس میں تھی، اس کے دین کے فیاضی اور سخاوری اس میں تھی، اس کے بچ کی فرست اور عدالت اس میں تھی، اس کے حکمران کا خلوص اور ایمانداری اس میں تھی، اس کے آقا کا انکسار اور رحمتی اس میں تھی، اس کے خادموں کی جلد نشی اور حسنی اس میں تھی اور اس کے خزانچہ کی نگرانی اور بیداری بھی اس میں پوری پوری موجود تھی۔ اسلامی سوسائٹی جن طرح اپنے افراد کی خوبیوں کی منظر آتھی اسی طرح اسلامی حکومت بھی تمام خوبیوں کی جامع بلکانہ کا توئی ٹھکر بن گئی تھی۔ یہ حکومت راست و تھی عقیدوں اور ہولوں کو مٹانے اور صلح پر ترجیح دیتی تھی، عوام کے مل کو لوٹنے کے بجائے ان کے خلاق اور عقائد کو نہانے اور ستوانے کی دسیری سے کوشش کرتی تھی۔ سوسائٹی اور حکومت کے اثرات کا نتیجہ یہ نکلا کہ انفرادی اور ختمی پرنسپل اور پبلک زندگی کا ہر سرگوشہ ایمان، صلح و خلوص، محنت و کوشش اور عدل و انصاف سے سما ہوا اور ان سدا بہا دھولوں کی خوشبو سے ہمکا ہوا تھا۔

فارجوا پر کھڑا کھڑا میں یہ تمام باتیں اپنے دل میں سوچ رہا تھا۔ میں اپنے ان خیالات اور عمد رفتہ کی یادیں اتنا خرق ہو گیا کہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے وجود سے بالکل بے خبر ہو گیا۔ یہ تصور مجھے اپنے ماحول اور اپنے زمانہ سے اُدھر لگا لگا گیا۔ میری نگاہوں میں اس عمد رفتہ کی کوئی اسلامی زندگی کی تصویر بھرنے لگی میں اس کا رخ جمال اور ایک ایک خط و خال دیکھنے لگا اور بالکل ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہی زندگی میرے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اور میں اس کی روح فائدہ فضا میں سانس لے رہا ہوں۔ اکی عالم تصور میں مجھے اپنے اس زمانہ کا خیال آیا جس کی فضا میں واقعی میں سانس لیتی ہوں۔ میں نے کہا کہ آج بھی زندگی کا مایا یا اور خوش گواری کے دروازوں پر کچھ نئے قسم کے تالے پڑے نظر آ رہے ہیں۔

مسائل میں پھیلاؤ اور تنوع کی کوئی حد نہیں رہی ہو اور اسی نسبت سے اکھاؤ اور پیچیدگیاں بھی بڑھ گئی ہیں تو کیا اس حالت میں بھی اسی پرانی کنجی سے نئے قفل کھل سکتے ہیں؟

یہ سوال میرے دل میں پیدا ہوا مگر میں نے کہا کہ حسب تک میں ان تالوں کو ابھی طرح دیکھ بھال کے ان کی حقیقت نہ معلوم کر لوں تجھے کوئی جواب نہ دینا چاہیے! جنہاں جہ میں نے جو ان تالوں کو ہاتھ لگایا تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ سالے نے نہیں ہیں وہی پرانے ہیں صرف رنگ و روغن نیا ہے اور نہ ہی پیچیدگیاں اور کھینچ کھنچ ایسی نئی ہیں بلکہ ان کی جڑ تو ہر پہر پرانی ہے۔ آج بھی اہل مکہ و مدینہ کا مسئلہ ہے جو سارے دوسرے مسائل کا سراپہ اور یہی ہمیشہ انسانی زندگی کا اہل مسئلہ رہا ہو۔ کیوں کہ فردہ اینٹ ہو جس سے سوسائٹی اور حکومت بنتی ہو اور اس کا حال آج یہ ہو گیا ہے کہ مادہ اور قوت کے سوا کسی چیز کو ماننے کے لیے یہ تیار نہیں ہے۔ اپنی ذات اور خواہشات کے ماسوا اسے کسی چیز سے مطلب نہیں ہے، اس دنیا کی قدر و قیمت اس کی نظر میں حقیقت سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے، لذت اور خواہشات کی بندگی حد سے بڑھ گئی ہے اور اپنے پروردگار سے، انبیاء کی رسالت سے اور عقیدہ آخرت سے مشتبہ بالکل ٹوٹ چکا ہے بس یہی فرد کا بگاڑ ہے جو سوسائٹی کے بگاڑ کا سرچشمہ اور تہذیب کی بدترکی کا ذرہ وار ہے۔ یہ فرد اگر تجارت کرتا ہے تو لاپسے اور ذخیرہ اندوزی کا بدترین مظاہرہ کرتا ہو۔ اورانی کے وقت مال روک لیتا ہے اور گرانی کے زمانہ میں نکالتا ہے اور اس طرح لوگوں کی بھوک اور پریشانی کا سبب بنتا ہے۔ یہ فرد اگر مفلس ہوتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ اپنی غلی کی دودر کرنے کے لیے خود کچھ نہ کرے اور دوسروں کی غفلتوں کا پھل مفت میں کھالے۔ اگر مزدوری کرتا ہے تو اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے لیکن مزدوری پوری لینا چاہتا ہے۔ اگر دولت مند ہوتا ہے تو اعلیٰ درجہ کا کنجوس اور سنگ دل ہوتا ہے۔ اگر صاحب اقتدار ہوتا ہے تو لیڈر اور بددیانت ثابت ہوتا ہے، اگر مالک ہوتا ہے تو ایک ظالم اور خود غرض مالک ثابت ہوتا ہے جو اپنے فائدے اور اپنے آرام کے سوا کچھ دیکھنا نہیں جانتا۔ اگر نوکر ہوتا ہے تو کام چور اور بے ایمان، اگر خزانچی بنا دیا جاتا ہے تو ضن کرتا ہے اگر حکومت کا ذریعہ یا جموریہ کا صدر ہو جاتا ہے تو شکم پرور، روح سے بے خبر اور بندہ نفس ثابت ہوتا ہے جو صرف اپنی ذات اور اپنی پارٹی کے فائدے کو دیکھتا ہے، اگر لیڈر بن جاتا ہے اور بہت ہی ترقی پسندی کا مظاہرہ کرتا ہے تو بھی اپنی قوم اور اپنے وطن کے حدود سے باہر اس کا غلو نہیں نکلتا اور اپنے وطن اور قوم کی عزت بڑھانے کے لیے دوسری قوموں اور دوسرے ملکوں کی عزت و آبرو خاک میں ملانے سے کسی وقت بھی گریز نہیں کرتا۔ اگر قانون سازی کا اختیار ملتا ہے تو میں آجاتا ہے تو ظلم کے قانون اور بڑے بڑے ٹیکس مسلط کر دیتا ہے اگر اس کے دماغ میں یکساں اکتشاف کی صلاحیت ہوتی ہے تو ہلاکت برسانے والے اور تباہی پھیلانے والے آلات ایجاد کر کے لگتا ہے، زیر بنی عیسیں رکھا دیتا ہے جو نوع انسانی کو ہلاک کر دیں، بمبار طیارے اور میٹاک بناتا ہے جو بیسیوں کو کھنڈر اور لکھ کا ڈھیر بنا دے اس کے

بناتا ہے جس کی ہلاکت خیر لوں سے انسان بچ سکے ہیں، حیوان، دھیت اور باغات۔ اور جب اس فرو کو ان یکا داک استعمال کرنے کی قوت بھی مل جاتی ہے تو سببیاں کی سببیاں اندھا دھندلانے پر مرکب لیتا ہے اور ان کی آن میں زندوں کے شہر، شہر خروشاں بنا ڈالتا ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ جب اچھے افراد سے مرکب ہونے والا معاشرہ اور ان سے تیار ہونے والی حکومت ان افراد کی تمام خوبیوں کی آئینہ دار ہوتی ہے تو برے افراد سے تیار ہونے والا معاشرہ اور حکومت دونوں لامحالہ ان افراد کی تمام برائیوں اور بیماریوں کی حامل ہوگی۔ اس میں تاجروں کی ذخیرہ اندوزی بھی ہوگی نفع کا لالچ بھی ہوگا تنگدستوں کی سرکشی بھی ہوگی، مزدوروں کی کم فتن اور زیادہ ثروت کی بری عادت بھی ہوگی۔ دولت مند کی ہوس کے جراثیم بھی اڑ کر اُسے لگیں گے، اپنے حکمران کی بدبختی اور عیاری بھی اس میں پھیلے گی، مالکوں کا بدور و تم بھی اس کی عادت میں داخل ہوگا، نوکر کی خیانت اور خازن کا غبن بھی اس میں سرایت کرے گا، دروازہ کی نفع پرستی اور لیٹروں کی وطن پرستی بھی اس میں اُسے لگی، قانون سازوں کے اندھیر اور سائنس دانوں کی بے راہ روی بھی اس میں جمع ہوگی، اور دروازوں کی تنگ دلی بھی اس پر سے معاشرہ اور پروری حکومت کی خصوصیت بنے گی۔ ————— یہ ہے وہ اصل مادہ

فنا جس کے طبع سے وہ تمام بیماریاں، وہ تمام کھینیں اور وہ تمام پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں جن سے انسانیت پریشان اور زار و زار ہے۔ اس مادہ فنا کو کا نام ہے مادہ پرستی کا ذوق، یا مادہ اور اس کے مظاہر ہی کو سب کچھ سمجھنے کا عقیدہ! بلکہ مالکنگ اسی کا نتیجہ ہے، رشوت تانی اسی کا نتیجہ ہے، ہوشربا گرانی اور ہنگامی اسی کا نتیجہ ہے، ذخیرہ اندوزی اسی کا نتیجہ ہے، افراط زرا اسی کا نتیجہ ہے۔ آج کے مفکرین اور مفین آج تک ان مشکلات کا کوئی کامیاب حل نہیں ڈھونڈ کر لائے، ایک شکل کو حل کرتے ہیں تو دوسری نئی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں ایک گرہ کھلتی ہے تو کئی اور نئی لگ جاتی ہیں۔ بلکہ اب تو یہ کہنا بھی جیسا نہ ہوگا کہ ان کی عقدہ کشائی بجائے خود نئے نئے عقدوں کو جنم دے رہی ہے۔ جیسے انارڈی ڈاکٹر کے علاج سے صحت کے بجائے کچھ نئے نئے مرض اور پیدا ہو جائیں ————— یہ اس مریض پر روز سے تجربے کر رہے ہیں۔ انھوں نے سمجھا کہ شخصی حکومت ان تمام امراض کا سبب ہے لہذا اسے ختم کر کے جمہوری طرز حکومت کی بنیاد ڈالی۔ مگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہوا تو بعض نے پھر آمریت اور ڈکٹیٹر شپ کو اختیار کیا، اس سے اور خرابیاں بڑھتی دیکھیں تو پھر جمہوریت کی طرف رجوع کیا۔ ایسے ہی کبھی نظام سرمایہ داری کو اختیار کیا اس سے اور گرہیں بڑھیں تو اشتراکیت اور سوشلزم کو اپنے درد کا درماں سمجھ لیا مگر معاملہ کی نوعیت ذرا نہ بدلی اور مشکلات جوں کی توں یا پہلے سے کچھ سوا ہو گئیں۔ کیوں ————— ؟ اس لئے کہ یہ ساری تبدیلیاں اور سارا رد و بدل اوپر اوپر ہوتا رہا اور مشکلات کی جو جڑ اور بنیاد ہے یعنی فرد اور اس کا بگاڑ! اس کو ہاتھ نہیں لگایا گیا اس میں کسی اصلاح، تغیر کی کوشش نہیں کی گئی اور قصداً یا بلا قصد اس حقیقت سے غفلت برتی گئی کہ اصل فساد اور ٹیڑھ فرد میں ہے جس کی بدولت معاشرہ اور حکومت میں بھی ٹیڑھ پیدا ہو گئی ہے لیکن

پیشکش و نشر اجتماعات دعوت اصلاح و تہذیب
منفردہ ۲۶ تا ۲۹ نومبر

ہماری دعوت اُس کا طریق کار

”نومبر کے آخری ہفتے میں دعوت اصلاح و تہذیب کے سلسلہ میں جو اجتماعات لکھنؤ میں ہوئے تھے ان کے آخری اجتماع میں (جو ۲۹ نومبر کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں منعقد ہوا تھا) پہلی تقریر مولانا محمد منظور خان مظاہر اہل حق نے جو درج ذیل ہے :

الحمد لله الذی ہدانا لهذا فہذا کنا لنهتدی لو لا ان ہدانا الله
لقد جاءت رسل ربنا بالحق صدقات الله تعالیٰ علیہم وعلیٰ کل من استعمل

باحسان الخیوۃ الخیر

حضرات! آج جمعرات ہے اور آپ میں سے اکثر حضرات کو بیکہ قریب یا سب ہی کو معلوم ہو گا کہ ”دارالعلوم ندوۃ العلماء“ کی اس مسجد میں ہر جمعرات کو اسی وقت یہ اجتماع ہوتا ہے۔ لیکن آج یہ اجتماع اُس طرح کا اتفاقی اور وقتی اجتماع نہیں ہے جس طرح کے اجتماعات تین چار دن سے براہِ شہر میں ہمارے ہو رہے تھے، بلکہ یہ ہمارا مستقل ہفتہ وار اجتماع ہے۔ ہمارے اس اجتماع کا مستقل نظام یہ ہے کہ ہم لوگ ہمیشہ جمعرات کو مغرب کی نماز میں آکے پڑھتے ہیں، نماز سے فائدہ اٹھانے کے بعد پہلے مختصر کتابی درس ہوتا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے ایمان اور ایمانی جذبات پر سدا کرنے والے حالات اور واقعات اہل دین کی ضروری اور بنیادی تعلیمات کا کچھ حصہ مناسب اور منتخب کتابوں کے پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ بعد ازاں آپ نے اس وقت دیکھا اور سنا، اس کے بعد حاضرین کے سامنے وہ دعوت پیش کی جاتی ہے جو اس اجتماع کی اور اس

تحریک کی اصل دعوت ہے، یعنی یہ کہ ایمان اور ایمان والی زندگی خود حاصل کرنے کے لئے اور دوسرے اپنے بھائیوں میں بھی اس کو پیدا کرنے کے لئے جدوجہد کا فیصلہ کیا جائے، اور اس کام کو اپنی زندگی کا جزو بنایا جائے، اس کے لئے محنت اور قربانی پر اپنے کو آمادہ کیا جائے۔ اور جب ضرورت سمجھی جاتی ہے تو اس کام کے طریقے اور پروگرام کی بھی وضاحت کی جاتی ہو۔ آج چونکہ بہت بڑی تعداد میں ایسے نئے حضرات بھی ہیں جو گذشتہ تین راتوں کے اجتماعات میں ہماری تقریریں سن کر ہمارے خیال میں پہلی دفعہ یہاں نشرِ لائے ہیں، اور ہماری اس دینی دعوت سے اور اس کے طریقے اور پروگرام سے وہ واقف نہیں ہیں اسلئے اس وقت میں اسی موضوع پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

کل اور برسوں اور اُس سے پہلے دن کے اجتماعات میں جو تقریریں آپ حضرات کے سامنے کی گئی تھیں اُن میں ہم نے اپنی اس دعوت اور تحریک کا صرف مقصد واضح کیا تھا، یا یوں کہنا چاہئے کہ ضرورت ظاہر کی تھی۔ اُن تقریروں سے آپ نے یہ تو سمجھ ہی لیا ہو گا کہ ہمارے سامنے اصلی مسئلہ مسلمانوں میں اصلی ایمان اور ایمانی زندگی پیدا کرنے کا ہے، اور یہی ہماری اس دعوت یا تحریک کا اصل مقصد ہے۔ اب آج میں ذرا تفصیل سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس مقصد کے لئے ہم کس طریقے پر کام کر رہے ہیں، اور ہمارا کیا پروگرام ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہمارے ایک بنیادی نظریے کو سمجھ لینا چاہئے۔ اب تک کے ہمارے تجربہ نے اور ہمارے غور و فکر نے ہمارے اس یقین کو بہت پختہ کر دیا ہے کہ خواص کر ہمارے اس زمانہ میں مسلمانوں میں حقیقی ایمان اور ایمانی زندگی کے پیدا کرنے میں دو چیزیں بہت زیادہ مؤثر ہوتی ہیں، ایک کسی ایسے ماحول میں کچھ وقت گزارنا جہاں ایمان کی فضا ہو اور ایمان کی اور ایمانی زندگی کی دعوت دی جاتی ہو۔ اور دوسرے خود ایمان کا داعی بن جانا اور اُس کی راہ میں ٹھوکر س کھانا، اور تکلیفیں اٹھانا۔ آپ حضرات میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں غور و فکر کے قابل بنایا ہے وہ اگر غور کریں گے تو خود بھی اسی نتیجہ پر پہنچیں گے، اور جو حضرات ہمارے غور و فکر اور ہمارے تجربے پر اعتماد کریں تو ہم کہتے ہیں الحمد للہ ہم پوری بصیرت کے ساتھ اس پر یقین رکھتے ہیں اور ہمارے پروگرام کی بنیاد ہمارے اسی یقین اور اسی نظریہ پر ہے۔ اسلئے ہم مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے مقامات پر ایسے دینی مرکز قائم کریں، جہاں ہفتہ کی کسی ایک رات کو عام اجتماع ہو کرے، اور وہاں ایمان کی اور ایمانی زندگی کی دعوت دی جائے کرے، اور اُس رات کو لوگ وہیں قیام کیا کریں، اور اس کی پوری کوشش کی جائے کہ وہاں کی فضا ایمان کی فضا ہو۔

یعنی وہاں کا نقشہ جس قدر بھی ہو سکتا ہو اُس نقشہ کے مطابق ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے، اور جو آپ کی تیار کی ہوئی جماعتیں سبھی بڑا کام کی زندگی کا نقشہ تھا۔ جس میں اللہ کا ذکر تھا، آخرت کا فکر تھا، دین کا درد تھا، دین کی طلب تھی، دین کا سیکھنا تھا، دین کا سکھانا تھا، دین کی دعوت تھی، دین کے لئے مشغول تھے، دین کے لئے فیصلہ تھے، آپس میں محبت تھی، اخوت تھی، خدمت تھی، ہمدردی تھی، غمخواری تھی، ہر حال ہم چاہتے ہیں کہ شہر بہ شہر ایسے دینی مرکز

قائم ہوں جہاں ہفتہ کی ایک رات کو اس طرح کا اجتماع ہوا کرے، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا اس رات کو قیام بھی وہیں کیا جائے، تو ہمارے کام کا ایک جز تو ہیں اس قسم کے اجتماعات — اور دوسرا جز جس کی ہم مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں یہ ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں تک ایمان کی دعوت پہنچانے کے لئے اور ایمانی کیفیات اور ایمانی زندگی خود اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے اور اس کی ترقی اور تربیت کے لئے جماعتیں بنانا کر نکالیں، اور جیسا موقع ہو دوسرے یا قریب کے مقامات پر جایا کریں، اور ان جماعتوں کی فضا بھی ایمان والی اور ایمانی زندگی اور ایمانی کیفیات والی فضا ہو، یعنی مقامی طور پر ہفتہ وار اجتماع کی رات کا جو نقشہ ہونا چاہئے وہی ان جماعتوں کا مستقل نقشہ ہو، گویا یہ جماعتیں اسی قسم کے پھلتے پھرتے اجتماعات ہوں۔

یہ جہاں جاتیں اپنا دن کا وقت دین کے سیکھنے سکھانے میں اور وہاں کے لوگوں سے ملنے ملائے میں گزاریں حقیقی ایمان کی اور ایمانی زندگی کی وہاں کے اپنے بھائیوں کو دعوت دیں، آپس میں میل جنت سے رہنے کی، اور ایک دوسرے کی خدمت کرنے کی مشق کریں اور اس کی عادت ڈالیں، جہاں ان کو رات گزارنا ہو وہاں اللہ کے ذکر اور عابد بندوں والی رات گزاریں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں دین کی خدمت اور دعوت کے لئے جو لوگ اور جو قافلے جاتے تھے ان کی زندگی کا نظام اور نقشہ یہی ہوتا تھا، اور اسی طرح ان کی زندگی اسلامی زندگی بنتی تھی — تو ہمارے اس کام کے یہی دو حصے ہیں، ایک مقامی ہفتہ وار اجتماعات، اور دوسرے اپنی دینی ترقی اور تربیت کے لئے اور دوسروں تک دین کی یہ دعوت پہنچانے کے لئے جماعتیں بنانا کر دوسرا قریب کے مقامات پر جانا — تو مسلمانوں کو ہماری دعوت یہ ہے کہ وہ ان دو چیزوں کو اپنی زندگی کے پروگرام کا جز بنائیں، اپنے اپنے مقامات پر اس کام کے لئے دینی مرکز قائم کئے جائیں، اور وہاں کے مسلمانوں کو دعوت دی جائے کہ وہ ہفتہ کی ایک رات (جو رات بھی مشورہ سے مقرر ہو جائے) اپنے اس دینی مرکز میں گزارا کریں، اور ہر مہینہ کم از کم ایک دفعہ دین کی خدمت اور دعوت کے لئے اور خود اپنی ترقی اور تربیت کیلئے جماعتی نظام کے ساتھ سفر کیا کریں — ہم بس ان ہی دو چیزوں کی دعوت دیتے ہیں۔

اس کے بعد میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ اپنے ان اجتماعات میں اور اپنی جماعتوں کے ذریعہ ہم دین کی کن باتوں کی مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں — آپ جانتے ہیں کہ دین ایک وسیع سمندر ہے، اس میں عقائد بھی ہیں اور اعمال بھی، اور اخلاق بھی، پھر ایک ایک شعبے متعلق حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات سیکڑوں اور ہزاروں ہیں، اور ان میں سے ہر بات بلاشبہ دین کی بات ہے — تو ہم نے ان سب باتوں کی تفصیلی تبلیغ اور تعلیم اپنے ذمہ نہیں لی ہے — یعنی ہمارا طریقہ یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے اجتماعات میں یا سفروں میں دین کے سب احکام کی تبلیغ کرتے ہوں اور تمام اصول و فروع کی اور فرائض و عبادت اور عبادت اور کمزور بات کی قسمت بٹلاتے ہوں۔ نہ تو ہم میں سے ہر ایک کے پاس دین کا اتنا علم ہے اور نہ ہم عمومی اصلاح کے لئے اس طریقے کو صحیح اور مفید سمجھتے ہیں، اسلئے ہم نے بس چند بنیادی اور اصولی باتیں لے لی ہیں، ہم تعین طور سے دین کی تعلیمات میں سے بس ان ہی دو چار باتوں کی دعوت دیتے ہیں، اور ان ہی کا اپنے مسلمان بھائیوں سے مطالبہ کرتے ہیں۔

ان میں سب سے پہلی بات ہم مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے مسلمان ہونے کی حیثیت کو سمجھیں اور جس کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے یعنی ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ اس کو، اور اس کے معنی مطلب کو، اور اس کی حقیقت اور اس کے فیصلہ کو سمجھ کر وہ اس پر اپنا ایمان تازہ کریں، اور اس کو اپنی زندگی کی بنیاد بنائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اس کلمہ کے ماننے والوں اور پڑھنے والوں میں بہت کم ہیں جن کو اس کی حقیقت اور عظمت کا کچھ پتہ ہو گا۔ اس کلمہ کا پڑھنے والا دراصل دو بڑی اہم حقیقتوں کا اور اپنے متعلق دو بڑے معرکہ کے فیصلوں کا اقرار اور اعلان کرتا ہے۔

ایک یہ کہ اللہ کے سوا کسی کو معبود اور مالک نہیں مانتا، بس صرف اسی کو عبادت اور بندگی کے لائق سمجھتا ہوں، اس لئے اب میں منشر اسی کی عبادت اور بندگی کروں گا، اسی کے حکموں پر چلوں گا، اسی کو راضی رکھنے کی سکر رکھوں گا، اور اسی کے لئے جیوں گا اور مروں گا۔

اور دوسرے یہ کہ میں نے مان لیا اور یقین کر لیا کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پیچھے پیغمبر ہیں، ان کا لایا ہوا دین، اللہ کا اتارا ہوا دین ہے، اور ان کی لائی ہوئی شریعت اللہ کی مقرر کی ہوئی شریعت ہے، اور اب نجات اور اللہ کی رضا مندی صرف ان کی پیروی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، لہذا میں نے ان کے لائے ہوئے دین کو اور ان کی شریعت کو قبول کر لیا، اب میں ان کی شریعت پر چلوں گا، ان ہی کے طریقے پر چوں گا، اور ان ہی کے طریقے پر مروں گا۔

تو دراصل اس مختصر کلمہ کے ذریعہ ان دو بڑی حقیقتوں کا اقرار اور فیصلہ کیا جاتا ہے، اور یہی اقرار اور فیصلہ ہمارے دین کی بنیاد ہے۔

تو مسلمانوں میں ایمان اور ایمان والی زندگی پیدا کرنے کی کوشش کے سلسلہ میں پہلی بات ہم ان سے یہ کہتے ہیں کہ وہ اس کلمہ کی حقیقت اور عظمت اور اہمیت کو سمجھ کر ایمان تازہ کرنے کی نیت سے کثرت سے اس کو پڑھا کریں، اور اسی کو اپنی زندگی کا بنیادی اصول بنائیں۔ یہاں تک کہ اس کلمہ کی حقیقت ان کے دل میں بس جائے اور ان کا حال بن جائے۔

اس کے بعد دوسری یقین چیز جس کی ہم مسلمانوں کو اس سلسلہ میں دعوت دیتے ہیں، وہ ”اقامت صلوٰۃ“ ہے، یعنی اللہ و رسول کے حکم کے مطابق نماز کا خاص اہتمام کرنا، یعنی صرف نماز پڑھنا ہی نہیں، بلکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم کے مطابق نماز کو صحیح طور سے اور بہتر سے بہتر ادا کرنے کی کوشش کرنا۔ نماز کلمہ کے بعد دین کی دوسرے درجہ کی بنیاد ہے، بلکہ میرے کبھی بھی کہا کرتا ہوں کہ نماز گویا بڑا اور عملی کلمہ ہے، یعنی کلمہ کے ذریعہ مختصر لفظوں میں جس حقیقت کا اقرار اور اعلان کیا جاتا ہے، اور اللہ کی بندگی اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی والی جس زندگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے، نماز اسی کی ایک تفصیلی اور عملی شکل ہے۔ نماز میں شروع سے لے کر آخر تک جو کچھ پڑھا جاتا ہے، اور جو کچھ کیا جاتا ہے، اگر آپ اس سب پر اور اس کی خاص ترتیب پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ نماز کی نوعیت بالکل یہی ہے کہ وہ کلمہ کی تفصیل ہے

اور کلمہ والی زندگی کا ایک نمونہ ہے، یاوں کہنا چاہتے ہیں کہ اس کی شفیق کا ایک مقررہ نصاب ہے۔

بندہ جب نماز کی نیت کر کے کھڑا ہو جاتا ہے تو اُس وقت وہ اللہ کی بندگی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی مکمل تصویر بن جاتا ہے، اُس کا کھڑا ہونا اور بیٹھنا اللہ و رسول کے حکم سے ہوتا ہے، اُس کا جھکنا اور زمین پر گر جانا اللہ و رسول کے حکم سے ہوتا ہے، جس حالت میں اُسے ہاتھ باندھ کے کھڑے ہونے کا حکم ہے اُس حالت میں وہ ہاتھ باندھ کے کھڑا ہوتا ہے، اور جس حالت میں اسے ہاتھ چھوڑنے کا حکم ہے اُس وقت وہ ہاتھ چھوڑ کے ہی کھڑا ہوتا ہے، ایک رکعت میں ایک رکوع کا حکم ہے تو اگر اُس کا جی بھی دور کوں کرنے چاہے تو نہیں کرتا، اسی طرح سجدہ میں اُسے اگر زیادہ لذت ملے اور بجائے دو کے ایک رکعت میں ۳ یا ۴ سجدے کرنا چاہے تو نہیں کرتا، اور نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ نماز کے آخر میں جب اللہ کا اس کو حکم ہوتا ہے کہ اب اللہ سے مخاطب ہونے کے بجائے وہ اللہ کے بندوں کی طرف مخاطب ہو، اور اللہ کی تسبیح و تحمید اور دُرود کی بجائے وہ دائیں بائیں والے اپنے ساتھیوں کو سلام کرے تو وہ سب جوان و چڑا اس کی بھی اطاعت کرتا ہے۔ اسی طرح جب تک حکم ہوتا ہے کہ اپنے رُستہ کو تکرار ہی کی طرف رکھ، اور دائیں بائیں کی طرف نہ دیکھ، تو وہ اس کی پوری پابندی کرتا ہے لیکن جب حکم کے وقت حکم ہوتا ہے کہ اب اپنے چہرہ کا تکرار کی طرف سے موڑ کر دائیں طرف اور بائیں طرف پھیر، تو وہ بے چون چلا اس کی بھی تعمیل کرتا ہے۔

انفرض نماز اللہ کی بندگی والی اور رسول اللہ کی پیروی والی اُس زندگی کا پورا پورا نمونہ ہے جس کا اقرار اور اعلان کلمہ میں کیا جاتا ہے۔ گو نماز اچھی یہ لکھاتی ہے، اور اس کے ذریعہ دین میں کم از کم پانچ وقت اس کی توبہ بیت دی جاتی ہے کہ ہم اس دنیوی زندگی کو اس طرح گذاریں کہ ہمارا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، رکھنا سنا، سوچنا سمجھنا، بولنا چلنا، حتیٰ کہ مرنا جینا سب اللہ و رسول کے حکم اور قانون کے مطابق ہو۔

تو ایمان اور ایمان والی زندگی کو پسند کرنے کے لئے اور اس کو ترقی دینے کے لئے کلمہ طیبہ کے بعد دوسری چیز کی ہم دعوت دیتے ہیں وہ اقامت صلوٰۃ ہے، یعنی نماز ہے، اور دین کے ارکان میں سے تعین کے ساتھ نماز کی دعوت ہم اس کی اسی خصوصیت کی وجہ سے دیتے ہیں کہ کلمہ کی طرح وہ بھی ایمان اور ایمان والی زندگی کی خاص بنیاد ہے، اور جیسا کہ میں نے بتلایا، وہ گویا کلمہ کی تفصیلی اور عملی شکل ہے، اور کلمہ والی ایمانی زندگی پیدا کرنے کا ایک خاص نصاب اور ذریعہ ہے۔

ان دو چیزوں کے بعد تیسری بات ہم مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے کلمہ پڑھ کے جس زندگی کو قبول کیا ہے، اور جس کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے، یعنی اللہ کی بندگی والی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی والی زندگی، وہ اس کے سیکھنے کو اپنی زندگی کا جزو بنائیں، اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق بنانے کی کوشش کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے تھے، اور جس پر چلنے کا فیصلہ کلمہ پڑھ کے کیا جاتا ہے، اور دراصل زندگی کے اسی طریقہ کا نام اسلام ہے، وہ صرف مسلمان گھر میں پیدا ہو جانے سے آپ کے آپ

نہیں آجاتا، وہ تو جب ہی آتا ہے جب اُس کو جانا جائے، سیکھا جائے، اور اس کے مطابق چلا جائے۔
تو ہر مسلمان کو ہم یہی ساری بات کی دعوت دیتے ہیں کہ دین سیکھنے کو وہ اپنے لئے ضروری سمجھے، اور کھانے پینے کی طرح
یاد و اصلاح کی طرح اس کو بھی اپنی زندگی کی خاص ضرورت جانے، اور اسی کو اپنی زندگی بنانے کی فکر کرے۔

اس سے ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر شخص کسی عربی مدرسہ کا باقاعدہ طالب علم بن کر، اور دس بارہ سال اس میں پڑھ کر
پورا عالم فاضل بنے، بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کا، اور حلال حرام کا اتنا علم ضرور حاصل کرے جس کی
روشنی میں وہ اسلام والی زندگی گزار سکے۔ خواہ یہ علم مدرسہ میں پڑھ کر حاصل کیا جائے، خواہ کتابوں کے مطالعے سے اس میں
مدد لی جائے، خواہ دین جاننے والوں کے ساتھ رہ کر اُن کی صحبت سے اور اُن کی باتوں سے حاصل ہو جائے۔ اور سب کے آسان
اور عمومی طریقہ یہی آخری طریقہ ہے، یعنی یہ کہ دین جاننے والوں اور دین پر چلنے والوں کے ساتھ رہ کر دین سیکھا جائے، اس طریقے
ہر شخص بڑی آسانی سے دین سیکھ لیتا ہے، اور یہاں علم عمل کے ساتھ آتا ہے، اور اسی لئے بڑا بائیدار ہوتا ہے۔ ہماری تبلیغی جماعتوں میں
دین سیکھنے سکھانے کا جو کام ہوتا ہے وہ زیادہ تر اسی طریقے سے ہوتا ہے، اگرچہ جماعتوں میں کچھ کتابی درس بھی ہوتا ہے، لیکن ہم
اصلی تعلیم اسی کو سمجھتے ہیں جو عمل سے دی جاتی ہے، اور صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔

ہمارے علم میں ایسے بہت سے اللہ کے بندے ہیں جنہوں نے دین کا علم کسی مدرسہ میں پڑھ کر حاصل نہیں کیا، نہ وہ مطالعہ الہ
آدمی ہیں، بلکہ مزہ و رطب کے ہمارے بھائی ہیں، بس کبھی کبھی تبلیغی جماعتوں کے ساتھ سفروں میں جاتے رہتے ہیں اور اس کو انہوں نے
اپنی زندگی کے پروگرام میں داخل کر لیا ہے، اسی سے اُن کو اپنی ضرورت کے قابل دین آگیا ہے، پہلے انہیں اگر نماز پڑھنا
نہیں آتا تھا تو اب آگیا ہے، اگر اُن کی نمازوں میں غلطیاں تھیں تو انہوں نے اُن کی اصلاح کر لی ہے، اسی طرح دین کی دوسری
ضروری باتیں جو پہلے انہیں معلوم نہیں تھیں تب تبلیغی جماعتوں میں سلسل جاتے رہنے سے اور اس سلسلہ کے اجتماعات میں کس معرفت سے
الحمد للہ انہیں کچھ معلوم ہو گئی ہیں۔

اور اس راستے سے یعنی صحبت اور اجتماع و اختلاط کے ذریعے جو دین سیکھا جاتا ہے اُس میں یہی نہیں ہوتا کہ بس مسئلہ
معلوم ہو گیا، بلکہ اس میں علم عمل کے ساتھ آتا ہے، بلکہ اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ عمل کی کیفیات بھی ساتھ ہی آتی ہیں۔ اس کو
مثال سے یوں سمجھئے کہ کسی اچھے نماز پڑھنے والے بندہ کی صحبت سے جو شخص نماز سیکھے گا تو اس کا نتیجہ صرف یہی نہیں ہوگا کہ اُس کو
نماز پڑھنے کا طریقہ آجائے گا، بلکہ وہ نماز پڑھنے لگے گا، اور اچھی نماز پڑھنے لگے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
سے اسی آسان اور فطری طریقے سے دین سیکھا تھا، اسی وجہ سے اُن کا علم عمل کے ساتھ تھا، اور اُن کے اعمال میں حضور کے اعمال کی
کیفیات بھی آگئی تھیں۔ پھر یہ طریقہ بڑا سستا ہے، بلکہ کمنا چاہئے کہ بالکل خیر ہے۔ اس میں نہ فیس دینی پڑتی ہے،
نہ کتابوں کی قیمت کی فکر کرنی پڑتی ہے، نہ مدرسوں کے لئے عمارتیں بنوانی پڑتی ہیں، نہ اشاف کی تنخواہ کا سوال ہے، اور وقت بھی
مستقل نہیں دینا پڑتا۔ اگر مسلمان ہماری بات مان لیں، اور تبلیغی جماعتوں کے پروگرام اور طریقہ کے مطابق کچھ وقت گزارا وہ اپنی

زندگی کے پروگرام میں داخل کر لیں، تو بغیر کسی بڑے خرچ کے، اور بغیر کسی وسیع تعلیمی انتظام کے، انشاء اللہ عام مسلمانوں کو دین آسکتا ہے، اور ان کی زندگی دینی زندگی بن سکتی ہے۔

بہر حال کلمہ اور نماز کے بعد تیسری بات ہم مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ وہ اس کا فیصلہ کریں کہ انھیں دین پکھنا اور دین پر چلنا ہے، اور اپنی زندگی کو کلمہ والی زندگی اور نماز کے نمونہ کی زندگی بنانا ہے۔ اور میں بتلا چکا ہوں کہ ہمارے نزدیک اس کا آسان اور عمومی طریقہ یہ ہے کہ دین سیکھنے سکھانے کے لئے، اور دین کی دعوت پھیلانے اور اس کی تربیت حاصل کرنے کیلئے جماعتوں کی اور قافلوں کی شکل میں پھرنے کا رواج مسلمانوں میں عام ہو جائے۔

(اس کام میں، یعنی اپنی زندگی کو دینی زندگی بنانے میں جن چیزوں سے خاص مدد ملتی ہے ان میں ایک اللہ کے ذکر کی کثرت بھی ہے، اسلئے ہم اس سلسلہ میں اس کا بھی مشورہ دیتے ہیں۔)

چوتھی بات ہم مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ وہ ہماری ان تین باتوں کو قبول کرنے کے علاوہ اس کا بھی فیصلہ کریں کہ ان باتوں کو مسلمانوں میں عام کرنے کی کوشش کو بھی انھیں اپنی زندگی کا جزو بنانا ہے، اور اس کے لئے انھیں مختلف اور قربانیاں کرنا ہیں۔ پھر اس کوشش کی دو صورتیں ہیں، ایک انفرادی، دوسرے اجتماعی، پھر اس اجتماع کی بھی دو شکلیں ہیں، ایک اس مقصد کے لئے ہمارے اس اجتماع کے قسم کے دعوتی اجتماعات کا قائم کرنا، اور لوگوں کو ان اجتماعات میں لانے کی کوشش کرنا، جہاں انھیں تفصیل سے اس دعوت کو اور اس کے پروگرام کو سننے اور سمجھنے کا موقع ملے، اور دوسرے جماعتیں بنانا کہ اس مقصد کے لئے سفر کرنا، اور لوگوں کے پاس پہنچ پہنچ کے ان کو دین کی اور دین کے لئے کوشش کی دعوت دینا۔ یہ دونوں شکلیں اجتماعی کوشش کی ہیں۔ اور ہماری اس اجتماعی جدوجہد کے جس کو آپ حضرات تبلیغی تحریک کہتے ہیں ایسی دو بازو ہیں۔ لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ دین کی دعوت اور کوشش کی بس یہی دو صورتیں ہیں، یہ تو دراصل اجتماعی جدوجہد کی صورتیں ہیں، اور ان کا مقصد اس دینی جدوجہد کا امت میں ایک نظام قائم کرنا ہے۔ انفرادی کوششوں کا فائدہ ان کے علاوہ ہے اور اس کا کوئی متعین ضابطہ اور پروگرام نہیں ہے، اس کے لئے تو ہم ہر اُس مسلمان بھائی سے جو ہماری اس دینی دعوت کو ٹھیک سمجھتا ہے، بس یہ کہتے ہیں کہ وہ اس کو اپنی ذاتی دعوت بنالے، اور مکمل کیسے انفرادی طور پر بھی دین کی طرف دعوت کا کام کرتا رہے، اور اللہ کے بندوں کو دین کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش میں سرگرم رہے۔ گھر میں، محلہ میں، دفتر میں، کارخانہ میں، دکان پر، ہوٹل میں، غرض جہاں بھی اُس کا وقت گزرے، اور جب بھی اُسے مناسب موقع نظر آئے، وہ اپنے مسلمان بھائیوں میں دین کے لئے کوشش کرے۔

الغرض پہلی تین باتوں کے بعد چوتھی بات ہم مسلمانوں سے یہی کہتے ہیں کہ دوسرے مسلمان بھائیوں میں دین کی ان ضابطہ باتوں کی تبلیغ کے لئے اور ان میں دینی زندگی کو عام کرنے کے لئے اور دین کی اس جدوجہد پر ان کو بھی لگانے کے لئے وہ ان میں چل پھر کر کوشش کریں، جماعتوں کی شکل میں اور اجتماعات کی شکل میں اجتماعی کوشش بھی کریں، اور اپنے طور پر انفرادی

کو شیش بھی کریں، اور اس کو شیش کو اپنی زندگی کا جز بنالیں۔

دین کی جدوجہد اس امت کی روح حیات ہے، جب امت میں سے دین کے لئے جدوجہد کا رواج ختم ہوا، اس وقت سے امت کا عموم گویا ایک بے روح جسم ہو کر رہ گیا ہے۔ ہمیں اس کا پورا پورا یقین ہے کہ موجودہ حالات میں دین کی جدوجہد کے عام ہونے سے ہی اس امت میں نئی زندگی اور نئی روح آسکتی ہے، اسلئے ہم اس پر ہر چیز سے زیادہ زور دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ زمانہ عوامی دعوتوں اور تحریکوں کا ہے، اور اس دور میں وہ نظریہ اور زندگی کے وہ طریقے باقی نہیں رہ سکے جن کے لئے کوئی دعوت اور عمومی جدوجہد نہ ہو، اسلئے دین کی دعوت اور دینی زندگی کی جدوجہد کو ایک عمومی تحریک بنانے بغیر ہم اپنی موجودہ اسلامیات کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔

مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ دینی تحریکوں کے اس طوفانی زمانہ میں ہمارا اور ہماری نسلوں کا اسلام پر قائم رہنا اب بظاہر اسباب اسی پر موقوف ہے کہ دین کی دعوت اور جدوجہد کو ایک عوامی تحریک کی طرح مسلمانوں میں عام کر دیا جائے، اور ہر شخص کو دین کا داعی بنانے کی کوشش کی جائے، ہم بس یہی کرنا چاہتے ہیں، اور اس کے لئے ہمارے پاس یہی پروگرام ہے جو میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کیا۔

ہم مسلمانوں سے یہ نہیں کہتے کہ وہ ہمارے جھنڈے کے نیچے آجائیں، یا ہماری تنظیم میں داخل ہو جائیں، ہمارا کوئی جھنڈا اور کوئی نشان نہیں ہے، اور ہم نے کوئی جماعت نظم نہیں کی ہے، ہماری دعوت بس یہ ہے کہ حقیقی ایمان اپنے اندر پیدا کرو، دین کو اپنی زندگی بناؤ، اور دوسروں میں اس کے لئے جدوجہد کرو، اور اس راہ میں نقصانات اور تکلیفیں اٹھانے کے، اور قربانیاں کرنے کے انبیاءِ علیہم السلام کے طریقے کو پھر سے زندہ کرو۔ اللہ تعالیٰ اسی زندگی سے خوش ہے، اور اسی زندگی پر اُس کی طرف سے رحمت کے اور دنیا اور آخرت میں سرخروئی اور سرخرازی کے وعدے ہیں۔

دین کے واسطے جدوجہد کی ہماری اس دعوت کو اللہ کے جواب سے قبول کر لیں، تم ان سے دو تین باتیں اور بھی کہتے ہیں۔ ایک یہ کہ دوسروں میں دین کی کوشش خواہ اجتماعی ہو یا انفرادی، وہ ہمیشہ اس نیت کے اور اس یقین کے ساتھ کریں کہ یہ خود ان کی اپنی ضرورت ہے، اور اس میں خود ان کی دینی ترقی اور تربیت ہے، اور یہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، اور اگر قبول ہو جائے تو اس راستے کے ایک ایک قدم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے حساب ثواب ملنے والا ہے۔ اس کے کہنے کی ضرورت ایک تو اس لئے ہے کہ ہماری اس دنیا میں خاص ناصی اور دنیوی تحریکوں کے رواج اور غلبہ کی وجہ سے خود ہمارے ذہن اس قدر سمج ہو گئے ہیں کہ اس قسم کے کاموں میں اللہ کی رضا اور آخرت کے ثواب کے تصور کے بھی ہم عادی نہیں رہے، اور دوسرے یہ کہ دعوت و تبلیغ جیسے کاموں میں جاہ طلبی اور بڑا بننے کی خواہش کا بڑا خطرہ ہے۔ بہر حال اسلئے اس کی ضرورت ہے کہ اس کام کے کرنے والے اپنی نیت کو درست رکھنے کا اور اپنے ائمہ و اخصلاص پیدا کرنے کا خاص اہتمام کریں، اول اپنے دل کی نگرانی کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں

قبول ہونے کے لئے ہر کام میں اخلاص شرط ہے۔

تو دینی جدوجہد کی ہماری دعوت کو قبول کرنے والے اپنے بھائیوں سے ایک مات تو ہم یہ کہتے ہیں۔ اور دوسری بات اُن سے یہ کہتے ہیں کہ اس کام کی جسے اُن کے اندر ہرگز ہرگز اپنی بڑائی اور بالائی کا احساس نہ پیدا ہوا اور دوسرے بندوں کی تحقیر نہ ہو، نہ دل سے، نہ برتاؤ میں، ہر مسلمان کو ہم اپنا بھائی سمجھیں، اُس کی خیر خواہی اور ہمدردی، اور اُس کے ساتھ نیک لگائی اور خیر اندیشی کو اُس کا اپنے پر حق سمجھیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جس میں کچھ برائیاں اور کچھ خوبیاں نہ ہوں، ہمیں اپنی زندگی کا اصول یہ بنانا چاہئے کہ اپنی تو برائیوں کو ہم زیادہ دیکھیں، اور دوسروں میں ہم خوبیوں کی تلاش کریں، اور اُن کی قدر کریں۔

آج کل کی ہماری مصیبتوں میں سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی بہت سی خوبیوں کو دیکھنے کا عادی ہے، اور دوسروں میں اُس کو صرف برائیاں اور کوریاں نظر آتی ہیں، خود ہمارا حال یہ ہے کہ ہر کام میں ہم اپنے کو بے قصور اور دوسروں ہی کو قصور وار ثابت کرنا چاہتے ہیں، ہم کبھی اپنے پر لازم لینے کے لئے یا کسی کو سزا دلانے کے لئے سزا دلانے کا دوسرا ہی پلہ رکھنا چاہتے ہیں، اور اپنے وقار کی حفاظت کے لئے بسا اوقات دوسروں کو ذلیل کر دیتے ہیں، بلکہ دوسروں کی تحقیر اور تذلیل میں، اور اُن کی برائیوں کی تشہیر میں ہمیں لگت لگتی ہے۔ یہ چیز بڑی نملک اور تباہ کن ہے، اور دین کی جس جدوجہد کی ہم آپ کو دعوت دے رہے ہیں اُس کے لئے تو یہ ذہر ہے ذہر! اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی یہ چیز سخت بغض ہے۔ حدیث شریف میں ہے:-

”حسب امرہ من الشتران یحقرا خاۃ المسلم التقویٰ ھمھنا الذنوی ھمھنا“

التقویٰ ھمھنا «خدا تعالیٰ صلوات اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ بڑی بہت کافی

اور بہت بڑی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی تحقیر کرے یا اس کو حقیر سمجھے، تقویٰ دینی

وجہ سے آدمی اللہ کے نزدیک کریم اور محترم ہوتا ہے (وہ یہاں سینہ میں دل میں ٹھہرا ہوتا ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آخری بات تین دفعہ ارشاد فرمائی، اور ہر دفعہ اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ کسی شخص کو تقویٰ سے خالی سمجھ کر اس کی تحقیر کا تمہیں کوئی حق نہیں، کیونکہ تقویٰ سینہ کے

اور دل کے اندر کی چیز ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:-

”مسلمان کی آبرو ایسی ہی احترام کے قابل ہے جیسے کہ اللہ کا شہر مکہ، اور حج کا مقدس مینہ“

اور خاص حج کا مبارک اور محترم دن۔

بہر حال اللہ کے جو بندے دین کی یہ خدمت کریں اور دینی جدوجہد کی ہماری دعوت کو قبول کریں، اُن سے خصوصیت کی کیا ہماری گذارشیں یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ نیک لگائی، خیر خواہی، اور اکرام و احترام کو اور اُن کی تحقیر اور تذلیل سے بچنے کو

اپنا اصول بنائیں، دوسرے مسلمانوں کی عزت و اکبر کو اپنی عزت و اکبر کی طرح عزیز سمجھیں، اور اس کو اپنی مستقل عادت بنائیں دوسرے مسلمانوں کی تحقیر و تذلیل سے ہمیں ویسی ہی تکلیف ہونی چاہئے جیسی کہ اپنی تحقیر اور تذلیل سے ہوتی ہے۔ میں غیر کسی انکساری کے کہتا ہوں کہ یہ باتیں خود مجھے بھی پوری طرح حاصل نہیں ہیں، لیکن مجھے اور آپ کو یہ باتیں اپنے اندر پسند کرنی چاہئیں، اور ان کے لئے کوشش کرنی چاہئے، اور ان کے لحاظ سے جو کمی ہے اُس پر رونانا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا میں کرنی چاہئیں۔

اور سب سے آخری بات یہ ہے کہ اس دعوت اور اس جدوجہد کی مشکلات کے سلسلہ میں ہمیں اللہ کے ذکر کی اور دعا کی کثرت سے طاقت اور مدد حاصل کرنا چاہئے۔ اللہ کا ذکر روح کی اور دل کی طاقت ہے، اور دعا مومن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اگر ہم نے ذکر اور دعا کی، بہت کم کبھی نظر انداز کیا اور خدا بخواتمہ ہمارا یہ پہلو کم در ہو تو ہماری یہ تحریک اور خود ہم اللہ کی نظر سے رُجوا نہیں گئے۔ قل ما یحب ابکم ربی الذی لا دعاء کم۔

حضرات! بس یہ ہے ہماری دعوت، اور یہ ہیں ہمارے اس کام کے اصول اور یہ ہے ہماری اس تحریک کا پروگرام اور طریقہ کار۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ ہم نے اس کام کے لئے کوئی جماعت یا یمن قائم نہیں کی ہے، اس کام کے ساتھ خود ہمارے تعلق کی نوعیت بھی یہی ہے کہ اللہ کے کچھ بندوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ اس کام کو کر رہے ہیں اور دوسروں بھی کہتے ہیں کہ تم بھی اس کام کو اپنا کام بنا لو اور اپنی زندگی کے پروگرام میں اس کو داخل کرو، ہم نے ان کی دعوت پر اس کام کو دیکھا، اس کے نتائج کو دیکھا، پھر خود کر کے دیکھا، اور ہمیں اطمینان ہو گیا کہ یہ کام کرنے کا ہے اور اللہ درمحل کی مرضی کے مطابق ہے، اور اس کی راہ میں محنت اور قربانی کرنا اپنی زندگی کا اور ہماری قوتوں کا سب سے اچھا مصرف ہے، بس اللہ کی توفیق سے ہم نے یہ فیصلہ کر لیا اور جیسا کچھ ٹونا پھوٹا ہو رہا ہے کر لے ہیں۔ آپسے بھی ہم یہی کہتے ہیں کہ اس کام کو دیکھئے، سمجھئے، بقرہ کر لیتے، اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کا دل کھول دے تو اپنا کام سمجھ کے اپنے طور پر کیجئے، ہمارے ساتھ دامن باندھنے کی ضرورت نہیں۔ ہماری حیثیت بس اُن مؤذن کی ہے جو اذان دے کر اپنی طرف نہیں بلاتا، بلکہ اللہ کی طرف اور نماز کی طرف بلاتا ہے۔ ہاں ہمیں اسکی حرص ضرور ہے کہ اللہ کے زیادہ سے زیادہ بندے ہماری اس دعوت کو اور ہمارے اس مشورہ کو قبول کر لیں، اور جہاں تک ہو سکتا ہے ہم اس کی کوشش بھی کرتے ہیں، لیکن یہ اسلئے نہیں کہ ہم اپنا جتنہ بڑھانا چاہتے ہیں۔ میں بتلا چکا ہوں کہ ہم نے کوئی جتنہ بنایا ہی نہیں ہے، اور کوئی جماعت قائم بھی نہیں کی ہے، بلکہ ہماری یہ حرص اور کوشش صرف اسلئے ہے کہ ہم دینا ندرستی پہنچتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت میں ایمان لے آنا یا نئی زندگی پیدا کرنے اور عام کرنے کا اس وقت یہی سہل اور عوامی راستہ ہے، اور جتنے اللہ کے بندوں کو ہم اپنی کوششوں سے اس طرف لگا سکیں گے، اور پھر اس سلسلہ میں اللہ کو راہی کر دیو گے وہ جو کام کریں گے اور دین کے لئے جو جدوجہد کریں گے اُس کے اجر کے حصے سے اللہ تعالیٰ ہم کو بھی محروم نہ رکھیں گے۔ جیسی بات یہ ہے کہ اپنی ذات کے متعلق تو میں بالکل ایمان داری سے بغیر کسی انکساری کے کہتا ہوں کہ میرے اعمال بالکل بھروسہ کے

قابل نہیں ہیں، اسلئے اس کی کوشش کرتا ہوں کہ اللہ کے دو سر بندوں کو دین کی طرف اور دین کی خدمت کی طرف متوجہ کر دے۔ جب اس طرف متوجہ ہوں گے تو ان کے اعمال انشاء اللہ مجھ سے بہتر ہوں گے اور قابل قبول ہوں گے، اور انشاء اللہ ان کے طفیل میں اس گنہگار کا بیڑا بھی پار ہو جائے گا۔۔۔۔۔ بس یہ خود غرضی ہے جو ہم سے اور ہمارے دوستوں سے یہ کوشش کراتی ہے، اور اس راستہ میں کبھی بھی ہم اپنے دوستوں سے مہار بھی کر بیٹھتے ہیں جس سے ہمارے بہت سے احباب ہم نے سنا ہو کہ کبھی کبھی آزرہ بھی ہو جاتے ہیں۔

مجھے اُمید ہے کہ میری اس وقت کی اس گذارش سے آپ حضرات نے ہمارے کام اور ہماری دعوت کو، اور اس سلسلہ میں ہماری پوزیشن کو بھی کسی حد تک سمجھ لیا ہو گا۔ اور اب اس کا حق یہ ہے کہ آپ حضرات اس کام کے کرنے کا اور اس کو جزو زندگی بنانے کا فیصلہ فرمائیں۔ دین کی دعوت صرف سننے کے لئے نہیں ہوتی، اور وہ لوگ دین کی بڑی ناقدری اور خود اپنے پر بڑا ظلم کرتے ہیں جو دین کی باتوں کو صرف سن لیتے ہیں اور ان کا حق ادا کرنے کا فیصلہ نہیں کرتے۔

قرآن پاک میں ان خوش نصیب بندوں کو بشارت دی گئی ہے جو اچھی بات سن کر اس کو قبول کرتے ہیں، اور اپنا لیتے ہیں۔ ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ يٰۤسْمَعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ احْسَنَۤا وَلَئِنْ لَّذِيْنَ هٰدٰ اٰمَرَ اللّٰهَ وَآلِیْہِمْ

ہم راہِ اولیاء لباب :-

”ملفوظات“

حضرت مولانا محمد الیاسؒ

مؤید شمس :- (مولانا محمد منظور نعمانی)

آج مولانا مرحوم اس دنیا میں نہیں ہیں، لیکن اگر کوئی انہیں جانتا اور ان کی باتیں اور چارائیں سنا چاہے، تو حضرت مرحوم کے اس ثبوت

”ملفوظات“

کا مطالعہ کر لے۔ جو دین کے حقائق و معارف کا عجیب و غریب گنجینہ ہے۔ اس سے مولانا مرحوم کی دینی دعوت کی روح و حقیقت، اس کے اصول و مقاصد اور آداب و لوازم، اور اس کی گہرائیاں بھی معلوم ہوں گی، اور یہ بھی اعزاز ہو گا کہ فقہ فی الدین اور معرفت و یقین میں مولانا کا مقام کتنا بلند تھا اور اللہ تعالیٰ نے دین کے ایسے حقائق و معارف ان کے قلب پر کشاف فرمائیے تھے، اور انہیں علم کے امرائن کی مولانا نے کتنی صحیح تشخیص کی تھی، حقیقت شناسوں کی نظر میں اس مجموعہ کا ایک ایک ملفوظ ایسا ہے جس پر ہر کاتب قرآن کی جا سکتی ہیں۔ کاغذِ محمدہ - کھائی چھائی دیرہ ریل - قیمت مجلد عمار

حضرت مولانا محمد الیاسؒ

اور ان کی دینی دعوت

تالیف :- (مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی)

اس دور کے مشہور مبلغ اور عارف حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے نام سے چھپنے ملک کے باخبر حضرات عام طور سے واقف ہیں، یہ کتاب درہل مولانا مرحوم کی سوانح حیات ہے جس میں ان کے ذاتی حالات اور سوانح کے علاوہ انکی مشہور دینی و اصلاحی دعوت کو بھی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے، جو بلاشبہ اس دور کی نہایت وسیع اور گہری دینی و اصلاحی تحریک ہے۔ اس دعوت و تحریک کے یہ نظریات و اصول اور اس کی ارتقا کی منزلوں کو جس تحقیق و ترقی کے ساتھ بہترین علمی و فوٹوگرافی زبان میں اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے وہ اس کے عزم و توفیق ہی کا حصہ ہے۔۔۔۔۔ شروء میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ کا جو مقدمہ ہے جس میں کتاب و سنت کی روشنی میں انبیاء کے اصول و دعوت کی تشریح کر کے دکھایا گیا ہے کہ اس دینی تحریک کو اسوۂ انبیاء سے کس درجہ مطابقت ہے۔

کاغذ نفیس صفحات ۳۲۸ - کتاب طبعات علی قیمت ۴۸

رُوحَانِیَّت!

ان
(شفیق صدیقی جونیئر)

جیسا چمکے جو سجدوں کے نشاں سے
نگاہِ مردِ نمون کے اشارے
طلوعِ صبحِ نو کا منتظر ہوں
مہ و خورشید سے اکتا گیا ہوں
مرتب کر لے آزادی کے لمحے
مجاہد کی دُعا میں اللہ اللہ
وہ دل کی روشنی از فرش تا عرش
جنوں کی سرِ باری کہاں تک
ذرا پھر اٹھ کے بن غازی کے جھونکے
بہادر بنی بیاں اللہ اکبر
کیسے سلبی کہیں عذرا کی محل
وہ چلنا ایسے مشکیزہ سرِ دوش
زہے بے شمع نیچوں کی تجلی

جھکیں قدموں پہ تائے آسماں سے
پلٹ دیتے ہیں تقدیروں کے پانے
سمجھ لوں گا زمین و آسماں سے
نئی شام و سحر لاؤں کہاں سے
شہیدوں کی حیاتِ جاوداں سے
اُتر آتی ہیں فوجیں آسماں سے
حجابات اُٹھ گئے تھے دریاں سے
قلندر کام لے قلبِ تپساں سے
گلے مل جائیں گردِ کارواں سے
سلحِ حُن بھی تیر و کہاں سے
وہ منزل کے تقاضے سارِ باں سے
زمینِ گلشنِ جبینِ خونی چکاں سے
اُجالا آتشِ سوزِ نہاں سے

خوشا و قتیقہ پھر ایسی ہو محفل
سہی ہو خوش نگاہانِ جہاں سے

تعارف و تبصرہ

(از۔ مولانا محمد اسحق صاحب سندیلوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کھنؤ)

”اسلام کے معاشی نظریے“
جناب دوسف الدین صاحب ایم اے ڈی (ایچ ایچ ڈی)۔

سائز ۲۴ × ۲۶ ڈیڑھ انچ عریض۔ قیمت :- غیر مجلد ۱۰/- مجلد ۱۲/-

کتابت و طباعت نفیست

ملنے کا پتہ :- ہتم دفتر ہفتہ وار ”الاسلامی“ نظام شاہی روڈ حیدر آباد دکن

عالم پر ایک دور ”عقل معاد“ کی ترقی کا گذر ہے، اُس دور میں زندگی کی قیمت ”معادی“ نقطہ نظر سے لگائی جاتی تھی، اس کے لئے راستہ منتخب کیا جاتا تھا، جو ”آخرت“ کی بھلائی تک پہنچائے، انتخاب میں غلطی ہونا دوسری بات ہے، لیکن مجموعی طور پر نوع انسانی کی ذہنیت ہی تھی، اور مذہب و ادیان کو پرکھنے کے لئے یہی کسوٹی تھی۔ زمانہ بدلا، ”عقل معاد“ بوزھ ہوئی اور ”عقل معاش“ نے دور شباب میں قدم رکھا، اور ظالم نے اس ناتواں کو اس طرح پامال کیا، کہ غریب کا ٹھکانا صرف اُن ”غریب“ کے دماغوں میں رہ گیا جو دنیا میں بہت قلیل اور اس کے ساتھ بالکل اجنبی، پست اور پسماندہ سمجھے جاتے ہیں۔

عقل معاش کے اس دور میں دین و مذہب کا معیار ہی بدل گیا، پہلے کسی دین کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ اس کے بنیادی عقائد و اصول کی بناء پر کیا جاتا تھا، اب سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ انسان کے معاشی و اجتماعی مشکلات کا کیا حل پیش کرتا ہے، یہ معیار نہ عقلاً صحیح ہے اور نہ اسلامی تعلیمات اسے صحیح قرار دیتی ہیں، لیکن بہرکیت یہ ایک واقعہ ہے، خواہ کتنا ہی مضحکہ خیز واقعہ کیوں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ سے انسان کا تعلق کمزور کرنے میں غالباً یہود کا حصہ غالب رہا ہے، اسلئے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ انسانی ذہنیت کی اس پستی میں یہی مضبوط اُمت کا اثر ہو، جس نے ”میں دسلووی“ کی آسمانی غذا چھوڑ کر غلہ و ترکاری وغیرہ ارضی ذرائع معاشی غذاؤں کی تمنا کی تھی، اُن کی اس پست ذہنیت کے جراثیم یورپ پہنچے، اور اس کے ذریعے سے یہ مرض سارے عالم میں پھیل گیا۔

اس مرض کا علاج یہ ہے کہ اس میار کی غلطی واضح کی جائے اور مذاہب کے اس نئے پیمانہ کو توڑ پھوڑ کر پھینک دیا جائے، مگر مرض کا مادہ اس قدر گہرائی میں پہنچ چکا ہے کہ انسانوں کی غالب اکثریت اس آپریشن کی تاب نہیں لاسکتی، اب ڈوہی رستے ہیں پنہلا یہ ہے کہ انسانیت کی اس ذہنی بیماری سے چشم پوشی کی جائے اور اس کی دائمی ہلاکت کا تماشہ محض ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھا جائے، اور دوسرا یہ ہے کہ اس کا کوئی اور علاج دریافت کیا جائے۔

عقل عاجز کا ذکر ہی فضول ہے، علاج مل سکتا ہے تو اللہ کے دین ہی میں مل سکتا ہے، وہ اللہ جو حکیم و عظیم ہے، جو ارحم الراحمین ہے، جو ایوسی کو امید، ناکامی کو کامیابی اور موت کو زندگی سے بدلنے والا ہے، اس کا آخری دین جو قیامت تک کے لئے ہے، اور جو ہر مرض روحانی کا علاج شافی اور ہر ہر کا تریاق ہے اس بیماری کے علاج سے کس طرح پہلوی کر سکتا ہے؟۔

ادیان عالم میں اسلام ہی وہ دین ہے جس نے "معاش" کو بھی حسن معاد کا ذریعہ بنا دیا ہے، جو کانٹوں کو پھول، لوہے کو سونا، پتھر کو ہیرا، حجاب کو آئینہ اور ظلمت کو روشنی بنا دیتا ہے، اس کی شان یہ ہے۔

زفر کو تابقتدم ہر کجا کہ می نگر

کر شمر دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

اسلام کا مقصد بندے کو اللہ سے ملانا اور اسے دائمی وابدی راحت و آسائش دلانا ہے، مگر اس عالم کلفت میں بھی وہ انسان کی راحت کا سامان کر دیتا ہے، اور اس کی اس قدر رعایت کرتا ہے کہ وہ خود نہیں کر سکتا، وہ انسان پر خود انسان زیادہ شفیق ہے، اور کیوں نہ ہو؟ ارحم الراحمین کا بھیجا ہوا اور رحمت للعالمین کا لایا ہوا دین ہے، اس کی شان یہی ہونا چاہئے۔ تن اور ہیٹ کے مطالبات، مصائب عالم کی بنیاد اور مشاہدہ حق کے لئے آہنی حجابات ہیں، لیکن شریعت اسلام کا اعجاز و کیمیا کہ اس نے ایسے طریقوں کی تعلیم دی ہے جن پر عمل کرنے سے یہ مصیبتیں مبدل بہ راحت ہو سکتی ہیں، اور یہی حجابات مشاہدہ حق کے لئے آئینہ بن جاتے ہیں، اور اگر عقل و شعور سے ذرا بھی کام لیا جائے تو ایک "عبدالطن" بھی اس راستے سے "عبد اللہ" بن سکتا ہے۔

اسلام میں سب کچھ موجود ہے، لیکن یہ فریضہ تو اس کے حلقہ گوشوں کا ہے کہ اسے دنیا کے سامنے پیش کریں "بطینیت" کے اس دور میں اس کی بڑی سخت ضرورت ہے کہ اسلام کے اس پہلو کو بے نقاب کیا جائے "گرفنا بطن" دنیا کو اس راستے سے "باطن" کی طرف بلایا جائے، اور انھیں بتایا جائے کہ تمہارے معاشی مصائب و مشکلات کا مکمل حل بھی اسی "معادی" راستے پر چلنے سے ہو سکتا ہے جس کا نام اسلام ہے۔

زیر نظر کتاب اسی فریضہ کو ادا کرنے کی ایک کامیاب کوشش ہے، اگرچہ اس موضوع پر اس سے پیشتر بھی لکھا جا چکا لیکن جہاں تک راقم الحروف کو علم ہے، کم از کم اردو میں اب تک جتنی کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں یہ کتاب ان سب سے بہتر و

عام طریق پر فاضل مؤلف نے اسی پوری تفصیل کو فن کے مشہور عنوانات پیدائش دولت تقسیم، تبادلہ تنظیم، صرف، مالیات کے ماتحت بیان کیا ہے، ہر باب نہایت مفصل مدلل متفقانہ اور قابل دید ہے۔

ہر باب میں فاضل مؤلف نے علم کلام اور فقہ دونوں کو پہلو بہ پہلو جگہ دی ہے، اور ہر ایک طرف ایک نصف مزاج عظیم جوئے صحت کے لئے کشش و تاثر کا سامان دیا گیا ہے وہاں دوسری طرف ایک مسلم تشنہ علم احکام کے لئے مسائل معاش کا بھی دو فر ذخیرہ فراہم کر دیا ہے، اور وہ مسائل و احکام جن کی تلاش و جستجو میں نہ جانے کتنی کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑتی ہو فاضل مؤلف کی عنایت سے یکجا دیکھے جاسکتے ہیں۔ گویا کتاب دو ابھی ہو، غذا ابھی، اور ”زنگ و بو“ دونوں کی جامع ہونے کے لحاظ سے اس شعر کی مصداق ہے۔

بہار عالم حشش دل و جاں تازہ می دارد

برنگ ارباب صورت را، ہو ارباب حسنی را

ہاں ”نسیان“ خاصہ انسان ہے، اس کا صدر و جناب مؤلف سے اس آیت کی تفسیر میں ہوا ہے۔

ولا تنس نصیحت من الله نیا اور اپنا حصہ دنیا سے (لینا) نہ بھول۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا سے آخرت کے لئے جو حصہ لینا چاہئے اُسے نہ بھول، یعنی دنیا کو مزرعۃ الآخرة بنا، اور اُسے مقفول نہ کر۔ لیکن فاضل مؤلف نے اس کا یہ مفہوم سمجھا ہے کہ آیت میں دنیا کمانے کی ترغیب دیکھی ہے، یہ مطلب سیاق و سباق آیت کے بالکل خلاف ہے۔

اسی طرح فاضل مؤلف کا یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے، کہ۔

”لیکن قرآن پاک جس مذہب کو پیش کرتا ہے وہ کھلے نغظوں میں اپنے ماننے والوں پر یہ فیض

عائد کرتا ہے کہ زمین اور زمین میں جو کچھ ہے جب تک اس کی ہر ہر چیز کے متعلق یہ نہ ثابت

کر لیں، کہ وہ انسان کی کس ضرورت میں کام آتی ہے اُن کی اسسانی کتاب کی تفسیر

مکمل نہیں ہو سکتی۔“

قرآن مجید کی تفسیر ہرگز اس چیز پر موقوف نہیں ہے کہ اشیاء کے خواص و منافع کو معلوم کیا جائے، اگر یہ صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ صحابہ کرام نے قرآن مجید کو سمجھا ہی نہیں، حالانکہ یقیناً گروہ صحابہ اعلم امتہ کتاب اللہ تھا۔

علاوہ بریں قرآن مجید اور اس کے لائے ہوئے دین کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ انسان کو دنیا کمانے میں لگا دے، اس نے دنیاوی منافع حاصل کرنے کی اجازت ضرور دی ہے، بلکہ بعض صورتوں میں انھیں واجب بھی قرار دیا ہے، لیکن اس کا اصل مقصد ان کی تعلیم و ترغیب نہیں ہے، بلکہ وہ تخلیق انسانی کا اصل مقصد عبادت الہی کو قرار دیتا ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون میں نے انسانوں اور جنوں کو محض بنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہو!

ضمناً وہ انسان کے لئے دنیاوی منافع کا سامان بھی مہیا کر دیتا ہے، اگرچہ یہ ضمنی سامان بھی ایسا ہے جس کا عشر عشر بھی وہ لوگ نہیں حاصل کر سکتے جنہوں نے اس دنیاوی زندگی اور اس کی منفعتوں و لذتوں ہی کو اپنا مقصد و نظر بنالیا ہے۔ مگر کسی حال میں بھی اسلام انہیں مقصود نہیں قرار دیتا ہے، بلکہ ان میں انہماک سے باصرار منع کرتا ہے۔

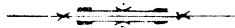
اسی طرح جلد دوم کے صفحہ ۳۸ پر منقولہ احادیث سے جناب مؤلف نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ ان احادیث سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ مزدور کو اجرت کے علاوہ منافع میں بھی شریک کرنا بہتر ہے، لیکن یہ نہیں نکلتا کہ:

”مزدور کو اجرت دینے کے علاوہ منافع میں بھی شریک کرنا چاہئے۔“

لفظ ”چاہئے“ سے بظاہر قانونی وجوب سمجھ میں آتا ہے، لیکن اگر استحباب و فضیلت کا درجہ دیا تو خواتین کا قول بالکل صحیح ہے۔

جلد ۲ صفحہ ۴۱ پر جناب مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کا نظریہ ”مبادلہ میں قربانی“ معاشی نقطہ نظر سے غلط نظر ہے، یہاں تک کہ جناب ممدوح کی پیش کردہ مثالوں پر بھی منطبق نہیں ہے۔ عموماً اس قسم کے معاوضات مطالبات فرسودگی شامل ہوتے ہیں۔

لیکن اس قسم کی چند فردگند اشتیاس کتاب کی بلند پایگی اور افادیت پر کوئی اثر نہیں ڈالتی ہیں۔ کتاب اعلیٰ درجہ کی تحقیقاتی - بالیف ہے، اور ہم علماء کو کام سے بھی اس کے مطالعہ کی سفارش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

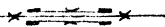


(مشک کا بقیہ) میرا حال یہ ہے جس کو میرے حالات کے واقفیت رکھنے والے سب دوست جانتے ہیں کہ جماعت اسلامی کے مخالفین معلقوں میں جب اس موضوع پر بات کرنے کی نوبت آتی ہے اور جماعت کے بارہ میں ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ یا تعدیوں اور بے انصافیوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے (جس کو میں دینامہ اپنے پر حق سمجھتا ہوں) تو وہ حضرات مجھے جماعت اسلامی کا دشمن سمجھتے ہیں اور معلوم ہوا کہ ان میں سے بعض کے نزدیک تو میں ”۵۰ فیصدی سے زیادہ مودود یا“ ہوں۔ اور جب میں جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے کسی ایسے صاحب گفتگو کرتا ہوں جن کے رویہ میں مجھے غلو محسوس ہوتا ہے تو مجھے اندازہ ہوا ہے کہ وہ مجھے جماعت کے ”خاص مخالفین“ میں سے اور زیادہ خطرناک دشمن سمجھتے ہیں۔ بعض اوقات اپنے اس حال پر مشہور محدث حافظ عبد الرحمن بن بلکہ کی سرگزشت یاد آجاتی ہے جو علامہ مشاطی نے ”الاتصاف“ کے مقدمہ میں ان ہی کے الفاظ میں نقل کی ہے۔ نیز کبھی بھی ایسے موقعوں کہ حضرت مجدد اہل ثانی کا یہ ارشاد بھی زبان پر آجاتا ہے۔ ”چکہ ہم ایشان چنانہ و ما ضمیمہ یارب! و الحمد للہ علی کل حال۔“

والسلام

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ



مولنا امین احسن صلاحی

بنام محمد منظور نعمانی

”پچھلے جینے کے افرقان میں مولنا امین احسن صاحبِ صلاحی کے مضمون کے متعلق جو کچھ اس عاجز نے لکھا تھا مولنا موصوف نے اُس کو ملاحظہ فرما کر ایک خط اس ناچیز کے نام لکھا، میرے اور مولنا کے بہت دوستوں کا، بلکہ افرقان کے عام ناظرین کا بھی حق ہے کہ مولنا کا وہ عنایت نامہ اور اُس کے جواب میں میرا عرضہ اُن کے علمی علم میں آجائے، اسی لئے دونوں خط ذیل میں بالترتیب شائع کئے جاتے ہیں۔

— اُس اللہ کا شکر ہے جس نے ”تَوْفِيقًا مِّنَیْ قُلُوْبِهِمْ وَفِیْ غَلَبِ“ کی نعمت سے اس دنیا میں بھی نوازا۔

برادرِ کرم و معتمد! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ابھی ابھی ایک دوست نے ”لغنت“ کا تازہ پرچہ لاکے دیا، آپ نے میرے جواب پر جو نوٹ لکھا ہے میں نے اُس کو پڑھا، اور اُس میں آپ نے جو شکوہ کیا ہے اُس سے بہت متاثر ہوا۔

میں اس کے متعلق اپنے خیالات آپ کو تفصیل سے لکھتا، لیکن اس وقت میں سفر کے لئے بالکل پابرجا نہیں ہوں اور کوئی تفصیلی خط لکھنے یا لکھانے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ اس رواروی میں صرف اس قدر عرض کر سکتا ہوں کہ مجھے آپ کے جتنی کچھ بھی بدگمانی ہوئی ہے وہ اُس مضمون کے بعد سے ہوئی ہے جو آپ نے فتوؤں کے سلسلے میں لکھا ہے۔ اُس سے پہلے میرے دل میں آپ کے خلاف کوئی بدگمانی نہیں تھی، اور یہ بدگمانی بھی جو ہوئی تو میں عین کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ کے مضمون کے سبب ہوئی۔ اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے آپ کے مضمون کو سمجھا نہیں، یا یہ کہ آپ نے اپنا مضمون صحیح طور پر لکھا نہیں۔ بہر حال اب میں آپ کے اس تازہ مضمون کے بعد اس بات کو کسی طرح سے جائز نہیں سمجھتا کہ آپ کے بدگمانیوں، اسلئے میں آپ پر یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اب میرا دل آپ کے مجھرا شہادت ہے، اور میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ بھی میرے تمام الفاظ کی تائید کو فراموش اور مجھے معاف کر کے مجھے اپنے دل کو صاف کر لیں۔ اب میرے اور آپ کے درمیان جو اختلاف ہے وہ محض اصولی ہے۔ براہِ کرم آپ اپنے اور میرے دونوں کے مضمون کو دوبارہ پڑھ کر تفصیل کیساتھ یہ بتائیں کہ آپ نے جو باتیں لکھی ہیں اُن کا اصلی مطلب کیا ہے؟ اور میں نے اُن کے مضمرات کھولنے میں کیا غلطی کی ہے؟ میں یہ اسلئے لکھ رہا ہوں کہ میں آپ کے مشوروں کا مطلب سمجھنا چاہتا ہوں۔ یوں تو میں ایک ایک چیز کے متعلق آپ کی صحیح توجیہ معلوم کرنا چاہتا ہوں لیکن خصوصیت کیساتھ اُن باتوں کی تو ضرور وضاحت فرمائیے جن کی نسبت آپ نے خاص طور پر شکایت کی ہے کہ میں نے اُن کا مطلب آپ کے منشاء کے بالکل خلاف

سمجھا ہے یعنی — (۱) اگر اہل علم سے آپ کی کیا مراد ہے؟ — (۲) مولانا مودودی کی تصنیفات اور جماعت اسلامی کے لٹریچر کی نظر ثانی سے متعلق آپ کی تجویز کا اصل منشاء کیا ہے؟ — (۳) ”تجلی“ کے مضمون کی کن باتوں سے متعلق جماعت کے ذمہ داروں کے پوزیشن کی آپ وضاحت چاہتے ہیں؟ —

مجھے اُمید ہے کہ آپ یہ اور اس طرح کے دوسرے تمام مسائل کو جو میرے اور آپ کے درمیان زیر بحث آئے ہیں (اور آپ کا خیال ہو کہ میں نے ان کے بارے میں آپ کا منشاء سمجھنے میں غلطیاں کی ہیں) از سر نو واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہمارا مقصد صرف اس طویل مضمون کے لکھنے سے بحث کو اس طرح سے ختم کر دینا نہیں تھا، بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ اگر کوئی مفید مشورہ ملے تو ہم اسے فائدہ اٹھائیں۔

مجھے اُمید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

امین احسن اصلاحی

بقلم: بغلیل حامدی — ۷ جنوری ۱۹۵۲ء

محمد منظور نعمانی: — بحمد مولانا امین احسن اصلاحی

محرم بھائی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ موصول ہوا، اُس اللہ کا شکر ہے جس نے آپ کے دل کو میری طرف صاف کیا، واقعہ یہ ہے کہ مجھے اس سے بڑا بچہ اونٹن تھا کہ ایک دوسرے کو اتنا جاننے کے باوجود نہایت اور ارادہ کے بارے میں ہم باہم اتنے بدگمان ہو جائیں — اللہ آپ کو ہر رنج و گفت سے محفوظ رکھے، اپنے یہ خط لکھ کر میرے دل کی بڑی تکلیف دور کر دی — میں تو یہ خیال کر بیٹھا تھا کہ اتنی سخت قسم کی بدگمانیاں آسانی سے اور جلدی دور نہ ہو سکیں گی، اسی لئے اس سلسلہ میں میں نے آپ کو کوئی نئی خط نہیں لکھا، ہاں یہ ارادہ تھا کہ جب یہ قضیہ اس طرح ختم ہو جائے گا کہ نہ آپ کو میرے کسی ”جواب“ کا انتظار رہے گا اور نہ مجھے آپ کے کسی ”جواب“ کا، اس وقت میں آپ کے کچھ نئی طور پر بھی عرض کر دینا لیکن الحمد للہ آپ کے اس عنایت نامہ نے میرے اس ارادہ کو غلط کر دیا اور مجھے خوشی ہے کہ وہ غلط ہو گیا۔

اب میں اس سلسلہ کے بعض احساسات سے تکلف عرض کرنا چاہتا ہوں — ”ترجمان“ میں آپ کا جواب پڑھ کر اپنے مضمون کے متعلق میری رائے صرف یہ ہوئی تھی کہ مجھے اپنی بات آپ حضرات کے جس طرح کہنی چاہئے تھی اس طرح میں کہہ نہیں سکا، اس لئے اس کا جو رد عمل ہوا، اور آپ نے جس انداز میں اس کا جواب دیا اس کی بہت کچھ ذمہ داری میری اس تقصیر پر بھی ہے — لیکن پچھلے ہفتہ ”زندگی“ میں اپنے مضمون پر جب مولانا ابوالیث صاحب کا تبصرہ پڑھا تو میری رائے یہ ہو گئی کہ سرے سے اس مضمون کا لکھنا ہی غلط ہوا، جب کبھی بھی موقع میسر ہوتا یہ باتیں آپ حضرات کے مجھے زبانی ہی عرض کرنی چاہئے تھیں — اس واقعہ سے پھر اس کا تازہ تجربہ ہوا کہ قلم سے لکھے ہوئے الفاظ آدمی کی پوری قائم مقامی اور اُس کے دل کی صحیح ترجمانی خاص کر قسم کے نازک مقامات میں نہیں کر سکتے۔ مجھے

ہندوستان اور پاکستان
سٹاکچندہ :- ص
فی کاپی :- ۸

انفوسان لکھنؤ

غیر مالک
سٹاک :- ۱۲ شلنگ
فی کاپی :- گیارہ آنے

جلد (۱۹) بابتہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ نمبر (۵) ابر

صفحہ	لکھنے والے	مضامین	غیر شہادہ
۲	عقیق الرحمن سنہلی	نگاہ اولیں	۱
۵	مدیر	معارف الاسادیت	۲
۱۰	"	جوانی زندگی اور ایمانی زندگی! (تقریر)	۳
۱۸	مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی	دینی دعوت تحریک کے ذمہ اوروں کی خدمت میں!	۴
۲۵	" مناظر احسن گیلانی	دجالی فتنہ اور سورہ کف	۵
۳۵	" محمد اولیں ندوی نگرانی	کچھ ابن تیمیہ کے متعلق	۶
۳۹	ادارہ	انتخاب	۷
۴۴	ع - س	تعارف و تبصرہ	۸

سُرخ پینسل کا نشان! اس بات کی علامت ہے کہ جناب کی مدتِ خریداری اسٹاک پر ختم ہو گئی ہے، لہذا اپنا چندہ برائے ایک سال مبلغ (شہر) بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر مشکوٰۃ فرمائیے اگر ۵ مارچ ۱۹۵۲ء تک جناب کا چندہ وصول نہ ہوا، اور نہ کوئی اطلاع آئی، تو اگلا پرچہ دہی، پی بھیجا جائے گا، جس کا وصول کرنا جناب کا اخلاقی فریضہ ہوگا۔ پاکستان کے حضرات اپنا چندہ "حسبِ قول" جناب حاجی عبد الجبار صاحب ایس، ایس، اینڈ جی فضل الہی کمپنی ساؤتھ نیپیر روڈ کراچی پاکستان کے قتبہ پر ارسال فرما کر رسید ہمارے پاس ارسال فرمادیں، اگر آپ کے چندہ کی اطلاع ۵ مارچ ۱۹۵۲ء تک موصول نہیں ہوئی، تو "ادارہ اصلاح و تبلیغ" لاہور سے آپ کی خدمت میں "الفرقان" بذریعہ دہی، پی ارسال کیا جائے گا۔ والسلام۔

ناظم - الفرقان - لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان گوئن وڈ لکھنؤ سے شائع کیا

باسمہ سبحانہ

سہ ماہ و سلا

نگاہِ اولیں

ہمارے صوبہ کے وزیر تعلیم سپورنا مندرجی نے حالیہ انتخابات کے سلسلے میں مسلمانان ہند کے رویہ کے متعلق جو بیان دیا ہے اُس پر سطر پریس کا تبصرہ آپ پڑھ چکے ہیں، اُس تبصرے میں پُر زور طریقے پر اس بیان کو غلط اور ایک سفید جھوٹ قرار دیا گیا ہے، اور دلائل کی روشنی میں اس حقیقت کو ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے عام طور پر کانگریس کا ساتھ دیا ہے اور اس کے امیدواروں کو کامیاب بنانے میں بڑا حصہ انھیں کا ہے۔

یہ بات اپنی جگہ پر بالکل سچ اور واجب التسلیم ہے، لیکن ہم اسی بات کو دہرانے کے بجائے ان صفحات میں ایک دوسرے انداز سے اس بیان کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

سپورنا مندرجی پہلے تو اس بات پر اظہارِ ناراضی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے بہت سی جگہوں پر کانگریس کے بجائے کیونسٹوں کی مدد کی، لیکن پھر اگلا ہی جملہ ایسا کہتے ہیں کہ جس سے اُن کا یہ اعتراض بالکل بھل اور لغو ٹھہرتا ہے، یعنی ان کا یہ فرمانا کہ ”اُن کو اظہارِ رائے کی آزادی ہے“ چنانچہ اپنی اس غلطی کو محسوس کر کے وہ جینیزا بدلتے ہیں اور فرماتے ہیں:۔

”لیکن جہاں انھوں نے ایک طرف کانگریس کو نیچے گرانے کا کام کیا ہے وہاں دوسری طرف انھوں نے مسلمان امیدواروں کی مدد کی، اس سے اُن کے رویہ پر شک ہونا ایک قدرتی بات ہے، مگر اس کی مسلم لیگ کے کارناموں نے اس شک کو اور بھی بڑھا دیا ہے، یہ شک ہی نہیں بلکہ کافی خطرے کی بات ہے۔ وہ مسلمانوں کے بارے میں جو بے ہمتاوی سوچ گئی تھی وہ جگہ جگہ پھر سے جاگ گئی ہے۔“

وہ فرماتے ہیں: ”دوسری طرف انھوں نے مسلمان امیدواروں کی مدد کی، مگر کیا اُن سے دریافت کیا جاسکتا ہے کہ کون سے مسلمان امیدواروں کی مدد کی، آزاد امیدواروں، سوشلسٹ پارٹی، باکے ایم پی پی کے امیدواروں کی، یا کانگریس کے امیدواروں کی؟۔ یوپی، وہار جیسے صوبے جن میں مسلمانوں کے ووٹ کوئی فیصلہ کن اثر ڈال سکتے تھے، ان صوبوں میں کتنے آزاد مسلمان امیدوار کامیاب ہوئے، کتنے کانگریس کی مخالفت پارٹیوں کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے اور کتنے کانگریس کے ٹکٹ پر۔؟ ہم سمجھتے ہیں کہ ان سوالات کی روشنی میں کامیاب امیدواروں کی لسٹ دیکھنے پر

سمپور ناندگی کی گردن اپنی غلط بیانی پر شرم سے جھک جانی چاہئے۔

کانگریس کے حریف مسلم امیدواروں کی سو فی صدی ناکامی کا سبب اگر یہ نہیں ہے کہ خود مسلمانوں نے ہی اُن کو ووٹ ہمت کم دیئے، تو پھر کیا کوئی ”شعبہ بازی“ یا جا دوسری کا تھک کی صفائی“ ہے۔ ظاہر ہے کہ خود ان کے صوبہ پٹی میں تو کم از کم کانگریس غیر مسلم ووٹروں کی مدد سے جیتی نہیں ہے، پھر اگر یہ بھی تسلیم نہ کیا جائے کہ یہ شاندار کامیابی کانگریس کو مسلم ووٹروں کی مدد سے ہوئی ہے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ کامیابی کتنی زندہ کرامات کی رہین منت ہے، جسے جو اس نظر بندی اور ہاتھ کی صفائی کی۔! خیر! ہمیں تو اس سلسلہ میں کہنا یہ تھا کہ بالفرض اگر مسلمانوں نے مسلم امیدواروں کو معتد بہ تعداد میں ووٹ دیئے بھی، تو یہ بات قابلِ اعتراض کیونکر ہے؟ جب آپ ہی لوگوں نے یہ اجازت دی کہ جس کا جی چاہے الیکشن میں کھڑا ہو جائے، اور جس کا جس کو جی چاہے ووٹ دے، پھر آپ کسی کو ٹوکنے کا کیا حق رکھتے ہیں کہ تم نے فلاں کو ووٹ کیوں دیا، اور فلاں کو ووٹ کیوں نہیں دیا۔ ایسی صورت میں تو مسلمان مسلمان کو ووٹ دے تب کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں، اور ہندو ہندو کو ووٹ دے تب کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔ ہاں ہندوستان کے خاص حالات کے ماتحت اس بات میں ایک شکل قابلِ اعتراض ہونی ہی نکل سکتی ہے، وہ یہ کہ مسلم ووٹرس کسی ایسی پارٹی کے امیدوار کو ووٹ دیں جو فرقہ وارانہ نظریات رکھتی ہو، انھیں نظریاتِ اعلان کے ساتھ الیکشن کے میدان میں اُتری ہو، اور انھیں نظریاتِ پروٹ انگٹی ہو، یا ایسی قسم کے آزاد امیدوار کو ووٹ دیں، یا ایسی طرح ہندو ووٹرس اگر کسی قسم کی پارٹی، یا ایسی قسم کے آزاد امیدوار کو سپورٹ کریں، تب ان کے رویہ پر اعتراض کیا جاسکتا ہے، اور اسے وطن دشمنی یا وطن کے مفاد سے غداری پر محمول کیا جاسکتا ہے، اسکے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں نے ”کانگریس کی مخالفت“ کے ساتھ ساتھ اس جرم کا بھی ارتکاب کیا ہے یا نہیں؟ سو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی کوئی فرقہ وارانہ تنظیم مدراس کے سوا ہندوستان بھر میں کہیں ہے ہی نہیں، الیکشن میں حصہ لینا تو بعد کی بات ہے، اب رہ گیا سوال اس قماش کے آزاد امیدواروں کا، تو مناسب یہ ہے کہ انکے متعلق خود سمپور ناندگی ہی سے دریافت کر لیا جائے کہ ایسے مسلم امیدواروں کی تعداد کیا تھی، اور ان غریبوں کو ووٹ کتنے ملے؟۔

یہ تو ہے اُن مسلمانوں کی پوزیشن جن کے بارے میں سمپور ناندگی کی سوئی ہوئی بے اعتمادی پھر جاگ اٹھی ہے، اب اگر امان جاں ملے تو غیر مسلم ووٹروں کی پوزیشن کو بھی اسی طرح بے پردہ کرنے کی گستاخی کی جائے، کیونکہ سمپور ناندگی کے کیطرفہ بیان سے ہمیں یہ محسوس ہو رہا ہے کہ انھوں نے ”چھڑ چھانے اور اونٹ نکلنے“ کی مصحوم حرکت کا ارتکاب فرمایا ہے۔

اس سلسلہ میں ہمیں غیر مسلم آزاد امیدواروں تک جانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ خیر سے غیر مسلموں کی متعدد فرقہ پرست پارٹیوں نے الیکشن میں حصہ لیا ہے، اور اپنے فرقہ پرستانہ نظریات و مقاصد کے اعلان کی قیاس لیا ہے، ان میں سب سے زیادہ نمایاں جن سنگھ مٹی، بیشک وہ ہارگئی اور یوپی میں تو بہت ہی بُری طرح ہاری، مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ عام طور پر ہندوؤں نے اُسے اوپر اٹھانے اور کانگریس کو نیچے گرانے کی کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، چنانچہ جن سنگھ کی ضمانتیں بہت کم ضبط ہوئیں، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، اگر مسلمان اپنا وزن کانگریس کے پڑے میں نہ ڈال دیتے تو جن سنگھ کو یقیناً ایسی شکست کا منہ دیکھنا نہ پڑتا۔ ۶

ہم الزام اُنکو دیتے تھے قصور اپنا بھل آیا

بات بلا ارادہ طویل ہو گئی، اور کچھ باتیں جن سے ہمیں کوئی خاص دلچسپی نہ تھی سپور نانند جی کی دھاندلی کی وجہ سے ختم قلم پر آ گئیں، ورنہ ہمیں جو بات کہنی تھی وہ تو صرف اتنی تھی کہ جب یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کا عام رجحان الیکشن میں غیر فرقہ دارانہ رہا ہے تو پھر چاہے انھوں نے کانگریس کو ایک ووٹ بھی نہ دیا ہو، اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرنا اور ان کی ملکی وفاداری پر حرج بے اعتمادی لانا ان کے خلاف ایک بہت ہی اچھے قسم کا حربہ ہے جس کو کوئی وطن دوست نہیں غافل مسلم دشمن ذہن ہی تراش سکتا ہے، اور بالقرض اس بیان میں کوئی سچائی اگر ہو بھی تب بھی ایک ایسے شخص کو تو کسی کی آنکھ کے تنکے کی طرف اشارہ کرنے کا حق بھی نہیں ہے جسے خود اپنی آنکھ کا شہتہ نظر نہ آتا ہو۔

ہمیں تو کچھ ایسا خیال ہو رہا ہے کہ بات وات کچھ نہیں ہے، شاید بنارس کے مسلمان سپور نانند جی کی مخالفت کی "غلطی" کر بیٹھے ہیں، بس یہ "ملکی غلطی" کی سزا ہے جو سارے مسلمانوں کو دی جا رہی ہے، دیکھئے اُن کے بیان کا پہلا ہی جملہ یعنی (بہت سی جگہوں پر مسلمانوں نے..... کیونسٹ پارٹی جیسے قومیت دشمن گروہ کی حمایت کی) ہمارے خیال کا جائز قرینہ ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ بات تو عام طور پر معلوم ہی ہے کہ سپور نانند جی کا حریت امیدوار کیونسٹ پارٹی سے تعلق رکھتا تھا، لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے کہ اس جملہ کے لکھنے کے بعد سپور نانند جی کو محسوس ہوا کہ اس الزام میں کوئی وزن نہیں ہے، کیونکہ انھار ملنے کی آزادی کا حق تو ان کے لئے بھی ہم مان چکے ہیں، پھر کیا ہو؟ یہ غلط! تو ایسی نہیں ہے جس پر بلا سزا چھوڑ دیا ہے! اچھا تو پھر کوئی اور مہمانہ تلاش کیا جائے! اس ذہنی رد و قدح کے بعد ان کا ذہن "ہداسِ مسلم لیگ کے کارناموں" کی طرف متقل ہوا، بس پھر کیا تھا اس عندلک کا سہارا لیکر نہایت اطمینان سے مسلمانوں کی ملکی وفاداری پر "بے اعتمادی" کا تیر جلا دیا، اور اس طرح اپنے غصہ کو تسکین دے لی۔

معارف الاحادیث

اللہ کے حضور میں پیشی اور اعمال کی جانچ

(۷۲) عن عدی بن حاتم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد الا سیکلمہ ربہ لیس بینہ و بینہ نمرحان ولا حجاب یحجبه فینظر امین منہ فلا یرى الا ما قدم من عملہ وینظر اشام منہ فلا یرى الا ما قدم وینظر بین یدیه فلا یرى الا النار تلقاء وجهہ فانفقوا النار و لو بشق تمرۃ۔ (بخاری و مسلم)

(ترجمہ) عدی بن حاتم سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قیامت میں) تم میں سے ہر شخص سے اس کا پردہ گار اس طرح بلا واسطہ اور دبدو کلام فرمائے گا کہ نہ درمیان میں کوئی ترجمان ہوگا نہ کوئی پردہ حائل ہوگا (اس وقت بندہ کی یہ کیفیت ہوگی کہ وہ حیرت اور بے بسی سے ادھر ادھر دیکھے گا، پس جب نظر کرے گا اپنی داہنی جانب تو سوائے اپنے اعمال کے کچھ نہ دیکھے گا۔ اور ایسے ہی جب نظر کرے گا بائیں جانب تو سوائے اپنے اعمال کے کچھ اس کو نظر نہ آئے گا۔ اور جب سامنے نظر دوڑائے گا تو اپنے دبدو اور آگ ہی آگ دیکھے گا پس اسے لوگو دوزخ کی اس آگ سے بچو، اگرچہ خشک کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کے ذریعہ اس سے بچنے کی فکر کرو۔ (یعنی آتش دوزخ سے بچنے کے لیے حدتہ کرو، اور اگر کھجور کے ایک خشک ٹکڑے کے سوا تمہیں کچھ میسر نہ ہو تو راہ خدا میں دہی دے کر دوزخ سے بچنے کی فکر کرو)

(تشریح) قرآن مجید میں اور احادیث میں بھی جہاں جہاں قیامت کے حساب کتاب اور دلوں کے ہولناک منظروں کا اور دوزخ کے لرزہ خیز عذابوں کا ذکر کیا گیا ہو وہ اس لیے ہو کہ بندے اس سے خبردار ہو کر اپنے کو اس سے بچانے کی فکر کریں۔ اس حدیث میں تو آخر میں صراحت کے ساتھ اس مقصد کو بیان بھی فرمایا گیا ہے لیکن جن حدیثوں میں اس مقصد کا تصریح نہ بھی کی گئی ہو ان کا مقصد بھی یہی سمجھنا چاہیے، اور اس

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی عنہا سے روایت ہے کہ انھیں ایک دفعہ دوزخ کا خیال آیا اور وہ رونے لگیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا انھیں کس چیز نے رُلا یا؟ عرض کیا مجھے دوزخ یاد آئی اور اسی کے خوف نے مجھے رُلا یا ہے، تو کیا آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین جگہ تو کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا (اور کسی کی خبر نہیں لے گا)، ایکٹ وزن اعمال کے وقت جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس کے اعمال کا وزن ہلکا ہو یا بھاری، اور دوسرے اعمال ناموں کے ملنے کے وقت جبکہ مرد مومن دہسنے ہاتھ میں اعمال نامہ پا کر خوشی خوشی دوسرے سے کہے گا کہ پڑھو میرا اعمال نامہ یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ کس ہاتھ میں دیا جاتا ہے اس کا اعمال نامہ کیا دہسنے ہاتھ میں یا بائیں ہاتھ میں پیچھے کی جانب ہے اور تیسرے پہل صراط پر جبکہ وہ رکھی جائے گی جہنم کے اوپر (اور حکم دیا جائے گا سب کو اس پر سے گزرنے کا)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہوا کہ یہ تین وقت ایسے نفسی نفسی کے ہوں گے کہ ہر ایک کو صرف اپنی فکر ہوگی اور کوئی کسی دوسرے کی مدد نہ کر سکے گا۔ ایکٹ وزن اعمال کے وقت جب تک کہ نتیجہ معلوم نہ ہو جائے گا، اور دوسرے وہ وقت جب لوگ اپنے اپنے اعمال ناموں کے منتظر ہوں گے اور ہر ایک اس فکر میں غرق ہوگا کہ اس کا اعمال نامہ دہسنے ہاتھ میں دیا جاتا ہے یا بائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے وہ مغفرت اور رحمت کا مستحق قرار پاتا ہے یا لعنت اور عذاب کا — اور تیسرے اس وقت جبکہ صراط کا پہل جہنم پر لگا دیا جائے گا اور اس پر سے گزرنے کا حکم ہوگا — تو یہ تین وقت ایسے نفسی نفسی کے ہوں گے کہ ہر ایک اپنی ہی فکر میں ڈوبا ہوگا۔

اس حدیث کی روح اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا نشانہ یہی ہے کہ ہر شخص آخرت کی فکر کرے اور کوئی کسی دوسرے کے بھروسہ نہ رہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیوانی زندگی (اور) ایمانی زندگی

(مدیر الفرقان کی ایک تقریر جو ۱۳ فروری کو کراچی (پاکستان) کے ایک تبلیغی اجتماع میں کی گئی)



الحمد لله الذي هدانا لهذا وما كنا لنهتدي لولا ان هدانا الله لقد جاءت
دسل ربنا بالحق. صلوات الله تعالى عليهم وعلى كل من اتبعهم باحسان الى
يوم الدين

بزرگو، دوستو اور دینی بھائیو!

انسانوں کے لیے زندگی گزارنے کے دو راستے ہیں یا یوں کہیے کہ زندگی کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ صرف دنیا کی لذتوں کو اور یہاں کی منفعتوں اور مصلحتوں کو سامنے رکھا جائے اور جس کام میں دنیوی منفعت نظر آئے اور جس کام کے کرنے میں لذت اور خوشی حاصل ہو اس کو کیا جائے اور آخرت کی یعنی مرنے کے بعد کے نتائج کی کوئی فکر نہ کی جائے، یہ زندگی کا حیوانی طریقہ ہو، بلکہ اس کا نام ہی آپ حیوانی زندگی رکھ لیجیے۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہو کہ اس دنیا کے بعد آخرت کے بارے میں اور انسانی اعمال کے اخروی نتائج کے متعلق انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ بتلایا ہو اس پر ایمان لاتے ہوئے اور اس کو ایک اہل حقیقت سمجھتے ہوئے اور اس کی فکر کرتے ہوئے زندگی گزار دی جائے۔ یعنی جو کام اور جو چیزیں آخرت کی زندگی کو برباد کرنے والی اور آدمی کو دوزخ میں پہنچانے والی معلوم ہوئی ہیں ان سے بچا جائے۔ اور جن چیزوں کے متعلق انبیاء علیہم السلام نے بتلایا ہو کہ یہ اللہ کو راضی کرنے والی اور انسان کو جنت میں پہنچانے والی ہیں ان کو کیا جائے اور اپنی زندگی کا جزو بنایا جائے، اس دوسری قسم کی زندگی کا نام آپ "ایمانی زندگی" رکھ لیجیے۔

بہر حال زندگی کی یہی دو قسمیں ہیں۔ ایک حیوانی زندگی، دوسری ایمانی زندگی۔ حیوانی زندگی گزارنے والے انسان اپنے کو اللہ کے احکامات کا پابند نہیں بناتے بلکہ جس کام میں انکو ذاتی فائدہ نظر آئے اور جس چیز میں ان کے نفس کو لذت ملے وہ اس کو بے دریغ کرتے ہیں۔ نہ وہ یہ سوچتے ہیں کہ مرنے کے بعد والی زندگی میں اس کا انجام کیا ہوگا اور نہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے اس طرز عمل کا اللہ

کی دوسری مخلوق پر کیا اثر پڑے گا۔ انھیں دوسرے انسانوں کو مٹا کر اپنی زندگی بنانے میں کوئی دریغ نہیں ہوتا اس کے برخلاف ایمانی زندگی گزارنے والوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے بتلائے ہوئے آخرتی نتیجوں کو سامنے رکھ کر اپنی لذتوں اور خواہشوں کو چھوڑ کر اللہ کے احکام پر چلتے ہیں اور میرا کام کرنے سے بچتے ہیں جس میں اللہ کے دوسرے بندوں کا نقصان ہو اور ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ یعنی وہ دوسروں کو تکلیفوں اور نقصانوں سے بچانے کے لیے خود تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور نقصانات برداشت کرتے ہیں۔

پھر چونکہ انسان کی طبیعت ہی لذتوں اور خواہشوں سے بھری ہوئی ہے اور انسان سے باہر کا ماحول بھی عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے جو آدمی کو لذتوں اور منفعت کی طرف کھینچتا ہے اور آخرت کے مسئلے کو بھلا کر اس سے بے فکر بناتا ہے اس لیے عام طور پر انسان ہر زمانہ میں حیوانی زندگی ہی کی طرف دوڑتے ہیں۔ یعنی انسان کے اندر حیوانی زندگی کی طرف اس کو کھینچنے والی نہایت طاقت و طرح طرح کی خواہشات بھری ہوئی ہیں۔ اچھا کھانے کی خواہش، اچھا بیٹھنے کی خواہش، اچھی سواری کی خواہش، اچھے اور عالیشان مکان کی خواہش اور جنسی لذت کی خواہش (یعنی نفسانی شہوت) تو یہ سب چیزیں تو انسان کے اندر ہیں اور اس کی طبیعت میں موجود ہیں جو اس کو حیوانی زندگی کی طرف کھینچتی ہیں اور انسان کے باہر میں حیوانی زندگی گزارنے والوں کے بھٹاٹ یا ٹھ اور خاص کر اچھل کی فضا میں سینما، قدم قدم پر فحش اور عریاں تصویریں، شہوت کو حرکت میں لانے والے گانے، اور اسی طرح کے دوسرے مناظر، یہ سب چیزیں انسان کے باہر میں ایسی موجود ہیں کہ قدم قدم پر حیوانی زندگی کے لیے اس کو اکساتی ہیں اور حیوانی طرز زندگی اختیار کرنے کے لیے اس کا دامن کھینچتی ہیں اس لیے حیوانی زندگی کو انسانوں میں مقبول بنانے کے لیے نہ کسی دعوت کی ضرورت ہے اور نہ کسی تحریک کی وہ آپ سے آپ دنیا میں ہمیشہ پھیلی ہوئی اور فروغ پاتی رہی ہے۔ خاص کر جب سے مغربی قوموں نے دنیا میں عروج پایا ہے تو ان کی تعلیم نے، ان کی سیاست نے اور ان کی صنعتی ترقیوں نے حیوانی زندگی کو اتنی ترقی دی ہے اور دنیا میں اس کو اتنا پھیلایا اور مقبول بنایا ہے کہ اس کے اصل علم پر درار شیطان کو گویا بالکل فارغ کر دیا ہے اور اسی لیے حیوانی زندگی کا عروج ہمارے اس زمانہ میں کمال کو پہنچ چکا ہے۔ اور اس کے برعکس ایمانی زندگی چونکہ نفس کشی کی زندگی ہے اور اپنی خواہشات کا کلا گھونٹ کر احکام الہی کے مطابق چلنے کی زندگی ہے اور دوسروں کے بھلے کے لیے اپنے کو مٹانے کی زندگی ہے اس لیے ظاہرات ہو کہ وہ انسان کو طبعاً مغرب نہیں ہو سکتی اور اسی طرح انسان کی باہر کی فضا بھی اس کے بالکل خلاف رہتی ہے جو اس لیے اس کا وجود میں آنا کسی زمانہ میں بھی بغیر دعوت کے اور بغیر کوشش اور قربانی کے نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اور انسانیت پر بڑا کرم فرمایا کہ حیوانی زندگی کی تباہ کاریوں سے انسانوں کو بچانے کے لیے اور ایمانی زندگی کی برکتوں سے ان کو بہرہ ور کرنے کے لیے اور اپنی رضا کے مقام ۳ اور جنت تک ان کو پہنچانے

کے لیے نبوت کا ایک متفق سلسلہ اسی وقت سے جاری فرمایا جیسے کہ اس دنیا میں انسانوں کو پیدا کیا، سب پیغمبر اپنے اپنے وقت پر اسی لیے آئے کہ انسانوں کو حیوانی زندگی کے بُرے نتیجوں سے اور اس کی بربادیوں سے خبردار کر کے اس سے ان کو بچائیں اور ایمانی زندگی کی اس شاہ راہ پر چلائیں جو جنت تک پہنچاتی ہو۔ وہ جنت جس میں اس دنیا سے لاکھوں کروڑوں گنا زیادہ لذتوں اور مسرتوں کے سامان ہیں اور جس میں پہنچ جانے کے بعد کبھی فنا نہیں، لیکن چونکہ حیوانی زندگی کے تقاضے اور اس کے محرکات... جیسا کہ میں نے عرض کیا انسان کے اندر اور باہر کثرت سے موجود ہیں اس لیے انسانوں کو حیوانی زندگی سے ہٹا کر ایمانی زندگی کے راستہ پر چلانا بہت مشکل ہو، مگر اللہ تعالیٰ اس مشکل کام کو آسان کرنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو اپنے بندوں کا درد اور خیر خواہی کا جذبہ اور پھر اس کام سے عشق اور اس کا عزم بھرپور عطا فرماتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنی ہر چیز کو اس راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں اور جان کی بازی لگا کر انسانوں کو حیوانی زندگی سے کھینچ کر ایمانی زندگی میں لانے کے لیے کام کرتے ہیں۔ اللہ کے سب پیغمبر حیا کہ میں نے عرض کیا اسی کام کے لیے آئے اور انھوں نے اپنے اپنے وقت میں اس کے لیے کوششیں فرمائیں، یہاں تک کہ سیدنا حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین بنا کر بھیجا اور آپ کو بتلادیا کہ آپ ہی سے اس کا اعلان بھی کرادیا کہ اب قیامت تک آپ ہی کا دور ہو، آپ کے بعد ہم اب کسی نئے نبی کو نہیں بھیجیں گے اس لیے آپ کے یہ کام قیامت تک کے لیے کرنا ہو اس واسطے حضور کا کام دوسرے تمام نبیوں سے بہت زیادہ اور بہت مشکل تھا۔ آپ سے پہلے ہر پیغمبر کو اپنی زندگی کے بعد کی زیادہ فکر کرنی نہیں پڑتی تھی کیونکہ نبوت کا سلسلہ جاری تھا۔ کسی قوم میں جب زیادہ فساد اور بگاڑ آتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح اور ہدایت کے لیے نئے پیغمبر کو بھیجتے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتمت کا مقام عطا ہو جانے کی وجہ سے نئی نبوتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اور آپ کے زمانے سے لے کر قیامت تک کے ہزاروں برس کا کام آپ ہی کے سپرد کر دیا گیا۔ اور اس کے لیے آپ کو قیامت تک کی عمر نہیں بخشی گئی۔ بلکہ اس کی صورت یہ تجویز ہوئی کہ آپ اپنی امت کو اس پر تیار کریں اور اس پر اٹھائیں کہ انسانوں میں ایمانی زندگی کی جدوجہد اور کوشش کو قیامت تک کے لیے وہ اپنے ذمے لے اور اس کو اپنی زندگی بنائے یعنی جس طرح تمام انبیاء علیہم السلام انسانوں کو ایمانی زندگی کے راستے پر چلانے کے لیے اور جنت میں ان کو پہنچانے کے لیے تکلیفیں اٹھاتے رہے اور قربانیاں کرتے رہے اسی طرح آئندہ یہ امت قربانیاں کرے اور اس جدوجہد کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف اتنا ہی نہیں تھا کہ آپ لوگوں کو حیوانی زندگی کی بربادیوں سے بچا کر ایمانی زندگی کی برکتوں میں لے آئیں اور ایمانی زندگی اختیار کرنے والی ایک امت بنائیں بلکہ آپ کو ایک ایسی امت

تیار کرنی تھی جو ایمانی زندگی کو خود بھی اختیار کرے اور نبیوں کے طرز پر ایمانی زندگی کی دعوت اور جدوجہد کو اور اس کے لیے محنت و قربانی کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے اور اس راہ میں اپنے کو اور اپنی ہر چیز کو منادینے کا اس میں جذبہ اور حوصلہ ہو۔ چنانچہ آپ نے ایسی امت بنائی۔ اللہ کے جن ہزاروں بندوں نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر حیوانی زندگی سے توبہ کر کے ایمانی زندگی کے اصولوں کو قبول کیا ان سب نے اپنے اپنے حق میں یہ بھی فیصلہ کیا کہ ہم اس ایمانی زندگی کو اللہ کے دوسرے بندوں میں پھیلانے کے لیے اور اللہ کے بندوں کو دوزخ کے راستے سے بچا کر کہ جنت تک پہنچانے کے لیے ہر طرح کی قربانیاں دیں گے۔ جن لوگوں نے عہد نبوی کے حالات کا مطالعہ کیا ہے اور جن کے سامنے صحابہ کرام کی تاریخ ہو وہ خوب جانتے ہیں کہ صحابہ کرام نے اپنے قول اور اقرار ہی سے نہیں بلکہ عمل سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلادیا تھا کہ آپ کے لئے ہوئے دین کے لیے یعنی اللہ کے بندوں کو حیوانی زندگی کی سجاستوں اور غلاظتوں سے نکال کر ایمانی زندگی کی پاک نورانی فضاؤں میں لانے کے لیے ہم برابر جدوجہد کرتے رہیں گے اور اس راہ میں جان و مال کی کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت و تبلیغ کے ۲۰ سال گزار کے جب اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ کر آپ مطمئن تھے کہ ۲۰-۲۱ سال پہلے ایمانی زندگی کی دعوت و جدوجہد کا جو کام میں نے اکیلے نے شروع کیا تھا اور جس کے لیے میں اکیلا ہی اس وقت فکر کرنے والا، تکلیفیں اٹھانے والا اور قربانی کرنے والا تھا اور اب جو کے ساتھ بوجھانے کے بعد اس کی فکر کرنے والے اس کے لیے تکلیفیں اٹھانے والے اور قربانی دینے والے ہم دو ہو گئے تھے، اب الحمد للہ لاکھ سے اوپر اس کام کو اپنا کام بنا لینے والے اس کی فکر کرنے والے اور اس کے لیے تکلیفیں اٹھانے والے اور قربانیاں دینے والے پیدا ہو گئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے عموم کو اس پر اٹھایا تھا یعنی اس کام کو پوری امت کا کام قرار دیا تھا اور قرآن پاک نے بھی اس کام کی ذمہ داری پوری امت پر ڈالی تھی، فرمایا گیا تھا ”کنتم خیر امتی اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر امت میں عہد نبوی میں بھی مختلف سطحوں کے اور مختلف حیثیتوں کے لوگ تھے۔ تجارت کرنے والے سوداگر بھی تھے اور کھیتوں اور باغوں میں مشغول رہنے والے زمیندار بھی، غریب بھی تھے اور امیر بھی، پڑھے لکھے اولوا العلم اور فقہاء بھی تھے اور بالکل نڈر عوام بھی، لیکن اپنے اپنے کاموں اور اپنی حیثیتوں میں اس فرق کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دالے کام میں یعنی ایمانی زندگی کے پھیلانے کے کام میں اور اس کی فکر میں سب شریک تھے۔ اگرچہ اس کام میں سب کا درجہ اور سب کا عمل یکساں نہیں تھا، لیکن کچھ نہ کچھ حصہ ہر ایک کا تھا، بالکل الگ اور بے تعلق اور یکسو

رہنے والا جہان تک میں سمجھتا ہوں کوئی بھی نہ تھا، ہر شخص کو اس کی فکر تھی کہ میں خود بھی ایمانی زندگی اختیار کروں اور حیوانی زندگی سے اللہ کے بندوں کو بچانے کے لیے اور ایمانی زندگی کی نعمت ان تک پہنچانے کے لیے جو کچھ مجھے ہو سکتا ہو وہ کروں۔ ان کی اس جدوجہد کے دو شعبے تھے۔ ایک ایمانی زندگی کی دعوت اور اس کی راہ میں جان و مال کی قربانی اور دوسرا ایمانی زندگی کی دعوت اور اس کے اصول کو قبول کرنے والوں کی یعنی اسلام لانے والوں کی تعلیم و تربیت اور اللہ کے ساتھ اور دین کے ساتھ ان کا تعلق بڑھانے کی بھی ایمانی روح ان کے اندر پیدا کرنے کی کوشش اور اس کے لیے محنت و مشقت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی کچھ مدت تک امت کی زندگی کا نقشہ بھی رہا۔ سب اہل ایمان حضورؐ کے اس کام کو اپنا ذاتی کام، بلکہ اپنے سارے کاموں سے مقدم سمجھتے تھے اور اپنے ذاتی کاموں سے زیادہ اس کی فکر رکھتے تھے اور اس راہ میں مٹ جانا اپنی سب سے بڑی کامیابی سمجھتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کھوکھا کی تعداد رکھنے والی پوری امت میں ایمانی دعوت اور جدوجہد کی اور دینی تعلیم و تربیت کی ایسی عمومی فضا قائم ہو گئی کہ دنیا میں ایمانی زندگی کا رواج بہت تیزی سے پھیلنے لگا اور قومیں کی قومیں اور ملک کے ملک ایمانی دعوت کو قبول کر کے اس ایمان والی امت میں شامل ہونے لگے۔

قرن اول کے ایمان والوں کی اس عمومی ایمانی جدوجہد اور ان کے ایمانی طرز عمل کے نتیجہ میں جس تیز رفتاری سے قومیں ایمانی زندگی کے اصول کو قبول کرنے لگی تھیں اس کا اندازہ آپ اس واقعہ سے کر سکتے ہیں جس کو ہمارے بہت سے مومنین نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت میں غالباً افریقہ کے عامل نے (یعنی اس ملک کے ذمہ دار حاکم نے)، دار الخلافہ کو یہ لکھا کہ یہاں کے لوگ اتنی تیز رفتاری سے اسلام قبول کر رہے ہیں کہ اگر چند روز میری رفتار ہی تو جزیہ کی مد سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ بالکل ختم ہو جائے گی۔ گویا ان کا فناء یہ تھا کہ کسی شخص کو سرکاری طور پر مسلمان تسلیم کیے جانے کے لیے کچھ شرائط مقرر کیے جائیں تاکہ اسلام ظاہر کر کے جزیہ کے ٹیکس سے مستثنیٰ ہو جائے ہر شخص کے لیے اتنا آسان نہ رہے اور پھر صرف وہی لوگ اسلام لا کر یہ فائدہ حاصل کر سکیں جو ان شرائط کو پورا کر کے اپنے غلغلے مومن ہونے کے ثبوت دے سکیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی قبر مبارک پر قیامت تک رحمت کی بارشیں برساے انھوں نے اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے مقصد اور اس امت کے نصب العین کی بڑی ایمان افروز ترجمانی فرمائی۔ انھوں نے لکھا۔

”وحيث ان محمداً صلى الله عليه وسلم انما بعث هادياً ولعديعت حابياً“ اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے جو پتھر پر اور برابری ہمارا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی خدمت کرنا اور جس کام کو لے کر آپ آئے تھے اس کو تکمیل تک پہنچانا ہے اور آپ خلق اللہ کی ہدایت کے لیے آئے تھے، اللہ کے بندوں سے

ٹیکس وصول کر کے خزانے بھرنے نہیں آئے تھے، لہذا اگر اللہ کے بندے حضورؐ کی ایمانی دعوت کو قبول کر کے جہاد فی زندگی کا طریقہ چھوڑ کر ایمانی زندگی کے اصول کو اختیار کر رہے ہیں تو چشم مار دشمن دل، ماشاء، یہی تو اصل مقصد اور اصل کام ہو۔ اگر اس کی وجہ سے خزانہ خالی ہوتا ہو اور ہمیں زیادہ سے زیادہ مالی خسارہ ہوتا ہو تو پڑا ہو! دولت و خزانہ مقصود نہیں بلکہ اللہ کے بندوں کو جنت کے قابل بنانا مقصود ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی لیے آئے تھے اور یہی ہمارا مقصد اور نصب العین ہو۔

تو اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہو کہ اس امت کے پہلے دور میں جب ایمانی زندگی کے لیے دعوت اور جدوجہد کا عمومی نظام قائم تھا اور جب ہر ایمان رکھنے والا اس میں حصہ لے رہا تھا تو دنیا کا رخ کیا ہو گیا تھا؟ تو میں اور ملک کس طرح ایمانی زندگی کی طرف دوڑے چلے آ رہے تھے۔ پھر بعد میں جو لوگ اس فضا میں پیدا ہوئے اور انھوں نے ایمانی زندگی کو دنیا میں اتنا سسبہر اور اس قدر مقبول ہوتا ہوا دیکھا تو وہ جدوجہد کی ضرورت سے بے پروا ہو گئے اور امت میں ایمانی زندگی کے لیے کوشش اور قربانی کا وہ نظام قائم نہیں رہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا۔ اس کی مثالی آپ یوں سمجھیے کہ ایک محنتی شخص تجارت کرتا ہو اور اپنی محنت سے اعلیٰ درجے کا کامیاب دولت مند بنا رہا ہو جاتا ہو۔ اس کے بعد اس کی اولاد بھی اسی طرح جان لگا کر محنت کرتی ہو اور نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ یہ گھرانا بہت دولت مند ہو جاتا ہو اس کی دوکانیں چلتی ہوئی دکھلائی دیتی ہیں، ان کے پاس بہت بڑی جائداد ہوتی ہو جس سے لاکھوں روپیہ وصول ہوتا ہو اور کروڑوں روپیہ بنکوں میں جمع ہوتا ہو اس کی اولاد کی اولاد جو اس ترقی اور خوش حالی ہی کے زمانے میں پیدا ہوتی اور بڑھتی ہو۔ قدرتی طور پر اس میں سستی اور آرام طلبی آ جاتی ہو، وہ باپ دادا کا اندوختہ یعنی بچہ کیا ہوا خرچ تو کرتی ہو مگر ان کی طرح خود محنت کر کے اس میں اضافہ نہیں کرتی۔ پس بالکل ایسا ہی معاملہ ایمانی زندگی کے ساتھ ہوا۔ پہلے دور کے ایمان والوں نے اس کی راہ میں جو بے پناہ محنتیں اور تقصیریں کیں تھیں اور اس کے لیے جو جانی اور مالی بے حساب قربانیاں دی تھیں ان کی وجہ سے ایمانی زندگی دنیا میں اتنی چمکی اور اس کو ایسا فروغ ہوا کہ بعد میں پیدا ہونے والے مسلمانوں نے پھر اس کے لیے کسی قربانی اور جدوجہد کی ضرورت نہیں سمجھی، نہ اس کی دعوت کی عام فکر رہی اور نہ تعلیم و تربیت کی، الغرض دینی جدوجہد کے ان دونوں شعبوں میں عوم نہیں رہا۔ بس ہمیں سے بجائے ترقی کے تسنل شروع ہو گیا، ایمانی زندگی کی دنیا میں جو مقبولیت بڑھتی جا رہی تھی وہ بھی نہیں رہی اور تعلیم و تربیت سے افراد میں جو ایمانی زندگی پیدا ہوتی تھی اس میں بھی بہت کمی آگئی اور یہ انحطاط اور تسنل اس وقت سے برابر ہو رہا ہے آج یہ امت جو اس حالت میں ہے کہ اس کی بہت بڑی تعداد ایمان کی حقیقت سے بھی محروم ہو۔ اور یہ کام کے ارکان تک بیگانہ نہ رہے آگے کی چیزوں کا کیا ذکر؟ یہ سب اسی کا نتیجہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی تعلیم و تربیت دین کی جدوجہد اور دین کی فکر

کا جو عمومی نظام قائم فرمایا تھا اور اپنے ہر امتی کو جو اس کا ذمہ دار بنایا تھا وہ نظام باقی نہیں۔ حضرات تیلبنی تحریک جس کے سلسلہ میں ہر حجرات کو یہاں یہ اجتماع ہوتا ہی۔ دراصل دینی جدوجہد کے اسی عمومی نظام کو پھر سے قائم کرنے اور زندہ کرنے کی کوشش ہے، ہمارے بہت سے بھائی پوری واقفیت نہ رکھنے کی وجہ سے ایسا خیال کرتے ہیں کہ کلمہ نماز نہ جاننے والوں کو بس کلمہ اور نماز سے واقف کرنے کی یہ تحریک ہی۔ اور اس کا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ جو لوگ کلمہ نہیں جانتے ہیں انھیں کلمہ آجائے اور جو نماز نہیں پڑھتے ہیں وہ نماز پڑھنے لگیں یا زیادہ سے زیادہ کچھ ذکر شغل کرنے لگیں، بلکہ سیرا اندازہ ہو کہ بعض جگہ کے اس کام کے بغیر کرنے والے بھی شاید کچھ ایسا ہی سمجھتے ہیں لیکن اصل یہ نہیں ہے تحریک کا مرکزی مقصد عیسائیت میں نے ابھی عرض کیا یہ ہو کہ ایمانی زندگی اور اس کی فکر اور اس کے لیے جدوجہد اور قربانی کا وہ عمومی نظام پھر سے قائم ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا۔ ہاں اس وقت بدقسمتی سے جب کہ ہمارا دینی انحطاط اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اور ہم اتنے گر چکے ہیں کہ اپنے کو مسلمان کہلانے والوں میں بہت بڑی تعداد میں ایسے بندے بھی ملتے ہیں جو بیچارے اسلام کا کلمہ بھی نہیں جانتے اور جو نماز جیسے رکن سے بھی بے لطف ہیں تو ظاہر بات ہے کہ ان سے سب سے پہلے کلمہ اور نماز ہی کی بات کہی جائے گی، لیکن جو حضرات ہماری اس دینی دعوت اور اس جدوجہد سے کچھ واقف ہیں۔ اور جنھیں اللہ نے ان باتوں کے سمجھنے کے قابل بنایا ہو ان کو یہ ضرور جاننا چاہیے کہ اس دعوت کا اصل مرکزی نقطہ ہر مسلمان کو دین کے لیے فکر مند کر کے دینی کوشش پر لگانا ہے اور اس کا ہر دو گروم ایسا رکھا گیا ہو کہ اس میں دین کی دعوت اور کوشش کے ساتھ ساتھ خود اپنی اصلاح اور اپنی تعلیم و تربیت اور ایمانی ترقی بھی ہوتی رہتی ہے بلکہ ہم میں سے ہر شخص کے لیے ضروری ہو کہ وہ اپنی ایمانی تکمیل کو اور اپنی اصلاح کو اپنا اصلی اور اولین مقصد بنائے اس کے علاوہ جو کچھ ہو وہ اس کے بعد ہی مقصود و مطلوب ہو۔

حضرات! میں نے اس وقت اس تحریک کے صرف مقصد کی کچھ وضاحت کی ہے، اس کے طریق کار کے بارے میں کچھ عرض نہیں کیا ہے آپ میں اکثر حضرات تو وہ ہلکے جو کام میں شریک ہیں اور جانتے ہیں، اور جو حضرات نئے ہوں ان سے میں یہ عرض کروں گا کہ ہمارے اس کام کا طریق کار جاننے کا بہترین رہنمائی یہ ہو کہ اس کام کی کرنے والی جماعتوں کے ساتھ کچھ وقت گزارا جائے۔ ہمارا طریق کار چونکہ آج کل کے دوسرے اجتماعی کاموں اور اس دور کی دوسری تحریکوں کے طریق کار سے بہت مختلف ہے اس لیے کچھ کئے گئے سنے سے وہ پوری طرح ذہن کی گرفت میں نہیں آتا۔ میں دوسروں کو کیا کہوں خود میرا اپنا معاملہ یہ ہے کہ کسی بزرگ کے بتلانے اور سمجھانے سے میں بھی اس کو نہیں سمجھ سکتا تھا بلکہ اب سے تقریباً آٹھ نو سال پہلے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی حیات میں ایک جماعت کے ساتھ چند روز گزار کر میں اس کو سمجھ سکا تھا اور اسی کے بعد میں اس کام پر اپنا وقت صرف کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

دینی دعوت و تحریک کے ذمہ داروں کی خدمت میں!

قارئین انفرنسٹان "الاخوان المسلمون" کے نام سے نا آشنا نہیں ہیں، جو شرق اور عالم کی سب سے زیادہ ہمگیر اور موثر دعوت اور جماعت ہے، اس جماعت کی شاخیں اور اس کے مراکز اگرچہ پورے عالم عربی میں پھیلے ہوئے ہیں مگر اس کی طاقت کا مرکز شیمہ اور عالمی مرکز مصر ہے جو داعی اقل شیخ حسن البنا مرحوم کا وطن اور ان کی جد و جہد کا مرکز ہے۔ گذشتہ سال جب مصر میں قیام اور وہاں کی دینی زندگی اور اسلامی تحریکات کے مطالعہ کا موقع ملا، تو الاخوان کی دینی سرگرمیوں اور زندگی میں ان کے شاخوں کا اندازہ ہوا۔ ان کی دعوت اور جد و جہد کے متعذیب و اجل حضرت اور تقیٰ تحسین ہیں، اور بعض پہلو مزید توجہ کے محتاج ہیں، ہمیں یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ، اخوان عالم اسلامی کی دوسری دینی دعوتوں اور تحریکات کے تجویزوں اور معلومات سے استفادہ کرنے میں بڑے فراخ دل اور تنقید شناسی میں بہت عالی ظرف واقع ہوئے ہیں، اپنی مجلس انتظامی کے ایک خصوصی اجلاس میں انہوں نے ہمیں اس کا موقع دیا کہ ہم ان کی دعوت و تحریک پر بے تحلف تبصرہ کریں اور اسلامی دعوت کے مزاج و شرائط، داعیوں اور کارکنوں کے صفات و اسباق کے متعلق اپنا نقطہ نظر اور اپنے خیالات و تقریبات پیش کریں، اس ناچیز نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس مجلس میں ایک مضمون پڑھا جس میں ان کی دعوت کی طاقت، داعی کی شخصیت اور عالم عربی میں اس کے جو انقلابی اثر نتائج ظاہر ہوئے ہیں ان کا کھلے دل سے اعتراف تھا، (اور یہ اعتراف مشورہ پیش کرنے والے کے لئے ضروری ہے) پھر ان خصوصیات و صفات کا تذکرہ کیا جو خاص دینی و اسلامی دعوت اور اس کے کارکنوں اور ذمہ داروں میں پائی جانی چاہئیں جو نبوت کی قائم کی ہوئی بنیادوں پر اُمت میں انقلاب پھر اس کے ذریعہ سے عالم میں انقلاب کرنا چاہتے ہیں، اس موقع پر اخوان کا جو ہر موجود تھا، حاضرین بہت متاثر تھے، اور بعض اجدیدہ مضمون پڑھنے کے بعد استاد عبد الحکیم عابدین نے اس کے شاعری کی اجازت چاہی، اور وہ ادرہ ہی کی طریقت شہناخانی مصنف شیخ محمد الغزالی کے پیش نظر لکھا تھا "أريد أن أتحذث إلى الإخوان" کے عنوان سے شائع ہو گیا۔ ذیل میں اس کا ترجمہ

(ابوالحسن علی)

جو مولوی محمد رابع حسنی ندوی کا کیا ہوا ہے، مشائخ کیا جا رہا ہے۔

محرم بھائیو!

میری دیرینہ تمنا اور شہسب خواب یہ تھا کہ مصر میں "اخوان المسلمین" کے قائد شیخ حسن البنا، سے ملاقات کرتا، ایسکن بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے مصر کو میرا سفر ملتوی ہوتا رہا، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نے اس عرصہ میں اُن کو اپنے آغوش میں لے لیا، اور ان کے لئے آخرت کی منزل سازگار ہو گئی، میرے لئے اب صرف یہی وجہ تسکین ہے کہ میں آپ کے ملاقات کروں، اور آپ کے اپنے دل کی باتیں کروں، میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ حضرات کی خدمت میں وہی تسلیات پیش کروں جو شہید اسلام کی خدمت میں پیش کرتا، اور اس طرح کچھ اپنے دل کے غم کو ہلکا کروں، اور وہ سب افکار، تخیلات، آرزوئیں اور غلشیں آپ کے سامنے رکھ دوں جو دل کی گہرائیوں میں پوشیدہ ہیں، اور وہ عزت و احترام، محبت و احسان صلیبی جو اس عظیم المرتبت و محترم دین کے لئے میرے دل کے اندر ہے، امید ہے کہ بھی جو میرے دل کو گدگداتی ہے، اور وہ بے اطمینانی و خوف بھی جو کبھی کبھی میرے دل میں چپکلیاں لیتی ہے، میں آپ کے امید کرتا ہوں کہ اپنے مخلص بھائی کو کچھ تفصیل کا موقع دیں گے، اور اپنے قیمتی وقت کا کچھ حصہ مرحمت فرمائینگے۔

میرے محترم بھائیو!

آپ کے لئے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ میں آپ کے سامنے عالم اسلامی کا نقشہ کھینچوں، اور ان تمام سیاسی اقتصادیں اور اصلاحاتی تحریکات و رجحانات کی نشاندہی کروں جنہوں نے عالم اسلام کو بازیچہ اطفال بنا رکھا ہے، اور ان خطرات کا تذکرہ کروں جو مسلمانوں کے سروں پر منڈلا رہے ہیں، ان حالات سے آپ کے زیادہ کون واقف ہوگا لیکن جو بات میں آپ کے حقیقت کتنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ عالم اسلامی ایک عالم حیرت اور سخت کشمکش میں مبتلا ہے، وہ تناقض طاقتوں اور متضاد قوتوں کی رستہ کشی کا شکار ہو رہا ہے۔

عالم اسلامی اس وقت ایک عجیب کشمکش میں ہے، ایک طرف وہ دین ہے جس کی پابندی کرنے اور اس کے مطالبات پورے کرنے سے اس کی سابقہ عادتیں، غلط تعلیم و تربیت اور خواہشات نفس مانع ہیں، ان میں سے کوئی چیز اس کے عقیدہ و ایمان سے موافقت نہیں رکھتی، دوسری طرف وہ جاہلیت ہے جس کے لئے اس کا مینہ ابھی کشادہ اسلئے نہیں ہو سکا ہے کہ اس میں ایمان کے کچھ آثار باقی ہیں، اور اس کے پاس ایک ایسی قومیت ہے جو اسلام کے ساتھ گندھ چکی ہے، اور وہ تمدن ہے جو دین کے ساتھ پروان چڑھا ہے۔

عالم اسلامی کی دوسری کشمکش یہ ہے کہ ایک جانب سادہ دلی مسلمان قومیں ہیں، دوسری جانب ایسی ہوشیار مسلمان حکومتیں ہیں جن کے ارباب اقتدار کے سینے اس دین کے لئے اب تک منشرح نہیں ہو سکے، اور ان کے دل

اس پر عمل کرنے پر تیار نہیں ہیں، لیکن ان کو اس بات پر بھی اصرار ہے کہ دین پر ایمان رکھنے والی قوم پر حکومت لمبی کریں، ان کی زندگی اور عزت اسی میں ہے کہ ان کی اقتدار کی کرسی محفوظ رہے، ان کو حکومت اور قیادت کے سوا کہیں اپنی جگہ بھی نظر نہیں آتی، اور نہ ان مسلمان سوسائٹی کے سوا جس میں وہ پیدا ہوئے اور پلے بڑھے، ان کی کہیں گنجائش ہے، نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان ان سے عاجز و پریشان ہیں، اور وہ مسلمانوں سے زچ ہیں۔

عالم اسلامی کی تیسری کشمکش یہ ہے کہ ایک طرف اس کی فطرت اس کو دین کی طرف کھینچتی ہے، اس کی تاریخ اس میں ایمان و جہاد کا دلولہ پیدا کرتی ہے، اس کا آسمانی صحیفہ اس کو آخرت کی طرف متوجہ کرتا ہے، اور بڑے ہوئے معاشرے اور غیر اسلامی زندگی کے خلاف بغاوت پراگشتا ہے، دوسری طرف عصری تربیت ہے جو مادیت کو اس کے سامنے سنوار کر پیش کرتی ہے، اس کی طبیعت کو بزدلی اور کمزوری کا مادی بناتی ہے، اور وہ لیڈر شپ ہے جو غیر کے سامنے سپر انداز اور دشمن پر اعتماد اور میدان سے پسپا ہوجانے کی تعلیم دیتی ہے۔

عالم اسلامی کی چوتھی کشمکش یہ ہے کہ اسکے پاس ایک طرف بے چین طبیعت جو ان میں، اُبلتا ہوا خون، بھڑکتا ہوا ذہن، اور ایسے شگوفے جو کھلنے کے لئے بیکار ہیں، دوسری طرف بوڑھی قیادت ہے جو فکر و حیات کے میدان میں بے بضاعت، ایجاد و قوت اجتہاد سے محروم ہے، اور جس میں جرأت و اقدام اور نئے تجربوں کی طاقت نہیں ہے۔

عالم اسلامی کی پانچویں کشمکش یہ ہے کہ اس کے قبضہ میں وہ خام دولت ہے جو دنیا کا صالح ترین کچا مال ہے ایمان، طاقت و شجاعت کا نہایت قیمتی سرمایہ ہے، اور دوسری طرف ایسے سستری اور کارگر ہیں جو اس سالہ کی قیمت سے ناواقف اور اس کے مواقع استعمال سے بے خبر ہیں۔

یہ ہے وہ عالم اسلام جس میں اس وقت کی دنیا کو اپنی دو نظر نہیں آتی، اور نہ اس کو مدد کی گنجائش، اور نہ اس کی گود میں کچھ آسائش معلوم ہوتی ہے، عالم انسانی کو اس عالم اسلامی میں دنیا کے نظم و اکوؤں اور انسانی دندلوں سے کوئی پناہ نظر نہیں آتی، جو اس وقت انسانیت کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔

اب اس عربی دنیا کا جائزہ لیجئے جس میں آپ لوگ بستے ہیں، یہ عالم اسلامی کا کمزور ترین حصہ ہے، چاہئے تو یہ تھا کہ یہ عالم اسلامی کا سب سے زیادہ صحت مند اور طاقت ور حصہ ہوتا، اور عالم اسلامی میں اس کا وہ مقام ہوتا جو انسان کے دل میں قلب و دماغ کا ہے، لیکن واقعہ یہ نہیں ہے یہ چند تخریبی عوامل کا شکار ہے، جنہوں نے اس میں مختلف امراض اور کمزوریاں پیدا کر دی ہیں، ترکی حکومت کی کمزوری اور قوم کی تعلیم و تربیت سے غفلت، بیجا اخراجات اور بے عمل احترام و تعظیم، اور کبھی کبھی حد سے بڑھے ہوئے تشدد نے عربی ممالک میں کم ہمتی، عام جہالت پیدا کی۔ دوسری طرف یورپ کے نوآبادیاتی ہتھکنڈوں کے نتیجے میں عام بداحسن لاقی، دینی آزادی، مادہ پرستی، اُندھا دھند خواہشات پروری پیدا ہو گئی ہے، شخصی حکومتوں نے خوشامد، حد سے بڑھے ہوئے تکلفات، نفاق، طاقت و مادیت

بہادری جاری رہے گا، وہ جاہلیت جو کچھ عرصہ کے بعد سر اٹھاتی، اور تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد پاؤں پھیلاتی رہتی ہے، لیکن عالمِ اسلامی کی مصیبت، مسلمانوں کے حالات کا بگاڑ، اسلام کی صحیح راہ سے ان کا انحراف، اور مادیت کا طوفان اس مرحلے سے آگے نکل چکا ہے کہ اس کو انفرادی کوششوں سے مسجد کے مواعظ، پسند دینی درسوں، رسائل و مطبوعات، فقہی مباحثات، جزی مسائل اور افراد و اشخاص کی مخالفت سے اُس کا رخ پھیر جائے، سیلاب کو اسی طرح کے سیلاب، اور بہاؤ کو اس سے زیادہ طاقت ور بہاؤ ہی سے تھا مایا جاسکتا ہے، اسی لئے اس کی سخت ضرورت ہے کہ طاقت ور روک اور سخت ترین مقابلہ سامنے آئے جو زمانے کے بہاؤ اور زندگی کے دھارے کو ادھر سے ادھر کر دے، اور معاشرے و زندگی میں ذوقیات اور جہانات میں اور اشیاء کے اقتدار و اوزان میں ایک عام انقلاب برپا کر دے۔

یہاں ہماری سترت کا اندازہ کیجئے جبکہ ہم نے عالمِ عربی کے افق پر ایک نئی روشنی دکھائی، انخوان کی دعوت اس مصر سے جو کہ عالمِ عربی کا قائد اور شرقِ ادنیٰ کا مصدرِ خیر و شر ہے نمایاں ہوئی تو اسلام کے مستقبل کے لئے اُمیدیں تازہ ہو گئیں، اور ہم نے یہ خیال کیا کہ یہی وہ دعوت ہے جس کا احیاء مسلمین کے واسطے انتظار تھا اور یہی ہے جو مصلحین کی آرزوؤں و اُمیدوں کو پورا کرے گی، اور اس گرتی ہوئی دنیا کو سنبھالے اور روکے گی۔

تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ یہ تحریک ایک طاقت ور سیلاب میں تبدیل ہو گئی، اس نے اخلاقی ابتری و لاقانونی زندگی، الحاد اور بدینی کے دھاروں کو تھاما، اور مغربیت کے ان دھاروں کو روکا جو غیرتِ اسلامی اور دینی زندگی کے بچے کچے سرمایہ کو ہمالے جانے کی فکر میں تھے، اس نے ملک میں ایسا طاقت ور اثر و رسوخ حاصل کر لیا جس کے ساتھ یہ آسان ہو گیا تھا کہ پورے ملک کے رخ اور رجحان کو بدل دے، و حقیقت اس تحریک میں وہ بہت سی خصوصیات جمع ہو گئی تھیں جو ہمارے علم میں ٹہری مدت سے اس ملک میں کسی دینی اور اصلاحی تحریک میں جمع نہ ہو سکی تھیں۔

۱۔ ان خصوصیات میں سے ایک اس جماعت کے داعیِ اول شیخ حسن البنا (رحمۃ اللہ علیہ) کی شخصیت ہے، جہاں تک ہمارے معلومات کا تعلق ہے وہ اپنے طرز کی منفرد شخصیت تھے، ان کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس اہم کام کے لئے تیار کیا تھا، اور اس کی مخصوص صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں، اسلام کا وسیع فہم، دین کی غیرت اور اس کی سچی تڑپ، اسلام کی ترقی کے لئے مسلسل جدوجہد، جادو سیانی، دل آویز شخصیت، اپنے ساتھیوں اور کام کرنے والوں پر گہرا اخلاقی اثر اور محبوبیت، ان کی جامع شخصیت کے نمایاں اوصاف تھے، یا اقبال کے الفاظ میں:۔ ۶

”یقین حکم، عمل ہیج، محبت فاتحِ عالم“

ان کی زندگی کی تصویر تھی۔ مسلمان قائد اور دعوت دین کے علمبردار کو انہیں صفات کا جامع ہونا چاہئے۔
۲۔ اس تحریک کے لئے وہ چیزیں اکٹھا ہو گئیں جو دینی تحریکات کو اجتماعی طور پر کم میسر آتی ہیں یعنی قوت ایمان و عمل، عصری علوم، جدید طریق تعلیم، ادب و صحافت، صناعت و تجارت، ایسی چیزیں تھیں جنہوں نے اس تحریک کو عوامی عصری اور ایک عام تحریک بنایا جس میں عالم دین، نئے تعلیم یافتہ، کامیاب تاجر، معمولی مزدور، ادیب، مصنف، اخبار نویس، کاریگر، کسان، طالب علم، استاد اور ذمہ داران حکومت، ماہر ڈاکٹر، قانون دان، اور تجربہ کار سیاست دان دوش بدوش نظر آتے ہیں، ان مختلف عناصر اور طبائع کو جوڑنے والی چیز جماعتی رشتہ اور داعی کی ہمہ گیر شخصیت تھی۔

۳۔ صاحب دعوت کی تربیت، تحریک سے ان کے تعلق و انہماک اور اباحت و اخلاقی انہزی کے خلاف رد عمل نے رفقاء میں اخلاقی طاقت، ضبط نفس اور استقلال پیدا کر دیا، اور جو قوم۔ انہوں کے ایک ذمہ دار کے الفاظ میں۔۔۔ نرم و نازک تھی، اس میں ایسے نوجوان پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی شجاعت جاننا دہی کا ثبوت فلسطین کی جنگ میں بھی پیش کیا، اور جنہوں نے ہمارے اسلامی کی تاریخ دہرائی، اور شہداء و شہداء کے دور میں مردانگی اور پامردی کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔

۴۔ تحریک کے داعی اول نے اسلامی اقتدار کو بنے باکانہ پیش کیا، اور دین کے فرائض ادا کرنے میں اور ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے غور دار ہونے میں ان کو کوئی بھجک پیش نہ آئی، جن دینی فرائض و شعائر کے اظہار میں لوگ شرم اور حقارت محسوس کرتے تھے انہوں نے علانیہ ان کا اظہار کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دینداری کوئی شرم کی چیز نہیں رہی، لوگ قوہ خاںوں، کلب گھروں، دھو توں میں اور چوراہوں پر بلا تکلف نماز پڑھنے لگے، اور اس میں کوئی شرم کی بات نہیں رہی، اس کے علاوہ مقررین اور اہل قلم بھی دستور اسلامی اور احکام اسلامی کے نفاذ کا علانیہ مطالبہ کرنے لگے، اور دینی مباحث و مسائل کو بھی دائرہ بحث میں لانے لگے۔ حالانکہ اس سے قبل یہ چیزیں ایک محدود دیندار طبقہ کے لئے مخصوص سمجھی جاتی تھیں، اور علمی تحقیق و مطالعہ کے دائرہ سے باہر نہیں آ سکتی تھیں، اس میں شک نہیں کہ یہ سب ایک عوامی اسلامی تحریک کا نتیجہ ہے۔

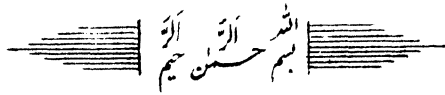
یہ سب ہوا، اور اگر مرشد م (شیخ حسن البناء) کی زندگی و فاکرتی، اور دھاراپنے رخ پر چلتا رہتا تو اس سے زیادہ ہوتا، ملک کا اخلاقی اور اجتماعی ڈھنگ بدل گیا ہوتا، بہت سی برعین مٹ جاتیں، اور بہت سی بدعتیں زندہ ہو چکی ہوتیں، شراب خانے ویران اور مسجدیں آباد ہو جاتیں، بد اخلاقی اور بے نظمی کے داعی رو پوش ہو گئے ہوتے، بازار میں ادب، بے حیا رسالے، ہمنہ فروش صحافت کا بازار سرد ہو جاتا، حد سے بڑھی ہوئی بے پردگی، مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط، اور صد ہا معاشرتی خرابیوں پر اس کا اثر پڑتا۔

لیکن ملک اس بیداری کی قیمت کو اچھی طرح نہ سمجھ سکا جس طرح کہ بیمار اور ضعیف معده صالح اور مقوی عسدا کا متحمل نہیں ہو سکتا اور اُس کو بد بھنی کی شکایت ہو جاتی ہے، اسی طرح قوم اپنی بے استعدادی کی وجہ سے اس صالح انقلاب کی متحمل نہ ہو سکی، شیخ کی شہادت اسلام کے لئے ایک سانحہ تھا جس میں صرف انھوں نے ہی نقصان نہیں اٹھایا، بلکہ اسلام اور عالم اسلامی کو بھی اس خسارہ میں شریک ہونا پڑا۔

لیکن میرے محرم بزرگو! میں یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو اس دعوت کے ساتھ خیر ہی منظور تھی کہ اُس نے اس دعوت کو آپ حضرات کی مرضی کے بغیر پہلی منزل کی طرف واپس کر دیا تاکہ یہ دعوت اور بھی پختہ ہو لے، اور اس کے رفقاء تربیت و بصیرت میں چند قدم اور آگے بڑھ جائیں اور اس کے اصول اور بھی راسخ اور قوی تر ہو جائیں، اس نے اس تحریک کے کارکنوں اور ذمہ داروں کو اس پر مجبور کر دیا کہ وہ اس تحریک کے مستقبل پر از سر نو غور کریں، پوچھ سمجھ کر راہ متعین کریں، اور اس کے نقشہ کو زیادہ سے زیادہ مکمل اور مرتب کریں۔

دینی تحریک اور اسلامی تجدید کا مسئلہ میرے محرم دوستو! معمولی مسئلہ نہیں ہے، اس کا مقصد اور اس کی ہم صرف یہ نہیں ہے کہ کسی نظام حکومت کو بدل دیا جائے، یا کسی سیاسی نقشے کے بجائے دوسرا سیاسی نقشہ لے آیا جائے، یا کسی اقتصادی نظام کی جگہ پر دوسرا اقتصادی نظام قائم کیا جائے، نہ تنہا علم و تہذیب کی نشوونما ہی اس کا مقصد و منہاج ہے، اور نہ جمالت و کم علمی کے خلاف جدوجہد یا بے کاری و بے روزگاری کا مقابلہ یا کچھ احتجاج یا اخلاقی خرابیوں کا علاج اس کا منہائے نظر ہے، اور اس کے علاوہ وہ تمام باتیں جن کو مختلف تحریکوں کے قائد یورپ اور مشرق میں لیکر کھڑے ہوتے ہیں، وہ تو اسلام کی اسی دعوت ہے جو کہ عقیدہ و اخلاق، عمل، سیاست و عبادت اور انفرادی اور اجتماعی تعلقات پر حاوی ہے، اس کا تعلق قلب و عقل، رُوح و جسم سب سے ہے، وہ قلب و نفسیات عقیدہ و تخیلات میں کیساں طور پر ایک عین تغیر چاہتی ہے، وہ پہلے دل سے، مِلتی ہے پھر کسی قلم یا کاغذ یا اسٹیج پر نمودار ہوتی ہے۔ وہ محرک کے جسم اور زندگی پر پہلے نافذ ہوتی ہے اُس کے بعد وہ معاشرہ یا قوم پر اُس کے نفاذ کا مطالبہ کرتا ہے۔

اس دعوت کے شایانِ شان و تحقیقت انبیاء، اُن کے کمالات اور اُن کی طاقتیں، اُن کا پیغام اور اُن کا ایمان و یقین، اُن کی جدوجہد اور اُن کی ثابت قدمی، اُن کی حکمت و بصیرت اور اُن کا اخلاص ہے لیکن یہ انبیاء و کھنڈ خاصا مخصوص نہیں، بلکہ یہ اُن کے جانشینوں اور ان کے متبعین کی بھی، اور ہر زمان و مکان کی دعوت ہے بلکہ پوری انسانیت اور تمام زمانوں کی ضرورت ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہر زمانے اور ہر ماحول میں اس کی تجدید کی جائے، اور انھیں کی بنیاد پر اس کی عمارت قائم ہو، اور وہ ان کے نبی کے مطابق ہو، انھیں کے چراغ سے اس کا دیا بجلا یا گیا ہو۔ آئیے! اب ہم اس سچے مسئلہ کو ذرا دیکھیں اور اس کا دقیق مطالعہ کریں۔



دَجَالِی فِتْنہ اور سُوءُ کَہْفُ

(مولانا سید مناظر حسن گیلانی)



پچھلے دنوں بعضوں کی طرف سے "یا جوج و ما جوج" کے منہ سے ناسجاڑ فائدہ اٹھانے کی کچھ بیوقوفانہ کوششوں میں غیر معمولی سرگرمیاں عمل میں آئیں اور "یا جوج و ما جوج" اور "انسج الدجال" کے قصوں کو پچھال اچھال کر خواہ مخواہ یہ ہنگامہ برپا کر دیا گیا کہ ہمدی اور مسیح بن مریم کی جستجو کا وقت آگیا ہے، اسی ہنگامہ میں اس دعوے کا اعلان کر دیا گیا کہ مسلمانوں کا ہمدی اور مسیحا یوں کا مسیح بن مریم آج ہی گیا، سادہ لوحوں کا ایک طبقہ اس عجیب و غریب دعویٰ کی طرف متوجہ بھی ہو گیا، اور انتظار کرنے لگا ان کا زمانوں کے ظہور کا جن کے بغیر نہ ہمدی ہمدی اور نہ مسیح بن مریم مسیح بن مریم بن سکتے ہیں، لیکن انتظار کرنے والے غریب انتظار ہی کرتے رہے، اور ہمدی و مسیح بنا کر اپنے آپ کو پیش کرنے والے صاحب دنیا سے شریف بھی لے گئے، لیکن واقعات ان کے سامنے بھی اور اگر ان کے چلے جانے کے بعد بھی ہمدی اور مسیح کے کارناموں کے برعکس قطعاً برعکس ہی پیش آتے رہے اور پیش آتے چلے جا رہے ہیں، انتظار کرنے والوں کا یہ سکین طبقہ اب حیران ہو، کہ بس مغالطہ کا شکار ان کو بنایا گیا تھا، اس کی توجیہ کیا کرے، حالانکہ مستقبل کی تاریخ میں پیش آنے والے جن حوادث و واقعات کا ذکر دینی و دنیوی میں بطور اشارہ قیامت کیا گیا ہے، کاش ان کے متعلق یہ بنیادی بات ان کی سمجھ میں آجاتی کہ یہ سارے واقعات ایک ساتھ زمانہ کے کسی محدود حصہ میں اچانک پیش آئیں گے، یہ فیصلہ قطعاً عاجلانہ اور عامیانہ فیصلہ ہے، اور اصل حقیقت وہی ہے، جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سیدنا الایات الامام مولانا انور شاہ انکشمیریؒ فرمایا کرتے تھے ان کی املانی تشریح فیض الباری میں بھی ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی وفات کو کبھی قیامت کے شرائط

الاندریٰ ابنی صلی اللہ علیہ وسلم عدد من اشراط الساعة

قبضہ من وجہ الارض، وفتح
بیت المقدس وفتح القسطنطنیہ
فہل، تراھا متصلۃ وجینھا فاصلۃ
مفاصلہ ص ۴ ج ۴

(فیض الباری شرح بخاری)

در میان غیر معمولی فاصلے ہیں۔

بہر حال یاجوج و ماجوج کے کھل جانے کے ساتھ ہی خواہ مخواہ ہمدی اور مسیح کی تلاش کا جذبہ عوام میں جو بھڑکا دیا گیا، پچ پوچھے تو ایک "بڑی حقیقت" شورش اور ہنگامہ کہ اس طوفانی گردوغبار میں دب کر رہ گئی، درجہ بقول الاستاذ الامام لکھنوی داتہ کی اصل صورت یا جوج و ماجوج کے متعلق یہ تھی کہ

لھم خذوہم حصرۃ بعد حصرۃ
وقد خرجوا قبل ذلک ایضا
وافسد فی الارض بما یستعاذ
منہ نعم فیکون لھم مخروج
الموعود فی اخر الزمان و
ذلک اشدھا۔

(اچانک ایک دفعہ وہ پل پڑیں گے ایسا
نہیں ہے بلکہ) بار بار نکلتے۔ میں گئے، آخر
پہلے بھی تو وہ نکلے، اور زمین میں وہ گڑ بڑ
مچائی کہ اللہ اپنی پناہ میں اس سے رکھے۔
ہاں! آخر زمانہ میں بھی ان کے نکلنے کا وعدہ
کیا گیا ہے اور ان کا یہ خروج سب سے زیادہ

سخت ہوگا۔

اور دنیا کے آخری ایام میں بھی ان کے خروج کی مدت یعنی نکلنے کے بعد کب تک دنیا میں وہ گڑ بڑ مچاتے رہیں گے، اس کو کون متین کر سکتا ہے، البتہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خروج کے بعد بالآخر ان کو نہیں نہیں کرنے اور ان کے مندرجہ مضامین سے نجات دینے کے لیے قدرت کی طرف سے خاص انتظام ہوگا، اور مقابلہ کے لیے غیر معمولی برگزیدہ ہتھیار سامنے آئیں گی، ہمارے یہاں کی روایتوں میں بھی اس آخری کشمکش کا ذکر پایا جاتا ہے۔ جن میں رطب دیا بس ہر طرح کی چیزیں شریک ہیں اور عوام میں وہی زیادہ مشہور ہو گئی ہیں اور "یاجوج و ماجوج" کے نام کے سنتے ہی ان باتوں کی طرف لوگوں کا ذہن منتقل ہو جاتا ہو حالانکہ تنقید روایات کے امام ائمہ اور ارباب تحقیق کا یہ فیصلہ کتابوں میں نقل بھی کیا جاتا ہو کہ

انہ قد اختلف فی عددہم
وصفاہم ولم یصم فی ذلک
شی (فیض الباری ج ۴ ص ۴)

یاجوج و ماجوج کے شمار اور ان کے خصوصیات
میں اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں کوئی بات
صحیح روایت سے ثابت نہیں۔

مگر کچھ بھی ان ہی روایات کی بنیاد پر ایسی باتیں عوام میں پھیل گئی ہیں کہ ”یا جوج ماجوج والوں میں بعض لوگوں کا قد غیر معمولی طور پر دراز ہوگا، اور ان ہی میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کا قد چار ہاتھ لانا اور چوڑائی بھی ان کی چار ہاتھ ہی ہوگی، اور ایک طبقہ ان ہی میں ایسا بھی ہوگا جن کا قد باشت و دباشت سے زیادہ نہ ہوگا، اور یہ کہ کچھ لوگ ان ہی میں ایسے بھی ہوں گے، جو اپنے ایک کان کو اوڑھیں گے اور ایک کو کچھائیں گے، ان کی کثرت تعداد کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے، اور یہ کہ عورتوں کے استعمال میں بھی کسی خاص آئین و قانون کے پابند نہ ہوں گے، یہی حال کھانے پینے میں بھی ان کا ہوگا کہ کسی قسم کا جانور ہو، مٹی ہو، سوہ ہو، اونٹ ہو، چنگلی ہو، اپنی ہو، سب ہی ہی کو چٹ کر جاتے ہیں۔“

عجیب بات ہو کہ یا جوج و ماجوج کے متعلق یہ اور اسی قسم کی روایاتی باتوں کا چرچا تو عوام و خواص سب ہی میں پھیلا ہوا ہے۔ لیکن ان ہی روایتوں میں ہم ایسی چیزیں بھی جو باتے ہیں، مثلاً البیہقی کی کتاب البعث کے حوالہ سے مشہور صحابی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت تفسیر کی کتابوں میں پائی جاتی ہے جس میں ہے کہ ابن عمر فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ

من وداھم ثلاث امم خادیل و یعنی یا جوج و ماجوج کے پیچھے تین قومیں ہیں
قادس ومنسک ۲۵ تاویل و تار میں ومنسک۔

امام بیہقی کے علاوہ سیوطی نے لکھا ہے کہ طبرانی ابن المنذر وغیرہ حدیث کے چوتھے درجے کی کتابوں میں بھی یہی روایت پائی جاتی ہے، اور علاوہ ابن عمر کے دوسرے صحابی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طوط بھی یہ بیان منسوب کیا گیا ہے کہ انھوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سنا تھا۔ دیکھو در فستور ۲۴۹ اور اب لایے ابن عمر اور ابن مسعود کی اس روایت کو بائبل کی اس کتاب کی عبارت سے جو حزقیل نامی نبی اسرائیل کے کسی بزرگ کی طرف منسوب کر کے عبد غریق کے مجموعہ میں شریک ہے۔ دھانی ہزار سال سے کم مدت کا تاریخی وثیقہ نہیں ہے۔ بہر حال اس کتاب میں حزقیل نبی کی طرف یہ یا اسی کے قریب قریب الفاظ منسوب کئے گئے تفسیر کی روایاتی کتابوں میں یہ روایتیں مل جائیں گی سیوطی نے اپنی تفسیر در خرد میں کافی ذخیرہ جمع کر دیا ہو لیکن عوام یہ روایتیں غیر معتبر کتابوں سے اخذ ہیں اور تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر نو مسلم یہودیوں اور عیسائیوں کے اقوال ہیں ان میں زیادہ شریک ہیں تاہم یا جوج و ماجوج کی مذکور کثرت کے متعلق امام کشمیری کا خیال ”کہ نہ معنی کثرت عدد ہم احادیث“ (ان کی حدیثی کثرت کے متعلق بعض روایتیں صحیح ہیں) اس سلسلہ میں جہاد کے اسرار کا ذخیرہ بغیر جنگ کے غنائم کا خیال ”تاہو، انھوں نے بوٹ امریکا کا سنا کیا تھا ان کا بیان کہ کھانا بالینہ میں ان کا اتفاق ایک دو آدمی بلکہ مستقل آبادی رکھائی گئی تھی جس کے باشندے عکسراہ و پتہ قدیم پوری آبادی دونوں ہی دونوں سے پھر ہی تھی جن میں مرد و عورت یکے سے تھے۔ ۱۲۔ حزقیل علیہ السلام کے متعلق یہی کہا جاتا ہے کہ جب بخت نصر یہودیوں کو ظلم سے ابر کر کے لے گیا تو اس زمانہ میں وہ عورت تھے حامل ہی، و کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو سال پہلے حزقیل کا زمانہ کہ اس نے دھانی ہزار سال سے کم کی پیش گوئی نہیں کی۔ ۱۳

ہوئے کہ

”خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا“
 بہت سے آئندہ پیش آنے والے واقعات کا ذکر پایا جاتا ہے جن میں ایک جگہ یہ بھی ہے کہ
 اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ اے آدم زاد
 جو سچ کی طرف جو مانتو سچ کی سرزمین کا ہے اور
 روس اور مسکت اور توبل کا فرماں روا ہو
 متوجہ ہو اور اس کے خلاف نبوت کر اور کہہ
 خداوند خدایوں فرماتا ہو، کہ دیکھ ! اے
 جو سچ روس مسکت اور توبل کے فرماں روا (حزقیل ۳۹)
 پھر باب ۳۹ میں بھی ہے

پس اے آدم زاد تو جو سچ کے خلاف نبوت کر اور کہہ خداوند
 خدایوں فرماتا ہے کہ دیکھ ! اے جو سچ روس، اور مسکت
 اور توبل کے فرماں روا میں تیرا مخالفت ہوں“

اور اسی کے ساتھ حنظرافیہ کی عام ابتدائی کتابوں میں ”ایشیائی روس“ کے زیر عنوان جو تفصیلات دیے
 گئے ہیں ان کو پڑھیے جن سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان کے قریب سے چوگنا بڑا علاقہ سائبیریا کے نام سے روس
 ہی کے قبضے میں ہے جس میں اسپٹیز اور توئڈار کے عریض وسیع خطے شریک ہیں، اور توبل سک منک نامی شہر بھی
 ولادی واکسک اور کٹسک وغیرہ نامی آبادیوں کے ساتھ اسی علاقے میں پائے جاتے ہیں۔
 ان تفصیلات کو اپنے علم میں شریک کرتے ہوئے بتایا جائے کہ حضرت الاتا دالامام لکشمیری رحمہ اللہ علیہ
 کے اس دعویٰ پر کون تعجب کر سکتا ہے کہ

اما الروس فهم من ذریۃ

یا جوج

اسی کے ساتھ بعض مواقع پر شاہ صاحب یہ بھی فرماتے تھے :-

ان یا جوج و ما جوج لای بعد ان

میکو خواہل در سیاہ و بریطانیا

۳۳۴ فیض الباری

یا جوج و ما جوج اگر روس اور برطانیہ والے

ہوں تو اس دعوے کو بعید از واقعات مینیں

ٹھہرایا جاسکتا ہو،

دوسرا یعنی روس کے علاوہ برطانیہ والوں کا بھی یا جوج واما جوج والوں ہی میں سے ہونا چوں کہ یہ ایک تاریخی سلسلہ ہے، اور شروع ہی سے عرض کرتا چلا آ رہا ہوں کہ اصولاً اپنے اس مضمون میں کسی ایسے سلسلہ کا حتیٰ الوسع میں ذکر نہیں کر دوں گا جس کی حیثیت صرف تاریخی ہو، یہ کام اربابِ تاریخ کا ہے، اور اپنے معلومات کی روشنی میں چاہیں تو اس سلسلہ کی تحقیق وہ کر سکتے ہیں۔

ادریج تو یہ ہے کہ جیسے ”المسح الدجال“ کے متعلق میں نے عرض کیا تھا کہ بجائے ذات کے اصل ضرورت اس کی ہے کہ ان ”دجالی صفات“ کا پتہ چلایا جائے، جن کی وجہ سے ”دجال“ دجال بن جائے گا۔ اسی طرح یہ دھونڈنا کہ دنیا کی کن قوموں کو ”یا جوج واما جوج“ قرار دینا چاہیے ایک غیر ضروری تاریخی سلسلہ سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں بھی بجائے ذات کے ہیں ان صفات ہی پر اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہیے جس کی وجہ سے مذاہبِ دادیان میں یا جوج واما جوج سے چونکا رہنے پر آمرا کیا گیا ہے۔

اسی نقطہ نظر سے آپ پھر سورہ کہف کو اٹھالیجے، اس کا تذکرہ کرنے کے بعد کہ جب صورت پھونک دیا جائے گا تو ”یا جوج واما جوج“ کو ہم اکٹھا کریں گے، یعنی فرمایا گیا ہے کہ ”ونفخ فی الصور فجمعناہم جمعا“ اس کے بعد آخر سورہ تک جو آیتیں پانی جاتی ہیں، ان کو پڑھتے جائیے، میں بالترتیب ان آیتوں کو ترجمہ کے ساتھ اور جو کچھ اپنے ناقص خیال میں آیتوں سے میری سمجھ میں آیا ہے اسے پیش کر دیتا ہوں۔

(۱)

پہلی آیت اس سلسلہ کی یہ ہے یعنی یہ فرماتے ہوئے کہ

وَعَرْضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ

اس دن (یعنی نفعِ صورت کے بعد)

جہنم ان ہی کا فویل پر ہم پیش کریں گے، خاص طور

عوضاً

پر پیش کرنے کی شکل میں۔

۱۰۔ یارب کی دہوں کے نسب ناموں اور بے شمار نام کے قبائل ان میں جو پائے جاتے تھے ان سے واقفیت کے سوا اس سلسلہ میں ایسی باتیں کہ انگلستان میں میگاگ ہل دیتی کوہ ماجوہ نامی کوئی چٹائی پائی جاتی ہے، یا ہیراں انگلستان میں گلاگ میگاگ یعنی یا جوج واما جوج کا میلہ تاریخ کے معلوم نامہ سے جتا چلا آتا ہو، یا شہر لندن میں گڈ ہل نامی جو عمارت کے شاہد لندن کا رپورٹیشن کا مہم دفتر ہی عمارت میں، اس کے مدعا زے پر گلاگ و میگاگ یعنی جوج واما جوج کی برنجی موتیں آنے سانسے جو کھڑی کی گئی ہیں، یہ کس راڈ کی طرف اشارہ ہے، یہ اور اسی قسم کے بیسیوں دیکھ سائل کو تا رہنے کے علاوہ اپنی بحث اور تلاش و جستجو کا موضوع بنا کر نتیجہ تک پہنچا سکتے ہیں، اس

مضمون کی حد تک میرے لیے اتنے چند اشارے بھی کافی ہیں۔ ۱۱

آگے ان ہی ”الکافرین“ کے صفات کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا ہے،
 الذین کانت اعینہم فی غطاء عن
 ذکری وکانوا لا یستطیعون
 سمعاً
 یعنی وہ لوگ جن کی آنکھیں میری یاد سے پرے
 میں رہیں اور وہ سنا بھی (میرے ذکر) کا برداشت
 نہیں کر سکتے تھے۔

ظاہر ہے کہ پہلا جز یعنی جہنم کے پیش ہونے کی کیا صورت ہوگی، اس کی حقیقت کا انکشاف تو اسی دن ہوگا اور
 ان ہی کو ہوگا جن پر جہنم اپنے خاص رنگ میں پیش ہوگی، لیکن دوسرے جز کے لیے قیامت کے قائم ہونے کی ضرورت نہیں
 ہے۔ اسی دنیا کی بات ہے، ڈھونڈیے اس بات کو کہ کن قوموں میں یہ صفات اور خصوصیات پائے جاتے ہیں، مشرکین
 اور بت پرست، یا ان کے سوا مختلف مل و دیانات کی طرف ان کے آپ کو منسوب کرنے والی قوموں کے لیے مفید ہو یا غیر مفید
 لیکن خالق کے ذکر سے قطعاً بے تعلق رہنے کا دعویٰ ان کے متعلق نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ دوسرے معبودوں ہی کے ساتھ
 ہی لیکن بہر حال عالم کے خالق کی یاد سے کوئی قوم خالی نظر نہیں آتی، پھر اسی آدم کا یہ حصہ یعنی ”اور وہ سنا بھی
 (میرے ذکر) برداشت نہیں کر سکتے تھے۔“

دیکھ لیجئے، کہ ذکر اللہ کے سننے کو بھی آج جو برداشت نہیں کر سکتے، وہ کون لوگ ہیں، ان کی تقریروں میں ”تحریروں میں
 تلاش کیجئے، ہر چیز کے ذکر کے ساتھ جس کے ذکر سے وہ خالی نظر آئیں گی، یہ اپنے پیدا کرنے والے خالق کو دگا رہی گا ذکر ہوگا،
 اس بات میں ان کی نفرت کا درجہ استغراء، سخریہ، کے حدود تک کن لوگوں میں پہنچ چکا ہے کیا اس کے لیے کسی
 ریسرچ اور جستجو کی ضرورت ہے

رہٹ لکھوائی ہے یاروں نے جا جا کے یہ تھانے میں
 کہ اکبر یاد کرتا ہے خدا کو اس زمانے میں

اکبر مرحوم کا یہ شعرا آج جو زبان زد عوام بنا ہوا ہے، کیا یہ کوئی اتفاقی بات ہے یا ان کی اس غفلت میں
 کوئی حقیقت پوشیدہ نہیں ہے؟

ایں سخن راجحہ جواب سنت تو ہم می دانی

(۲)

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے،
 انحسب الذین کفروا ان یتخذوا
 عبادی من دونی اولیاء انا اعتدنا
 جمعہم للکافرین منزلاً
 کیا وہی لوگ جنہوں نے انکار کیا خیال کرتے ہیں کہ نبالیں
 میرے بندوں کو میرے سوا اپنے پست پناہ ہم نے تیار کر رکھی
 ہے جہنم ان کی کہاں نوازی کے لیے

خالق عالم حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی یاد اور ذکر سے کئی انحرافات اور لغات کے بعد فطرت انسانی کے ایک خاص بھان کی طرف ایک خاص قسم کا اشارہ سوچنے سے آپ کو اس آیت میں مل سکتا ہو، کم از کم خاکسار کا ناچیز احساس یہی ہے، مطلب یہی کہ اپنے پیدا کرنے والے خالق کی عائد کی ہوئی آئینی ذمہ داریوں سے بچ سکنے یا مکمل بھانگے کا زندگی کے موجودہ انتہائی دعبوری دور میں یہ ایک آسان طریقہ ہے کہ اپنے خالق سے اپنا رشتہ توڑ لیا جائے اور

”خدا کو کیا پڑی میرے تمہارے درمیان کیوں ہو“

کہتے ہوئے جو جہی میں آئے آدمی کرتا چلا جائے۔ عموماً اکادمی زندگی کے نیچے کچھ اسی قسم کی شعوری یا غیر شعوری ذہنی چالاکیاں اور بے باکیاں پوشیدہ ہوتی ہیں، اتحاد اور بے دینی کی زندگی کا ایک پہلو تو یہ ہے، لیکن اسی کے ساتھ وہی انسان جو سراسر احتیاج، اور اپنے خاص حالات کے لحاظ سے صرف فقرا رکھے، تو کہہ سکتے ہیں کہ مجھ بھی ایک اور صرف سوال ہی سوال کے سوا وہ اور کچھ نہیں ہے، اپنی زندگی کا ایک کچھ بھی بیرونی امداد کے بغیر وہ بسر نہیں کر سکتا، کھانے پینے، پہننے، حتیٰ کہ سانس تک لینے میں غیر کی محتاجی، غریب آدمی کی زندگی کا ایسا کھلا ہوا خاصہ ہے جس سے قطع نظر کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں، وہ بیمار پڑتا ہے جس علاقہ میں رہتا ہے وہاں عموماً دباؤں پھوٹی دیتی ہیں، تھلا اور خشک سالی کے حملے ہوتے رہتے ہیں، جنگوں کا خلفشار مختار رہتا ہے، بے آئینی اور بد امنی کا دور و دورہ شروع ہو جاتا ہو، یہ اور اسی قسم کے پیش آنے والے حوادث و واقعات کے مقابلہ میں کیا کیا جائے؟ ایک سوال ہے جو تاریخ کے نامعلوم زمانہ سے بنی آدم کے دل و دماغ میں ہل چل مچائے ہوئے ہو۔ خالق عالم کی طرف توجہ کی جائے اور اس کی پشت پناہی یا ولایت میں اپنی زندگی کو ڈال دیا جائے، یہ صل تو اس سوال کا بظاہر آسان نظر آتا ہے لیکن اسی کے ساتھ انسان کو جس نسب انیمن کی تکمیل کے لیے پیدا کرنے والے نے پیدا کیا ہو، اس کی ذمہ داریاں اس راہ میں تیرتا عائد ہوجاتی ہیں، قرآن میں اس کا اعلان کرتے ہوئے کہ

اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَانِّي قَرِيبٌ

اِذَا دَعَاكَ اِذَا دَعَا

میرے بندے جب آپ سے متعلق تو

گمراہی میں تھیں اور پاس ہی رہتا ہوں اور

پکارنے والوں کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔

اگر مجھ کو پکارا گیا ہے کہ

فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي

میں چاہیے کہ وہ کبھی مجھے جواب دیں، اور

مجھے مانیں، تاکہ وہ سیدھی راہ پر چل پڑیں۔

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ

اس میں کارروائی کے اسی دو طرفہ پہلو کی طرف راہ نمائی فرمائی گئی ہے، حاصل یہی ہے کہ مجھ سے کچھ لینا

چاہتے ہو تو جو کچھ تم سے میں چاہتا ہوں اسے تم بھی پیش کرتے رہو ”لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ“ تاکہ وہ سیدھی راہ پر

چڑھ جائیں گا مطلب یہی ہے راہ یابی کا فطری طریقہ یہی ہے لیکن جو خود تو سب کچھ لینا چاہتے ہوں مگر خود کسی قسم کی ذمہ داری اپنے اوپر اپنے پیدا کرنے والے کی لینا نہیں چاہتے، ان میں ایک طبقہ تو ان لوگوں کا ہے جنہوں نے خالق عالم اور اپنے درمیان آگاہ یعنی دیوتاؤں اور مخلوق موجودوں کا ایک سلسلہ فرض کر لیا۔ شعور اس کا ان کو ہوا، یا نہ ہو لیکن واقعہ یہی ہے کہ اس تدبیر سے اپنی کار براریوں کی ایک ایسی راہ اپنے خیال میں مقرر خیال میں بھولنے نکال لی ہے جس میں ان کے زعم یا دم کے مطابق ان کی ضرورتوں کی تکمیل کا تو انتظام ہو جاتا ہے، مگر خود ان پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ لیکن ان درمیانی واسطہ اور مخلوق موجودوں کے متعلق ان کا احساس ہوتا یہی ہے کہ خود دنیا وغیرہ چڑھا دے کی وقتی پیش کشوں سے خوش ہو کر ہماری حاجتوں کو ہمارے ہی آلہ یا دیوتا پوری کر دیتے ہیں، لیکن ان کے موجودوں کی طرف سے کسی قسم کا کوئی آئینی مطالبہ ان پر عائد نہیں ہوتا، اور غرض ان کی ہوتی بھی یہی ہے کہ آئینی ذمہ داری کے بغیر ان کی ضرورت پوری ہوتی رہے، اپنے ان موجودوں کی تذکرہ دنیا کے سلسلے میں بیش قرار رقوم صرف کر دینا ان کو اس سے زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آپ پر اور اپنے نفس کی خواہشوں پر پابندیاں عائد کریں۔ یہ مشاہدہ کی بات ہے کہ شرک کا نہ کاروبار کرنے والوں میں کسی قسم کی ایسی اخلاقی اور آئینی ذمہ داری جو ان کے دیوتاؤں کی طرف سے ان پر عائد کی گئی ہو اس کا احساس نہیں پایا جاتا۔ خواہ ان موجودوں کی پوجا پاٹ میں ان کا جتنا بھی خرچ ہو جائے، گویا خدا کی ذمہ داریوں کے احساس کو دبانے کی یہ ترکیب اس طبقہ نے تراش لی ہے کہ خدا کے سامنے انھیں آنا ہی نہ پڑے، بلکہ خود تو وہ اپنے خود پر مشیدہ موجودوں کے سامنے جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ان کے موجودوں سے چونکہ خدا راضی ہے۔ اس لیے افریماں سے ان کی ضرورتوں کی تکمیل دہ کرالیں گے۔

ایسی طریقہ کے مقابل میں ایک دوسری تدبیر یہ بھی ہے کہ خدا کے سامنے سے تو اپنے آپ کو مطلق العنان اور آزاد رکھنے کے لیے وہ بھاگ جاتے ہیں، بھول کر بھی نہ خدا کا نام لینا چاہتے ہیں، اور نہ ان کو وہ یاد ہی آتا ہے، باقی زندگی کی ضرورتوں اور حاجتوں کے لیے شرکوں کے ناویدہ و خود تراشیدہ اور ان کے خیال کے مطابق خدا رسیدہ موجودوں کی جگہ انھوں نے ہر ضرورت اور حاجت کے لیے نفی خدات یا ٹیکنیکل اکسپرٹوں کا طبقہ کھڑا کر لیا، جو جس کی تعلیم و تربیت پر اس سے زیادہ توجہ اور زیادہ خرچ کرتے ہیں، جتنی توجہ اور جتنے مصارف کا بار شرک کا نہ کاروبار والے اپنے موجودوں کو رہنمی رکھنے کے لیے برداشت کرتے ہیں اور ہر پیش آنے والی ضرورت کے لیے وہ ان ہی خدات اور اکسپرٹوں کی طرف رجوع ہوتے ہیں، ان ہی کی ملامت اور پشت پناہی میں ان کی ساری زندگی بسر ہوتی ہے، کسی ایسی جگہ قیام ان کے لیے دیکھ کر شاید ناقابل تصور ہوتا ہے جہاں اپنے ان اولیاء یا پشت پناہوں کے دستیاب ہونے میں کسی قسم کی دشواری کا خطرہ

ہو ان ہی کپڑوں کے ساتھ ساتھ ایک طبقہ ان میں بندروں اور قائدوں کا بھی ہوتا ہے، اور عموماً اجتماعی سماجیات میں ان ہی پر بھروسہ کیا جاتا ہے، اغرض خدا کی ذمہ داریوں سے بچتے ہوئے ضرورتوں اور حاجتوں کی تکمیل میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ پیش آئے۔ اس کے لیے انہی مذکورہ بالا دو طریقوں میں سے کسی ایک یا دونوں کو ساتھ ساتھ اختیار کرنے والوں نے اختیار کر رکھا ہے، قرآن میں شرکانہ کاروبار والوں کے طرز عمل کی تعبیر کے سلسلے میں عموماً اس قسم کے الفاظ پائے جاتے ہیں مثلاً

التخذن دامن دوحہ الکھد انہوں نے میرے سوا معبود بنا لیے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ انہی ضرورتوں اور حاجتوں میں جن پر شرکین بھروسہ کیا کرتے تھے اور جن کی طرف اس راہ میں رجوع ہوتے تھے ان کو آپ دیکھیں گے عموماً ”آلہہ“ کے نام سے قرآن ان کو موسوم کرتا ہے، لیکن سورہ کہف کی مذکورہ آیت میں سچا آلہہ ہم عبادی معبود اولیاء کے لفظ پاتے ہیں یعنی یہاں سچا آلہہ کے اولیاء کا لفظ استعمال کیا گیا جو اس کی تہ ہم پہنچتے ہیں کہ مشرکوں کا معبود اور آلہہ تعلق قرآن میں بتلایا گیا جو عموماً وہ نام ہی نام ہوتے ہیں لیکن ان ناموں اور اسما کو جس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بایں معنی کہ درحقیقت ان ناموں سے جن چیزوں کی تعبیر کرتے ہیں، وہ محدود اور کچھ نہیں ہوتیں، زیادہ تر مشرکوں کے معبودوں کی عام نوعیت یہی ہوتی ہے کہ وہ صرف مفروضہ اسماء و اوزان ہی نام ہوتے ہیں، اور سبھی یہ ہوتا ہے کہ جن کمالات و تصرفات کو ان معبودوں کی طرف اپنے خیال میں شرکین نسبت کرتے ہیں، ان سے قطعاً ان کو کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، گویا پتھر کا نام جیسے پانی رکھ لیا جائے اور نام رکھ کر توقع دلائی جائے کہ پانی کا کام اس پتھر سے لیا جاسکتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ بھی فرضی نام یا نام بے سبب ہی کی ایک شکل ہے، اور مشرکوں کے معبودوں پر شرکی تنقید کے یہ الفاظ یعنی

ان ہی الا اسماء سمیتوہا نہیں ہیں وہ لیکن صرف چند نام جو رکھ لیے

ہیں خود تم نے یا تمہارے باپ دادوں نے۔

اختتموا جاعکم

ہر حال میں صادق آتے ہیں،

لیکن اس کے معنی میں حق تعالیٰ کی عائد کی ہوئی آئینی ذمہ داریوں سے بچ بچکنے والوں نے پشت پناہوں اور اولیاء کا جو طبقہ اسپرٹس (خداق) اور لیڈرس (تواذ) وغیرہ ناموں سے بنایا ہے، ظاہر ہے کہ اس کی نوعیت مشرکوں کے معبودوں سے اس باب میں مختلف ہوتی ہے، یعنی خداق و تواذ کا یہ گروہ اسی طرح خدا کے واقعی بندے اور مخلوقات میں، جیسے ان پر بھروسہ کرنے والے خدا کے بندوں اور مخلوقات میں شامل ہیں، اور جن ضرورتوں اور حاجتوں میں ان پر تمنا و کیا جاتا ہے ان سے ان کی بے تعلقی کا حال بھی وہ نہیں ہوتا، جو مشرکوں کے معبودوں کا ہے، بلکہ قدرتی قوانین کا علم حاصل کر کے اسی علم کے مطابق عملی نتائج حاصل کرنے کا طریقہ

ان فی ما ہرین کو دکھایا جاتا ہے، اور خواہ بہ حال میں ان سے متوقع ضرورتیں پوری ہوں یا نہ ہوں، لیکن ان ضرورتوں سے شرکوں کے خود تراشیدہ معبودوں کی طرح ان کو قطعاً بے تعلق بھی نہیں قرار دیا جاسکتا۔

بہ حال جہاں تک میر نیال ہو مذکورہ بالا آیت میں بجائے ”آلہۃ من دونی“ کے ”ان یبتعدوا عبادی من دونی اولیاء“ (یعنی میرے بندوں کو میرے سوا یا مجھے چھوڑ کر انھوں نے اپنے اولیاء اور پشت پناہ بنا جو رکھا ہے) یہ الفاظ جو پائے جاتے ہیں، ان میں بظاہر حق تعالیٰ کی آئینی ذمہ داری سے آزاد رہنے کی حیثیت میرا ناچیز خیال ہے اسی دوسری تدبیر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں بجائے خود تراشیدہ نام نہاد آلہ اور معبودوں کے، اکسپریٹوں، اور ٹیڈر روں کو بنانے والے اپنا پشتیان، اور اولیاء بنالیتے ہیں اور یوں اپنے پیدا کرنے والے خالق تعالیٰ سے بے تعلق و قطعاً بے تعلق رہ کر زندگی بسر کرنے کی ایک راہ انھوں نے جو نکال لی ہے، تو فرمایا گیا ہے کہ

انما اعتدنا جہنم
للسکافرین نزلاً
بلاشبہ ہم نے تیار کر رکھا ہے ان ہی انکار کرنے
والے کافروں کیلئے جہنم کہاں نوازی کے واسطے۔

مطلب یہی ہے کہ زندگی کا موجودہ عبوری دور جو بہ حال گزر رہا ہے، سب ہی کی گزر جاتی ہے، ان سے پہلے شرک کا کار بار والوں نے خدائی ذمہ داریوں سے بچنے کی جو صورت نکال لی تھی بڑے بھلے وہ بھی اپنی زندگی کے دن پورے کر کے دینا سے گئے، اور تم نے جو نئی راہ جسے سائنٹفک راہ زندگی گذارنے کی تم نے باور کرایا ہے، یہ بھی گذرے گی لیکن تم ہو، یادہ ہوں، بہ حال قدر کے متعذر کردہ نتیجے اور انجام سے بچ کر نکل نہیں سکتے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ پیدا کرنے والے نے جس مقصد کے لیے اور جس نصب العین کی تکمیل کے لیے تمھیں پیدا کیا تھا، تم اس مقصد اور نصب العین کو حاصل قرار دے کر اپنے کمزورت کے خمیازہ کو بھگتو، بلکہ نتیجہ کا دن جب گئے گا تو قدرت کی طرف سے ان کے آگے زندگی کا وہ دردناک قالب پیش ہوگا جس کا اصطلاحی نام جہنم ہے۔ بہ حال شرک کا رد و بار کی تنقید بن خاص الفاظ میں عموماً قرآن کرنے کا عادی نظر آتا ہے، بجائے ان الفاظ کے یہاں الفاظ میں رد و بدل جہاں تک میر نیال ہو بلا وجہ نہیں کیا گیا ہو۔ دوسروں سے کبھی ہی عرض کر دوں گا، کہ قرآن کے طریقہ بیان کی خصوصیتوں پر توجہ دیں گے، تو تجربہ ان کو خود بتائے گا کہ ان تبدیلیوں میں کوئی خاص اور اہم نکتہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ کچھ طویل بیانی سے کام تو ضرور لینا پڑا، لیکن کیا کیا جائے۔ پہلے بے سوچے سمجھی باتیں ہوتیں۔ تو مختصر اشارے بھی کافی ہو سکتے تھے۔ لیکن اچانک نے پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی پڑی ہو

۱۔ نوبت کمند فروشاں در گذشت بجز تو فر و شایم این بازدار است

یہ توفیر ٹوں کی باتیں ہیں مولانا جی جیسی عبتائی ہستیں کے قلم سے یہی باتیں نکلی تھیں وہ ان ہی کا فرمایا ہوا شعر ہے

نہایت عجیب و غریب ہے کہ یہ سب باتیں قرآن میں پائی جاتی ہیں۔

بسم اللہ
الحَمْدُ
وَالصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ

کچھ ابن تیمیہ کے متعلق

از مولانا محمد اویس صاحب دی نگرانی

الفرقان میں ابن تیمیہ کے متعلق اس پیرچہاں کے دو مضمون نکلے ہیں ان دونوں مضمونوں میں صراحت تھی کہ ابن تیمیہ اور ابن تیم با ایں ہمہ جلالت قدر و رفعت شان بہر حال غیر معصوم انسان تھے جس طرح دوسروں کی رائے غلط ہو سکتی ہے اسی طرح وہ بھی غلطی کر سکتے ہیں اور ان کا اختلاف مسئلہ ستم کی نشانی نہیں ہے۔ (الفرقان تبہ ۱۵۷)

ہم ابن تیمیہ کو معصوم نہیں مانتے ہیں اور بے شبہ غلطیوں سے معصوم کے سوا دوسرے کو نجات نہیں۔ (الفرقان تبہ ۱۵۷)

یہ الفاظ ہم نے قصداً اس لیے لکھے تھے کہ سلف صحابین اور جمہور امت کا دامن ہم کسی طرح نہیں چھوڑنا چاہتے ہیں اور محض حسن ظن اور عقیدت کی وجہ سے ہمیں بلکہ بحمد اللہ سیکڑوں سفاحات کے مظاہرہ اور اہل علم کے حالات پڑھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سلف صحابین کے اتباع سے زیادہ ہر امن دوسرے کوئی راستہ نہیں ہو! گو جمہور سے اختلاف کتاب و سنت سے ارتداد کے مراد نہیں اور نہ ہر غلطی کفر و عنایت کہی جا سکتی ہے مگر عقائد کا تفرق معمولی چیز بھی نہیں ہے بلکہ یہ ہلکا اور مضرت رساں ہے اسی طرح اگر غلطی تفرق اور نہ سبھی اختلاف بھی تمام ائمہ حق سے کنارہ کشی پیدا کرتا ہو تو وہ بھی ادنیٰ درجہ نہیں رکھتا ہے! ۱۵

۱۵ اس موقع پر حضرت الشاذ علامہ سیلیمان صاحب ندوی مدظلہ کی ایک نصیحت بار بار یاد پڑتی رہے دارالاصنافین کے زمانہ قیام میں ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے پیچاس سالہ تصنیفی تجربہ کے بعد آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ کسی (باقی صفحہ پر)

ابن تیمیہ کا معاملہ یہ ہے کہ احکام فرعیہ میں انھوں نے جا بجا ائمہ اربعہ سے اختلاف کیا ہے، سائل متقاویہ میں بھی ان کی طرف بعض تفردات منسوب ہیں گو ان تفردات کی نسبت ابن تیمیہ کی طرف بحث طلب ہے، مخالفین ان کو ان جرائم کے مجموعہ قرار دیتے ہیں اور مؤلفین ان کی برأت کرتے ہیں اور عقائد کے باب میں ان کو محدثین اور حنابلہ کے طریق پر مانتے ہیں!

اس صورت حال کے پیش نظر ابن تیمیہ کے مناقب کے اختلاف کے ساتھ ساتھ ہم نے دونوں مضمونوں میں ان کی غلطیوں کی طرف اشارہ کر دیا تھا مگر منقبت عمومی کے سامنے یہ اشارات واضح نہ ہو سکے اور ضرورت محسوس ہوئی کہ ناظرین الغرہ پر یہ حقیقت کھول دی جائے کہ ابن تیمیہ کے علم و فضل کے اقرار و اعتراف کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ کلیتہً ان کی ہر رائے صحیح اور قابل تقلید ہے! ہم کو ابن تیمیہ کے سمجھ علمی، درست نظر، نصرت حق اور حمایت دین کے جوش و ولولہ کا استغناء ہے جو مگر یہ بھی یقین ہے کہ بشری کمزوریوں سے وہ خالی نہ تھے اور کیا محجب ہے کہ یہی کمزوریاں ان کو بار بار زندان خانہ کی طرف لے گئی ہوں، اور مجالس مناظرات کا باعث بنی ہوں، حاسنین اور اعداء سے کئی امام و عظیم القدر خالی نہیں رہا خود ابن تیمیہ کے زمانہ میں برسے برسے آسمان ان کے اساتذہ اور شرکاء درس رہے ہیں مگر کسی کو ایسے سخت حالات نہیں پیش آئے اس کی یقیناً کوئی وجہ نہ جہم ہے۔

بہر حال ان حالات کے اسباب جو بھی ہوں یہاں اس کے فیصلہ کا موقع نہیں ہے ہم کو اجمالاً یہ کہنے میں کوئی تردد نہیں ہے کہ سائل اعتقاد یہ یا احکام فرعیہ میں اگر ابن تیمیہ سلف صاحبین سے کہیں متغیر ہیں تو اس تفرد میں ہم ان کے ساتھ نہیں ہیں، اسی طرح اگر کہیں ارباب طریقت پر انھوں نے سبب تفسیق کی آہٹ تو اس کے بھی ہم مؤید نہیں ہیں، اور جو شخص ان کے اصلی یا فرعی تفردات سے یا ارباب تصوف کی نامناسب جرح سے نفع اٹھا کر امت میں انتشار و تفریق کا باعث بنا ہے ہم اس کو ابن تیمیہ کا نادان دوست سمجھتے ہیں۔ خدا ماصفا و دوع مالک پر کامل ہمارے پیش نظر ہونا چاہیے، ابن تیمیہ کے عہد اور ان کے بعد کے حبیب اللہ راہی علم کا ان کے بارے میں یہی خیال رہا ہی چاہا جو علامہ ذہبی ابن تیمیہ کے کمالات حفظ و علم کے اسرار کے باوجود فرماتے ہیں میں ابن تیمیہ کی ہر بات کو نہیں مانتا ہوں وہ ان ان تھے ان سے غلطیاں ہوئی ہیں۔

(البعی الشکور ص ۵)

(بقیہ صفحہ سابقہ) مسئلہ میں جمہور امت سے الگ نہ ہونا چاہیے اور سلف صاحبین کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے، اہل علم کے کچھ تفردات ہوتے ہیں مگر ان تفردات میں اور خدا سے قطع نظر ایک بڑا منہدہ یہ ہے کہ نظم ملت میں خلل پڑتا ہے! یہ تفردات امت میں جن قبول تو پاتے ہیں البتہ تفرقہ ضرور پیدا کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی دررکامہ راج اول طہ میں علامہ ذہبی سے نقل کرتے ہیں
میں ابن تیمیہ کو معصوم نہیں مانتا ہوں، بعض اصولی اور فروعی مسائل میں ان کا میں
مخالف ہوں، کثرت علم کے باوجود ان کے مزاج میں گرمی تھی، غصہ تھا جس کی وجہ سے
مخالف کے دل میں ان کی عداوت بٹھ جاتی تھی۔

حدیث ابن کثیر جو ابن تیمیہ کے خاص ملاحوں میں ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ
ابن تیمیہ سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں (القول الجلی ص ۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا ارشاد ہے :-

ابن تیمیہ انسان تھے غلطی بھی کرتے تھے اور جن چیزوں میں انھوں نے غلطی کی ہے اس
میں ان کی پیروی نہ کی جائے گی، مثلاً مسئلہ زیارت اور طلاق۔ (القول الجلی ص ۵)
حافظ عسقلانی نے مزید کہا کہ

صاحب علم و عقل کو چاہیے کہ ابن تیمیہ کی تصانیف میں جو منکرات ہیں ان کو الگ کر دے
اور اس سے لوگوں کو بچایا جائے اور جو فضائل ہیں ان کا اقرار کیا جائے (القول الجلی ص ۵)
علامہ علی قاری جو ابن تیمیہ کو نہ صرف اہل السنۃ و الجماعۃ میں سے بلکہ اولیائے امت میں سے جانتے
ہیں وہ ایک مسئلہ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ

ابن تیمیہ نے بہت تقریریں کی ہیں (اسی اشکور ص ۵) القول الجلی میں صراحت کے
ساتھ مسطور ہو کہ

مسئلہ طلاق میں ابن تیمیہ سے سخت غلطی ہوئی (ص ۵) مسئلہ زیارت میں ابن تیمیہ سخت غلطی
ہیں (ص ۵) ابن تیمیہ کی غلطی معلوم ہے (ص ۵) ابن تیمیہ کی طرہ فروع میں جو مخالف تھیں
منسوب ہیں یا بعض سادات عہد فیہ پر جو طعن ان سے منقول ہے ہم اس میں ان کی بات نہیں
مانتے ہیں (ص ۵)

ذیل تذکرۃ احناف کے حاشیہ ص ۳۲ میں زیر ترجمہ امام ابن ناصر الدین محمد بن ابی بکر عیسیٰ الدمشقی درج
ہے کہ

علماء کی ایک جماعت ابن تیمیہ کے علم کا اعتراف کرتی ہے مگر ان کے شاذ مسائل میں
ان کی پیروی نہیں کرتی ہے۔

جناب مولانا عبدالحی صاحب فرنگی مہلی، اپنی کتاب لنافع الکبیر کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

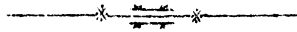
ہاں زمانہ میں ابن تیمیہ کے متعلق دو جماعتیں ہیں، ایک جماعت ان کے تمام اقوال کو وحی و آسمانی سمجھتی ہے اور اس کی پابندی کرتی ہے خواہ جمہور سے مخالف ہوں، دوسری جماعت نے ان تفردات کی وجہ سے جو ان سے منقول ہیں ان کو اہل السنۃ و الجماعۃ سے خارج کر دیا ہے،

اور میں درمیانی مسلک رکھتا ہوں اور وہی کہتا ہوں جو ذہبی نے کہا ہے کہ ابن تیمیہ علم کے سمندر میں مگر زمانہ میں ان سے غلطیاں ہوئی ہیں، پس ان باتوں کو دیکھیا جائے جو صحیح ہیں ان کو قبول کیا جائے اور غلط باتوں کو رد کر دیا جائے صلا

سطور بالا کا حاصل یہی ہے کہ مخالفت اور موافقت دونوں کو حد و کما پاب نہ ہونا چاہیے یہ نہ ہونا چاہیے کہ ایک مسئلہ میں اگر کسی سے غلطی ہوئی ہے تو اس کے بقیہ تمام مباحث کو رد کر دیا جائے یا موافقت کی صورت میں موافقت کے تحت مسائل کی بھیجی جائے گی کہ حق و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہا جائے!

یہ اصول ابن تیمیہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عام طور سے علماء امت کے ساتھ اہل تحقیق کا یہی معاملہ رہا ہو اور تحقیق کی تحریریں اس پر شاہد عادل ہیں!

اللہم! دنا الحق حقاً و اذقنا اتباعاً و اذنا الباطل باطلاً و اذقنا احتیاجہ



خط و کتابت اور ترسیل زر کے وقت خریداری نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولئے۔

”منبر“

انتخاب

از ————— ۱۵۱۸

سچی باتیں

”غلہ اور اُگاؤ“ کی ہم آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہنستان کی ایک ایک اسٹیٹ میں وڈرلئے
 ناہدار سے لیکر دوسرے حکام والا مقام تک کتنا زور اس گاڑی کے آگے بڑھانے میں
 لگا چکے ہیں اور اب یہ خبر آئی ہے کہ ایک سرکاری کمیٹی اس تحقیق کے لیے مقرر ہوئی ہے کہ آخر سرکاری اور
 نیم سرکاری ذریعوں کے ایڑی چوٹی کے زور صرف ہوجانے کے باوجود غلہ کیوں نہیں زیادہ اُگتا، اور خوراک
 کی مقدار ملک میں کیوں نہیں بڑھتی؟ ————— کمیٹی اور کمیشن کا تقرر مبارک ہو، لیکن ابھی کچھلے ہی سال تو
 زر و جنگ علاقہ بمبئی میں یہ تحقیق کراچکا، اور یہ نتیجہ شایع کر چکا ہے کہ
 اس ہم سے مقدار خوراک میں کچھ کمی دیر پا اضافہ نہیں ہوا ہے اور اس پر خرچ جتنا ہو گیا، اسے سلی نتیجہ
 سے کوئی مناسبت ہی نہیں!

اسٹیشن مین (۱۲ فروری) کا ایڈیٹوریل ”خوراک کم اُگنے“ پر جو اور اس میں یہ اطلاعات اور یہ اعداد درج ہیں کہ
 پچھلے دو برس کے جو اعداد حاصل ہوئے ہیں ان سے یہ صاف طور پر نظر آجاتا ہے کہ اگرچہ زمین کا رقبہ اب
 زیادہ زیر کاشت ہے لیکن غلہ کی مقدار بجائے بڑھنے کے گھٹ رہی ہو؛ جہاں چہ ۳۹ء سے ۳۸ء تک
 کل رقبہ زیر کاشت بہ قدر ۶۷ ہزار ایکڑوں کے بڑھ گیا لیکن غلہ کا رقبہ پیاوار بجائے بڑھنے کے بہ قدر ۳۱ لاکھ
 ایکڑوں کے گھٹ کر رہا!!

انسان کے دعویٰ ”رزاقت و ربوبیت“ کی کل کائنات اپنے دیکھ لی؛ رزاتی کی سرور کو مشور کا جھل
 آچکے سامنے آگیا؛ یقیناً اس میں دخل ہند تانی حکومت کی نا تجربہ کاری اور نوآموزی اور بعض افسروں اور
 اہلکاروں کی نااہلی اور بددیانتی کو بھی ہے۔ لیکن خود ”صاحب باہاد“ کے دس برطانیہ کا کیا حال ہے؟ کیا
 وہاں کی غذائی پریشانیوں کچھ کم ہیں؟ اور دنیا میں کتنی بڑی تعداد ایسوں کی ہے جو ابھی کل تک پیٹ بھرے تھے
 اور آج مجبور ہیں کہ ”داش“ یا راتب پر اپنی زندگی بسر کریں! ————— بندہ کے لیے حمایت تو شاید صرف بندگی ہی

میں ہے۔ اور خدائی کی راہ جب وہ اختیار کرنا چاہتا ہے تو اپنا ہر سہا سکھ اور چین بھی کھو ہی بیٹھتا ہے۔

فاضل گرامی مولانا مظاہر حسن صاحب گیلانی کے قلم سے :-

غیر معصوم ائمہ دین

”خطیب نے تاریخ بنیاد میں نقل کیا ہے کہ اپنے استاد امام مالک کے حلقہ دس سے فارغ ہو کر جب امام شافعی عباسیوں کے دار السلطنت بغداد میں تشریف لائے اور وہاں کی جماعت مسجد میں اہل علم کی درسگاہوں کا تجربہ ہوا تو دیکھا کہ ۴۰۰ کے قریب حلقے قائم ہیں، لیکن جس حلقہ میں بھی پہنچتے وہاں نہ قال اللہ کا ذکر ہوتا نہ قال الرسول کا بلکہ فرماتے تھے کہ ان میں ہر ایک ہی ائمہ کے ہمارے اصحاب یعنی اساتذہ نے یہ کہا ہے ۔۔۔۔۔۔ اس سلسلہ میں امام شافعی میں فرض کا احساس شدت پذیر ہوتے ہوئے اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ اس راہ میں اپنے استاد و حضرت امام مالک کے بھی احترام کی انہیں پروا نہ ہوئی۔ یہی قیاس کا بیان ہے کہ امام شافعی کو جب اس کی اطلاع ملی کہ امام مالک کے تلامذہ بجائے یہ کہنے کے اللہ نے یہ فرمایا ہے، یا رسول اللہ کہ یہ ارشاد ہے، عموماً اپنے حلقوں میں کہتے ہیں کہ امام مالک کا یہ قول ہے۔ تو میں نے ایک سال تک استخارہ کیا اور اس کے بعد میں نے اعلان کیا کہ امام مالک جو کچھ بھی ہوں بہر حال آدمی تھے۔

اور آدمی سے غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ (رسالہ دارالعلوم فدوی ص ۳۸)

بات ہر مسلمان کے لیے باہل صاف اور سیدھی ہے۔ لیکن اب اس غلو اور رجال پرستی کے عالمگیر مرض کا علاج ہی کیا ہے کہ جہاں کسی اچھے انسان، خصوصاً زندہ انسان سے عقیدت پیدا ہوئی اور اس سے تعلق ارادت کا قائم ہوا، اس ذہن معاً اسے معصوم عن اخطا سمجھنے لگتا اور عللاً رسول ہی کے درجہ پر رکھنے لگتا ہے، خواہ زبان سے کچھ ہی کہا جاتا رہے۔ خدا جانے کتنی اصطلاحیں اس کے لیے ایجاد کر لی گئی ہیں۔ خلاصہ ان سب کا یہی نکتہ ہے کہ رسول اور اس بزرگ کے درمیان فرق صرف فطری باقی رہ جائے۔ عملاً کچھ بھی نہ رہے۔

اہنامہ معارف (انظم گڑھ) کے فلسفی مقالہ نگار خان بہاد ظفر حسین خاں فی الے

دہریت کی پسائی

سابق پرنسپل شیعہ کالج لکھنؤ کے قلم سے معارف کے تازہ نمبر میں :-

”بچوں کو تمام عالم گیر حرکت و عمل تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اس لیے اب سربراہ درودہ تحقیق سائنس مثلاً ڈونگٹن اور جنس کا خیال ہے کہ وہ کسی تحریک و عامل کا محتاج ہی ہے۔ چنانچہ موجودہ سائنس مادیت کے مرکز سے ہٹ کر اب اس راہ پر گزرتی ہے جس کے راہبر فلاطون، ارسطاطالس، گیلیلو، نیوٹن، کانٹ اور ہیگل تھے۔“
یہ لیجئے۔ دہریت اور خدا پرستی کی ٹکر مل آتی ہی نکلی، ہمارے ”روشن خیال“ شاعروں اور ”ترقی پسند“ رومان نگاروں کے ارمان ابھی کھٹکے نہ پائے تھے کہ ادھر سے رحمت خود دہریت کی خدا پرستی کی طرف شروع ہو گئی۔ اور آہ۔ وہ غریب شاعر اور ترقی پسند، جن کو یہ بھی اندازہ نہیں کہ ڈونگٹن اور جنس میں کس پایہ کے شخص!

پہچی باتیں

نقل است کہ روزے بعضے از مریدان شیخ نظام الدین اولیا

مجلسے داشتند و از وقت زوال سردے می شنیدند۔ شیخ نصیر الدین محمود مجلس بود بر خاست تا بر آید۔

(اجبالا لاسیاء مطبع محمدی دہلی ص ۵۸)

ایک دن شیخ نظام الدین اولیا کے مریدوں نے مجلس منعقد کی، اور دن کے باجے کے ساتھ گانا سنا شروع کیا۔ شیخ نصیر الدین محمود بھی مجلس میں موجود تھے اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ مجلس سے باہر چلے جائیں۔

یہ شیخ نصیر الدین محمود کون تھے؟ کوئی دہائی قسم کے ملا تھے، حضرت نظام الدین اولیا، دہلوی محبوب الہیؒ کے خلیفہ ہی نہیں خلیفہ اعظم و خلیفہ اجل تھے، اور آج تک ”چراغ دہلی“ کے لقب سے سلسلہ نظامیہ شتیہ کا نام روشن کیے ہوئے ہیں۔ اور محض سماع غیروں اور برکیاؤں کی نہیں، اپنی ہی یارانِ طریقت کی بھی اس پر بھیادہر باجے پر تھاپ پڑی کہ آپ رفیقوں، عزیزوں کو چھوڑاٹھ کھڑے ہوئے! لوگوں کو حیرت ہوگئی زبردستی بٹھانا چاہا،

یاران تکلیف نشستن کردند گفت
خلاف سنت است۔

دوستوں نے براصر بٹھانا چاہا، اپنے فرمایا
یہ (سماع) خلاف سنت رسول ہے۔

یاران طریقت اس پر کب پچھا چھوڑنے والے تھے۔ بولے یہ کیا غضب کر دیا۔

گفتند از سماع منکر شدی۔
و از مشرب پیر برگشتی۔

سماع کے منکر ہو کر مسک شیخ سے مرتد
ہو رہے ہو!

شیخ کا ذوق سماع سب کو معلوم تھا۔ جواب میں فرمایا۔

حجت نہ می شود، دلیل از کتاب
و حدیث می باید۔

یہ عمل شیخ کوئی دلیل نہ ہوئی۔ دلیل تو
کتاب و سنت ہی سے ہونا چاہیے۔

شیخ زندہ تھے۔ پہچانے والوں نے خبر ان تک پہنچائی۔ پھر شیخ نے کیا کہا؟ اپنے حلقہ بیعت و ارادت سے نکالا دیا؟ خلاف سلب کر لی؟ مردود الطریقت قرار دے دیا؟ نیئے اور نولفت کتاب۔ شیخ عبدالحق دہلوی کی زبان سے نیئے جو خود شیخ المشائخ کا مرتبہ سلسلہ قادریہ میں رکھتے ہیں۔۔

شیخ را صدق معاملہ او معلوم بود فرمود
راست می گوید، حق آن است کہ اومی گوید۔

شیخ کو مرید کی راست روی کا علم تھا فرمایا کہ
وہ ٹھیک کہتے ہیں۔ ۱۰۰ حق دہی ہی جو وہ کہہ رہے ہیں۔

اب فرمائیے۔ آج کل کے لہو و پند و فسق نواز گوئیوں، موسیقاروں، میوزک ماسٹرڈوں کو کوئی ادنیٰ گناہ نہیں
احمال ”بزرگان طریقت“ سے استناد دلال کی باقی رہی؟

اور آخر میں سیر لاویا کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

در مجلس شیع نظام الدین مزامیر بودے
تصفیق نہ گردند۔ و اگر کے از یاران
خبرے بخدمت آدمی رسانند کہ مزامیر
می شنود، منع می کرد و می گفت کہ خوب
نہ می کنند۔

حضرت نظام الدین کی محفل میں باجا نہیں
ہوتا تھا، بلکہ تالی تک نہیں بجنے پاتی تھی
اور اگر آپ کو اپنے مریدوں سے متعلق
خبر باجے کی پہنچ جاتی تھی تو آپ انھیں
روکتے اور فرماتے کہ یہ اچھا نہیں کر رہے ہیں۔

آج کے سونی صدی فاسقانہ فلمی گانے بجانے کے لیے جنھوں نے بعض شائخ چشتیہ کے ناموں کو
اڑبانا چاہا ہے۔ انھوں نے کیا کھلا ہوا ظلم اگر اپنی دیانت پر نہیں تو اپنی بصیرت پر تو بہر حال کیا ہو۔

امریکا کا مشہور ریختہ دار لایف، کچھ رذرا کا پُرانا سنہ ۱۹۵۷ء کی جلد کا پیش نظر ہے۔ ایک
پورے صفحہ پر نصف حصہ میں صفحہ کے لمبان بھر ایک مادہ انسان کی تصویر درج ہے

جواہری بادشا

دعوت کہنا دعوت کی توہین ہے۔ اتنی گھٹی ہوئی بے غیرتی کے بعد صحیح لفظ صرف حیوان ناطق کی مادہ ہے (تصویر
حالت رقص کی ہے۔ داہنا ہاتھ اٹھا ہوا بغل سے لے کر پورے مریاں سینہ پر برائے نام سالباس۔ اس کے
بعد شکم سارے کا سارا برہنہ۔ برہنگی کے حدود ناف تک نہیں، ناف کے نیچے کئی انگلی تک صاف و
نمایاں طور پر پھیلے ہوئے! ————— آگے تفصیل سن کر اپنی قسمت کو رویے کہ قصور کسی
فرنگی کی نہیں، ہماری آپ کی بہن ایک مصری رقاصہ سامیہ جمال کی ہے! اہل فرنگ سے
اڑائی ہوئی بے سیاحی چشم بد دور آتی تو ہو کہ خود فرنگیں پسینہ پسینہ ہو جائیں!

اسی صفحہ پر مقابل میں تصویر ایک شاہ جم جاہ کی ہے۔ ننگے سر اور سوٹ میں ملبوس
فرانس کے مشہور قمار خانہ ڈیول کیسینو میں پانچ مسلسل راتیں قمار بازی کی نذر کر کے، اور
۲۷ ہزار ڈالر کی رقم جیت کر قمار خانہ سے باہر تشریف لارہے ہیں، وہ مصری رقاصہ (جو قبول
اسی اخبار لایف کے بحرا دقاؤس کے مشرق میں حسین ترین شکم رکھنے والی ہے) انھیں تاجدار
کے دل بہلاؤ کے لیے رقص ”عروس نیل“ دکھانے کو طلب ہوئی تھی! ————— ان
خسرو ذی جاہ کا نام آپ سنیں گے؟ دل پر پتھر کی سل رکھ کر بیٹے۔ یہ ہمارے فاروق
اعظم کے ہم لقب شاہ فاروق والی مصر ہیں! ————— زندگی اگر ہے تو دیکھیے ابھی اور کیا کیا
دیکھنا اور سننا باقی ہے۔ قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور! (انتخاب از صدق حدید)

تعارف و تمصرہ

تجلیات کعبہ مصنفہ مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کاندھلوی۔

ضخامت ۳۱۲ صفحات کا غذاور کھائی چھپائی بہترین۔ مضبوط جلد قیمت تین روپے۔ ملنے کا پتہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند جامع مسجد اردو بازار دھلی۔

کتاب کو اول تا آخر دیکھنے کا موقع تو مل نہ سکا البتہ جتنے مقامات کافی دیکھنے میں آئے۔ اتنا دیکھ کر کتاب کے ایک عام رنگ کا اندازہ ہو گیا۔ مجموعی طور پر کتاب مفید معلوم ہوتی ہے۔ تاثر کے لحاظ سے بھی اور حجاج کو مختلف قسم کی معلومات بہم پہنچانے کے لحاظ سے بھی۔

کتاب کا خاص موضوع جو اتنا کچھ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ حج کے اسرار و حکم اس کے آثار و منافع اور آداب کا بیان ہے اور انداز بیان بڑی حد تک صوفیانہ ہے۔ مناسک وغیرہ بھی تفصیل سے مذکور ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کا بیان بھی بہت تفصیل کے ساتھ آگیا ہے۔ صفحہ ۶۶ کا یہ جملہ کہ ”بندگی کی تڑپ گھر کے گوشہ میں ہوتی ہے کچھ کھٹکتا ہے ممکن ہے کسی قاری کے لیے غلط فہمی کا موجب بنے اور وہ بندگی کا پورا حق ادا کرنے کے لیے شرح صدر کے ساتھ فقط سجادہ و تسبیح پر قانع ہو جائے۔“

ارواحِ شلشہ مرتبہ مولانا غلام نور الحسن صاحب کسولوی۔ ضخامت ۳۲۲ صفحات کتاب طباعت اور کاغذ بہتر۔ جلد قیمت پانچ روپے۔ ملنے کا پتہ مکتبۃ امداد الغریب، سہارن پور

یہ کتاب ہندوستان کے بعض مشہور جلیل القدر علماء و صلحا و صوفیائے کرام سے لیکر بہت سے گنام و غیر معروف صوفیاء، سائیکین و مجذوبین کے قصص و حکایات کا مجموعہ ہے جن کے راوی حضرت ایشہ خاں صاحب مرحوم ہیں جن کی روایات مستند و متدہانی جاتی ہیں اس مجموعہ کی بیشتر حکایات دینی نقطہ نظر سے مفید اور معنی خیز نظر آتی ہیں اور ایسی ہی حکایات کو اس مجموعہ میں جگہ ملنی چاہیے تھی مگر

موقع پر صفحہ ۹۵ کی چند سطریں کھٹکتی ہیں جن کی طرٹ شفیق صاحب کو توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔
وہ سطر یہ ہیں۔

آنحضور سے پہلے ہزاروں پیغمبرانِ خدا مصلحین قوم پیدا ہوئے لیکن کسی نے لا بنی بعدی نہیں کہا، ظاہر ہے کہ اتنا پر وقار اور خود ارادہ اعلان وہی کر سکتا ہے جسے اپنی قوت اور اک اور اپنی ذات و نظر و فکر پر پورا اعتماد حاصل ہو، جس کو اپنے پیش کردہ نظریات پر خوب اطمینان ہو۔

یہ عبارت بجا طور پر اس غلط فہمی کا موجب بن سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لا بنی بعدی کا اعلان اپنی طرف سے فرمایا تھا اور دوسرے انبیاء علیہم السلام اپنے متعلق اس وجہ سے یہ اعلان نہیں فرما سکے کہ ان کو اپنی فکر و نظر اپنی بصیرت اور اک اور اپنی پیش کردہ تعلیمات پر پورا اعتماد حاصل نہ تھا حالانکہ واقعہ بالکل یہ نہیں ہے اور ایسا خیال ایک سنگین غلط فہمی ہے۔ بلکہ حضور کا یہ اعلان محض من جانب اللہ تھا۔ حضور کو یہ حکم دیا گیا آپ نے اعلان فرمادیا دوسرے انبیاء کو ایسا حکم نہیں ملا انھوں نے یہ اعلان نہیں فرمایا۔ ورنہ جہاں تک اپنی بصیرت اور تعلیمات پر اعتماد کا تعلق ہے وہ یقیناً سب کو حاصل تھا کیونکہ ان کی تعلیمات بھی خود تراشہ نہ تھیں جن کے بارے میں ان کے دل میں کچھ دغدغہ ہوتا اور ان کی بصیرت بھی وہی تھی جس کی طرٹ سے بے اطمینانی کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس عبارت میں مناسب ترمیم کر دی جائے۔

اب آئیے اصل کلام پر ایک نظر ڈالیں۔

اس مجموعے میں غزلیں، نظمیں، قطعات اور رباعیات سب ہی موجود ہیں۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ یہ مجموعہ پاکیزہ دینی ذوق کی تسکین کا اچھا سامان ہے۔ غزلوں میں بھی رنگینی، شگفتگی جمائی جاتی جاشنی ذکر مئے و مینا و مطرب سا فی گھر پور ہے مگر ہوا لہو سی اور شاہد پرستی شاید نام کو بھی نہیں بلکہ اس کے برعکس جا بجا اخلاق اور انسانیت کی پاکیزہ قدروں کو ابھارنے اور ان کو وقیع بنانے کی مبارک کوشش کا ترشح ہوتا ہے مگر شعر کی رنگینی و غظ کی خشکی سے نہیں بدلنے پانی مثلاً ایک شعر ہے۔

نوازا ہے کسی نے جس کو خواب ناز سے برسوں

ابھی باقی ہے اس بستر میں بود امن عصمت کی

اسی طرح شفیق صاحب کے کلام میں بلند خیالی اور خود داری کی تبلیغ بھی ملتی ہے۔ مغربی تہذیب پر تنقید بھی ہو، افراد و سماج کی خرابیوں پر ہلکا اور گہرے طنز بھی ہیں مختصر یہ کہ لغاتیت کی زیادہ مضویت ہو مگر ان تمام غریبوں کیساتھ ساتھ

(بقیت صفحہ ۱۷)

بزرگوں اور دوستوں! بات اگرچہ ہمارے لیے کیسی ہی تلخ اور ناگوار ہو لیکن جو بالکل سچی حقیقت کہ ہم علی طور پر حیوانی زندگی کے طرز کو اختیار کر کے اور ایمانی زندگی کو اور اس کے لیے جدوجہد کو چھوڑ کے انہی اگلی امتوں کی طرح اللہ کی نظر کرم سے گر چکے ہیں، فرشتوں کو ہمارے ساتھ اب وہ ہم دردی نہیں رہی جو ایمانی زندگی رکھنے والی اور ایمانی زندگی کی راہ میں جدوجہد کرنے والی امت کے ساتھ کبھی تھی۔ اگر خدا نخواستہ ہم اپنی اس حالت پر راضی اور مطمئن ہیں تو اس کے سوا کیا عرض کیا جائے کہ اس کا وہ آخری انجام بھی دنیا اور آخرت میں سامنے آجائے والا ہو جو انبیاء کی امتوں کو ضائع کرنے والی امتوں کا ہوا کرتا ہو۔ لیکن اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ہم مستحق ہوں، فرشتوں کی اور اللہ کی دوسری مخلوق کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہوں تو اس کی صورت یہی ہو کہ ایمانی زندگی خود حاصل کرنے کے لیے لڑتے ہو جو طبقہ اس سے دور اور بالکل محروم ہو چکے ہیں ان میں بھرنے سے اسے اس کو پیدا کرنے کے لیے ہم آپٹ نہیں، اپنے کاموں کا حرج کریں اور اپنی کمائی کے پیسے اس راہ میں خرچ کریں۔ اپنی راحت اور اپنے آرام میں غلغلہ ڈالیں اور ایمانی زندگی اور اس کی جدوجہد امت میں عام کرنے کو اپنی زندگی کا اصل مقصد اور مصروف بنائیں۔ اس دنیا میں محنت و قربانی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا اور محنت و قربانی سے سب کچھ ہوتا ہے، اس راستہ میں ہم جو کچھ تکلیفیں اٹھائیں گے اس کے عوض دوزخ کی سخت تکلیفوں اور عذاب الیم سے بچا دیے جائیں گے، اور اپنی جن راحتوں اور لذتوں کو قربان کریں گے اس کے بدلے جنت کی ابدی زندگی میں ان سے لاکھوں گنی اور ہر قسم کی دائمی لذتیں اور راحتیں پائیں گے۔ اور اس سے پہلے دنیاوی زندگی میں بھی اللہ کی وہ مدد اور خاص عنایت جس کے ہم محتاج اور منتظر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دے کہ آخرت کی ابدی زندگی بنانے کے لیے اپنی اس چند روزہ زندگی کی تھوڑی سی چیزیں قربان کرنے کا ہم فیصلہ کر سکیں۔ اللہ کے وعدے بالکل یقینی ہیں۔ اللہ نے اور اللہ کے رسول نے آخرت کے عذاب و ثواب کے بارے میں اور جنت و دوزخ کے متعلق جو کچھ فرمایا اور بتایا جو یقیناً بلاشبہ مرنے کے بعد وہ سب آنکھوں کے سامنے آجائے والا ہو۔

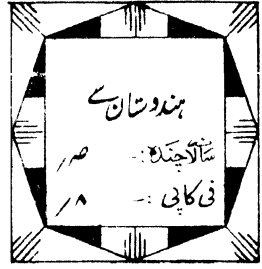
والله يقول الحق وهو يهدي السبيل:

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين و سلام على المرسلين

بلوادر النوادر { حکیم الامت حضرت تھانوی کی سیکڑوں تصانیف کا پتھر
دو ضخیم جلدیں، قیمت ۵۰ روپے
ملنے کا پتہ، کتب خانہ الفرقان، گوئین روڈ، لکھنؤ



انفسترن لکھنؤ



جلد (۱۹) بابۃ ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۱ھ نمبر (۶) بر

نمبر شمار	مضامین	لکھنے والے	صفحات
۱	نگاہِ اولیں	مدیر	۲
۲	معارف الاحادیث	محمد منظور خان	۵
۳	انبیاء کی دعوت اور ہماری حالت (تقریر)	"	۱۱
۴	دینی دعوت کے تحریک کے ذمہ داروں کی خدمت میں!	مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی	۱۹
۵	وہابی فتنہ اور سورہ کف	مولانا سید مناظر حسن گیلانی	۳۵

سُرخ پینسل کا نشان! اس بات کی ملامت ہے کہ جناب کی مدت خریداری اس شمارہ پر ختم ہو گئی ہے، لہذا اپنا چندہ برائے ایک سال مبلغ (پانچ روپیہ) بذریعہ حسنی آرڈر ارسال فرما کر شکوہ فرمائیے۔ اگر ہمارے پریل ۱۹۵۲ء تک جناب کا چندہ وصول نہ ہوا، اور نہ کوئی اطلاع آئی، تو اگلا پرچہ وی پی جیجا جائے گا، جس کا وصول کرنا جناب کا اخلاقی فریضہ ہوگا۔

پاکستان کے حضرات اب اپنا چندہ سکرٹری صاحب "ادارۃ اصلاح و تبلیغ" آسٹریلین بلڈنگس لاہور کے پتہ پر ارسال فرمائیں اور ایک کارڈ کے ذریعہ ہم کو اس کی اطلاع ضرور دیں، اور قدیم خریدار صاحبان اس اطلاع کے ساتھ اپنا خریداری بھی ضرور لکھیں۔ اگر آپ چندہ کی اطلاع ہمارے پریل ۱۹۵۲ء تک وصول نہیں ہوئی، تو "ادارۃ اصلاح و تبلیغ - لاہور" سے آپ کی خدمت میں "انفسترن" بذریعہ وی پی آر ارسال کیا جائے گا۔

دیکر ماکہ کے حضرات اپنا چندہ ۱۲ شنگ بذریعہ پوسٹل آرڈر دفتر الفرقان "لکھنؤ" کو ارسال فرمائیں۔ والسلام

ناظم :- انفسترن لکھنؤ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نگاہِ اولیں

ناظرین کرام کو افغانستان کی گذشتہ اشاعت سے اس عاجز کے سفر پاکستان کا علم ہو چکا ہے۔ ۱۱ فروری کو میں کراچی پہنچا تھا، اور ۲۵ مارچ کو وہاں سے واپس ہوئی ہے، ڈیڑھ مہینہ کی اس مدت میں مجموعی طور پر ۲۵ دن میرا قیام کراچی ہوا اور ۲ دن پاکستان کے بعض دوسرے شہروں میں، کل ۲۷ مارچ کی صبح کو میں لکھنؤ پہنچا ہوں۔ اس سفر کے کچھ واقعات اور کچھ تاثرات و احساسات میں نے ناظرین الفرقان کے لئے قلمبند بھی کئے تھے، لیکن یہ شمارہ (جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے) میرے لکھنؤ پہنچنے سے پہلے مکمل ہو چکا ہے، اور اس میں دس کے لئے گنجائش باقی نہیں رہی، صرف ”نگاہِ اولیں“ کے ۳ صفحے باقی ہیں، بس اتنی ہی محدود گنجائش کو پیش نظر رکھ کر اپنے پاکستانی بھائیوں سے صرفت و ضروری باتیں اس صحبت میں لمبی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ دورانِ سفر میں جو مستقل مضمون لکھا تھا وہ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں ہر ڈیڑھ ناظرین ہو سکے گا، اور اجاب کرام سفر کے حالات اور میرے جن تاثرات و احساسات کے مختصر ہوں گے وہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ اس سے ان کو معلوم ہو سکیں گے۔

دنیا کے دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کی طرح پاکستانی مسلمانوں میں بھی ایک تعبد و تواضع بے پناہہ عوام کی ہے جن کے سامنے اپنی ذاتی جوانی ضرورتوں کے سوا زندگی کا کوئی مسئلہ سرے سے ہی ہے نہیں۔ اور بہت تھوڑی تعداد (غالبا ایک دو تہی ہزار سے بھی کم) ایسے لوگوں کی ہوگی جو مغرب زدگی کی وجہ سے دین سے بیزار یا بے تعلق اور بے فکر ہو چکے ہیں۔ بس ان دو طبقوں کو مستثنیٰ کر کے باقی تمام طبقوں کے متعلق یہ اندازہ ہے (جو انشاء اللہ صحیح ہے) کہ وہ دل سے اس کے خواہش مند ہیں کہ پاکستان میں دین سرسبز ہو، ایمانی تقاضے پورے ہوں، اور زندگی کا پورا نقشہ وہ جو اُمتِ مسلمہ کے لئے اللہ و رسول نے متعین فرمایا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ جو راستہ اس منزل تک پہنچانے والا ہے اس کی صحیح تشخیص کرنے والے اور اپنی طاقتوں کو اس پر لگنے والے ان میں سے غالباً دو چار ہی ہزار بھی نہیں ہیں۔ پہلے بھی یقین تھا، اور پاکستان کے اس سفر کے بعد یہ یقین احمد شہزاد پرستہ ہو کر حق الیقین کے درجہ تک پہنچ گیا، کہ

یڈری کی طرح سے بالکل فارغ الذہن ہوں) اللہ کے کئی بندوں کا درد دل میں لے کر اٹھیں، اور اس مسئلہ کو حل کرنے کیلئے اُس قسم کی مصلحتانہ کوشش کریں جس طرح کی کوشش ہندوستان میں زمین کے مسئلہ کو حل کرنے کیلئے دلو بھاد سے جی کر رہے ہیں۔ اگر اس مسئلہ کو حل نہیں کیا گیا، اور کراچی کی زندگی کا نقشہ دیر تک یہی رہا کہ اہل حکومت و ثروت تو اپنے مالیشان محلوں میں آرام سے بیٹھے رہیں، اور اللہ کے لاکھوں بندے بارش اور دھوپ سے بچا سکے، والی جموں پڑیوں سے بھی محروم رہیں تو ایسا شہر اور ایسا ملک (خدا نخواستہ خدا نکر وہ) اللہ کی رحمت سے محروم کر دیا جائے گا، اور پھر جو ہونا ہوگا، وہ سامنے آجائے گا۔ حدیث نبویؐ ہے:۔

مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يَرْحَمُ جود و درود پر رحم نہیں کھاتے وہ رحمت عموماً کئے پاتا۔

ایک ملک کے شہری کو دوسرے ملک کے کسی مسئلہ میں اس طرح مشورہ دینا رواج عام کے مطابق مناسب ہو یا نامناسب، لیکن اس عاجز نے تو اپنے اس ناگزیر کو پوری صراحت اور پورے خلوص کے ساتھ عرض کر دینا اپنا دینی فرض سمجھا۔ الدین النصیحة لله ورسوله ولائمة المسلمين وعامتهم۔

قریباً دو ڈھائی برس سے "انفرنسٹین" کے ہر شمارہ میں آپ پڑھتے ہوں گے کہ پاکستانی احباب الفرقان کا چندہ جناب حاجی جبار علی صاحب کی خدمت میں کراچی بھیجیں۔ موصوف اس دور کے ایک مردِ مومن اور اس عاجز کے غلط ترین دوست تھے۔ ۱۵ اور ۱۶ مارچ کی درمیانی شب میں اچانک چند منٹ کے اندر اندر کراچی ہی میں اپنے مکان پر (غالباً قلب کی شکایت سے) موصوف کے انتقال کا حادثہ واقع ہوا۔

انالله وانا الیه راجعون

تبلیغ کے نام سے اجیاء دین کی جو کوشش ہو رہی ہے، اسے قریباً دس سال پہلے آپ ہی کے ذریعہ اس کا سلسلہ سب سے پہلے سندھ میں شروع ہوا تھا، اور پھر حجاز مقدس میں اس کا سلسلہ قائم ہونے میں جن بندگانِ خدا کا خاص حصہ تھا، ان میں ایک آپ بھی تھے۔ انتقال بھی اس سال میں ہوا کہ اسی دینی دعوت کے سلسلہ میں عمر کی نیت کر کے ایک تبلیغی جماعت کے ساتھ دو ہی چار دن میں حجاز مقدس روانہ ہونے والے تھے، ٹیکہ لگ چکا تھا، پاسپورٹ بھی بن چکا تھا، بس روانگی باقی تھی۔ بہر حال مکہ والے اللہ کے گھر جانے کی نیت تھی، لیکن اللہ پاک نے اچانک اپنے آخرت والے گھر کی طرف بلالیا۔ دمہ اللہ تعالیٰ رحمة الابوار العالین۔ ناظرین کرام مغفرت و رحمت اور رفع درجات کی دعا فرمائیں، براہِ راست اس عاجز پر اسان ہوگا۔

محمد منظور نعمانی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معارف الاحادیث

قیامت میں حقوق العباد کا انصاف

(۶۶) عن عائشة قالت جاء رجل فمعد بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ان لي مملكين يكذبونني ويخونونني ويعصونني واشتمهم واخربهم فكيف انا منهم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان يوم القيامة يُحسَبُ ما خانوك وعصوك وكذبوك وعقابك اياهم فان كان عقابك اياهم بقدر ذنوبهم كان كفاً لآلِكَ ولا عليك وان كان عقابك اياهم من ذنوبهم كان فضلاً لِكَ وان كان عقابك اياهم فوق ذنوبهم اقتصَّ لهم منك الفضل فتخَيَّ الرجل وجعل يهتف ويبكي فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم اما تفرِّع قول الله تعالى ونضع الموازين القسط ليوم القيمة فلا تظلم نفس شيئاً وان كان مثقال حبة من خردل اتينا بها وكفانا حاسبين . فقال الرجل ما اجد لي ولهؤلاء شيئاً خيراً من مفارقتهم اشهدك انهم كلهم احرارٌ۔

(ترمذی)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس کچھ غلام ہیں (جن کی حالت یہ ہے کہ بسا اوقات) وہ مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، میری چیزوں میں خیاںیں بھی کرتے ہیں، میری نافرمانی بھی کرتے ہیں، اور میں (ان کی ان حرکتوں پر) کبھی انہیں گالیاں دیتا ہوں اور کبھی مارتا بھی ہوں، پس کیا حال ہوگا میرا قیامت کے دن ان کی وجہ سے (یعنی اللہ تعالیٰ میرا در ان کا فیصلہ کس طرح فرمائے گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تمہارے ان غلاموں نے تمہاری جو خیانت اور

مافرمائی کی ہوگی اور تم سے جو جو جھوٹ بولے ہوں گے اور پھر تم نے ان کو جو سترائیں دی ہوں گی قیامت کے دن ان سب کا پورا پورا حساب کیا جائے گا۔ پس اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں کے بقدر ہی ہوگی تو معاملہ برابر قائم ہو جائے گا، نہ تم کو کچھ ملے گا اور نہ تمہیں کچھ دینا پڑے گا اور اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں سے کم ثابت ہوگی تو تمہارا فاضل حق تمہیں دیا جائے گا اور اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں سے زیادہ ثابت ہوگی تو تم سے اس کا بدلہ اور قصاص ان کو دلایا جائے گا۔ (جب اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب سنا) تو آپ کے پاس سے ایک طرف کو ہٹ کر رونے اور چلانے لگا (یعنی قیامت کے اس محاسبہ اور پھر دہاں کے عذاب کے خوف سے جب اس پر گریہ غالب ہو تو وہ اُوب کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے اُٹھ گیا اور ایک طرف کو ہٹ کر بے اختیار رونے اور چلانے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس سے فرمایا کیا تم قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھتے۔

وَقَضَّاهُ الْمَوَازِينَ الْقِيَمَةَ
فَلَا تَظْلَمُ فَنَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَتْ
مُشْقَالًا حَبِّ بَرٍّ مِنْ حَرِّ ذَلِّ آتَيْنَا بَعِثًا
وَكَلَّاهُ بِسَاحِلِ سَبِيحِينَ

اور ہم قائم کریں گے قیامت کے دن انصاف
کی میزانیں۔ پس نہیں ظلم ہوگا کسی نفس پر کچھ بھی
اور اگر ہوگا کسی کا عمل یا حق رائی کے ایک دانہ کے
برابر معاوضہ کریں گے ہم اس کو بھی اور کافی ہیں ہم
حساب کرنے والے۔

اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (یہ سب کچھ سننے کے بعد) میں اپنے لیے اور ان کے لیے اس سے بہتر کچھ نہیں سمجھتا کہ (لوحہ اللہ آزاد کر کے) ان کو اپنے سے الگ کر دوں میرا آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کو آزاد کر دیا اب وہ آزاد ہیں۔

(ف) ایمان کی یہی شان جو اور سچے ایمان والوں کا طرز عمل بھی ہونا چاہیے کہ جس چیز میں سخت کا خطرہ نظر آئے اس سے بچا جائے۔ اگرچہ دنیوی نقطہ نظر سے اس میں نقصان بھی متصور ہو۔

میزان اعمال میں اللہ کے نام کا وزن :-

(۷۷) عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله
سيفلّص رجلاً من امتي على رؤس الخلائق يوم القيامة فيشر عليه تسعة
وتسعين سجلاً كل سجل مثل مد البصر ثم يقول اتاكم من هذا شيئا ظلك
كتبى المحافظون فيقول لا يا رب فيقول افلك عذر قال لا يا رب فيقول بلنى ان لك

عندنا حسنة وان لا ظلم عليك اليوم فتخرج بطاقة فيها اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله فيقول احضر وزنك فيقول يارب ما هذه البطاقة مع هذه السجلات فيقول انك لا تظلم قال فتوضع السجلات في كفة والبطاقة في كفة فدلالت السجلات وثقلت البطاقة فلا يثقل مع اسم الله شيء۔ (ترمذی - ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تیات کے دن اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص کو ساری مخلوق کے روبرو الگ نکالے گا اور اس کے سامنے ۹۹ دفتر کھولے جائیں گے، جن میں سے ہر دفتر کی لمبائی گویا حد نظر تک ہوگی (یہ دفتر اس کے اعمال نامے ہوں گے) پھر اس سے فرمایا جائے گا کہ تیرے جو اعمال ان دفتروں میں لکھے ہوئے ہیں، کیا ان میں سے کسی کا تجھے انکار ہے؟ کیا تیرے اعمال کی نگرانی کرنے والے اور لکھنے والے میرے فرشتوں نے تجھ پر ظلم کیا ہے اور غلطیوں پر کوئی گناہ تیرے اعمال نامہ میں لکھ دیا ہے؟ وہ عرض کرے گا نہیں پروردگار! (تجھ پر کسی نے ظلم نہیں کیا ہے) بلکہ یہ سب میرے کیے ہوئے اعمال ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ عرض کرے گا خداوند! میرے پاس کوئی عذر بھی نہیں (یہاں تک کے سوالیہ جواب سے خود اس شخص کو اور دوسرے لوگوں کو بھی خیال ہوگا کہ یہ بندہ اب گرفت اور عذاب سے کہاں بچ سکے گا، لیکن ارحم الراحمین کی رحمت کا اس طرح طور ہوگا کہ) اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے ہاں ہمارے پاس تیری ایک خاص نیکی بھی ہے اور آج تیرے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہوگا (اور اس نیکی کے فائدہ سے تجھے محروم نہیں کیا جائے)۔ یہ فرما کر کاغذ کا ایک پڑہ نکالا جائے گا، اس میں لکھا ہوگا "اشھد ان لا اله الا الله واشھد ان محمداً عبده ورسوله" اور اس بندہ سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کے وزن کے پاس حاضر ہو (یعنی چل کر اپنے سامنے وزن کر) وہ عرض کرے گا خداوند! ان دفتروں کے سامنے اس پڑہ کی کیا حقیقت ہے اور ان سے اس کو کیا نسبت ہے؟ (یعنی میں وہاں جا کر کیا دیکھوں گا اور کیا کروں گا نتیجہ تو معلوم ہی ہے، کہاں اتنے بڑے بڑے ۹۹ دفتر اور کہاں یہ ذرا سا پڑہ) اللہ تعالیٰ فرمائے گا، نہیں تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا (بلکہ پورا پورا انصاف کیا جائے گا جس پڑہ کو تو معمولی اور بے وزن سمجھ رہا ہے تیرے سامنے اس کا بھی وزن کیا جائے گا اور آج اس کا اور اس میں لکھے ہوئے ایسا فی کلمہ کا وزن ظاہر ہوگا اور اس کا تجھے پورا پورا فائدہ پہنچایا جائے گا اس لیے مایوس نہ ہو اور میزاق کے پاس جا کر وزن کو دیکھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ ۹۹ دفتر ایک پڑے میں رکھے جائیں گے اور کاغذ کا وہ پڑہ ایک پڑے میں، پس ہلکے ثابت ہوں گے وہ دفتر

اور بھاری رہے گا وہ پرزہ اور کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی اللہ کے نام کے مقابلہ میں۔“
 (تشریح) بعض شراحین نے اس حدیث کی توجیہ میں لکھا ہو کہ یہ شہادت کا وہ کلمہ ہوگا جو کفر و شرک سے نکلنے کے لیے اور ایمان و اسلام میں آنے کے لیے پہلی دفعہ دل و زبان سے پڑھا گیا ہوگا۔ قیامت میں وزن اعمال کے وقت اس کا یہ اثر ظاہر ہوگا کہ ساری عمر کے پہلے گناہ اس کے اثر سے بے وزن اور بے اثر ہو جائیں گے ایک دوسری حدیث میں بھی ہے ”ان الاسلام معدوم ماکان قبلہ“ یعنی اسلام قبول کرنے سے وہ سارے گناہ ختم ہو جاتے ہیں جو پہلی زندگی میں آدمی نے کیے ہوں۔ اور ایک دوسری توجیہ اس حدیث کی یہ بھی کی گئی ہو کہ یہ معاملہ اس شخص کا ہوگا جو مدت و راز تک غفلت اور بے پروائی سے گناہ پر گناہ کرتا رہا اور دفتر کے دفتر لکھے جاتے رہے۔ پھر اللہ نے اسے توفیق دی اور اس نے دل کی گہرائی سے اور پورے اخلاص سے اس کلمہ شہادت اور کلمہ ایمان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی ایمانی نسبت کو درست کر لیا اور اسی پر اس کو موت آگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آسان حساب:-

(۷۸) عن عائشۃ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی بعض صلواتہم اللہم حسنی حساباً یسیراً قلت یا نبی اللہ ما الحساب الیسیر قال ان یظرفی کتابہ فیتبعہ اور عنہ انہ من فوفش الحساب یومئذ یا عائشۃ هلاک۔ (احمد)
 (ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہو کہ میں نے بعض نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کہتے سنا ”اللہم حسنی حساباً یسیراً“ (اے اللہ میرا حساب آسان فرما) میں نے عرض کیا حضرت آسان حساب کا کیا مطلب ہو، آپؐ فرمایا آسان حساب یہ ہو کہ بندہ کے اعمال نامہ پر نظر ڈالی جائے اور اس سے درگزر کر جائے (یعنی کوئی پوچھ گچھ جرح نہ کی جائے) بات یہ ہو کہ جس کے حساب میں اُس دن جرح کی جائے گی اے عائشہ اس کی خیر نہیں، وہ ہلاک ہو جائے گا۔

ایمان والوں کیلئے قیامت کا دن کیسا ہلکا اور مختصر ہوگا:-

(۷۹) عن ابی سعید الخدری انہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اخذنی من یتیمی علی القیام یوم القیمۃ الذی قال اللہ عزوجل ”یوم یقوم الناس لرب العالمین“ فقال یخفف علی المؤمن حتی یموت علیہ کالصلوۃ

الملکوتہ

(البیہقی فی البعث والنشور)

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے بتائیے کہ قیامت کے دن جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ”اس دن لوگ کھڑے ہوں گے رب العالمین کے حضور میں“ تو اس دن کس کو کھڑے رہنے کی طاقت اور قدرت ہوگی (اور کون اس پورے دن کھڑا رہ سکے گا جس کے متعلق قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچے ایمان والوں کے حق میں یہ کھڑا ہونا بہت ہلکا اور ضعیف کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ان کے لیے ایک فرض نماز کی طرح ہو جائے گا۔

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ابوسعید خدری کو جو جواب دیا اس کا اشارہ قرآن مجید میں بھی موجود ہے، سورہ مدثر میں فرمایا ہے:

فَإِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ فَهَذَا يَوْمُ مَعَادٍ
عَلَى الْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُبِينٌ

تو جب صور پھونک دیا جائے گا تو وہ دن براہِ سخت ہوگا، ایمان نہ لانے والوں کے لیے آسان نہ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سخت اور بھاری دن ایمان والوں کے حق میں سخت اور بھاری ہوگا، بلکہ آسان اور ہلکا کر دیا جائے گا۔

راتوں کو اللہ کیلئے جاگنے والوں کا جنت میں بے حساب داخلہ:-

(۸۰) عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي أَسَدٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَحْشُرُ النَّاسَ فِي

صُعِيدٍ وَاحِدٍ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَيُنَادِي مَنَادٌ فَيَقُولُ أَيْنَ الَّذِينَ كَانَتْ تَقِيعَانِي حَبْوَجُمُ عَنِ

الْمَضَاجِمِ فَيَقُومُونَ وَهُمْ طَلِيلٌ فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فَغَيْرُ حَسَابٍ ثُمَّ يَوْمَ مَرَسَائِلِ النَّاسِ إِلَى

(البیہقی فی شعب الایمان)

الحساب۔

(ترجمہ) اسما بنت یزید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب لوگ (زندہ کیے جانے کے بعد) ایک وسیع اور ہوا میدان میں جمع کیے جائیں گے (یعنی سب میدانِ حشر میں جمع ہو جائیں گے) پھر اللہ کا منادی پکارے گا کہ کہاں ہیں وہ بندے جن کے پہلو راتوں کو بستروں سے الگ رہتے تھے (یعنی اپنے بستر چھوڑ کر گہراؤں کو تہجد پڑھتے تھے) پس وہ اس پکار پر کھڑے ہو جائیں گے اور ان کی تعداد زیادہ نہ ہوگی پھر وہ اللہ کے حکم سے بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلے جائیں گے اس کے بعد باقی تمام لوگوں کے لیے حکم ہوگا کہ وہ حساب کے لیے حاضر ہوں۔

امت محمدیہ کی بہت بڑی تعداد کا حساب کے بغیر جنت میں داخلہ :-

(۸) عن ابی امامہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول وعدنی
دعی ان یدخل الجنة من امتی سبعین الفا لا حساب علیہم ولا عذاب من کل
الف سبعون الفا وثلاث حثیات من حثیات دعی۔

(احمد - ترمذی - ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت ابوامامہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے
تھے کہ میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو وہ بغیر حساب اور بغیر عذاب کے
جنت میں بھیجے گا اور ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہی ہزار اور ہوں گے۔ اور تین حثیے اور میرے
پروردگار کے حثیات میں سے (میری امت میں سے بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں بھیجے جائیں گے)
(تشریح) جب دونوں ہاتھ بھر کر کسی کو کوئی چیز دی جائے تو عربی میں اس کو حثیہ کہتے ہیں جس کو
اردو اور ہندی میں لب بھر کے دینا کہتے ہیں۔ تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ستر ہزار کو بلا حساب اور بلا عذاب جنت میں داخل کرے گا، اور پھر ان
میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہی اور اسی طرح بلا حساب و عذاب جنت میں جائیں گے اور اس سب
علاوہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص شان و رحمت سے اس امت کی بہت بڑی تعداد کو تین دفعہ کر کے اور جنت میں
بھیجے گا۔ اور یہ سب وہی ہوں گے جو بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ سبحانک
و جمدک یا ارحم الراحمین۔

اس قسم کی حدیثوں کی پوری حقیقت اسی وقت کھلے گی جب یہ سب باتیں علی طور پر سامنے
آئیں گی۔ اس دنیا میں تو ہمارا علم و ادراک اتنا ناقص ہے کہ بہت سے اُن واقعات کو صحیح طور پر سمجھنے سے
بھی ہم قاصر رہتے ہیں۔ جن کی خبریں ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں مگر اس قسم کے واقعات کا کبھی ہم نے
تجربہ اور مشاہدہ کیا ہوا نہیں ہوتا۔ صدق ربنا عز وجل۔ ”وما اوتینم من العلم الا قلیلاً“



انبیاء علیہم السلام کی دعوت

اور

ہماری حالت

(مدیر الفرقان کی ایک تقریر جو کراچی کے ایک تبلیغی اجتماع میں کی گئی)

الحمد للہ الذی ہدانا لہذا وما کانت للہتدی لولا ان ہدانا للہ
لقد جاءت رسل ربنا باحق صلوات اللہ تعالیٰ علیہم و
علیٰ کل من اتبعہم باحسان الخ یوم الدین
بزرگو، دوستو اور دنیا بھائیو!

ہم آپ سب جانتے ہیں کہ انسان کو اس دنیا میں آنے سے پہلے کچھ مدت اپنی ماں کے پیٹ میں رہنا ہوتا ہے اور جب تک وہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے اسی کو وہ اپنی دنیا سمجھتا ہے، وہ بیچارہ اس وقت بالکل نہیں جانتا کہ اصل دنیا کوئی اور ہے جہاں مجھے جانا ہے۔ بلکہ اگر کوئی ایسا آلہ ایجاد ہو جائے جس کے ذریعے پیٹ کے اندر کے سچے بات کی جانکے اور اس کے ذریعہ اس کو یہ بتلایا جائے کہ نادان بچے! اصل دنیا اور ہے جو ابھی تو نے دیکھی ہی نہیں ہے اور تو عنقریب اس دنیا میں پہنچنے والا ہے اور وہ لاکھوں میل کی لمبی چوڑی دنیا ہے اور اس میں زمین و آسمان میں سمندر اور پہاڑ ہیں گرد و دل بلکہ اربوں رہنے بسنے والے انسان ہیں، ریلیں دوڑ رہی ہیں، جہاز چل رہے ہیں، ہوائی جہاز اڑ رہے ہیں، روز سونچ نکلتا ہے اور ڈوبتا ہے، موسم آتے ہیں اور جاتے ہیں ————— الغرض اگر کوئی ذریعہ سے ماں کے پیٹ میں قیام کرنے والے بچہ کو کوئی شخص یہ باتیں بتلائے تو نہ تو وہ ان باتوں کو سمجھ سکے گا اور اگر کسی طرح سمجھانے میں کامیابی حاصل کر لی جائے تو وہ ماننے پر تیار نہ ہوگا۔ اس کے نزدیک تو ساری دنیا میں اس کی ماں کا باشندہ ہے، ہمیں کلم کا پیٹ ہی اس کے سوا جو کچھ اسے کوئی بتلاتا ہے وہ اس کے مشاہدہ کے خلاف ہے، لیکن

ہم آپ جب اس منزل کو طے کر کے یہاں اس دنیا میں آگئے اور ان سب چیزوں کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو یہ سب چیزیں ہمارے لیے یقینی اور مدہی ہو گئیں بلکہ اب ہم نے ادراپے بھی جان لیا کہ ماں کے پیٹ میں ہمارا جو قیام کچھ دنوں زیادہ کوئی مستقل قیام نہ تھا بلکہ اس دنیا میں لانے کے لیے ہی ہمیں چند مہینے دہاں رکھا گیا تھا۔ بہر حال یہ وہ حقیقت ہو جس کا ہم سب تجربہ کر چکے ہیں اور اس سے ہم یہ سبق لے سکتے ہیں بلکہ ہمیں یہ سبق لینا چاہیے کہ ہمارا علم اور ہمارا شاہدہ بہت ناقص ہے اور کسی چیز کے نہ جاننے اور نہ دیکھنے کی وجہ سے اس کا انکار کرنا بڑی غلطی اور نادانی ہے۔ تحقیقوں کا پورا علم بس اللہ تعالیٰ کو ہے اور اس کے پیغمبر اس کے بتلانے سے اور اس کی طرف سے جو کچھ بتلاتے ہیں وہ بالکل حق اور صحیح ہو اور اپنے اپنے وقت پر سب سامنے آجائے والا ہے۔

انبیاء علیہم السلام انسانوں کے لیے جو خاص اخصاص علم اللہ کی معرفت اور اس کی توحید کے علاوہ لے کے آئے ہیں جس کے ماننے یا نہ ماننے پر انسان کی کامیابی یا ملامتی کا اور ان کی نجات یا لاکھوت کا دار و مدار ہو وہ یہ ہے کہ اس دنیا کے بعد انسانوں کو ایک اور عالم میں پہنچا ہے اور وہ عالم اس دنیا کے مقابلے میں جہنمیت سے لاکھوں گنا اور دل گنا اسی طرح بڑا ہو گا جس طرح ماں کے پیٹ کے مقابلے میں ہماری یہ دنیا بڑی ہے۔ اور وہی دراصل مستقل عالم ہے اور یہ دنیا اس کے مقابلے میں اسی طرح عارضی ہو جس طرح اس دنیا کے مقابلے میں ماں کے پیٹ والا عالم عارضی تھا۔ پھر انبیاء علیہم السلام نے پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ یہ بھی بتلایا کہ جس طرح اس دنیا میں مصیبتیں اور رنج ہیں بلکہ اصلی تکلیفیں اور مصیبتیں اور اصلی لذتیں اور راحتیں وہیں ہیں یہاں تو ہر چیز کا بہت ہی ناقص نمونہ ہو۔ مثلاً یہاں جو آگ ہو دوزخ کی آگ میں اس کے مقابلے میں ہزاروں لاکھوں گنا زیادہ گرمی اور جلن ہے اور یہاں کی بھوک پیاس سے جو تکلیف ہوتی ہے آخرت میں اس سے ہزاروں گنا زیادہ تکلیف والی بھوک پیاس ہے اور یہاں کچھ جیسے زہریلے جانوروں کے کاٹنے سے جتنی تکلیف ہوتی ہے دوزخ کے زہریلے جانوروں کے کاٹنے سے اس سے ہزاروں لاکھوں گنا زیادہ تکلیف ہوگی، اسی طرح یہاں کے کھانوں میں اور پھلوں میں جو لذت اور ذائقہ ہے جنت کے کھانوں اور پھلوں میں اس سے ہزاروں درجہ زیادہ لذت اور ذائقہ ہے اور یہاں بہتر سے بہتر خوشبوئیں ہیں دہاں ان سے ہزاروں درجہ زیادہ بہتر خوشبوئیں ہیں اور یہاں جو حُسن ہے اس سے لاکھوں درجہ زیادہ آخرت میں حُسن ہے، پھر یہ کہ یہاں جو تکلیف یا مصیبت ہے اور جو لذت اور راحت ہے وہ عارضی اور فانی ہے اور آخرت

میں ہر چیز مستقل دائمی اور غیر فانی ہے ————— انبیاء علیہم السلام نے یہ بھی بتلایا کہ انسان کا اصل ٹھکانا اور دائمی وطن آخرت ہی ہے خواہ دوزخ ہو یا جنت، اور اللہ نے گویا اسے آخرت ہی کے لیے بنایا ہے اور اس دنیا میں چند سالوں کے لیے اس کو صرف اس لیے رکھا جاتا ہے کہ یہاں رہ کر آخرت کی تیاری کرے اور جنت یا دوزخ کے قابل بنے جس طرح ہر انسان چند مہینے اپنے ماں کے پیٹ میں صرف اس لیے رکھا جاتا ہے کہ وہ اس دنیا میں آنے کے قابل ہو سکے۔

پھر انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا علم بھی لائے کہ آخرت کے اس مستقل وطن میں اور کبھی نہ ختم ہونے والی اس زندگی میں تکلیفوں اور مصیبتوں سے بچنے کا اور لذتیں اور راحتیں حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے، انھوں نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ چند سچی حقیقتوں پر ایمان لاکر اس دنیا میں زندگی اس طریقہ پر گزاریں جس سے اللہ کا نشا اور وہ مقصد پورا ہو جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اگر وہ ایسا کریں گے تو آخرت کی زندگی میں کامیاب اور خوش و خرم رہیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ وہ لذتیں اور راحتیں پائیں گے جن کا یہاں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا اور جو انسان اس کے خلاف طرز عمل اختیار کریں گے اور اللہ کی منشا کے خلاف چلیں گے وہ آخرت میں ایسی سخت تکلیفوں اور مصیبتوں میں ڈالے جائیں گے جن کی یہاں کوئی مثالی موجود نہیں

ہے۔

دوستو اور بزرگو!

اللہ کے سامنے پیغمبر بھی پیغام لے کے آئے اور اسی مقصد کے لیے آئے کہ انسان ان باتوں کو مان کر اپنے لیے زندگی کا وہی طریقہ اختیار کرے جو اس کو آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں جہنم کے عذاب سے بچا دے اور صداہا جنت کی لذتوں اور راحتوں میں پہنچا دے ————— آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک اللہ کے ہزاروں پیغمبر آئے اور سب نے اپنے اپنے وقت کے انسانوں کو یہی پیغام دیا اور صرف پیغام ہی نہیں دیا بلکہ انتہائی تم دردی اور خیر خواہی کے ساتھ بندوں کو اللہ کی رحمت میں لانے کی بلکہ اس کی طرف مہینے کی کوشش کی ————— پھر جن میں نیکی کا اور سعادت کا کوئی ذرہ بھی تھا انھوں نے ان کی بات مان لی اور اللہ کے متعلق اور آخرت کے متعلق ان کی باتوں پر یقین کر کے اور ایمان لاکے اللہ کی منشا کے مطابق زندگی گزارنے کے اصول کو انھوں نے قبول کر لیا۔ یہ سب اپنے اپنے زمانہ کے مومن اور مسلم تھے اور یہ سب آخرت والی زندگی میں جنت پائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اور جن لوگوں میں خالی شرارت ہی شرارت تھی اور خیر اور سعادت کا کوئی ذرہ بھی ان کے اندر نہیں رہا تھا انھوں نے پیغمبروں کی ان باتوں کے ماننے سے انکار کر دیا۔ اللہ کے پیغمبروں نے اپنے اسکان بھر اس کی پوری کوشش کی کہ یہ کسی طرح مان لیں اور اللہ کی رحمت سے محروم

نہ رہیں لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہے اور انکار پر یعنی کفر برائے رہے۔ پھر سب سے آخر میں ظالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لیے یعنی سب قوموں اور سب ملکوں کے لیے اور قیامت تک کے لیے اللہ کے رسول بنکر آئے جس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا اس وقت پوری دنیا غلط راستہ پر چل رہی تھی، لوگ اللہ کے احکام سے اور اپنے انجام سے بے فکر ہو کر سن مافی زندگی گزار رہے تھے۔ نبوت کے بعد آپ قریباً تیس سال دنیا میں رہے اور اللہ کے بندوں میں آخرت کی فکر پیدا کرنے کے لیے اور اللہ سے ان کا رشتہ جوڑنے کے لیے اور ان کو دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچانے کے لیے اپنے اسی کوشش اور اسی جدوجہد کی اور اس راہ میں ایسی ہی تکلیفیں اٹھائیں کہ دنیا میں کئی نے بھی اس مقصد کے لیے اتنی محنتیں نہیں کیں اور اتنی تکلیفیں نہیں اٹھائیں، خود فرماتے ہیں ”ما اودى فى الله احد مثل ما اودى“ (اللہ کے راستے میں کسی کو اتنی تکلیفیں اور اتنی ایذا ایں نہیں پہنچیں جتنی کہ مجھے پہنچی ہیں)۔

آپ کو اللہ کے بندوں کا ایسا درد تھا اور ان کو اللہ کے عذاب سے اور دوزخ سے بچانے کی اتنی فکر تھی کہ اس فکر میں گویا گھلے جا رہے تھے یہاں تک کہ قرآن پاک میں کئی جگہ فرمایا گیا کہ کیا آپ ان لوگوں کے پیچھے اور ان کے ایمان نہ لانے کے غم میں اپنے کو ہلاک کر ڈالیں گے اور اپنی جان دے دیں گے۔ ”لَعَلَّكَ بَآخِئٍ فَنُصَاكَ اَنْ كَا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ“ اور سورہ کہف میں فرمایا گیا۔

لَعَلَّكَ بَآخِئٍ فَنُصَاكَ عَلَى اَخَارِهِمْ اِنْ كُنَّ حِيُوْمًا مِّثْلَ هٰذَا لَئِنْ اَسْتَفَا

العرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورے تیس سال تک اس مقصد کے لیے محنتیں کرتے رہے اور اپنے راحت و آرام کو اور اپنی ہر چیز کو قربان کرتے رہے۔ اس کے نتیجے میں اللہ کے بندوں کی ایک جماعت پیدا ہوئی جس نے آپ کی دعوت کو قبول کیا، اور اللہ کے متعلق اور آخرت کے متعلق یعنی قیامت اور جنت و دوزخ کے متعلق جو کچھ آپ فرماتے تھے اس نے اس پر پورا یقین کر کے اور ایمان لا کے اپنے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ اس زندگی میں اللہ تعالیٰ ہم سے جو چاہتے ہیں ہم وہی کریں گے، یعنی ہر معاملہ میں اللہ کے حکم پر چلیں گے۔ اور دنیا کو ان کے پیٹ کی طرح کی ایک عارضی اور دیرپا فیاضی تھی اور آخرت ہی کو اصلی آخری اور ابدی منزل یقین کرتے ہوئے ہم دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر کریں گے۔ قرآن مجید میں ”ایمان باللہ“ اور ”ایمان بالیوم الآخر“ کا لفظ جو بجا آتا ہے وہ اور حقیقت ان ہی دو فیصلوں کا نام ہے۔ بعد والوں کے مقابلہ میں صحابہ کرام کا امتیاز دراصل اسی کیفیت میں اور ان ہی دو فیصلوں کی پختگی اور گہرائی میں ہی ہو۔ جو شخص صحابہ کرام کی زندگی کو غور سے دیکھے گا اس میں اس کو یہ چیزیں بہت نمایاں نظر آئیں گی یعنی ایک اپنی نفسانی خواہشات اور اپنی ذاتی اغراض اور اپنے ماحول کے ہر شے کے تقاضوں کے مقابلہ میں اللہ کے

حکم کو غالب رکھنا اور حکم الہی کی تعمیل کے لیے ان میں سے ہر پہنچ کو قربان کر دینا۔ اور دوسرے آخرت کا کامیابی کے لیے دنیا کی ہر دولت اور ہر لذت کو اور جان تک کو قربان کر دینے پر آمادہ رہنا۔

ان دو باتوں کے علاوہ ایک تیسری بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت نے اس جماعت کے اندر پیدا کی تھی اور وہ بھی اسی طرح ان کی زندگی میں بہت نمایاں تھی وہ ان کی یہ فکر تھی کہ جس دین کو یعنی زندگی کے جس اصول اور اس طریقہ کو ہم نے مان لیا ہے (یعنی اللہ کے حکموں پر نظر رکھتے ہوئے) اور ان کی تعمیل کرتے ہوئے جہنم اور آخرت کے اہل منزل تک پہنچتے ہوئے اور دنیا سے زیادہ دلوں کی فکر کرتے ہوئے زندگی گزارنا) اللہ کے اور بندے بھی اس دولت میں ہمارے شریک ہو جائیں اور ان کا بھی اللہ سے رشتہ خیر جائے اور وہ بھی جنت میں پہنچ جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے علاوہ چونکہ خاقیت کا مقام بھی سطا ہوا، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو قیامت تک پیدا ہونے والے سارے انسانوں کے لیے نبی قرار دیا۔ اور نبی کے ذمہ ہے کہ جن کے لیے وہ نبی بنایا گیا ہے ان کی ہدایت کی فکر کرے اور حضور کو عمر قیامت تک کی دی نہیں گئی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے اس کا انتظام یہ فرمایا کہ جن لوگوں نے آپ کی بات مان لی اور ایمان لائے آپ کی پیروی قبول کر لی ان کو آپ نے اس پر آمادہ کیا اور ان کے ذمہ یہ کام کیا کہ جس طرح مجھ سے پہلے اللہ کے پیغمبر اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں کو دوزخ سے بچانے کی اور جنت کی طرف لانے کی کوششیں کرتے رہے ہیں اور جس طرح تم نے مجھ سے یہ کوشش کتنے دیکھا ہے اسی طرح تمہیں یہ کام کرنا ہے اور میری نیابت میں قیامت تک کرتے رہنا ہے۔

صما بہ کرام نے تو اس کام کا پورا پورا حقدار کیا یعنی ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر والی حضور کی لائی ہوئی زندگی کو اپنی زندگی بنا کر مکمل ملکوں میں اس کا پیغام پہنچایا اور جس ملک میں اور جس قوم میں جس طرح پہنچا سکتے تھے اس طرح پہنچایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس راستہ میں اور اس کی کوششوں میں اپنی جان کو جس طرح بے قیمت کرتے ہوئے اور تکلیفیں اٹھاتے ہوئے انھوں نے دیکھا تھا اسی طرح انھوں نے بھی اپنی جان کو بالکل بے قیمت کر دیا اور ہر قسم کی تکلیفوں اور مصیبتوں کے ساتھ یہ کام کرتے ہوئے وہ اپنے اثر سے جا ملے۔ پھر ان کی محنتی ہوئی پاکیزہ زندگیوں نے اور ان کی ان کوششوں اور قربانیوں نے ایک ایسی فضا پیدا کر دی کہ تو میں کی تو میں اور ملک کے ملک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمانی دعوت کو خود بخود قبول کرنے لگے اور آپ کی لائی ہوئی ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر والی زندگی کے اصول اور طریقہ کو اپنانے لگے۔ پھر بعد والے مسلمان جنھوں نے یہی فضا دیکھی اور جن کی آنکھوں نے دین کی دعوت

کو اس طرح خود بخود چلتے ہوئے اور قوموں کو اس کی طرف آپ سے آپ لپکتے ہوئے اور بڑھتے ہوئے دیکھا وہ اس مقصد کے لیے کوشش اور قربانی سے بے فکر ہو کر بیٹھ گئے۔ ہاں کچھ خاص اللہ کے بندے تو ہر زمانہ اور ہر درجہ میں مختلف شکلوں میں دین کی خدمت اور اس کے لیے کوششیں کرتے رہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی فکر اور کوشش کو جس طرح پوری امت پر ڈالا تھا اور اس کا جو عمومی نظام آپ نے قائم فرمایا تھا صحابہ کرام سے بعد کے دور میں وہ اس طرح قائم نہیں رہا اور اس کی وجہ سے دو بہت بڑے نقصان ہوئے ایک یہ کہ انسانی دنیا کی بہت بڑی آبادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اس ایمانی طریقہ زندگی سے بالکل محروم رہ گئی اور اس کے نتیجے میں آخرت کی زندگی میں وہ جنت سے محروم رہ جائے گی۔ اور دوسرا نقصان یہ ہوا کہ خود امت کی تعلیم و تربیت اور دینی ترقی کی فکر اور اس کے لیے کوشش کا جو عمومی نظام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا کہ ہر شخص دوسروں کی دینی خبر گیری کا اور ان کے ایمان کی حفاظت اور ترقی کا ذمہ دار تھا، وہ درہم بہرم ہو گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج خود مسلمان کہلانے والوں میں بہت بڑی تعداد اس حال میں ہو کہ اس کا اسلام بس برائے نام ہے۔ ان کی زندگی اللہ کے احکام سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت سے بالکل بے تعلق ہو چکی ہے اور ان کا حال قرآن مجید کے الفاظ میں بالکل یہ ہے کہ ”هَمَّ لَكَفَرٌ بِكَ وَيَكُنَّ لَكَ آيَاتٍ“ (یعنی آج وہ نسبت ایمان کے کفر کی حالت سے زیادہ قریب ہیں) اور اسی طرح ان کے دل آخرت کی فکر سے اور دوزخ کے خوف اور جنت کے شوق سے بالکل فارغ ہو چکے ہیں اور ان کی حالت بالکل وہ ہو گئی ہے جو قرآن مجید نے کافروں کی بیان کی ہے کہ ”إِنَّ هَؤُلَاءِ يَجْعَلُونَ الْآحِلَّةَ وَيَذَرُونَ ذُرَاهُمْ يَوْمًا نَّعِيلًا“

و دستور ہم رحمتہ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہیں، اگر ہمارے دلوں میں حضور کی نسبت رحمت کا کوئی ذرہ بھی ہو تو ساری انسانیت کی اور خاص کر حضور کی امت کی اس حالت کو اور ایمان سے ان کی محرومی کو دیکھ کر ہمیں رونا اور رونا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قیامت تک کے لیے ہو اور ہمیشہ کے لیے دنیا میں ہدایت پھیلانے اور ایمان پھیلانے کا کام آپ امت کے سپرد کر کے گئے تھے اور اس کا ایسا نظام قائم فرمایا تھا کہ اگر اس کے مطابق کام ہوتا رہتا تو آج دنیا میں ایمان ہی کی فضا ہوتی۔ تو اب ہمیں سوچنا یہ ہے کہ اس حالت کے بدلنے کے لیے یعنی خود اپنی زندگی کو ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر والی زندگی بنانے کے لیے اور اپنے دوسرے بھائیوں میں اس کی کوشش کے لیے ہم کچھ کرنا چاہتے ہیں یا نہیں؟

اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو عالم اسباب بنایا ہو اور یہ عالم جس طرح دنیا کے بارہ میں عالم اسباب ہے اسی طرح دین کے معاملہ میں بھی یہ عالم اسباب ہو یعنی جس طرح دنیا کا ہر کام یہاں کرنے سے ہوتا ہے اسی طرح دین کا کام بھی کرنے سے ہوتا ہے۔ کرنے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں، بندوں کے بس میں کچھ بھی نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ

کی سنت اور عادت یہ ہے کہ بندے جس کام کے لیے صحیح طریقہ پر کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتے ہیں۔ یہ دینی دعوت اور یہ دینی تحریک جس کو آپ لوگ تبلیغی تحریک کہتے ہیں اور سب میں حصہ لینے والے تبلیغی جماعت کے نام سے مشہور ہو گئے ہیں دراصل یہ اسی کی کوشش اور اسی کی جدوجہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو طریقہ زندگی لانے کے لیے جسکا اصول تھا ہر معاملہ میں اللہ کے حکم پر چلنا، اللہ کے اور اسے مقابلہ میں غیر اللہ کے کسی تقاضے کی اور کسی منفعت کی پروا نہ کرنا۔ اور آخرت کی فکر دنیا سے زیادہ کرنا، اس کو ہم خود اپنے اندر پیدا کریں اور اپنے دوسرے بھائیوں میں اس کی کوشش کریں اور دین کی فکر اور جدوجہد کا جو عمومی نظام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا جس کے لیے خود حضور نے اور آپ کے صحابہ کرام نے اپنی جانوں کو بے قیمت کر رکھا تھا اس کو پھر سے رواج میں لانے کے لیے ہم بھی جدوجہد کریں اور اس راہ میں ہم بھی اپنی جانوں کو اور اپنی ہر چیز کو بے قیمت کرنا سیکھیں۔ بس یہی ہے اس تحریک کا اصل مقصد، باقی جو چیزیں کبھی کبھی ہم ذکر کرتے ہیں ان کا تعلق یا تو طریقہ کار سے اور اس جدوجہد کی علمی شکلیات سے ہو اور یا وہ ضمنی چیزیں ہیں۔

ہم پورے شرح صدر کے ساتھ اور صراحت اور صفائی کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ اوقات میں کا بنیادی اور اصلی کام ہے اور مسلمانوں کی تامل و تدبیر اور دنیوی اصلاح و فلاح اسی سے وابستہ ہے اور اس کا پر منحصر ہے اور افراد کی زندگیوں میں دینی انقلاب برپا کرنے کے لیے اور ایمان سے خالی ہو جانے والے اپنے معاشرہ کو کھڑے ایمانی معاشرہ بنانے کے لیے اور مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ کو اللہ کے حکم اور امر کے تحت لانے کے لیے یہی صحیح اور نبوی طریق کار ہے کہ لوگوں میں ایمان باندھ اور ایمان بالیوم الآخر کی روح اور حقیقت کو پیدا کرنے کے لیے جہد و جد کی جائے اور ایمان و احتساب کو (یعنی ہر معاملہ میں اللہ ہی کے حکم پر چلنے کے فیصلہ کو اور حجت کے شوق اور دوزخ کے خوف کو) ان کی زندگی کا سب سے بڑا محرک بنانے کے لیے اور دوسرے تمام جذبات پر اس جذبہ کو غالب کرنے کے لیے محنت کی جائے۔

انبیاء علیہم السلام کا عام طریقہ یہی ہے کہ وہ پہلے افراد میں اس چیز کو پیدا کرتے ہیں، اس چیز کے سپرد ہو جانے کے بعد صرف اتنا بتا دینا کافی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے فلاں فلاں کام چاہتے ہیں اور فلاں فلاں چیزوں سے تم کو منع کرتے ہیں، فلاں کام جنت میں پہنچانے والا ہے اور فلاں کام دوزخ میں لیجانے والا ہے انبیاء علیہم السلام اسی طریقہ سے اخلاق کو درست کرتے ہیں، اسی طریقہ سے معاشرت کی خرابیوں کی اصلاح کرتے ہیں اسی طریقہ سے دہسماں کو اور کاروبار کی تمام صورتوں کو ٹھیک کر دیتے ہیں اور اس طریقہ سے وہ سیاست اور حکومت کو اللہ کی منشا کے مطابق بنا دیتے ہیں۔ انھیں زندگی کے ہر شعبہ کی درستی کے لیے الگ الگ کوشش نہیں کرتی پڑتی۔

ہماری یہ دینی جدوجہد جس کو تبلیغی تحریک کہا جاتا ہے اس کی بنیاد اسی اصول پر ہوگی اور اس کے طریقہ کار کی یہی بنیاد ہوگی۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم مسلمانوں کی ساری خرابیوں کی جڑ بنیاد یہی ہے کہ ہم اللہ کے احکام پر چلنے کے بجائے اپنی اغراض اور اپنی خواہشات پر چلنے کے عادی ہو گئے ہیں اور حجت اور دوزخ سے زیادہ ہم اس دنیا کے نفع نقصان کی فکر کرنے کے خوگر بن گئے ہیں، یہی ہماری ساری بیماریوں کی جڑ ہے اور اس کا علاج اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی رضا کے لیے اور اس کے حکم کے لیے اپنی خواہشات اور اپنی اغراض کو قربان کرنے کی عادت ڈالیں اور دنیا کے نفع نقصان پر نظر کرنے کے بجائے آخرت کے نفع نقصان پر یعنی جنت کے ثواب اور دوزخ کے عذاب پر نظر رکھ کر کام کرنے کا اپنے کو عادی بنائیں۔

بزرگوار دوستو! اگر عادت کی اور حال کی یہ تبدیلی صرف ہماری تقریروں سے ہو سکتی تو ہم آپ پر کوئی بوجھ نہ ڈالتے اسی طرح اگر کوئی اور زیادہ آسان طریقہ ہمارے علم میں ہوتا تو اسی کو ہم استعمال کرتے لیکن خدایا گواہ ہے کہ اس مقصد کے لیے ہمارے پاس اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں جس کو ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں اور آپ اس کو شکل سمجھتے ہیں۔ حلال کہ وہ ایسا شکل نہیں ہے اور اگر شکل بھی ہو تو جب اس کے سوا کوئی اور طریقہ سامنے ہے ہی نہیں تو اسی کو اختیار کرنا پڑے گا۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ اپنے حال کی اصلاح کے لیے اور اللہ کے بندوں میں دین کی کوشش کے لیے اپنے گھار اور اپنے گھر کی راستوں کو چھوڑ چھوڑ کر اپنے کاموں کے نقصان کو ادا کر کے جماعتوں کی شکل میں کچھ زمانہ کے لیے نکلا کریں اور یہ زمانہ ایک خاص پروگرام کے مطابق اپنی اصلاح و تربیت اور دوسروں میں دین کی کوشش کے ان کاموں میں گزارا کریں جو اللہ کے تعلق کو اور آخرت کی فکر کو بڑھانے والے ہیں، اور جن میں مسلسل مشغول رہنے سے غیر اللہ سے تعلق گھٹتا ہے اور اللہ سے تعلق بڑھتا ہے اور آخرت کی فکر بڑھتی ہے اور دنیا کی فکر گھٹتی ہے اور خود اپنی زندگی دینی اور ایمانی زندگی بنتی ہے اور اللہ کے دوسرے بندوں کے لیے بھی اس کے دروازے کھلتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یقین ہے کہ اللہ کے جو بندے اس پروگرام کے مطابق اپنے اوقات صرف کریں گے اور اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے اس ماہ میں تکلیفیں اٹھائیں گے اور قربانی دیں گے انشاء اللہ ان کی حالت بدلے گی اور ان میں اور ان کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر والی اور اللہ کے لیے اور دین کے لیے قربانی والی وہ زندگی پھر آئے گی جو اس امت کی اصلی زندگی تھی اور جس کو کھوکھو کر یہ امت اللہ کی نظر کریم سے گم گئی ہے اور اس کی خاص رحمت اور نصرت سے محروم ہو گئی ہو۔

دینی دعوت و تحریک کے ذمہ داروں کی خدمت میں

پیچیدہ گزشتہ سے پیوستہ پیچیدہ

برادران کرام! اگر ہم انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے سلسلہ میں ان کے طریقہ کار کا مطالعہ کریں تو اس میں ہم کو ایسے بہت سے پہلو نظر آئیں گے جن میں ان کی راہ عام انسان فی تحریکات کے علمبرداروں سے الگ ہوگی۔ اور یہ پہلو ان کی دعوت میں بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس طریقہ کار اور اس دعوت کے مزاج پر غور و خوض کرنے میں میں بھی آپ کا ایک ادنیٰ رفیق بننا چاہتا ہوں۔ اور آپ کی اجازت سے وہ اہم نقاط پیش کرتا ہوں جو میری کوتاہ نظر میں ان کی دعوت و طریقہ اور عام قارئین و مصلحین کی دعوت و طریقہ میں فرق پیدا کرتے ہیں۔

(۱) دعوت و جہاد کے تمام مراحل بلکہ زندگی کے تمام مراحل میں اللہ کی طرف رجوع اُس کے آستانہ عالی پر ایک بے بس و شکستہ حال آدمی کی طرح سر رکھ دینا اور اس کی رحمت کی گود میں اس طرح اپنے کو ڈال دینا جس طرح چھوٹا بچہ اپنی ماں کی گود میں اپنے کو ڈال دیتا ہے۔ اور اس بات پر پختہ ایمان کہ وہی نافع و ضار ہے وہی مددگار ہے اسی کا اصل سہارا ہے۔ وہ اگر عطا کرنا چاہے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا اور غروم رکھنا چاہے تو کوئی اس سے دلائیں سکتا اسکے میاں سے آئی ہوئی شکل کو کوئی آسان کر نوا لا اور اس کی گھبی ہوئی ہڈی کو کوئی ٹالنے والا نہیں اس کی رحمت کو کوئی روکنے والا نہیں۔ آسان وہی ہے جس کو وہ آسان کرے۔ وہ سخت کو بھی آسان بنا دیتا ہے۔ طاقت ور کے مقابلہ میں کمزور کی اعانت فرماتا ہے اور زیادہ کے مقابلہ میں تھوڑے کی امداد فرماتا ہے۔ کمزور اس کی امداد سے طاقت ور ہے، تھوڑا اس کی رحمت سے بہت ہے۔ یہ ایمان ان میں دعا کی قوت اور جذبہ پیدا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی چوکھٹ پر سر رکھ دیتے ہیں، اس کے دروازے پر پڑ جاتے ہیں اور عاجزانہ دعاؤں کی کثرت کرتے ہیں۔ یہ ایمان (خدا کی قدرت و رحمت کا یقین اور اپنے ضعف و احتیاج کا احساس) ان کے لیے عجیب و غریب تحائف کا دروازہ کھول دیتا ہے، ان کی زبان سے اُثر میں ڈوبے ہوئے مضامین نکلنے لگتے ہیں

ان کو اللہ سے مانگنے کے اور اپنے دل کی باتیں کرنے کے ایسے ایسے انداز آجاتے ہیں جو عام انسانوں کی حیثیت سے بلند ہیں۔ یہاں نوز کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو دعائیں پیش کی جاتی ہیں۔

اللهم انك تسمع كلامي وتقرئ مكاني
وتعلم سرى وعلانيتي لا يخفى
عليك شيء من احسرى وانا البائس
الفقير المستغيث المستجير الوجل
المشفق المقر المعترف بذنبي
اسئلك مسئلة المسكين واتبهل
اليك اتبهل المذنب الذليل
وادعوك دعاء الخائف
الضيق ودعاء من خضعت
لك رقبته وفاضت لك
عبرته وذل لك جسمه
ورغم لك انفه اللهم
لا تجعلني بدعا لك شقيا
وكن بي سرور فارحيا۔ يا خبير
المسؤولين ويا خبير المعطين۔

اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہو اور میری جگہ کو دیکھتا
ہو اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہو۔ تجھ سے
میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ میں مصیبت
زدہ ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ چاہوں
ترساں ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا
اقرار کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے
آگے سوال کرتا ہوں جیسے کس سوال کرتے ہیں تیرے آگے
گرگڑاتا ہوں جیسے گرگڑائیں خواگر گڑگڑاتا ہے
اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے تیرے تیرے تیرے
طلب کرتا ہو اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہو جس کی
گردن تیرے سامنے جھکی ہو اور اس کے آنسو بہ رہے ہوں اور
تیرے بدن سے تیرے آگے فروتنی کیے ہو اور اپنی ناک تیرے
سامنے گر کر رہی ہو، اے اللہ تو مجھے اپنے سے عاقل بنائے تاکہ
اور میرے حق میں برا نہ ہو نہایت رحم ہو جائے سب مانگے
جانے والوں سے بہتر، اے سب نیفہ والوں سے بہتر،

اور طائف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور یہ معترض یاد کیجئے۔

اللهم اليك استأضعف قوتي
وقلة حيلتي وهواني على الناس۔
يا ارحم الراحمين الى من
تكلاني الى عدد يوم مجي ۲۱
الى قريب ملكة احسرى ان لم
تكن سلخا على فلا ابالي غير
ان عافيتك واستغنى اعوذ

اے اللہ میں تجھ سے شکوہ کرتا ہوں ضعف
قوت کا اور اپنی کم سامانی کا اور لوگوں کی
نظر میں اپنی کم وقعت کا، اے سب سے بڑھ کر
رحم کرنے والے تو مجھے کس کے سپرد کرتا ہے؟
آیا کسی دشمن کے جو مجھے دباے؟ یا کسی دوست
کے قبضہ میں میرے سب کام نہ رہا ہے؟ تو اگر
مجھ سے ناخوش ہو تو مجھے ان (دشمنوں) سے کسی چیز کی

بنور وجهك (الذی اشرف لہ)
الطلمات وصلح علیہ امرالدنیا
والآخرة۔ من ان یحلّ بی
غضباک او ینزل علیّ سخطک
لاک (العتبی حتی ترضی دلا حول
ولا قوۃ الا بک

پر دوا نہیں ہو پھر بھی تیرا دیا ہوا امن ہی میرے لیے
نیا دیکھا نش رکھتا ہو میں تیری ذات پاک کے اس
نور کی پناہ لیتا ہوں جسکی وجہ سے اندھیرا بن روشن ہوتی
ہیں اور جسکی بنا پر دنیا اور آخرت کا نظام ٹھیک چل رہا ہو
اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو اور
مجھ سے ناراض ہو یہاں کہ تو راضی ہو جائے اور خیر کی طاقت
اور برائی سے حفاظت آپ کے بغیر نہیں۔

بدر کے واقعہ سے دعا کی اس کیفیت اور اپنی بیجا رگی کے اسی احساس کا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ ابن اسحاق
کہتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوں کو درست کیا پھر عیش (چھپر جو آپ کے لیے ڈال دیا گیا
تھا) کی طرف پلٹے اور اس میں داخل ہوئے آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر کے سوا کوئی نہ تھا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اللہ تبارک و تعالیٰ کو امداد کے وعدے کا واسطہ دے رہے تھے اور مناجات میں یہ فرما رہے
تھے اے پروردگار اگر یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہو گئی تو تیری عبادت دنیا میں نہ ہو سکے گی۔
یہی انبیاء علیہم السلام کی تیاری، قوت اور ان کی دعوت کی کلید تھی۔ ان کی دعوت اور جدوجہد
کی خصوصیت ہے کہ اس میں دعا اور اس کا اہتمام خدا کے سامنے بجز دنیا ز اور رقت و کجاست مقدم
ہے۔ دعا کیا ہے؟ ثابت الی اللہ استمداد و توکل کا ایک اظہار۔

یہی روحانی اور ایمانی پہلو ان کی دعوت و جدوجہد کو مادی گوشوں اور تحریکوں سے ممتاز کرتا ہے۔
روایات میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی فکر کی بات پیش آتی تھی تو آپ فوراً نماز
کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

واستعينوا بالصبر والصلوة (مدد لو صبر و نماز سے) وحقیقت دعوت کی ہم محض جسمانی
قوت مادی ساز و سامان اور ذہانت و قابلیت سے سر نہیں کی جاسکتی۔ روحانی قوت اور اللہ تعالیٰ
کی امداد و نصرت کے بغیر کوئی بڑے سے بڑا آدمی اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برائیں ہو سکتا۔
یہ زبردست چٹانیں اور سرنگھٹا دیواریں جو دعوت کی راہ میں حائل ہوتی رہتی ہیں اور جس نے ٹکرا کر
بڑے بڑے مخلص داعیوں کی کوششیں پاش پاش ہو جاتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اس نصرت ہی سے
پگھل سکتی ہیں اور اس نصرت کے حصول کا ذریعہ دعا و التجا ہے۔

(۲) انبیاء کی دعوت اور جدوجہد کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ وہ مادی منفعتوں اور عاجل فوائد

پر غور و فکر سے خالی الذہن ہوتے ہیں۔ دعوت و جدوجہد سے ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کے احکام کی بجا آوری اور اس کے پیغام کے پہنچانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ دنیا طلبی حصولِ جاہ و عزت اور اپنے متبعین کے لیے قوتِ سپہ سالار کرنے یا حکومت حاصل کرنے سے ان کے ذہن بالکل فارغ ہوتے ہیں حتیٰ کہ یہ چیز ان کے متبعین و رفقاء کے بھی خیال میں نہیں آتی۔ یہ حکومت جو اپنے وقت پر قائم ہوئی اور یہ طاقت جو ایک خاص منزل پر حاصل ہوئی تھی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محض ایک انعام تھا اور دین کے مقاصد تک پہنچنے، اس کے احکام کے نفاذ، معاشرہ و زندگی کی تبدیلی کا ایک ذریعہ! جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین پر حکومت دیں تو وہ ناز کو قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم کریں گے، برائی سے منع کریں گے“ اور یہ حکومت کبھی بھی ان کا مقصد، منتہائے نظر نہ تھی وہ اس کے خواب دیکھتے تھے، وہ ایک دعوت و جہاد کا فطری نتیجہ تھا جس طرح وخت کے فوار و قوت پیدا کرنا نتیجہ پھل ہوتا ہے اس موقع پر راقم سطور کے رسالے دین المہدایتہ والجماعۃ کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جو اسی موضوع سے تعلق رکھتا ہے:-

”چھٹی صدی عیسوی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عرب کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو مخالفین کا وہ بہترین عنصر اس دعوت حق کی طرف کھینچ آیا جس نے اپنے زمانہ میں اپنے کو قرآن کی ان آیات کا بہترین مصداق ثابت کیا۔

جَنِيَّةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَهُمْ عَلِيمٌ وَهَدَىٰ ذُرِّيَّتَنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُو مِنْ دُونِهِ لِنُقَاتِكَ قُلْنَا إِذْ أَشْطَطَا هَؤُلَاءِ قَوْمًا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ آلِهَتِهِمْ كُولا يَا حُنُوفُ عَلَيْهِمْ كَسُوطَانِ بَيْنَ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ اخْتَرَىٰ عَلَىٰ اللَّهِ كَذِبًا

(ترجمہ:- وہ چند نوجوان تھے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے ہم نے انھیں ہدایت میں زیادہ مضبوط کر دیا اور ان کے دلوں کی (صبر و استقامت میں) بندش کر دی۔ وہ جب (راہ حق میں) کھڑے ہوئے تو انھوں نے (صاف صاف) کہہ دیا ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان و زمین کا پروردگار رہے، ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکارنے والے نہیں اگر ہم ایسا کریں تو یہ بڑی ہی بیجا بات ہوگی۔

یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جو اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو پکڑے بیٹھے ہیں وہ اگر معبود ہیں تو کیوں اس کے لیے کوئی روشن دلیل پیش نہیں کرتے (ان کے پاس تو کوئی دلیل نہیں) پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر چھوٹ کہہ کر بہتان باندھے۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت پر لبیک کہنا سوسائٹی کی نظر میں ان کا بہت بڑا جرم تھا جس کی پادش میں یہ مردان با صفا جو روحنا اور قہر و بلا کے تیروں پر رکھ لیے گئے خوب خوب مشتق تم کی گئی اور پوری سنگدلی کے ساتھ تائے گئے مگر ان سے تو پہلے ہی کہہ دیا گیا تھا

أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يَمُوتُوا أَنْ يُحْشَرُوا أَمْ نَظُنُّهُمْ لَا يُفْقَهُونَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝

دیکھا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں صرف آمتا کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا اور ان کے اس دعوے کی آزمائش نہیں کی جائے گی حالانکہ ہم نے ان کے اگلوں کو آزمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ضرور جان لے گا ان کو جو سچے ہیں اور ان کو جو جھوٹے ہیں

اس لیے آزمائش کے کسی مرحلہ میں ان کے قدم درانہ ڈگے اور پہاڑوں کی شان استقامت کے ساتھ اپنے موقف پر ڈٹے رہے انہوں نے پہچان لیا کہ یہ مصائب تو وہی ہیں جن کے درد کی خبر اللہ اور اللہ کے رسول نے ہیں پہلے ہی دیدی تھی۔ هَذَا مَا وَعَدَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ۔ وہ آزمائش و ابتلاء کے ان کٹھن مرحلے کو پورے صبر و استقامت کے ساتھ طے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کا کہرا بن اور سچائی ظاہر ہو گئی اور اللہ نے ہجرت کی اجازت مرحمت فرمادی۔ اب ان کی دعوت کو نسبتاً کم و خوار گزارا راستہ مل گیا۔ پہلی سی مزاحمتوں کا سامنا نہ ملا اس لیے کامیابی کی رفتار تیز ہو گئی اور رفتہ رفتہ یہ جماعت اس پوزیشن میں آگئی کہ خلافت ارضی کی ذمہ داریاں سنبھال سکے پس شیت الہی کا تقاضا ہوا کہ انہیں اقتدار و حکومت بخش جائے تاکہ یہ دنیا میں اعلیٰ قائم کریں، ظلم و بے انصافی کا استیصال کریں، انسانوں کو ظنون و ادولم کی اندھیروں سے نکال کر نور حقیقت سے آشنا کریں جن غلط اصولوں کی پابندی اور رسوم و رواج کی بندشوں نے ان پر زندگی تنگ کر رکھی ہے ان سے نجات دلا کر ان پر جینا آسان کریں اور ان کو ان ہی جیسے انسانوں کی غلامی سے آزاد کر صرف خدا سے وحدہ لا شریک کی غلامی اور بنی کا سبق پڑھائیں۔ یہ ذمہ داریاں تھیں جو حکومت کے ساتھ ان پر عائد کی گئیں۔ تاکہ گواہ ہے کہ انہوں نے ان ذمہ داریوں کا حق ادا کر دکھایا اور دہی کام کیے جو "حکومت برائے ہدایت" کا طرہ امتیاز ہے نماز اور زکوٰۃ کا اہتمام کیا ہر برائی کی بندش کی ہر بھلائی کی پردہ کشی کی۔

بہر حال دعوت اسلامی کا یہ شجر حکومت کا پھل لایا اور جن لوگوں نے اس پودے کے نشوونما اور حفاظت و بقا کی خاطر اپنی جانوں کی بازیاں کھیلی تھیں انھوں نے اپنی قربانیوں کا پہلا صلہ عسکر و شوکت اور اقتدار کی صورت میں پالیا۔

بزرگو! اس مقصد و منہا کے درمیان جس کی فکر کی جاتی ہے اور اس فترتی نتیجہ کے درمیان جو ایک خاص عمل سے ظہور میں آتا ہے، بڑا فرق ہے یہ فرق جد و جہد کرنے والے کی نفسیات میں نمایاں ہوتا ہے جس کا مقصد حکومت ہوتا ہے جب وہ اس کے حصول میں ناکام رہتا ہے یا ناامید ہو جاتا ہے تو جھک کر بیٹھ رہتا ہے اور دعوت کو چھوڑ کر اسی مقصد میں الجھا رہتا ہے اور اگر وہ مقصد حاصل کر لیتا ہے تو اس میں سرکشی پیدا ہوتی ہے۔ اس جماعت کے لیے جس کا ذمہ نشوونما حکومت کے تحلیلات میں ہوا ہو اس کا بہت بڑا خطرہ ہے کہ وہ دعوت کی جد و جہد سے بیٹھ رہے یا راستہ سے بہک جائے۔ کیوں کہ حکومت تک پہنچنے کے طریقے دعوت کے اسالیب اور طریقوں سے جدا ہیں۔

ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنے فکر و قلب کو دعوت کے لیے اور صرف دعوت کے لیے کیوں کر لیں۔ ہمارے پیش نظر محض خدمت قربانی، انیثار ہو، ہم کو محض اس بات سے دلچسپی ہو کہ ہم لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف، جاہلیت سے اسلام کی طرف، دنیا کی تنگی سے اس کی وسعتوں کی طرف توجہ و متبادل مذاہب ظالمانہ غیر معتدل نظاموں اور فلسفوں سے بچھڑا کر اسلام کے عدل اور اس کے سایہ میں پناہ دیں اور یہ سب رضائے الہی اور تعمیل حکم کے جذبہ سے ہو۔ ضروری ہے کہ کوشش و جد و جہد کے لیے ہمارا محرک اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری اور حصول جنت کے سوا کچھ اور نہ ہو۔ ہمیں ابھارنے والے اجر و ثواب کے وہ دھوکے ہوں جو اللہ نے دینی جد و جہد کرنے والوں کے لیے کیے ہیں۔ ہمارے اندر مخلوق خدا پر شفقت، مبالغائے عذاب انسانیت پر رحم اور انسان کی نجات کی حرص کے سوا کوئی اور جذبہ کارفرما نہ ہو۔ اگر یہ دعوت کے کسی ایک مرحلے یا تارکخ کے کسی ایک دور میں ————— جب کہ داعیوں کے دلوں میں دعوت کے مھول میں چکے بھول اور ان میں عقیدہ رچ گیا ہو ————— بغیر حکومت کے ناممکن ہو تو ہم اس کے لیے دعوت کی خاطر اسی طرح کوشش کریں گے جس طرح دشمن کے لیے پانی کے حصول کی ہم کوشش کرتے ہیں۔ اور اس کے لیے ہم اسی فکر و کردار اسی بے غرضی دے لوٹی، اسی صداقت و امانت، خوف خدا اور بے نفسی کے ساتھ جد و جہد کریں گے جیسی کہ ہم فرائض دار کا ان دین اور دوسری عبادات کے لیے کرتے ہیں۔ مومن کے لیے اگر اخلاص کا دامن ہاتھ سے نہ جائے اور نہایت درست و محکم اور صادق و سادہ بات میں ذرا فرق نہیں۔

یہ سب باتیں دیکھنے والے کے لیے اور یہ تمام باتیں دیکھنے والے کے لیے یہ سب باتیں یہی ہیں جس سے

بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے۔

(۳) تیسری چیز جو انبیاء علیہم السلام کی زندگی اور سیرت کو متاثر کرتی ہے وہ ان کی دعوت پر ثبات قدمی اور صبر و تحمل ہے وہ اس اسامی مرحلے پر سے سرعت و عجلت اور روادت کے ساتھ گزر نہیں جاتے اور اس سے کسی دوسرے مرحلے پر پھلانا نہیں لگاتے بلکہ وہ اس میں ساہا سال گزارتے ہیں، اور نہ وہ اس دوران میں اس کے سوا کسی اور چیز سے اشتغالی رکھتے ہیں اور نہ وہ آسانی سے اس بات پر اطمینان کر لیتے ہیں کہ ان کے معاصرین نے ان کی دعوت کو سمجھ لیا ہے اور ان کی بات ان کے گلے سے اتر گئی ہے، اور نہ ان کو داعیوں پر اطمینان ہو جاتا ہے کہ انھوں نے اپنا پیغام پہنچا دیا اور اپنی ہم سرکری ہو اور نہ دلوں ہی پر کہ انھوں نے دعوت کو قبول کر لیا اور صحیح طور پر فہم کر لیا ہے اور اس کو اپنی زندگی میں مناسب جگہ بھی دیدی ہے اور نہ اس بات پر کہ طبیعتیں اتباع احکام کی عادی اور اس کے لیے تیار اور ان کے خلاف میں سرانام نہ ہوں گی ہیں ان کو ان میں سے کسی چیز پر اس وقت تک اطمینان نہیں ہوتا جب تک وہ اس کو اچھی طرح جانچ پرکھ نہ لیں اور بار بار آزمائیں وہ دھوکے میں مبتلا نہیں ہوتے اور نہ شاندار الفاظ سے ان کو غلط فہمی ہی ہوتی ہے۔ اس گہری تربیت اور طویل دعوت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے انجام کو پہنچتی ہے، اور کوئی ناقام نتیجہ ظاہر نہیں کرتی اور حکومت جب قائم ہوتی جو تعلقات و رشتاں پر قائم ہوتی ہو ایسے لوگوں کے شاؤں پر جن کا عقیدہ قوی جن کا کردار مضبوط جن کے اخلاق ناستابل شکست جن کی عبادت مخلصانہ جن کی تدبیر و سیاست آہستی ہوتی ہے جو دھارے کے ساتھ بہتے نہیں جن کو تمدن کھینچ نہیں لے جاتا اور جن کی طبیعتوں پر فقر کے بعد دولت، تنگی کے بعد کشائش، ضعف کے بعد طاقت سے کوئی اثر نہیں پڑتا جن کی حکومت اقربا و اقارب، پاسداری، آشنا پروری، بے انصافی کے داغ سے پاک رہتی ہے جن کو لالچ اور فساد اپنی راہ راست سے اور اپنے اصول و معیار سے سرموٹا نہیں سکتے۔ یہ تھا خلافت راشدہ کا تصور، اور یہ تھی خلفائے راشدین کی سیرت، یہاں میں دوبارہ رسالہ (میں اسباب و الہدایہ) کا ایک اقتباس پیش کرنا ہوں جس میں صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کی اسی خصوصیت کو بیان کیا گیا ہے۔

ملکت کے قیام کے بعد چند ہی سال کے عرصے میں جب اس کے مجاہدین نے شام و ایران کو فتح کر لیا اور قیصر و کسریٰ کے ہاتھوں سے اقتدار کی باگیں چھین لیں، اور ان دونوں ممتوج شہنشاہیتوں کے سارے خزانے اس نئی ملکت کے پایۂ تخت۔ مدینہ منورہ۔ میں لا کر ڈھیر کر دیے گئے بلکہ کہنا چاہیے کہ چاندی سونے کے دودریا ان دو عظیم ترین سلطنتوں نے نکل کر مدینہ کی سمت بہنے لگے اور دونوں سلطنتوں کے وہ بہترین اموال اور ٹھاکھ بانٹھ کے وہ اسباب

اسباب اس نئی مملکت کے سربراہ کاروں کے قدموں میں آپرے جنھیں انھوں نے اپنی پوری عمر میں بیداری میں تو کیا شاید خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ تو اس وقت اس کا پورا پورا موقع تھا کہ ان میں سے کوئی اگر چاہتا کہ کسری کا تاج زر نگار اس کے سر پر رکھ دیا جائے یا قیصر کا دسترخوان اس کے نیچے بچھا دیا جائے تو بلا تکلف ایسا ہو جاتا، مگر ————— ہمیں حیرت ہو جاتی ہے جب ہم یہ سنتے ہیں کہ ————— اس ارادہ سے تو انھوں نے ان پرزوں کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔ پھر ہماری حیرت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے جب ہم اس پہلو پر بھی نظر کرتے ہیں کہ یہ موقع جنھیں اس وقت حاصل ہوا تھا جبکہ انھیں زندگی کی تلخیاں برداشت کرتے، کھانے پینے اور بیٹنے میں لگی اور تکلیف اٹھاتے ہوئے تقریباً ایک چوتھائی صدی گذر چکی تھی، اس وقت میں انھیں شکل ہی سے اتنا کھانا اور کپڑا میسر ہوتا تھا جس سے بیٹ بھرا جا سکے اور تن دکھ جا سکے۔ ایسے وقت میں دنیا کی دو عظیم ترین سلطنتیں مع اپنے قسم کے مال و دولت کے ان کے قبضے میں آتی ہیں، اور یہ ان کے مال و دولت کو نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتے۔

————— بڑی بات تھی! ————— استغفار و استقامت کا حیرت انگیز مظاہرہ!! —————

بجز ایسی استقامت! جس کی توقع بہاؤں سے بھی نہیں کی جا سکتی، استغناء کے ایسے امتحان میں بٹے بڑے ضرب الش کرداروں کو خوں ہوتے دیکھا ہے۔ مگر یہ کامیاب ہوئے۔ کیوں —————؟

اس لیے کہ انھوں نے اس مسئلہ کو سرسری نظر سے نہیں دیکھا، ان کے نزدیک یہاں سوال صرف یہ نہیں تھا کہ وہ تنگ دستی اور خاتمہ دستی سے نجات پا کر خوش حالی اور کٹکٹاں اختیار کرنا چاہتے ہیں کہ نہیں؟ بلکہ اصل سوال ان کے خیال میں یہ تھا کہ کیا وہ آج اس مال و دولت، اس تاج و تخت، اور ”زینت دنیا“ پر سمجھ کر کشمکش کے لیے اپنے ہموں، اپنے مقاصد، اپنی دعوت، راہ حق کی رہبری اور اس کے تقاضوں کو خیر باد کہہ دینے کا فیصلہ کرتے ہیں، یا یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ سیم و زم کے اس سیلاب، اور سکون کی بھنگار میں بھی دعوت نبویؐ کی اصل روح کو مضبوطی سے تھامے ہیں گے، اور جان شنیان انبیاء و حاملان دعوت حق کے مثالی کردار پر جس دنیا کا کوئی ٹکے سے ہلکا دھبہ بھی نہ لگنے دیں گے۔

ان کے لیے بہترین موقع تھا کہ رومی و ایرانی شہنشاہتوں کے سقوط کے بعد وہ ایک عظیم عربی شہنشاہیت کی بنیاد ڈال دیتے، اور انہی کے ارباب اقتدار کی طرح عیش و عشرت میں ڈوب جاتے، اس لیے کہ یہ دونوں شہنشاہیاں بیک وقت ان کی منہمی میں تھیں۔ کسری اگر تھنا

مملکت ایران کی دولت اور مسائل کے بل پر عیش و عشرت کے بھار ڈھانک کر کھٹا تھا۔ قیصر اگر تھنا وہی شہنشاہیت کی دولت اور مسائل پر ان کے شان و شوکت کے متکثر اعلائے کرکٹا تھا۔ تو خطاب کے لیے عزت و اوقیٰ کے لیے بھی یہ کچھ کرنے بلکہ اس بہت زیادہ کا حق

حاصل تھا کہ ان کا اقتدار بیک وقت روم و ایران دونوں پر تھا۔
 بیشک عرض اور ان کے رنقا کرنے کو کیا کر سکتے تھے۔ مگر وہ اس کو کیا کرتے کہ کانوں
 میں تو قرآن کی یہ تنبیہ ہر وقت گونج رہی تھی۔

”مَا لِلّٰهِ اِلَّا الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلّٰهِ يَوْمَ لَا يُرِيدُ وَنَعْلُوْا فِي الْاَرْضِ وَلَا
 ضَادَ اِلَّا الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ“ (ترجمہ) ”اس دارِ آخرت میں ہم اُن لوگوں کو عیش
 کا حق دیں گے جو دنیا میں نہ اپنی بڑائی کے خواہشمند ہیں، نہ (اس غرض کے لیے)
 فساد برپا کرتے ہیں، اچھا انجام تو متقین ہی کا حق ہے۔“
 اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ ارشاد حافظہ کی تختیوں پر ابھرا بھر کر سامنے آ رہا تھا کہ:-
 ”اَلْاَفْقَرُ اَخْسَىٰ عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخَا فَاَنْ تَبْسُطَ عَلَيْكُمْ اَلْدُّنْيَا
 كَمَا بَدَّطَ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَيُهْلِكُكُمْ مِّمَّا هَلَكَ عَنْهُمْ“ (ترجمہ) ”مجھے تمھارے
 فقر و فاقہ سے خطرہ نہیں ہے، بلکہ مجھے خطرہ اس سے ہے کہ دنیا تم پر کشادہ ہو جائے جیسے
 تم سے اگلوں پر ہوئی تھی، اور اس نے جیسے انھیں برباد کر دیا تھا انھیں بھی کرے۔“
 اس لیے وہ سب کے سب بیک آواز بول اٹھے:-

”اَللّٰهُمَّ لَا عِيْشَ اِلَّا عِيْشَ الْاٰخِرَةِ وَانْقَضِ الْاَضَارُ وَالْمَهَا جِرَةُ“
 (ترجمہ) بیشک زندگی آخرت ہی کی زندگی ہو، خدا یا تو ہم سب انضار و رہا جرمین
 کو بخش دے۔

الغرض انھوں نے برقیّت پر اپنی دعوتی روح اور اپنے دعوتی کردار کی حفاظت کی حکومت کی
 مگر حکام نہ انداز کے بجائے داعیانہ انداز سے، دنیا میں رہتے مگر اہل دنیا کی طرح نہیں بلکہ طالب
 آخرت بن کر، انھوں نے اس میل تند و تیز میں بھی اپنے اوپر پورا قابو رکھا جس میں ہزاروں حکومتیں
 سیکڑوں توہیں، ان کا تہذیب و تمدن، ان کے اصول و اخلاق، اور علوم و فنون خس و خاشاک کی
 طرح بہہ گئے۔ یہ قوت و اقتدار کا سیلاب تھا جس کے متعلق سلامہ اقبال نے کہا ہے:-
 تارِ سخنِ اہم کا یہ پیام از لی ہے صاحبِ نظران، نشہ قوت ہے خطرناک
 اس میلِ بسک میر و زمیں گیر کے آگے عقل و خرد و علم و ہنر ہے خس و خاشاک

لوگ تاریخ اسلام کے اس واقعہ کو انتہائی سیرت اور تعجب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ مجاہدین اسلام حضرت سعد بن وقاصؓ کی قیادت میں اپنے گھوڑوں سمیت دریائے دجلہ میں پھانڈ پڑے اور بغیر کسی جانی اور مالی نقصان کے اس کے پھاٹ کو پار کر کے دوسرے کنارے پر جاتے رہے۔ بیشک واقعہ اپنی جگہ پر تعجب خیز ضرور ہے اور اس پر زیادہ سے زیادہ تعجب کرنا بجا ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ قابل تعجب بات یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے دور میں روم و ایران کو فتح کرنے والے مسلمان رومی و ایرانی تہذیب و تمدن کے تلامذہ نیز سندر میں گھسے اور اس کنارے سے اس کنارے تک جانکلے مگر اس ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ کہ ان کے خلاق و اطوار کا دامن ذرا بھی تر نہ ہونے پایا۔

عین فتوحات کے شاہکے زمانے میں ان کے بڑے سے بڑے کے پھولے تک ہر راکھ اپنے تمدن کی زبرد، سادگی، اور جنباکشی حبیبی خصوصیات کو پوری طرح برقرار رکھا اور اپنی روح اور اپنے مزاج کو ان مغتوح اقوام کے عیش پرستانہ تمدن کی آلودگیوں سے بالکل پاک رکھا حالانکہ ”تقریباً“ میں پہونچ کر تردد امنی سے بچے رہنے کو متعلق آج تک محال سمجھتی رہی ہے!

انبیاء اور داعین الی اللہ کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ دعوت کے لیے اپنا جسم و قلب اور وقت و قوت فارغ کر دیتے ہیں ان کا دستور اور عادت یہ ہے کہ وہ اپنی ساری جدوجہد اور اپنی تمام صلاحیتیں دعوت کے پرچم کو دیتے ہیں اور اپنے اوقات اور اپنی طاقتیں اس کی اشاعت اور اس کی راہ میں جدوجہد پر لگا دیتے ہیں وہ دعوت کے سلسلے میں کسی چیز میں بخل نہیں کرتے اور کسی چیز کو اٹھا نہیں رکھتے، اور نہ کسی مقصد کو اس پر ترجیح دیتے ہیں۔ وطن کو نہ اہل و عیال کو، نہ خاندان کو، نہ نفس کو نہ مال و دولت کو، اس سب کے بعد کہیں جا کر ان کی کوشش بار آور ہوتی ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کی زندگی اپنی کوششوں کا نتیجہ دیکھے بغیر ختم ہو جاتی ہو مگر اس کے بعد دعوت اپنا پھل دیتی ہے دیکھئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ یوں خطاب فرماتا ہو۔

و اما نذینک بعض الذی نعدہم
ادنتوفیناک۔ فالینا حرجہم
ثم اللہ شہید علی ما یفعلون
(یونس)

یا تو آپ کو ہم دہی دکھا دیں گے جس کا
دندہ ہے یا آپ کو وفات دیدیں گے اور
ان سب کو ہماری ہی جانب پلٹنا ہے پھر
اللہ ان کے اعمال کا شاہد ہے۔

(یونس)

انبیاء کرام نے دعوت کو اپنا سب کچھ حوالے کر دیا تب اس کے نتائج برآمد ہوئے ہم جب کہ اپنی زندگی کا جزوی حصہ ہی اسکو حوالے کرتے ہیں تو کن نتائج کے امیدوار ہو سکتے ہیں ان کا حال تو یہ تھا کہ دعوت ان کے عقل و شعور فکر و راحت پر بھاجاتی تھی اور ان کی زندگی اس میں گم ہو جاتی تھی دیکھئے قرآن شریف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چینی میں آپ کو یوں تسکین دیتا ہے۔

فلعلک باخع نفسك علی آثارهم
ان لم یومنوا بهذا الحدیث
اسفا (سورہ کھن) گئے۔
ان لوگوں کے ایمان نہ لانے پر شاید
آپ ان کے غم میں اپنے کو ہلاک کر لیں
(کہتے)

انبیاء علیہم السلام اور دعوت کے وہ علمبردار جو ان کے طریقہ کار کے نتیجے اور مفصلہ میں ان کا امتیاز یہ ہے کہ اللہ اور یوم آخرت کی دعوت ان کی زندگی میں اس طرح جاری و ساری رہتی ہے جس طرح پانی درخت کے ریشوں اور مساموں میں سرایت کر جاتا ہے یا لوہے کے تاروں میں بکبی دوڑ جاتی ہے اس کا نظور ان کی زندگی کے تمام شعبوں میں ہوتا ہے، ان کا اخلاق ان کی عبادات اس کا مظہر بن جاتی ہیں ان کے قلب گداز اور تسلیم و انقیاد سے بھر پور ہوتے ہیں ان میں عبادات کا ذوق بندگی کا شغف اور اس کے حقوق کی ادائیگی کی حرص پیدا ہو جاتی ہے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نازکے لیے کھڑے ہوئے اور اس قدر قیام فرمایا کہ آپ کے قدم مبارک میں دم پیدا ہو گیا آپ سے عرض کیا گیا کہ حضور کے تو اگلے پچھلے سب گناہ اللہ نے معاف فرما دیے ہیں آپ نے فرمایا کہ کیا میں شکر گزار بندہ بنوں (متفق علیہ) عبادت سے یہ دیکھیں اور شغف صحابہ کرام کے حصہ میں بھی آیا مشغول ترین اور انتہائی پریشانی اور انتشار کے اوقات میں بھی اسکی مثالیں ملتی ہیں حتیٰ کہ ان کے دشمن بھی ان چیزوں سے واقف تھے ایک رومی شخص نے ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا: اگر تم اپنے ساتھی سے کچھ کہو تو وہ تمہاری بات سمجھ نہ پائے گا کیونکہ قرآن و ذکر کی آواز سے ان کی مجلسیں گونجتی ہوتی ہیں۔

انبیاء کرام اور ان کے متبعین کا یہ خاصہ ہے کہ وہ دین میں عزیمت کو رخصت پر ترجیح دیتے ہیں اور رخصت کو اسی وقت اختیار کرتے ہیں جس وقت ان کو کسی شرعی حکم کی دفعاحت کرنی ہو یا اللہ کے انعامات کی قدر و شکر کے اظہار کا موقع ہو یا کسی دشواری سے حفاظت کی راہ بتانی ہو وہ شخصی طور پر اپنے لیے گنجائش نہیں ڈھونڈتے اور نہ عبادات میں تساہل سے کام لیتے ہیں کیوں کہ عامۃ الناس دین کے فرائض کی پابندی اسی نسبت سے کرتے ہیں جس نسبت سے یہ ذمہ دار حضرات پابندی کرتے ہیں یہ حضرات اگر نوافل کی پابندی کرتے ہیں تو عامۃ الناس فرائض کی کرتے ہیں اور اگر یہ حضرات صرف فرائض ہی پر اکتفا کر لیں تو عوام سے فرائض بھی

ترک نہ ہونے لگتے ہیں اور فرائض کی قیمت ان کی نظر میں کم ہو جاتی ہے اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امت کے سرپرست حضرات عبادات کا پورا اہتمام فرماتے اور جاغزوئی کی شدت سے پابندی کرتے چھوٹی چھوٹی سنتوں پر عمل کرتے اور ان کے آداب کا پورا خیال رکھتے تھے قلیل پر بس نہ کرتے اور نہ فرائض ادا کر کے اپنے کو بکدوش سمجھ لیتے اسی وجہ سے دین موجودہ نسل تک بے کم و کاست پہونچ سکا اور اب یہ دین امت کی موجودہ نسل کے پاس امانت ہے دیکھیں یہ امت آئندہ نسلوں کو یہ دین کس طرح حوالہ کر کے جاتی ہے۔

انبیاء مرسلین اور مصنفین، حکماء و متعقین کے درمیان ایک مابہ الامتیاز چیز یہ ہے کہ انبیاء اپنے افراد کی تربیت کا پورا اہتمام فرماتے ہیں جو ان کے بعد ان کی دعوت کی ذمہ داری اٹھانے والے ہوتے ہیں اور جو ان کی تعلیمات و مقاصد کو علما و علماء جاری کرنے والے ہوتے ہیں اور کھلی حقیقت ہے کہ ان کی عظیم المرتبت دعوت کو ان ہی لوگوں کے شانے سنبھال سکتے ہیں جو صحیح و توانا ہوں جن کا ذہن یکو ہو، جن کا دماغ کھنول سے صاف ہو چکا ہو، جن کو نیت کے خلوص، قلب و ذہن کی صفائی کی دولت حاصل ہو چکی ہو اور جو جاہلیت کے ذہنی و اخلاقی اثرات سے آزاد ہو چکے ہوں جنہوں نے اسلام کی تعلیمات کو پی لیا ہو اور جاہلیت کے معمولی سے معمولی تعلق کو توڑ دیا ہو اسلام میں اس طرح داخل ہوئے ہوں گے اور انہوں نے پھر سے زندگی پائی اور دنیوی دنیا میں قدم رکھا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت میں ہم کو یہ حقیقت نمایاں ملتی ہے، بنی اسرائیل کا نشو و نما غلامی و ذلت ظلم اور حقارت آمیز زندگی میں ہوا ان کی حمیت مردانہ اور خود داری مردہ ہو گئی تھی۔ احساس کمتری و دوں تھی ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی، طاقت و اقتدار کے سامنے جھکنے اور اس کے قدموں پر گر جانے کی عادت پڑ گئی تھی بزدلی ان کے خمیر میں پڑ چکی تھی زندگی سے ان کو بہت زائد محبت موت کے نام سے بھی ان کو دشت ہوتی تھی حتیٰ کہ جب ان کے نبی نے ان سے کہا کہ

یا قوم ادخلوا الارض المقدسة	اے قوم اس ارض پاک میں داخل ہو جاؤ
التي كتب الله لكم، ولا ترحدوا	جس کو اللہ نے تمھارے حصہ میں لکھ دیا ہو
على آثاركم فتقبلوا احاسر من	اور شہت دیکھو مت بھاگو ورنہ نقصان اٹھاؤ
قالوا يا موسى ان فيها قوما	گئے تو انھوں نے جواب دیا اے موسیٰ وہاں بے
جبارين وائلان قد خلعنا حتى	زور دست لوگ ہیں وہ لوگ حب تک وہاں
يخرجوا منها فان يخرجوا منها	نکل نہیں جاتے ہم تو کبھی بھی وہاں نہ داخل ہوئے ہاں
فانادوا خلونا،	جب وہاں سے نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہو جائیں گے

حضرت موسیٰ نے فرمایا تھا کہ اس زمین کو اللہ نے تمھارے مقدر میں لکھ دیا ہے لیکن ان کی اس قول سے بھی ہمت افزائی نہ ہوئی حالانکہ یہ قول ان کی فتح و کامرانی کا وعدہ اور ضمانت تھی اور آخر میں تو انھوں نے نہایت مبالغہ کی اور بے حیائی کے ساتھ کہا

یا موسیٰ انالہن ند خلھا ابد لہما
موا فیہا فا ذہب انت رد یاک
فما تلاتا ناھلہنا قاعدون
معلوم ہوا کہ ان کا سابق نشوونما کو ہر طرح کے اقدام و جرات سے روکتا ہے وہ نہ کسی معرکہ آرائی کے لیے تیار ہیں اور نہ کسی امتحان میں پڑنے اور نہ اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالنے کے لیے ان میں سکت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس نسل کی صلاحیت سے مایوس ہو گئے انھوں نے فرمایا۔

رب انی لا املک الا فسخی راخی
فافرق بینا و بین القوم الفاسقین
لے میرے رب میرا قابو اپنے اور اپنے بھائی کے
سوا کسی اور پر نہیں پس تو ہلاک و بربادی اس قوم کے درمیان میں تو جدائی ڈال دے۔

اس وقت اللہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس ناپاک قوم کو لے کر جزیرہ نمائے سینا کے خطے میں چلے جائیں جہاں جفاکشی اور مشقت کی زندگی گزارنی پڑے گی وہاں پہونچ کر یہ نسل ختم ہو جائے گی جس کا اٹھان بردلی اور مکروری پر ہوا تھا اور اسی پر وہ ختم ہو گئی تھی، اور ایک نئی نسل پیدا ہو گئی جو جفاکشی و مشقت اور زندگی کی سختیوں کی عادی ہو گئی وہ اس الگ تھلگ اور تنہا کی خرابیوں سے در زندگی میں نشوونما پا کر مردانہ اوصاف اور جفاکشی کی صفات کی حامل ہو گئی اور اس طرح پیغمبر کی دعوت اور اس کی تعلیمات کے نفاذ اور اس کے دین کے لیے جذبہ جد کرنے کے لیے ایک تازہ دم، حوال ہمت، بلند حوصلہ نسل تیار ہو جائے گی۔

یہ ہمت نبوی کی حکمتوں میں سے ایک حکمت ہے حضور نے اپنے اصحاب کے ساتھ جب کہ کی تنگدستی اور وہاں کے لوگوں کی چیرہ دستیوں سے بچنے کے لیے مرنیہ منورہ کی دستوں کو اپنا مرکز بنایا تو آپ کے لیے اس کے مواقع حاصل ہوئے کہ آپ اپنے اصحاب کی خاطر خواہ تربیت و اصلاح فرمائیں اور ایک نئی دعوتی قوم تیار کریں جو آپ کے کام کو آپ کے بعد سنبھال سکے۔

آپ نے اپنی قوم کی تربیت فرمائی اور حقیقتاً ایسی صالح قوم تیار فرمادی جس نے آپ کے کام کو بخوبی سنبھالا اور اس کی ذمہ داری کو پورا کیا دعوت کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور اسلام کے اصول دنیا میں روشناس کر لئے۔ اسلام کی یہ دعوت و تحریک جس کی ذمہ داری کئی آپ لوگوں نے اپنے کوشش کیا ہے اور یہ جدوجہد اور

عمل جس کے بوجھ کو اپنے کا ندھ پر آپ لوگوں نے اٹھایا ہو میرے دوستو یہ سب تقاضا کرتا ہے کہ آپ اسی طرح ایک اسلامی نسل تیار کریں جس میں تازہ اور نچتہ ایمان ہو جس میں نیا جوش و انداز ہو جس کے فکر و فہم میں تازگی اور زندگی ہو جو نئی علمی صلاحیتوں اور ذہنی استعداد کی مالک ہو اور فرمائیے کہ آپ کو اس نسل کی تیاری میں جس قدر کامیابی ہو سکے گی اسی قدر آپ کی ہم بھی کامیاب ہو اور آپ اپنی دعوت و مقصد میں اسی درجہ کامیاب ہیں

آپ حضرات سے یہ بات مخفی نہیں کہ کسی جوان نسل کی تیاری یا موجودہ نسل کی تربیت و اصلاح جو صلاحیت اور نونو سے محروم نہ ہوئی ہو معمولی کام نہیں یہ اس قدر ذہنی کام ہے جس کی ذمہ داری نبھانے کی ہمت بڑے بڑے جوانوں نہیں رکھتے اس اہم مقصد کے لیے عظیم جدوجہد اور وسیع صلاحیتیں درکار ہیں اس کے لیے اپنی ساری جدوجہد اور قوتوں کو لگا دینے کی ضرورت ہو، یہ کام گہرے اور وسیع فکر کا مل تعاون، اعلیٰ مقصود بندی، اور پہلے سے ہمیں خاکہ کا طالب ہے اس کے لیے اصلاح و دعوت کے میدان میں علمی جدوجہد کے ساتھ حکیمانہ اور موثر تربیتی اسالیب لازمی ہیں جو گہرے اثرات رکھتے ہیں اس اہم کام میں مستقل لٹریچر کی ضرورت ہو اور اس کی ترتیب کے لیے اعلیٰ علمی صلاحیتوں اور وقت شناسی کی ضرورت ہو اس کام کے لیے جدید بنیاد پر تعلیم و مطالعہ کا ایک نصاب وضع کرنے کی اہلیت ہے اور کچھ مثنائی اور نمونہ کے مدارج اور علمی مراکز کے قیام کی ضرورت ہو اس کام کے لیے اس بات کی ضرورت ہو کہ زمانہ کی حتمی جاگتی زبان میں اسلام کو اس وقت کے لوگوں کے لیے پیش کیا جائے ایسی کتابیں لکھی جائیں جو اسلام کے حقائق کی تشریح و تفسیر کرتی ہوں اس سلسلہ میں سیرت نبوی کی جدید تالیف تاریخ اسلامی کی نئی ترتیب علوم اسلامیہ کی جدید تہذیب و علوم طبعی کی جدید تفسیر و توضیح ایک اہم ضرورت اور کام ہے جس میں تالیف و تصنیف کا نیا طرز اور صحافت ادب شعر کا نیا ڈھنگ رائے فاضل اور قصصوں تک کا نیا نمونہ درکار ہو۔

دوستو! آپ فکر و ادب کے ایک لمبے اور مال خام کے ایک ڈھیر کے روبرو کھڑے ہیں آپ کو اس بوسیدہ و شکستہ مواد سے ایک نیا عمل تعمیر کرنا ہو بلکہ یہ جاننیے کہ ایک نئی کشتی بنانا ہے یہ کتنی حادثات اور موانع کی موجوں کے تھیرے بہتی ہوئی آگے بڑھے گی آپ لوگ ایک نئے کام کا آغاز اور ایک نئی جدوجہد کی ابتدا کر رہے ہیں آپ کا کافی وقت اور وسیع جدوجہد صرف ہوگی دوستو یہ کام اگرچہ طویل پر مشقت آگیا دینے والا اور بہت پھیلا ہوا ہو — لیکن اس ناقابل انکار حقیقت کا آپ کو سامنا کرنا ہے اور رکاوٹوں اور دقتوں پر قابو پانا ہے یہی پیغمبرانہ دعوت اور انبیاء کے متبعین کی دعوت کے خصائص ہیں اور یہی خصائص آپ کی دعوت کو قومی تحریکات اجتماعی پیچھے و پچھرا اور اقتصادی ہنگاموں سے ممتاز بناتے ہیں اور انہی سرخسہیل سے آپ کی دعوت و جدوجہد فداء اور طاقت حاصل کرتی ہے اور انشُر کی نصرت کی تحقِ نتیجہ ہے ہم پر فرض ہے کہ جس طرح ہم شاعر و عقائد کی حفاظت اور پابندی کرتے ہیں اسی طرح ان کی بھی پابندی اور حفاظت کریں اور قوتِ زندگی کے برابر

ان کی اہمیت محسوس کریں۔

دوستو! آپ کے پاس صدقت و ایمان محبت و اخلاص کی ایک گرانقدر دولت جو جو بڑی بڑی حکومتیں اور عظیم الشان قوموں کو نصیب نہیں ہو سکتی آپ کی ایک نہایت مقدس امانت ایمان دلوں کی امانت جو آپ کی محبت پر مجتمع ہوئے اور جو آپ کی قیادت و سرپرستی سے مطمئن ہیں وہ امانت جس کو مرحوم قائد آپ کے لیے چھوڑ گئے ہیں اس کی ذمہ داری آپ کو پوری کرنی چاہیے اور اس بارے میں اپنے قائد کی نیابت کرنی ہے۔

تو کیا یہ سوسیس اور دواہی اول کا ساتھ تو کیا کسی حق میں کینت برداشت ساتھ اور غیر معمولی خسارہ ہو لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کے لیے ہر ساتھ معمولی اور ہر خسارہ ہر غیر ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا حضور سے جو تعلق تھا اس کے پیش نظر آپ کی جہالت کا ساتھ دیا ساتھ تھا جو کسی فرد یا جماعت کو نہیں پہنچا اور اس حادثہ کے رد مسلمانوں پر ایسے مصائب کٹھا ہو گئے تھے جو پہلے کبھی کٹھا نہ ہوئے تھے اور نہ آئندہ ایسے اس طرح جمع ہو جانے کی امید ہو کہ ہم کو چاہیے کہ ہم دیکھیں صحابہ کرام نے ان مصائب و شدائد کو کس طرح برداشت کیا۔

درحقیقت اللہ نے صحابہ کرام کو اس آزمائشی مرحلے اور سخت ترین امتحان کے لیے پہلے ہی سے تیار کر دیا تھا جبکہ جنگ کے موقع پر لوگوں میں یہ افواہ اڑا دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو مسلمانوں کے ہاتھ پاؤں پھیل گئے ان کے توی حجاب نے گئے اور بیشتر میدان جہاد میں ٹھہرنے کے اور اس حد تک برداشت نہ کر پائے پھر غلط فہمی اور لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے درمیان میں موجود پایا آپ کو دیکھا کہ صحابہ کبار میں حجاب آنی انھوں نے پھر میدان جنگ میں ہم کو مقابلہ کیا اس واقعہ سے دراصل صحابہ کرام کو تیار کرنا مقصود تھا اور انہی حادثہ کی تیسری تھی اور اس حقیقت کی توضیح تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک معرکہ اور محد و دروغ کی لیکس میں نیاں گئے ہیں اس لیے آپ کے حادثہ و رحلت میں ہوش و حواس کو کھو نہ دینا چاہیے بلکہ نہایت تحمل اور صبر سے اس کو نیکر کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ اس واقعہ کے ذریعہ صحابہ کرام کا دعوت دین سے رشتہ مضبوط کر دیا اور ان کو اس بات کا گاہ فرما دیا کہ دینی اول پر بھی اللہ تعالیٰ کی وحی سنت جاری ساری ہوگی جو ان کے بندوں پر ہوتی جو وہ بھی اس عالم سے دیکھ سکتے اور کفر کر گیا جو ان سے قبل دیکھے انہیں نے نہ کیا فرمایا۔

ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الھل	محمد بھی ایک رسول ہیں جیسے کہ ان سے قبل اور دیکھے
ان مات ادخل الغلبتم علی اعقابکم ومن	رسول گئے اگر وہ مر جائیں یا شہید کرنے جائیں تو کیا تم
ینقلب علی عقبیہ فلو یضرب الله شیئاً	اٹھے پھر پڑ جائے جو بھی اٹھے پڑ جائے گا اللہ کو ذرا مغرت
سیحزی الله الشاکرین (آل عمران)	نہ پہنچا سکے گا اللہ شکر گزاروں کو بدلہ دینے والا ہے۔

اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ وفات پیش آیا تو صحابہ کرام نے اپنے کوتاہیوں کو کھا، اس مرحلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب حضرت ابوبکر صدیق بھی کرام کے پیش رو تھے انھوں نے تو بے صبری دکھائی اور نہ ضعف بڑی کیا ان کا کیا اور نہ انھوں نے سلام کی مدد ہاتھ اٹھایا اور نہ وہ دعوت و تحریر کیے بے دل ہوئے حالانکہ اس وقت اسلام پر اس طرح مصائب ٹوٹ پڑے تھے کہ نہ اس سے قبل ایسے مصائب

ہے تھے اور زید میں ان کا امکان بخیر بطری کے بیان کے مطابق ہر قبیلے کے عرب عمومی اور خصوصی طور پر مرتد ہو چکے تھے غنائی چھوٹ چکا تھا یہود و نصاریٰ نے پیر پکٹنے شروع کر دیے تھے اور مسلمان ان بے حمین حالات میں اور اپنے بنی امیہ علیہ السلام کی غیر موجودگی کی وجہ سے ان بھڑوں کی طرح ہو گئے تھے جو جاڑے کی رات میں بھیگ کر اپنے باڑہ میں دباک جا بیٹیں، اس وقت روئے زمین پر تین سجدوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کوئی مسجد باقی نہ رہ گئی تھی ایک تو مکہ منورہ کی مسجد اکرام دوسرے مدینہ منورہ کی مسجد نبوی تیسرے بحرین میں جو انبی کے مقام پر مسجد عبدالقیس نبوت کے دعویدار بڑھ گئے اور لوگوں نے زکات روک لی اور تہذیب نے مدینہ کی جانب مٹنا کرنا چاہا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پوری کرنے کے لیے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی زیر سرکردگی شام کی طرف مسلمانوں کا لشکر روانہ فرمایا تاکہ یہاں پر اسلام کی ترویج ہو سکے اور کچھ عیسائیوں کو اسلام کی طرف راغب کر دیا جائے۔ اس لشکر کا رہنما حضرت عمر اور کبار صحابہ نے اس لشکر میں حضرت ابوبکر سے لے کر ان کے اصحاب تک شامل کیے۔ اس لشکر کا رہنما کسی طرح مناسب نہیں مگر حضرت ابوبکر نے تہلیل نہیں کیا اور فرمایا اگر مجھ کو اس بات کا خطرہ بھی ہو کہ مجھ کو دوسرے اٹھالے ہو گیا ہے تب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب حکم میں لشکر بھیجوں گا اور اگر تعصبات میں میرے علاوہ کوئی باقی رہ بھی نہ جائے تب بھی میں اس کو روانہ کروں گا۔

موت کی اہمیت اندازاً اسیے اور اسلام کی بے کسی اور مسلمانوں کے منفع پر غور کیجئے وجہ حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام کی دعوت خاتمہ کے نہ رہ جائیگی تھی مسلمانوں کو دھماکوں سے سابقہ تھا ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دوسرے تو مکار اژداد۔ لیکن اس کے برعکس ان میں جہاد کا جذبہ متحرک ہو گیا اور ان میں قوت عمل کی گنا بڑھ گئی۔ ان کی غیرت بھڑک اٹھی حضرت ابوبکر نے فرمایا کیا میری زندگی میں دین میں نقص پیدا کیا جائے گا، مسلمانوں نے حادثات کے سلسلے سڑھانے سے انکار کر دیا وہ دعوت اور اپنی جد و جہد سے دست بردار نہیں ہوئے انھوں نے اسلام کے دھماکے اور اس کے رعب سے سراسیمہ ہو کر ہر طرف محافلت نہیں کی بلکہ انھوں نے نارس و دردم کی دودلوں شہنشاہیتوں کو بھی زیر کر لیا جس میں اس وقت کی تمدن دنیا بھی ہوتی تھی ان کو ان مسلمانوں نے اسلام کے قدوس پر وال دیا اور اسلامی سلطنت کا ایک جزو بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو وہ جزا دے جو اس کے انبیاء کے تابعین اور حکومت اسلامی کے امین اور طاقتور علیہ و اولیٰ کے شہانہ شان ہے۔ انہیں آپ لوگ اس محب خلیفہ کی طرف سے مخلصانہ سلام اور محبت و ملامت کا تحفہ قبول فرمایا جو جس کے اندر آپ کے رسیان سندس بن یکین ہلائی عقیدہ اور دینی تخیل میں کوئی تعزیر نہ انضال میں آپ کے لیے توفیق اور سرکاری کی دعا ہے کہ آپ کے لیے اور آپ کے علاوہ ہر مخلص اعلیٰ اندماجہ صادق کے لیے۔ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ابو الحسن علی گھنی الہندی لکھنؤ، الهند وارہ حال تا ۶۹، ۷۰ھ

(بقیہ صفحہ ۱) آج کل کے کام مروج طریقوں سے بہت مختلف ہے اس لیے ہر زبان سے آگے بڑھنے والے ناظرین میں اس کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے اس وقت نہیں کی اگر آپ مختصر آج سے اپنے بھائیوں کو کسی دور میں تمنا دیکھ کر اس کے قابل نہیں تو اس آج سے صرف کروں گا خود عمل کر کے اس تجربہ فرمائیے انشاء اللہ کہ مخلص ہونگے انہیں کس کے کہنے یا اس وقت عرف کر کے دیکھیں کہ ان کی تعلیمات کے لیے نقصان نہیں اٹھایا بلکہ اسے بڑھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر خود آپ کو اس کا دہی بنا دے گا۔ ہم اور ہماری بی بی کی زبانیں آپ کو مخلص کرنے سے عاجز اور ناقص ہیں۔ آپ اگر کچھ مخلصین اٹھانے اور قربانی کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور اللہ کے اس بہترین مہم اور شہادیوں کو حق تعالیٰ شہداء اطمینان اور شہرہ صمد نصیب فرمائیں گے۔ ان کا وعدہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

ذینہ محمد بن محمد سبیلہ

اللہ تعالیٰ امانت حقاً وارزتنا اتباعاً وادنا انا اطل باطلا وارزتنا اجتناباً

دَجَالِی فِتْنَةُ اور سُورَةُ كَهْفُ

(مولانا سید مناظر احسن گیلانی)

== آخری قسط نمبر (۲۱) ==

(۳)

اگے تیسری آیت جو ان تمام آیتوں میں سب سے زیادہ توجہ طلب ہونے کے ساتھ ہی مطلب کے لحاظ سے یا کم از کم میسر نقطہ نظر کے حساب سے بہت زیادہ واضح ہے وہ یہ ہے، ارشاد ہوا ہے:-

کدو لکھا ہم آگاہ کریں ان لوگوں سے جو اپنے کاروبار
الذین ضل سعيهم في الحياة الدنيا
جن کی سعی اور کوشش کھو گئی، اسی سیاست دنیا
قل هل انبئکم بالاخسرين اعمالا
دھم مجھ سون انھم مجھ سون
(پست زندگی) میں اور وہ خیال کھا رہے ہیں کہ کارستانی
صنعا -

کے لحاظ سے وہ بہت اچھا کر رہے ہیں۔

”ضل سعيهم في الحياة الدنيا“ (کھو گئی، کوشش ان کی اسی حیات دنیا (پست زندگی) میں) سب سے زیادہ فکر و تامل کی دعوت اس آیت کا یہی جزو ہے، دیکھ لیا جائے کہ ”الاخوت“ کی ابدی زندگی سے اپنی توانائیوں کے سارے ذخیرے کو موڑ کر قطعی طور پر موڑ کر اسی ”الحياة الدنيا“ پست زندگی میں کون گم کر رہے ہیں، اور گم کرنے پر ہمارا کر رہے ہیں، سب کچھ کر کے اور سب کو چھوڑ چھوڑ کے اس دنیا سے ان میں کا ہر ایک بایں طور روانہ ہو رہا ہے کہ پانے والے جو کچھ بھی پاتے ہیں کچھ بھی اپنے ساتھ نہیں لے جاتے ہیں، اور نہ لے جاسکتے ہیں، اور یوں اپنی ساری توانائیوں اور ان کے نتائج کو دن کی کھلی روشنی میں ہر ایک کے سامنے سسل ہر ایک کھوتا چلا جا رہا ہے، مگر بایں ہمہ اپنی کوششوں کی ان ہی ناکامیوں کے ساتھ مطمئن بھی ہیں، اور اسی کو صحیح اور کامیاب زندگی قرار دینے پر ان کی خود ستائیوں کا سلسلہ اس تک پہنچا ہوا ہے کہ

ہی آدم کے اکثر و بیشتر افراد پر اپنی اسی عجیب و غریب ناکام و نامراد زندگی کی پرچھائیوں کو ڈال ڈال کر عموماً کو تقرباً اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ الاسکتھ کا خیال اور اس خیال کا داؤد مانگوں سے نکل چکا ہے یا نکل جانیکے قریب ہو چکا ہے۔ ”وہ خیال پکار رہے ہیں کہ کارستانی کے لحاظ سے ہم بہت اچھا کر رہے ہیں“ یعنی ”دھم یحسون انھم یحسون صنعا“ کے الفاظ کا جو ترجمہ ہے، آج کون ہے جس کے کان کو اس خدا بیزار (GODLESS) تمدن کی خود ستائیوں سے بہر انہیں بنا دیا گیا ہے۔

پتھ پو پٹھے تو ”یا جو جیت و ما جو جیت“ کی حقیقی رُوح ان ہی الفاظ میں پوشیدہ ہے اور یہ اُن کی روحانی کا ایسا آئینہ ہے دیکھ کر ہر دیکھنے والی آنکھ ان کو پہچان سکتی ہے۔

لیکن لوگوں نے چوڑے چوڑے کانوں چھوٹے چھوٹے بالشتی قدوں کی راہ نمائی میں ان کو پہچاننا چاہا، جتنے والوں نے ”تمسح“ (زبردستی کی مسیت) اور ”تمدد“ (زبردستی کی ہمدیت) کے بے وقت اور بے ہنگام غل غباڑوں کو دیکھ کر جو حقیقت اسی خدا بے زار تمدن اور انسانیت آزار تہذیب کی آندھیوں سے برپا ہوئے تھے، بلکہ تمسح و تمدد کا دعویٰ پیداوار ہی اسی تمدن و تہذیب کی مسیہ کار لیول کا تھا، اور اسی کا وہ ”خود کا شتہ پودا“ تھا، دعویٰ کے مدعی گایہ خود استزانی اقرار ہے، کہیں حق کلمہ سے باطل کی تعمیر میں کام نہ لیا جائے، حق کے جاننے والوں نے بھی حق پوشی ہی کو اعتقاد کا تقاضا قرار دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ کم از کم سب سے پہلے دنیا کی جس امت کو حق کی گواہی ادا کرتے ہوئے قرآنی قینات کی روشنی میں ”حق“ کا اعلان کرنا چاہتا تھا صرف یہی نہیں کہ اس نے خاموشی سے کام لیا، بلکہ اس کو سمجھنا بھی نہ چاہا جو کچھ قرآن سمجھا رہا تھا، لوگ قرآن بھی پڑھتے تھے اور خود ستانیوں کی اس قوالی میں شریک ہو کر تائیاں پیٹ پیٹ کر حال و قال بھی لاتے رہے، دن کو رات ٹھہرا لیا گیا تو ماہ و پروین کی شہادت دینے والے قرآن کے پڑھنے والوں اور ماننے والوں میں سے بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ۶

بہ سوخت عقل زیرت کہ ایں چہ لو ابھیست

(۴)

جو کچھ کمایا جا رہا ہے سب کھو یا جلا جا رہا ہے، ہر شخص کے سامنے واقعہ اپنی اس کھلی ہوئی واضح خصوصیت کے ساتھ موجود ہے مگر اسی ناکام و نامراد بے نتیجہ قطعی لاماصل بحث اور سُندی زندگی کے ساتھ تقریباً انسانیت مطمئن ہو چکی ہے، اس عجیب و غریب ذہنیت کا استیلاء اپنے دائرے کو در بروز بڑھاتا ہی چلا جا رہا ہے، آدمی جانور نہیں ہے، جو نیچے سے تعلق ہو کر زندگی

ملے ملکہ و کٹورہ آنجہانی کے نام مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی کا جو ملبوم مکتوب، اُس میں ملکہ کے سامنے مرزا صاحب نے ”ان ہی کے خود کا شتہ پودے“ کے عنوان سے اپنے آپ کو روشناس کرایا ہے۔ ۱۱

بسر کرے، پھر عقل و تہیز کے ساتھ اسی ذہنیت کا دباؤ کیوں بڑھ رہا ہے، اسی سوال کے جواب کو جہاں تک میرا خیال ہے ہم آگے کی اس آنت میں پاسکے ہیں، فرمایا گیا ہے:-

یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے پائے والے کی نشانوں کے بھی
ادلث الذین کفروا بآیات ربهم
منکر ہو گئے ہیں، اور اس کا بھی انکار کر دیا ہے کہ اپنے
دلغائہ -

اسی رجب ان کی ملاقات ہوگی۔

جس مسئلہ کی طرف مذکورہ بالا الفاظ میں توجہ دلائی گئی ہے، اس کے سمجھنے کے لئے ایک مثال کو پیش نظر رکھئے:-
کشتی گیری اور پہلوانی کے کمالات کا دعویٰ کر کے ایک شخص آپ کے سامنے اس طرح اپنے آپ کو پیش کرتا ہے کہ کشتی گیری اور پہلوانی کے سارے ساز و سامان سے بھی وہ لیس ہے، اگر دلتے چٹ چڑھائے، دنگ میں اتر کر اپنے جوڑے پہلوان کو بچھاڑ بچھاڑ کر بھی دکھا رہا ہے، دوسری طرف پہلوانی ہی کے مدعی بن کر ایک اور صاحب آتے ہیں، لکھنؤ کے بانگوں کے لباس میں جلوہ گر ہیں۔ پہلوانی کی کوئی علامت اور نشانی اپنے ساتھ نہیں رکھتے ہیں، لیکن مدعی ہیں ان ہی کمالات کے جو پہلوانی کے ساتھ شخص ہیں، بتائیے کہ پہلوانی کے لحاظ سے کس کا وجود آپ کے لئے دیکھا بھالا قرار دیئے جانے کا زیادہ مستحق ہے۔

اب اسی مثال کی روشنی میں دیکھئے، کائنات جن میں حجر، شجر، نباتات، جمادات، حیوانات، انسان، چاند، سورج، تارے، الغرض گونا گوں مخلوقات میں اپنی تخلیقی کار فرمائیوں کو نمایاں کر کے خالق عالم نے اپنے آپ کو ہمارے سامنے جو ظاہر کیا ہے، منور حتیٰ کی اس شکل کے مقابلے میں دلوں کا یہ تقاضا کہ موجودہ کائنات اور کائناتی کمالات کے بغیر صرف ہمارے سامنے آتا، منور کی ان دونوں شکلوں میں کیا وہی نسبت نہیں ہے جو ان دونوں پہلوانوں میں تھی جن میں سے ایک پہلوانی کے سارے آثار اور نشانیوں کے ساتھ ہمارے سامنے کھڑا ہے، اور دوسرا پہلوانی کے کمالات کو اپنے اندر بس بٹلاتے ہوئے صرف اپنی ذات کو پیش کر کے مطالبہ کر رہا ہے کہ مجھے پہلوان مان لو۔

پھر کبھی عجیب بات ہے کہ اپنی کار فرمائیوں کے کمالات کے ساتھ حق سبحانہ و تعالیٰ ہمارے سامنے موجود ہیں، اور چاہتے ہیں کہ وہی کمالات جن کا قرآنی نام آیات اللہ یا اللہ کے پتے اور نشانیاں ہیں، ان ہی آیات اور نشانیوں کے ساتھ ہم ان کو پائیں اور مانیں، لیکن کچھ لوگ یہ حیلہ تراش کر کے کہ کمالات سے معزا اور خالی ہو کر چونکہ خدا ہمارے سامنے نہیں آیا، اس لئے ہم اس کو نہیں مان سکتے، بتلائیے کہ یہ بجز ایک شیطانی حیلہ کے اور کبھی کچھ ہے، پہلوانی کے کمالات کے ساتھ پہلوان جب آپ کے سامنے آیا تو اس کے پہلوان ہونے سے آپ نے اسے انکار کر دیا کہ ہم تو اُسی کو پہلوان مانیں گے جو پہلوانی کے سارے آثار و علامتوں سے پاک ہو کر ہمارے سامنے آئے۔ آج خدا بے زاری کی عام ذہنیت میں آپ ٹٹولیں گے، تو اسی غیر منطقی طفلانہ مطالبہ کے جراثیم کے سوا یقین ماننے کہ آپ کو اور کچھ نظر نہ آئے گا، اسی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا گیا کہ:-

”یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے آیات اور نشانوں کا انکار کر دیا۔“

یعنی کمالات رب کی ان کملی ہوئی نشانیوں سے انہوں نے طے کر لیا ہے کہ نہ ہم خود خدا کو پائیں اور مانیں گے، اور نہ دوسروں کو پانے اور ماننے دیں گے، اور اسی بنیاد پر انہوں نے یہ بھی فیصلہ کر لیا ہے کہ آئندہ زندگی میں خالق کائنات کی ملاقات کا خیال بھی صرف خیال ہی ہے، یہی خود بھی باور کئے بیٹھے ہیں اور دوسرے بھی یہی باور کر کے نچت ہو کر بیٹھ جائیں، اسی چنان کے پھیلانے اور عام کرنے میں وہ سرگرم ہیں۔

انفرض خدائی آئین کی ذمہ داریوں سے بچنے کے لئے زبردستی کا یہ غیر منطقی فلسفہ انہوں نے تراش لیا ۳ اور اپنی زندگی اور زندگی کے سارے کاروبار پر سے خدا اور خدا کے عقیدے کا دباؤ خود بھی اٹھا دیا ہے اور جانتے ہیں کہ دوسروں سے بھی یہ باؤ جس حد تک اٹھا یا جاسکتا ہو اٹھا دیا جائے، حتیٰ کہ ان کاموں میں بھی جن کو جانتے ہیں کہ خدا ان سے خوش ہوتا ہے، ان کو بھی یہ سوچ کر کرتے ہیں کہ ہم خدا کے لئے انہیں نہیں کرتے، بہر حال ان کا جو قدم بھی اٹھتا ہے، خدا کے لئے نہیں اٹھتا، اور خدا کیلئے وہ کوئی قدم اٹھانا چاہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں خدا کے پاس ان کی، اور ان کے اعمال کی اگر کوئی قیمت نہ ہو، تو اس کے سوا اور منطقی نتیجہ اس قسم کی خدا بے زار زندگی کے اعمال و افعال کا اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔ آپ نے کر دیا کہ اور صرف، کر دینے ہوں، ساری دولت لٹا دی ہو، یا ایک کوڑی ہی دی ہو، ہر حال میں دیکھا جائے گا کہ یہ، یا وہ جو کچھ بھی آپ نے کیا ہے، کس لئے کیا ہے، کوڑی بھی خدا کے لئے اگر دی ہے تو چاہئے کہ خدا سے اس کوڑی کے معاوضہ کی توقع کریں، لیکن کر دوں روپے اگر خدا کے لئے اپنے نہیں، بلکہ کسی اور مقصد سے دیتے ہیں تو خدا کے پاس خود سوچے کہ معاوضہ کی امید کا حق آخر کس بنیاد پر آپ کو حاصل ہوتا ہے، یا حاصل ہو سکتا ہے، اور پھر قدرتی نتیجہ اس کا جب

ہیں برباد ہو کر رہ گئے ان کے سارے اعمال اور کاروبار فحطت اعمالہم

کی صورت میں آپ کے سامنے آئے تو عقل بھی اس کے سوا خود ہی بتائیے کہ اور سوچ ہی کیا سکتی ہے، اوداسی کی اطلاع قرآن نے اپنے ان الفاظ سے دی ہے پس واقعہ وہی ہے کہ بذات خود عمل کی کوئی قیمت نہیں ہے، بلکہ قیمت کے لئے ہمیشہ دیکھا یہ جاتا ہو کہ

لے ان سے سحر و سحر ہونے والوں تک کی ذمیت جب یہ ہو چکی تھی، کہ :-

”ہم اُس دن خوش ہوں گے جب کہ ہماری قوم خدا کے واسطے نہ اپنے ثواب کیلئے، بلکہ صرف اپنی قوم کیلئے کو شیش کر مٹی اور کے لے کر

پانے پاتھ پانے پاؤں، اپنی جان، اپنی محنت اپنے دیر کے بدلہ خدا کو خریدا چاہتا ہوں، نہ بہشت کو“ (تہذیب لافلاح ۲ ص ۵۲)۔

خاندانہ نبوت کے سچے چوران ایک ہندی مسلمان سید مرحوم کے یہ الفاظ ہیں، اگرچہ کہ ان کے کہنا ہے کہ یہ بھی انہوں نے جو کہ لکھا تھا خدا ہی کیلئے نہ لکھا تھا

اب اپنے خدا کے پاس وہ جا چکے کل امر و ماموری کا نتیجہ ان کے سامنے آچکا ہو گا۔ غفرلہ ۱۱۔

کس لئے وہ عمل کیا گیا، مشہور ہی ہے کہ تربیت و تادیب کے لئے یتیم کو قہر سہی کیوں نہ مارا جائے، تو یہ کام تو ذاب کا ہے، اور مارنے والا یتیم کے خیر خواہ ہوں میں گنا جائے گا، لیکن اسی یتیم کو آوارہ بنانے کیلئے کوئی کھلتا پلاتا اور پھانسی کیوں نہ ہو وہ بدترین جرم کا مرتکب ہے، غلط اعمالِ عامہ کے بعد جو یہ ارشاد ہوا ہے، کہ:-

پس نہ ٹھہرائیں گے ہم قیامت کے دن ان لوگوں کا کوئی وزن
فلا نقیم لهم یوم القیمة وزن
ایک مطلب تو اس کا وہی ہے کہ خدا کے سامنے حاضر ہو جانے کے بعد ایسی ساری زندگیاں بے قیمت اور بے وزن ہو کر رہ جائیں گی، جن میں خدائی نصب العین شریک نہ تھا، اور جی چاہے تو آپ موجودہ تحقیق کے رو سے ”وزن“ کی حقیقت کا پتہ چلائیں، دنیا میں بھاری یا ہلکی چیزیں کیوں ہو جاتی ہیں؟ اور پھر سوچئے کہ مرموزی وجود کے احاطہ سے باہر نکل کر وزنی سے وزنی چیزوں کا وزن کیا باقی رہتا ہے، یا وہ سکتا ہے۔

اب آگے بڑھئے، آسمت کے پیش ہونے سے پہلے اتنی بات مٹ لیجئے:-

واقعہ یہ ہے کہ مخفیہ قدرت کے نوشتہ کمالات جن کا مشاہدہ ہم میں ہر ایک کر رہا ہے، ان کمالات کو کمالاتِ الٰہی ذات کے آیات یا عتوں اور عتوں کی حیثیت سے استعمال کرنے کا نقطہ نظر جس کے سامنے سے ہٹ جائے یا قصدِ اڑھا دیا جائے، ظاہر ہے کہ اس کے دل میں نہ اس ذات، قدسی سمات، کی جستجو اور تلاش کا جذبہ ہی زندہ رہ سکتا ہے، اور نہ اس کے فشا اور مرضی سے آگاہی کی ٹپ ہی اس میں باقی رہ سکتی ہے، کہ ان ساری بے جینیوں کے نتیجے میں پوچھئے تو کا فرما:- ۶

بہر نقشے کہ پیش آئندہ نقاش می بینم

کا وہی آیاتی نقطہ نظر ہے جس میں کمالات سے بھری ہوئی کائنات سے کمالات والی ذات کو پانے والے پار ہے ہیں، اور پاپا کر جلتا رہے ہیں:- ۲

نہ بیند چشم بد بیناں گر من فاش می بینم

بہر حال اسی لاہوتی وجدان کے قدوسی احساس اور توحیدی یافت سے جو محروم ہیں، یا محروم کر دیئے گئے ہیں، ان ہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آگے جو یہ فرمایا گیا ہے، کہ:-

وہ ہے ان کا بدلتہ جہنم بدلہ ہے اس بات کا کہ وہ کوئے نہ کرے
ذلات جزاء ہم جہنم بسا کفر و ادا

سہہ بولنے میں عوام لوگ بولتے ہیں کہ نیکی کا بدلہ جس کے بھاری ہو گا وہ نجات یاب ہو گا، اور بدی کا بدلہ جس کے کا ٹھک جائے گا وہ کچلا جائے گا، لیکن قرآن میں انترانا اس راز کا انکشاف کیا گیا ہے کہ وزن صرف ان اعمال و افعال ہی میں پیدا ہو گا جو خالقِ عالم کی مرضی کے مطابق ہوں گے، اور مرضی حق کے مخالف اعمال بے وزن ہو جائیں گے، فنس ثقلت موازنہ کے مقابلے میں فنس خفت موازنہ کے اعصاب آپ کو قرآن میں ایک سے زیادہ مقامات پر ملیں گے۔ ۱۳

اور بنایا میری آنتوں اور میرے رگوں (یعنی ان آنتوں کے پھونچانے والوں) کو جنسی مذاق۔

غور کرنا چاہئے کہ اس کے سوا ان کا انجام اور کیا ہوتا، یا کیا ہو سکتا تھا، بادشاہی کے سارے ساز و سامان تاج و تخت و تین و گئیں، اور ملک و دوہیم، خدم و حشم کے ساتھ بادشاہ ہمارے سامنے جلوہ افروز ہے، لیکن یہ جیلہ تراش کر کے کہ شاہی ساز و سامان سے خالی ہو کر بادشاہ کی ذات چونکہ ہمارے سامنے نہیں آئی، اسلئے بادشاہ کے احکام و فرامین اور ان احکام و فرامین کے لانے والوں کا ہم انکار کرتے ہیں، میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اسی جیلہ، صرف اسی جیلہ کی اڑے کر بغاوت کی راہ اختیار کرنے والے اگر شاہی دار و گیر کی مصیبتوں میں اپنے آپ کو مبتلا پائیں، تو اس کے سوا آخر ان کو کس بات کی توقع کرنی چاہئے۔

میں تو یہ سوچ کر حیران ہوجاتا ہوں کہ ایسا خوشنویس جب ہمارے سامنے آیا جو از سر تا پا ان اور اق اور مصلیوں میں پٹا ہوا تھا جو اس کی خطاطی کے کمالات سے معمور اور پٹے ہوئے تھے تو اس وقت اس سے زیادہ احمقانہ کہنے یا باجیانہ مغالطہ اور کیا ہو سکتا ہے، اگر کہا جائے کہ ہمارے سامنے خوش نویس نہیں، بلکہ خوش نویس کی تو صرف خوش نویسی آئی۔ بہر حال اپنے اس کرکوت کا قدرتی عیار تو خود ان مغالطہ بازوں کے سامنے آئے گا، اگر کہے گا، اسی لئے ان کے اس جہنی انجام کو ان ہی کے حوالہ کر کے ہم جب اسی فقرے کے آخری جز، یعنی :-

اور بنایا میری آنتوں اور میرے رگوں کی ہنٹھاق

وا تخلف دا ایا قی در سلی ہز دا

پر غور کرتے ہیں تو پھر ایک جدید علامت، اور نہی نشانی ہمارے سامنے آجاتی ہے، جس سے اس خاص گروہ کی شناخت میں ہمیں کافی مدد ملتی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ آیات کے لفظ کا ایک مطلب تو آپ کے سامنے گذر چکا، یعنی ضعیفہ قدرت، اور اوراق عالم پر اپنی کڑواہٹوں کے کمالات کو ظاہر کر کے حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی ذات قدسی سمات کا عنوان اور پتہ کا نثات اور کامناتی آثار کو جو بنا دیا ہے آیات کے لفظ کا ایک قرآنی اطلاق تو یہ ہے، اسی کے ساتھ آیات ہی کے اسی لفظ کا اطلاق حق تعالیٰ ہی کے ان کلامی مظاہر بھی ہوتا ہے، جن کے لباس میں اپنی مرضی اور اپنے منشاء کو خداوند قدوس جل مجدہ نے ظاہر فرمایا ہے، میں تو یہ دونوں اصطلاحیں دو محاورے قرآن ہی کے، لیکن اصل واقعہ وہی ہے کہ قدرتی ضعیفہ، اور فکری ضعیفہ، دونوں ہی کے آیات، آیات ہی ہیں۔

عرض کر چکا ہوں کہ ضعیفہ قدرت کے آیات کو آیات کی حیثیت سے استعمال کرنے کا نقطہ نظر حق تعالیٰ سے ہٹ جاتا ہے ان کے دل میں لقاء رب کی آرزو بھی بکھر کر رہ جاتی ہے، اور اسی کا لازمی نتیجہ ہے کہ اپنے پالنے والے رب قیوم کی مرضی و منشاء کی تلاش و جستجو کا جذبہ بھی ان سے محض لیا جاتا ہے، جس کے بعد ان کی نگاہوں میں نہ ان بزرگوں ہی کی کوئی قدر و قیمت باقی رہتی، جن کا انتخاب اپنے مرضیات سے آگاہہ کرنے کے لئے قدرت کرتی رہی ہے، الوسئل والانبیاء کے عنوانوں اور ناموں سے ہم جنہیں پہچانتے ہیں (صلوات اللہ علیہم و سلامہم) کے ساتھ اس پیغام اور کلام کی بھی اہمیت ان کے دلوں سے نکل جاتی ہے

اور بحال دی جاتی ہے، جس کا مخاطب اپنے بندوں کو حضرات انبیاء و رسل (علیہم السلام) کے توسط سے ان کا پیدا کرنے والا خالق بناتا ہے، ذہنی انکسلاط اور فکری پستی کی یہی ملعون نفسی کیفیت، تیرہ درونی، اور شوبخی کے اس گستاخانہ منزل تک پہنچا دیتی ہے جس میں حکمت و دانائی، اور شرافت و کبریا کی کاسبی بڑا ایسی سرمایہ اللہ کی آیتوں کا استنزاع اور ان آیتوں کے پونچانے والے رسولوں کا صرف ٹٹھا اور سخرہ جاتا ہے۔

کائنات کو اس کے پیدا کرنے والے خالق قیوم کی آیات اور نشانیوں کی حیثیت سے استعمال کرنے کے نقطہ نظر سے عرومی کا یہی آخری انجام، اور انتہائی بلکہ شاندار نتیجہ ہے، ایسا لازمی نتیجہ کہ مرنے سے پہلے اسی زندگی میں بھوٹ بھوٹ کر اس کی گندگی اور غفلت ان سے بے تعلقی ہے، ہر گلی کوچے میں اسی کی بدبو سے وہ پچانے جاتے ہیں، بلکہ اسی کی بھبھک اور بھبھار سے اپنی شناخت و خود ہی کر سکتے پھرتے ہیں، یہی استنزاع ان کی نطق، اور یہی تسخیر کا فلسفہ بن جاتا ہے۔ ان کی تقریروں، تقریروں، رسالوں، اور اخباروں، قہٹیوں اور کمائیوں، جتنی کہ قہطیروں اور نیپاؤں تکت کا لازمی جز، دینی استنزاع کا یہی سندس بنا ہوا ہے اور یہی ان کی آخری علامت، اور امتیازی خصوصیت ہے، جس پر ان کے متعلقہ قرآنی اشارے ختم ہو جاتے ہیں۔

چاہئے کہ قرآن کے بنانے ہوئے ان ہی نشانات اور علامتوں سے ہم ان لوگوں کو پہچانیں جن کو ”یا جوج و ماجوج“ یا قریب قریب کچھ اسی قسم کے لٹے جلتے ناموں سے موسوم کر کے مذہب و ادیان میں چوکتا اور ہوشیار رہنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، اور ذات سے زیادہ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں ان لوگوں کے خاص امتیازی صفات ہی کو زیادہ اہمیت دینی چاہئے، جنہیں دین کے بڑے فتنوں میں غیر معمولی بڑا فتنہ رسالت و نبوت کے خالق میں قرار دیا گیا ہے، کم از کم قرآن کو خدا کی کتاب ماننے والی امت کیلئے تو حجت تمام ہو چکی ہے، قرآن کے مذکورہ بالا بنیاد و تصدیقات میں جو کچھ پایا جا رہا ہے اس کو پالینے کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا کہ انسانی توانائیوں کی قدر و قیمت، ان فکری آبدھیوں، اور ذہنی جھکڑوں کے گرد و بخار میں مجھ سے ادھیل ہو کر رہ گئی، جنہیں ”یا جوجیت و ماجوجیت“ کے فتنے نے اٹھایا تھا، یقیناً اس عذر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی گئی ہے۔

بظاہر اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، قرآن اور قرآن کے لانے والے رسول علیہ السلام پر ایمان لانے والوں، اولیٰ اسی ایمان کے مطابق اپنی عملی زندگی کے سنوارنے والوں کو یہ بشارت آخر میں سنائی گئی ہے، کہ:۔

قَعَقَاجَن لَوُكُوْنَ اَن لَّيَا وِرْصَاكَا وَصَلَّحَ بَوَسْنُكَام
اِنَّ الدِّينَ اَمْنًا وَاَعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ
لَكُمْ جَنَّتُ الْعُرْدِ دَسْنُكَ خَالِدِينَ
بِمَشْرِدِهِمْ لَ اُنْ هِيَ بَاغُوْنَ مِيْنَ۔
فِيْهَا۔

اگرچہ یہ بشارت، ایمان و عمل صالح والوں کے لئے قرآن کی عام بشارت ہے، قدم قدم پر اس کو دہرایا گیا ہے، یعنی چند روزہ خالی زندگی کو کائنات کی مرکزی قوت، اور عرومی وجود کے مطابق رکھنے کی کوشش، ہر کوشش کرنے والے کو اس ناول تک پہنچا دیتی ہے جس میں اپنی سرخویش اور دل کے ہر تقاضے، ہر احساس کا ہم آہنگ عالم کی اسی مرکزی قوت اور عرومی وجود کو

پایا جائے گا، وفاقی نتیجہ کی اسی زندگی کا نام فردوسی زندگی ہے، لیکن اس عام بشارت میں خاص اس موقع پر ایک خاص اضافہ کو بھی ہم جانتے ہیں۔ یہ

نہ چاہیں گے ان ہی باخوں سے منتقل ہونا لا یبعون عنہا حولا۔

کا اضافہ ہے، میں اسی اضافہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں :-

جیسا کہ معلوم ہے، وفاقی نتیجہ والی اس زندگی کے متعلق اس قسم کے خیالات کہ اس زندگی کے پانے والے انسان، انسان باقی نہ رہیں گے، بلکہ فرشتہ یا اس سے بھی بڑے اور العباد باللہ بجائے مخلوق کے خالق کی ذات میں جو اور کم ہو کر ان میں ہر ایک خالق ہی بن جائے گا، اسی طرح مجازاً کی سزا کی شکل میں باور کرایا جا رہا ہے کہ آدمی بجائے آدمی بننے کے گھوڑا، باھتی، بیل، چوہ وغیرہ بن جائے گا۔ قرآن نے ان مالی خولیائی افکار اور خود تراشیدہ اوہام کے لئے اپنے اندر کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں رکھی ہے، صاف صاف کھلے لفظوں میں ہر جگہ اسی حقیقت کا مسلسل اعلان اور اعادہ اس کتاب میں کیا گیا ہے، کہ جزائی اور سزائی، کجافات و مجازات کی دونوں حالتوں میں انسان، بہر حال انسان، اور اپنے سارے انسانی جذبات اور خصوصیات کے ساتھ نتیجہ کی آنے والی زندگی میں بھی باقی رہے گا۔

ایسی صورت میں انسانی فطرت کی اسی خصوصیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ لذیذی لذیذی کا مسلسل بار بار استعمال آدمی میں طال یعنی اکٹا جانے کی کیفیت کو پیدا کر دیتا ہے، بلند سے بلند ترین پیمانے پر راحت و آرام پیش و سکون ہی کا نظم کیوں نہ کر دیا جائے، لیکن ایک ہی حال کے دوام و استمرار سے راحت و آرام کی ایسی زندگی بھی آدمی کے لئے اہمیرن ہی بن جاتی ہے، عموماً بورڈنگوں، اور اقامت خانوں کا کھانا طلبہ پر اسی لئے ناگوار اور دو بھر بن کر رہ جاتا ہے کہ چند گنے چنے خاص کھانے کے تسلسل سے دل اکٹا جاتے ہیں، آدمی کی فطرت کا یہی جلیق قانون اور تقاضا ہے، و سوسہی ہوتا ہے کہ مخلوق دو دوام کے ساتھ آدمی کی فردوسی زندگی کی لذت و سرور کا تسلسل کیسے باقی رہ سکتا ہے، بظاہر یہاں نئی آگاہی

نہیں چاہیں گے ان باخوں سے منتقل ہونا لا یبعون عنہا حولا۔

کے الفاظ سے جو بخشی گئی ہے، اس سے اسی و سوسہ کا ازا اشیاء مقصود ہے، اور اس کے بعد کی اہمیرن یعنی:

کمدو اگر ہو جائے سندر و شانی میرے کچے کچے (کھینے)

کے لئے تو کھڑے ہو جائے گا سندر کا پانی تب اس کے کہ ختم ہوں میرے

کچے کلمات، اگر چہ لاتے ہی پلے جائیں اسی قسم کے سندر (کے بانی)

کمدو کے لئے۔ (کہت)

اس آیت کا دہراؤ لی یا سرسری نظر میں اپنے سابق سے بظاہر تعلق محسوس نہیں ہوتا، لیکن اگر فکر معقول سے کام لیا جائے تو وہی دوسرے یعنی فردوسی زندگی میں استمرار و دوام کی وجہ سے اکتا اور گھبرا جانے کا خطرہ فطرت انسانی کے عام اقتضاء کے مطابق دلوں میں جو پیدا ہوتا ہے، اسی خطرے سے محفوظ ہونے کی ضمانت ان آیتوں میں ہم پاسکتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ انسانی احساسات لذت و سرور کو جنت کی زندگی میں جن چیزوں سے حاصل کریں گے ان کے متعلق یہ مفروضہ ہی صحیح نہیں ہے کہ ایک دفعہ جو کچھ دیا جائے گا، وہی ہمیشہ ملتا رہے گا۔ سورہ بقرہ کی مشہور آیت :-
 جب کبھی کوئی چل جنت والوں کو دیا جائے گا تو وہ کہیں گے
 کلمہ ذوقوا منها من ثمرة رزقا قالوا
 یہ تو وہی ہے جو دیا گیا تھا ہمیں پہلے (حالانکہ یہ اقوال نہ ہو سکیں)
 هذا الذي رزقنا من قبل وادوا به
 بخشیش جانیں گی ان کو ملتی جلتی چیزیں۔
 مشتبا ہوا۔

اس میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب کبھی جس چیز کے متعلق یہ خیال پیدا ہوگا کہ وہی مجسمہ مکرر دی گئی ہو تو فوراً اس خیال کا ازالہ تجربہ سے ہو جائے گا، کہ صرف صورت میں شباب نہ رہے گی، لیکن معنوی حیثیت سے کبھی جنت کی کوئی چیز دہرائی نہ جائے گی، جہاں کا یہ کئی قانون ہو، جو کلمہ کے لفظ کا اقتضاء ہے، وہاں التکرار و اعادہ کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے ایک دن بھاتے ہوئے فرمایا تھا :-

نہیں ہے دنیا میں بہشت کی چیزوں سے لیکن صرف نام
 ليس في الدنيا مما في الجنة شي الا اسماء
 (در ثور و غیرہ)

گویا یوں بھگنا چاہئے کہ جنت میں جو سیب شغل ملے گا، ہوگا تو وہ بھی سیب ہی، لیکن ہر کاٹا سے جنت والا سیب دنیا والے سیب اتنا مختلف ہوگا کہ دونوں میں کٹنا چاہئے صرف لفظ اور نام ہی کا اشتراک ہوگا، پھر فردوسی زندگی والے سیب کی ہر جہتی نوعیت کیا ہوگی، اسی کی طرف

نہ دیکھا کسی، نہ کھانے، نہ سنا کسی کان نے، اور نہ خیال گذرا
 ما لا عين رأت ولا اذن سمعت ولا
 خطر على قلب بشر
 اس کا کسی دل میں۔

والی مشہور حدیث میں ایسا کیا گیا ہے، سچ پوچھئے تو قرآنی آیت
 پھر نہیں جانتا ہے کوئی جو آنکھوں کی خشکی ان کے لئے
 فلا تعلم نفس ما اخفى لهم من قرة اعين
 چھپا کر رکھی گئی ہے۔
 (حم مجدہ)

کی یہ حدیث تفسیری توضیح ہے۔ اور یہ سب درحقیقت قرآن ہی کی آیت
 جنہوں نے اچھے کام کئے ان کے لئے اچھا عاوضہ ہے
 للذين احسنوا الحسنی ذریادہ
 (ملفوظ)
 اور ”زیادہ“

کے اجمال کی تفصیل ہے، اس آیت کریمہ میں ”زیادہ“ کے جس لفظ کو پارہے ہیں صحیح روایات و آثار میں اس کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ فردوسی زندگی میں براہ راست حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات مبارک سے انسانی فطرت کا رشتہ قائم کر دیا جائے گا۔ وہی ذات مبارک جس کے اسماء و صفات، کمالات و شیونات کی نہ حد ہے اور نہ انتہا، پھر ان لامحدود کمالات کی باہمی ترکیب کے مظاہر جن کے مدارج کا کیفاً و کثراً نہ اور ہے نہ چھوڑا، اپنے ان ہی بے تھک معلوماً کو کلمہ ”کن“ سے حق تعالیٰ خودی وجود عطا کرتے ہیں، معلومات کی لامحدودیت سے کن کا یہی ”کلمہ“ لامحدود کمالات بنا ہوا ہے اور ان کی اسی لامحدودیت کی تعبیر جیسا کہ ارباب تحقیق نے لکھا ہے، مذکورہ بالا آیت میں اس طریقے سے کی گئی ہے کہ سمندر میں سمندر ہی کا اضافہ کیوں نہ کیا جائے، لیکن رجب ان لامحدود کمالات کو لکھنے کے لئے وہ کافی نہیں ہو سکتے، جبہ نظر ہر جگہ محدود لا محدود کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مسیح علیہ السلام کو قرآن میں کلمۃ اللہ جو فرمایا گیا ہے، تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ کلمہ کن سے براہ راست ان کی تخلیق ہوئی، بہشتی حقائق بھی چونکہ براہ راست کلمہ کن سے پیدا ہوتے رہیں گے، اسی لئے وہ بھی کمالات ہی کے نام سے موسوم ہوئے، بہر حال اب سوچئے اس بات کو کہ براہ راست جب اسی ذات مبارک کا اسے انسانی فطرت کا تعلق قائم ہو جائے گا جس کے کمالات کی حدود و انتہا نہیں ہے، تو کسی خاص نقطہ تک پہنچ کر انجماد اور ٹھہراؤ کے خطرے کی گنجائش ہی کیا پیدا ہوتی ہے، ایک طرف ہماری فطرت کے طلب اور تشنگی کی وہ لامحدودیت ہوگی، جو کسی نوبت پر پہنچ کر بس کرنے پر راضی نہیں، آخرت ہی میں نہیں، دنیا کی اس زندگی میں بھی خوب سے خوب تر کی جستجو یہی ہماری جبلت اور فطرت کا قدرتی تقاضا ہے، پیدا کرنے والے نے طلب و تلاش کی اسی لامحدودیت کے ساتھ ہمیں پیدا کیا ہے، اور اس کے مقابلے میں لامحدود کمالات و صفات والی اپنی ذات ہی کو ہمارا فطری مطلوب بنا دیا ہے، اور یہی میرا مطلب تھا کہ مذکورہ بالا آیت بظاہر اپنے مابست کی آیت سے غیر مربوط ہی کیوں نہ نظر آتی ہو، لیکن قرآن کا مقصد بتانا ہے کہ سب سے زیادہ مربوط اسی مقام میں ہوتا ہے، جہاں وہ پہلا اولیٰ میں سرسری نظر والوں کو بے ربطی محسوس ہوتی ہو۔

۱۔ صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ کی مشہور روایت ہے کہ سب کچھ پالنے کے بعد اہل جنت کے لئے یکشت الحجاب (یعنی پردہ اٹھا دیا جائے گا) اور حجاب کے بغیر بندے اور خدا میں رشتہ قائم ہو جائے گا۔ لفظ ”زیادہ“ کی تفسیر کتابوں میں پڑھئے۔

۲۔ ان الانسان خلق ہلوعاً (میشک پیدا کیا گیا ہے آدمی ہلوع) اس قرآنی آیت میں ہلوع کے لفظ کا مطلب یہی ہے، کہ وہ

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلتی بہت نکلمے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلتی

بخاری و مسلم میں ہے کہ جہنم میں سزا پانے کے بعد ایک شخص گرتا پڑتا جہنم سے باہر نکلتا، کچھ دیر سالی میں پڑا شکر کرے گا، مگر پھر کچھ بڑھے گا، بڑھے گا،

بالآخر جنت میں داخل ہو جائے گا، ارباب تحقیق کے نزدیک فطرت انسانی کی بے مبری اور لامحدودیت کی یہ تعبیر تفسیل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فردوسی زندگی میں جب تہجد اور نوبہ نمازہ بہ نمازہ ہی کے قانون کو متراختشا جائے گا۔۔۔ تو
لا یغفون عنہا حولا (نہ چاہیں گے جفتی اس سے منقل ہونا) کے سوا اور سوچا ہی کیا جاسکتا ہے۔

پہ تو یہ ہے کہ فردوسی زندگی کی جب یہ نژد یعنی ہماں نوازی ہوگی تو جنت کے مستقل باشندے (DOMICIL) ہو جانے کے بعد آگے کیا کچھ پیش آئے گا۔ صدق مولنا الکریم رضوان من اللہ اکبر۔

مرحوم ڈاکٹر اقبال کے ایک شعر کا خیال آتا ہے، نہیں کہہ سکتا کہ صحیح طور پر مجھے یاد بھی پڑ رہا ہے یا نہیں، تاہم
اسی نہ ختم ہونے والے تہجد دوم اور تلذذ غیر ختم و تام کی ٹری اچھی یہ تعبیر غالباً ان ہی کے الفاظ میں یہ محفوظ رکھ لی ہے۔

تمیش مست زندگانی، تمیش مست جادوانی

دل من مسافر من کہ خدا میں یار بادا

اسی حقیقت کی طرف مرحوم نے اپنے مشہور شریزاں کبند آواز میں اشارہ کیا ہے۔

اور اب سمجھا جاسکتا ہے کہ اپنی سچی اور اپنی ساری توانائیوں کو ہر طرف سے پھیر کر اسی حیات دنیا اور پست گی
میں جو میٹا میٹ کر رہے ہیں، وہ خود اپنے اوپر اور اپنے ساتھ انسانیت پر بھی کتنا بڑا ظلم تو ڈر رہے ہیں، ہا! مولنا دوم
کی چچ پکار۔ ۷

منگ بہر گدائے کہ تو خاص از ان پاک

مغروش خویش از ان کہ تو بس گراں بہائی

تو ہنوز ناپدید کی کہ جمال خود بندیدی

سحرے جو آفتا بے، ز درون خود بر آئی

آج انسانیت کے امکان کی دنیا دفن اور مقبرہ فنی چلی جا رہی ہے، لیکن سمجھنے والے سمجھ رہے ہیں کہ ان امکان کے
ظہور کا زمانہ یہی ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں، جو مر رہے ہیں سمجھا جا رہا ہے کہ وہی جی رہے ہیں۔

پہ تو یہ ہے کہ ابھی تو نہیں، لیکن دہائی استدرجات کی کچھ قسطیں پھیلی چند صدیوں میں اچانک ہمارے سامنے
ضرور بے نقاب ہوئی ہیں، لیکن ان سے بھی کیا ثابت ہوتا ہے؟ بجز یہ اور شاہد بتا رہا ہے کہ تشفی اور سکون کی نفی ہے

انسانی فطرت کے طلب و تلاش کا لامحدود جذبہ اب بھی اسی طرح محروم ہے جیسے پہلے تھا۔ ”ہمان ست کہ بود“ کے سوا
نہ اب تک کچھ دیکھا گیا ہے اور نہ آئندہ دیکھا جائے گا، بادشاہوں کو بھی جو سولیتس زمین کے اس گڑے میں میر تقی

آج ہر ادنیٰ گنوار دیہاتی ان سے ضرور مستفید ہو رہا ہے، لیکن جہت نامی طور پر دیکھئے یا انفرادی حیثیت سے ہم میں سے
ہر ایک اپنے دل کا جائزہ لے، اور سوچے کہ ہمارے اندر جو ”خلاء“ تھا، اس میں کسی قسم کی کوئی کمی ہوئی ہے، یقیناً کچھ

کہ اپنی ساری صلاحیتوں کو باہر نکال کر بھی موجودہ دنیا ہماری فطرت طلب کی دستوں میں اگر ڈال دی جائے، تو یہ سب کچھ

اس میں اسی طرح کم ہو کر رہ جائے گا جیسے کسی صحرائے لئ و دق میں رائی کا دانہ، آپ بجائے گوشت کے شیروں کے پیٹ کو نہ گھاس سے بھر ہی سکتے ہیں، اور نہ گھاس کی خوراک پر غریب شیر کو قانع بنانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، ہائے! آج وہ انسان مٹی چٹائی رہا ہے، اور یہی اس کو پھنکوائی جا رہی ہے، جس کے متعلق کئے والے نے کبھی کہا تھا، کہ سہ
 بنجہ باینجہ خدائے زده
 ہرچہ اونست پشت پلئے زده
 جو گریا گیا ہے، اسی کو باور کرایا جا رہا ہے کہ وہ چڑھ رہا ہے، اور اسے چڑھایا جا رہا ہے۔

(۶)

اس غوی آیت جس پر سورہ کھتم ہو جاتی ہے، وہ یہ ہے ارشاد میا ہے :-

کمد و کس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ میں بھی آدمی تم ہی جیسا ہوں
 قل انما انا بشر مثکم یوحی الی انما
 بھیر یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تم لوگوں کا (موجود) ایک ہے
 الکمر الہ واحد فمن کان یرجو
 پھر جو امیدوار ہو اپنے رب کی ملاقات کا تو لے جائے کہ
 لقاربہ فلیعین عیلا صلا لہ لا یشرف
 کرے بھلے اور بکھے ہوئے کام، اور سامی نہ بنائے اپنے رب
 بعبادۃ ربہ احد،۱۔
 کی عبادت میں کسی کو۔

(کہف)

جو کچھ اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے، بظاہر اس آیت کا بھی اس سے چنداں تعلق نظر نہیں آتا، لیکن غور کیجئے اپنے پیرا کر نیچے
 کی آئینی ذمہ داریوں سے بچنے کے لئے بجائے مشرکانہ کاروبار کے کپڑوں، اور لیڈروں کی ولایت اور پشت پناہی کا نظریہ جو
 تراشا گیا تھا، اور قرآن نے اس پر جو تنقید کی تھی اس تنقید کو پیش نظر رکھتے ہوئے قدر نما کیا یہ سوال نہیں پیدا ہوتا؟ یا نہیں
 ہو سکتا ہے کہ دون اللہ (اللہ کے سوا) کسی دوسرے کو اولیاء بنانا، اور ان ہی کی پشت پناہی و ٹھوسنی اگر جرم ہے، تو اسی
 جرم کے مجرم وہ بھی تو ہیں جو رسولوں، اور پیغمبروں کو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ اور ایچی مانتے ہیں، اور انکی
 ولایت اور پشت پناہی سے امداد حاصل کرتے ہیں۔ خود قرآن میں فرمایا گیا ہے، کہ :-

تمہارا ولی (پشت پناہ) اللہ اور اللہ کے رسول ہیں۔ انما ولیکم اللہ و رسولہ (مائدہ)

یقیناً یہ ایک شہ ہے، اور چاہئے تھا کہ جو واقعہ ہے اس کو واضح گان کر دیا جائے، حقیقت یہ ہے کہ بندوں اور ان کے
 خالق میں واسطہ کا مسئلہ ایسا مسئلہ ہے جس کی واقعیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا، ہر ایک دیکھ رہا ہے کہ روشنی میں قیاب کو
 دودھ میں مشلا گائے کو، بھینس کو، واسطہ بنا دیا گیا ہے، اسلئے بندوں اور خدا میں واسطہ نہیں ہے، اس کا درجہ تو
 چشم دید بدہی واقعہ کا انکار ہوگا، لیکن سوال اس واسطہ کے استعمال میں ہے، مشرکانہ کاروبار والوں کے طریقہ عمل کی

جو خصوصیت ہے اس کی تفصیل گذر چکی، یعنی خدائی ذمہ داریوں سے بھانگنے کی راہ انھوں نے یہ نکالی کہ ضرورتوں اور حاجتوں کیلئے وہ ان ہی درمیانی وسائل کو آگے بڑھا دیتے ہیں، اور وہ ان ہی درمیانی واسطوں کو کچھ لے دے کر ان ہی کی اپنے خیال کے مطابق منت و مہاجرت کے لئے فرض کر لیتے ہیں کہ ان کا نام نکل جائے گا۔

اور ان کے مقابلے میں ان ہی ذمہ داریوں سے گریز کی دوسری راہ یہ ہے کہ انسانوں ہی کو زندگی کے مختلف شعبوں میں مآہر اور حاذق بنا کر اپنی ساری ضرورتوں میں خدا سے قطعاً بے تعلق رہتے ہوئے ان ہی اکسپرٹوں اور لیڈروں کی ولایت پر بھروسہ کر لیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ دونوں صورتیں اپنے پیدا کرنے والے سے باخفا نہ انحراف، اور اپنے وجود کے نصب العین کی تکمیل سے گریز ہے، اسلئے درمیانی وسائل کی ولایت کی ان شکلوں کو قرائن کے مسترد کر دیا ہے، اور ولایت کا وہ طریقہ جس میں اپنے ذاتی اور اُس کی مرضی کے پانے کی ضمانت پوشیدہ ہے، اور اپنی پیدائش کے قدرتی نصب العین تک جس ذریعہ آدمی پہنچ جاتا ہے، ولایت کا یہ طریقہ تو موجودہ ہبوطی زندگی کی ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے جس سے الگ ہو کر کامیابی تک انسانی زندگی پہنچ ہی نہیں سکتی، زمین کی طرف رخصت کرتے ہوئے انسانِ اَوَّل یعنی ہمارے پدراؤل کو اسی لئے یہ وصیت کی گئی تھی :-

پھر آتے رہیں گے میری طرف سے تمہارے پاس راہ بتانے والے
ان راہ بتانے والوں کے پیچھے جو چلیں گے، نہ ان کو ڈوبے
فاما یا تینذکم منی ہدی فمن تبع ہدای
فلا خوف علیہم ولا هم یحزنون -
(البقرہ)

بہر حال اسی حقیقت کا اظہار جہاں تک میرا خیال ہے سورہ کہف کی اس آخری آیت میں بھی کیا گیا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ صاف صاف کھلے کھلے لفظوں میں کہہ دیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں، جیسے تم ہو، قدرت نے صرف اپنے اس فشاء کے اظہار اور ترجمانی کے لئے میرا انتخاب فرمایا ہے، جس کی جو ہری مروج اور مرکزی عقدہ ہے کہ خالق کائنات ہی کو ساری انسانیت کا الہ اور ہر چھوٹی بڑی، دینی و دنیوی ضرورت کا مرجع و ماویٰ بنایا جائے اور وہی سب کا آخری ٹھکانہ بن جائے، یہ تو

اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ تمہارا الہ (معبود) ایک ہے -
انما الہکم الہ واحد
کا مطلب اور خلاصہ ہوا، لیکن آخر میں جو یہ فرمایا گیا ہے، کہ :-

پھر جو اُمیدوار ہونے پانے والے کی ملاقات کا تو اُسے
چاہئے کہ کہے بھلے (اور سلجھ ہوئے) کام، اور سامھی نہ بنائے
فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عیلاً
صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً
()

جہاں تک میرا خیال ہے خالق کائنات کو صحیح معنوں میں اپنا تنہا معبود اور واحد الہ بنانے کے عملی طریقہ کی طرف ان لفاظ کا

جو توجہ دلائی گئی ہے اس کا حاصل بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ واقعی ذات حق کے ساتھ براہ راست رشتہ پیدا کرنے کی جن کے دلوں میں امنگ اور آرزو ہو، اُن کو اپنی دینی زندگی میں اس ترتیب کی پابندی پر اصرار کرنا چاہئے، کہ ان کی زندگی عمل صالح کی زندگی بن جائے، اگرچہ عمل صالح عام لفظ ہے، لیکن آگے خالق کی عبادت اور خالق کے ساتھ بندوں کو جو تعلق رکھنا چاہئے، اس کا ذکر چونکہ کیا گیا ہے، اسلئے مقابلہ یہی سمجھنا چاہئے کہ مخلوقات کے ساتھ تعلقاً کونسلھاتے ہوئے خالق کی عبادت میں سرگرمی ہی صحیح نتیجہ تک آدمی کو پہونچائے گی۔

گویا یوں سمجھنا چاہئے کہ خالق کی عبادت (نماز و روزہ) وغیرہ میں جو چوکس نظر آتے ہیں، لیکن اسی کیلئے مخلوقات کے تعلقات میں لا پرواہیوں سے کام لیتے ہیں، یا اسی کے برعکس مخلوقات یا حقوق العباد کو اہم قرار دیتے ہوئے خالق کیساتھ صحیح تعلق قائم کرنے کے ذوق سے جو محروم ہیں، یہ دونوں ہی طبقے انسانی سلوک کی صحیح فطری راہ سے ہٹے ہوئے ہیں، ٹھیک، سیدھے راستے پر وہی چل رہے ہیں، جن کی نگاہوں میں دونوں ہی کی اہمیت ہے۔

اسی کے ساتھ اگر اس نکتے پر بھی نظر رکھی جائے کہ عمل صالح کا ذکر عبادت رب کے پہلے کیا گیا ہے تو بظاہر اس سے یہ اشارہ بھی مل سکتا ہے کہ بین المخلوقات کی تعلقات کو ابھار کر خالق سے رشتہ جوڑنے والے غیر طبعی طریقہ عمل میں مشغول ہیں۔

هَذَا وَالسَّلَام عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهَدٰی

خاکسار۔ مناظر احسن گیلانی

یوم الجمعہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۵۲ء

عند اذان العصر۔ بہ مقام کھف الایمان المشہور، یہ ”مکرہ“
نورۃ کھف کے متعلق ایک ظلم و جہول کے واردات و احساسات پورے ہوئے،

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم

ولا توادخنا ان نسینا و اخطا نادلا تحمل علينا اصرًا

کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة

لنا به و اعف عنا و اغفر لنا و ارحمنا انت مولنا فانصرنا

علی القوم الکافرین

سمیعنا لا علم لنا الا ما علمتنا انت انت العليم الحکیم و اخر دعوانا

ان الحمد لله رب العالمین الذی بعزته و جلاله تتم الصالحات

پاکستان سے
سکے پاکستانی لکھ
پھر مالک شنگ

انقلاہ ماہنامہ

لکھنؤ

ہندستان سے
سالانہ چندہ ص
فی کپی کھٹائے

جلد ۹ بابت ماہ رجب ۱۳۸۶ نمبر (۷)

نمبر	مضامین	لکھنے والے	صفحہ
۱	نگاہ اولیں	مدیر	۲
۲	معارف الاحادیث	مدیر	۵
۳	تجدیریات و معاشیات	مولانا عبد الباری ندوی	۱۱
۴	المیہ فلسطین کے بنیادی اسباب	مولانا سید ابوالحسن عسلی ندوی	۱۷
۵	ڈیڑھ ہینے پاکستان میں	مدیر	۲۷
۶	انتخاب	ادارہ	۴۲

سُرخ پبل کاشان اس بات کی علامت ہے کہ جناب کی مدت خریداری اس شمارہ چہستم

ہوگئی۔ لہذا اپنا چندہ مبلغ (حصہ) بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر شکور فرمائیے۔ اگر ۲۰ مئی ۲۰۲۰

تک جناب کا چندہ وصول نہ ہوا اور نہ کوئی اطلاع آئی تو اگلا پرچہ دی، پی بھیجا جائے گا جس کا وصول کرنا جناب کا
اخلاقی فریضہ ہوگا۔ پاکستان کے حضرات اپنا چندہ سگریڈی صاحب ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلیا بلڈنگ
لاہور کے تپہ ارسال فرما کر ایک کارڈ کے ذریعہ اسکی اطلاع ہم کو ضرور دیں۔ قدیم خریدار صاحبان اپنا خریداری نمبر دیکھیں۔
دفتر الفرقان میں اگر جناب کے چندہ کی اطلاع ۲۰ مئی ۲۰۲۰ تک نہ آئی تو حسب قاعدہ شعبان کا پرچہ بذریعہ
دی، پی ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور سے آپکی خدمت میں ارسال کیا جائے گا۔ دیگر مالک کے حضرات اپنا چندہ ۱۲ شنگ
بذریعہ پوسٹل آرڈر ارسال فرمائیں

والسلام

منہجہ الفرقان

بِسْمِ اللّٰهِ — حَسْبُنَا — اَللّٰهُمَّ

نگاہِ اوّل

اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص انخاص رحمتیں اور برکتیں نازل فرمانے کے لیے سال کے بارہ مہینوں میں سے رمضان کا انتخاب کیا ہے، قرآن و حدیث کے نصوص و اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمتوں کا جتنا نزول اس ماہ مبارک میں ہوتا ہے اتنا سال کے باقی پورے گیارہ مہینوں میں بھی نہیں ہوتا — پھر احادیث سے کچھ ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ رحمت کی جو بارشیں رمضان میں آنے والی ہوتی ہیں ان کا کچھ سلسلہ شعبان ہی سے شروع ہو جاتا ہے، چنانچہ شعبان کی درمیانی رات (شبِ برات) کے بارہ میں صبحِ مسلم اور مسند احمد، اور سنن ابن ماجہ اور بیہقی وغیرہ میں جو حدیثیں روایت کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رات میں اللہ کی رحمت و عنایت بندوں کی طرف کچھ اسی انداز میں متوجہ ہوتی ہے جس طرح کہ رمضان کی راتوں میں —

بہر حال شعبان کا مہینہ رمضان کی رحمتوں کا گویا مقدمہ اور دیباچہ ہے اور رمضان میں برسنے والی بارشوں کی ہوائیں اسی مہینہ سے چلنا شروع ہو جاتی ہیں، اور غالباً اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ رمضان کے علاوہ تمام دوسرے مہینوں سے زیادہ روزے شعبان میں رکھتے تھے، بیانِ نمک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت کے الفاظ ہیں :-

كان يصوم شعبان ككنا (مشکوٰۃ) آپ شعبان کے پورے مہینہ کے روزے رکھتے تھے (علاوہ ازیں یہ بھی قرین قریب اس ہے اور سمجھ میں آتا ہے کہ شعبان میں زیادہ روزے رکھنے سے آپ کا مقصد رمضان کی رحمتوں کے استقبال کے لیے اپنے کو زیادہ تیار کرنا اور ملازمتِ علی سے اپنی مناسبت اور تعلق کو بڑھانا بھی ہو گا۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل اور اپنے ارشادات سے امت کو رہنمائی فرمائی تھی کہ

شعبان ہی کے معینہ سے اللہ کی رضا جوئی کے لیے اور اس کی رحمت و عنایت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے وہ اپنی سعی و کوشش کی رفتار تیز کر دیا کریں اور طاعت و عبادہ کی مقدار کو بڑھائیں اور جو بد اعمالیاں بندہ کو اللہ سے دور اور اس کی رحمت سے قطعی محروم کر دیتی ہیں ان سے مکمل احتساب اور ان کے بارہ میں اپنا پورا احتساب کریں۔ بلکہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء تھا کہ طاعت و انابت اور رضا اور اپنی کے لیے عبادہ والی فضا اسلامی معاشرہ میں شعبان ہی سے قائم ہونی چاہیے! ————— لیکن مسلمانوں کے لاکھوں گھرانوں نے آتش بازی وغیرہ جن خرافات اور جن شیطانی حرکات کے لیے اس مبارک معینہ کا انتخاب کیا ہے اور وہ اس معینہ میں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت اور آپ کے منشاء مبارک کی مخالفت کر کے شیطان کو خوش کرتے ہیں واقعہ یہ کہ بالکل سمجھ میں نہیں آتا کہ ایمان کے دعووں کے ساتھ ان شیطانی حرکات کا کیا جوڑ ہے۔

ہرگز مبادرنے آید ز دے اعتقاد

ایں ہمہ ہا کہ دل و دین پیرداشستن

ہوئی کے دنوں میں جب ہم اپنے بہت سے برادرانِ وطن کو وہ حرکتیں کرتے دیکھتے ہیں جو ہوش و حواس رکھنے والے کسی آدمی زاد سے سرزد نہ ہونی چاہئیں تو انسانی نیت کو انتہائی پستی میں گرا دیکھ کر برا رنج ہوتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ اللہ کی ہدایت اور پیغمبروں کی تعلیم کو نہ ماننا آدمی کو کتنی پستی میں گرا دیتا ہو اور شیطان ایسے لوگوں کو کیسا اپنی سواری میں لے لیتا ہے۔ لیکن شعبان کے مبارک معینہ میں اور پھر خاکسار اس کی رحمت والی دنیائی رات (شبِ برات) میں جب ہم بہت سے مسلمان کہلانے والوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اور ان کے بچے ————— رنگ اور گوبر و کچرے ہوئی کھیلنے والے ہلکے پاؤں دن سے بھی سیکڑوں قدم آگے بڑھ کر شیطان کے اشاروں پر آگ کی ہوئی کھیلنے ہیں اور اس دوزخی کھیل میں ایک دوسرے پر سخت لے جانا چاہتے ہیں تو انتہائی صدمہ ہوتا ہے اور دل خون روتا ہے ایسے اللہ کے غضب و رنج کی پھمکار کے سوا اور کیا کہا جائے کہ حیرانِ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں اور اپنے کو مسلمان کہلانے والوں نے اللہ کے احکام کی اطاعت والی ایمانی زندگی چھوڑ کے نفسانی خواہشات والی من مانی زندگی اختیار کر لی تو اللہ نے ان کو انسانی شرف سے اور بڑے بھلے کی تیز سے بھی محروم کر کے لامعقل حیوان بنا دیا اور اب شیطان جس طرح چاہتا ہو اپنی ڈوری پران کو پٹا تا ہو یہاں تک کہ ان آدم زادوں سے شبِ برات جیسی رحمتوں اور برکتوں والی رات میں وہ آگ کی ہوئی کھیلوا تا ہو۔ ————— یہ بچاؤ سمجھتے

شبِ برات کے بارہ میں احادیث میں آتا ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ بندوں پر رحمت کی خاص نظر فرماتا ہے اور ہر معافی بخش مانگنے والے کو معاف کرتا اور بخشتا ہے، لیکن چند گناہ ایسے ہیں مثلاً شرک، کینہ، قطع رحمی، والدین کی نافرمانی شراب خوردگی کہ ان کے کرنے والے اس ات کی مغفرت و رحمت سے بھی محروم رہتے ہیں تو ان حدیثوں کا تقاضا ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کی مغفرت و رحمت حاصل کرنے کے لیے اس رات میں دعا و استغفار کریں اور ان گناہوں سے بچیں۔ ۱۳

ہیں کہ ہم اور ہمارے کچھ کھیل رہے ہیں لیکن دراصل شیطان نے ان کو ناپاک کھلوانا بنالیا ہوا اور وہ ان سے کھیل رہا ہو۔
 دین اور شریعت بجائے خود، کیا عام انسانی عقل، الٰہی اجازت دیتی ہے کہ آدم زاد آگ سے کھیلے یا کوئی سال ایسا نہیں
 جاتا جس میں مختلف شہروں میں اس آتش بازی کے طفیل بہت سے گھر و محلے بھول اور کچھ انسانی جانیں اس کی بھینٹ نہ
 چڑھتی ہوں۔ اور پھر جو بے حساب روپیہ ہر سال آگ کے اس کھیل پر مسلمانوں کا برباد ہوتا ہو اس کا کچھ اندازہ اس سے کیا
 جاسکتا ہو کہ اسے چند برس پہلے ایک باخبر بزرگ سے خود راقم بطور نے سنا تھا کہ ہر سال شب برات کے لیے جو آتش بازی غیر
 ملکوں سے آتی ہو وہ ایک کرڈ سے زیادہ کی ہوتی ہے۔ اور اس میں کیا شک ہو کہ جو خود ملک کی تیار شدہ استعمال ہوتی ہو
 وہ کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ گویا ہر سال مسلمانوں کا کئی کرڈ روپیہ آگ کے اس کھیل پر ادا اس دوزخی تصرف کا پر صرت
 ہوتا ہو۔ اور بعض مقامات پر کو آتش بازی کا یہ سلسلہ شب برات سے بہت پہلے سے شروع ہو جاتا ہو۔ چنانچہ کھٹو میں ہم دیکھتے
 ہیں کہ شروع رجب سے۔ یعنی شب برات سے پورے دو تیرہ مہینے پہلے سے۔ آتش بازی کی دوکانیں سنبھاتی ہیں
 اور ہزاروں بچے پورے دو تیرہ مہینہ تک روزانہ اپنے گھروں سے پیسے لالاکر آگ خریدتے اور اس سے کھیلے ہیں۔ اپنے ذاتی
 شاہدہ کی بنا پر اندازہ ہو کہ صرف ایک شہر کھٹو کے مسلمانوں کا کم از کم ۴۰-۵۰ ہزار روپیہ ہر سال اس آگ بازی پر صرف ہو جاتا
 ہو گا۔ شہر کے انقلاب کے بعد خیال ہوتا تھا کہ مسلمان کھلانے والوں کے جس خداداد فروش طبقہ سے خرافات کے اس بازار کی رونق
 ہے، زمانہ کی تبدیلی شاید کبھی بدل دیگی اور اب وہ شیطان کی سمیت کوڑے کے اندر رسول سے اطاعت کا لعلق قائم کرے گا لیکن غاف
 و بختی کی انتہا ہے کہ اتنے بڑے انقلاب اور حالات کے اتنے عظیم تغیر نے بھی ان کے رویہ میں تبدیلی نہیں پیدا
 کی۔

ایمان کے دعوے اور اسلام سے نسبت رکھنے کے ساتھ جو لوگ اس قسم کی خرافات سے دھپی رکھتے ہیں یا جو
 اپنے بچوں کو آگ کی یہ بھولی کھلاتے ہیں وہ اپنی دنیا اور اپنا دین تو برباد کرتے ہی ہیں لیکن بڑے دکھ کی بات
 یہ ہے کہ اسلام کو نہ جاننے والی قومیں شب برات کو مسلمانوں کا ایک مذہبی تیوہار سمجھنے کی وجہ سے اس آتش
 بازی اور آگ کی اس ہونی کو بھی وہ اسلامی چیز سمجھتی ہیں۔ اسلام کے بڑے بڑے دشمن اپنی معاندانہ
 تمیزوں سے اسلام کو آنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا کہ اسلام کے ان نام لیواؤں کی اس قسم کی حرکات سے
 پہنچتا ہے۔ کیا ایسی قوم فلاح پاسکتی ہے جو اسلام کا نام لیتے ہوئے اس پر اتنا بڑا ظلم کرتی ہو۔
 بہر حال اسلام اپنے ان نام لیواؤں کی ان حرکتوں سے بری اور بیزار ہے بلکہ ان کے ظلم کا فریاد

۶۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور آپ کی تعلیم سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر
 توفیق ہو تو اللہ کی رحمت کے طالب بندے شعبان کے مہینہ میں روزے کثرت سے رکھیں۔ (باقی صفحہ ۵ پر)

معارف الہادیث

حوض کوثر اور صراط :-

حدیثوں میں آخرت کی جن چیزوں کا تعین کیا تھا اور نام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان میں سے یہ دو چیزیں بھی ہیں ایک حوض کوثر اور دوسری صراط۔ پھر کوثر کو بعض احادیث میں حوض کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہو اور بعض میں نہر کے لفظ سے۔ پھر بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوثر جنت کے اندر واقع ہے اور اکثر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا محل وقوع جنت سے باہر ہے اور اہل ایمان جنت میں جانے سے پہلے اسی حوض پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بار بار ہو کر آپ کے دست کرم سے اس کا نہایت سفید و شفاف اور بے انتہا لذیذ و شیریں پانی نوش جان کریں گے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ کوثر کا اصل مرکز ہی چشمہ جنت کے اندر ہے اور جنت کے طول و عرض میں اس کی مٹاخیں نہروں کی شکل میں ہر طرف جاری ہیں اور جس کو حوض کوثر کہا جاتا ہے وہ میکرڈوں میں کے طول و عرض میں ایک نہایت حسین و جمیل تالاب ہو جو جنت سے باہر ہے لیکن اس کا تعلق اسی جنت کے اندر کے چشمہ سے ہے گویا اس میں جو پانی ہو گا وہ جنت ہی کے اس چشمہ سے نہروں کے ذریعہ آئے گا۔ — آج کل کے نام بڑے تمدن شہروں میں نلوں کا جو نظام ہے اس نے بھی کوثر کی اس نوعیت کا سمجھنا اکھوٹا لکڑی کے لیے آسان کر دیا ہے۔

یہاں ایک یہ چیز بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ حوض کے لفظ سے عموماً لوگوں کا ذہن اسی قسم کے حوضوں کی طرف جاتا ہے جس قسم کے حوض انھوں نے عموماً دنیا میں دیکھے ہوتے ہیں لیکن حوض کوثر اپنی معنوی کیفیات اور اپنی خوش منظری میں تو دنیا کے حوضوں سے اتنا ممتاز اور فائق ہو گا ہی جتنا کہ جنت کی کسی چیز کو دنیا کی چیزوں کے مقابلہ میں ہونا چاہیے، مگر اس کے علاوہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رقبہ اور علاقہ بھی اتنا ہو گا کہ ایک راہرو اس کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارے تک کی مسافت ایک مہینہ میں طے کر سکے گا اور ایک حدیث میں اس کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک کا فاصلہ عدن اور عمان کے فاصلہ کے برابر بتلایا گیا ہے۔

بہر حال آخرت کی چیزوں کے متعلق احادیث میں جو کچھ ذکر کیا جاتا ہو اس کی روشنی میں بھی ان چیزوں کا صحیح تصور اس دنیا میں نہیں کیا جاسکتا۔ ان چیزوں کی جو واقعی نوعیت اور صورت ہے وہ صحیح طور پر کوسانے کونے کے بعد ہی معلوم ہوگی۔

یہی بات صراط اور میزان وغیرہ کے بارہ میں بھی ملحوظ رہنی چاہیئے۔

(۸۲) عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بينا أنا أسير في الجنة إذ أنا بنهر حافتاه قباب الدرد المجوف قلت ما هذا يا جبرئيل ؟ قال هذا الكوثر الذي أعطاك ربك فإذا طينته مسكاً اذخر (رواه البخاري)

(ترجمہ) حضرت انس سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس آنا میں کہ میں جنت میں چلا جا رہا تھا میرا گزر ایک (عجیب غریب) نہر پر ہوا اس کے دونوں جانب ”درد مجوف“ سے (یعنی اندر سے خالی کیے ہوئے موتیوں سے) تیار کیے ہوئے تھے۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے بتلایا کہ یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس کی مٹی (جو اس کی تہ میں تھی) وہ نہایت پھلنے والے مشک کی طرح خوشبو داتی تھی۔

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں سیر کرتے ہوئے نہر کوثر پر گزرنے کا جو منہ ذکر فرمایا ہے غالباً یہ شب معراج کا ہے۔ اور حضرت جبرئیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ”یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کیا ہے“ تو یہ قرآن مجید کی آیت ”انا عطیناک الکوثر“ کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ”ہم نے آپ کو کوثر دیا“ کوثر کے اصل معنی خیر کثیر کے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر کے جو خزانے عطا فرمائے مثلاً قرآن و شریعت اور اعلیٰ روحانی صفات اور دنیا اور آخرت میں آپ کی رفعت شان وغیرہ سب یہ سب بھی کوثر کے عموم میں اگرچہ داخل ہیں لیکن جنت کی یہ نہر اور اس سے متعلق وہ حوض جو میدان حشر میں ہوگا۔ (جس سے اللہ کے بے شمار بندے سیراب ہوں گے) لفظ کوثر کا خاص مصداق میں۔ یا یوں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین و ایمان کے سلسلہ کی جو بیش بہا نعمتیں عطا فرمائی تھیں جو آپ کے ذریعہ سے اللہ کے بے شمار بندوں تک پہنچیں، آخرت میں ان کا فہور اس نہر کوثر اور حوض کوثر کی شکل میں ہوگا جن سے اللہ کے بے شمار بندے فیضیاب اور سیراب ہوں گے۔

(۸۳) عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حوضی مسیبۃ
شہور ذریا یا مواء ماعاء ابيض من اللبن ودریجہ اظیب من المسک وکثیرا
کجھوم السماء من یثرب منها فلا یظلماء ابداً (متفق علیہ)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے حوض کی مسافت
ایک مہینہ کی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حوض کوثر مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس قدر طویل و عریض ہے کہ اس کی
ایک جانب سے دوسری جانب تک ایک مہینہ کی مسافت ہے) اور اس کے زاویے (یعنی گوشے) بالکل برابر
ہیں (اس کا مطلب لفظاً ہر پہلو ہے کہ وہ مربع ہے اس کا طول و عرض یکساں ہے) اس کا پانی دودھ سے زیادہ
سفید ہے اور اس کی خوشبو مشک سے بھی بہتر ہے اور اس کے کونے آسمان کے تاروں کی طرح ہیں (غالباً
اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کے ستارے جیسے حسین اور چمکدار ہیں اور ان کی کثرت کی وجہ سے جس طرح انھیں
گناہیں جا سکتا اسی طرح میرے حوض کے کونے بھی بے شمار اور حسین اور چمکدار ہیں) جو اس کا پانی پئے گا وہ
کبھی پیاس میں مبتلا نہیں ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

(۸۴) عن سہل بن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی فرطکم علی الحوض
من مرق علی شرب ومن شرب لم یظلم ابداً سیر دن علی اقوام اعرفھم وایعر فونہی ثم
یجال بینی وینھم فاقول انھم متی فیقال انک لا تدری ما احد فوا بعدک فاقول سمعتا سمعنا
لمن غیر بعدی — (متفق علیہ)

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حوض کوثر پر تمھارا
میرساں ہوں اور تم سے آگے جا کے تمھاری پیاس کا انتظام کرنے والا ہوں) جو میرے پاس پہنچے گا وہ
آب کوثر سے پئے گا اور جو اس کو پی لے گا پھر بھی وہ پیاس میں مبتلا نہ ہوگا۔ اور وہاں کچھ لوگ، جن کو میں بھی
پہچانوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانیں گے میری طرف آئیں گے لیکن میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ ڈال دی
جائے گی (اور انھیں میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا) تو میں کہوں گا کہ یہ آدمی تو میرے ہیں پس
مجھے جواب دیا جائے گا کہ تمھیں معلوم نہیں ہے کہ انھوں نے تمھارے بعد کیا نئی نئی باتیں نکالیں (اور کیا
کیا رخنے ڈالے) تو میں کہوں گا کہ بربادی اور دردی جہان کے لیے جنھوں نے میرے بعد دین میں فرق ڈالا
اور اس کو گڑبڑ کیا — (بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں جن لوگوں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ حوض کوثر پر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس جانے سے روک دیے جائیں گے اس کی تفصیل مشکل ہے کہ یہ کون اور کس طبقہ کے لوگ

ہوں گے۔ اور نہ اس کا معلوم کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ اس حدیث کا خاص سبق ہمارے لیے تو یہ ہے کہ اگر ہم کو اثر پر حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کے آرزو مند ہیں تو مضبوطی سے اس دین پر قائم رہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے لائے تھے اور اس میں اپنی طرف سے کوئی ایجا داو کوئی رو بدل نہ کریں۔

(۸۵) عن ثوبان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال حوضی من عدت الی عمار البقلہ ماء اشد بیاضاً من اللبن واحلی من العسل واکوابہ عدد نجوم السماء من شرب منه شرباً لم یظاع بعدھا ابداً اول الناس دررداً فقراء المهاجرین الشعث رؤسا اللانض شایباً الذین لا ینکحون المنوعات ولا یتفتح لهم السدد (احمد - ترمذی - ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت ثوبان سے مروی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اپنے فرمایا کہ میرے حوض کی مسافت (جتنی ہے جتنی کہ) عدن سے عمان بقاؤنگ۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہر سے زیادہ شیریں ہے اور اس کے گلاس گنتی میں آسمان کے ستاروں کی طرح (بے شمار) ہیں (اس کے پانی کی یہ صفت ہے کہ) جو اس میں سے ایک دفعہ پی لے گا اسے اس کے بعد کبھی پیاس کی تکلیف نہیں ہوگی۔ اس حوض پر سب لوگوں سے پہلے میرے پاس پہنچنے والے فقراء و ہاجرین ہوں گے۔ پریشان و پرانگندہ مردوں والے، میلے کھیلے کپڑوں والے جن کا نکاح خوش حال و خوش عیش حور و نوتوں سے نہیں ہو سکتا اور جن کے لیے دروازے نہیں کھولے جاتے (یعنی جن کو خوش آمدید نہیں کہا جاتا) ————— (احمد - ترمذی - ابن ماجہ)

(تشریح) عدن مشہور مقام ہے اور عمان بھی شام کے علاقہ کا مشہور شہر ہے۔ بقاؤنگ عمان کے قریب ایک بستی تھی، بطور امتیاز اور نشانی کے اس حدیث میں عمان ملقا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں عدن اور بقاؤنگ کے قریب واسے عمان کے درمیان جتنا فاصلہ ہے آخرت میں حوض کوثر کی مسافت اتنی ہوگی۔ اور واضح رہے کہ یہ بھی کوئی ناپی ہوئی مسافت نہیں ہے کہ ٹھیک اتنے ہی میل اور اتنے ہی فرلانگ اور اتنے ہی فٹ ہوں، بلکہ حوض کی وسعت کو سمجھانے کے لیے عرت کے مطابق یہ ایک تقریبی بات کہی گئی ہے اور مطلب یہ جو کہ حوض کی مسافت سیکڑوں میل کی ہوگی۔

آخر میں فرمایا گیا ہے کہ سب سے پہلے حوض پر پہنچنے والے اور اس سے سیراب ہونے والے وہ غریب و ہاجرین ہوں گے جو اپنے فقر و تنگدستی اور دنیا کی بے غنیمتی کی وجہ سے اس حال میں رہے ہیں کہ ان کے سردن کے بال بنے سدر سے نہیں رہتے بلکہ کھسکے ہوئے اور اکٹھے ہوئے رہتے ہیں، اور کپڑے بھی ان کے اچھے اچھے نہیں رہتے بلکہ میلے کھیلے رہتے ہیں۔ جو اگر نکاح کرنا چاہیں تو ان کی اس حالت کی وجہ سے خوش عیش اور خوش حال گھروں کی بیٹیاں ان کے نکاحوں میں نہ دی جائیں اور وہ اگر کسی کے گھر پر جائیں تو ان کے میلے کھیلے کپڑے اور ان کے

شکل و صورت کی وجہ سے کوئی ان کے لیے اپنا دروازہ دکھولے اور ان کو خوش آمدید نہ کہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے جن بندوں کا حال یہ ہو کہ دنیا کی بے غنمی اور دین میں انہماک اور فکر آخرت کے غلبہ کی وجہ سے جو اس دنیا میں غریب و تنگ دست ہو کر رہیں، دنیاوی صورتوں کے بناؤ و سنوار کی فکر رکھیں نہ لباس و پوشاک کی، وہ اپنی غربت اور دنیوی عیش کی اس قربانی کی وجہ سے آخرت کے انعامات میں مقدم اور فائق رہیں گے۔ ہمارے اس زمانہ کے جو حضرات اس طرز عمل کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے "تقشف" اور "رہبانیت پسندی" اور "دین کے غلط تصور کا نتیجہ" سمجھتے ہیں چاہیے کہ وہ اس قسم کی حدیثوں پر غور فرمائیں۔

ہر زمانہ کے کچھ افراد ہوتے ہیں جس طرح پہلے کسی زمانہ میں واقعی رہبانیت اور ترک دنیا کی غلط اور غیر اسلامی صورتوں کو اسلام کا پسندیدہ نہ ہر بعض حلقوں میں سمجھا اور سمجھایا جاتا تھا اسی طرح ہمارے اس زمانہ میں (شاید اس کے رد عمل میں) بعض حلقوں کا مستقل جحان یہ ہے کہ اسلام کو اور اس کی تعلیمات کو اس دور کے مادہ پرستانہ اور نفس پرستانہ تقاضوں کے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ کیا جائے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

(۸۶) عن سمرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لكل نبی حوضاً وانهم لیتباھون انھم اکثرہم۔ دغی والی لارجوان اکون اکثرہم وارثہ۔ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عمر سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخرت میں ہر نبی کا ایک حوض ہوگا اور ان کے درمیان اس پر فخر ہوگا کہ ان میں سے کس کے پاس پیئے والے زیادہ آتے ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ سب سے زیادہ لوگ پیئے کے لیے میرے پاس آئیں گے (اور میرے حوض سے سیراب ہوں گے)

(۸۷) عن انس قال سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یشفع لی یوم القیامہ فقال انا فاعل قلت یا رسول اللہ فاین اطلبک قال اطلبنی اول ما تظنونی یعنی السوط قلت فان لم القک علی الصراط قال فاطلبنی عند المیزان قلت فان لم یلقنی عند المیزان قال فانی لا احضرنی ہذا (الثلاث المواطن۔ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت انس (رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قیامت کے روز آپ میری سفارش فرمائیے گا؟ آپ نے فرمایا کہ میں تمھارا یہ کام کروں گا میں نے عرض کیا تو (قیامت کے روز) میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا سب سے پہلے جب تمھیں میری تلاش ہو تو صراط پر مجھے دیکھا میں نے عرض کیا اگر میں آپ کو صراط پر نہ پاسکوں تو پھر کہلاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا تو پھر میرے میزان کے پاس تلاش کرنا! میں نے عرض کیا اگر میں میزان کے پاس بھی آپ کو نہ پاسکوں تو پھر

کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا تو پھر مجھے حوض کے پاس دیکھنا! کیوں کہ میں اس وقت ان تین مقامات سے دور کہیں نہ جاؤں گا۔ (ترمذی)

(فتا) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخرت کی شفاعت ایسی چیز ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی جاسکتی ہے اور اگرچہ اس حدیث میں حضور نے اپنے ملنے کے مقامات حضرت انس کو بتلائے ہیں لیکن دراصل شفاعت کے سبب حاجت مندوں کے لیے حضور نے اپنے ملنے کے یہ تپے بتلائے ہیں۔

اللهم توفنا على ملته واسعدنا بشفاعته

(۸۸) عن المغيرة بن شعبه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
شعار المؤمنين يوم القيمة على الصراط رب سلم سلم!

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن صراط پر اہل ایمان کا شمار (یعنی ان کا امتیازی وظیفہ) یہ دعائیہ کلمہ ہوگا رب سلم سلم اے ہمارے پروردگار ہمیں سلامت رکھ اور سلامتی کے ساتھ پار لگا۔

(بقیہ صفحہ ۱۲) خاص کر ایام بغض (یعنی تیرہویں، چودھویں، پندرہویں) کے تین روزے اگر ہو سکے تو رکھیں، ورنہ کم از کم پندرہویں کا روزہ رکھیں اور اس کی رات یعنی شب براءت میں اپنے لیے اور دوسروں کے لیے اللہ سے مغفرت و رحمت کی خاص طور سے دعا کریں اور خوب الحاح سے دعا کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتلایا تھا کہ اللہ کے فرشتے جبرائیل نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس رات میں اللہ اپنے بندوں کی طرف خاص رحمت سے متوجہ ہوتا ہے اور بہت بڑی تعداد میں بندوں کی مغفرت فرماتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اطلاع پا کر برسے اٹھ کر دعا و مناجات میں مصروف ہوئے اور بہت دیر تک مشغول رہے اور اس سلسلہ میں ایک دفعہ اتنی دیر تک سجدہ میں رہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے دس سو گز راک کہیں حضرت واصل بن جحر تو نہیں ہو گئے، چنانچہ میں نے گھبرا کر آپ کے پاؤں کے انگوٹھے کو ہلایا اور جب مجھے حرکت محسوس ہوئی تب اطمینان ہوا — بس یہ ہے ایمان والوں کے لیے شب براءت کا مشغلہ اور وظیفہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ!

”تجدید سیاسیات و معاشیات“

[حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کی اصلاحات و تجدیدات پر جو ایک خاص تفسیقی سلسلہ طے محمد دم و محترم خاج مولانا عبد الباقی صاحب ندوی مدظلہ نے شروع فرمایا تھا اس سلسلہ کی تین مستقل کتابیں اسے کافی پہلے شائع ہو کر علمی اور دینی حلقوں میں مقبول اور اشرا کے ان ہزاروں بندوں کے لیے نافع اور منیف ہو چکی ہیں جن میں اس قسم کی چیزوں سے فائدہ حاصل کرنے کی صلاحیت اور استعداد باقی ہو۔ اس سلسلہ کی چوتھی (اور شاید آخری) کتاب — ”تجدید سیاسیات و معاشیات“ ہے جو ابھی شائع نہیں ہوئی جو مولانا موصوف نے ناچیز کی اس عمار اس کا مقدمہ ”الفرقان“ میں اشاعت کے لیے مرحمت فرمایا ہے جو ملاحظہ کے شکر یہ کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”دیانت مقصود بالذات ہیں اور سیاسیات دھما دھما و مقصود اہلی نہیں، بلکہ اقامت دین کا وسیلہ ہیں

یہی وجہ کہ دیانت و احکام دیانت تو انبیا علیہم السلام کو مشترک طور پر سونپ دیے گئے اور سیاسیات و

جہاد سب کو نہیں دیا گیا بلکہ جہاں ضرورت و مصلحت سمجھی گئی وہی گئی درج نہیں۔ وسائل کی یہی

شان ہوتی ہو کہ وہ بقدر ضرورت ہی دیے جاتے ہیں۔“ (حضرت محمد بخاری علیہ الرحمۃ)

معاشیات و سیاسیات کی فنی و اصطلاحی تعریف و تحقیق میں نکتہ آفرینیاں جو کچھ بھی کی جاتی ہوں، مدعا معاشی

فلاح و فراغ کا بہر حال اتنا ہی ہے کہ آدمی کی مادی یا جسمانی زندگی کی ضرورتیں تھوڑی بہت سہولت و راحت کے

ساتھ پوری ہوتی رہیں۔ سیاست و حکومت کا مطلب بھی اسی قدر ہے کہ ان ضرورتوں کی تکمیل انفرادی و اجتماعی، قومی و

بین الاقوامی امن و عافیت اور عدل و انصاف کے ساتھ ہوتی رہے یعنی معاشیات و سیاسیات کے سارے مسائل و مباحث کا تعلق ہر پھر کربہاری جہانی یا حیوانی زندگی کے بقا و تحفظ یا آرام و سائش سے ہو جس کا حاصل دوسرے لفظوں میں بھی ہو کہ یہ زندگی کے وسائل ہیں مقاصد نہیں۔

اب اگر اس زندگی کا کوئی اور مقصد یا مستقبل نہیں، تو لازمی نتیجہ بھی منجھلے گا کہ ”خوردن برائے زیستن“ کی منطق الٹ کر ”زیستن برائے خوردن“ ہو جائے۔ انسانی بستیوں کا چہ چہ جس روز نافرمانی و اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی شور و شر اور فتنہ و فساد، جنگ و جدال سے دوچار اور باہم دست و گریباں ہے۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہی انا سبق ہے کہ وسائل کو مسائل کے درجہ سے بڑھا کر مقاصد کا مقام دے دیا گیا ہے۔

یہ کوئی نئی بات نہیں بالکل سوئی بات ہے کہ اس زندگی کا خالی جینے کے علاوہ کوئی بھی اور مقصد قرار دیا جائے اور خواہ وہ اسی مادی و دنیاوی زندگی تک ہی محدود ہو پھر بھی خود یہ زندگی یا اس کی حفاظت و راحت کے اسباب اصل مقصود کے وسائل ہی قرار پائیں گے چھ جائیکہ جب مستقبل کی ایک غیر فانی — خیر و باقی — مستقل زندگی کا یقین و ایمان ہو تو پھر اس کے مقابل میں اس فانی زندگی کی تھوڑی بہت سائنوں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے اور اس کے بقا و تحفظ کے معاشی یا سیاسی وسائل کی نوعیت و مسائل در و مسائل سے زیادہ کیا ہوتی ہے۔ دنیوی معاشیات و سیاسیات کیا! اسلام کی نگاہ میں جب یہ دنیا اور اس کی زندگی خود ہی سرے سے مقصود نہیں بلکہ ایک بے انتہا وسیع و نامحدود زندگی کا محض راستہ ہے، تو راستے کے ساتھ وہ منزل کا معاملہ کیسے کیا کر سکتا ہے۔

بس یہی دورا رہہ ہے جہاں سے اسلامی و غیر اسلامی یا دینی و لادینی معاشیات و سیاسیات کی راہیں بھٹ کر بالکل الگ الگ ہو جاتی ہیں۔

انقلاب فرانس کے بعد یورپ جس سسر اسر مادی تمدن و تہذیب کی راہ پر پڑ چکا تھا۔ اس کا بالکل منطقی و نفسیاتی نتیجہ بھی ہو سکتا تھا کہ انقلاب روس تک آئے آتے علا ہی نہیں تو لای بھی انسان کا ماضی و حال مستقبل و آمل سب کچھ ہیٹ ہیٹ ہو کر رہ گیا اور اب تو سیاسیات کے بھی سارے دعوے لطینات ہی گئی گئی گونا گوں دعوؤں (ڈائیا لوجیز، اشتراکیت و اشتائیت وغیرہ) پر مبنی کیے جانے لگے ہیں۔ یورپ کی حکاکانہ گرفت و غلبہ کی بدولت معاشی و سیاسی تصور کا بھی لفظی ہیضہ ساری دنیا میں پھیل گیا دلی کی آواز دہ کر ہر جگہ اور ہر طرف شکم ہی کا بول بولا ہو رہا ہے۔

جو پوچھا دل نے اس جینے کا کچھ حاصل بھی ہے

شکم بولا کہ اسکی تنک کر کیا بندہ تو حاضر ہے

جن لوگوں کی نظر میں اس زندگی کا نہ کوئی آگاہی ہے نہ انبیائی دین اور اس کے آخری پیغام کے لائے اور بتاتے ہوئے انسانی زندگی کے تصور کو انھوں نے قبول کیا ہے وہ اپنی زندگی کو بے معنی دے مائل بنا کر حیرانی

معاشیات و دیاریات کی جن وادیوں نام نہاد، آئینہ بالوجہوں۔ میں جاہیں بینک، بینک، کمرہ بڈس۔ وہ کھاپی کر یا بہت سے بہت عیش و عشرت، عبادت و سلطنت کے ساتھ کھاپی کر مر جانے کے آگے آخر۔ سوچ ہی کیا کہتے ہیں رسول ان سے ہے جنہوں نے حیوانیت و لطیفیت سے اور کچھ ہو کر "ذخعت فیہ منی دروسی" کی روحانیت اور "انی جاعل فی الارض خلیفۃ" کی خلافت کے مقام کو اپنے لیے پسند کیا ہے اور اس ناسوتی یا مادی زندگی کو ایک اعلیٰ و ابدی منزل حیات کا مسافرانہ و امتحانی راستہ ہونا وحی و نبوت کی روشنی میں دیکھ لیا ہے ان کو راستے کے ساتھ منزل یا وسائل کے ساتھ مقاصد کا معاملہ کرنے کا حق کیا حاصل ہے؟

مسافر بہ حال مسافر ہی ہو۔ تھوڑا کلاس کے مسافرانہ میں پڑ رہے تب بھی جب منزل ہی میں دھرا ہے اور فرسٹ کلاس کے انتظار خانہ (وٹنگ روم) میں ٹھہر رہے جب بھی منزل ہی کے انتظار میں گھڑیاں لگ رہا ہونی ہو تو بھی مسافر فقیر ہے تو بھی مسافر حاکم ہے جب بھی مسافر محکوم ہے جب بھی مسافر۔ سرائے کے ساتھ وطن کا۔ راستہ کے ساتھ منزل کا یا وسیلہ کے ساتھ مقصد کا بڑا ذکر کرنے میں اپنی ساری جانی و مالی جیسی ذہنی توانائیوں کو دہرائیگا کہ اس کے دماغ میں خلل ہو۔

"سرائے میں کوئی یہ تنا کر سکے کہ یہاں ہمارے قانون سب لگا دے جائیں اور پھر اپنی کمائی سے لگا بھی دے تو کتنی بڑی حماقت ہے۔ خاص کر جب یہ حکم بھی ہو کہ مثلاً چار دن سے زیادہ کوئی اس سرائے میں قیام نہیں کر سکے گا۔ اس وقت تو اپنی کمائی و مل کی آرائش میں لگنا پورا خلل و مانع ہے۔ دنیا ایسی ہی محدود قیام کی سرائے ہے جس کے بعد بلا اختیار یہاں سے نکل جانا پڑے گا اور تو سرائے کا قیام اگر اختیاری بھی ہو تب بھی یہی ہونا چاہیے کہ اس کے ساتھ گھر کا معاملہ نہ کرے اور جب اختیاری بھی نہ ہو تب تو ہرگز بھی اس سے دل نہ لگنا نا چاہیے" (مجدد تھانوی)

مسافرانہ و قیمانہ ذہنیت کا یہ فرق دنیوی و دلائیسی یا اسلامی و غیر اسلامی معاشیات و دیاریات ہی میں نہیں مادی یا دنیوی زندگی کے چھوٹے بڑے تمام معاملات میں ہو گا اور عقلاً و نقلاً ہر طرح ہونا چاہیے، نہیں تو دین و اسلام کا دعویٰ نرا زبانی صحیح خراج ہے۔

فرض کرو کہ کسی مسلمان فرد یا جماعت کو سیاسی یا معاشی دونوں اعتبار سے حاکمانہ اقتدار و سطوت اور امیرانہ عیش و عشرت، آرائش و ذہنیت کے سارے سامان حاصل ہیں لیکن اسلامیت کا دعویٰ زبانی صحیح خراج سے زیادہ

۱۔ انسان کو کائنات کے خود خالق کی اطلاع ہے کہ "انسان میں خود اپنی روح میں نے پھونکی ہے" اور "زمین پر اس کو خود اپنا جانشین بنا رہا ہوں" ۲۔ مسجد یہ تصوف (جو اس سلسلہ تجدید دین کا دوسرا نمبر ہے) ۳۵۵ء

نہیں نہ مسلمانوں کی شکل صورت نہ نماز روزہ کی عبادات نہ معاشرت و معاملات، نہ اخلاق و عادات۔ دوسری طرف سیاسی اعتبار سے محکوم اور معاشی لحاظ سے مفلس کوئی مسلمان فرد یا جماعت ہے مگر آخرت کے ابدی مستقبل سے غافل نہیں مقدر و بھلا ظاہری و باطنی زندگی کتاب و سنت کے اعمال صالحہ سے محروم ہے خود ہی فیصلہ کر دے کہ اسلامی نقطہ نظر سے کوئی حالت زیادہ کامل اور قابل ترجیح ہوگی؟

بلاشبہ ایمان و عمل صالح کے ساتھ ساتھ اگر سیاسی و حاکمانہ اقتدار اور معاشی وسعت و فراخ بھی میسر ہو تو مقاصد دین کی حفاظت اور انفلاس کی کمزوریوں سے بچنے میں اعانت و سہولت ضرور ہوگی اس واسطی یا ثانوی درجہ میں معاشیات و سیاسیات کی اہمیت سے نہ انکار نہ دین و شریعت ہی کی صحیح درجہ باز راہوں سے ان کے حصول کی جدوجہد کے مطلوب و محمود ہونے میں کلام، بلکہ ایمان و عمل صالح کی اختیار بھر اسلامی زندگی خود ہی سیاسی اقتدار اور معاشی فلاح سب کی سب بڑی ضمانت تدبیر ہے لہذا مسلمان کا مسلمان ہونے کی حیثیت سے سیاسی برتری اور معاشی خوشحالی سے پہلے اور بعد جہاں اور جس حال میں بھی ہو مقدم کام انفرادی و اجتماعی ہر لحاظ سے بقدر استطاعت ”مومن صالح“ بننا اور بنانا ہے۔

کامل دین کی طرف سے ایسا ہی کامل نظام حیات عطا ہوا ہے جو محاکم و محکوم غنی و فقیر سب کو کمال انسانیت کی منزل پالینے کی یکساں ضمانت و تیلہ ہے یعنی اخروی زندگی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب کو جس طرح مالی وسعت کے ساتھ اور حکومت کے تحت پر پیچہ کو چلایا جاسکتا ہو۔ اسی طرح تنگ دستی اور کمزوری کی خاک پر لوٹ کر بھی، بلکہ اکثر صورتوں میں زیادہ سہولت و سرعت کے ساتھ۔ دین کامل کا یہ بڑا کمال ہے کہ دینی یا انسانی کمالات کے اونچے سے اونچے مقامات کی راہیں شاہ و گلہ، احکام و محکوم۔ تو نگر و تنگ دست سب پر بلا تفریق و تیز کیاں کھلی ہیں۔

اگر کوئی دین دنیا کے جاہ و مال، حکومت و ثروت کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کو بھی نفس دین کے مقاصد یا اجزا کا درجہ دے دیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ پوری انسانیت کے پورے حالات کو محیط و کامل دین ہی سرے سے نہیں کہ اس نے ایسی غیر اختیاری چیزوں کو دین کا جزو یا مقصود قرار دے دیا جن کا حاصل کرنا نہ ہرقت ہر فرد کے انفرادی طور پر قبضہ و اختیار میں ہے نہ ہر جماعت کے اجتماعی طور پر اسلام نے کو اپنی ساری تشریفاتی تکلیفات کا اساسی اصول ہی میں مخصوص فرما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا امتنا کسی کو بھی کوئی ایسی تکلیف نہیں دیتا جو اس کی اختیاری وسعت و طاقت سے باہر ہو ”لا یكلف الله نفسا الا وسعها“

غرض زندگی کی ایک راہ تو وہ ہے جس میں سیاسیات و معاشیات یا دوسرے لفظوں میں جاہ و مال ہی کو زندگی کا سہارا و مدد و آل ٹھہرا دیا گیا ہے اور جس کی دعوت کا خلاصہ تامل ”جنا کھانیکے لیے“ نہ کہ ”کھانا جینے کے لیے“ اور زندگی کی انفرادی و اجتماعی ساری طاقتوں کو اس طرح اسی الٹی لنگٹا میں بھا دیا گیا ہے کہ اس سوال کا سرے سے

ہوش ہی نہیں رہ گیا کہ

اس جینے کا کچھ حاصل بھی ہے؟

اس سوال کے گم کردینے نے خود انسانیت کو گم کر دیا ہے۔ سوا اللہ ذاتا ہم انفسہم۔ اور کچھ معین امن و عافیت کے ساتھ مقصد انسانیت کی تکمیل میں معین و کارآمد ہونے کی جگہ موجودہ معاشیات و سیاسیات کی ”ترک تانی ماہ“ نے بالآخر عصر حاضر کی پوری دنیا کو جہاں سوز و دہا کی گہرے جنگ کے ایسے مقام پر لا کر رکھ دیا ہے کہ ”ذباہے ماندن نہ پائے نقت۔ امن و امان صلح و دوستی کی راہ ڈھونڈنے نہیں ملتی۔ ابھی پرسوں (۲۰ جولائی ۱۹۷۱ء) کسی صاحب فکر فلسفی کا ”جوہری عہد کی حیرانیوں“ کے عنوان سے ایک مضمون نکلا ہے جس کی ابتدا میں ہے کہ

”ایسا وقت آ پڑا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑی بے بسی کے مخصوصہ میں پار رہا ہے۔ ہم اپنے کو بڑی جنگ کے منہ میں جاتا دیکھ رہے ہیں۔ جس کو پسند مشکل سے کوئی ایک تنفس بھی کرتا ہوگا۔ جس کی نسبت ہم جانتے ہیں کہ نوح انسان کے بڑے حصہ پر مصیبت نازل کر کے رہے گی۔ مگر ہمارا حال اس خروگوش کا سا ہو رہا ہے جس کو سانپ نے سحر کر رکھا ہو کہ گویہ بھانناک منظر ہم کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں مگر گریزی راہ نہیں پاتے ایک دوسرے سے ہم ایم اور ٹیڈ راجن بم کے دہشت ناک قہقہے بیان کرتے ہیں کہ شہر کے شہریت و نابود ہو جائیں گے۔ ہر جگہ قحط و درنگی کا دردورہ ہوگا اور گوہاری عقل کہتی ہے کہ ایسے منظر سے ہم کو لرزنا چاہیے۔ لیکن خود ہمارے نفس ہی کے اندر ایک ایسا حصہ بھی ہے جو اس سے مزے لیتا ہے اور مصیبت سے نکلنے کا عزم پیدا نہیں ہونے دیتا اس طرح خود ہمارے اندر ہی صحیح العقل اور فاجر العقل کی ایک گہری تقیم موجود ہے۔“

یعنی ہم بوقت و احد پاگل بھی ہیں اور ہوشیار بھی۔

غرض اسلام کا مطلوب آج کل کی مادی راہوں کی معاشیات و سیاسیات قطعی نہیں۔ نہ حکومت ثروت نفس نہیں کا کوئی ایسا مقصد یا داخلی و عنصری رکن ہے جس کے بغیر آدمی زماں و مکاں کے کسی حال و مقام میں پُر و دستا کے حقیقی کمالات کے حصول سے کسی درجہ میں محروم رہیں گے ہر حال و ماحول میں انسان صرف اپنی اختیاری وسعت و طاقت بھر ہی سہول و تکلف ہے۔ اسی وسعت و طاقت کے اندر رہ کر وہ انسانی یا دینی کمالات کے بلند سے بلند مطالب و مقاصد کو پاسکتا ہے مطلب وہی ہے کہ نفس دینی کمال و مقصد کی تکمیل کے لیے جاہ و مال ثروت و سلطنت کے خارج از وسعت و اختیار امور کو فرو وجہاے کسی کے لیے بھی اسلام نے دین کا جزو کیا اس طرح کی شرط بھی نہیں ٹھہرائی ہے جیسی کہ وضو یا تیمم نماز کے لیے۔

اور یہی راز معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا اصلی مَنعِ سیاسیات و معاشیات کی کسی خاص دعوت کے بجائے ہمیشہ ”معاشیات“ کی طرف بلانے کا رہا۔ کوئی سیاسی و معاشی ایجنڈا جو بالذات یا براہِ راست کبھی انبیائی پیغام نہیں بنی ضمناً و ذلیلاً جو کچھ معاشی دسیا کی ہدایات و احکام ملتے ہیں وہ بھی اصلاً معاشی مصالِح کے تحت اور وسائل کی حیثیت سے۔

اب آگے معاشیات و دیاریات پر الگ الگ کچھ تفصیلی معروضات سے پہلے ایک بات کا اور خیال میں رہنا ضروری ہے کہ معاشیات و دیاریات ہی پر متوفن نہیں اسلام کی علم و فن کی بھی خالص علمی و فنی حیثیت سے تقسیم و تربیت دینے نہیں آیا ہے سارے ایسے علوم و فنون جو بواسطہ یا بلا واسطہ کسی نہ کسی طرح ہماری مادی و ناسوتی زندگی کے بقا و تحفظ اور اس کے اسباب و تدابیر سے بحث کرتے ہیں ان کی تحقیق و تکمیل کے لیے ہم کو ایک خاص درجہ کی شعور و عقل و فہم اسی طرح خلقت عطا کر دی گئی ہے جس طرح ادنیٰ سے ادنیٰ حیوانات کیڑوں مکوڑوں تک کو اپنے بقا و تحفظ کی غیر شعوری جبلتیں (INSTINCTS) مذہب خصوصاً اسلام کا موضوع بحث براہ راست نہ اس ناسوتی زندگی کا بقا و تحفظ ہے نہ اس کے اسباب و وسائل کی تعلیم و تکمیل۔ مادی زندگی کی احتیاجات و تدابیر سے اسلامی احکام و ہدایات کو فقط اسی حد تک سروکار ہے جس حد تک ان کا دین — یعنی انسان کی اصلی انسانیت یا انسانی زندگی کے بنیادی اصولوں سے تعلق ہے۔

جو لوگ دینداری کے زعم میں اسلامی معاشیات و سیاسیات پر اسی رنگ میں مضامین یا کتابتیں لکھتے ہیں کہ جو کل کی خالص دنیا دارانہ معاشیات و سیاسیات کے مباحث و مسائل سے نفیاً یا اثباتاً ملادینا چاہتے ہیں۔ وہ دانستہ یا نادانستہ دین کو بھی دنیا ہی بنا کر اسلام کے حق میں صرف نادان دوست کی دوستی کا حتیٰ ادا فرماتے ہیں۔ اچھے اچھے اہل علم و نیک نیت حضرات تک کی تحریروں اس غلو سے مشکل پاک ہوتی ہیں انتہایہ کہ سترتا سر دنیا دی یا لادینی معاشیات و سیاسیات ہی کی رنگ برنگ دعوتوں (ایڈیا لوجیوں) کے مقابلہ میں دینی یا اسلامی معاشیات و سیاسیات کی بھی مستقل دعوتیں گڑھ گڑھ کر پیش کی جا رہی ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم معادیات کے دوش بدوش معاشیات و سیاسیات کی بھی کوئی خاص و مستقل دعوت حضرات انبیاء و خصوصاً نبی الاسلام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے مقاصد میں داخل ہے حالانکہ مقصد کے درجہ میں دینی یا انبیائی دعوت کا رخ تمام تر معادیات یا آخرت کی ابدی زندگی کے بناؤ بگاڑ کی طرف ہوتا ہے۔ قرآن نے اپنے نزول کی اسی غرض و غایت اسی ابدی زندگی کے بگاڑ سے ڈرانے اور اسی کے بناؤ کی بشارت کو تبلیغ کیا ہے کہ اس کتاب میں حیات آخرت کے بناؤ بگاڑ کے اعتبار

المیہ فلسطین کے بنیادی اسباب

— بَیِّنَاتٌ مِّنْ مَّوَدَّاتِهِ الْحَسَنَ عَلَى حَسَنِي نَدْوَى نَبِيٍّ —

مترجمہ: یقین الرحمن سنبھلی

پیش نظر تقریر دمشق کی یونیورسٹی جامعہ سوریه کے ہال میں کی گئی تھی، یونیورسٹی کے وائس چانسلر فلسطین ذریق نے (جو ایک شہوشامی عیسائی ناضل ہیں) اس کے لئے خصوصی دعوت نامے جاری کئے تھے اور شامی ریڈیو نے اعلان کیا تھا، اس موقع پر دمشق کے ممتاز اہل علم، اہل سیاست اور مختلف اسلامی وقوفی اداروں کے ذمہ دار موجود تھے جن میں ڈاکٹر سعادت الدواہی صدر پارلیمنٹ، اساذ محمد الماکار، درکن پارلیمنٹ و سابق وزیر (سابق وزیر اعظم) ہادی المایری سفیر شام اور یونیورسٹی کے متعدد اساتذہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، تقریر سے پہلے شہور شامی عالم و ادیب شیخ محمد ہجتہ البیطار پر و فیسر جامعہ سوریه و درکن مجمع علمی نے مقرر کا تعارف اور ہندستان کی علمی و دینی خدمات کا اعتراف کیا تقریر کے بعد شیخ مصطفیٰ السباعی نے تائیدی کلمات کئے اور مقرر کا شکریہ ادا کیا۔

اس تقریر میں قضیہ فلسطین اور اسکی ناکامی کے اسباب کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے حقیقی اسباب سے بحث کی گئی ہے اور بعض ایسے حقائق ظاہر کئے گئے ہیں جو عرب ممالک کے اہل فکر کو چونکانے والے ہیں، چونکہ یہ اسباب و حالات کچھ فلسطین سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ تمام اسلامی ممالک کی ناکامی اور عام کمزوری کے بنیادی اسباب ہیں، اس لئے اس کا ترجمہ مناسب سمجھا گیا کہ اس آئینہ میں دوسری مسلمان قومیں اور ممالک بھی اپنی صورت دیکھ سکتے ہیں۔

۱۵۱۸

معزز حاضرین! اتفاق سے بلاد عربیہ میں میرا آنا ایسے وقت ہوا ہے کہ فلسطین کا

قضیہ بالکل تازہ ہے۔ ہر شخص کی زبان پر اسی کا ذکر ہے، دماغوں پر وہی چھایا ہوا ہے اور وہی مجلس کا موضوع بنا ہوا ہے۔ اور کوئی شہر نہیں کہ یہ قضیہ اس سے بھی زیادہ ذکر و فکر کا مستحق ہے۔ اس لئے کہ یہ ہماری عورت

کراست کا معاملہ ہے، یہ ہمارے ایمان و عقیدے کا معاملہ ہے، یہ ہماری موت اور زندگی کا معاملہ ہے جس عظیم امت کو اس قضیہ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا اس کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے میں مجبور تھا کہ اس شکست کے واقعی اور بنیادی اسباب کا کھوج لگانے میں حصہ لوں اور واقعہ پر غور کرتے ہوئے اسکی تہہ پہنچنے کی کوشش کروں۔ میں نے تاریخ کی طرف رجوع کیا اور پھر ایک نظر فلسطین کے اس تازہ واقعہ پر ڈالی اور ایک نظر اس امت کی گزشتہ تاریخ کے اُن نازک مواقع اور خطرناک لمحات پر ڈالی جن سے یہ منظور منصور ہو کر گزرتی چلی آئی۔ اور اُنکے بعد میں نے سوچا کہ اپنی احوال میں آخر اسقدر زبردست فرق کیونکر ہونا ہو گیا، اس غور و فکر اور تلاش و جستجو کے نتیجہ میں جو کچھ میں سمجھا ہوں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس علمی اور سنجیدہ بحث و فکر کے لئے جامعہ، سوسائٹی، یونیورسٹی سے زیادہ بڑا مقام کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا کیونکہ جو نئی نسل اس میں پروان چڑھ رہی ہو اُسے یہاں سے باہر قدم نکال کر اس مسئلہ سے ضرور دوچار ہونا ہے۔

حضورات! قبل اس کے کہ میں اپنی فکر و جستجو کے نتائج آپ کے سامنے رکھوں ایک بات یہ عرض کر دوں کہ میں جن نتائج پر پہنچا ہوں وہ بعض حضرات کے لئے باعث تعجب بن سکتے ہیں اور اس موضوع پر بحث و فکر کے سلسلہ میں ہم جس اسلوب بحث اور جس طرز فکر کے عادی ہو گئے ہیں یہ نتائج اس سے ہرگز ہلکے بھی نہیں ہیں لیکن ایک تاریخی امانت ہونے کی حیثیت سے ان کا حق یہ کہ میں انھیں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں اور درخواست کروں کہ آپ ان پر غور فرمائیں اور اگر وہ صحیح معلوم ہوں تو پہلی فرصت میں ان کے علاج کی طرف متوجہ ہوں۔

محترم حضرات! میرا خیال یہ ہے کہ ہماری شکست و نکتہ کے اسباب ان اسباب سے بہت زیادہ گہرے اور پُرانے ہیں جن کی طرف عام طور پر اس موضوع سے بحث کرنے والوں کی نظر جاتی ہو۔ یہ اسباب فلسطین کے قضیہ سے بہت پہلے پیدا ہو چکے تھے اور برابر اپنا کام کر رہے تھے اور ان کے اثرات بھی عرصہ دراز سے اُن کے اندر دھنسا ہو رہے تھے اور اب اس قضیہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اسباب اپنا کام پورا کر چکے۔ اسی بنا پر اس قسم کے واقعات میں اُس شخص کے لئے ہجرت و استعجاب کا کوئی پہلو نہیں ہو جس کی نظر پہلے ہی سے اس طرح کا عوامل و اسباب پر ہو۔

حضرات! میں محسوس کر رہا ہوں کہ اس مختصر سی تہید ہی میں آپ کے چہروں پر غلامتِ استغناء ابھر آئی ہے اس لئے اب میں بغیر کسی تاخیر کے منہا چاہتا ہوں کہ یہ اسباب اجمالی طور پر میرے نزدیک صرف تین ہیں۔ (۱) امت کے افراد میں ان نفسیاتی اور اندرونی محرکات کی کمزوری جو عقیدے اور اصول کی راہ میں جان

دریدینے کو مرغوب اور موت کو محبوب بنا دیتے ہیں۔

(۲) جذبات قلب پر عقل کی مطلق الغان حکومت یعنی موت سے کھیلنے اور خطرات میں کود پڑنے

سے احتیاط۔

(۳) کسی ایسی شخصیت کا فقدان جس کے دل و دماغ فلسطین کا مسئلہ ستولی ہو جائے اور اس کی فکر اس کی اڑھنا

پہ کھونا بن جائے۔

اب میں انھیں تین باتوں کو علی الترتیب کچھ تفصیل سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) کائنات کے قانون کشش سے ہم سب کچھ نہ کچھ واقف ہیں۔ اس قانون کا تقاضہ یہ ہے کہ جو چیز

بھی ازمیل اجسام ہووہ اپنے مرکز یعنی نیچے کی طرف کھینچے۔ یہ قانون بجائے خود مسلم ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض قوتیں اس قانون کے عمل کو روک دیتی ہیں اور اجسام کو ان کے مرکز سے جھکا کر کے اوپر اٹھا دیتی ہیں مگر

کیا یہ یونی اتفاقاً ہو جاتا ہے؟ جی نہیں! ایسا صرف کسی عارض کی وجہ سے ہوتا ہے، پھر جوں ہی وہ عارض ہٹتا ہے

اس قانون کا عمل بحال ہو جاتا ہے اور جسم اپنی فطرت کے مطابق اپنے مرکز پر آ رہتا ہے، حضرات! بالکل یہی

حال نفوس انسانی کا ہے کہ ان کی فطرت اور جبلت میں تو زندگی اور راحت کی محبت بھری ہوئی اور انھیں کوئی

چیز زندگی اور راحت کی برابر عزیز نہیں ہے یہ ان دونوں چیزوں کی طرف اس سے بھی زیادہ تیزی سے پلکتے ہیں

جلی تیزی سے پانی سیب کی طرف بہتا ہے۔ لیکن یہاں بھی اگر کوئی نہ بردست عارض پنج میں آجاتا اور

انچ اس سبھی میلان سے موز دیتا ہوں کہ پھر وہ زندگی سے بلند تر کی کو زندگی پر رنج دینے لگے ہیں اوصافِ اہیں

شخصیت اور سہولت اور راحت اور سہولت سے زیادہ عزیز جائے گی۔

بھانے دوام کی خواہش انسان کی ایسی فطری خواہش ہے جو اس کی جسمانی بقا کے لیے ضروری ہے۔

[illegible]

جہنم یعنی جہنم علیہ السلام سے کہ اہل ایمان کے لئے جہنم ہے اور اہل کفر کے لئے جہنم ہے۔

فلاصحت کا درخت تنادول اور ایسی ماوشاہ جس میں کھم ضعف نہ آئے

حضرت آدم کی اسی بشری فطرت نے آپ کو اس مردود و انزلی

بڑی عالیشان تاریخی عمارتوں اور تعمیری مادہ گارہیں ہیں۔ یہ سب کہا ہیں کہ انسان کی اسی فطرت کا مظہر اور اس کے

گو ناگوں مطالبات کا جواب ہی تو ہیں جس کہ حضرت ہود علیہ السلام کا یہ ارشاد بتاتا ہے اَنْتُمْ نُونٌ بِكُلِّ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَتَّبِعُونَ ۖ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلَدُونَ ۝ (کیا تم ہر ملکہ جگہ پر اپنی نشانیاں قائم کرتے ہو؟)

کیا بے کار کام کرتے ہو۔ اور کارخانے قائم کرنے میں اس طرح منہمک ہو جیسے کہ تم کو ہمیشہ یہاں رہنا ہے۔)
حاضرین کرام! انسان کی پوری تاریخ ایک دلچسپ کہانی ہے۔ حیات اور اسباب حیات کے لئے
لگا تارنگ و دو کی! بقائے دوام سے محبت کی، انجم اور خوش عیشی کے اسباب کی پیہم جستجو کی! اور
راحت و خوشحالی کی مسلسل تلاش کی کہانی۔ یہ تاریخ ایک مسلسل تنازع اور کشمکش کی تاریخ ہے جو
زندگی اور اسکی راحتوں کے لئے انسان اور انسان کے درمیان ہمیشہ سے چاہو۔ مگر ہاں پتہ پتہ میں کہیں کچھ
طویل اور مختصر وقفے ایسے بھی ملتے ہیں جہاں انسان کچھ دوسرے قسم کے مقاصد کی طرف متوجہ، ان کا شہد
اور ان کی راہ میں ہنسی خوشی جان دیتا ہوا نظر آتا ہے بلکہ جس سرگرمی کے ساتھ اُسے عام زمانوں میں زندگی
کے لئے سرگرداں دیکھا جاتا تھا، ان درمیانی وقفوں میں وہ اسی شوق اور ولولہ کے ساتھ موت کا جو انتظار آتا
ہو۔ زندگی کے وہی حریص انسان ان وقفوں میں بلند مقاصد کی خاطر موت پر اس وارفتگی کے ساتھ گرتے
نظر آتے ہیں جیسے پروانے روشنی کے عشق میں شمع پر! اور موت کے مواقع کے حصول میں ایک دوسرے
سے بڑھ چاٹکی ایسی کوشش کرتے نظر آتے ہیں جیسے کبھی مال و اولاد میں بڑھنے کے لئے کیا کرتے ہیں۔

یہ کون سے زمانے ہیں؟ یہ وہ زمانے ہیں جن میں کچھ ایسی شخصیتیں پائی گئیں جنہوں نے کچھ اعلیٰ
حقائق انسانوں کے سامنے پیش کئے اور انسان نے ان کو اپنی ترجیح ان یا جس طرح ان سے پہلے زندگی کو ایک حقیقت
جان کر ان لیا تھا اور یہ حقائق بھی اسی طرح محبوب ہو گئے جیسے زندگی محبوب تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب ہو گئے کیونکہ
یہ حقائق زندگی کے مقابلہ میں بدتر یا اگر نقد حقائق تھے، اسی وجہ سے ان انسان نے اپنی زندگی اور زندگی کو فانی کر دیا۔ یہ قیمتی
سرمایہ ان حقائق کی راہ میں لٹا دیا اور بالکل بے وقعت پانی کی طرح بہا دیا۔۔۔ ورنہ کہاں انسان اور
کہاں یہ اشارہ اسکی تو فطرت ہی یہ ہو کہ وہ کسی چیز کو بھی ترک کر سکتا ہے جب اسکے مقابلہ میں دوسری چیز
اس سے زیادہ محبوب اور زیادہ قیمتی ہو۔ وہ اپنی زندگی کو بھی مٹا سکتا ہے اور مال و اولاد کو بھی قربان کر سکتا
ہو جب جان سے زیادہ پیاری اور مال و اولاد سے زیادہ محبوب کوئی چیز اس کے سامنے آجائے۔

طبائع بشری میں اتنا بڑا انقلاب کر دینے والی یہ شخصیتیں انسان کی حب بقا اور حب دوام کی
خواہش کو ایک دوسری دنیا کی طرف پھیر دیا کرتی ہیں جو اس جہان فانی سے کہیں زیادہ وسیع ہو اور جس کی
ابدی زندگی انسان کی فطرت حریص کے لئے اس دنیا کی محدود و مقید زندگی کے مقابلہ میں کہیں زیادہ موزوں
ہو۔ یہ عظیم المرتبت شخصیتیں روح اور عریض کے مجرد و ستور حقائق کو اپنے یقین اور انداز بیان سے اس طرح لگا ہوں
کے سامنے لا کر رکھتی ہیں کہ زندگی کی مددوں پر اپنی قبضہ گیر طاقتیں یعنی جہانی لذتیں اور حجبی چاہتیں اپنی
جزلوں سے ہل جاتی ہیں اور آدمی کے نفس اور اسکی روح پر اصل تسلط ان غیبی اور روحانی حقیقتوں کا ہوجانا

علیٰ ہذا ان حقائق کے سامنے مادیات و محسوسات کا وجود بھی نامہ پڑ جائے اور ان آن دیکھے حقائق کا وجود آدمی کو ان مادیات و محسوسات سے زیادہ واضح اور یقینی محسوس ہونے لگتا ہے، اس بنا پر ہزاروں بشری نفوس ایسے اعتقاد اور یقین کے ساتھ ان دستور حقائق پر جھک پڑتے ہیں جو مادیات و مشاہدات اور تجربات کے ایمان یقین سے بدرجہا زیادہ پختہ اور گہرا ہوتا ہے اور غیبی حقائق کی راہ میں موت کی ایسی حرص ان مومنین میں نظر آنے لگتی جو کاشاید زندگی کے پرستار زندگی کے لئے بھی ایسے حرص نہ ہوتے ہوں گے۔ یہ انقلابی شخصیات جن کا ذکر ہو رہا ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کی شخصیات ہیں اور یہ وقفہ انسانی تاریخ کے وہ لمحے ہیں جن میں نبوت آیا کی اور ایمان بالغیب پھیلا کیا اور وہ روئینیاں ہیں جو تاریخ کے صفحات پر بکھری پڑی ہیں، آپ دیکھیں گے کہ ان کے چاروں طرف سیارہی کے بادل محیط ہیں، یہ وہ آگے پیچھے کی جا ملیں ہیں جن درمیان ان کا نور چمکا ہے۔

تاریخ کے ان وقعوں میں سب سے زیادہ طویل، سب سے زیادہ اثر انداز، سب سے زیادہ مجر العقول اور تاریخ پر سب سے گہرے نفوش چھوڑنے والا وہ وقفہ ہے جو سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے وجود میں آیا، یہ وقفہ ایک تاریخی موڑ ہے جس نے انسانیت کے ذوق، اس کی خواہشات اور رجحانات میں ایک عظیم تغیر اور انقلاب برپا کر دیا۔ اس وقفہ تاریخ میں انسان پر یہ حقیقت کھلی کہ ”ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں“ اور اس کی منزل اس حیات فانی سے بہت بلند اور بہت آگے ہے اس لئے جب تک اس وقفہ کے اثرات کام کرتے رہے زندگی کا یہی حرص انسان اپنی منزل مقصود کی دھن میں زندگی کو اس طرح ٹھکراتا ہوا چلتا رہا جس طرح جواہرات کی جستجو میں نکلنے والا راستے کے سنگریزوں اور کنکریوں کو ٹھکراتا ہوا چلا جاتا ہے، اسی وقفہ میں لوگ ایک ایسی زندگی سے روشناس ہوئے جو فی الحقیقت زندگی کہلانے کی سستی ہے کیونکہ اس پر نہ فنا طاری ہو سکتی نہ زوال آ سکتا ہے اور نہ کوئی خوف و غم اس زندگی میں آدمی کو ستا سکتا ہے۔ شہادت کی موت کو اس زندگی میں حصہ پانے کے لئے شرط نہیں مگر چونکہ وہ ایک ایسا ہی ضروری جو آدمی کو اس تک بلا روک ٹوک پہنچانے میں کبھی خطائیں کرتا۔ اس لئے جیسے ہی لوگوں پر یہ حقیقت کھلی اس میں کوپا کرنے کے لئے دوڑ پڑے اور اس میں سے گزر جانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ پھر نتیجہ اپنی اپنی قسمت کے مطابق **فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَأُوا ابْتِدَاءَ اللَّهِ** وہ لوگ اس حقیقی زندگی کے محل یعنی جنت کے ثنوں کی زندہ تصویر بن گئے تھے، اسکے امتیاز نے رگ رگ میں ایسی خلش پیدا کر دی تھی کہ اس دنیاوی زندگی کی ایک ایک گھڑی ان پر گراں تھی، سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ایک موقع پر یہ پکار بلند ہوئی کہ:-

قَوْمًا إِلَى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ - (اُنھ کھڑے ہو اس جنت کی طرف جس کی عرض زمین اور آسمانوں کی برابر ہو۔) تو انھیں میں کے ایک مست شوق غیر بن احمام انصاری جو اس وقت چند چھوڑے ہاتھ میں لئے ہوئے کھڑے تھے جناب ہو گئے اور چھوڑے یہ کہہ کر پھینک دئے کہ ”میں ان کو کھانے کا انتظام نہیں کر سکتا اس میں تو بڑی دیر لگے گی“ یہ کہا اور اسلحہ سنبھال کر دشمن کی صفوں میں جا گھسے اور خاک خون میں تڑپتے ہوئے شہادت کے پل سے گزر گئے۔ اسی طرح ایک اعرابی فحش آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے اور اپنے حلقوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں اس رنگ تیر کھانے کی بیعت کر رہا ہوں“ کیوں —؟ تاکہ شہادت کے پل سے گزر کر ایک دم جنت میں پہنچ جاؤں۔ کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہو ان کے شوق جنت کا کہ کس طرح رگ رگ میں ساگیا تھا۔ آنحضرت کے ایک بوڑھے صحابی عمر بن ابیوسف جو غیر معمولی طور پر لنگ سے معذور تھے ان تک کو بھی اس لئے شوق نے ایسا مست کر دیا تھا کہ اس معذور اور بوڑھے جسم میں بھی دلوں شہادت کی برق کو نہندنے لگی تھی انھیں معلوم ہوا کہ حضور عزم جہاد فرما رہے ہیں تو ہر کامیابی کا تیسرا وقت آیا اور ان کا ارادہ دیکھا تو جوان جوان بیٹے جو جہاد میں جا رہے تھے انھوں نے روکنا چاہا اور کہا کہ ہمارا جانا آپ کی طرف سے بھی کافی ہے۔ نہیں مانے۔ بات حضور تک پہنچی، حضور نے بھی بیٹوں کی تائید فرمائی اور علاوہ ازیں یہ بھی فرمایا کہ تم تو معذورین میں سے ہو جاؤ تمھیں معاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف ہو۔ حضور کے اس اوصاف پر بیٹوں کی طرح جھل گئے بڑے اصرار سے بار بار اجازت چاہی، صرف اس آرزو کو پروا کرنے کے لئے کہ شہادت نصیب ہو جائے اور میں اپنے اس لنگ کے ساتھ جنت میں پہلوں پھروں چنانچہ غزوہ اُحد میں شریک ہوئے اور شہادت پائی۔

پھر یہ نہ صرف بڑوں ہی پر نہیں چڑھا ہوا تھا بلکہ ان کے وہ بچے بھی اس میں چور تھے جن کی عمر کھیل کود میں گن رہنے اور نظرات سے دور رہنے کی تھی۔ غیر بن ابی وقاص انھیں نوہا لوں میں سے تھے جو ایک غزوہ کے موقع پر اسلامی فوج کی صفوں میں ادھر سے ادھر پھرتے پھرتے تھے کہ کیں ایسا ہو کہ حضور دیکھ پائیں اور کم عمری کی وجہ سے واپس کر دیں، اتفاق سے اس حالت میں ان کے بڑے بھائی سعد بن ابی وقاص کی نظر ان پر پڑی، انھوں نے کہا غیر کیا بات ہے کہوں ادھر سے ادھر پھرتے پھرتے ہو؟ کہا بھائی میری تو شہادت کے لئے بیچین کئے ہوئے ہے اس لئے میں ان جنگ میں جانا چاہتا ہوں لیکن ڈر یہ ہے کہ کیں حضور نے دیکھ لیا تو واپس کر دیں گے کہ تو ابھی بچہ ہے میں اس لئے چھپنا چاہتا ہوں کہ حضور کی نظر مجھ پر نہ پڑے اور کسی طرح فوج کے ساتھ مدینے کے محل جاؤں، مگر ایک مرتبہ حضور کی نظر غیر پر پڑی اور وہی ہوا جس کا غیر کو خطرو تھا، یعنی حضور نے کم عمری کے پیش نظر فوج میں جانے سے

منع فرمایا مگر یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اُٹارے

انہوں نے پھوٹ پھوٹ کر دنا شروع کر دیا، آنسوؤں کے مصوم قطرے اس مصوم کی سفارش کے لئے حضورؐ کے قدموں میں گر پڑے۔ بچوں کے اس سفارشی کی سفارش عام طور پر بہت کم رد ہوا کرتی ہے پھر حضورؐ جو شفقت اور نرم دلی میں دنیا کے لئے نمونہ تھے کیسے اس سفارش کو رد فرما دیتے، چنانچہ غیر کو اجازت مل گئی، غیر کے بچپن کا کیا حال تھا اس سے اندازہ فرمائیے کہ ان کے بھائی نے جب انکی کمز میں تلوار لگائی تو پر تلہ ان کے پھوٹنے سے جسم پر قحط نہ آسکا اور اس میں گرہ لگائی پڑی، الغرض گئے اور شہادت سے سُرخرو ہوئے۔

ایک دوسرے نوعمر کا شوق شہادت ذرا ملاحظہ فرمائیے! یہ صاحبزادے رافع بن خدیج ہیں، سن ابھی پورے پندرہ کا بھی نہیں ہو، قد و قامت سے بھی کم عمری عیاں ہو مگر شہادت کا شوق کتنوں کے بل کھڑے ہو ہو جاتے ہیں تاکہ لوگوں کو کم عمری کا احساس نہ ہو اور فوج کے ساتھ نکلنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے لیکن ان بلوں سے کہیں بچپن چھپ سکتا ہے۔ حضورؐ انھیں دیکھ کر واپس کر دیتے ہیں۔ اب واقعہ کی نوعیت اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بن جاتی ہو۔ باپ اٹھتا ہے اور اپنے سخت جگر کے لئے سفارش کرتا ہو کہ حضورؐ اس کو جانے دیں! اللہ اشد البکا نظر ہو۔ باپ! اور جنگ کا کھیل کھیلنے کے لئے بچے کی سفارش!! زمین و آسمان شاید حیرت سے منہ مہک رہے ہوں گے۔ آخر اجازت مل گئی اور رافع مسرت سے جھوم اٹھے۔ پاس ہی رافع کے بھائی عروہ بن حبیب کھڑے یہ تاشہ دیکھ رہے تھے، رافع کو جو اجازت ملتی دیکھی تو رہا نہ گیا۔ حضورؐ سے عرض کیا اگر آپ انھیں ساتھ لجا رہے ہیں تو مجھے بھی یہ جاننا پڑیگا، میں ان سے زیادہ طاقتور ہوں، چاہے آپ بھی کشتی کرا کے دیکھ لیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا اچھا بھئی لڑو، کشتی ہوتی جو اور کمرہ رافع کو پکھاڑ دیتے ہیں، چنانچہ پھرا انھیں بھی مجاہدین کی صف میں کھڑے ہوئی ابلو دینی پڑتی ہو۔ ذرا خیال فرمائیے! ایک طرف یہ کس بھی جو جنگ میں شریک ہونے کیلئے اعلانِ طرح کے جیلے اور مذاہیر کا کام میں لاتے ہیں اور زخم کھانے اور لوبہ ہانے میں ایک بچہ دوسرے بچے سے آگے رہنا چاہتا ہو اور دوسری طرف ہمارے کج کے کس ہیں جو کج کے ایسے دوسرے بھی کہ جہانی سزا و نادیب ممنوع قرار دیدی گئی ہے، مدد نہ جانے سے ہی چراتے ہیں، پھر یہ ان کا زار کا تو ذکریٰ کیا۔ یہ بچے جانتے ہیں کہ اسکول میں ان پر کوئی مصیبت نہیں ٹوٹے گی، مار پیٹ نہیں ہوگی بلکہ صرف کچھ کھنا پڑھنا اور اس کے ساتھ دھپسی اور قریح کے لئے شفقت قسم کی کھیل مگر پھر بھی اسکول کے نام سے ان کی روح گھبراتی ہو۔ اس کے برعکس وہ بچے جانتے تھے کہ باندن جنگ کا ہوتا ہو وہ جانتے تھے کہ اس فیلڈ میں گیند بٹے سے نہیں ٹھیسروں سے کھیلایا جاتا ہو، مگر اس جاننے کے باوجود وہ خود ہال جانا چاہتے تھے اور کوئی روکتا تھا تو چل جاتے تھے۔ حضرات! اس اندازہ و ظمار! میں آپسے دریافت کرنا

چاہتا ہوں کہ کیا آپ اپنے وسیع تر علم و مطالعہ کے باوجود انسانی تاریخ کے کسی قطعہ اور کسی دور میں اس خاص دور ایمانی کے بچوں، اسکے فوجانوں اور اسکے بڑھوسوں کی کوئی مثال نہیں پاتے ہیں، جنگ کی آگ میں کودنے کے لئے مسابقت کے اس جذبہ کی کوئی نظیر آپ کو ملتی ہو، زندگی کی ایسی بے وقتی اور موت پر انسان کی ہرجاسات تاریخ کے کسی دور میں بھی دیکھنے میں آتی ہے؟

یہ ہر وہ ناقابلِ تسخیر قوت جو رسالت کی تعلیمات نے اہل عرب میں پیدا کر دی تھی اس قوت کے ساتھ جب وہ ایک بار اٹھے تو پورے عالم کو زیر و بر کر ڈالا اور ایک نصف صدی کے عرصہ میں نصف دنیا پر تسلط بحال کیا، اس قوت کے بل پر انھوں نے ایسی ہی سرکش اور طاقتور قوموں کو زیر کیا جنھیں ان کی تنہا جنگی قوت زیر نہیں کر سکتی تھی یہی وہ قوت تھی جس کے سامنے رومِ دایران نے اپنی جنگی قوت کی ہزاروں گنا زیادتی کے باوجود گھٹنے ٹیک دئے، یہی قوت تھی جس نے مغرب میں بربر مشرق میں ترک و افغان اور علاقہ سندھ میں جاٹوں اور ٹھاکروں کی عربوں کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا، حالانکہ صدیوں سے کوئی بڑے سے بڑا فاتح ان کے غرور و قوت کو ٹھیس نہ لگا سکا تھا اور شکستِ ہزیمت کے الفاظ ان کے لہزے سے محو ہو چکے تھے لیکن عربوں کے مقابلہ میں ان سب کا غرور پاش پاش ہوا کیوں؟ اس لئے کہ عرب لڑتے تھے شہادت کی آرزو میں اور یہ قومیں لڑتی تھیں زندگی کی ہوس میں! اور ایسے دو حربوں کا مقابلہ کیا جن میں سے ایک تو لڑنا ہوا اس لئے کہ موت آجائے اور دوسرا لڑنا ہوا اس لئے کہ جان بچ جائے ایک موت کا گلہ لگانے کے لئے لپکتا ہوا، دوسرا اسکے سایہ سے بھی اپنے کو دوہرا کرنے کی کوشش کرتا ہوا۔ ایک نے شہادت اور جنت کی طلب میں تلواروں کی پھاؤں اختیار کی اور دوسرے نے اپنی زندگی اور اس کی لذتوں کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھائی، ہوشیارستان مابین نہ تھا۔ بس یہی فرق تھا جسکی وجہ سے عرب سر پہنے حربوں پر ہر معرکہ میں غالب رہے کیونکہ فتح و شکست کا یہ اہل قانون ہو کہ جو زندگی کو بچ بچھٹا ہو اور موت کے خطرے کو خاطر میں نہیں لانا وہ جیتتا ہے اور جسے زندگی پیاری ہوتی ہے وہ ہمیشہ مات کھاتا ہے۔

بہر حال عربوں کی اصلی طاقت یہ تھی، اس طاقت کا سرچشمہ اور نوازہ رسالت کی ربیبہ علیہ السلام (ایمان) ہو۔ یہ ایمان انسان کو خواہش پرستی، حرص زندگی اور خوفِ موت کی پستیوں سے اٹھا کر زندگی کی بے وقتی اور طلبِ شہادت کی بلند یوں پر جا کر کھتا ہے۔ اس ایمان نے عربوں کی اس بشری طبیعت کو پوری طرح مغلوب اور بے اثر کر دیا تھا جو ہمیشہ طولِ حیات کی حرص، موت سے گریزاں اور راحت پسند ہوتی ہے۔

لیکن امتِ اوزما کے ساتھ ساتھ عربوں کی اس منازِ مسخوی قوت میں انخطاط آنا گیا اور اگلی امتوں کی ہلک بھار یاں، زندگی کی ہوس، راحت کی طلب اور خواہشات کی پریشانی ان میں دفنہ رفتہ گھسنا شروع ہو گئیں۔ اسی انخطاطِ مسخوی کے دور میں انھوں نے عجمی تہذیب کے اثرات کو قبول کرنا شروع کیا کہ اس تہذیب نے

انہیں اور تو کچھ دیا ہو یا نہ دیا ہو لیکن شہسواروں اور مردانگی کا وہ جوہر ان سے ضرور چھین لیا جو مردوں سے انکی طرف سے امتیاز تھا، اسی تہذیب کے زیر اثر انکی سادگی اور جفاکشی کی وہ قومی خوبی بھی مست گئی جو پچھلی صدی عیسوی کی مرضی اور مضامین قوموں کے مقابلہ میں ان کے ایک زبردست معادن کی حیثیت رکھتی تھی اور اس خوکے جگہ تنعم، تفسیح اور نزاکت نے لے لی، پھر اب آخر میں اگر مغربی تہذیب اور اس کا مادی فلسفہ حملہ آفر ہوا۔ اس آخری حملہ کو انہیں حیات چند روزہ کی تقدیس اور مادہ کی مبالغہ آمیز توفیر کا مرض لاحق ہوا اور اس مرض سے زندگی کو خطرات میں ڈال دینے اور اُدھار کو نقد پر ترجیح دینے کے پُر جوش جذبات سرد ہو گئے۔

اب ایک طرف تو یہ انحطاط اور انحلال ان میں آیا اور دوسری طرف ایمان کی جگہ ایسی کوئی اور چیز نہ لے سکی جو ان میں بلند نظری اور عالی مرتبتی کو قائم رکھتی اور شہزادہ قومی کی حفاظت کرتی۔ نتیجہ یہ ہو کہ بالکل ہی خالی رہ گئے نہ دلوں کو گرمانے والا ایمان نہ تھا نہ جمعیت اور وحدت کو قائم رکھنے والی کوئی ٹھوس بنیاد تھی اور نہ کوئی ایسا بلند نصب العین تھا جس کے حصول کا خیال شہوات نفس کی پرستیوں کو قابو میں کئے رکھتا۔

اس کے برعکس خاص مادہ پرست اقوام کو ایمان سے دوسرا سرچروم نہیں مگر انھوں نے اپنی زندگی کو بالکل بے اساس اور بے مقصد بنیں رکھا بلکہ کسی نظریاتی اساس سے وابستہ کر کے ایک سطح نظر اور نصب العین متعین کر لیا جس کے حصول کی فکر نے ان کی جمعیت کو ایک لڑی میں پرو دیا اور افراد کی متضادم خواہشات و اغراض پر بڑی حد تک کنٹرول کر لیا۔ اس لئے اب بجائے عربوں کے ان قوموں میں رہنے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ اپنے مقاصد کی خاطر بے تکلف قربانیاں کرنے لگے، انھوں نے اپنے اندر دنیوی نزاعات و اختلافات کو پوشش ڈال دیا، نصب العین کی لگن نے انھیں پھوٹی پھوٹی باتوں، من و تو کے جھگڑوں اور سبب غرض سے بالاتر بنا دیا، غرض کہ ان اجتماعی مقاصد کے مقابلہ میں ہر محلی سے اپنی اور ہر محلی سے قریبی جتنی کہ جان و عورت بھی ان کی نظر میں کم قیمت ہو گئی، ان اجتماعی مقاصد اور عزائم نے ان کے دل و دماغ اور شعور و ادراک پر اس طرح قبضہ کیا کہ باوجود بعض نقائص کے یہی ان قوموں میں ایک تازہ قوت اور ایک نئی روح و دھڑانے والا ایمان و عقیدہ بن گئے، یہ ایمان اگرچہ اس ایمان کے مقابلہ میں نوکر و رہو ناہو جو تعلیمات نبوی کی گہری بنیادوں پر قائم، آخرت کی فکر پر مرکوز ہوا اور دلوں کے پنج میں جگہ پگڑے، لیکن اس مؤخر الذکر ایمان کی اگر صرف بے جا اور بے رنج صورت باقی رہ جائے تو پھر اول الذکر کا نیا پان اور اسکی تازگی ضرور اس کو شکست دیتی ہے اور ان مادہ پرست قوموں کا نظام زندگی باوجود ایمان و تقویٰ سے نا آشنا ہونے کے اسلام کی اسلامی زندگی پر غالب ہو رہا ہے جس کا کوئی مقصد اور کوئی پیغام نہیں، بلکہ زیادہ تر محسوس الفاظ میں وہ اغراض و خواہشات کی زندگی، اختلافات و مناقشات کی زندگی جو شخصی حرص و طمع اور جہر و دیتوں کی زندگی جو نفیض و حد اور

کبہ و عباد کی زندگی ہے فوضویت اور انتشار کی زندگی ہے۔

حضرات محترم بافتح و ظفر زماں جنگ اور اسلحہ کی بہتری اور برتری پر موقوف ہو، نہ جنگی چالوں میں دشمن سے زیادہ ماہر اور پروہین گنڈے کے فن میں طاق ہونے پر موقوف ہو!! اس کا اصل دار و دار ہے، وہ کہ اپنے بنیادی عقائد کے حق اور نصب العین کے صحیح و واجب حصول ہونے کا یقین دایمان دشمن سے زیادہ ہو، دلوں میں مقصد کی لگن اور تڑپ دشمن سے زیادہ ہو، اسلحہ کی خاطر مٹنے کا جذبہ دشمن سے زیادہ ہو۔ لڑنے اور مرنے پر ابھارنے والے اندرونی محرکات دشمن سے زیادہ تیز اور طاقتور ہوں لیکن انفسوس یہ کہ کفر و ظفر کی ہی شرط ہم میں مفقود ہو گئی ہے، بھاد و ایثار کی روح ہم میں مضاعف ہو۔ ہمارے دلوں میں جو اس کی برہم نکلیں وہ سوکھ گئی ہیں، عرصہ دراز سے ان کو غذا پہنچانے اور پانی دینے کا کام بند پڑا ہوا ہے۔

بس اب سب سے اہم اور سب سے مقدم کام یہ ہو کہ ان سوکھی ہوئی جڑوں میں اگر کوئی رین بانی ہو تو ان کی سیرانی کا انتظام کیا جائے ورنہ نئے سرے سے اس روح کو پیدا کرنے کی کوشش کی جائے خواہ کتنی ہی مشکل کیوں نہ پیش آئے اور کسی ہی بڑی سے بڑی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے، کیونکہ اس روح کا سرود پر بھانا اُمت کے حق میں ایک زبردست خطرے اور خدائے کی علامت ہو اور خدا نخواستہ اس کا خاتمہ! یہ فلسطین اور اندلس کے سانحے بھی شدید تر سانحہ بن سکتا۔ لا خدر اللہ۔ اشارہ و قربانی پر ابھار والی یہ روح اگر ہم میں محفوظ ہو تو پھر نہ کسی خوف کی ضرورت ہو اور نہ اندلس و فلسطین پر حسرت کرنے کی، اس لئے کہ اس روح کے ساتھ اگر صحیح رہنمائی اور پر عزم قیادت بھی اُمت کو میسر آجائے تو اسے ہونے میں مل جیتے جاسکتے ہیں اور چھٹی ہوئی ستارے واپس لی جاسکتی ہو لیکن اگر یہ روح اور یہ طاقتور محرکات ہمارے اندر سے نکل گئے۔

_____ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل محنت، حکیمانہ تربیت، منفرد شخصیت اور غیر ملکہ تعلیم کے ذریعے پیدا کیا تھا۔ تو پھر سمجھ لینا چاہیے کہ ہم اپنا اس امداد بھی کھو بیٹھے، زندگی اور موت کے خزانے کی کتنی ہمارے ہاتھ سے نکل گئی اور کھوئے ہوئے کی دلہی کے خواب دیکھنے کے بجائے اب بچے کچھ ہی کی خیر منافی چاہیے۔

لیکن واضح رہے کہ یہ کام جنگ کے زمانہ میں کرنے کا نہیں ہو، جنگ کا زمانہ تو ان محرکات کی کپی ہوئی افضل کاٹنے کا ہوتا ہے نہ کہ ہونے اور سینچنے کا پس جس نے ہونے کے وقت پر وہ انہیں سینچنے کے وقت پر سینچا نہیں دلائے کے وقت پر کاٹنے کا کیا، آج ہمیں ضرورت ضرور ہو کہ ان محرکات کی افضل ہمارے سینوں میں کپی کھڑی ہو لیکن ایسا ممکن کب ہو، جب کہ ہم نے اس افضل کو تباہ کرنے کی کوشش نہیں کی اور دل کی زمین۔ جس میں یہ فصل پیدا ہوتی ہے۔ کی ایک مدت سے دیکھ بھال چھوڑے ہوئے (باقی صفحہ پر)

جیسی ہوتی چاہئے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے پاکستان بننے کے بعد جیسے مواقع یہاں دے دیں اس کے لحاظ سے تو یہ کام یہاں بہت کم ہے لیکن ایک چیز ہے جو مستقبل کے بارے میں امید مند ہوتی ہے اور گو تاہینان دلائی ہے اور وہ یہ کہ اللہ کے چند غلص بندے اس راہ میں ایسی غلصائے مختلفیں اور قربانیاں کریں گے جن سے ہم جلیوں کو عبرت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی کوئی سے یہ امید ہوتی ہے کہ وہ اپنے ان بندوں کی محنتوں کو ضرور بار آور قرار میں لے گا۔ ان میں سے اکثر ملازمت بدیشہ ہیں بعضے خامی بڑی تنخواہیں پانے والے بھی ہیں۔ غالباً بعض تاجر بھی ہیں اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کو قبول فرمائے اور ان کی محنتوں کو بار آور کرے۔ ان میں سے بعض کا حال تو یہ ہے کہ کراچی میں رہتے ہوئے ہفتوں گھر جانے کا ان کو موقع نہیں ملتا کی مسجد (جو یہاں کے تبلیغی کام کا مرکز ہے) اور جو پاکستان کے کام کے لئے گونا گونا نظام الدین کی بنگلہ والی مسجد ہے بلکہ خستہ حالی اور بے سرو سامانی میں جو اس سے بھی کچھ آگے ہے اسی کا متعلقہ صحن گویا ان دوستوں کا عقد ہے۔ رات کو وہیں جمع ہو کر مشورے اور دینی تقاضوں کے متعلق سوچ بچار کرتے ہیں پھر وہیں بڑے سو جاتے ہیں۔ نماز فجر کے بعد پھر کچھ تنگی لیں اور بجوئے زمیں کرتے ہیں پھر وہیں سے اپنے اپنے دفنوں یا دوکانوں پر پہنچ جاتے ہیں اور دفنوں سے خانہ ہو کر پھر سیدھے وہیں آجاتے ہیں دو دو دقت کا مکنا بھی ان کے گھر سے ملتی ہے یہی پہنچتا ہے اور باہر سے آئے ہوئے تبلیغی سلسلہ کے ہمارے روزانہ ان کے ہمارے اور شریک طعام ہوتے ہیں۔ فی الحقیقت بڑی قابل رشک ہے ان کی زندگی بعض دوستوں کے متعلق معلوم ہوا کہ کبھی کبھی ان کو گھر کی صورت دیکھتے ہیں نہ سے اوپر ہو جاتا ہے اور ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ اگر دین کی راہ میں تکلیفیں اٹھانے کے لئے ذائقہ کو انھوں نے چکھنا نہ ہوتا تو شاید غریبوں سے بات کرنا اور نماز کے لئے مسجد میں آنا بھی وہ اپنی شان کے خلاف سمجھتے۔ بہر حال ان دوستوں کا یہ حال دیکھ کر بڑی مہربت اور بڑی خوشی ہوتی اور الحمد للہ اس حقیقت پر ادا یقین بڑھا کہ زندگی میں دین کے آنے اور قوم میں ایمانی روح اور اس کے لازم کے پیدا ہونے کا راستہ یہی ہے کہ افراد میں ایمان و اعتساب کی صفت پیدا کرنے کے لئے اور دلوں کا رخ دنیوی غیبتوں اور لذتوں سے پھر کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے عیش و لذت کی طرف موڑنے کے لئے جدوجہد کی جائے۔ جن دوستوں کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے انھوں نے اپنی اپنی اور بچی تنخواہیں پانے کے باوجود دین کی سرسبز کی لئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی نگلیں غریب والی اور جد و جہد و نفقت والی یہ بوزاری زندگی جب ہی اختیار کی ہے جب اللہ کے کچھ بندوں نے ان میں ایمان و اعتساب کی کیفیت پیدا کرنے کے لئے اور ان کی طبیعتوں کا رخ اللہ کی رضا کی طرف اور جنت کی نعمتوں اور لذتوں کی طرف پھرنے کے لئے جدوجہد کی۔ بس

کا راہین است غیر این ہمہ کیج

احتمال علماء اسلام :- فروری کے تیسرے ہفتہ میں علماء اسلام کی یہ کانفرنس گراچی میں منعقد ہوئی تھی یہ عاجز بھی اسکی بعض نشستوں میں ایک شاہد کی حیثیت سے شریک ہوا چند علماء کرام دوسرے مالک سے بھی نشریہ لائے تھے۔ برسرہا میں

ضرورت کی اکثر چیزیں ہندوستان کے لحاظ سے یہاں کافی ارزاق ہیں اور بڑی سہولت سے ملتی ہیں خاص طور سے کپڑا تو نسبتاً یہاں بہت ہی ارزاق ہے۔ یہی طرح دوسرے مالک سے آنے والی عام ضرورت کی اکثر اشیا یہاں بہت ارزاق داسوں پر مل جاتی ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے حکومت بیزاری اور ارباب حکومت سے ناراضی کا جذبہ یہاں کے عوام میں پلجبت ہندوستان کے بہت کم ہے نیز خیال ہے کہ یہاں کے اس سکون میں عوام کے شعور کی کمی کو بھی کافی دخل ہے۔ اُردو کے اخبارات اور رسائل اگرچہ بے تعداد مل رہے ہیں لیکن جہاں تک اندازہ ہے ایسے اخبار کی حکمرانی ہے جس کا مقصد اغراض سے بالاتر ہو کر عوام کی ذہنی تربیت اور حقیقتوں سے اُن کو آشنا کر کے ان کی مدد کرنا ہو۔ یہاں کے اکثر روزنامے نہایت پست اور گھٹیا معیار کے ہیں۔

مہاجرین کی حالت دیکھ کر غریب مہاجرین کو خصوصاً مکان نہ بننے کی بڑی تکلیف ہے۔ اس بارہ میں کام کا غیر معمولی پن اور حکومت کی بعض مجبوریوں بھی بلاشبہ قابل لحاظ ہیں لیکن سب پہلوؤں پر نظر رکھ کر بھی سینہ میں دل اور دل میں درد کا کوئی ذرہ رکھنے والا انسان حکومت اور خاص کر اُس کے شعبہ آبادکاری کے متعلق بُرے خیالات کو اپنے دل میں آنے سے نہیں روک سکتا۔ پھر یہ سلسلہ ہرگز ایسا نہیں ہے کہ اس کو صرف حکومت کی ذمہ داری سمجھ کر پاکستان کے عام شہری اپنے کو اُس کی فکر سے بکرویش بھلیں اور اطمینان سے اپنے کاموں میں لگے رہیں، بقدر استطاعت و طاقت اس کی ذمہ داری سب پر ہے جس شہر کو مسلمانوں کی سب سے بڑی حکومت کا دار الحکومت ہونے کا فخر و امتیاز حاصل ہو اس کا اس حال میں ہونا کہ کچھ لوگوں کے پاس تو مالیشان محلات اور اُن کے ساتھ وسیع وسیع تجارتی باغیچے ہوں اور اُن کے لاکھوں بجائی اس حال میں ہوں کہ اُن کے پاس بارش اور دھوپ سے بچا سکنے والی جھونپڑیاں بھی نہ ہوں۔ یہ نقشہ ہرگز اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اور اس میں بڑے خطرات ہیں۔ بہر حال پاکستانی حکومت اور وہاں کے عام شہریوں کا فرض ہے کہ پوسے صدقہ لاؤ و تعاون کے ساتھ وہ اپنے بے گھر بھائیوں کے واسطے سکونت کا انتظام کرنے کے لئے اپنے املاک و وسائل سے جدوجہد کریں۔ جب آپ اس کے لئے قدم اٹھائیں گے اللہ تعالیٰ آپ کی پوری مدد فرمائے گا اور اس سلسلہ کی ہر مشکل کو آپ کے لئے آسان کرے گا۔

پاکستان میں دینی مدارس و اتفاق کی بات ہے کہ سندھ، مغربی پنجاب اور سرحد میں ہمیشہ سے مسلمانوں کی اکثریت ہونے کے باوجود دینی مدارس بہت کم تھے اور جو تھے وہ معمولی حالت میں تھے اب ہمارے علمائے کرام مدارس کے قیام کی طرف خاص طور سے متوجہ ہیں جو مدارس اب تک قائم ہو چکے ہیں اور جن کا اس عاجز کو علم ہے ان میں سے تین خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(۱) دارالعلوم اسلامیہ - اشرف آباد، سندھ، مہدی آباد (سندھ) - (۲) خیر المدارس (ملتان) - (۳) امجدہ اشرفیہ (لاہور)

حکیم الامتہ حضرت تھانویؒ کے مشورہ پر علیل القدر خلیفہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امیر تہری جامعہ اشرفیہ لاہور کے غالباً بانی اور سرپرست ہیں اور صدر مدرس اس وقت حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی صاحب التعلیق الصبیح ہیں اور ملتان کا خیر المدارس گویا جالندھو کا قدیمی خیر المدارس ہے اور حضرت حکیم الامتہ ہی کے ایک دوسرے خلیفہ اور مشور و ممتاز عالم دین حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ گویا اس کے بانی اور سب کچھ ہیں۔ ان دونوں مدرسوں کو یہ عاجز دیکھ نہیں سکا اس لئے ان کے بارہ میں سیرا علمیں آتا ہی ہے۔ ہاں اول الذکر (دارالعلوم اسلامیہ) کو دیکھنے کے لئے متعلق سفر کیا اور قریباً ڈیڑھ دن وہاں رہا اور الحمد للہ بڑی خوشی ہوئی۔ یہ دارالعلوم گویا وہ مجوزہ دارالعلوم ہے جو حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستان میں دارالعلوم دہلویہ کے قسم کا ایک مرکزی دینی دارالعلوم قائم کرنا چاہتے تھے۔ ضلع حیدرآباد (سندھ) میں ملندہ والٹر ایک قصبہ ہے اس کی خوش نصیبی ہے کہ اس دارالعلوم کے لئے قرعہ خالی اس کے نام پڑا۔ مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ جو غالباً حضرت حکیم الامتہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے بھی ہیں اور جن کا قرآنی درس روزانہ کراچی ریڈیو سٹیشن سے نشر ہوتا ہے وہ اس دارالعلوم کے مستہم اور گویا روح رواں ہیں۔ جہاں تک ان سے ہو سکا ہے اہل علم و کمال کو جوڑنے کی کوشش نے بڑی کوشش کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کوشش میں کامیاب بھی کیا ہے

حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب کمال پوری در سابق صدر مدرس مظاہر علوم سہارنپور اس دارالعلوم کے صدر مدرس ہیں حضرت مولانا موصوف اس دور کی ان ممتاز ترین بابرکت ہستیوں میں سے ہیں جن کی مثالیں بہت ہی کیاب ہیں اور جن کی صحبت اور زیارت اور خدمت میں حاضری سے بڑی خیر کی امید ہے۔ اللہ تعالیٰ ہاہمین مآئین کو توفیق بخشیں حضرت ممدوح سے قریب ہو کر قلب میں ان کی بڑی محبت پیدا ہوتی ہے۔

میرے بڑے غشیق اور محترم دوست مولانا محمد یوسف صاحب بنوری بھی یہاں حدیث و تفسیر کے استاد ہیں موصوف حضرت استاد مولانا سید انور شاہ قدس سرہ کے ان ممتاز ترین و دہین تلامذہ میں سے ایک ہیں جنھیں حضرت کے علم سے وافر حصہ ملا ہے اور جن کے درس میں بیٹھ کر حضرت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ واقعہ یہ کہ بڑا قابل رنگ ہے ان کا علم اور ان کا مطالعہ اور ان کا حفظ

صف اول ہی کے اساتذہ میں حضرت مولانا مفتی اشفاق الرحمن صاحب کاندھلوی بھی ہیں عرصہ تک مدرسہ فقہوری دہلی میں حدیث کے استاد رہے ہیں نسائی شریف کے اپنے حاشیہ اور ترمذی غرلیکچر اہل لای حصر کی شرح طے حلقوں میں مشہور ہیں تدریس کے علاوہ افتاء کا کام بھی یہاں آپ ہی کے سپرد ہے پاکستان تشریف لانے سے پہلے دہلی سال آپ کا قیام بھوپال رہا۔ اس ناچیز کا تعلق اسی زمانہ میں بڑھا، بڑھی ہی شفقت اور محبت فرماتے ہیں

میرے دوست مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی جے پوری (صاحب لغات القرآن) بھی اس دارالعلوم کے مدرسین

ہیں ہیں۔

مولانا احتشام الحق صاحب کی کامیابیوں اور دارالعلوم کی خوش نصیبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تجوید و قرأت کے لئے اس کو اشد القرا جناب مولانا فارسی علمہ لالک صاحب الہ آبادی مل گئے ہیں جو اس وقت اس فن کے مسلم امہ میں سے ہیں۔ طلبہ میں بھی خیر و صلاح کے آثار زیادہ نظر آئے خدا کرے کہ یہ چیز جاتی رہے۔ طلبہ کی خواہش اور ان بزرگوں کی فرمائش پر اس عاجز نے طلبہ کے سامنے ان کی زندگی اور مقصد زندگی کے بارہ میں کچھ عرض بھی کیا۔

اس وقت درس و تدریس اور طلبہ کا قیام جن عمارتوں میں ہے وہ عارضی کام چلاؤ بنائی گئی ہیں۔ مدرسہ کی مستقل تعمیر کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے اور عزم ٹٹے بلند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا احتشام الحق صاحب کو بڑا حوصلہ دیا ہے تنجیموں اور ایک سو میں لاکھوں سے کم کا نایاں کے یہاں کوئی حساب ہی نہیں ہے اور لاکھوں کا متیار کر لینا شاید ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے آسان بھی کر دیا ہے۔ بہر حال اس معاملہ میں ان کی نگاہ بہت اونچی اور عزم بہت بلند ہیں۔ ان کے خیال میں دارالعلوم کا جو نقشہ ہے اور طلبہ کی زندگی کا بھی جو معیار ان کے پیش نظر ہے وہ قریب قریب آج کل کے کالجوں اور یونیورسٹیوں والا معیار ہے۔ اللہ خیر کرے اسے مکلف عرض ہے کہ اس بارہ میں اس عاجز کو انشراح نہیں ہو سکا، بلکہ کا تجربہ یہی ہے کہ اس قسم کی ترقیاں ہمارے مدرسوں کے لئے کچھ راست نہیں آتیں لیکن اس مالک میں سب قدرت ہے

مُصْبِحُ الْحَمِیْنِ الْمَتِّیِّ مُخْرِجُ الْمَتِّیِّ الْحَمِیِّ

طرز تعلیم اور نصاب تعلیم کے متعلق مولانا محمد یوسف صاحب نے جن فیصلوں اور آراء اداوں کا اظہار فرمایا ان سے بھی بڑی خوشی ہوئی۔ ان حضرات نے جو کچھ سوچا ہے اگر وہ عمل میں آگیا تو دینی نظام کے بارہ میں انشاء اللہ نہایت ضروری اور نہایت مفید اصلاحی قدم ہوگا۔ اس موضوع پر سوچنے والوں کو اکثر افراط یا تفریط میں مبتلا دیکھا گیا ہے لیکن ان حضرات نے جو سوچا ہے اس میں ضرورتوں کے پورے لحاظ کے ساتھ اعتدال بھی ہے اور وہ تجویزیں قابل عمل بھی ہیں۔ بہر حال دارالعلوم جاکر جی بڑا خوش اور مطمئن ہوا۔ حق تعالیٰ شانہ اس شجرہ طیبہ کو ہر قسم کے شر و رفق سے محفوظ رکھیں

ٹھنڈا لٹہ یاد کا یہ سفر دارالعلوم اور حضرات دارالعلوم کی زیارت ہی کی نیت سے کیا تھا۔ اس کے بعد پنجاب اور سرحد میں جہاں جانا، وہ اپنے تبلیغی کام کے سلسلہ میں جانا ہوا اور پورے سفر میں رفقا کی جماعت ساتھ رہی۔ اس دورہ کی مختصر روداد بھی ہدیہ ناظرین ہے۔

دو ہفتے پنجاب اور سرحد میں؛ ٹھنڈا لٹہ یاد سے روانہ ہو کر مہراج کی میج کو بجا دل پور پہنچے۔ بجا دل پور میں ہمارے تبلیغی کام کو بہت اچھا کام سمجھنے والے تو بہت ہیں لیکن اس راہ میں محنت کرنے والے رفقا کم ہیں البتہ یہ دیکھ کر دل بہت خوش اور مطمئن ہو کہ یہاں کے بعض اہل علم بھی اپنے علمی اور مذہبی مشاغل کے باوجود کام سے خاص خفت رکھتے ہیں اور بڑائی کر رہے ہیں۔ ۵ مہراج کی میج کو بھاٹیہ لے لاہور کے لئے روانہ ہوئی راستہ میں ملتان بڑتا رہا ہے لیکن وہاں ٹھیک نہیں سکتا تھا اس لئے وہاں کے اپنے بزرگوں اور دوستوں سے معذرت کرتے ہوئے بذریعہ خطا نے اس دعا کی تھی کہ شیخ پر رحمت

فرما کر مجھے زیادت کا موقع دیں اسی واسطے جہاں سے اس ٹرین کو اختیار کیا جو ملتان پر تبدیل کرنا پڑتی تھی چنانچہ حضرت مولانا خیر محمد مولانا عبدالحق صاحب کھیل پوری، مولانا عبدالحق صاحب، مولانا عبدالحق صاحب اور شہر کے بہت سے مخلص احباب اسٹیشن پر تشریف لے آئے تھے ایک گھنٹہ سے کچھ زیادہ ان حضرات کی خدمت میں حاضری نصیب رہی بعض بزرگوں کے حکم کی تعمیل میں مختصر خطاب بھی کیا۔

ملتان سے روانہ ہو کر مغرب وصال کے درمیان لاہور پہنچے پہلے سے چونکہ اطلاع تھی اس لئے اکثر تبلیغی احباب اسٹیشن پر تشریف لے آئے تھے آسٹریلین مسجد لاہور میں تبلیغی جماعتوں کا ایک مشق اسٹیشن سے بالکل قریب ہے وہاں پہنچ کر غشا کی ناز بڑھی نماز کے بعد دوستوں سے کچھ باتیں کیں جو اس موقع پر کئی مناسب علوم میں پھر مشورہ سے کام کا بہرہ وگرم بنا۔ رات کو وہیں مسجد کے عقب میں ادارہ اصلاح و تبلیغ میں میرا درناعت کا قیام رہا۔ اگلا دن جمعرات کا تھا۔ دن کے اوقات میں اپنے بزرگوں اور برائے دوستوں سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ لاہور میں تبلیغی جماعت کا مرکز باغیاں پورہ میں بال ہارک کی مسجد ہے ہفتہ وار اجتماع وہیں جمعرات کو ہوتا ہے۔ بعد مغرب وہاں پہنچ کر اجتماع میں شرکت کی بعض دوستوں نے بتلایا کہ آج یہاں بہت سے حضرات ایسے بھی آئے ہیں جو ہمارے کام سے ناواقف ہیں یا غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں اس لئے تقریر میں دعوت کی وضاحت اور تفہیم کی کوشش کی۔ لیکن قلوب تو الٹ ہی کے ہاتھ میں ہیں اس نے جن کے متعلق چاہا ان کو انشراح و اطمینان نصیب فرمایا۔ (سکھ سندھ) میں جو اجتماع وسط اپریل میں ہونے والا ہے اس کے لئے ابھی سے علاقوں میں پھر پھر کے کام کرنے کی دعوت دی گئی (بلکہ اس دورہ کے قریب ہر اجتماع اور ہر خطاب میں خاص دعوت یہی دی جاتی رہی) اجتماع اور شنبہ کو بھی قیام لاہور ہی میں رہا۔ جمعہ کو بعد نماز جمعہ ننگر نند والی جامع مسجد میں اور ہفتہ کو بعد نماز مغرب آسٹریلین مسجد میں اجتماعات ہو کر کام کرنے والے دوستوں کے ساتھ مشاوری گفتگو کا سلسلہ بھی دونوں دن جاری رہا۔ اتوار کو لاہور سے روانگی ہوئی شام کو گجرانوالہ پہنچے اور اگلے دن وہیں گزرا اس قحط سے وقت میں دو تین اجتماع ہوئے یہاں مولانا عبدالحق صاحب بڑے جوش اور اذعان کے ساتھ تبلیغی کام میں لگے ہوئے ہیں ان کے ساتھ کام کرنے والوں کی تعداد الحمد للہ خاصی ہے۔ پیر اور منگل کی دو میانی شب میں گجرانوالہ سے روانہ ہو کر صبح کو پٹا در پٹینا ہوا۔ یہاں دو دن قیام رہا اور دونوں دن اجتماع ہوا۔ کوہاٹ کے تبلیغی احباب کی تعداد میں الحمد للہ پٹا در پٹا کے تھے تیسرے دن (جمعرات کو) پٹا در سے راولپنڈی پہنچے اور یہاں قیام ۱۲ گھنٹے سے بھی کچھ کم رہا عصر سے قریباً ٹانکا اجتماع رہا اور رات ہی میں وہاں سے سرگودھ کے لئے روانہ ہو گئے۔ ضلع سرگودھ کی تحصیل جھاریاں سے ۷۰ میل کے فاصلہ پر ڈھڈیان ایک گاؤں ہے یہ محمد و منا حضرت مولانا شاہ عبدالحق صاحب ملت پوری مدظلہ اہل وطن ہے اور حضرت مہرچند تھیں سے وہاں تشریف فرما ہیں۔ سرگودھا اور پھر وہاں سے ڈھڈیان تک کا یہ حضرت کی خدمت میں حاضری کی نیت سے کیا۔ لیکن وقت میں زیادہ گنجائش نہ تھی اس لئے قریباً ایک شب دروڑی قیام رہا اور ۱۵ رات شنبہ کی صبح کو وہاں سے روانہ ہو کر عصر سے کچھ پہلے لائل پور پہنچا ہوا اور بعد مغرب جامع مسجد میں عام اجتماع ہوا اور فقار سے

مشارقی گفتگو اگلے روز بعد نماز جمع ہوئی پہلی دن یعنی ۱۶ مارچ دوپہر کو وہاں سے روانہ ہو کر خاتم کو ہم لاہور پہنچ گئے۔ ۱۷ مارچ کو بھی لاہوری قیام رہا۔ دن کچھ ملاقاتوں میں گزرا اور رات کو بعد نماز مغرب نیکہ گنبد والی مسجد میں اجتماع ہوا یہ گویا اس دورہ کا آخری اجتماع تھا۔

اس دورہ کے اجتماعات و خطابات کی خاص دعوت :- ہر جگہ کے اجتماع اور خطاب میں الفاظ و عنوان کے کچھ فرق کے ساتھ ایک ہی دعوت اس پورے دورہ میں دی اور وہ یہ کہ ہماری موجودہ زندگی وہ اصل ایمانی اور اسلامی زندگی نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کے آئے تھے اور ہمارے اندر اللہ کی ذات و صفات پر اور آخرت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نعمتوں پر وہ یقین نہیں رہا ہے جو زندگی کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت والی اور آخرت کی فکر والی زندگی بنایا کرتا ہے اور جب تک ہم خود اپنی اس حالت کی برائی کو محسوس کر کے اس کو بدلنے کی فکر اور کوشش نہ کریں گے خدا نخواستہ ہماری حالت یہی ہے گی بلکہ اور زیادہ بگڑتی چلی جائے گی اور اس کی اصلاح اور دوستی کی تدبیر یہ اور صرف یہ ہے کہ ہم میں سے شخص اپنی زندگی کے بارے میں یہ فیصلہ کرے کہ وہ ہر مہینہ میں ۲-۴ دن اور ہر سال میں ایک چلہ یا ایک مہینہ اپنے دوسرے کاموں سے بالکل کیسوا اور فاسخ ہو کر اپنے امر حقیقی ایمان و یقین پیدا کرنے اور اللہ سے اور دین سے اپنا تعلق بڑھانے کی فکر اور کوشش میں اور اللہ کے دوسرے بندوں کو اس کی دعوت دینے میں ایک خاص اصول اور پروگرام کے مطابق صرف کیا کرے گا۔ بہر حال ہر جگہ لوگوں کو اسی کی دعوت دی گئی اور اپنی بساط کی حد تک اس فیصلہ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ الحمد للہ ہر جگہ اللہ کے کچھ بندوں نے بات کو سمجھا اور قبول کیا کچھ اسی وقت تیار ہو گئے اور کچھ نے آئندہ کے لئے ارادے کیے۔

تبلیغی رفتار کو چند خاص مشورے :- قریباً ہر جگہ کے تبلیغی رفقا کی خدمت میں مندرجہ ذیل چند باتیں خاص طور پر عرض کیں (۱) اس عالم اسباب میں اس کام کے صحیح طور پر چلنے کا زیادہ دار مدار اس بات پر ہوگا کہ آپ خود اس کام کو صحیح طور پر سمجھیں اور صحیح طور پر کریں اس کام کے دو خاص بازو ہیں ایک لوگوں کو دین کی سرسبزی کے لئے اور خود اپنے ایمان میں طاقت پیدا کرنے کے لئے سفر اور جدوجہد اور قربانی پر آمادہ کرنا۔ دوسرا یہ کہ اللہ کے جو بندے ہماری دعوت پر آمادہ ہو جائیں ان کیلئے پوری دلسوزی اور فکر مندی کے ساتھ اس کا انتظام کرنا کہ ان کا وقت اس کام کے صحیح اصولوں کے مطابق اس طرح صرف ہو جس سے ان کی ایمانی کیفیات میں اور آخرت کی فکر میں ترقی ہو اور صحیح اصولوں پر دین کی جدوجہد کا رواج ہو۔ کام کے ان دونوں بازوؤں میں سے اگر کوئی ایک بھی کمزور ہوگا تو کام نہیں چل سکے گا اگر ہم لوگوں کو جدوجہد اور قربانی پر آمادہ کرنے میں کمزور پڑیں گے یعنی اوقات لینے کی کوشش میں کمی کریں گے تو یہ کام بالکل نہیں چلے گا کیونکہ یہ کام ہی جماعتوں کی

نقل و حرکت کا ہے۔ اور اگر ہم اوقات دینے والوں کے اوقات کے صحیح استعمال کی فکر نہیں کریں گے تو ہمارے دالے کوئی نفع بخش نہیں کریں گے اور ایک دو دفعہ کے تجربہ کے بعد وہ مایوس اور بد دل ہو کر بیٹھ جائیں گے اور پھر ہم انھیں آمادہ بھی نہ کر سکیں گے۔ اور اس سے بھی بڑا نقصان یہ ہوگا کہ جہاں وہ جائیں گے وہاں دالوں کے لئے وہ اس کام کی طرف کشش کا باعث نہیں بنیں گے۔ یہ بات صرف نظری نہیں ہے بلکہ کام کرنے والوں کو وہ نون قسم کی جماعتوں کا بار بار تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم یقینی فکر اور کوشش لوگوں کو سفر اور جدوجہد پر آمادہ کرنے کی کریں انہی ہی فکر اور کوشش اس کی کریں کہ اللہ کے ان بندوں کا وقت صحیح طور پر صرف ہو۔ کام کی مصلحت کے علاوہ ہم اپنی استطاعت کی حد تک اس کی فکر اور کوشش کے عند اللہ ذمہ دار بھی ہیں۔ اس کے لئے کچھ دنوں کے واسطے پراڈوں کو ادراک سے جہں تحقق رکھنے والے دوستوں کو اپنی محنت اور قربانی کی مقدار بڑھانی پڑے گی۔ لیکن جب آپ اس کا پورا اہتمام اور فکر کرنے لگیں اور ہر جانے والی جماعت کا وقت صحیح طور پر اور اصولوں کی پابندی کے ساتھ صرف ہوگا تو اس کا تجربہ ہوگا کہ جماعتوں میں جانے والا شخص ایک ہی دو دفعہ جانے کے بعد انشاء اللہ اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کے قابل ہو جائے گا اور دوسرے جہاں آج دقت برائے ہیں وہاں خدا نے چاہا تو بہت جلد ۲۰-۳۰-۴۰-۵۰ آپ کا ہاتھ بٹانے والے اور اس بوجھ کے اٹھانے والے ہو جائیں گے اور در ذریعہ بڑھتے جائیں گے۔ اس وقت جیلے دوستوں کی کمی ہے جو اس ذمہ داری کو اٹھا سکیں اس کی دہری ہے کہ جماعتوں میں اصولوں کی پابندی کی ہم پوری فکر نہیں کرتے جس کی وجہ سے بار بار جانے والے بھی ذمہ داری اٹھانے کے لائق نہیں بنتے اور ذمہ داری کا سارا بوجھ ہمیشہ چند ہی آدمیوں پر رہتا ہے۔

(۲) اس کام سے آپ کا تعلق ہرگز وہ نہ ہو جو عام طور سے تحریک والوں کا اپنی تحریکوں سے ہوتا ہے بلکہ اس میں آپ کی دلچسپی اور آپ کا انہماک بالکل اس قسم کا ہونا چاہئے جس طرح کا ایک صاحبِ اخلاص نمازی کو نماز سے اور ایک ذاکر کو ذکر سے ہوتا ہے یعنی اس کام میں آپ کی کوشش اور آپ کی جدوجہد میں اللہ کی رضا کے اور جنت کے شوق میں ہوا اور ہر قدم پر آپ ہیں اللہ تعالیٰ کی مدد کا اور آخرت کے ثواب کو نظر کے سامنے رکھیں۔ اور اس کا معیار اور اس کی آسان پہچان یہ ہو کہ آپ دعوت کی کیا بانی اور کام کے بڑھنے سے زیادہ اس کی فکر کریں کہ دعوت اور جدوجہد کے جوش میں کوئی بات آپ سے اللہ کو ناراض کرنے والی نہ ہو جائے کبھی کبھی شبہ ہوتا ہے کہ ہمارے بعض احباب دعوت اور ترغیب دیتے وقت بولنے میں بڑی بے احتیاطی کرتے ہیں اور بعض اوقات ان کے الفاظ میں اتنا مبالغہ ہوتا ہے جو شاید جھوٹ کی حد میں آجاتا ہو جو بڑی خطرناک اور بہت فکر کی بات ہے اس سے اللہ تعالیٰ ہرگز راضی نہیں ہوتا بلکہ اس سے شیطان خوش ہوتا ہے

اعادنا اللہ من ذالک

(۳) ہمیں اور آپ کو تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امت میں بہت سے طبقے اس حال میں ہیں کہ وہ تاریکیِ مکت ملی سے ہی اس کام میں لگ سکتے ہیں اور اگر ہم نے ان کے حال کی اور مزاج کی رعایت

کرتے ہوئے ہمیشہ عملی احتیاط نہیں کی تو وہ بے چارے اس کام سے ہمیشہ دور رہیں گے تو ایمان کی اور ایمان والی جدوجہد کی نصرت میں ان کو بھی شریک کرنے کے لئے ہمارے واسطے ضروری ہے کہ ہم ان کے ساتھ مذہبی حکمت عملی اختیار کریں اور ان کو دعوت اس طرح دیں کہ وہ اس کام کو اپنی طاقت سے باہر اور اپنے لئے ناقابلِ عمل نہ سمجھیں جس کی صورت یہ ہے کہ اس کام میں شرکت کی ہلکی موڑیں بھی ان کے سامنے رکھی جائیں جب وہ آپ سے اور آپ کے کام سے کچھ مانوس ہو جائیں گے تو انشاء اللہ آگے قدم بڑھانا بھی ان کے لئے آسان ہو جائے گا۔ بہر حال ایسا امنو کہ ہماری سخت گیری اور انتہا پسندی کی وجہ سے امت کے کچھ طبقے اس کام سے ہمیشہ بے تعلق رہیں جس کے متعلق اللہ نے ہمیں یقین نصیب فرمایا ہے کہ یہ کام مقرب میں ایمان پیدا کرنے والا اور اللہ سے اور دین سے تعلق بڑھانے والا ہے۔ اگر خدا نخواستہ ہم نے ایسا کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں دل کھول اُتیوں کی ایمان سے محرومی کا ہم در پیر بن جائیں گے اور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ساتھ ہماری یہ بڑی بے رحمی اور بے دردی ہوگی۔ الغرض ہیں اس کا پورا غور کرنا ہونا چاہئے کہ حضورؐ کی امت کے تمام طبقے کسی نہ کسی درجہ میں اس کام سے مجرب ہیں۔ خواہ کسی کا جزو اتنا ہی ہو کہ وہ ہمارے مقامی اجتماعات میں آئے نکلے۔ اس راستہ کا ذریعہ بھی نہ ہونے کے مقابلہ میں بہت ہے۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ ہمارے اس کام کے سلسلے میں جو چیزیں مخصوص نہیں ہیں بلکہ ہم نے غور و فکر اور تجربہ کے بعد بطور ضروری تدبیر کے ان کو اختیار کیا ہے ان کے ساتھ ہمارا معاملہ وہ نہ ہو جو خصوصیات کے ساتھ ہوتا ہے ایسا کہ ناخلاق اور حد دوسے تجاوز ہوگا اور بدعات ہمیشہ اسی غلطی سے وجود میں آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس غلطی سے ہماری حفاظت فرمائے۔

(۵) پانچویں بات یہ ہے کہ اس کام کے علاوہ جو اور دینی کام اور دینی سلسلے میں مثلاً دینی مدارس و مکتب اور دوسرے دینی ادارے ہیں ان سب کی دل سے قدر اور عزت کی جائے اور ان کے ساتھ ہمارے دلوں میں ہمردی اور خیر خواہی ہو اور اللہ کے ان بندوں کی پوری عظمت ہو جو اخلاص کے ساتھ دین کے ان سلسلوں میں لگے ہوئے ہیں اور اپنی کوششیں ان کے لئے صرف کر رہے ہیں۔ اگر ہم نے صرف اپنے کام کو دینی کام سمجھا اور دوسرے دینی کاموں اور ان کے چلانے والوں کے متعلق ہمارے دلوں میں خدا نخواستہ رقابت و اسے جذبات ہوئے تو یہ ہماری بڑی گمراہی اور بڑی نصیبی ہوگی بلکہ دین کے زعم میں یہ ہماری بردہنی ہوگی۔ خاص کر علماء ربانی اور اہل اللہ کا ہم پر نہ کو خام ملکہ لکش برادر سمجھیں اور ان کی صحبت سے استفادہ کے لئے کاہل گاہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اس اور ان سے تعلق بڑھانے کو اپنی حاجت سمجھیں۔

(۶) چھٹی اور آخری بات یہ کہ کثرت و کمردہ اس کام کا نور اور اس کی جان ہیں، ہمارے خاص کام کرنے والوں کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ ذکر و دعا کا خاص انتہام رکھیں خصوصاً رات کو اُٹھ کر تہجد پڑھنے کی اور اس کے بعد سے فجر تک ذکر میں مشغول رہنے کی اور خوب دل سے رونے اور اللہ سے مانگنے کی عادت ڈالیں اور تنہائی کے مراقبوں سے اس یقین کو بڑھائیں کہ جن اور دنیا دونوں کا نوس کی ہر چیز کو دوسریں لانا صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ نہیں ہے اور ہماری کوشش صرف اس کے حکم کی تعمیل میں ہے۔ جس قدر یقین بڑھے گا اسی قدر دعائیں جان اور قوت آئے گی۔ اللہ

لَا مَا نَحْمُ لَمَّا أُعْطِيَتْ وَلَا مَعْطِي لَمَّا مَنَعَتْ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَنَّةِ مِنْهَا الْجَنَّةُ

لاہور کی ملاقاتیں :- حضرت مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین (لاہور) بڑی شفقت فرماتے والے میرے بزرگوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے دین کی بڑی خدمت لی ہے اور ہزاروں بندگان خدا کو دین کی نعمت آپ کے ذریعہ سے ملی ہے۔ عطا و ارشاد کے وسیع سلسلہ کے علاوہ درس قرآن آپ کا خاص ذریعہ فیض اور گویا آپ کی دعوت ہے۔ بہادرپور سے روانہ ہو کر جب ہر پانچ کلاہون پانچواں گئے ہی روز مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پاکستان بننے سے پہلے سال میں کئی کئی دفعہ حضرت مہرح سے ملاقات ہوتی رہتی تھی لیکن ۱۹۷۴ء کے بعد یہ پہلی ملاقات تھی۔ ملک کی تقسیم کا اثر نفسیات پر بھی عجیب غریب پڑا ہے۔ پاکستان میں اپنے جن بزرگوں اور دوستوں سے اب کے ملنا ہوا، انمازہ ہوا کہ ان ملاقاتوں کے وقت طرفین کے احساسات اور نفسیات پہلے زمانہ کی ملاقاتوں سے بہت مختلف قسم کے تھے

اسی روز فیض بارغ بھیج کر محب قدیم مولانا طبع الحق صاحب دیوبندی سے ملاقات کی۔ مولانا ملی اور روحانی نسبت کے علاوہ وطن کی نسبت سے بھی دیوبندی ہیں بڑی عجیب اور قابل تقلید موصوف کی زندگی ہے۔ ایک عرصہ سے لاہور کے کسی اسکول سے ملازمت کا تعلق ہے۔ اس تعلق کی ذمہ داریوں کو بوری طرح ادا کرنے کے ساتھ قرآن مجید کا درس بھی دیتے ہیں اس کے علاوہ بچوں کی تعلیم کا ایک خاصا بڑا مرکز بھی قائم کر رکھا ہے جس کے ساتھ اولاد کا سا گہرا قلبی تعلق ہے۔ اسکول کے مقررہ چند گھنٹوں کے علاوہ باقی پوری زندگی محض بوجہ اللہ اس تعلیمی مرکز کی تعمیر و ترقی کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ موصوف کی محنت و مشغولیت اور ان کے اس تعلیمی مرکز کی کامیاب حالت کو دیکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ لوگ اگر جائیں تو ملازمت وغیرہ اپنے معاشی مشغلوں کی ذمہ داریوں کو کما حقہ ادا کرنے کے ساتھ بھی کتنے بڑے بڑے دینی اور قومی کام کر سکتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ پاکستان میں یا ہندوستان یا دنیا کا کوئی اور ملک ہر جگہ کے مسلمانوں کا اصل مسئلہ ایسے بندگان کا خدا کا دعوہ ہے جو اس طرح اپنی زندگی اور اس کی قوتوں کو اللہ کے لئے وقف کر دیں۔

لاہور میں جن بزرگوں کی ملاقات اور زیارت اس سفر میں میری ہوئی ان میں ایک خاص قابل ذکر بزرگ (کنڈیاں والے) حضرت مولانا شاہ عبدلرشید صاحب ہیں۔ مغربی پنجاب ضلع میان والی میں کنڈیاں ایک مشہور سستی ہے۔ حضرت مولانا احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اس آخری دور میں نقشبندی مجددی سلسلہ سلوک کے گویا ایک امام تھے وہیں ان کی خانقاہ ہے۔ یہ حضرت مولانا شاہ عبدلرشید صاحب ان کے خلیفہ ارشاد و اران کی خانقاہ کے سجادہ نشین ہیں۔ دیوبند کی طالب علمی کے آخری سال دورہ حدیث میں ہم دونوں شریک دہم سبق تھے وہاں سے فارغ ہونے کے بعد ان کو تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا دیا اور راقم بطور مختلف کوچوں اور میدانوں میں آوارہ گردی کرتا رہا۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم درد یوان عشق اوجہ ارفنت دما در کو چہا رسوا شدیم

قریباً بیس سال تک تو میں مولانا کے احوال سے بالکل بے خبر رہا۔ اس کے بعد۔ (اب سے کوئی ۶-۵ سال پہلے)۔ کسی ذریعہ سے پہلی دفعہ معلوم ہوا کہ دارالعلوم دیوبند کے ہمارے ساتھی اور ہم درس سابق مولوی عبد اللہ صاحب لدھیانوی حضرت مولانا احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فیضیاب اور ان کی مقدس امانت کے وارث اور امین ہو کر ان کے فیصلہ اور حکم سے ان کے خلیفہ اور نائبین ہو چکے ہیں اور ان کے مشائخ کرام کا فیض اللہ کے بندوں کو اب ان کے ذریعہ سے پہنچ رہا ہے۔ جب سے یہ معلوم ہوا تھا مدح کی زیارت اور ملاقات کا بڑا اشتیاق تھا لیکن تقسیم کے بعد جیسا کہ معلوم ہے ہمارے اور ان بزرگوں کے درمیان گویا لہو سے کی دیواریں کھڑی ہو چکی ہیں۔ جن اتفاق کہ جس روز میں کراچی سے لاہور پہنچا مولانا موصوف بھی غالباً اسی دن تشریف فرما ہوئے۔ اگلے روز یعنی جمعہ کے دن (۲۰ راج) مجھے ایک دوست نے بتلایا بلکہ ارادہ کر م خود ہی موصوف کی قیام گاہ تک مجھے پہنچا بھی دیا۔ اور اس طرح ملاقات نصیب ہوئی۔ جیسے خوش نصیب ہیں اللہ کے وہ بندے جنہیں اللہ تعالیٰ ہر طرف سے کٹ کے اپنی ہی طرف متوجہ کر لے اور صرف اپنا بنائے۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی جو دارالعلوم دیوبند کے ممتاز اساتذہ میں سے تھے اور اب جامعہ اشرفیہ لاہور کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث ہیں۔ جب یہ نیازمند حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ یہ ملتی پھرتی ملاقات کافی نہیں کم از کم ایک رات میرے ہی پاس قیام کرو میں نے وعدہ کر لیا اور قیام لاہور کی آخری شب میں حضرت مولانا ہی کے ساتھ کھانا کھایا اور رات کو قیام بھی وہیں کیا۔ پاکستان کی دینی حالت اور اس کے امکانات اور اس سلسلہ کی معاشی تفصیل سے گفتگو ہوتی رہی۔ اس سلسلہ میں ایک خوش کن بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ حکومت نے اہم دینی کتابوں کی حفاظت اور طباعت و نشر و اشاعت کی کچھ خدمت انجام دینے کا فیصلہ کیا ہے اور اس کے لئے ایک مستقل ادارہ قائم ہو گیا ہے اور بحث میں رقم بھی منظور ہو گئی ہے جو پیش نظر کام کے آغاز و افتتاح کے لئے کافی ہے۔ اس کام میں مشورہ دینے کے لئے علماء کی جو مجلس مقرر کی گئی ہے اس میں مولانا محمد بھی ہیں۔ موصوف نے بتلایا کہ سب سے پہلے صحاح ستہ اور امام راغب کی مفردات القرآن خاص اہتمام سے چھاپنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ صحاح ستہ میں سے ہر کتاب کسی پرانی اور مستند شرح کے ساتھ چھاپی جائے گی صحیح بخاری کے ساتھ شرح قسطلانی صحیح مسلم کے ساتھ شرح ترمذی، ترمذی کے ساتھ شرح ابن العربی ابوداؤد کے ساتھ شرح ابن اسحاق، سنن ابی کے ساتھ زہر الربی اور ابن ماجہ کے ساتھ حاشیہ نبوی چھاپنے کا فیصلہ کیا گیا ہے معلوم ہوا ہے کہ کتابوں کو بہتر سے بہتر ٹائپ سے چھاپنے کا اہتمام کیا جائے گا۔

اس سلسلہ کی چند اور طے شدہ تجاویز کا بھی مولانا نے ذکر فرمایا اللہ تعالیٰ ان کو برائے کار لانا آسان فرمائے۔ لاہور میں مولانا امین احسن صاحب اصلاحي اور مولانا مودودی صاحب سے بھی ملاقات ہوئی لیکن ایک اتفاقی مجبوری سے یہ ملاقات زیادہ مفصل نہیں ہو سکی۔ واقعہ یہ ہوا کہ میرا ارادہ لاہور سے براہ راست دہلی واپس ہونے کا تھا اس لئے یہ سوچا تھا کہ پشاور اور پنجاب کے دوسرے مقامات سے فارغ ہو کر جب میں لاہور آؤں گا تو دہلی کا ہر مٹ حاصل کر نیکی

سلسلہ میں مجھے دو چار دن لاہور و رضویہ ٹیڈر نا پڑے گا۔ ان ہی دنوں میں سے کسی ایک دن میں ان حضرات سے تفصیلی ملاقات کروں گا۔ لیکن جب میں دوسرے مقامات سے فارغ ہو کر لاہور پہنچا تو مجھے کراچی سے آیا ہوا ایک خط ملا جس کی وجہ سے مجھے جلد سے جلد کراچی روانہ ہو جانا ضروری ہو گیا اور کچھ کے ساتھ تفصیلی اور اطمینانی ملاقات کرنے کی سیر کے لئے گنجائش نہیں رہی۔ اس لئے صرف مختصر ملاقات ہر اکٹھا کرنا ناگزیر ہو گیا۔ اس مختصر ملاقات میں ان حضرات سے جو کچھ عرض کرنا میں نے ضروری یا مناسب سمجھا وہ میں نے عرض کیا اور جو ان حضرات نے فرمانا مناسب جانا انھوں نے فرمایا۔ اگرچہ یہ واقعہ سب سے کہ اس عاجز کے اور ان حضرات کے مسلک اور طرز فکر میں خاص فرق اور الجھ ہے۔ بائیں ہمہ یہ عاجز بھی خیال رکھتا ہے کہ دین کی غربت کے اس دور میں ہیں جہاں کہیں خیر کار اور دین کی خدمت کا کوئی پہلو نظر آئے ہم اس کی قدر کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ نیک گمانی اور خیر خواہی کی بنیاد پر معاملہ رکھیں۔ صرف اسی طرح ایک طرف کا خیر دوسری طرف تک متعدی ہو سکتا ہے اور غلطیوں کے بچانے میں ہر ایک دوسرے کا مددگار بن سکتا ہے۔

لاہور سے کراچی روانگی اور حاجی عبد الجبار صاحب کے انتقال کی اطلاع :- ۱۸ مارچ کی صبح کو لاہور سے کراچی کو روانگی ہوئی۔ تین کمزور باوجود جلد لوہا صاحب بنی اسے (جو اس سے سفر میں رفیق رہے) وہ بھی میرے ساتھ ٹرین میں سوار ہوئے۔ ٹرین لاہور سے روانہ ہوئی۔ بھائی جلد لوہا صاحب کے ہاتھ میں اس وقت لاہور کا روزنامہ ڈانٹے وقت تھا۔ اچانک ان کی زبان ہرجا رہی ہوا "اِنَّ اللّٰهَ وَاَنَّ اللّٰہِ رَاحُوْنَ" میں نے کما حقہ یہ کہہ دیا کہ بھائی جلد لوہا صاحب نے اخبار میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ اس میں اپنے حاجی عبد الجبار صاحب کے انتقال کی خبر ہے۔ میں بھی سناٹے میں رہ گیا۔ یوں تو مومنوں سے تعلق و تدارت ۸-۹ سال سے تھا لیکن ساتھ رہنے کا اتنا موقع بھی نہ ملا تھا جتنا کہ اب کے ملا کر کراچی میں آپ ہی کے یہاں میرا قیام رہا۔ اہل میں ساتھ رہنے سے ہی آدمی کی زندگی کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں اور جو رکھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے ان کی زندگی کو چند در چند پہلوؤں سے بڑھائی قابل رنگ پایا۔ غیب کا علم تو اللہ ہی کہے لیکن اپنے بشری اندازہ میں حق تعالیٰ نے ان کو بڑے انعامات و کمالات سے نوازا تھا رحمة اللہ تعالیٰ رحمہ اللہ ابراہیم صاحبین من عبادہ اگلے روز صبح کو ٹرین نے کراچی پہنچا حاجی صاحب موصوف مرقوم کے خلف الرشید حاجی محمد ابراہیم صاحب۔ اپنے لئے اسٹیشن پر موجود تھے۔ دین اور دین کے سلسلہ کی ہر چیز کا اہلی فقہ اور ارجو تواتر و انتہا قدرت کی زندگی میں جنت میں پہنچ کر ملے گا لیکن اللہ کے دیندار بندوں کو اس دنیا میں بھی اس کی جن برکتوں کا تجربہ ہوتا ہے سچی بات یہ ہے کہ اگر اہل دنیا کو کسی طرح صرف اسی کا علم ہو جائے تو اپنی محرومی اور بے نصیبی پر وہ بے چارے اپنا سر پیٹ لیں بلکہ خوشی کر لیں۔ موت کا حادثہ اور وہ بھی گھر کے سب سے بڑے ذمہ دار کی اور بہت وسیع کاروبار کے چلانے والے کی اچانک موت کا حادثہ یہ لہجی چیز ہے کہ ایسے مواقع پر اچھے اچھے سنجیدہ اور متوازن لوگ فکر و غم کے غلبہ سے اپنا توازن کھو بیٹھتے ہیں لیکن جن کو دین اور ایمان

بقین کی دولت نصیب ہوتی ہے وہ ایسے موصوں پر قرآنی ہدایت کے مطابق اِخْلَافِ دُیْنِ اِیْمَانِ کے ذریعہ اس تقیوں کو اپنے اندر تازہ کر کے کہ جانے والا اپنے مالک و مولیٰ اور اپنے رحیم و کریم رب کے حکم سے ٹھیک اپنے مقررہ وقت ہر اس کی بارگاہ کی طرف جلا گیا ہے اور ہم سب بھی ایک دُیْنِ دین پہنچنے والے ہیں اور وہی ہمارا اصلی اور دائمی وطن ہے اپنے کو ہلکا و مطمئن کر لیتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ اُن کی اُس خاص حالت اور وقتی حاجت و ضرورت کے مطابق اپنی خاص رحمت اور سبکدوشی کے قلوب پر نازل فرماتا ہے۔

۱۹ راپح کی صبح کو یہ عاجز کراچی پہنچا تھا۔ بلند و شانِ دہلی کا برٹھ لٹنے کے اختلا میں پورا ایک ہفتہ پھر رہنا پڑا، اس قیام میں یہ دیکھ کر الحمد للہ جی بڑا خوش ہوا کہ حاجی صاحب مرحوم کے گھر والوں کی ان دنوں میں خاص فکر یہ تھی کہ اللہ کے تعلق اور آخرت کی فکر کو بڑھانے کا یہ خاص موقع اور وقت ہے اور ہمیں اس وقت سے یہ فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے ساتھ رحمت و کرم کا خاص معاملہ فرمائے اور یہاں تک کہ ان کو اپنا تعلق اور اپنے دین سے وابستگی نصیب فرماتے ہوئے اپنی خاص رحمتوں اور نعمتوں سے نوازے۔

دہلیسی اور آخری پیغام :- ۱۱ فروری کو یہ عاجز کراچی پہنچا تھا اور پوسے ڈیڑھ مہینہ میں یہ سفر ختم کر کے ۲۶ راپح کی صبح کو دہلی واپس ہو گیا۔ اس پوسے سفر میں پاکستان کے مختلف شہروں میں مسلمانوں کی جو زندگی دکھی اور احباب سے جو کچھ سنا اس کا تقاضا ہے کہ سفر کے اس تذکرہ کو اس آخری بات پر ختم کروں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو ترقی دینے اور کمال تک پہنچانے کے لئے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں اس کو جنت کا مستحق بنانے کے لئے نبوت و رسالت کا جو سلسلہ انسانیت کے بالکل ابتدائی دور سے شروع فرمایا تھا اس کو محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ختم فرمایا۔ آپ کی نبوت تمام دنیا کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہے اس لئے اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اپنی عمر طبعی بوری کر کے اس دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں لیکن دنیا میں نشرِ ہدایت اور دینی و روحانی تعلیم و تربیت کا جو کام بحیثیت نبی وقت کے آپ کو کرنا تھا وہ ہر دور اور ہر زمانہ میں آپ کی نیابت میں آپ کی امت کو کرنا ہے اور یہ اس امت کا مقررہ امتیاز ہے کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّتٍ اَخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الخ بہر حال اب یہ ساری امت اپنے منصب و مقام کو پہچانے تو یہ اپنے نبی کی اُتب ہے اور قیامت تک کے لئے کا نبوت اس کے سپرد ہے۔ پس آپ کا جو امتی جس حال میں جہاں ہے اسے سمجھنا چاہئے کہ وہ اس جگہ کے لئے اسلام کا نام نہاد اور مذہب دار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والے مقصد کے لئے اُسے جینا اور مرنا ہے۔ لیکن وہ ممالک جو اپنے کل باشندوں یا ان کی غالب اکثریت کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اسلامی ممالک کہلائے جاتے ہیں اور جن کا سیاسی نظم و نسق بھی تمام تر مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں ہے ان کی ذمہ داری نہایت نبوت کے اس کام کے بارے میں یقیناً بہت بڑی اور بہت وسیع ہے۔ اور ان میں سے کبھی خاص طور پر

پاکستان جو اسلام ہی کے نام پر بننا ہے اس وقت اُس کے سب مسلمان باشندوں کی خواہ وہ عالم ہوں یا غیر عالم، امیر ہوں یا غریب حاکم ہوں یا عام شہری، تاجر ہوں یا مزدور یا بہر حال سب کی اپنی اپنی حیثیت اور حالت کے مطابق یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خود سچے مسلمان بنیں اور اسلام کی دعوت اور خدمت کا اس کو کمزور بنائیں۔ اگر انھوں نے اپنے اس فرض کو اور اسلام کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حق کو ادا نہ کیا اور اپنی حکومت سے صرف وہی ادا ہی منافع اور دنیوی ترقیاں حاصل کیے گو اپنا مقصد بنائے رکھا جو دنیا کی ساری خدا فراموش قومیں اپنی حکومت اور اپنے اقتدار سے حاصل کرتی ہیں تو آخرت میں اس کا جو انجام ہوگا وہ تو مرنے کے بعد سامنے آنے کا لیکن قرآن مجید نے ایسے مجرموں کو دنیا ہی میں ظاہر ہونے والے جن برسے انجاموں سے جا بجا ڈرا رہا ہے اُن کے ٹھوسے بھی بے خوف نہیں رہنا چاہیے۔

اس وقت تمام دنیا کے مسلمان اور خصوصاً اسلامی ممالک کے جانے والے ملکوں کے مسلمان دور رہنے پر ہیں یا تو وہ دین کے بھولے ہوئے سبق کو یاد کریں اور ایک تازہ ایمان کے ذریعہ اللہ و رسول سے اپنا رشتہ پھر تے اونے سرسے سے جوڑ کر اور اپنے لئے نبوت کی نیابت دلی اور دعوت دلی زندگی اختیار کر کے پیغمبروں کے طریقہ پر دنیا کی رہنمائی کریں اور اس کو تباہ کرنے سے بچائیں۔

یا اگر خدا نخواستہ ایمان کے اس راستے سے ٹھٹھن نہیں ہیں اور اس بارہ میں ان کا ذہن بدمستی سے صاف نہیں ہے اور اس لئے اس زمانہ کی خدا فراموش مادہ پرست عروج یافتہ قوموں کی نقالی اور پیروی ہی میں وہ اپنی ترقی منحصر سمجھتے ہیں تو پھر یہ راستہ تو چالو ہے ہی، آپ بھی اگر اس پر چلنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو چلیں اور اس کا جو انجام ہونے والا ہے اس کے منظرِ گہا۔

فَلْتَذَكَّرُوا مَا أَتَوُكُمْ بِهِ مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ أَهْلُ الْبَيْتِ وَاللَّهُ يَتَذَكَّرُ بِالْعِبَادِ ۝

انتخاب

ادارہ

سچے باتیں | باب انگشتیں کے تحت حدیث ذیل نظر سے گزری۔

عن صفوان ابن امیہ قال کنا عند رسول
 اللہ صلعم فجاہ عمر بن قرہ فقال یا
 رسول اللہ ان اللہ قد کتب علی الشقوة
 فمادانی ادری الا من دنی بکفی فاذا ن
 لی فی الغناء فی غایر فاحشة فقال رسول
 اللہ صلعم لا آذن لك ولا کرامۃ ولا
 غنة عین کذبت لے عد واللہ لقد
 رزقک اللہ طیباً حلالاً فاحذرت
 ما حرم اللہ علیک من رزقہ مکان ما
 احل اللہ عزوجل لك من حلالہ
 ولو کنت تقدمت الیہ لفعلت بک
 وفعلت قم عنی دثب الی اللہ۔

صفوان بن امیہ سے روایت ہو کہ ہم لوگ
 رسول اللہ صلعم کے ہاں حاضر تھے کہ عمر بن
 قرہ آپ کے پاس آیا اور بولا کہ لے رسول اللہ
 میرے مقصوم میں اللہ نے مجھے تیری توبہ سے
 لیے کمائی کی کوئی راہ نہیں بجز اس کے کہ اپنے
 ہاتھ سے دین بجا کر کماؤں۔ سو مجھے اجازت
 دیکھئے کمانے کی بلاغش کاری کے آپ نے فرمایا
 میں تجھے نہ اجازت دوں گا، نہ اجازت
 دے کر تجھے عزت دوں گا، اور نہ تیری آنکھ
 ٹھنڈی کر دوں گا۔ لے اللہ کے دشمن تو بھوٹ
 بولتا ہے۔

اللہ نے تو تجھ کو حلال پاکیزہ۔ روزی دی تھی۔ لیکن تو نے حلال کے بجائے وہ روزی اختیار کی جو تجھے ہر حرام تھی۔
 اور اگر میں پہلے تجھے اس سے روک چکا ہوتا تو میں تجھے سزا دیتا اور ضرور دیتا، اٹھ میرے پاس سے دور۔

خلق مجسم دیکر علم و رافت کا غتاب گویے پر ابھی ختم نہیں ہوا۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ گویا تھا فحش سلائی
 فحش کاری بڑھنگی وغیرہ کسی اور جرم کا مجرم نہ تھا۔

اما انك ان فعلت بعد التقه مة اليك
ضميرك ضمير يا وجيها وحلفت راسك
مثلة ونقدك من اهلك واحللت
سلبك نصبة لغتيان اهل المدينة
فقام عمرو وبع من الشرة الجزى
مالا يحلمه الا الله فلما دنى قال البنى
صلعم هولاء العصاة من مات منهم
بغير توبة حشره الله عز وجل يوم
القيامة كما كان فى الدنيا۔

خبردار اگر تو نے پھر یہ کیا جس کو میں منع کر چکا
تو تجھے سخت مارا دوں گا، اور یہ طور سنا رکھے
تیرا سر منڈا دوں گا اور تجھکو تیرے گھر والوں
سے بٹھکوا دوں گا۔ اور تیرا سامانِ مذنیہ کے
نوجوانوں سے لٹوا دوں گا۔ یہ سن کر عمر کھڑا ہوا
اور اس کو یہی ذلت و رسوائی ہوئی کہ بس اللہ
ہی جانتا ہی جب وہ بیٹھ پھر کر چلا تو آپ
نے فرمایا کہ یہی لوگ گنہگار ہیں ان میں سے جو
کوئی بغیر توبہ کیے مر جائے گا۔ اللہ اسے دیباہی
اٹھائے گا جیسا کہ وہ دنیا میں تھا۔

گوئیوں، سرودیوں، سازندوں، طبلچیوں، میوزک اسٹروں، میوزک ڈائریکٹروں، پلے بیک سنگروں، ایکٹیو
فلم ایکٹیو کے دلوں میں ایمان کا بھی کوئی کبھی درجہ باقی ہے۔ سوال صرف ان کی خدمت میں بڑے ادب اور
سجاست کے ساتھ ہے کہ آخر انہوں نے کیا انجام انہوں نے سوچا ہے ؟
(صدقِ جدید)

لاہور ۵ مارچ ۱۹۸۸ء، چیف جسٹس آئرلینڈ، جسٹس آئرلینڈ اور جسٹس عطا محمد جان نے کج
اردو کے افانہ نگار رسالت جن سنڈ کوئٹنگ نگاری کے جرم میں تین سو روپیہ
جرمانہ (ورڈ پھر ایک ماہ قید با مشقت) کی سزا کا حکم سنایا۔ یہ سزا ان کو ایک فحش افانہ ”ٹھنڈا گوشت“ لکھنے
پر ہوئی ہے۔ جسٹس نے استدعا نہیں کی کہ جرم قرار دیا جاتا ہے مگر ڈسٹریکٹ جج مسٹر عنایت اللہ خاں نے انہیں بری
کر دیا تھا۔ حکومت نے اس کے خلاف اپیل دائر کی۔ اور اب ہائی کورٹ سے یہ سزا ٹائی ہے، ہائی کورٹ نے
اپنے فیصلہ میں کہا ہے کہ افانہ مذکور کے بعض حصے یقیناً فحش ہیں۔ اور قانون کی زد میں پوری طرح آجاتے
ہیں۔ نیز یہ کہ پاکستان کے بعض ادبی حلقوں میں جن کے ایک رکن منسوب بھی ہیں۔ ادب میں شرافت کے بارہ
میں بڑے غلط نظریے پھیلے ہوئے ہیں۔ اتنا ہی عدالت میں ملزم کی صفائی میں عابد علی عابد پرنسپل ڈپٹی منسٹر
کلکٹر مسٹر احمد سعید پروفیسر دیال سنگھ کا کج، اور صوفی غلام مصطفیٰ تبسم پیش ہوئے تھے۔ اور شہادت جرم کی طعن
سے مولانا مجاہد رنجیب آبادی، ڈاکٹر لطیف ناظم شعبہ نفسیات فورین کالج لاہور، آغا شورش کاشمیری اور ابو سعید
بزمی اڈیشا رشتان “

ہائی کورٹ کا ملزم کو مجرم قرار دینا یقیناً قابلِ داد ہے۔ لیکن اگر فحش نگاری تو ہی اخلاق کے بگاڑنے

کے مرادف ہے تو ایسے سنگین جرم کے لیے اتنی ہلکی سزا کی مصلحت ہم عایین کی فہم سے بالاتر ہے۔ تین سو کی رقم دے کر اگر نفع تین ہزار کا اٹھا یا جاسکتا ہے تو یہ جرم مانہ کیا ہوا، یہ تو اور انعام ہوا! ————— یہ نرمی اگر ججوں کی تھی تو بے محل بلکہ سخت مضر اور اگر نقص خود قانون کا ہے۔ تو ایسا ناقص قانون ہی بدلوانے کے قابل ہے اور یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر پاکستان کے سارے اسلامی پریس کو متفق لفظ ہو کر زور لگانا چاہیے غرض نویسی کی بلا ایک نیم اسلامی ملک میں کسی طرح بھی قابل برداشت نہیں۔ (صدق تجدید)

در کوئے نیکنامی مارا گزر نہ دادند ملک کی شوہر ترین فلم انڈسٹری کی زبان سے:۔ ہم لوگ اتنے بُرے نہیں تھے کہ پبلک سمجھتی ہے۔ میں مانتی ہوں کہ فلم لائن میں بعض لوگ ایسے شامل ہوئے جنہوں نے اسے بنام کیا یا جس جانتی ہوں کہ کچھ پیسہ معزز گھرانے کے لوگ اپنے لڑکوں، لڑکیوں کو اس لائن میں جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے ان کا خیال تھا کہ فلمی دنیا میں صرف بُرے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن وہ غلطی پر تھے یہ بات نہیں کہ فلمی دنیا بُری ہے۔ افسوس صرف یہ ہے کہ اچھے اور شریف آدمی جو اس لائن میں آتے ہیں۔ بُرے ہی بن جاتے ہیں اور بُرے کبھی اچھے بننے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ بس اس طرح انڈسٹری بنام ہو گئی ہے۔

بڑی خیر ہوئی جو فلمی لائن بری نہ ہوئی! برے نہ ہونے پر یہ حال ہے کہ جو اچھا اس میں جاتا ہے وہ برا بن جاتا ہے۔ اور جو برا جاتا ہے وہ اچھا بننے کی کوشش ہی نہیں کرتا! اگر یہ لائن کہیں واقعی بری ہوتی تو خدا معلوم کیا حال ہو کر مٹتا! ————— سچائی اپنے آپ کو خواستہ و ناخواستہ کن کن طریقوں سے ظاہر کرتی رہتی اور اپنی آواز کتنے کتنے پردوں کے اندر سے بھی نکالتی رہتی ہے۔! (صدق تجدید)

موت کی بارش ایم ایم نے سیریشیا اور ناگاساگا میں جو تباہیاں مچائی تھیں وہ نظروں کے سامنے ہیں۔ اور ان سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں ہے کہ اگر جنگ ہوئی اور اس میں ایم ایم استعمال کیے گئے تو انسانیت اور تمدن اور کلچر سب کچھ فنا ہو جائیں گے۔ آگے چل کر ایم ایم نے ہمدرد جن ہم کی شکل اختیار کی ہے اس طرح اس کی بربادی کی طاقت دس گنا بڑھ گئی۔ پھر اس میں کچھ اور ترقی ہوئی اور اب شاید یہ ایم ایم اس حد تک طاقت ور ہو چکا ہو کہ صرف دو دم کسی چھوٹے ملک کو ریگستان بنا سکتے ہیں۔

امریکا یا جو ایسی اسلحہ بنا رہا ہو اور اس کی دی ہوئی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ روس نے بھی ادھر تو جہ کی جو۔ جو ایسی اسلحہ کا مطلب یہ ہو کہ ہینس، طاعون، جیش اور اس قسم کے وبائی امراض کے جراثیم کو دشمن کے ملک میں اس طرح گرا دیا جائے گا کہ وہ کارگر نہیں، یعنی ملک کی تمام آبادی کو مریض بنا دیں۔ ذرا تصور کیجئے ایسے اسلحہ استعمال کرنے کے بعد ملکوں کی حالت کیا ہو جائے گی؟ بوڑھے، بچے، مرد، عورتیں سب

نوبائی امراض میں گرفتار ہیں اور سسک رہے ہیں۔ ڈاکٹر، نرس، اسپتال کا سب عملہ بھی شکار ہے۔ ہزاروں اور لاکھوں انسان دم توڑ رہے ہیں، اور کوئی ملحق میں پانی کی بوند تک چٹکانے والا نہیں ہو۔ پھر جب اس حالت میں جنگ ختم ہوگی تو اس کے خاتمے کے ساتھ وبا میں ختم نہیں ہوں گی۔ ان پر قابو حاصل کرنے کے لیے یا تو فائرنگ کو اربوں روپے کی دوائیں کرنا ہوں گی اور ایک بہت بڑے ملے کی مدد سے برسوں حفظانِ صحت کے سخت ترین اور حقیقی ترین طریقے اختیار کرنا ہوں گے یا پورے ملک کا قرنطینہ کر دیا جائے گا کہ جو لوگ مرتے ہیں وہ تھے ہیں۔ اس السلحہ کے استعمال کے بعد بہت طویل عرصے کے لیے معنوی ملک کے سب کا رخانے بند ہو جائیں گے، اسکولوں میں تالے پڑ جائیں گے اور ملک کا نظم و ضبط ختم ہو جائے گا، انزافری، لوٹ مار اور بد اخلاقیان عام ہو جائیں گی۔

اس تصویر پر جتنا غور کرو اتنا اس کا بھیا ناک پن زیادہ نظر آتا ہے۔ افسوس کی بات یہ کہ اس جنگ کی تیاری وہ ممالک کر رہے ہیں جو اپنی اپنی تہذیبوں کو دنیا کے لیے نجات سمجھتے ہیں۔
(قومی آواز)

(بقیہ صفحہ ۲۷)

کی غلامی میں ڈوبے ہوئے اور مظاہر روز و اند کی طرف متوجہ نہیں بلکہ اگر اجازت ہو تو میں صاف صاف یہ بھی کہہ دوں کہ ان محرکات کے فقدان کی ذمہ داری موجودہ نظامِ تعلیم پر بھی عائد ہوتی ہے، کیونکہ اس نظام میں جتنا لحاظ و اہتمام مواد اور معلومات کا کیا جاتا ہے اتنا مقاصد و محرکات کا نہیں کیا جاتا، حالانکہ یہ بات باثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ صحیح محرکات اور اچھے مقاصد کے بغیر معلومات کی کثرت اور آلات و وسائل کی فراوانی انسانی سوسائٹی اور تہذیب کے لئے ایک زبردست خطرہ ہے۔ تہذیبِ یورپ کی کمزوری کا اصل سرچشمہ یہی ہے اور وہ دن دور نہیں ہو جب اس تہذیب کا یہ روگ اُسے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیگا۔ موجودہ نظامِ تعلیم کو دیکھ کر مجھے خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ چیز ہماری زندگی میں بھی کمزوری اور ناکامی کا سرچشمہ نہ ثابت ہو بلکہ یہ اخیال تو یہ ہے کہ اس نقص کا اگر تدارک نہیں کیا جاتا ہے تو فلسطین کا واقعہ مستقبل کے بڑے خطرات کی صورت ایک تہید اور بد وقت آشکای ثابت ہوگا۔ خدا نہ کرے۔

(باقی ایشک)

بقیہ مضمون صفحہ (۱۶)

سے جو راہ متعین فرمادی گئی ہے وہی بالکل صاف سیدھی ہر طرح کی کجی (عوج) سے پاک راہ ہے اس سے ذرہ برابر ادھر ادھر بہکتا گرا ہی میں پڑنا ہے۔

البتہ آخرت کا یہ راستہ — جو نہ کم دنیا ہی سے ہو کر لیا ہو اس لیے بعد ضرورت ایسی ہدایات و نیا ضروری تھا کہ منزل کو بتائی ہوئے بغیر سبھاں تک ہو سکے راستہ امن و راحت کے ساتھ چلے ہو۔ نزدیک راستہ کے تاشوں اور دھبوں میں کھوکھولیاں ہی کھوجائے۔ عہد جدید کے ننگستان کی لائی اور سکھائی جدید معاشیات و سیاسیات کی بنیاد بالکل یہی آخرت و روشنی بلکہ آخرت بیزاری پر ہے اور یہی رجحان ساری دنیا پر ایسا چھایا گیا ہے کہ آئندہ کو تو پوچھیے ”اسلامی معاشیات“ یا ”اسلامی سیاسیات“ کی تعبیر سے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے کہ ان اصطلاحات میں معیشت و سیاست کی ضمنی و ذیلی یا وسائلی اہمیت سے زیادہ ہی انہیں بالکل بیغیر تقصدی اہمیت و منویت پیدا ہو گئی ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ یہ تعبیرات و اصطلاحات جھپٹوں نے پلائی ہیں اور ان کو مستقل علم و فن و دعوت و انیڈیا لوجی کا درجہ دیا ہے ان کی نظر میں یہ ضمنی و ذیلی وسائل نہیں اعلیٰ مقاصد ہی ہیں۔ جو تہذیب و تمدن بھی آخرت سے اپنا رشتہ کاٹ لے لے لازماً اس کی دنیوی زندگی ہی کے سارے شعبہ اور ان کے مسائل ہی زندگی کا محور و مرکز بن کر رہ جائیں گے۔

بہرحال اب آگے نام نہاد اسلامی معاشیات، اور اسلامی سیاسیات پر جو کچھ گفتگو ہوئی اس کا تجدیدی و اسلامی پہلو بھی ہو گا کہ ان کی حیثیت اسلامی زندگی کے مقاصد کی نہیں وسائل کی ہوگی۔ یعنی معاشی فراخ و رفاہیت اور سیاسی اقتدار و حکومت صرف اسی حد تک مطلوب و مقصود قرار پائے گی جس حد تک اس سے آخرت و انسانیت کے طلب و تکمیل میں امانت ہو اور جو معیشت یا سیاست جس درجہ میں اس کے منافی یا بذات خود مقصود ہوگی اسی درجہ میں مردود و ٹھکرے کی بھی پہنچائی و غیر اسلامی معاشیات و سیاسیات کا نابہ الامتیاز ہوگا۔ وہ اختہ ذیہتی

الہیہ و علیہ السلام (۱۶)۔

اعتقادات

— از محمد منظور نعمانی —

جمادی الاولیٰ کے ”الفرقان“ میں تبصرہ کے زیر عنوان ”ارواحِ ملئہ“ اور خاص طور سے اس کے حواشی کے متعلق جو رائے الفرقان کے تبصرہ نگار نے ظاہر کی تھی مدراس کے ایک صاحبِ علم بزرگ نے (اللہ ان کو جزائے خیر دے) ایک گرامی نامہ کے ذریعہ اس عاجز کو اس کی غلطی کی طرف توجہ دلائی جو اس تبصرہ میں واقعہ ”دو افسوس ناک غلطیاں ہوئی ہیں۔“

ایک یہ کہ بعض بزرگوں کے احوال یا احوال کی توجہات کو (غالباً اپنے خیال میں مستبعد سمجھتے ہوئے) غلو اور افراط قرار دیا ہے۔ حالانکہ ان توجہات کا مقصد ان بزرگوں کے ساتھ حسنِ ظن باقی رکھنے کی اور حتیٰ الوسع ان کو طعن و اعتراض سے بچانے کی کوشش کرنا ہے اور اس مقصد کیلئے انگوں کے احوال و احوال کی گنجائش کی حد تک توجیہ و تاویل کرنے میں بعض بڑی اہم دینی مصلحتیں ہیں اور بہت سے مقاصد کا سایہ اب جو — لیکن ان مصلحت اور مفاسد تک ہر ایک کی نظر نہیں جاتی، اس لیے بہت سے لوگ اس کا فضا غلو اور افراط سمجھتے ہیں۔ الفرقان کے تبصرہ نگار عزیز سے بھی یہاں یہی غلطی ہوئی ہے۔

دوسری غلطی ان سے یہ ہوئی ہے کہ اس رائے کے اظہار میں جو زبان استعمال کی گئی ہے اس میں وہ ادب ملحوظ نہیں رہا جو ایسے موقعوں پر ضروری ہے۔ اپنے اکابر اور مقتدین کی آراء و تحقیقات سے اختلاف کرنا یا بضرورت ان کی کسی غلطی کو ظاہر کرنا ہمیشہ سے رہا ہے لیکن امت میں جب تک یہ کام ادب اور فرق مراتب کی رعایت کے ساتھ ہوتا رہا اس سے خیر ہی پیدا ہوتا رہا اور جب تک یہ حدِ ثلوثی ہے آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہو کہ اس سے کس قدر شر پیدا ہو رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ غلطیوں سے بچنے کی ہم کو توفیق دے اور جو غلطیاں ہو جائیں ان کو ہماری تربیت کا ذریعہ بنائے۔

پاکستانی احباب کو چند اہم اطلاعات

۱۔ آئندہ سے پاکستان کے لیے ”الفرقان“ کا سالانہ چندہ پاکستانی سکہ سے صرف چار روپے کر دیا گیا ہے۔ اور گنڈوں سے خریدنے والے حضرات کے لیے ایک کاپی کی قیمت پاکستانی میں ۶ کر دی گئی ہے۔

۲۔ پاکستانی احباب آئندہ سے اپنے چندہ کی رقم ”ناظم صاحب ادارہ صلاح و تبلیغ، سٹرٹ لین بلڈنگس لاہور“ کے تہ بڑی آرڈر سے روانہ کیا کریں، اور نئی آرڈر کے کوپن میں اپنا نام اور تہ صاف لکھیں، اور یہ بھی لکھیں کہ یہ روپے ”الفرقان لکھنؤ“ کے چندہ کے ہیں، اور ایک خط کے ذریعہ ”دفتر الفرقان لکھنؤ“ کو بھی اس کی اطلاع ضرور دیدیا کریں، کہ ہم نے فلاں تاریخ کو الفرقان کے چندہ کے اتنے روپے ”ادارہ صلاح و تبلیغ لاہور“ کو روانہ کیے ہیں (اور قدیم خریدار اپنا خریداری نمبر بھی ضرور لکھیں)۔

۳۔ وہی سے رسالہ بہت تاخیر سے پہنچے گا اس لیے یہی بہتر ہے کہ رسالہ جاری کرنے والے حضرات مند رجہ بالا تہ پر مٹی آرڈر کر دیں اور ہمیں اطلاع دیں۔

۴۔ جن حضرات کے ذمہ ”الفرقان“ یا ”تذکرۃ الفرقان“ کی کوئی رقم واجب الادا ہے، یا جو آئندہ کتب خانہ الفرقان سے کتابیں منگوائیں، وہ اپنی رقم مذکورہ بالا تہ پر لاہور ہی روانہ کر دیں اور اس کے ساتھ رقم بھیجئے گا مقصد مٹی آرڈر کوپن میں ضرور لکھ دیں، اور ایک خط میں کارڈ براہ راست دفتر الفرقان لکھنؤ کو بھی ضرور دفتر تحریر فرمائیں، اس میں غفلت نہ کریں۔

۵۔ الفرقان کا چندہ اور کتابوں کی رقم آپ بینک کے ذریعہ براہ راست فیصلہ الفرقان لکھنؤ کے نام بھی روانہ کر سکتے ہیں۔ دونوں سکیموں نے اس کو منظور کر لیا ہے کہ اخراجات و رسائل اور کتابوں کی قیمتیں بینک کے ذریعہ ایک نمائندہ سے دو سہرے لاکھ کو بھیجی جاسکتی ہیں۔ اس کا طریقہ ادرا اس کے قواعد آپ اپنے مقامی بینک سے دریافت کر سکتے ہیں۔

۶۔ معلوم ہوا کہ پاکستان میں بعض خریداروں کو ”الفرقان“ باقاعدہ نہیں پہونچتا، براہ کرم ایسے حضرات دفتر الفرقان کو ضرور اطلاع دیدیا کریں، دفتر پرچہ کی روانگی پوری احتیاط سے خوب دیکھ بھال کے سب خریداروں کیجاتی ہے، اس کے باوجود اگرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع ہمیں دیدی جائے تو دفتر میں پرچہ بالی ہونے کی صورت میں انشاء اللہ ہم دوبارہ باقیمت بھیجیں گے۔

ناظم۔ دفتر انفنٹین لکھنؤ



فہرست مضامین

صفحہ	مضامین نگار	مضامین	جلد (۱۹) بابہ ماہ شعبان ۱۳۸۶ مطابق ماہی ۱۹۵۲ء نمبر (۸)
۲	مدیر	نگاہ آدیں	۱
۴	مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی	فریضہ رمضان کی حکمتیں	۲
۹	مولانا سید مناظر حسن گیلانی	روزہ اور قرآن	۳
۲۶	مدیر	ماہ رحمت	۴
۴۵	مولانا حبیب الرحمن اعظمی مدظلہ	تعارف و تبصرہ	۵

سُرخ پُسل کا نشان اس بات کی علامت ہو کہ جناب کی مدت خریداری اس شمارہ ختم ہو گئی ہو۔ لہذا اپنا چندہ برائے ایک سال مبلغ پانچ روپیہ بذریعہ پی آر ڈا ارسال فرما کر شکوہ فرمائیے۔ اگر ۲۰ جون ۱۹۵۲ء تک جناب کے چندہ وصول نہ ہوا، اور نہ کوئی اطلاع آئی تو اگلا پوچھ دی، پی بھیجا جائے گا جس کا وصول کرنا جناب کا اخلاقی فریضہ ہوگا۔ پاکستان کے حضرات اب اپنا چندہ سکرٹیری صاحب "ادارہ اصلاح و تبلیغ" "سٹرپٹین بلڈنگس لاہور" کے پتہ پر ارسال فرمائیں اور ایک کارڈ کے ذریعہ کم و کس کی اطلاع ضرور دیدیں، اور قدیم خریدار صاحبان اس اطلاع کے ساتھ اپنا بذریعہ پی آر ڈا بھی ضرور لکھیں۔ اگر آپ کے چندہ کی اطلاع ۲۰ جون ۱۹۵۲ء تک موصول نہیں ہوئی تو "ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور" سے آپ کی خدمت میں "الفرقان" بذریعہ وی، پی آر ارسال کیا جائے گا۔ دیگر ممالک کے حضرات اپنا چندہ ۱۲ شنگ بذریعہ پی آر ڈا دفتر فہرست "الفرقان" لکھنؤ کو ارسال فرمائیں۔ والسلام

ناظم الفرقان لکھنؤ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نگاہِ اوّل

یشتیان کا شمارہ جو جو انشا اللہ رمضان کی ابتدائی تاریخوں میں آپ کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔ اس لیے اس میں صرف رمضان مبارک ہی سے متعلق مضامین درج کیے گئے۔ یہ مضمون اگرچہ ہم صفحات سے زیادہ پر ہیں لیکن گفتی میں صرف تین ہیں۔ خدا کرے ناظرین کرام کو ان سے وہ نفع جو جس کی امید رکھنے والوں نے ان کو لکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ ”احیاء رمضان“ کے سلسلہ کی قبولِ کوششوں میں ان مضامین کو بھی شامل فرمائے۔ پہلے دو مضمون علمی قسم کے ہیں خصوصاً ہمارے مخدوم و محترم مولانا گیلانی کا مضمون ”روزہ اور قرآن“ (جو دراصل رمضان اور روزہ سے متعلق چند آیات قرآن کی تفسیر ہے) اس قسم کے ان کے دوسرے مضامین کی طرح بعض بہت ہی نادر اور عام افہام سے بالاتر نکات پر مشتمل ہیں، جن تک ان ہی کا ذہن پرواز کر سکتا ہے۔ ان دو مضمونوں کے بعد آخر میں راقمِ سطری کی ایک تقریر ہو جو حوالہ ہی میں ایک اجتماع میں کی گئی تھی، جیسا کہ ناظرین کرام انشا اللہ خود بھی محسوس کریں گے اس تقریر کا مقصد صرف یہ تھا کہ اللہ کے بندے رمضان مبارک کی عظمتوں اور خاص برکتوں سے واقف ہوں اور اس ماورِ رحمت کا استقبال اس طرح کریں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی نسبت رکھنے والے اہل ایمان کو کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس امت کو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوتِ عظمیٰ کا سایہ نصیب فرمایا اور جس طرح اسکو کعبہ و درخان نصیب فرمایا اس طرح کے امتیازی عطایا میں سے ایک رمضان کا پورا مہینہ اور شب قدر بھی ہو۔ انیسویں آج اس مقدس مہینہ کی عظمتوں اور خاص رحمتوں سے بچا رہے عوام کا کیا ذکر بہت سے خوبصورت بھی بے خبر یا غافل ہیں۔ یہ تقریر اسی مقصد کے لیے کی گئی تھی کہ اللہ کے بندے رمضان کی عظمت کو جان کر اس کی خاص رحمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ اگر آپ مسجدِ دن یا مجلسوں میں اللہ کے بندوں کو یہ تقریر پڑھ کر سنائیں تو امید ہو کہ انشا اللہ اللہ کے بہت سے بندہ دن کو اللہ سے جوڑ دینے کا اور رحمت و مغفرت کا مستحق بنا دینے کا آپ درمیان بن جائیں گے۔ اور کسی مومن بندہ کے لیے یہ سب بڑی سعادت ہو۔ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَبَّهْ الْمُتَنَبِّهُونَ۔

فریضہ رمضان کی حکمتیں

(از مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی)

اس مقالہ میں ”بجاء اللہ الباعسر“ سے استفادہ کیا گیا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَبَّيْكُمْ عَلَيْكُمْ الصِّيَامُ كَمَا كُنْتُمْ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

اے ایمان والو! تم پر رونے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم پر پہلوں پر کئے گئے تھے، تاکہ تیرا تم میں تقویٰ پیدا ہو۔
اسلام اپنے پیروں کو جس اعتدال، ضبط نفس، اطاعت اور روحانیت کے کمال تک پہنچانا چاہتا ہے اس کے لیے اس نے دور اتنے اختیار کیے ہیں۔

جو اشیاء اور احوال انسان کی زندگی میں خود فراموشی، سخت بے اعتدالی، مصیبت اور آزار کا بھرم کی طرف طبعی میلان، ہستی اور بے گلی کی طرف رجحان اور کثرت کی طرف رغبت، دنیا کی زندگی کی بڑھی ہوئی ہوس، اور لغزش و فتنہ کا بھونچلے جانی اور بے غیبتی کی ترغیب پیدا کرتے ہیں ان سب کو اس نے ابدی طور پر انسان کے لیے منوع قرار دیا۔
بسیں عمر کے کسی مرحلے، زمانے کے کسی اختلاف، اور ملک مقام کے کسی امتیاز کو دخل نہیں ہے۔ ممنوعات کی اس فہرست میں وہ تمام معاصی داخل ہیں جو کبھی انسان کے لیے حلال اور جائز نہیں، مثلاً شرب، کھم خیزی، قمار، ربوہ، مال حرام اور دیگر معاصی۔
جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے یا مسلمان بن کر پوچھتا ہے تو وہ ان تمام چیزوں سے روزہ رکھ لیتا ہے اس روزے کی ابتدا یا اس زندگی کی صبح صادق! اسلام کے احکام کا مخاطب بن جانا ہے۔ اب اس روزے کا افطار رکے آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے نہیں ہے۔ یا یک طویل روزہ ہے جو ہر مسلمان کو سفر و حضر میں رکھنا ہوتا ہے اور حالت اضطرار (شرعی) کے سوا کوئی استثنا نہیں، شریعت کے مقاصد کے حصول کے لیے اور ان معاصی کو بند کرنے کے لیے جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے، روزہ لازمی ہے۔

ان مخصوص چیزوں کے علاوہ لذت کی تمام چیزیں (بشرطیکہ وہ حرام نہ ہو) مباح اور جائز ہیں ان سے خواہ مخواہ کے لیے رکنا پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھا گیا ہے اور ان حلال چیزوں کو اپنے لیے حرام کر لینا شریعت میں ایک طرح کی تعریف، دین میں تشدد اور کفرانِ نعمت قرار دیا گیا ہے۔

اور بہت سے لوگوں کو ایسا معلوم ہو گا کہ گویا اپنے حسابے ایک روز درادیر سے کھانا کھایا۔

۲۔ یہ روزے رمضان کے میں یا تیس دن رکھے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ایسے وقفے مسلسل ہوں تاکہ ان کے نقوش دیر پا ہوں۔ ایک طویل وقفے سے یہ بہت زیادہ مفید ہے کہ متواتر متعدد درجہ کے وقفے ہوں۔

۳۔ ان وقفوں کی تعداد کا تعین بھی ضروری ہے کہ اس کو ہم اورو غیر معین چھوڑ دینے سے افراط و تفریط کا اندیشہ برپا نہ ہو۔ لگ بھگ بہت تھوڑے روزے رکھتے اور بہت سے لوگ بہت زیادہ روزے رکھتے۔ اور پھر سب یہ عالم گیر فریضے، اور شریع عام مقصود ہے کہ اس میں انتخاب کتنے نہیں رہنا چاہیے تھا کہ جو شخص جس چیز میں چاہے روزے رکھے۔ اس سے عام طور پر حیلہ جوئی، عذر دار رہے عملی کا دروازہ کھلتا ہے اور گریز کی راہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اتنا بے دروازہ کہ کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔ وعظ و نصیحت امر بالمعروف نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے جس شخص سے بھی کسی وقت اس بارے میں گفتگو کی جائے وہ یہ کہہ کر منہ بند کر سکتا ہے کہ میرا معمول فلاں مہینے میں ہے۔ اور اس کا کوئی جواب نہیں اور اس طرح رفتہ رفتہ اس چیز کا رواج مٹ جاتا ہے۔

۴۔ ایک ہی وقت میں تمام روئے زمین کے مسلمانوں کے روزہ رکھنے میں بڑی حکمت ہو مسلمانوں کی بڑی جماعت کا فریضہ صیام کو اہتمام کے ساتھ ایک وقت میں ادا کرنا، کمزور طبیعت والوں کے لیے بھی ہمت افزا، شوق انگیز اور فریضہ کی ادائیگی میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ ایک عالم گیر روحانی ماحول اور ایک عمومی دینی فضا پیدا ہو جاتی ہے جو قلوب دارِ وادع کے لیے موسم بہار کی سی تاثیر رکھتی ہے جس میں تھوڑی تو جبر سے ہر چیز میں نشرو ناپا رہنے لگتا ہے مسلمانوں کے اس روحانی فریضہ میں شغول ہونے سے ملوکوتی انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے اور عوام کے آئینہ دل پر انوار کا انعکاس ہوتا ہے۔ مسلمان عالم کے جس گوشہ میں بھی ہو اس کو روزہ دارانہ فضا معلوم ہوتی ہے جو اس سے خود ہی تقاضہ کرتی ہے کہ وہ بھی روزہ دار ہو۔ مسلمان روزہ سستی کر کے اپنے کو اس ماحول میں اجنبی اور ایک طرح کا مجرم سمجھتا ہے۔

۵۔ ان تمام حکمتوں کی بنا پر سال میں ایک پورا مہینہ روزہ کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ دوسری خصوصیات کے علاوہ جن کا ہمیں علم نہیں رمضان کی تخصیص کی ایک کھلی وجہ یہ ہو کہ اس ماہ مبارک میں نزولِ قرآن کا سلسلہ شروع ہوا اور روزہ اور قرآن میں خاص مناسبت ہو۔ قرآن چونکہ عالم غیب اور عالم روحیات کی چیز ہے اور روزہ عالم مادی سے بہت حد تک آزادی قلب و روح میں لطافت اور عالم غیب اور عالم صمدیت کا ایک آئینہ پیدا کرتا ہے۔ روزہ دار پر خدا کی صفات کا ایک پرتو اور اس کی شان صمدیت کا ایک آئینہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن کے دل میں بننے اور روح میں پیوست ہونے کا خاص موقع ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہو کہ قرآن کے حصے کو مختلف طریقوں سے روزہ میں زیادہ سے زیادہ دخل کیا گیا۔ اور

یہی تراویح کی حکمت ہے۔

۶۔ روزہ زندگی میں ایک ایسا موس فرق اور امتیاز پیدا کر دیتا ہے کہ جس سے جس انسان کو بھی بھی اپنے سابقہ طرز زندگی، غفلت شغلی اور دنیاوی انہماک میں تخفیف کا طبعی تقاضہ پیدا ہو جاتا ہے۔ رمضان ایک معجزہ کام دیتا ہے جو سوسے ہوئی طبیعتوں کو جگانے، بجھے ہوئے دلوں کو گرانے، آتش محبت کو بھڑکانے اور دینی چنگاروں کو ابھارنے کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔ انسان کی فطرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تنوع اور اختلاف کو انسان کے بیدار اور ہوشیار کرنے اور اس کی کن طبیعت کو تیز کر دینے میں بڑا دخل ہے۔ رات دن کے اختلاف کو انسان کی جسمانی و روحانی تازگی میں خاص دخل ہے۔ قرآن کہتا ہے:-

وہ وہی ہو جتنے بنایا رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین
ہو اللہ ہی جعل اللیل والنہار لعلہما یرسلوا
واسطے اسکے جو سوچے اور فکر کرے اسی کا ارادہ کرے۔
لَمَنْ ارَادَ اَنْ یَّکُونَ مِنَ السَّامِعِیْنَ

دوسری جگہ فرمایا ہے:-

بابت آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور اختلاف لیل و نہار میں
نشانیاں ہیں اُن اہل عقل و دانش کیلئے بویا کرتے ہیں
اللہ کو کھڑے اور بیٹھے۔
اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰیٰتِ
الْاَنْبِیَآءِ الَّذِیْنَ کِیْدُکُمْ فِیْہِمْ
قیاماً و قعوداً۔

جس طرح سے کہ مادی طور پر رات دن کا اختلاف، ہر صبح کی طلوع انسان میں ایک شور و یکسوئی پیدا کرتی ہے اور خالق کی طرف توجہ پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح روحانی طور پر رمضان کی سالانہ مسلمانوں کی سبتوں اور بابا دیوں میں روحانیت کا احساس، دینی بیاری، اپنی کوتاہیوں پر ندامت، مجرموں میں اپنے جرائم پر ندامت اور خدا کی طرف ایک توجہ اور انابت پیدا کر دیتی ہے۔ اور اگر ادمیت نے قلب کو بالکل بے حس نہیں بنا دیا ہے تو صدمہ آدمیوں کو توبہ اور اصلاح کی توفیق دے جاتا ہے۔ رمضان سالانہ حساب اور اپنی سابقہ زندگی کا جائزہ لینے کا ایک بہترین موقع ہے۔ ہر شخص آسانی سے دیکھ لے سکتا ہے کہ اس نے گزشتہ رمضان سے اس رمضان تک کیسے زندگی گزاری ہے اور اس نے دینی حیثیت سے کیا شک ترقی کی ہے۔

۷۔ رمضان ہر سال ہر شخص کو اپنی سطح سے ترقی دینے کے لیے آتا ہے جو شخص جس سطح پر پہنچ گیا ہے، خواہ وہ سطح کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو اس سے بلند کرنے کی طاقت اس میں موجود ہے۔ ہر شخص عمل، روحیات، ذکر و عبادت، تعلق باللہ، اخلاص، جفاکشی و مجاہدہ، زہد و قناعت، انیثار، بخواری اور مواصلات کی

جس منزل و مقام پر بھی ہے ہر نیا رمضان اس کو اس سے آگے بڑھانے کے لیے اور زیادہ بلند منزل کا شوق دلانے کے لیے آتا ہے۔ رمضان کی ساخت، رمضان کا نظام، رمضان کے اجزاء، رمضان کے مشاغل اور رمضان کا اصول ایسا بنایا گیا ہے کہ ہر شخص کو اپنے کو ترقی دینے کا موقع حاصل ہوتا ہے۔ مادی موانع تقریباً دور ہو جاتے ہیں۔ ذکر عبادت میں جذبہ مسابقت پیدا ہوتا ہے۔ اچھے دینداروں اور روزہ داروں کا ساتھ ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت اور مطالعہ کا زیادہ سے زیادہ موقع ملتا ہے۔ قلب رنج میں لطافت پیدا ہوتی ہے۔ غرض وہ سارے مواقع بہم پہنچ جاتے ہیں جو انسان کی روحانی ترقی اور اسلامی زندگی کے لیے ضروری اور مفید ہیں اور ہر شخص کو اپنی سطح کے مطابق ترقی ہوتی ہے۔

۸۔ رمضان کے روزہ کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ اطاعت الہی کا ایک کھلا ہوا مظہر ہے اس سے بڑھ کر اطاعت کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ نعمتوں کی موجودگی میں اور ہر چیز کے استعمال کی قدرت کے باوجود محض امتثال حکم کے لیے آدمی اپنے ہونٹوں پر فضل لگا لیتا ہے۔ یہ فضل اللہ کے حکم ہی سے کھلتا ہے اور اللہ کے حکم سے گھٹتا ہے۔ جب نہ کھانے کا حکم ہو اس وقت کھانا گناہ اور جب کھانے کا حکم ہو جائے تو اس وقت تعمیل ارشاد میں دیکر نا غلطی ہے۔ اسی لیے آفتاب کے غروب ہو جانے کے بعد انقطاع کرنے میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

۹۔ روزہ میں جب وہ چیزیں بھی ممنوع ہو جاتی ہیں جو روزہ کے علاوہ ہمیشہ سے حلال و طیب ہیں اور روزہ کے بعد ہمیشہ حلال و طیب رہیں گی تو وہ چیزیں کیسے ممنوع نہوں گی جو روزہ سے پہلے بھی حرام اور ممنوع تھیں اور روزہ کے بعد بھی حرام اور ممنوع ہوں گی۔ یعنی نیست، لڑائی جھگڑا، گالی گلوچ بے حیائی، جھوٹ، روزہ کی روح یہ ہے کہ تمام گناہوں سے اجتناب اور نفرت پیدا ہو اور روزہ کے درمیان میں ان سے مکمل اجتناب ہو۔ اگر صرف نہ کھانے پینے سے روزہ رہا اور تقویٰ نہ پیدا ہو تو ایک بے روح روزہ ہے جو صرف ڈھانچہ ہے، اس میں روح نہیں اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے:-

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَلَّ جِهَ فَلَيْسَ بِرَجُلٍ حَاجَةً اِنْ يَدَعَ طَعَامَهُ

وشرابہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روزہ اور قرآن

(از مولانا بنیامین گیلانی)

کہنا یہ ہے کہ شرعی مطالبات کی خود ساختہ توجہوں اور تاویلوں کی حیراتوں سے کیا زیادہ مناسب یہ نہ تھا کہ خود شریعت اور شریعت کی کتاب ہی میں یہ تلاش کیا جائے کہ اپنے ان مطالبات سے کن مقاصد کی تکمیل اس کے پیش نظر ہے۔ ایسے مذاہب و ادیان جن کی بنیادی کتابیں بھی مشکوک و مشتبہ ہو چکی ہیں، ان کے متعلق تو میں نہیں کہتا، لیکن ماننے والے جب یہ جانتے ہیں کہ قرآن میں براہ راست خطاب الہی کے سوا اور کچھ نہیں ہے، اس کے ہر فقرہ اور ہر آیت کی بنیاد انسانی عقل کے ناقص معلومات اور حوسرے تجربات، مشتبہ مشاہدات پر نہیں، بلکہ عالم الغیب والہ الشہادۃ کے اس محیط اور حادی علم پر قائم ہے جس کے احاطہ سے نہ کوئی چیز خارج ہے اور نہ ہو سکتی ہے تو اعتماد و یقین کے لیے اس سے زیادہ حکم اور زیادہ استدلال اس کا کیا کوئی تصور بھی کر سکتا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ ”یہ کتاب خدا اور خالق کائنات کی کتاب ہے“ اس دعویٰ کو مشتبہ ٹھہرتے ہوئے دعویٰ کے پیش کرنے والے ہی کے متعلق العیاذ باللہ افتراء اور جھوٹ کے وسوسے کی نیش زنی سے کسی بد بخت کو نکات نہ ملی ہو میرے خطاب کا رخ نسل انسانی کے ان بد بخت و وسوسے کے شر و کمزوریوں کی طرف ہے بھی نہیں۔ ان سکیڑوں، عقل کے میکینوں کو دیکھ کر تعجب نہ ہوتا ہے ایک طرف تو یہ بھی پاتے ہیں اور یہی ان کو پانا بھی چاہیے کہ خدا کے نام سے قرآن کے پیش کرنے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار کی عظمتوں سے ان کے قلوب لرز رہے بھی ہیں، آپ کی بے داغ صداقت اور سچائی کے وزن سے خود کہتے ہیں کہ ان کا دل ان کا داغ دبا چلا جاتا ہے اور یہ کہ اللہ کی برائی کا عتف اور ایضاً نپند قلب کا قدرتی باز ہے جیسا کہ جو یہ دیکھا جاتا ہے کہ نہ ماننے والوں میں بھی تائید انتہائی سیاح سینہ اور قطعی مردہ ضمیر ہی آدمی ہو گا جو اس افتراءی دعوے کے انہار کی جرات کر سکتا ہے۔ درندہ منق بھی زندگی کی جن کے اخلاقی حاسرہ میں باقی رہ گئی ہو نہ ماننے پر مصر ہونے کے باوجود دھنوں نے اسی کے اقرار پر اپنے آپ کو بے بس پایا ہے کہ سچے ہونے کے لیے

کسی انسان کو جو کچھ بھی ہونا چاہیے وہی سب کچھ محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

بہر حال کچھ بھی ہو، دوسروں کے متعلق تو میں نہیں کہتا لیکن اپنا حال یہی ہے کہ قرآنی خبریں مثلاً یہی کہ نیکو کاروں اور بدکرداروں کا انجام ایک نہیں ہو سکتا زمینی میں مل کر ظالم اور مظلوم دو دائروں کا ختم ہو کر برابر نہیں ہو جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ یعنی بدکار کی اقداری قوت کے ساتھ مالک بن کر ایک دن سب کے سامنے ان کا پیرا کر خوا لائے گا اور ان کے لئے نتیجوں تک کرنے والوں کو پہنچا دے گا، الغرض یہاں بے حاصلی کے نظم عالم کی معنویت و افادیت کی یہی آگاہی قرآن سے جو حاصل ہوتی ہے جس آنے والی گھڑی کی تعبیری کتاب میں ”الاساعت“ سے کی گئی ہے اور قرآن ہی کی اصطلاح میں ”القیامت“ بھی اسی کا نام ہے کہ ناسخ کو اگلنے کے لیے دنیا اس وقت کھڑی ہوگی۔ اسی ”الاساعت“ یا ”القیامت“ کو اس وقت تک تو گویا میں اپنے سامنے پاتا ہوں، جب تک قرآنی آیتوں، اور اسکی دی ہوئی خبروں کی عینک میرے اعتماد و یقین کی آنکھوں پر چھٹی رہتی ہو، شاید گوشت اور چھوٹے روگوں، ریشوں کے مجموعے سے بنی ہوئی اور پیشانی کی ٹہریں میں جڑی ہوئی آنکھوں کا مشاہدہ یقین کی اس کیفیت کو میرے اندر نہیں پیدا کر سکتا تھا جس لازماً قوت کو میں اپنے دل کے اس یقین و اذعان سکون و اطمینان میں پاتا ہوں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا مان لینے کے بعد قدرتی طور پر قیامت کی متعلقہ قرآنی خبریں مجھ میں پیدا کرتی ہیں۔

اشتباہی آلائشیں سے پاتا ہوں کہ میرا یہ قرآنی یقین بالک اور قطعاً پاک ہو کہ اس علم میں واسطہ، نقائص اور کوتاہیوں سے بھر ہوا، میرے جسم کا گھی و اعصابی آلودہ (آنکھ) نہیں ہے، بلکہ علم و دانش کا وہ لازمی خزانہ ہے جس پر شوک اور غلطی، غلط فہمی کے اندیشوں اور دوسروں کی ساری راہیں بند ہیں، اور اک و علم کا یہی ایک واحد و نامزد رعبہ ہے جس پر شوک کے بادل ہی چھا سکتے ہیں اور نہ بے اعتمادی واریت اب کی ہو اچھی اس کو چھو سکتی ہے۔

علم اور صرف علم یقین اور فقط یقین !!!

دھملا، دھلایا، صحت تھرا، شرافت تاباں و درخشاں علم !

لیکن عالم کے اس موجود نظام کے اسی فائنل رزلٹ (Final Result) اور آخری نتیجہ کی یہی قرآنی اطلاع کے نیچے، جو کہ عقلی کندھوں کے لگانے والوں کی سرگرمیاں شروع ہو جاتی ہیں، اور دیکھے ہوئے مشاہدات سے بھی زیادہ ناقابل زوال یقین پر جس علم کی بنیاد قائم ہے، جب اس کی پشتیبانی کا ارادہ استدلال کے ”پائے چوبیس“ سے کیا جاتا ہے، تو میں سچ کہتا ہوں مجھ پر تو خفقان کا دورہ پڑنے لگتا ہے۔ جو

چیز روشنی میں تھی کچھ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ تاریکی کی گہرائیوں میں وہی ڈوبتی پہلی جا رہی ہو، اور جو بات سامنے تھی، نظروں سے گویا اوجھل ہو رہی ہے، بے ساختہ جی چاہتا ہو کہ نعرہ ضلیلی

لا احب الا خلیل
میں نہیں چاہتا، ڈھل جانے والے کو

کے ساتھ میں بھی چنچ اٹھوں،

کچھ حکمانہ ہے ان بے تیز لیوں کا؟ خبر تو دی ہی جاتی ہے، ایسی چیزوں کی جو سامنے نہ ہوں، دن کی روشنی میں جو یہ اظہار دے کہ آفتاب چمک رہا ہو، یا جمعہ کے بعد ہفتہ کا دن آئے گا گرمی کے بجائے برسات اور سناٹ بعد سہرا کا موسم نمودار ہو گا بھلا سامنے کے ان واقعات، روزمرہ پیش آنے والے، آئے دن کے ان مشاہدات کی بھی کوئی خبر دیا کرتا ہے، یا لوگوں کو ان سے آگاہ کیا کرتا ہے، لوگ سوچتے نہیں، درنہ باد فی تا مل ان پر بھی واضح ہو سکتا ہے آخر اس سے کون نا واقف ہے کہ مذاہب و ادیان میں یہ کبھی نہیں منوایا جاتا کہ زمین دکھائی دے رہی ہے یا مارے چمک رہے ہیں، درخت بھوم رہے ہیں، پانی بہہ رہا ہے ان باتوں پر ایمان لایا جائے، ان کو مانا جائے۔

نبوتوں، اور رسالتوں کی آگاہیوں کا تعلق کون نہیں جانتا کہ ان ہی حقیقتوں سے ہوتا ہے، جن کو علم و ادراک کے عام اور معمولی ذرائع سے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ بیان کتے ہیں۔

آخر یہی قیام قیامت کا قصہ ہے، زندگی سے جو محروم تھے۔ ان ہی کو زندگی پانے کے بعد اپنے بھائی بھائی کو زندگی سے محروم ہو جانے، یعنی مرنے کے بعد پھر زندہ ہونے کا موقعہ ان کو کیسے ملے گا؟

آپ دیکھ رہے ہیں، خواہ مخواہ کے انقباض، اور بے معنی گرائی و استبعاد کے سوا اس قسم کے بے بنیاد دوسو سو کی تہ میں اور بھی کچھ ہے؟ زندگی کی محرومی کے بعد زندہ ہونے کا جو تجربہ کر چکا ہے، خود اپنے متعلق بھی کر چکا ہے اور کئے دن دوسروں کے متعلق بھی روزمرہ آئی و آتہ کے مشاہدہ کا موقعہ مسلسل جسے مل رہا ہو وہی آخر کس بنیاد پر یہ کہتا ہے، یا کہہ سکتا ہو کہ زندگی سے محروم ہو جانے کے بعد زندہ ہونے کی صورت ہی کیا ہوگی کسی طرح بھی اس کے منہ پر یہ بات بھتی ہے؟

خیر اور دوسروں کو جانے دیجئے جو قرآن کو خدا کی کتاب مانتے ہیں۔ اور یہی مان کر اس کی تلاوت سے بھی سعادت اندوز ہوتے رہتے ہیں ان سے میں پوچھتا ہوں کہ اس کتاب میں ایسی آیتیں مثلاً یہ فرماتے ہوئے کہ:

جیسے ہم نے پہلی آفرینش کی ابتدا کی اسی طرح
اس آفرینش کو ہم دہرائیں گے۔

کما بعد ۱۱۷۱ اول خلق نعیدہ

ارشاد ہوا ہے :-

یہ ہے ہم پر وعدہ اور بے شک و شبہ ہم یہی کر کے
وعداً علینا ان اکفنا علیہ

رہنے والے ہیں۔
کیا قرآن میں ان کی کبھی ہے، اس سلسلہ کی ساری آیتوں کو نقل کرنے کا ارادہ اگر کیا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے ایک
بڑے حصہ کو بچھل کر ناپڑے گا جس کا جی چاہے۔ اس کتاب کو اٹھائے، تھوڑے تھوڑے دفعہ کے ساتھ اس کو اسی
نوعیت کی آیتیں ملتی چلی جائیں گی جن میں قیام قیامت کے یقین کی بنیاد حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے وعدہ اپنے
اعلان اپنے بیان اور اپنی خبر اپنی اطلاع ہی کو ٹھہرایا ہے،
بلکہ سورہ النساء میں تو یہ فرماتے ہوئے کہ :-

اللہ لا الہ الا اللہ
لیجعلنکم یوم القیمۃ لاریب فیہ

نہیں اس میں۔
اسی کے بعد صراحتہ فرما بھی دیا گیا ہے کہ :-

اور بات کرنے میں اللہ سے زیادہ سچا اور
کون ہے۔

اسی سورہ میں چند آیتوں کے بعد اخروی زندگی کے بعض پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے تقریباً اسی کا اعادہ ان الفاظ میں فرمایا گیا۔
اللہ کا وعدہ ہے، اور اللہ سے سچا بات کرنے
میں کون ہے۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ کجائے مخلوقات کے خود عالم کے پیدا کرنے والے خالق کی خبر سے زیادہ یقینی آگاہی کا ذریعہ
اور کیا ہو سکتا ہے؟ لے دے کر اس راہ میں بحث و نظر کی ضرورت صرف اتنی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
(العیاذ باللہ) غلط بیانی سے تو کام نہیں لیا، جو ہی کہ یہ مسئلہ طے ہوا اچانک ہم مخلوقات کے سامنے سے ہٹ کر براہ راست
خالق کائنات کے سامنے اپنے آپ کو کھڑا پاتے ہیں۔

اب میرے کان خدا کی آواز سن رہے ہیں اور کان کے سنے ہوئے ان الفاظ یا آنکھوں سے دیکھے ہوئے قرآنی
حروف سے میرے دل کو دماغ کو براہ راست خالق کائنات سے آگاہیاں حاصل ہو رہی ہیں، میری دانش، میرا علم
سبحانہ و تعالیٰ کے علم محیط کے ساتھ مربوط ہو جاتا ہے۔

بہر حال مختصر سی بات بہت طویل ہو گئی، ذکر مٹھا ”روزے“ یعنی قرآن کے مطالبہ ”الصلوم“ کا عرض یہ کرنا چاہتا تھا کہ اس مطالبہ کو عائد کرتے ہوئے خود قرآن ہی میں ”روزے“ کے متعلق براہ راست خالق کائنات نے جن باتوں کا تذکرہ کیا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان سے لاپرواہی اختیار کر کے خدا کے اس مطالبہ کے اندر بندوں کے خود آفریدہ، من مانے مطالب کے بھرنے، یا اپنی خود تراشیدہ حکمتوں اور مصلحتوں کو اس الہی مطالبہ سے براہ کرنے کا عام رواج اس زمانہ میں جو مقبول ہو رہا ہے، اور تھوپنے والے اللہ کی باتوں پر اپنی عقل کے باغیہہ خیالات کو جو تھوپ رہے ہیں۔

میں نے نزدیک تو بجائے بڑھتے کی غیر شعوری طور پر اس طریقہ سے مطالبہ کی توت شاہد گھٹ رہی ہو۔ آخر رونے کی یہ فیلاسفیانہ طبی منافع کا روزہ صفا من ہے، یا بھوکوں کی بھوک کی تکلیف کا احساس روزے کے ذریعہ سے شکم سیروں اور پیٹ بھروں کے اندر پیدا کرنا مقصود ہے، لہذا لہک کر چند الوں میں حکمت کے دریا جو بہائے جاتے ہیں اور اب تو بھروں کے تختوں، اور سیڑھیوں سے بھی اسی کی آواز باز نشست ٹھکانے لگی ہے، کیا واقعی روزے کی یہی صحیح قیمت ہے جو اسلام کے ان گوہر ناشناس صرافوں کی طرف سے لگاؤ جاری ہے وہ کیا جواب دے سکتے ہیں، اگر پوچھا جائے کہ جہاں فی صحت کی شکایت جن لوگوں کو نہیں ہے، ان کو آپ کے اس طبی منافع کی ضمانت سے مستفید ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یا جن امیروں کے باورچی خانوں سے غریبوں، اور بھوکوں کو کھانا تقسیم ہی ہوتا رہتا ہے، روٹیاں جن کی طرف سے سکینوں، تیلیوں، بیواؤں میں بانٹی ہی جاتی ہیں، خواہ مخواہ ان بے چاروں کو بھوک مرنے والوں کے دکھ کا مزہ کیوں چکھا یا جائے، غریبوں کے حقوق کا خیال جو خود کر رہا ہو، اس ناکردہ گنہگار امیر کو فاقہ کی سزا دینے کی معقول توجیہ کیا ہوگی؟ یا طبی منافع فاقہ ہی کے غیر شرعی طریقوں سے جب حاصل ہو سکتے ہیں روزے کے شرعی قیود کی زنجیروں میں آخر کس بنیاد پر لوگوں کو آپ جکڑتے پھریں گے۔

اور سچ تو یہ ہے کہ سرشت میں جس کے فساد و طغیان کا ایسا طوفان پوشیدہ ہو، کہ اپنے پیار کو نیوالے کے حکم کو لاپرواہی کے ساتھ مال دینے کی جہت کر سکتا ہو، اسی سرکش کو اسی جیسے مخلوق انسان کی اسرار آفرینوں

۱۰ ان فلاسفین کے متعلق حضرت مرشد نقاد فی قدس اللہ سرہ کا یہ لطیفہ مشہور ہے، اپنے فرمایا تھا کہ پانے عربی مدرسوں میں ”فلسفہ“ اور ”فلاسفہ“ کے الفاظ تو سنئے تھے لیکن روزے کی فلاسفی، حج کی فلاسفی کے نئے الفاظ کو سن کر سچے گناہ کا پانے فلسفہ اور فلاسفہ کی مادہ (مذہب) اس زمانہ میں کیا پیدا ہو گئی ہے، حضرت بھی فرمایا کرتے تھے کہ آہستہ لینے میں عرق گلاب کو کوئی یہ کچھ کر استعمال کرے کہ اس عرق کے وجود کا یہی مقصد ہے تو کجاست کا ازالہ اس میں شک نہیں عرق گلاب سے بھی مایاں ہونے کی وجہ سے ہو جائے گا۔ مگر اسی کو عرق گلاب کا صمغ استعمال قرار دینا خود سر جہا چاہیے کہ کتنی گھنٹی کو زرد دیتی ہے۔ ۱۷

سے روزہ رکھنے پر سوچئے تو یہی کہاں تک راضی کرنے میں آپ کامیاب ہو سکتے ہیں۔
 کچھ بھی ہو، اپنا ذاتی احساس تو یہی ہے کہ مصاحح تراشیوں، اور فلسفہ نوازیوں کے ان قصوں، دور دراز
 قصوں سے کہیں زیادہ بہتر تھا، اور ہے، آئندہ بھی رہے گا کہ بندوں کو ان کے پیدا کرنے والے خالق کا حکم
 سنا دیا جائے، حکم دینے والے نے حکم کے کچھ اسباب و وجوہ مصاحح و نواذ بھی بتائے ہوں، تو ان کو بھی سمجھا
 دیا جائے۔ آگے چھوڑ دیا جائے بندے کو اور اس کے پیدا کرنے والے کو، اطاعت و بغاوت کے پارے کا
 آثار اور چڑھاؤ چاہے کوئی مانے یا نہ مانے مگر جو بھی سوچے گا، یہی ہائے گا، کہ دار و مدار اس کا اعتماد اور رکھو
 کی اس کیفیت پر ہے، جو بندوں کو خالق کی مرضی سے آگاہ کرنے والے درمیانی واسطہ کے متعلق دلوں میں
 پائی جاتی ہے ح

بہ مصطفیٰ برساں خوش را کہ دیں ہمہ دوست

”ہمہ دوست“ کے اس اتالی نظریہ میں سچ پوچھئے تو دین کا سارا راز پوشیدہ ہو جس نے یہ
 سمجھ لیا، سب کچھ سمجھ لیا، اور سب کچھ سمجھ لینے کے بعد اس حقیقت سے جس کا دل بیگانہ رہا یقین ماننے کے
 زبان سے لاکھ دین اور مذہب کے نعرے لگاتا ہو، لیکن دل نے بھی اس کے کچھ پایا ہے؟ اس کا پتہ دل ہی کے
 ٹٹولنے سے خود اس کو چل سکتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہی دین کا فلسفہ بھی ہے، اور یہی اس کی سائنس بھی ہے،
 یہی علم کلام ہے اور یہی تصوف اور یہی وہ سب کچھ جس کا نام دین اور مذہب کے دائرے میں لیا جاتا ہے
 یا ایسا جاسکتا ہے، کہنے والے نے سچ کہا ہے۔
 خواباتیاں پرستی کنید محمدؐ بگوئند و مستی کنید

اس تہید کے بعد آئیے، اور اس تفرافی مطالبہ کو قرآن ہی کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کیجئے۔
 الصیام (یعنی روزوں) کا مطالبہ صیام کہ جاننے والے جانتے ہیں۔ سورہ البقرہ کی حسبِ نفل
 آیتوں میں کیا گیا ہے میں پورے رکوع کو پہلے ترجمہ کے ساتھ درج کر دیتا ہوں، اور اس کے بعد
 اپنے ناچیز خیال کے مطابق اسی حصہ کے مختلف اجزاء پر بحث کروں گا۔
 ارشاد ہوا ہو۔

یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام
 لما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم
 تتقون یا ماعلہ و دات، فمن

لے ایمان والو! روزہ تم پر اسی طرح
 واجب ہو جس طرح واجب کیا گیا تھا
 روزہ تم سے پہلوں پر، تاکہ تم تقویٰ

والے بن جاؤ، یہ روزہ صرف چند دن کے لیے ہے، پھر تم میں جو بیمار ہو جائے یا سفر پر ہو پس گن لینا چند دوسرے دنوں کا (کافی ہے) اور جو روزہ بد سواری رکھتے ہوں وہ ایک سیکن کا کھانا بطور فدیہ کے دین، پھر جو بھلا کرے گا وہ اسی کے لیے بھلا ہے، اور روزہ رکھ لو تو یہی تمہارے لیے اچھا ہو، اگر تم جانتے ہو مہینہ رمضان کا جس میں قرآن نازل ہوا انسان کی راہ نمائی ہے وہ، اور ہر بات کی کھلی کھلی باتیں (ایسی کہیں رہیں) اور فرقان بھی ہو (یعنی خدا کو دیتا ہو) غیر قدرتی عناصر کو نہ کہ (پھر جو حاضر ہو، اس مہینہ میں چاہیے کہ اس روزہ رکھے) اور جو بیمار ہو یا جو سفر پر ہو، پس چاہیے کہ وہ بھی دوسرے دنوں کو گن لے، چاہتا ہو اگر تم سے آسانی، اور نہیں چاہتا ہے تمہارے لیے دشواری، اور پورا کر گئی کو، اور بڑائی کو انہار کی اس نعمت پر جو اس نے تمہاری راہ نمائی کی، اور تاکم شکر کرو۔

۱۔ مندرجہ بالا آیات میں جیسا کہ عام طور پر لوگ جانتے بھی ہیں، بتایا گیا ہے کہ روزہ آدمی میں "تقویٰ" کے جذبہ کو ابھارتا اور بیدار کرتا ہو اور اس کے بعد اطلاع دی گئی ہے کہ رمضان ہی کے مہینے میں چونکہ قرآن کے نزول کی ابتدا ہوئی، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ اس مہینے کو روزے کے ساتھ گزاریں۔

یہی سوچنے کی بات ہو کہ "تقویٰ" کا مطلب کیا ہے، روزے سے اس کا کیا تعلق ہے، اور تقویٰ کے جس جذبہ کو روزہ

ابھارتا اور جگاتا ہے، انسانی فطرت کے اس جذبہ سے قرآن کا کیا تعلق ہے؟

ایک مثال کو پہلے اپنے سامنے رکھ لیجئے۔ ذرا روشنی سے ظاہر ہو وہی متغی ہو سکتا ہے جس کی بنیادی کمی قوت الکافرتوں سے پاک و صاف ہو، بنیادی کمی قوت خشنی شستہ اور تھری محبت ہو گی اسی حد تک اس سے استفادہ کا موقع آدمی کے لیے آسان ہوگا، آپ اسی مثال کو پیش نظر رکھتے ہوئے غور کیجئے، قرآن کیا ہے؟ آدمی کی آئینی زندگی کے قدرتی دست و پال ہی کا نام تو قرآن ہے، اسی طرح تقویٰ جس کا ترجمہ ہو پابریز، یا ڈر وغیرہ الفاظ سے کر دیا جاتا ہے۔

درحقیقت فطرت انسانی کے اس خاص بھان کی یہ تعبیر ہے جس کے قدرتی تقاضوں نے آدمی کو یمن پسند بنا دیا جو مطلب یہ ہے کہ جب تک جنون ہی کی آفت سے کسی کا دماغ آؤٹ نہ ہو، ہم میں ہر شخص جو یہ محسوس کرتا ہے کہ اعمال و افعال میں ہم مطلق العنان بن کر نہیں پیدا کیے گئے ہیں یعنی جو جی میں آئے اسے کہہ گزریں، جسے چاہیں مار بیٹھیں، قتل کر دیں، جس کا مال چاہیں اڑالیں، سڑکوں پر ننگے ہو کر ناچیں، تھڑکیں یہ یا اسی قسم کے بہت سے کام ایسے ہیں جس کے کرنے پر ہم آمادہ ہو جائیں، تو انھیں کر تو سکتے ہیں، لیکن اندر کی آواز ہمیں ٹوکتی ہے، اور حدود میں رہنے کا تقاضا کرتی ہے کر دینی، ناکر دینی، یعنی کچھ کام ایسے ہیں جو کیے جائیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو نہ کیے جائیں، یہ تقسیم ہمارے اعمال و افعال کی سچ پوچھیے تو تقویٰ ہی کے فطری جذبہ کی پیداوار ہے۔

بہر حال کون کون سے کام کرنے کے ہیں، اور کون مستحق ہیں کہ نہ کیے جائیں، تفصیلات میں تو اس کے اختلاف ممکن ہے، اور ممکن کیا متعین ہوتا ہی رہتا ہے۔ لیکن اجمالاً کر دینی اور ناکر دینی ان دو حصوں میں اعمال کی تقسیم انسان کا فطری احساس ہے۔ کسی شخص کے متعلق جوں ہی اس کا پتہ چلتا ہے کہ اعمال و افعال کی حد بندی کے تقاضوں سے آزاد ہو گیا ہے، اس کے پاگل ہو جانے کا اعلان انسانی سستیوں میں کر دیا جاتا ہے، اگر تقویٰ کی واقعی حقیقت یہی ہے جو عرض کی گئی، تو کھپکھپائی آسانی کے ساتھ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نزولِ قرآن یعنی آئینی زندگی کے قدرتی دستور العمل کو سپرد کرتے ہوئے تقویٰ کے احساس کو چونکانے والے اور جھکانے والے علیٰ روزہ کی پابندی کا بھی ٹھیک اسی مہینہ میں مسلمانوں کو کیوں مکلف بنایا گیا، وہی مہینہ جس میں قرآن اتارنے لگا، اور اس کے نزول کی ابتدا ہوئی۔ ظاہر ہے کہ آئین و دستور کی پابندی کا مطالبہ باہر سے ان پر پیش ہو رہا تھا، ضرورت تھی کہ ان کے اندر بھی اس احساس اور جذبہ کے اجاگر کرنے کا نظم کیا جائے جس پر آدمی کی آئینی زندگی کا دار مدار ہے۔

اور یہ ہے وہ تعلق جو ”تقویٰ“ اور ”قرآن“ میں مجھے نظر آتا ہے گویا آئین کے ساتھ آئین پسندی کے جذبہ کو بھی بیدار رکھنے کا بندوبست کیا گیا ہے باقی یہ بات کہ آدمی میں آئین پسندی یعنی تقویٰ کا جو جذبہ فطرتاً پائیا جاتا ہے۔ اس کے ابھارنے اور اس کو تروتازہ رکھنے میں روزہ سے کیوں مدد ملتی ہے؟

سوال کی وجہ بھی ظاہر ہے، چونکہ ہم گھنٹوں میں بار بار جس چیز کی ضرورت آدمی کو ہوتی ہو، سوچنے کی بات ہے کہ روزہ رکھنے کی اسی عادت سے اچانک دست بردار ہو جانے پر آمادہ ہونے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، کہ آئینی حدود کے اندر اپنے آپ کو روک کے رکھنے کی پوری قوت اس کے اندر پائی جاتی ہے، سال کے گیارہ مہینوں میں جو کھا رہا تھا، پی رہا تھا، جنسی تقاضوں کی تکلیفوں پر جس کے کسی شک کا رول ٹوٹ نہ تھا، وہی گیارہ مہینوں کے بعد بارہویں مہینے میں اس امتحان میں کامیاب ہو کر نکلتا ہے، کہ ساری چیزیں، جن کا گیارہ مہینوں میں عادی تھا، ان کو چھوڑ دینا، خیال کیا جائے کہ آئینی جذبہ کی شق کی اس سے زیادہ بہتر صورت

اور کیا ہو سکتی تھی۔

ادواب پڑھے روزہ والی مندرجہ بالا آیتوں کو، انصاف سے بتایا جائے کہ خود قرآن نے روزہ کے قانون کو نافذ کرتے ہوئے جو کچھ اس کے متعلق بیان کیا ہے۔ دل آویزی، دل نشینی کی جتنی غیر معمولی تنگی اس میں پائی جاتی ہے، کیا عقل کے ناخن تراشوں کی تالیفوں میں اس کے بعد کچھ بھی جان رہ جاتی ہے اور یہی میں کہنا چاہتا ہوں کہ روزہ، اور اس کے اسرار و حکم، وجہ و مصداق کے سمجھنے کے لیے بجائے قرآن کے غیر قرآنی راہوں سے مدد لینے کی قطعاً حاجت نہیں، مسلمانوں پر روزہ کیوں واجب کیا گیا، اور نزول قرآن ہی کے معنی میں خاص طور پر مسلمانوں کو روزہ رکھنے کا حکم کیوں دیا گیا، کوئی غور کرے تو خود قرآن ہی نے ان سوالوں کا جواب دیا ہے۔ یہی نہیں کہ تمام جہاں میں یہی سبب بہتر جواب ہے بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ واقعی جو اب ان سوالوں کا قرآنی جواب کے سوا شائد اور بھی نہیں سکتا، اس سے بٹ کر جو کچھ بھی کہا گیا ہے، یا آئندہ کہا جاسکتا ہے۔ وقتی شاعری سے زیادہ کم از کم میرے نزدیک تو اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

(۲)

روزے کی متعلقہ آیتوں کا یہ تواضعاً مفاد تھا، اسی کے ساتھ ساتھ تفصیلی طور پر ان آیتوں کے ان پہلوؤں کی طرف اگر توجہ کی جائے، جسکی طرف قرآن نے ذیلی اشارے کیے ہیں۔ تو بجائے خود وہ کچھ کم اہم نہیں ہیں۔ مثلاً روزے کے مطالبے کو مسلمانوں پر عام کرتے ہوئے گزشتہ ادیان و مذاہب اور ان کے پیش کرنے والے بزرگوں اور ان کے ماننے والی امتوں کے ساتھ اپنے تاریخی رشتہ کا اعادہ اس موقع پر بھی،

واجب کیا گیا تم پر روزہ جس طرح واجب کیا گیا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین
نھان لوگوں پر جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ من قبلکم

کے الفاظ میں جو فرمایا گیا ہے۔ اس سے جہاں مسلمانوں میں یہ نفسیاتی اثر قوت پید ا ہوتا ہے، کہ مطالبہ کی باکشی میں وہ تنہا نہیں ہیں، بلکہ انسانی نسلیں ان سے جو پہلے گزری ہیں، وہ بھی اس بار کے اٹھانے میں ان کی شریک و ہم سفر ہیں۔ اور اسی سے خود بخود یہ بھی سمجھ می آ جاتا ہے کہ روزہ کا مطالبہ کوئی ایسا مطالبہ ہے بھی نہیں جسے مانگنا جائز ہے۔ آخر جس کام کو تاریخ کے نامعلوم زمانے سے انسانیت برداشت کرتی چلی آئی ہے۔ اس کو بار اور بوجھ قرار دینے کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں گویا برداشت کے لحاظ سے یہ تجربہ کیا ہوا، جاننا اور پرکھا ہوا عمل ہو، سمجھا جائے تو یہ اشارہ بھی قرآن کے الفاظ سے ہی مل سکتا ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حیوانی ضرورتوں کے لیے حرارت روشنی ہوا پانی وغیرہ جیسی قدرتی امدادوں کا آدمی ہر زمانہ میں ہر جگہ محتاج رہا ہے، یہی نوعیت قدرت کے ان قوانین کی بھی ہے، جن کی پابندی کے بغیر انسان انسان باقی نہیں رہ سکتا، اور اپنی انسانی خصوصیتوں کو کھو بیٹھا ہے۔

میں جو فرمایا گیا ہے کہ جیسے اگلوں پر روزہ واجب کیا گیا تھا، اسی طرح تم پر بھی واجب کیا جا رہا ہے، سمجھا

جائے تو اس سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ روزہ بھی قدرت کے ان ہی قوانین میں شریک ہو جس سے زندگی بے نیاز ہو کر رہ سکتے تھے اور نہ کھچید اس سے مستغنی ہو سکتے ہیں، آپ دیکھ چکے کہ روزہ وحقیقت انسانی فطرت کے اس قدرتی احساس کے زندہ اور بیدار رکھنے کی عملی تدبیر ہے جس احساس سے خالی ہوجانے کے بعد ظاہری شکل و صورت کے محاذ سے اگرچہ آدمی آدمی ہی باقی رہتا ہے، لیکن معنوی طور پر انسانی زندگی کے امتیازی سراپے سے محروم ہو کر پاگلوں اور مجنونوں میں شریک ہوجاتا ہے، عرض کو چکا بول کہ آٹمی رجحانات سے خالی ہوجانے کے ساتھ ہی اعلان کر دیا جاتا ہے کہ فلاں آدمی پاگل ہو گیا۔ بجائے انسانوں کے سمجھا جاتا ہے کہ ایسے برتاؤ اور سلوک کا وہ مستحق ہو گیا جو جانوروں اور حیوانوں کے ساتھ کیا جاتا ہو۔ اس موقع پر پھر وہی بات مجھے یاد آجاتی ہے، اگر جب یاد آتی ہے تڑپ اٹھتا ہوں کہ قرآن کے طریقہ کار کو بھٹور کر اپنے دین کی دعوت و تبلیغ، یا حاکمیت و حاکمیت کی راہوں میں غیر قوموں کے کردہ اور گھناؤنے طریقوں کو کچھ دنوں سے مسلمانوں نے جستہ جستہ کر کے، بجائے فائدے کے جہاں ناکسیرا اندازہ ہے دین کو نقصان ہی پہنچایا ہے۔

مطلب یہ تو کہ یورپ و امریکہ کے علمی مقلدوں میں آج کل مذاہب و ادیان کی تنقید و تحقیق کے سلسلے میں تقابلی مطالعہ کو سب سے زیادہ عالمانہ اور فضیلت آمیز طریقہ سمجھا جاتا ہے، پہلے تو مذہبی پیشہ وروں، یعنی پادریوں نے اس کام کو شروع کیا تھا، بعد کو ان ہی پادریوں کی اولاد دوسرے علمی اقطاب اور خطا کے ساتھ اسی کام کو دیرسریج اور تحقیق کے نام سے انجام دینیے لگی، باور کرنا کہ ان کی حد تک تو یقیناً یہی بادر کرایا جاتا ہے کہ تحقیق و تنقید کی ان راہوں میں کسی خاص مذہب یا دین کی پاسداری، بنیاد، اصولی بددیانتی سمجھی جائے گی، لیکن جو کچھ کیا جاتا ہے اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سارے پاؤں دراصل کسی خاص مذہب کی تائید و حمایت ہی کے لیے بیٹے جاتے ہیں۔

بہر حال نیت کچھ ہی ہو لیکن تقابلی مطالبہ میں جو طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہو، چاہا جائے یا نہ چاہا جائے، لیکن اس میں ہوتا ہی ہے کہ مختلف ادیان و مذاہب اور ان کے پیش کرنے والے بزرگوں کی تحقیر و تنقیص سے دامن ضرور آلودہ ہوتا ہے اور تحقیر و تنقیص کے ان قصوں سے دانشہ یا نادانشہ طور پر دلوں کو جو دکھ پہنچ جاتا ہے، یا پہنچایا جاتا ہے، دل آزاری کی جو دباؤ آندھیاں چل پڑتی ہیں ان کا کرنا یا روکنا ناممکن ہوتا ہے۔

اس بات میں غیروں سے نہ مجھے شکایت ہے، اور نہ شکایت کا حق حاصل ہے، مگر مسلمانوں کو کبھی دیکھ رہا ہوں کہ دعوت و تبلیغ کے قرآنی منہج خاص سے لاپرواہ ہو کر اپنے یہاں کے کچھ لوگ بھی کچھ دنوں سے ان ہی باتوں کی حوصلہ افزائیوں میں مشغول ہیں، جن سے ”تقابلی مطالعہ“ اور اس طریقہ کے سارے ستمی مفاسد اور زہر پائیں فتنوں کے نشوونما میں مدد مل رہی ہے، دیکھتا ہوں، اور دل ہی دل میں گھٹا ہوں کہ قرآن کھاتا ہے کہ نبی آدم کی جن جن نسلوں کو مسلمانوں سے پہلے اپنے اپنے وقت میں انسانی زندگی کے قدرتی دستور العمل کا مخاطب و مکلف

خالق کائنات نے بنایا تھا، ان سب سے مسلمانوں کا تاریخی رشتہ تگزرب تغلیط، تحقیر و توہین کا نہیں، قطعاً نہیں بلکہ تصدیق و توثیق کا ہے، ایک ہی دیوانِ عشق کے ہم سبق ہم سبکے سب ہیں، ایک ہی لاپوتی کا کچھ سب کی تعلیم گاہ ہے حقیقی معلم اور واقعی استاد بھی سب کا ایک ہی ہے اور بجز معمولی رد و بدل کے اصولاً تعلیمی نصاب بھی اگلوں اور پچھلوں کا اول سے آخر تک ایک ہی رہا ہے۔

قرآن نے اپنے ماننے والوں کی دینی تربیت ہی کچھ ایسے ڈھنگ سے کی ہے کہ ہمارے پیشوا ہمارے پیشوا، ہمارے دینی بزرگ، ہمارے دینی بزرگ، یہ انادانت و دشنام ہم تم کا سوال ہی درمیان سے مذہب اور دین کے دائرے میں ان کی نگاہوں کے سامنے سے ہٹ گیا ہے، اسی درست کا نتیجہ ہے کہ مسلمان دنیا کے مذہبی پیشواؤں اور بزرگوں کا جب ذکر کرتے ہیں تو سننے والا تیز نہیں کر سکتا کہ خود اپنے گھر کے بزرگوں کا ذکر کرتے ہیں یا مذکورہ ان لوگوں کا کہے ہیں جن کو ہنوی اپنا پیغمبر مصلیٰ اپنے دین کی سب سے بڑی ہی تسلیم کرتے ہیں۔ دراصل گھر و باہر کے اس فرق کو مسلمانوں کی دینی احساس ہی پاتا ہی نہیں جو ایک ہی آخرت ہو جس پر محمد رذل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزشتہ اجدان و غماہ کے منادوں اور پیغمبروں کے اسواہ گرامی کو مسلمانوں کے یہاں آپ پائینے گئے۔

اس عام اور مشہور کلیہ کے سوا جزئیاتی طور پر آپ دیکھتے اسی روزے کو دیکھتے، مسلمانوں پر اس مطالبے کو عائد کرتے ہوئے جب اسے یہ فرمانے کے کہ مسلمانوں کے دین کا یہ کوئی امتیازی سرمایہ ہے، جیسا کہ ”تقابلی مطالعہ“ والی راہوں میں کچھ اسی قسم کی باتوں کے بنانے کے لوگ عادی ہیں، بالکل اس کے برعکس قرآن نے صاف لفظوں میں یہ اطلاع دی ہے کہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ پہلے ہی لوگ اسی کی پابندی کرتے چلے آئے ہیں، تم سے بھی اسی کی پابندی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ اور قرآن کا صرف دعویٰ ہی نہیں ہے تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں، اہل امیں صرف یہ پوچھتا ہوں کہ روزہ کا رکھنے والا بجائے اجر و ثواب کے کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے، کہ دنیا کے کسی مذہب میں مجرم یا گنہگار ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ یا روزہ کے قانون کی پابندی ہی کر کے اپنے مورد فی بزرگوں، اور ابائی پیشواؤں کے نقش قدم سے ہٹ جاتا ہو۔

پھر قرآن اگر یہ کہتا ہے کہ وہ تو مومن کو ان کے بزرگوں، اور مہاجر پچھلوں سے چھڑانے اور توڑنے کے لیے نازل نہیں ہوا، بلکہ پچھلے پھر دوں کو ملانا، اور اپنے بزرگوں کی راہ سے جو ہٹ گئے ہیں، اسی راہ پر ان کو چڑھانا، واپس لانا یہ بھی اس کا راسی نصب العین ہے، تو بتایا جائے کہ واقعہ کی تعبیر اور کیا کی جائے، یا کیا کی جاسکتی ہو، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ دل آزادی کی راہوں کو چھوڑ کر دین کی دعوت میں قرآنی سچ پر لوگ اگر چلتے، تو اسلام کے محرومی کی مدت جن قوموں کی دروازے دروازہ توڑتی چلی جا رہی ہے۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ مدت گھٹ کر بہت مختصر ہو جاتی، اور اب بھی جا مل جائے تو ہو سکتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ اصل پیغمبر عمل میں اس کی روح ہی ہوتی ہے یہی روزہ قرآن ہی میں جب بتایا کہ ”کو آئین بند یعنی تقویٰ کے فطری رجحان کو بروئے کار لانے کا یہ قدرتی ذریعہ ہے، گویا پانی کا تحقیقی مقصد جیسے پیاس

بھانا اور شمشیر کا ازالہ ہے۔ پانی ہر سوال کہنے والے نے پانی شیشے کے گلاس میں بیا، یا مرد یا بادی پیالہ میں دیا پانی اس کو پلایا گیا، یا اسی پانی کو ٹھی کے انجوروں میں اس نے نوش کیا۔ ظاہر ہے کہ پانی پینے کا جو مقصد اور واقعی مطلب ہے۔ اس کے کھانڈے پینے کے غروٹ کی نوعیتوں، اور حصہ مستوں کا سوال۔ انصاف سے کہنا چاہیے کچھ بھی اہمیت رکھتا ہے، اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ رمضان کا مہینہ روزوں کے لیے پہلی امتوں کے لیے ان بھی لیا جائے کہ متعین نہ تھا، تو اس کی حیثیت ہجر اس کے اورد کیا ہے، کہ بجائے مٹی کے بھروں کے شیشے کے گلاس میں پانی آپ کو پلایا گیا، اور انہی زندگی کی شق کے لیے اسی مہینہ کو متعین کر دیا جس میں آئین کے نزول و فہر کا آغاز ہوا، مناسبت اور موزونیت کے لیے اس سے بہتر تعلق اور کیا ہو سکتا تھا۔

علاوہ تصدیق و توثیق کے کہنے والے جو کہتے ہیں کہ سابقہ اديان و مذاہب کی تعلیمات کے بعض پہلوؤں کے ساتھ قرآن تکمیلی رشتہ بھی رکھتا ہے، تو عموماً اس کا تعلق بھی کچھ ایسی قسم کی باتوں سے ہو۔ یعنی پینے والوں کو ہر زمانہ میں پانی ہی پلایا جاتا رہا، البتہ یہی پانی کبھی مٹی کے برتنوں میں لوگ پیتے رہے، اور جب موقعہ آیا، تو اسی پانی کو شیشے کے گلاسوں، اور صینی کے پیالوں میں بھی پلانے کا نظم کر دیا گیا، یہی نہیں بلکہ قرآن کی جن ترسیموں کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ کسی وجہ سے سابقہ اديان کے بعض تعلیمات میں رد و بدل کی صورت پیدا ہو گئی ہے، ہر سے نزدیک تو یہ بھی ایک تعبیری نیرنگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ مانا جائے یا نہ مانا جائے، لیکن اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ پانی میں جیسے بھی اور سے ادھر اُدھر کر اسی چیزیں شریک ہو جاتی ہیں جن سے پانی اپنے منافع کو کھو بیٹھتا ہے۔ یا پانی سے صحیح معنوں میں جیسا کہ پینے والوں کو جو فائدہ پہنچنا چاہیئے۔ تجربہ ثابت کرنے لگے، کہ وہ فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ اب اس موقعہ پر خراجی آمیزشوں سے پانی کو پاک کر کے اسے جو صاف تھرا نہیں ہوا اب مسقی بنا دے۔ تو گندے پانی کے پینے پر مجبور ہونے والوں کی یہ بغیر کہ ہم مادی جس پانی کے پینے کے تھے، اس پانی کو بدل دیا گیا، تغیر کے سوا اور بھی کچھ ہے؟ ورنہ واقعہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ بیرونی آمیزشوں سے جو پانی بدل گیا تھا، اس کو پھر اس کے اصل حال کی طرف واپس کر دیا گیا۔

ضرورت ہو کہ تصدیق و توثیق کے رشتہ کے ساتھ ساتھ لوگوں کو سمجھایا جائے کہ گزشتہ اديان و مذاہب کیسے جن پہلوؤں کی تصحیح یا تکمیل کا کام قرآن نے انجام دیا ہے۔ اس کا بھی صحیح مطلب کیا ہے اس کے لیے بجائے دوسروں کے خود قرآن ہی میں آپ کو روشنی مل سکتی ہے۔ اسی موقعہ پر دیکھیے رمضان ہی کے مہینہ کو روزے کے لیے متعین کرتے ہوئے نزول قرآن کے ذکر میں خاص اس موقعہ پر یہ فرما کر کہ انسان (یعنی نسل انسانی) کی ہدایت کا سرچشمہ یہ کتاب ہے، قرآن کی اس عام صفت کے بعد آگے اسی کی خصوصیت کا اظہار

بناات من الهدى والفرقان

ہدایت کی کھلی کھلی باتوں پر (قرآن شریف) والفرقان

یعنی خراجی آمیزشوں کو یہی ہدایت کی قدرتی باتوں

سے جدا کرتا ہے

کے الفاظ میں جو فرمایا گیا ہے، مطلب جس کا یہی ہے کہ مذاہب و ادیان کے مینات یعنی واضح اور کھلے کھلے حقائق جنہیں عام طور پر لوگ جانتے ہیں ان کے سوا قرآن چونکہ الفرقان بھی ہے، یعنی بیرونی آمیزشوں اور خارجی آلائشوں کو تمام مذاہب و ادیان سے جدا کرنا، سب کو پاک و صاف کرنا یہ بھی قرآن ہی کا ایک پہلو ہے، اس لیے رمضان یا نزول قرآن کا مہینہ ان لوگوں کا بھی دینی مہینہ ہے جن کے پاس پہلے سے ہدایت کے مینات نہ تھے اور جن کے پاس کسی کی بھی شکل میں ہدایت کے یہ مینات باقی رہ گئے تھے ان کے لیے بھی رمضان اس لیے دینی مہینہ بن گیا کہ قرآن کے فرقانی پہلو سے استفادہ کا موقع ان کو بھی ملا، الغرض رمضان سابق الذکر کے لیے اگر قرآنی مہینہ ہے، تو مولدہ کربطقات کے لیے وہ فرقانی مہینہ ہے، اور ظاہر ہے کہ کوہِ زین پر انسانوں کی جو نیلیں آباد ہیں وہ ان دو پہلوؤں میں سے کسی ایک یا دونوں پہلوؤں کے محاسبے قرآن کی بہر حال محتاج ہیں اور یوں رمضان ساری انسانی نسلوں، خانہ دانوں قبیلوں کا دینی مہینہ بن جاتا ہے۔ خواہ بعضہم کے لیے قرآنی اور بعضوں کے لیے وہ فرقانی مہینہ ہی کیوں نہ ہو۔

بہر حال مجھے کہنا یہی ہے کہ قرآن بھی خود منکشف کتاب کی اشاعت و تبلیغ کے لیے یا اس کے تعلیمات کی توجیہ و تاویل کے لیے غیر قرآنی ذرائع کی دستِ مخمومی کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن آگے تو کیا بڑھتا خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں (لا فخلہ اللہ) اس کا دائرہ گھٹ نہ جائے۔ اگرچہ یہ خطرہ بھی صرف دلوں کے ایک دوسری خطرہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا اور صرف ان ہی میں پیدا ہو سکتا ہے، یا ہوتا ہے جن کے متعلق قرآن ہی میں یہ اطلاع دی گئی ہے۔

جب لوہہ وہ لوگ جو منافق (دورِ رخ تھے)، درجن کے دلوں میں روک تھا کہ نہیں دلدہ کیا ہم
 اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبہم مرض ما وعدنا اللہ ورسولہ الا خسر ودا۔

اور خواہ میرے اس خیال کی جہتوں کی نہ کی جائے مگر اپنے دل کے احساس کو کیسے چھپاؤں، کہنا یہ چاہتا ہوں کہ روزے کے متعلق مذکورہ بالا آیات میں یہ طریقہ تفسیر جو اختیار کیا گیا ہے، کہ پہلے تو ”ایام معدودات“ یعنی چند گئے چنے دن کا معلوم ہوتا ہے کہ روزہ فرض ہوا اور بعد کو پھر رمضان کا مہینہ روزہ رکھنے کے لیے مقرر کر دیا گیا، گویا یہ دونوں حصے سمجھے جاتے ہیں کہ ایک دوسرے سے جدا ہیں اور ہر ایک کی بجائے خود اپنی مستقل ذاتی حیثیت ہی، لیکن مجھے تو کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہی مطالبہ کو خاص طریقہ سے پیش کیا گیا ہے، اور یہ دونوں دو مستقل مطالبے نہیں ہیں، بلکہ رمضان ہی کے مہینہ کو روزے کے حکم کی تعمیل کا مہینہ مقرر کرنا مقصود تھا، لیکن اسی مقصد کو پہلے عام الفاظ میں ادا کیا گیا، یعنی فرمایا گیا کہ بڑی مدت روزے کے لیے نہیں چاہی جا رہی ہے، بلکہ چند گئے چنے دن کی حد تک اس عمل میں مسلمانوں کو مشغول ہونا پڑے گا، پھر ان ہی گئے چنے دنوں کی تفصیل یہ کی گئی کہ وہ رمضان کا مہینہ ہے۔ اہمیت اتنا

ذوق جمال و تفصیل میں ضرور کیا گیا ہے کہ "ایا معدودات" کے موقع پر عرض اور سفر کی رعایت کا ذکر کرتے ہوئے تو "مکرم" فرمایا گیا ہے، جس کا ترجمہ ہے "تم میں سے" بظاہر اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ شاید یہ رعایت گزشتہ امتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے ساتھ کی گئی تھی، لیکن جب قرآنی اور فرقانی دونوں تعلقات کا ذکر کر کے رمضان کے مہینے کو ساری انسانیت کی نسل کا دینی مہینہ بنا دیا گیا، تو اب یہ رعایت عام ہو گئی، اسی لیے دوبارہ جب اسی رعایت کو قرآن میں رمضان والے حکم کے بعد دہرایا گیا ہے تو اس میں "مکرم" کا لفظ نہیں پایا جاتا ہے، واللہ اعلم بالصواب، کچھ بھی ہو جائے دو مستقل حصوں کے اول سے آخر تک کی آیتوں کو ایک ہی بیان قرار دیتے ہوئے اگر یہ سمجھا جائے کہ ایام کی عمومیت کے بعد، اسی عمومیت کو رمضان کا اختصاصی قالب عطا کیا گیا۔ تو ناسخ و فسخ وغیرہ کے قصوں کے ماننے کی ضرورت نہیں رہتی۔

(۴)

اسی طرح روزہ کا حکم جب عائد کیا گیا اور معذوری کے ساتھ یہ رعایت دی گئی کہ گن کر روزوں کی قضا دوسرے دنوں میں کرنی جائے تو ایک قدرتی سوال یہ بھی باقی رہ جاتا تھا کہ اس رعایت سے ظاہر ہے کہ معذوروں کا وہی طبقہ مستفیذ ہو سکتا ہے جس کا معذور زوال پذیر ہو، کیوں کہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھنے کا موقع ظاہر ہے ان ہی کو مل سکتا ہے لیکن جن لوگوں کا معذرت تک عام حالات میں باقی رہتا ہے مثلاً شیخ فانی بے چارے یا سل ودق وغیرہ مملکت اعرض کے مریض جن کو بہت کم شفا یاب ہوتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ان کا حکم روزوں کے سلسلہ میں کیا ہے، ضرورت تھی کہ اس قدرتی سوال کا جواب بھی دے دیا جاتا، مندرجہ بالا آیتوں میں

اور ان لوگوں پر جو روزہ بدستوری رکھ پاتے ہوں،
ان کو چاہیے کہ ایک سکن کا کھانا بطور فدیہ دیا کریں۔
وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ
فِدْيَةٌ طَعَامِ مَسْكِينٍ

کا جزو جو پایا جاتا ہے، میرا خیال یہی ہے کہ اسی قدرتی سوال کا یہ قرآنی جواب ہے جس کی تائید خود بطریقہ کی شاذ قراءۃ بطریقہ سے بھی ہوتی ہے، آئمہ محمدین نے بھی ان معذوروں کا حکم جن کا معذور زوال پذیر نہ ہو۔ اسی آیت سے نکالا ہے تفصیل کے لیے مطلوبات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

(۵) روزہ کی اس حقیقت پر اگر غور کیا جائے کہ سب سے زیادہ آدمی جن چیزوں کا عادی ہوتا ہے، روزہ کی وجہ سے اپنی اس دوامی عادت سے دست برداری کی مشق پیدا ہوتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ دین ہو، دنیائے زندگی کے تمام شعبوں میں اس مشق سے یہ مدد ملتی ہے کہ عادی کے خلاف کسی قسم کے مشکلات سے دوچار ہونے کا موقعہ کیوں سامنے نہ آجائے لیکن روزے کی مشق ان مشکلات کو قدرتا روزہ رکھنے والوں کے لیے آسان بنا دیتی ہے، اسی لیے یہ فرماتے ہوئے کہ جن رعایتوں اور جن شروط کے ساتھ روزہ کا مطالبہ واجب کیا گیا ہے ان ہی کو دیکھ کر تم یہ سمجھ سکتے ہو کہ شدت اور دشواری میں مبتلا کرنے کا ارادہ نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس کے مقابلہ میں روزے کی مشق سے زندگی کے عام عادی مشکلات میں جو

مدد ملتی ہے خصوصاً قمری مہینے کی وجہ سے ہر موسم اور سال کے ہر حال میں روزہ رکھنے کی عادت سہولت کے دائرے میں جس وسعت کو پیدا کرتی ہے، اور مشقت کی برداشت کی قوت کو بڑھاتی ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہی کہا جاسکتا ہو کہ روزے سے آسانی کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے قرآنی تعبیر

چاہتا ہو اللہ تم سے آسانی، اور نہیں چاہتا
حیرید اللہ حکم الیسر ولا
حیرید بکم العسر

بظاہر حاصل دونوں اجزاء کا ایک ہی معلوم ہوتا ہے، اور قرآن کے خاص ایجازی رنگ کے پیش نظر یہ ترکیب تھوڑی دیر کے لیے غور طلب ہو جاتی ہے لیکن مذکورہ بالا معروضات کے بعد آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جو کچھ کہنا مقصود ہے۔ اس پر ایہ بیان کے بغیر وہ ادھی نہیں ہو سکتا تھا۔ گویا پہلے جز، سے اشارہ ان آسانوں کی طرف کیا گیا جو جن کی رعایت اس قانون میں کی گئی ہے اور دشواریوں سے مقابلہ کرنے کی قوت روزے کی وجہ سے آدمی میں پیدا ہوتی ہے اس کی طرف دوسرے جز سے ایسا کیا گیا ہے۔

(۶) سال کے بارہ مہینوں میں لوگوں کو اگر اختیار ملے دیا جائے کہ اپنی اپنی سہولتوں کے لحاظ سے تین دن کا روزہ رکھ لیا کریں۔ بظاہر ایک خوش کن بات معلوم ہوتی ہے، لیکن رمضان کے خاص مہینہ میں مشرق سے مغرب تک مسلمانوں کا روزہ ہونا، اس اجتماعی رنگ کے فوائد اس انتشاری کیفیت سے خود سوچنا چاہیے کیا حاصل ہو سکتے تھے۔ میرا مضمون کافی طویل ہو چکا ہے، تفصیل کا موقع باقی نہیں رہا ہے، اجلا ہی کیا کم ہے کہ ایک خاص ماہ کی تعیین کی وجہ سے روزوں کی معینہ تعداد کی گنتی اور شمار میں کتنی آسانی ہوگی جو مسلمان قوم جن میں جاہل عالم پڑھے اُن پڑھے عورت مرد سب ہی طرح کے لوگ شریک ہیں بغیر نظم روزوں کا شمار کیا ان کیلئے آسان ہوتا، بلکہ شہسی حساب کی جگہ قمری حساب بھی ہر عامی و خاصی کو روزوں کی گنتی میں کافی مدد مل رہی ہو، ریاضی اور ہدیت کے علوم سے ناواقف تو میں بھی باسانی قمری حساب سے مستفید ہو سکتی ہیں اور ہر ماہ میں، ہر حال لنگہ العہد کے قرآنی الفاظ کے مختلف پہلوؤں میں اباب پہلو یہ بھی ہے امید ہو کہ سوچنے والے ان پہلوؤں کو تفصیل طوالت کی وجہ سے میں نے ترک کر دیا ہے۔ غور کریں گے تو خود بھی سمجھ سکتے ہیں۔

(۷) انسانیت اپنے صحیح انجام تک ہدایت کے جس نظام کی پابندی کر کے پہنچ سکتی ہے، یقیناً اس کا علم ساری انسانی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہو سکتی ہے، اس غیر معمولی، انمول نعمت سے سرفراز فرمانے والے کی بڑائی کے آثار کی یہی روزہ گنتی بہترین عملی شکل ہے، کہ آدمی سب سے زیادہ جن چیزوں کا رسیا اور عادی ہے، ہر ایک کو ٹھکر کر اس بڑے کے حکم کی تعمیل کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔

تاکہ بڑائی کو، اللہ کی اس نعمت کے مقابلہ میں
لے کسر واللہ علی ما ہدایکم
کہ تمہارا راہ نہائی اس نے کی۔

(۸) اور سچ تو یہ جو کہ زندگی بھر جو ہم کھلاتا پلاتا رہتا ہو۔ اور طرح طرح کی نعمتوں سے نوازتا ہے، آدمی کا بھی چاہتا ہو کہ اسکی نعمتوں کا شکر کہے، ادا کرے۔ کیا کرے زبان سے شکر کے الفاظ جو ادا ہوتے ہیں، یا دل میں شکر و تمنا کے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ شکر اور شکر کرنے کی صورتیں یہ بھی ہیں، لیکن کھلانے پلانے والے کے شکر کی شکل کہ متنبی دیر کے لیے کھانا چھوڑ دینے کا حکم کھلانے والے پلانے والے نے دیا تھی دیر کے لیے ہم اس کو چھوڑ بیٹھیں، حق تو یہ ہو کہ زبان اور دل والے شکریوں سے شکر کا یہ عملی قالب خود شکر کرنے والوں ہی کے لیے زیادہ اطمینان بخش ہے۔ اس کی طرف جہاں تک میں سمجھتا ہوں آخر میں

لعلکم تشکرون

تما کہ تم شکر ادا کرو،

کے الفاظ سے اشارہ فرمایا گیا۔

(۹) روزے کے ان ہشت گانہ قرآنی مصاحح و حکم کے سوار روزے کی ان ہی آیتوں کے بعد ماعاً

واذا سالک عبادى عنى فانى قريب

اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے میرے

اجيب دعوة الداع اذا دعان

متعلق تو میں قریب ہوں، جواب دیتا ہوں پکارتے

فليس تحيبوا لى وليمنوا لى اعلمهم

والے کی پکار کا، میں چاہیے کہ میرا بھی وہ جواب دے

يرشدون۔

اور قبیلے بھی مانیں ہو سکتا ہو کہ وہ راہ پر لگ جائیں۔

اور اس کے بعد پھر روزے ہی کے بعض ذیلی احکام والی آیتیں قرآن میں پائی جاتی ہیں جن کی تفصیل اس وقت میرے پیش نظر نہیں ہے۔

بہر حال اس درمیانی آیت سے پہلے بھی روزہ ہی کا ذکر ہے اور اس کے بعد بھی جو آیتیں ہیں، ان کا تعلق بھی روزہ ہی سے ہو، بیچ میں اس آیت کا ہونا یقیناً بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔

نظا ہر ہی خیال گذرنا ہے کہ حق تعالیٰ کے حکم کے مطابق جب بندہ اپنی مالوت عادتوں سے دستبردار ہو کر اپنے پیدا کرنے والے کی خوشی اور اسی کی مرضی کے مطابق اپنی خوشی اور اپنی مرضی کو بنا دیتا ہے، تو روزہ کے زمانہ میں روزہ دار کا خالق کائنات کے ساتھ یہ وفاقی تعلق قرآن بنا چاہتا ہے، کہ اسے معمولی حال نہ سمجھنا چاہیے بلکہ منطقی طور پر یوں ترتیب قائم کی جائے کہ ساری کائنات حق تعالیٰ کی مرضی مبارک کے مطابق چل رہی ہو، پس انسان جب اسی عالمگیر مرضی کے مطابق اپنے آپ کو کر لیتا ہے تو کیوں نہ سمجھا جائے کہ اس خاص حال میں عالم کا ہر قانون انسان کی مرضی کی مطابقت کے لیے تیار ہو جاتا ہے، یعنی اسکی ہر دعا، کو حق تعالیٰ قبول فرماتے ہیں تو آپ ہی بتائیے اس کے سوا دوسری توقع ہی کیا کی جا سکتی ہے، اسی آیت کے آخر میں خود ارشاد ہوا ہو کہ ”پس چاہیے کہ میری باتوں کا تم بھی جواب دو“ اور مجھے مانو ہو سکتا ہو کہ صبح راہ پر وہ لگ جائیں“

یعنی فلیستجیبو الی دلیومنا الی لعلہم یرشدن کو جو ترجمہ ہے، گویا سمجھا جا ہیے کہ قدرت اور اس کے سارے قوانین کے ساتھ وفاقی تعلق اور ہم آہنگی روزے کا منطقی نتیجہ ہے، اگر یہی واقعہ ہے، اور قرآنی نص کے بعد اس کی واقعیت میں شک و شبہ کی گنجائش ہی کیا باقی رہتی ہے تو ہماری سائنس اور ہمارا فلسفہ ان کی کتابیں، لائبریریاں، سب کی سب دین کے صرف ایک رکن روزہ پر باسانی قربان ہو سکتی ہیں، آخر جس نصب العین تک پہنچنے میں جرنی کا مینا بی سائنس اور حکمت کی راہوں سے حاصل ہو رہی ہو، کلی طور پر جو چیز اسی نصب العین تک ہمیں پہنچاتی ہو بتایا جائے کہ ہم اس کو اور کیا سمجھیں۔

رمضان المبارک کی آمد پر مسلمانوں کے لیے ایک اچھا تحفہ

ماہ رمضان

(از ہضرت مولانا احمد سعید صاحب، دہلوی)

رمضان المبارک ایک خاص شان اور ایک خاص عظمت کا مہینہ ہے، شریعت میں اس کے لیے کچھ مخصوص احکام ہیں۔ اس کے آداب اور فضائل کی ایک طویل فہرست ہے۔ اس مبارک مہینہ کو ایک مسلمان کی طرح گزارنے کے لیے ان سب باتوں کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ اس کتاب میں ان ہی باتوں کا بیان ہے۔ آپ اس میں رمضان کے تقریباً تمام ضروری مسائل بھی پاسکتے ہیں اور وہ آداب و فضائل بھی جو اس مہینے کے اداس کے خاص اعمال اور عبادات کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔

(قیمت مجلد عام)

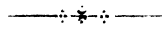
ملنی کے ایتہ

کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہِ رحمت

(مدیرِ الفرقان کی ایک تازہ تقریر)



الحمد لله الذي هدانا لهذا وما كنا لنهتدي لولا ان هدانا الله
لقد جاءت رسل ربنا بالحق - صلوات الله تعالى عليهم وعلى كل من

اتبعهم باحسان الى يوم الدين

حضرات! اللہ کی رحمتوں والا مہینہ رمضان قریب ہو، بلکہ گویا آچکا ہو۔ اگرچہ ہم جیسے عوام کی آنکھیں اس مبارک مہینہ میں اور دوسرے مہینوں میں کوئی خاص فرق نہیں دیکھتیں بلکہ ظاہری نظر میں رمضان کے دن اور رمضان کی راتیں اسی طرح کی ہوتی ہیں جس طرح دوسرے مہینوں کے دن اور ان کی راتیں ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں رمضان میں اور دوسرے مہینوں میں بہت بڑا فرق ہو۔ اتنا بڑا فرق ہو کہ اگر وہ ہم پر منکشف ہو جائے تو رمضان کی آمد پر ہم کو کچھ اس قسم کی خوشی اور مسرت حاصل ہو اگرے جیسی کہ پانی میں رہنے والے جانوروں کو سخت قحط اور خشکی کے بعد بارش کا موسم شروع ہونے سے ہوتی ہوگی۔ یا شاعروں کی زبان میں جیسی خوشی بلس کو فصل بہار آنے پر ہوتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان مبارک کا بڑے شہتیاق کے ساتھ انتظار رہتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آپ رحب کا چاند دیکھتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے کہ "اللہم بارک لنا فی رحمتنا وشعبان وبلغنا رمضان" (اے اللہ ہمارے رحب اور شعبان کو ہمارے واسطے مبارک کر اور رمضان تک ہمیں پہنچا دے) اور جب شعبان شروع ہوتا تو آپ کثرت سے روزے رکھنے شروع کر دیتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان کے علاوہ سب مہینوں سے زیادہ روزے آپ شعبان میں رکھتے تھے۔ بلکہ کبھی کبھی تو پورا مہینہ گویا روزوں ہی میں گزر جاتا تھا۔ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ روزے رمضان ہی کے شہتیاق میں اور اس کی تیاری کے لیے اور اس کی رحمتوں اور برکتوں کے استقبال کے واسطے ہوتے تھے۔

پھر جب رمضان بالکل قریب آتا تو آپ اس کی فضیلتوں اور برکتوں پر متقل خطبے دیتے اور صحابہ کرام کو

اس کی قدر وافی اور اس کی رحمتوں کے استقبال کے لیے تیار کرتے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلہ کے بعض خطبے حدیث کی کتابوں میں بھی محفوظ ہو گئے ہیں، اگر ہم میں طلب و وعزم ہو تو ان خطبات نبوی کی رہنمائی میں رمضان مبارک کی وہ رحمتیں اور برکتیں کسی درجہ میں ہم بھی ضرور حاصل کر سکتے ہیں جو ان خطبوں کے براہ راست سننے والے صحابہ کرام حاصل کرتے تھے۔

اس سلسلہ کا سب سے بڑا اور مفصل خطبہ تو وہ ہے جس کو حضرت سلمان فارسی کی روایت سے بیہقی وغیرہ محدثین نے روایت کیا ہے اور وہ مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے۔ حضرت سلمانؓ راوی ہیں کہ ایک دفعہ شہان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا۔

ایہا الناس قد اظلمکم شہر عظیم
شہر مبارک شہر فیہ لیلۃ خیر
من الف شہر۔
(شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

محضور کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ شب قدر عموماً رمضان ہی میں ہوتی ہے، اور شب قدر کی یہ فضیلت کہ ”وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے“ [خیر من الف شہر] ان ہی لفظوں میں قرآن پاک میں بھی بیان فرمائی گئی ہے، اس کے بعد آپ نے فرمایا

جعل اللہ سیامہ فریضۃ و قیام لیلہ
قطوعاً، من تقرب فیہ بمخلصۃ من
خصال الخیر کان مکن ادا فی فریضۃ فیما
سواء و من ادا فیہ فو یضۃ
کان مکن ادا فی مبعین فو یضۃ
فیما سواء۔

اللہ تعالیٰ نے اس پورے مہینہ کے روزے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں کی نماز (تراویح) کو کثرتاً قرار دیا ہے (یعنی اس کو فرض تو نہیں کیا ہے لیکن اس میں بڑا ثواب لکھا ہے) جو شخص اس مہینہ میں اللہ کی کوئی غیر فرضی عبادت کرے (یعنی سنت یا نفل ادا کرے) تو اسکو دوسرے زمانہ کی فرض عبادت کی برابر اس کا ثواب ملے گا اور جو شخص اس مہینہ میں فرض عبادت ادا کرے گا اس کا ثواب دوسرے مہینوں کے اسی عبادت کے ستر فرضوں کے برابر ہوگا۔

محضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ یوں ہی سن کر گزر جانے کے نہیں ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم ان پر دھیان کریں اور ان میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اپنے دل و دماغ میں اس کا یقین بٹھائیں۔ آپ کے اس ارشاد کا مطلب واضح ہے۔ اس میں خاص طور سے ہم جیسے دین کے مفلسوں کے لیے بڑی بشارت ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ بھٹان

میں تمام عبادات اور اعمال صالحہ کا اجر و ثواب بہت بڑھا دیا جاتا ہے، نوافل کا ثواب فرضوں کے برابر کر دیا جاتا ہے اور فرائض کا ثواب ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے، مثلاً رمضان میں فہر کی جو دو رکعتیں پڑھی جائیں گی ان کا ثواب غیر رمضان کی دو رکعتوں سے ستر گنا زیادہ ہوگا، گویا ایک سو چالیس رکعت کے برابر ہوگا۔ علیٰ ہذا زکوٰۃ کے جو دس روپے مثلاً رمضان میں نکالے جائیں گے ان کا ثواب دوسرے زمانے کے سات سو روپے کے برابر ہوگا۔ اور اسی طرح نفلی عبادات جن کا ثواب فرض عبادات کے مقابلہ میں بہت کم ہوتا ہے، رمضان مبارک میں ان کا ثواب بڑھا کر فرضوں کے برابر کر دیا جاتا ہے۔ پس ہم جیسے کم ہمت لوگ جو اللہ کے عابد بندوں کی طرح ہمیشہ زیادہ عبادتیں نہیں کر سکتے۔ ان کے لیے یہ ماہ مبارک خاص رحمت کا مہینہ ہو، اگر اس ایک مہینہ کے لیے وہ ہمت کی لکڑی لیں تو بھی بہت کچھ کمائی کر سکتے ہیں۔ پھر اسی مہینہ میں وہ رات بھی ہو جس کے متعلق صرف حدیثی روایات میں نہیں، بلکہ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جس کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ یہ رات رحمت اور برکات کے نزول کے لحاظ سے اور عبادات کے اجر و ثواب کے اعتبار سے ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور اس ایک رات میں ہزار مہینوں سے زیادہ کمائی کی جاسکتی ہے۔ بہر حال یہ مہینہ اللہ کی رحمت کی بارش کا مہینہ ہے، اگر ہم اس کی ناقدری کریں اور اس کی رحمتوں اور برکتوں سے حصہ لینے کی کوشش نہ کریں، اور جن غفلتوں میں ہمیشہ رہتے ہیں ان ہی غفلتوں میں یہ مبارک مہینہ بھی گزار دیں تو یہ ہماری انتہائی بدبختی اور محرومی ہوگی۔ اس کے بعد حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

هو شهر الصبر والصبر
ثوابه الجنة وشهر المواساة
یہ رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔
اور یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے اور یہ وہ مہینہ
شہر میزاد فیہ رزق المؤمن۔
جو جس میں ایمان والوں کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔
ان جہلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کو صبر کا، ہمدردی و غمخواری کا اور رزق میں
زیادتی کا مہینہ بتلایا ہے۔

تعبیر اس کا نام ہے کہ آدمی کسی اعلیٰ مقصد کی خاطر اس چیز کو برداشت کرے جس میں اس کو تکلیف ہو اور جو اس کی طبیعت کو ناگوار ہے۔ یہ انسان کی ہمت اور کچنی صفتوں میں سے ہے اور بڑی زبردست طاقت ہے اور دین میں

لے زکوٰۃ نکالنے والوں کے لیے بہتر ہے کہ وہ حساب لگا کر اپنے لیے مال کی زکوٰۃ رمضان میں نکال لیا کریں۔ پھر اسکے صرف کے لیے جو مناسب موقعے رمضان میں سامنے آئیں ان میں صرف کریں، اور جو باقی بچ جائے اس کو محفوظ رکھیں اور جب موقع وہ سرے مہینوں میں صرف کریں۔ انا اللہ ان کی پوری زکوٰۃ رمضان ہی کے حساب میں شمار ہوگی۔ ۱۲۔

اور اللہ کی نگاہ میں اس کی بڑی فضیلت ہو۔ کہیں فرمایا گیا ہو ان اللہ مع الصبرین " (اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہو)۔ کہیں فرمایا گیا ہو "واللہ یحب الصبرین" (اللہ تعالیٰ صبر والوں سے محبت کرتا ہے)، اور اسی خطبہ میں فرمایا گیا ہو کہ صبر کا بدلہ جنت ہو، بہر حال صبر انسان کے اوسے کلمات میں سے ہو اور رمضان میں اسی صبر کی مشق ہو۔ بندہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں اور اس کی رضا کے لیے کھانے پینے سے اور نفسانی خواہش سے پورے ایک مہینہ کے دنوں میں اپنے کو روک کر صبر کا عمل کرتا ہو۔ اور صبر کی صفت اپنے اندر پیدا کرتا ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے واسطے جنت کی بشارت ہو۔ اور اہل رمضان کے "ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ" ہونے کا مطلب اے یہ ہو کہ اس مہینہ میں ہر روزہ دار کو بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیف کا تجربہ ہوتا ہو تو ان کو اہل کا احساس ہوتا ہو کہ اللہ کے جن بندوں کو ناداری کی وجہ سے خالق ہوتے ہیں اور جو بجلیے افلاس اور غربت کی وجہ سے دو دو چار چار وقت بھوک کے ساتھ گزارتے ہیں ان پر کسی گزند ہی ہوگی، اور یہ احساس ان میں ہمدردی اور غمخواری کے جذبہ کو پیدا کرتا ہو۔ اور ایک دوسرے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہو کہ رمضان میں اہل ایمان کو ہمدردی اور غمخواری کی خصوصیت کے ساتھ تاکید ہو۔ گویا رمضان مبارک کے خاص اعمال خیر میں سے یہ بھی ہو۔

اور رحمت کے اس مہینہ میں ایمان والوں کے رزق میں زیادتی اور برکت کا جو ذکر فرمایا گیا ہو، ہر صاحب ایمان اس کی شہادت دے سکتا ہو کہ یہ اس کا ہمیشہ کا تجربہ ہے، اللہ کے مومن بندوں کو رمضان مبارک میں جتنا اچھا اور جتنی فراغت سے رزق ملتا ہو، یقیناً یقیناً گواہ مہینوں میں وہ بات نصیب نہیں ہوتی اس کے بعد حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

من فطر فیہ صائماً کان له مغفرة
لذنبه وعق رقبة من النار
وکان له مثل اجره من غیر ان
ینتقص من اجرہ شیئاً۔

اس مہینہ میں جو شخص کسی روزہ دار کو انظار کرائے
تو یہ اس کے لیے گناہوں کی مغفرت کا اور آتش دوزخ
سے اس کی آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو اس روزہ
دار کے برابر ثواب ہوگا۔ بغیر اس کے کہ اس کے ثواب
میں کوئی کمی کی جائے۔

یعنی اللہ تعالیٰ روزہ انظار کرنے والے کو روزہ دار کے برابر ثواب اپنے خاص خزانہ فضل سے دے گا، روزہ دار کے ثواب میں سے نہیں دیا جائے گا کہ اس میں کوئی کمی آئے۔

اس خطبہ کے راوی حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ نے روزہ انظار کرنے والے کا یہ ثواب عظیم بیان فرمایا تو بعض حاضرین نے عرض کیا۔

حضور! ہم میں سب تو ایسے نہیں ہیں جنہیں روزہ
افطار کرنے کی کوئی خاص چیز میر ہو۔

یا رسول اللہ! لیس کلنا نجد ما
نفطر به الصائم

آپ نے ارشاد فرمایا

اللہ تعالیٰ یہی ثواب (یعنی روزہ دار کے برابر
ثواب) اس شخص کو بھی دے گا جو کسی روزہ دار کو
دودھ کی ٹھوڑی سی سستی سے یا کھجور کے ایک دانہ ہی
سے یا پانی کے ایک گھونٹ ہی سے افطار کرا دے۔

يعطى الله هذا الثواب من فطر
صائماً على مذقة لبن او مئدة او
شربة من ماء

اس کے بعد حضور نے فرمایا۔

اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلائے تو
اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض کوثر سے ایسا سیراب
فرمائیں گے کہ پھر جنت میں جانے تک اس کو پیاس نہ
لگے گی۔

ومن اشبع صائماً سقاء الله
من حوضي شربة لا يظمأ حتى
يدخل الجنة۔

ہمارے زمانہ کے بعض لوگ جب کسی حدیث میں کسی ایسے عمل پر جس کو وہ معمولی اور آسان سمجھتے
ہیں کسی بڑے ثواب کا وعدہ دیکھتے ہیں تو انہیں اس کے بارے میں شکوک اور شبہات ہوتے ہیں۔ نیکو
دراصل اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کی وسعتوں کو نہ جاننے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ مگر
قَدَّرَ وَاللَّهِ حَقَّ قَدَرِهِ اصل بات یہ ہو کہ اعمال کے اخروی نتائج یعنی ثواب اور عذاب کی مقدار
اور اس کی تفصیلات کے بارے میں انسانی ذہن بالکل عاجز ہو۔ ”بَلْ اِنَّ اَرْوَءَ عِلْمِهِمْ فِي الْاٰخِرَةِ“
(آخرت کے بارے میں سب کا علم عاجز ہے) بلکہ اللہ و رسول جو کچھ فرمائیں ہمارا کام بس اس پر ایمان
لانا ہے۔ اِن ثبوت مستند طریقہ سے ہونا چاہیے۔ ورنہ اگر ہم ان چیزوں میں بھی اپنی بیار عقلوں
اور اپنے ماؤنڈ ہونوں کو معیار بنائیں گے تو دین کی بہت سی بنیادی اور مسلم حقیقتیں ہمارے نزدیک
شکوک اور مشتبہ ہو جائیں گی۔ مثلاً ایمان کے نتیجہ میں ہمیشہ اور ابد الا بادتگ جنت میں عیش کرنا اور کفر و
شرک کے نتیجہ میں ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں جلنا وہ حقیقت ہو جس کو قرآن مجید نے سیکڑوں جگہ بیان
فرمایا ہو۔ لیکن کتنے احمق اور یورپ زدہ لوگ ہیں جن کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ایمان اور کفر کے انجام
میں اتنا بڑا فرق کیوں ہے۔ بہر حال جس عمل کا جو ثواب یا جو عذاب صحیح اور مستند طریقہ سے معلوم
ہو جائے ہیں اس پر یقین کر کے اس ثواب کے حاصل کرنے یا اس عذاب سے بچنے کی فکر کرنا چاہیے۔

ایمانی طریقہ کار یہی ہے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار کو افطار کرانے اور کھانا کھلانے کا یہ ثواب بیان فرما کر آگے ارشاد فرمایا۔

و هو شهر اول رحمة واسطة مغيرة و آخره عتق من النار
اس مہینہ کا (یعنی رمضان کا) پہلا حصہ رحمت کا
ہو، درمیانی حصہ مغفرت کا ہو، اور آخری حصہ
جہنم سے آزادی کا ہے۔

اس حدیث کی شرح کرنے والے علماء نے خطبہ کے اس جز کے کئی مطلب بیان کیے ہیں۔ ان میں جو سب زیادہ میرے دل کو لگتا ہو وہ یہ ہو کہ رمضان کی برکتوں میں حصہ لینے والے آدمی تین طبق کے ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ ابراہار اور علماء اور ادیانہ اللہ جو تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے اور مسلسل توبہ استغفار کی وجہ سے گناہوں کی ناپاکی سے پاک صاف رہتے ہیں تو ان حضرات پر تو شروع مہینہ بچا بلکہ رمضان کی پہلی رات ہی سے رحمت اور انعام کی بارشیں ہونے لگتی ہیں۔ دوسرا طبقہ ان بندوں کا ہو جو معمولی اور ہلکے درجہ کے گناہگار ہوتے ہیں۔ توبہ لوگ جب رمضان کے ابتدائی حصہ میں روزوں کے اور دوسرے اعمال حسنہ کے ذریعہ اپنے گناہوں کی کچھ تلافی کر دیتے ہیں اور اپنی حالت کو درست کر لیتے ہیں تو درمیانی حصہ میں ان کو معافی دے دی جاتی ہو اور ان کی مغفرت کر دی جاتی ہو، اور تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہو جن کے گناہ اس دوسرے طبقہ والوں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں اور جن کا دینی حال ان سے زیادہ خراب ہوتا ہو اور وہ گویا اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے جہنم کے سختی بن چکے ہوتے ہیں تو اس طبقہ والے بھی جب رمضان کے ابتدائی اور درمیانی حصہ میں روزے رکھ کے اور دوسرے اچھے اعمال کر کے اپنی سیاہ کاریوں کی کچھ تلافی کر لیتے ہیں، اور اللہ کے سامنے روتے دھوتے ہیں تو ان کو بھی جہنم سے آزادی دے دی جاتی ہو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہوا کہ پہلی قسم کے مستغنی رحمت کے لیے تو رحمت کا دور دورہ شروع مہینہ ہی سے شروع ہو جاتا ہو اور درمیانی حصہ میں دوم درجہ والوں کی بھی مغفرت کر دی جاتی ہو اور آخر میں ان لوگوں پر بھی کرم کیا جاتا ہو جو اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے جہنم کی فہرست پر چڑھ چکے ہوتے ہیں۔ تو رمضان کے آخری حصہ میں ان کو بھی جہنم سے بچھٹی دے دی جاتی ہو۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:-

من خفف خيه عن ملوكه غفر الله
جو کوئی اس مہینہ میں اپنے ملوک (دیا ماتحت) کے

لہ واعتقہ من النار

کام میں تخفیف کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کو بخشے گا
اور اسکو جہنم سے آزاد کرے گا۔

یہ خطبہ مشکوٰۃ شریف میں امام بیہقی کی شُعَبُ الْإِيمَان کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے، مگر منبری کی تفسیر
ترہیب میں اس پر ایک جزو کا اور اضافہ ہے: اس میں ہو کہ اس خطبہ میں اپنے صحابہ کرام سے یہ بھی فرمایا کہ
رمضان کے اس مہینہ میں تم چار چیزوں کی خصوصیت کے ساتھ کثرت کرو، ایک لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی کثرت
رکھو، دوسرے استغفار کی کثرت کرو، اور تیسرے جنت کے سوال کی اور چوتھے دوزخ سے پناہ مانگنے کی
کثرت کرو یعنی اس مہینہ کے دن رات میں ان چار شغلوں کی کثرت رکھو۔

امام منبری کی ترغیب و ترہیب میں رمضان ہی کے سلسلہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا اور
خطبہ بھی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے طبرانی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے، اس میں ہے
کہ ایک دفعہ حب رمضان مبارک آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں سے ارشاد فرمایا۔

اتاكم رمضان شهر مبارک
ينشاكم الله فيه فينزل الرحمة
ويحيط الخطايا ويستجيب فيه
الدعاء ينظر الله تعالى الى
متناقم فيه ويباهي بكم
ملكه
لوگوں کو رمضان مہینہ مبارک
اللہ تعالیٰ اس میں اپنے خاص فضل و کرم سے تمہاری
طرت منوجہ ہوتے ہیں اور اپنی خاص رحمتیں نازل
فرماتے ہیں، خطائیں معاف کرتے ہیں اور دعاؤں
قبول فرماتے ہیں اور اس مہینہ میں طاعات حقا
اور عبادات کی طرت تمہاری رغبت اور مابقت کو
دیکھتے ہیں اور مسرت و مفاخرت کے ساتھ اپنے
فرشتوں کو بھی دکھاتے ہیں۔

اللہ! کیسے خوش نصیب ہیں وہ بندے جن کو روزہ کی اور بھوک پیاس کی حالت میں نماز
پڑھتے یا تلاوت کرتے یا ذکر کرتے یا رات کو تراویح میں کوع و سجود اور قیام بقعود کرتے یا پہلے پھر تہجد پڑھنے کا
آقا و ملاخروں کے ساتھ اور ان کی طرف اشارہ کر کے اپنے درباری فرشتوں سے کہتا ہو کہ دیکھتے ہو یہ ہماری مافا
کے لیے کیا کیا کر رہے ہیں۔ ع

کیا نصیب اللہ اکبر کو سننے کی جائے ہے

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا۔

فاد والله من انفسكم خيراً
بیں اے لوگو ان مبارک دنوں میں اللہ پاک کو

فَنَاتِ الشَّقَى مِنْ حُرْمَتِهِ
رحمۃ اللہ عزوجل۔

اپنی نیکیاں ہی دکھاؤ (یعنی عبادات و حسنات
کثرت سے کرو) بلاشبہ وہ شمس بڑے نصیب و
جور محسوس کے اس مہینہ میں بھی اللہ کی رحمت سے
محروم رہے۔

حضرات! اگرچہ ہم نے اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک زمانہ نہیں پایا اور اس لیے حضور کے
یہ تجلے خود آپ کی زبان مبارک سے ہم نے نہیں سنے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم اور آپ بلکہ قیامت تک آنے والے
سارے مسلمان ان نصیحتوں کے اسی طرح مخاطب ہیں جس طرح کہ صحابہ کرام تھے اور آپ کے خطبات کے متعلق جہاں یہی
تصور کرنا چاہیے کہ گویا آپ ارشاد فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔ انشاء اللہ اس تصور سے عمل کے شوق و
ذوق میں ترقی ہوگی۔

مشکوٰۃ شریف ہی میں ایک اور حدیث ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان مبارک کی
فضیلتیں اور اس کی برکتیں بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ رمضان کی ہر رات میں اللہ کا منادی
پکارتا ہے۔

یا باغی الخیر! قبل دیا باغی
لے نیکی اور ثواب کے طالب قدم بڑھ کے آ، اور
لے بدی کے شائق ترک اور باز رہ۔
الشراف ص ۱

میں آپ سے عرض کرنا ہوں کہ ہمیں رمضان کی ہر رات میں یہ دھیان کرنا چاہیے کہ اللہ کا منادی خیر
کے طالبوں کو بلاتا ہے اور بدی کے طالبوں کو ڈانٹتا ہے اور پھر ہمیں لبیک کہہ کے دل کے شوق و ذوق کے
ساتھ خیر کی طرف اور اللہ کی رحمت اور رضا کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کرنا چاہیے اور اس راہ میں برابر ترقی اور تیز
قدمی جاری رکھنی چاہیے۔ دراصل رمضان کا ایک ایک منہٹ بڑی قدر کے قابل ہے۔ اللہ کے حبیب بندوں
کو رمضان کی عظمتوں اور برکتوں کا یقین نصیب ہو جاتا ہے ان کا حال اس مبارک مہینہ میں بالکل مختلف ہوتا ہے۔
وہ اس کے ایک ایک لمحہ کی بڑی قدر اور بڑی حفاظت فرماتے ہیں۔ ہمارے ایک محذوم بزرگ کا دستور
اور معمول تو یہ ہے کہ پورے رمضان کے مہینہ صرف اتنا آرام کرتے ہیں جو زندگی اور صحت کے لیے بالکل ناگزیر
ہو۔ اور لوگوں سے ملنے اور بات چیت کرنے کے اوقات بھی بہت محدود کر دیتے ہیں، یعنی دن رات کے ۲۴ گھنٹوں
میں سے روزانہ محض بس آدھ گھنٹہ پون گھنٹہ اس کے لیے دیتے ہیں۔ باقی تمام اوقات تلاوت قرآن اور نوافل
اذکار میں مشغول رہتے ہیں۔ پھر ان کا پروگرام بھی بڑا عجیب اور بڑا دلچسپ ہے، پورے رمضان ان کا یہ معمول ہوتا
ہے کہ نماز مغرب کے بعد وائین کی چھ برکتوں میں تین بارے پڑھتے ہیں۔ پھر دہی تین بارے عشاء کے بعد نذر کج

میں پڑھتے ہیں، تراویح کے بعد چائے پیتے ہیں اور چائے کی یہ مجلس قریباً آدھ گھنٹہ پون گھنٹہ تک رہتی ہو۔ (ان بزرگ کے یہاں رمضان بھر گھنگو اور ملاقات کا بس یہی وقت رہتا ہے) اس چائے سے فارغ ہو کر پھر قرآنی مجید لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور ان ہی تین پاروں کی پوسے غور و تدبر کے ساتھ تلاوت فرماتے ہیں اور اس وقت بعض تفاسیر بھی سامنے رہتی ہیں اور غرض طلب چیزوں کے لیے ان کی طرف رجوع بھی فرماتے ہیں۔ اس تلاوت اور مطالعہ سے فارغ ہو کر تہجد کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور اس میں بھی وہی تین پارے پڑھتے ہیں، بس پوری رات یوں ہی گزر جاتی ہو، اس کے بعد نماز فجر سے اول وقت فارغ ہو کر کچھ دیر کے لیے آرام فرماتے ہیں۔ پھر اٹھ کر چاشت کے نوافل پڑھتے ہیں، اور ان میں بھی وہی تین پارے پڑھتے ہیں اس کے بعد پھر ان ہی تین پاروں کی تلاوت فرماتے ہیں، پھر نظر کی سنتوں اور نفلوں میں وہی تین پارے پھر پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد عصر تک ان ہی تین پاروں کی رودفعہ اور تلاوت فرماتے ہیں۔ پھر عصر کے بعد کسی دوسرے حافظ کو دہائین پارے سناتے ہیں۔ اس طرح پورے دن رات میں دس دفعہ تین پاروں کا دور ہوتا ہو اور ایک عشرہ میں قرآن مجید کے دس ختم ان بزرگ کے پورے ہو جاتے ہیں۔ پھر آخری عشرہ میں اس خیال سے کہ شاید ۲۹ رمضان کو رویت ہو جائے بجائے تین تین پاروں کے سو اسی تین پارے رودفعہ پڑھتے ہیں۔ اور اس طرح آخری عشرہ کے ۹ ہی دن میں دس قرآن مجید ختم ہو کر ۱۰۰ سو تیسویں رمضان کو ان بزرگ کے ختم قرآن اس طرح پورے ہو جاتے ہیں۔ پھر اگر ۲۹ رمضان کو رویت نہ ہوئی اور ۱۰ ہینہ پورے ۳۰ دن کا ہوا تو ۳۰ رمضان کو ایک قرآن مجید اور ختم ہو جاتا ہو۔ ان بزرگ کا برسہا برس سے یہی معمول ہو اور دوسرے اذکار و تسبیحات اور دعوات و صلوات اس کے علاوہ۔۔۔ بلکہ ان کے تو گھر کی ستورات کا بھی یہی حال ہو کہ گھر کا سارا کام کاج، بھلا و برکت کھانا پکانا بھی خود کرتی ہیں اور اس کے ساتھ ۲۰-۱۰ اور ۲۵-۲۵ پارے روزانہ تلاوت بھی کرتی ہیں، بلکہ کبھی کبھی پورا قرآن روزانہ ختم کرتی ہیں۔

اور یہ تو میں نے اس زمانے کے صرف ایک بزرگ کا ذکر کیا اور وہ بھی صرف اس لیے کیا کہ ان کا عجیب و غریب اور دلچسپ پردہ گرام جو مجھے معلوم ہو گیا تھا وہ آپ کو بھی معلوم ہو جائے شاید آپ میں سے کسی کے دل میں کسی وجہ سے اس کی نقل اور تقلید کا شوق پیدا ہو جائے۔۔۔ ان کے علاوہ بھی اللہ کے نیک بندوں کا یہ عام معمول ہو کہ رمضان مبارک میں وہ اپنے کو زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کے لیے اور اس کی راہ میں محامد کے لیے تیار کر لیتے ہیں۔ پھر جن کو تلاوت قرآن کا زیادہ ذوق ہوتا ہو وہ اس مہینہ میں تلاوت زیادہ کرتے ہیں۔ جن کو ذکر سے زیادہ مناسبت ہوتی ہو وہ ذکر زیادہ کرتے ہیں۔ جن کو نوافل میں زیادہ روحانی لذت ملتی ہو وہ نوافل زیادہ پڑھتے ہیں، جن کے دلوں میں اللہ نے دین کی خدمت اور دین کے لیے جدوجہد

احساس زیادہ پیدا کرو یا چاہو اور جو اس عمل کو سب سے اونچا اور زیادہ کمائی والا عمل سمجھتے ہیں۔ وہ رمضان میں اس کو زیادہ کرنا چاہتے ہیں۔ بہر حال رمضان کا یہ خاص حق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اللہ کے تمام صالح اور مقبول بندوں کا یہ طریقہ ہے کہ رمضان میں اپنے کو عبادات اور طاعات کے لیے زیادہ سے زیادہ فارغ کر لیا جائے اور اس مبارک مہینہ میں اللہ کی رضا اور رحمت حاصل کرنے کے لیے اور اپنی دینی ترقی کے لیے جو جہد و جد کی جگہ اس میں کسر نہ رکھی جائے بعض اہل ادراک بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جس شخص کا رمضان میں جو دینی حال رہتا ہے اسی نسبت سے بقی پورے سال میں اس کا حال رہتا ہے۔

تو مجھے آپسے یہی کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مہینہ کی شکل میں ہمیں جو ایک نعمت عظمیٰ نصیب فرمائی ہے کہ اس ایک مہینہ میں ہم برسوں کی کمائی انشاء اللہ کر سکتے ہیں، ہم اس کی قدر کریں، دوسرے کاموں کے ہم اپنے کو زیادہ سے زیادہ ہلکا کریں اور اس پورے مہینہ کا ایسا پروگرام بنائیں جس میں اللہ کا ذکر و فکر اللہ کی طاعت و عبادت اور اللہ کے لیے مجاہدہ زیادہ سے زیادہ ہو، اگر سال میں یہ ایک مہینہ خاصہ تمام سے اس طرح گزار دیا جائے جس طرح اس کے گزارنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت فرماتے تھے تو اپنی اصلاح کے لیے اور اللہ سے تعلق بڑھانے کے لیے اور تقویٰ کی صفات پیدا ہونے کے لیے اس ایک مہینہ کا محنت و مجاہدہ انشاء اللہ اچھی خاصی حد تک کافی ہوگا۔ جو لوگ دینے کو اس ایک مہینہ کے لیے دوسرے کاموں سے فارغ کر سکیں ان کے لیے تو سب سے بہتر یہ ہے کہ وہ یہ پورا مہینہ اللہ کے کسی خاص بندہ کی صحبت میں اور کسی ایسے اہل میں جا کر گزاریں جو اللہ کے ذکر و فکر کا ماحول ہو، طاعت و عبادت کا ماحول ہو، صلاح و تقویٰ کا ماحول ہو، تربیت و تذکیر کا اور مجاہدہ کا ماحول ہو اور جو بھائی پورے مہینہ کے لیے ایسا نہ کر سکیں وہ کم سے کم ایک عشرہ کے لیے اور خاص طور سے آٹھ ہی عشرہ کے لیے اگر کر سکیں تو ضرور کریں انشاء اللہ ان کی دینی ترقیات کے لیے یہ چیز بہت مفید ہوگی۔ مآتی وہ حضرات جو ایسے کاموں میں اور ایسے حالات میں ہیں کہ دوسرے مشغلوں سے وہ اپنے کو فارغ نہیں کر سکتے وہ کہے کم اس کا فیصلہ ضرور کر لیں کہ اس مہینہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کاموں کے کرنے کی خصوصیت کے ساتھ ہدایت فرمائی ہے انشاء اللہ ان کو پورے اہتمام سے کرنے کی کوشش کریں گے، اور جن باتوں سے اس مبارک مہینہ میں پرہیز کرنے کی آپ نے خصوصیت کے ساتھ ہدایت فرمائی ہے ان سے پوری طرح انشاء اللہ پرہیز کریں گے اور اپنے کو زیادہ سے زیادہ ذکر و تلاوت اور طاعت و عبادت میں مشغول رکھیں گے۔

اس مہینہ کی خاص عبادتوں میں سب سے اہم تو روزہ ہے جو اسلام کا ایک رکن ہے۔ اسلام میں

رمضان کے علاوہ کسی دن کا روزہ فرض نہیں، اور رمضان کے پورے مہینے کے روزے فرض ہیں اور ان کی اتنی اہمیت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ جو شخص کسی شرعی عذر کے بغیر رمضان کے ایک دن کا بھی روزہ چھوڑ دے گا وہ اگر ساری عمر نفل روزے رکھے، اس کی تلافی کرنا چاہے گا تو ذکر کیلئے گا۔

اور واقعہ یہ ہے کہ حدیثوں میں رمضان کے روزوں کا جو اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے

اس پر بھی انعامات کا وعدہ کیا ہے ان کے معلوم ہو جانے کے بعد شرعی مجبوریوں اور شرعی عذر کے بغیر وہی محروم شخص روزہ چھوڑ سکتا ہے جیسے اللہ و رسول کی باتوں کی اور اللہ کی رحمت کی کوئی پروا نہ ہو۔ جن حدیثوں

میں روزہ کے اجر و ثواب کا اور روزہ پر ملنے والے انعام کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے پہلے ایک حدیث قدسی کا ذکر کرتا ہوں، حدیث قدسی ایک خاص اصطلاح ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی حدیث میں صراحتاً یہ

فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے تو اس کو حدیث قدسی کہتے ہیں تو یہ حدیث میں روزہ کے متعلق ذکر کرنا

چاہتا ہوں، اس قسم کی حدیث جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ حدیث کی تمام کتابوں میں یہ حدیث وایت

کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والوں کو اپنے تمام اچھے اعمال کا ثواب دیا جائے گا

سے لے کر سات سو گئے تک ملنے والا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس امت مرحومہ کے لیے عام قانون اپنے کرم سے

یہ مقرر فرمایا ہے کہ اس کی ہر نیک کا ثواب بہ نسبت پہلی امتوں کے کم از کم دس گنا زیادہ دیا جائے گا۔ اور جن لوگوں

کی نیکیاں زیادہ جاندار، زیادہ روح دالی اور احسان کی صفت کے ساتھ اور خوف و محبت کی خاص کیفیات

کے ساتھ ہوں گی تو ان کا ثواب اور بھی زیادہ ہوگا، یہاں تک کہ بعضوں کو سو گنا اور بعضوں کو دس گنا اور

بعضوں کو ان کی کیفیات اور خصوصیات کے موافق اس سے بھی زیادہ، حتیٰ کہ بعض خوش نصیب بندوں کو

سات سو گنا تک دیا جائے گا، حضور فرماتے ہیں کہ اس امت کے اعمال خیر کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ عام قانون

ہی لیکن حق تعالیٰ نے روزے کو اس سے مستثنیٰ رکھا ہے، روزہ کے متعلق اس کا ارشاد ہے کہ روزہ میں میرا بندہ

میرے لیے اپنا کھانا پینا اور اپنی نفسانی خواہش چھوڑتا ہے۔ اس کی اس قربانی کی میں پوری پوری قدر کر کے

دیکھاؤں گا اور ثواب کے اس عام حساب سے نہیں، بلکہ اپنے خاص کرم سے اور بلا واسطہ میں ہی روزہ کا

اجر دیکھ دوں گا، گویا بندہ جس اسی وقت دیکھے گا کہ میں اسے اپنے ہاتھ سے کیا دوں گا۔ حدیث کے اصل

الفاظ اس موقع پر یہ ہیں کہ "کَلَّا الصَّوْمُ فَاَنَّهُ لِي وَاَنَا اجْزِي بِهِ يَدِيعَ لِي شَهْوَتِهِ وَطَعَامُهُ وَشَرَابُهُ"

روایت اللہ تعالیٰ آخرت میں روزہ داروں پر جو انعام و اکرام فرمائیں گے جس کا وعدہ اس حدیث

میں کیا گیا ہے وہ تو انشاء اللہ اسی وقت سامنے آئے گا اور اس کی عظمت اور قیمت اسی وقت معلوم ہو سکے گی لیکن

اس تفسیری حدیث میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ میرا بندہ میری وجہ سے اپنا کھانا پینا چھوڑتا ہے، اہل ذوق کے لیے

یہ کچھ کم نعمت نہیں ہو۔ اگر بالفرض آخرت میں کچھ بھی نہ ملے تو اللہ تعالیٰ کا بس یہ فرما دینا کہ بندہ نے اپنا کھانا پینا میری وجہ سے چھوڑا۔ ہمارے روزہ کی وہ قیمت ہو جس کے ہم ہرگز مستحق نہیں۔

ہزار ہر فدائے دے کہ من از شوقی بخاک و خون تیم و گوئی برائے من است
پھر اسی حدیث میں فرمایا گیا ہے

وَلَا تَلُحُّ لَفْتِ صَمَاءٍ عِنْدَ اللَّهِ
یعنی روزہ دار کے منہ میں غلہ معدہ کی وجہ سے جھبہ جو
اطیبہ من ریج الملسک
بعض اوقات پیدا ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ
وہ میرے نزدیک رشک کی خوشبو سے اچھا ہے۔

گویا روزہ دار اللہ کا اس محبوب بن جاتا ہے کہ اس کے منہ کی یہ بو بھی اللہ کو محبوب ہوتی ہے۔ سبحان اللہ کچھ ۔

ایک اور صحیح حدیث میں خاص رمضان بھاکے روزوں کے مشقوں فرمایا گیا ہے۔

من صام رمضان ايماناً و
جو شخص ایمان اور اعتساب کی صفت کے ساتھ
احتساباً غفله ما تقدم من
رمضان کے روزے رکھے گا اس کے سب پہلے گناہ
ذنبہ معاف کر دیے جائیں گے۔

ایمان اور اعتساب یہ دو خاص دینی اصطلاحیں ہیں اور حدیثوں میں بہت سے اعمال خیر کے ثواب کے ذکر کے ساتھ شرط کے طور پر ان دونوں کا ذکر کیا جاتا ہے یعنی کما جاتا ہے کہ اس عمل کا ثواب ہم بشرطیکہ عمل ایمان اور اعتساب کے ساتھ کیا جائے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کرنے والا اس عمل کو اس یقین کے ساتھ کرے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور قرآن و حدیث میں اس کا اجر و ثواب بتلایا گیا ہے وہ بالکل حق ہے، اور اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے اس عمل کو دیکھنے والا ہے، اور پھر اسی یقین کی تحریک سے اور حکم الہی کی تعمیل ہی کی بنیاد پر اور اللہ رسول کے بیان کیے ہوئے اس ثواب ہی کی امید پر اس عمل کو کیا جائے۔ پس یہ مطلب تو ہے ایمان اور اعتساب کے ساتھ کسی عمل کے کرنے کا، تو اس حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ جو کوئی رمضان کے روزے اس یقین کے ساتھ رکھے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور مجھے اس کے حکم کی تعمیل کرنا ہے اور اللہ مجھے اور میرے عمل کو دیکھنے والا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمائے تو مجھے اس عمل پر اللہ بہت بڑا ثواب ملے والا ہے تو اس شخص کے پہلے سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

روزہ کے علاوہ رمضان کی دوسری خاص عبادت قیام لیل یعنی رات کی خاص نماز جو جس میں

تراویح اور تہجد دونوں داخل ہیں اس کے بارے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد ہے کہ

من قام رمضان ایماً ناً و
احتساباً غفرلہ ما تقدم من
ذنبة
چشمیں ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں
میں اللہ کے حضور میں کھڑا ہو یعنی تراویح و تہجد
پڑھے تو اس کے پہلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

تو حدیث میں رمضان کی ان دونوں عبادتوں کی یعنی دن کے روزوں کی اور رات کی نماز
تراویح و تہجد کی یہ فضیلت اور تاثیر بیان کی گئی ہو کہ ان کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن
شرط یہ ہو کہ یہ عبادتیں ایمان اور احتساب کے ساتھ کی جائیں۔ دراصل ایمان و احتساب اعمال کی روح
اور اعمال کا باطن ہیں۔ جو اعمال ایمان و احتساب کے بغیر کیے جاتے ہیں وہ بے روح اور بے اثر ہیں! بھل
اولیٰ تو اعمال کرنے والے کم ہیں اور پھر جو کرنے والے ہیں ان میں ایمان و احتساب والے بہت ہی کم ہیں ہی
لیے ہمارے اعمال بے اثر ہیں۔

اعمال میں ایمان و احتساب پیدا کرنے کی تدبیر یہ ہو کہ ہر عمل نیت سے کیا جائے اور اس نیتیں کو
بار بار دل میں دہرایا جائے کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہیں اور یہ ان کا حکم ہو اور وہ اس کی تعمیل سے راضی ہوتے
ہیں اور میں ان کو راضی کرنے کے لیے اور آخرت میں ان کا رحم و کرم حاصل کرنے کے لیے ہی یہ عمل کرتا ہوں
— مثلاً ہم روزہ رکھیں تو اس نیت سے رکھیں اور اس نیت کو بار بار تازہ کرتے رہا کریں۔ یہاں تک کہ دن میں
جب جب کچھ کھانے یا پینے کو دل چاہے تو دل کو یہی یاد دلایا جائے کہ میں اللہ کے حکم سے اور اسکی رضا کے لیے
روزہ سے ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہو اور میری اس بھوک پیاس پر وہ مجھے بڑا ثواب دینے والا ہو — اسی
طرح تراویح اور تہجد پڑھنا جب نفس پر بھاری ہو اور حجابی وقت آرام کرنے کو چاہے تو اس نیتیں کو تازہ
کیا جائے کہ میرے اللہ مجھے اور میرے حال کو دیکھ رہے ہیں اور اللہ کے حضور میں ملے ہو کہ میرا روزہ آخرت میں اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کو
آراؤں کر رہا ہوں گا اور اس وقت تھوڑی سی تلخیت اٹھالینا انشاء اللہ روزہ کی سخت تکلیفوں سے نجات کا ذریعہ
ہو جائے گا — انشاء اللہ چند روز ایسا کرنے سے یہ ایمان و احتساب دل کا مستقل حال بن جائے گا اور پھر
خدا سے چاہا تو ہمارا ہر عمل ایمان و احتساب کی صفت سے ہوا کرے گا۔

رمضان کی ان دونوں عبادتوں (یعنی دن کے روزوں اور رات کی نمازوں) کے متعلق ایک حدیث اور
بیان کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الصيام والقراءتین شفعان للعبد
مقول الصيام اے رب انی مشغول الطعام
روزے اور قرآن (یعنی تراویح یا تہجد میں جو قرآن
پڑھایا جاتا ہے) یہ دونوں مومن بندہ کے حق میں

والشہوات بالہمار فشفعنی فیہ
و یقول القرآن منعتہ المنام باللیل
فشفعنی فیہ فیشفعان

اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا
میں نے میرے رب پر کھانے پینے سے روکا تھا، لہذا میری شفاعت اس کے حق میں
قبول فرما، اور قرآن کے گاکہ میں نے اسکو رات میں
سونے نہیں دیا تھا۔ اس لیے میری شفاعت ایسے
حق میں قبول فرما۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتے ہیں کہ) پھر ان دونوں کی شفاعت اس
بندہ کے حق میں قبول کی جائے گی۔

دوستو! ہمیں اور آپ کو بلاشبہ روزہ سے بھوک پیاس کی کچھ تکلیف ہوتی ہو، اور دن کو روزہ رکھکر
رات کو تراویح اور تہجد پڑھنا اکثر لوگوں کے لیے ضرور کچھ شاق ہوتا ہو۔ لیکن جب قیامت میں ہمارے یہ
روزے اور رمضان کی راتوں کی ہماری یہ نمازیں اور ان میں پڑھے جانے والا قرآن ہمارے شفیع بن کر کھڑے
ہوں گے اور ہمارے لیے بارگاہ خداوندی میں سفارش کریں گے اور جہان کی وجہ سے ہمارے گناہ معاف
کیے جائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ براہ راست ارہام واسطہ ہمیں ان کے انعام دیں گے تو اسوقت ان سے
زیادہ محبوب اور لذیذ ہمارے لیے کوئی چیز نہ ہوگی اور اس دن ہمیں ان کی اصل قدر و قیمت معلوم ہوگی۔

ہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہو کہ رمضان کے صیام اور قیام کی یہ ساری فضیلتیں اور انعام و اکرام کے
یہ تمام وعدے ان ہی خوش نصیبوں کے لیے ہیں جن کے روزے اور جن کی راتوں کی نمازیں صرف رسمی
نہ ہوں، بلکہ اخلاص کے ساتھ اور ایمان و احتساب کی کیفیت کے ساتھ ہوں اور جنہوں نے ان کے بارے
میں اللہ و رسولؐ کے احکام کی پوری پابندی کی ہو۔ ورنہ اگر یہ بات نہ ہو تو حدیث میں صاف طور پر
منہ مایا گیا ہے۔

دب صائم لیس لہ من صیامہ
الا لجوع والظما و رب قاصم لیس
لہ من قیامہ الا السهر۔
کتنے ہی روزہ دار ہیں کہ ان کے روزہ کا حاصل
بھوک پیاس کے سوا کچھ نہیں، اور کتنے ہی شب
نزدہ دار ہیں کہ راتوں کی ان کی نمازوں کا حاصل
رات کے جاگنے کے سوا کچھ نہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من لم یجد فی الزور والعلیہ
فلیس لہ حاجۃ فی الاسید طعامہ
و مفرابہ
تیس روزہ دارنے (روزہ رکھتے ہوئے) جھوٹ اور
بیوہ باتیں اور غلط اور بیوہ اعمال نہ چھوڑے
تو اللہ کو اس کے جھوٹے پرانے رہنے کی کچھ پروا نہیں
اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص روزے میں کھانے پینے سے تو اپنے منہ کو بند کر لے لیکن جھوٹ سے اور بری
انہوں سے اپنی زبان کی حفاظت نہ کرے اور بُرے اعمال اور بری عادتیں نہ چھوڑے تو اللہ کے یہاں اس کا روزہ
بول نہ ہوگا۔

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا کہ روزہ صرف کھانا پینا چھوڑ دینے کا نام نہیں ہو بلکہ بُرے کاموں اور
بری باتوں سے بھی رکھا جائے تو صحیح روزہ ہو۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ داروں کو ہدایت فرمائی ہو کہ
اذا کان یوم صوم احدکم فلا
یورث ولا یصحب فان ساب
احدا او قاتله فلیقل انی
صائم۔
جب تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہو تو چاہیے کہ وہ
کوئی بیوہ حرکت اور کوئی بیوہ بات نہ کرے اور تیزی
میں نہ دوسرے سے بھی نہ بولے اور اگر بالقرض کوئی دوسرا
اس سے گالی گلوچ کرے اور لڑتا چاہے تو کہہ دے کہ
میں روزہ سے ہوں۔

یعنی روزہ دار کو چاہیے کہ کسی بدتمیز کے جواب میں بھی کوئی بدتمیزی نہ کرے اور دل کے جذبات پر اور
زبان پر پورا قابو رکھے حتیٰ کہ سچ کر اور زور سے بھی نہ بولے۔

دوستو! یہ سچ حقیقی روزہ اور یہ ہیں وہ روزہ دار جن کے روزہ سے پیدا ہونے والی منہ کی بدبو بھی
لڑکھٹک کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہو۔ اور یہ بات جب ہی حاصل ہو سکتی ہو جب روزہ دار یہ دھیان
رہتا رہتا کہ نہ ہے کہ میرا مالک اور میرا رب میرے ساتھ ہو، حاضر ناظر ہو اور اس کا حکم ہو کہ میں روزہ
میں کوئی بُرا کام نہ کروں، کوئی بری بات نہ زبان سے نہ نکالوں حتیٰ کہ زور سے بھی نہ بولوں، پس اللہ کے
ماضر اور شاہد ہونے کا یہ یقین روزہ دار پر عین طاری ہوگا اور ہر دم اپنے اللہ کے سامنے ہونے کا دھیان
بنا پختہ اور گہرا ہوگا اتنی ہی ان چیزوں سے احتیاط نصیب ہوگی جو روزہ کو خراب کرنے والی ہیں پس
سارا کھیل اس یقین اور دھیان کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائے۔

حضرات! رمضان کے خاص اعمال میں سے ایک اعتکاف بھی ہو۔ اعتکاف کیا ہو؟ ہر طرف سے منقطع ہو کر

اللہ کے در پر پڑ جانا اور اس سے لو لگنے کے میٹھ جانا۔ اس کا اصل وقت رمضان کا آخری عشرہ ہے۔
یوں تو رمضان کا پورا مہینہ خاص رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہے لیکن اس حیثیت سے اس کا آخری عشرہ پہلے دو دنوں عشرہ
سے بڑھا ہوا ہے، قرآن پاک کا نزول بھی آخری عشرہ ہی میں ہوا تھا اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر بھی عام
طور سے اس آخری عشرہ ہی میں ہوتی ہے اس لیے اعتکات کیلئے اسی عشرہ کو مخصوص کیا گیا ہے۔ گویا پورے رمضان کے
دنوں کا مجاہدہ تو تمام امت پر فرض کیا گیا ہے جس سے بیماروں معذروں کے سوا کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ اور
پورے مہینہ کی راتوں میں عشا کی روزمرہ کی نماز کے علاوہ زائد نماز پڑھنا اور اللہ کے حضور میں زیادہ سے زیادہ کھڑا
رہنا جسکو حدیثوں میں ”قیام لیل“ کہا گیا ہے وہ اگرچہ روزہ کی طرح فرض تو نہیں کیا گیا ہے لیکن فرض قرار دیے بغیر
اس کا حکم بھی سب کو دیا گیا ہے، گویا رمضان کے دنوں میں صیام اور راتوں میں قیام تو ایمان والوں کے لیے رمضان
کے مجاہدہ اور رمضان کی عبادت کا عام نصاب ہے۔ پھر اللہ کے عجب دے رحمت والے اس مہینہ کی رحمتوں اور برکتوں
میں خاص اہم خاص حصہ لینا چاہیں ان کے لیے خاص نصاب اعتکات ہے۔ یعنی اللہ کا طالب بندہ رمضان کے
آخری ۱۰ دنوں اور دس راتوں میں سب طرف سے کٹ کے اور گویا سب ہتھ کے اللہ ہی کے آستانہ پر جا پڑے
اور گویا اسی کے قدموں میں جا گرے یعنی اللہ کی کسی مسجد میں اپنے جسم کو نقیہ کرے، حاجت بشری کے سوا وہاں
نہ نکلے، اسی طرح اپنے باطن کو صرف اللہ کی طرف متوجہ کرے اسی کی یاد ہو اسی کا دھیان ہو، اسی کی عبادت
ہو اسی کی تسبیح و تہلیل ہو، اسی سے ڈرنا اسی کے حضور میں رونا اور ٹرپنا ہو، اسی سے مانگنا ہو اسی کے سامنے
گڑا گڑانا ہو، غرض وہاں بس وہ بندہ ہو اور اس کا رب کریم۔

حضرات! اعتکات کا جو اجر و ثواب آخرت میں ملے گا وہ تو وہیں پہنچ کر سامنے آئے گا لیکن جس بندہ
کو اپنے مولا کی محبت کا کوئی ذرہ نصیب ہو اس کے لیے تو حضوری کے ایسے چند دنوں اور چند راتوں کا نصیب
ہو جانا بجائے خود وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کے سامنے دنیا کی ساری نعمتیں اور لذتیں بیچ ہیں، اہل محبت تو
ایسے وقت کی نعمتیں ترپتے ہیں۔

پھر جی ہی ہو کہ درپہ کسی کے پیار ہوں سر زیر بار منت درباں کیے ہوئے
دل ڈھونڈھتا ہوں پھر وہی فرصت کے رات دن بیٹھا رہوں نصو بہ جاناں کیے ہوئے

میں آپ حضرات سے عرض کر رہا تھا کہ اعتکات بجائے خود ایک نعمت اور لذت ہے ایسی نعمت اور لذت جو
اگر ہم سب پر منکشف ہو جائے تو ہماری مسجدیں رمضان میں متکفین سے بھری رہا کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی معمول تھا کہ آپ رمضان کے آخری عشرہ میں برابر اعتکات فرماتے
تھے، ایک سال کسی وجہ سے آپ اعتکات نہیں کر سکے تو اگلے سال آپ نے ۲۰ دن کا اعتکات فرمایا اور ایک سال

ایسا بھی ہو کہ رمضان کے پورے مہینہ میں آپ متکلف رہے۔

تو اللہ تعالیٰ آپ میں سے جتنی توفیق دے وہ آخری عشرہ میں اعتکاف کریں اور جتنے لیے کسی وجہ سے اس کا موقع نہ ہو وہ بھی اتنا ضرور کریں کہ آخری عشرہ میں اپنے دوسرے مشغلوں کو کم سے کم کر دیں اور دن رات کا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کے ذکر میں، قرآن مجید کی تلاوت میں، اللہ کی عبادت میں، اللہ کے دھیان میں، اور اس سے دعا و استغفار میں گزاریں خصوصاً ان راتوں میں زیادہ سے زیادہ اللہ کی طرف متوجہ اور اسکے ذکر میں مصروف اور دعا و استغفار میں مشغول رہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی آخری دس راتوں میں خود بھی جاگتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیداری کا حکم فرماتے تھے اور ترغیب دیتے تھے (احیئ لیلہ والیقظ اہلہ)

اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور اہل تجربہ بھی بیان کرتے ہیں کہ عموماً رمضان کے کسی آخری عشرہ کی راتوں میں شب قدر ہوتی ہے جس کی عظمت اور فضیلت اور جس کی قدر و منزلت قرآن مجید کی ایک مستقل سورت میں بیان کی گئی ہے اور اس وجہ سے اس سورت کا نام ہی ”سورۃ القدر“ ہو تو جو شخص رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں میں ذکر و عبادت کا اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے کا اور دعا و استغفار میں مشغول رہنے کا اہتمام کرے گا۔ انشاء اللہ شب قدر میں نازل ہونے والی اللہ کی خاص رحمتوں اور برکتوں سے ضرور اپنا دامن بھر لے گا۔ اور جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے وہ اس ایک رات کی عبادت پر ہزار مہینہ کی عبادت سے زیادہ ثواب کا مستحق ہو گا۔

دوستو اور دینی بھائیو! اللہ تعالیٰ نے رمضان کی شکل میں رحمت کا جو موسم ہمارے لیے بھیجا ہے، اس کی قدر کرو، محوڑی سہی ہمت اور محنت کر کے اپنے گناہوں کو بخشتا ہے اور اپنے اللہ کو راضی کرنے کا سامان کر لو، اور رمضان کے دنوں اور راتوں میں کچھ کر کے اپنے نامہ اعمال میں نیکیوں کی میزان کو بڑھوا لو، معلوم نہیں اس سال کے بعد ہم میں سے کس کس کو رمضان نصیب ہو گا اور کس کس کے لیے یہی آخری رمضان ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو ان کی خاص استعداد پر چند نصیحتیں فرمائی تھیں ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ ”صلّ صلوٰۃ مودّج“ یعنی اس شخص کی کسی ناز پر جو اپنے متعلقین کو خیر باد کہہ کے دنیا سے رخصت ہونے والا ہو اور اپنی ناز کو آخری ناز سمجھ کر حضور و خشتوع سے چڑھ رہا ہو، میں عرض کرتا ہوں کہ اسی طرح اس رمضان میں ہم سب یہ خیال کر کے کچھ کریں کہ کیا خبر ہو شاید یہی ہمارے لیے آخری ہی رمضان ہو اور اللہ کی رحمت و مغفرت حاصل کرنے کا یہی ہمارے لیے آخری موقع ہو۔

آخر میں مجھے ایک بات آپ حضرات سے عرض کرنی ہو، اسوقت میں نے آپ حضرات کے سامنے رمضان اور اسکے خاص اعمال کے متعلق یعنی روزہ، تراویح، اور غزوات وغیرہ کے متعلق جو کچھ عرض کیا ہے دراصل وہ سب ثواب آخرت کی وہ ترغیبات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے سامنے بیان فرمایا کرتے تھے اور جو جنوں میں اب تک محفوظ ہیں، ان اعمال میں اسکے علاوہ جو اور مصلحتیں اور فائدے ہو سکتے ہیں جن کا تعلق ہماری اسی نبوی زندگی سے ہے۔ اسوقت میں نے ان کو قصداً نظر انداز کیا ہے۔ یہ میں نے ایسے کیا ہے کہ میرے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی ہے کہ وہ جو عمل کرنا چاہتے ہیں آخرت کے ثواب کو سامنے رکھ کر کرنا چاہتے ہیں اور جس کام سے لوگوں کو بچانا چاہتے اس کے آخری عذاب سے ڈر کر بچانا چاہتے ہیں ان کا امتیازی اور اصلی کام یہی مہشیر اور انداز ہے (یعنی ثواب کی بنا پر) نہ کہ اچھے اعمال پر لوگوں کو آمادہ کرنا اور عذاب سے ڈر کر لوگوں کو بُرے اعمال سے بچانا، قرآن پاک میں فرمایا گیا ”مُشِيرِينَ وَ مُنْذِرِينَ“

ہمارے اس زمانہ میں دین میں اور دین کی دعوت میں جو غلطیاں داخل ہوئی ہیں ان میں کی بہت اہم ایک غلطی یہ ہے کہ بہت سے حضرات مہشیر اور انداز کے اس نبوی طریقہ سے اس قدر ہٹ کر دین کی اور دین کے اعمال و ارکان کی دعوت دیتے ہیں کہ ان کی گفتگوؤں اور ان کی کتابوں میں جنت کے ثواب اور دوزخ کے عذاب کا تذکرہ کسی تلاش کرنے والے کو مشکل ہی سے مل سکتا ہے۔ حالانکہ قرآن و حدیث اسی تذکرے سے بھرے ہوئے ہیں۔ قرآن پاک سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دین کی پوری دعوت کی بنیاد آخرت کے ثواب عذاب کو بنایا ہے، اور جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذابوں کا ذکر قرآن مجید میں اسقدر تفصیل سے اور اتنی تکرار کے ساتھ کیا گیا ہے کہ اگر اسکو کال لیا جائے تو قرآن شاید آدھا بھی شکل سے ہے گا بھلا نبی علیہم السلام کا یہی طریقہ ہے اور ہمیں وہ برستی اور دنیا پرستی کے اس دوسرے اپنے قول و عمل سے اسکو اجاگر اور زندہ کرنا ہے۔ کہ دین کی اور دین کے اعمال ارکان کی دعوت آخرت کے ثواب عذاب کی بنیاد پر کی جائے اور جنت و دوزخ کو قرآن مجید کے طریقہ پر ایک سچی اور یقینی حقیقت کے طرح لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ اسکے علاوہ آج میں نے اس طور پر یہ التزام ایسے بھی کیا کہ رمضان کے مخصوص اعمال روزہ، نیام لیں، احیاء اللہ، تقدیران کے متعلق حدیثیں یہ سب شریعت شریفہ فرمایا گیا ہے کہ ان پر یہ انجام اور یہ جزا و سزا عسی وقت ملیگا جبکہ انکو ایمان اور اعتقاد کی صفت کے ساتھ کیا جائے۔ اور یہاں اعتقاد کی مطلب جیسا کہ میں نے ابھی بتلایا تھا یہی ہے کہ اللہ کے وعدوں اور وعیدوں پر یقین کر کے اور انکے سلائے ہوئے ثواب عذاب کو بالکل جتنی جان کے اس ثواب کی امید ہی میں ان اعمال کو کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ اعمال بھی نصیب فرمائے اور ایسا ان اعتبار کی صفت بھی نصیب فرمائے، میں عرض کر چکا ہوں کہ دہی دین کی روح اور جان ہے۔

والآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین و سلامہ علی المرسلین

چند ضروری اطلاعات

- ۱۔ اس وقت جو شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہے شعبان کا ہے، اس کے بعد رمضان اور سوال کے شماروں کو یکجا شائع کرنے کا ارادہ ہے، لہذا آپ حضرات ۱۵ سوال سے پہلے رسالے کا انتظار نہ فرمائیں۔
- ۲۔ اس شمارہ میں سرخ نشان کے ذریعہ سے جیسے ان حضرات کو اطلاع دی جا رہی ہے جن کی مدت حسہ بیداری شعبان میں ختم ہو گئی ہے، ویسے ہی ان حضرات کو بھی مطلع کیا جا رہا ہے جن کی مدت خریداری رمضان میں ختم ہوگی، براہ کرم مؤخر الذکر حضرات بھی مقررہ وقت کے اندر رسالہ آئندہ کا چندہ ارسال فرمائیں۔ رمضان کا پرچہ علیحدہ شائع نہ ہو سکنے کی وجہ سے ان حضرات کو اب دوبارہ اطلاع نہیں دی جا سکے گی، بلکہ اگر چندہ یا کوئی دوسری اطلاع نہ آئی تو اگلا پرچہ وی، پی کیا جائے گا۔
- ۳۔ پاکستان میں کتابیں طلب کرنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ وہ کتابوں کی قیمت مندرجہ ذیل پتہ پر پیشگی ارسال فرما کر ہمیں فرمائش بھیجی کریں۔ اور اسی کے ساتھ روپیہ بھیجنے کی ریب بھی۔ اس صورت میں ہمیں زیادہ آسانی ہوگی اور آپ کو کتابیں نسبتاً جلدی مل جائیں گی۔ روپیہ بھیجے کا پتہ یہ ہے۔
 سکریٹری صاحب ادارہ اصلاح و تبلیغ، آفسر ملین، بٹنکس، لاہور۔
 مندرجہ بالا پتہ پر روپیہ بھیجتے وقت اس کے ساتھ یہ تحریر لکھیں کہ یہ رقم کتاب کے ساتھ الفرقان لکھنؤ کی ہے۔

- ۴۔ پاکستان میں رسالہ الفرقان کا چندہ جمع کرنے کا بھی یہی پتہ ہے۔
- ۵۔ گزشتہ مہینے یعنی رجب کے رسالہ میں صفحہ ۲۶ کی آخری سطر کے آخر کے چند لفظ چھوٹ گئے ہیں۔ اس سطر میں جو آخری لفظ چھپا ہوا ہے اس کے بعد ان الفاظ کا اضافہ کر لیا جائے۔
 جسم کی بسندگی اور عقل الخ



تعارف

(از حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عظمیٰ)

**تصحیح الاغلاط الکتابیۃ
الواقعة فی النسخ الطحاوی**

امام طحاوی روایت و درایت دونوں کے مسلم امام ہیں، فن روایت میں ان کا شمار حفاظ حدیث میں، اور فقہ میں ان کا شمار مجتہدین میں ہے اور ان دونوں حیثیتوں سے وہ ان افراد رجال میں سے ہیں جن پر اسلام کی تاریخ کو بجا طور پر فخر ہے، امام طحاوی کی تصنیفات تیار دین میں کہیں سے نہ آئیں، مگر پانچ کے سوا کسی غیر مطبوعہ بلکہ نہیں بظاہر ناپید ہیں، مطبوعات میں ایک تو بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ جو معتبرہ طحاوی کے نام سے مشہور ہے، ایک مختصر رسالہ جو مصر و ہند دونوں جگہ طبع ہوا ہے، دوسری تصنیف مشکل الآثار ہے جس کو دائرۃ المعارف حیدرآباد نے چار جلدوں میں شائع کیا ہے، مگر وہ ناتمام ہے، اور تینا تصنیف طبع ہوا ہے وہ آدھے سے بھی کم ہے اس کا کمال نسخہ نہایت صحیح سات جلدوں میں متبذل میں موجود ہے جیسا کہ علامہ کوثری کا بیان ہے، تیسری تصنیف کتاب الشرح الکبیر ہے اس کا ایک نمونہ یورپ سے شائع ہوا ہے، چوتھی کتاب مختصر الطحاوی چار سو تین صفحات کا ایک فقہی متن ہے جس کی بھی ای سال مولانا ابوالوفاء اسحاق خانی نے بحرۃ السیارات المعارف النعمانیہ کی طرف سے مصر میں طبع کرا کے شائع کیا ہے، اور اس کا ذکر آگے تو ان معرض کیے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا کہ حق تعالیٰ مولانا ابوالوفاء (رحمۃ اللہ علیہ) کو جس کے زیر سر ہے، انھوں نے ایک ایسے گورنروں مایہ کا تحفہ پیش کیا ہے جس کو صدیوں سے اہل علم کی آنکھیں ترس رہی تھیں، اور میں مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ اپنی اس علمی خدمت کی وجہ سے دنیا کے اسلام کے تمام اہل علم کی طرف سے شکر پر کیے تھے ہیں۔ امام طحاوی کی پانچویں تصنیف جو غالباً سب سے پہلے زیور طبع سے آراستہ ہوئی شرح معانی الآثار ہے جو بن بستان کے سوا ادیکس نہیں چھپی ہے، سب سے پہلے ۱۳۱۸ھ میں مطبع مصطفائی دہلی نے اس کو چھاپا، اس کے بعد ۱۳۲۰ھ میں لاہور میں چھپی، پھر ۱۳۲۸ھ میں رحیمہ دہلی نے اس کو شائع کیا، طبع آدلی کے وقت ہر خط کو اس کی تصحیح کا کافی اہتمام کیا گیا، اور اس اہم کام کی ذمہ داری مولانا وحسی احمد سورتی کے سپرد کی گئی، ان کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی اس میں حصہ لیا۔

لیکن انہوں نے کہ یا تو سامان کی قلت یا فرصت کی کمی کی وجہ سے تصحیح کا کام چھپا ہونا چاہیے تھا نہ ہو سکا

اور اس انتہام و انتظام کے باوجود کتاب اعلاط سے پاک نہ ہو سکی۔ دوسری دفعہ لاہور میں بھی تو نقل در نقل ہونے اور صحت کا انتہام نہ کرنے کی وجہ سے اعلاط کی تعداد دو گنی یا اس سے بھی زیادہ ہو گئی، تیسری بار رحیمہ میں بھی تو تصحیح کا انتہام ضرور ہوا اور سابق غلطیوں کی تعداد بھی کچھ کم ہوئی مگر زیادہ تعداد میں غلطیاں باقی رہ گئیں، اور کچھ نئی غلطیوں کا اضافہ بھی ہو گیا۔

کتاب کے طبع اول کے بعد ہی سے اس ضرورت کا احساس بہت شدت سے کیا جا رہا تھا کہ کوئی صاحب علم اس کتاب کی مکمل تصحیح کی بہت کرتے تو یہ ایک عظیم الشان علمی کا نامہ موزنا۔ قدرت کی طرف سے یہ سعادت مرزا کا حکیم محمد ایوب صاحب بہ سہان پوری کے حصہ میں آئی، اور انھوں نے بڑی جانفشانی و محابہ کا ہی سے پہلے یہ حال اسیانید متون، احادیث اور باقی عبارات کی ایک ایک غلطی کو کچڑا، پھر مراجع و مظان کا پورا تتبع کر کے اعلاط کی تصحیح کی، اور ان تمام اعلاط اور انکی تصویبات کو ایک مجموعہ میں یکجا کیا جس کا نام تصحیح الا اعلاط الکتابیہ الواقعہ فی النسخ المطحیہ ہے اس مجموعہ کی صرف پہلی جلد بھی شائع ہوئی ہے، جو شرح معانی الآثار جلد اول کے اعلاط اور اس کی تصویبات پر مشتمل ہے، صفحات کی تعداد انہی ہے، تقطیع معانی الآثار کے برابر ہے۔

عزیزم مولانا محمد منظور نظامی ملکہ کی عنایت سے مجھے اس کتاب کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا، چونکہ امام طحاوی کے تصنیفات سے دیرینہ تعلق و شغف ہے اور الحادی لرحال الطحاوی (معانی و شکل کے رجال) کی تصنیف کے تعلق سے اسماء رجال کی تصحیح سے بھی دلچسپی ہے، اس لیے میں نے اس مجموعہ کو بڑے شوق سے پڑھا۔

میں بلا مغالہ کہہ سکتا ہوں کہ مولانا محمد ایوب نے اس کتاب کی خدمت کا حق ادا کر دیا ہے اور دل سے عاکرنا ہوں کہ حق تعالیٰ مولانا موصوف کو انکی محنت و جانفشانی کا اجر جزیل عطا فرمائے، اور علم دین کی زید خدمت کی توفیق بخشے۔

رجال اسانید کی تصحیح میں مولانا نے جس تتبع و تفتیش سے کام لیا ہے حد درجہ قابل تعریف ہوا اور اس باب میں انہی فطری دکاوت کے بوجہ ہر دکھاتے ہیں وہ قابل رشک ہیں۔

میں یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ معدومے چن کے سوا اکثر مقامات میں مجھے مولانا کی رائے سے اتفاق ہے، جن مقامات میں مجھے مولانا کی رائے سے اختلاف ہوا ان میں سے چند مثالوں کا ذکر اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان پر دوبارہ غور و فکر کر کے اگر اصلاح و ترمیم کی ضرورت ہو تو اسے دیکھا جاسکے۔

۱۔ صفحہ ۱۱۱ میں مولانا نے فرمایا ہے کہ عیاض بن عبد اللہ القرشی کے بجائے عیاض بن عبد اللہ لغھری صحیح ہے مگر میرے نزدیک القرشی جیسا کہ معانی الآثار میں ہے وہی صحیح ہے اس لیے کہ

ابو عوانہ نے بعینہ امام طحاوی کی سند سے اس حدیث کو مسند صفحہ ۲۸۵ میں روایت کیا ہے اور اس میں القزہشی ہی ہے، پھر یحییٰ صفحہ ۱۶۲ میں بھی القزہشی ہی ہے۔

۲۔ صفحہ ۱۱۱ میں مولانا نے فرمایا ہے کہ عبد الرحمن بن ثابت کی بجائے غالباً عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ثابت صحیح ہے، مگر ناچیز کے نزدیک عبد الرحمن بن عبد الرحمن بن ثابت صحیح ہے اس لیے کہ مسند احمد صفحہ ۲۸۵ کے علاوہ مجمع الزوائد صفحہ ۲۵۲ میں بھی ایسی ہے۔

۳۔ ص ۱۱۱ میں فرمایا کہ انتم لاتسعون کی جگہ پر لاتسعون صحیح ہے، آخر کے نزدیک لاتسعون صحیح ہو، یعنی عبارت یوں درست ہوگی انتم لاتسعون خصمکم ان یختم علیکم۔

۴۔ ص ۱۱۱ میں یعقوب بن ابی عباد کے بجائے یعقوب بن ابی عباد کے صحیح قرار دیا ہے، اس کے نزدیک ابن ابی عباد ہی صحیح ہے، ایسا ہی اسباب معافی، تاریخ بخاری اور لباب میں ہے اور اسی طرح معافی الآثام صفحہ ۲۸۵ شکل الآثام صفحہ ۱۱۱ میں بھی ہے۔

۵۔ ص ۱۱۱ میں عن الزہری عن عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام کے بجائے مولانا کا ظن غالب یہ ہے کہ الزہری عن عبد الملک بن ابی بکر بن عبد الرحمن بن الحارث تھا، لیکن یہ ظن غالب یہ ہے کہ الزہری عن ابی بکر بن عبد الرحمن بن الحارث تھا، اولاً اس لیے کہ اس حدیث کی اسناد صحیح بخاری میں بطریق شعیب یوں ہی ہے ثانیاً اس لیے کہ زہری کا اس حدیث کو ابوبکر سے روایت کرنا تو معلوم و مشہور ہے لیکن عبد الملک سے اس حدیث کو زہری کا روایت کرنا اس وقت تک میرے علم میں نہیں ہے۔

اس کے علاوہ میری نظر سے بعض ایسے مقامات بھی گزرے جو تصحیح سے رہ گئے ہیں، سر دست ایسی جو شامل کمانی پیش ہو سکتی ہیں، ان کو پیش کرتا ہوں۔

۱۔ معافی الآثام صفحہ ۲۸۵ میں ابو حمزہ کے بجائے ابو حمزہ صحیح ہے، تصحیح الاغلاط میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

۲۔ صفحہ ۱۱۱ میں بناقتہ کی جگہ بناقتہ صحیح ہے تصحیح میں اس کا ذکر بھی نہیں ہے۔

۳۔ ص ۱۱۱ میں سعد بن شریح کے بجائے عمر بن شریح صحیح ہے یعنی عمر کے بجائے عمر اور شریح کے شریح سین مملہ اور جیم کے ساتھ، اور یہ عمر مرفوع الی ابیہ میں ورنہ باپ کا نام محمد ہے۔

۴۔ صفحہ ۱۱۱ میں الخمارق بن احمد کے بجائے الخمارق بن احمد صحیح ہے جیسا کہ تاریخ بخاری

میں ہے، پھر وہی سطر میں پہلی سے بھی بڑی غلطی یہ ہے کہ قتادہ عن الخمارق کے بجائے قتادہ عن مسلم ابی

حسان عن الخمارق ہونا چاہیے، قتادہ براہ راست خمارق سے روایت نہیں کرتے بلکہ بواسطہ مسلم ابی

حسان کے، اس کے لیے تاریخ کی طرف رجوع کیا جائے، تصحیح الاغلاط میں ان غلطیوں کی اصلاح نہیں کی گئی ہو۔

۵۔ ۹۵ میں عمران بن حنین کے بجائے عمران بن حداد ہونا چاہیے، یہ بھی چھوڑ گیا ہو۔

۶۔ ۱۱۵ میں ابن ذہب کے بجائے ابن ابی ذئب ہونا چاہیے، یہ بھی رہ گیا ہے۔

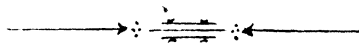
۷۔ ۱۱۷ میں سنان بن عبد اللہ بن حنین کی تصحیح سیار بن عبد اللہ بن حنین کے ساتھ ہونی چاہیے، جو نہیں ہوئی۔

۸۔ ۲۶۹ میں حبیب بن سلیمان کے بجائے حبیب (بابنخا و المعجینی اولہ) ہونا چاہیے۔ یہ بھی مذکور نہیں ہے۔

۹۔ ۴۲۲ میں حبیب بن میمون بن مہران واقع ہوا ہے، حالانکہ تصحیح میں ہو حبیب بن الشہید عن میمون بن مہران جیسا کہ ابوداؤد ص ۱۸۴ اور سنن بقی ص ۲۱۱ میں ہے اس کا ذکر بھی تصحیح الاغلاط میں نہیں ہے۔

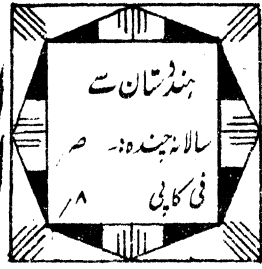
۱۰۔ ۴۲۵ میں اسرائیل عن ابی اسحق عن ابی السفر واقع ہوا ہے اس کے نزدیک یوں صحیح ہے اسرائیل عن یونس بن ابی اسحق عن ابی السفر اس لیے کہ بقی کی اسناد میں ابوالفرسے روایت کرنے والے یونس بن ابی اسحق ہیں، ابوالفتح نہیں ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ بقی کے یہاں یونس کے شاگرد احمد بن خالد دہبی اور یہاں اسرائیل۔

بہر حال یہ چند مقامات تنگی نشان دہی میں نے کی ہو، ان میں اگر میرے خیالات صحیح ہیں جب بھی کتاب کی خوبی اور مصنف کی محنت و کاوش پر کوئی حرج نہیں آتا، اس لیے کہ اس قسم کی نادانستہ فروگذاشتوں سے شاید ہی کوئی تصنیف محفوظ ہو تصحیح الاغلاط کے مصنف ہر طرح ہمارے شکر یہ کہ مستحق ہیں، اور ان کی کتاب اس لائق ہے کہ ہمارے تمام مدارس علمی ادارے اور علم و دست حضرت اس کی قدر کریں، اس کی خریداری فرما کر مصنف کو موقع دیں کہ وہ اس کا دوسرا حصہ بھی جلد از جلد شائع کر سکیں۔





الف سکن



جون ۱۹۵۲ء

جلد ۱۹ بابۃ ماہ رمضان و شوال ۱۳۷۱ ہجری نمبر ۱-۹

نمبر شمار	مضمون	مضامین نگار	صفحات
۱	نگاہ آدیس	عتیق الرحمن سنبھلی	۲
۲	معارف الاحادیث	محمد منظور نعمانی	۵
۳	اللہ کے گھڑ بچہ کر	مولانا سید مناظر حسن گیلانی	۱۶
۴	ارشاد دات شیخ	مولانا محمد اویس ندوی گرامی	۴۱
۵	کچھ دہراہل حق کے ساتھ	" "	۴۳
۶	معاشیات عبدیت	مولانا جلیل باری ندوی	۴۹
۷	تلاوت قرآن سے متعلق ایک سلسلہ کی وضاحت	محمد منظور نعمانی	۵۷
۸	حجاج منزل جدہ	" "	۶۵
۹	نسیم جانفزا	زائر حرم حمید صدیقی کھنوی	۷۳
۱۰	ملگر پارے	حضرت جسکر مراد آبادی	۷۴
۱۱	انتخاب	ادارہ	۷۵

سرخ پسل کا نشان! اس بات کی علامت ہے کہ جناب کی مدت خریداری اس شمارہ پر ختم ہو گئی ہے، لہذا اپنا چندہ برائے ایک سال مبلغ (پانچ روپیہ) بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر شکور فرمائیے۔ اگر ۲۰ اگست ۱۹۵۲ء تک جناب کا چندہ وصول نہ ہوا، اور نہ کوئی اطلاع آئی، تو اگلا پرچہ دی پی بھجا جائے گا جس کا وصول کرنا جناب کا اخلاقی فریضہ ہوگا۔ پاکستان کے حضرات اب اپنا چندہ کمرٹری صاحب ادارہ اصلاح و تبلیغ، آم سٹریٹیں بلوئیس لاہور کے پتہ پر ارسال فرمائیں اور ایک کارڈ کے ذریعہ ہم کو اس کی اطلاع ضرور دیں اور قدیم خریدار صاحبان اس اطلاع کے ساتھ اپنا پتہ خریداری بھی ضرور لکھیں۔ آپ کے چندہ کی اطلاع ۲۰ اگست ۱۹۵۲ء تک موصول نہیں ہوئی تو ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور سے آپ کی خدمت میں الف سکن بذریعہ دی پی آر ارسال کیا جائے گا۔ دیگر مالک کے حضرات اپنا چندہ ۱۲ شوال بذریعہ پوسٹل آرڈر دفتر الفرقان کھنوی کو ارسال فرمائیں۔ والسلام

ناظر:- الفرقان کھنوی

(مولوی محمد منظور نعمانی پرنسپل پبلشر نے نامی بریں کھنوی میں چھپوا کر دفتر الفرقان گوئن روڈ کھنوی سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ اولیں

قلب و نظر کی پاکی کسی قوم کا وہ جوہر ہے جس میں دنیا و آخرت کی عزت و فلاح کی ضمانت پوشیدہ ہے یہ وہ بلندی ہے کہ اس کو چھو لینے والی قوم دنیا کی نظروں میں آپ سے آپ معزز ہو جاتی ہے۔ اس کے افراد کی طرف عزت و محبت کی نظائریں اٹھتی ہیں اور حلیوں کے دل تک ان کی عزت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اسلام نے اپنی امت میں اس جوہر کو پیدا کرنے کے لئے بڑا اہتمام کیا تھا اور اپنے نظام میں ایسے سب دروازوں کو بڑی خوردہ گیری کے ساتھ بند کیا تھا جن سے کسی قسم کی ناپاکی مسلمانوں کے قلب و نظر میں راہ پاسکتی تھی۔ چنانچہ ایک مدت تک امت اسلامیہ کی سیرت کا یہ جوہر بڑی آب و تاب دکھاتا رہا۔ مگر زوال و انحطاط کے سیلاب میں جہاں ایک سے ایک قیمتی سرمایہ امت کا نفع نہ سکا یہ جوہر بھی گم ہو گیا۔ آج حال یہ ہے کہ حقیقت میں ناگفتنی ہے کہ باشتیاد افراد کبھی بتنی بلندی تھی آج اتنی ہی پستی ہے جس تیز میں قلب و نظر کی گندگی کا ذرا سا بھی سامان ہوتا ہے قوم کی قوم اس پر اس بُری طرح ٹوٹتی ہے جیسے گندگی کے کپڑے اور کھسپاں گندگی بڑھ گویا یہی ان کی طبعی غذا ہے۔ جو قوم بھی مساجد، مزار، کعبہ، کعبہ کے مرکز اور تو اسی ہالٹی کی مجالس کی زینت تھی آج اسی کے دم سے بے حیائی اور فحاشی کی درس گاہوں (سینما اور ٹیویژن) راگ و رنگ کی محفلوں، اور منکرات کے اڈوں میں رونق ہو جن کے اگلے گزر گاہوں اور بازاروں میں نظریں جھکا کر چلنے کے لئے مشہور تھے آج وہ صرف نظر بازی کے لئے بازاروں اور پلیٹ فارموں کے چکر لگاتے ہیں اور صبح و شام گرس سکو رہا اور کالوں کے دروازوں پر منڈلایا کرتے ہیں جن کی زبانیں کبھی اللہ کے نام اور اس کے کلام سے تر رہا کرتی تھیں آج خراباً اور زکس، لکڑا اور مہجو بالاک ناموں اور ان کے گائے ہوئے گانوں سے تر رہتی ہیں جن کی مجلسوں کی گرمی کبھی اللہ و رسول کے جریحوں سے تھی آج قلموں اور نظم و بحر مسوس کے تذکروں سے ہے جن کے گھر دیوں کو پاک کرنے والے قرآن کی تلاوت سے گونجتے رہا کرتے تھے آج ان کے گھر فحش اور عریاں گانوں سے گونجتے رہتے ہیں۔ یہ ہے آج کی حالت اور واقعہ ایسی بری حالت ہے کہ اس پر عیناً بھی رنج ہو ورنہ آئے کہہ دے اس لئے کہ اسلام، انسانیت اور شرافت کے نقطہ نظر سے یہ حالت مرض الموت کی حالت ہے۔ اس کے اسباب میں سے ایک بے حیا اور بے غیرت قوم کا طویل العمد اقتدار

ایک سبب ضرور ہے لیکن وہ اقتدار اب نہیں ہے اور یوں بھی ساری ذمہ داری اس پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ اس نے اجتہاد ضرور کی تھی لیکن اس کو انتہا تک پہنچانے کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ ہم نے اس معاملہ میں کوئی کشمکش اس سے نہیں کی۔ اس اقتدار نے ایک غلط راہ دکھائی ضرور تھی اور اس کے لئے ترفیعات بھی مہیا کی تھیں مگر جب یہ نہیں کیا تھا اس لئے اس دور کی نئی نسل اور اس دور کی نئی نسل کے سرپرست اگر کوشش کرتے تو دونوں نسلوں کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور بچ جاتا۔ مگر کوشش کا کیا ذکر یہ سرپرست خود ہی کیا کر رہی نسل کو اس راہ پر بڑھاتے ہیں اور جواب دہ کرنے کی جرات نہیں رکھتے یا کرنا نہیں چاہتے وہ سکوت اور چشم پوشی کا رویہ اختیار کر لیتے ہیں (گویا وہ کچھ نہیں کر سکتے) اور زمانے کے رخ کا ٹکڑا کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ان باتوں کو ہلکا سمجھتے ہیں اور اپنی نسل کو پاک دلی اور پاک نظرسہانے کی ذمہ داری کو معمولی ذمہ داری کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ کاشش یہ لوگ جانتے کہ کسی مملکت کی ساری ذمہ داری کے سر پر یہ اپنی نسل کو کیسے ہیں بھاری نسل سے تیار ہونے والے معاشرہ کی برادرہوں اور بڑھتیوں کی کسی سنگین ذمہ داری وہ اپنے سر سے ہٹا دیں اور اس کا کتنا سخت حساب انھیں اللہ کے حضور میں دینا ہوگا۔

يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُواْ اَنْفُسَكُمْ وَاٰلِهٰبِكُمْ نَامًا

کسی ملک کی حکومت کے لئے یہ بات بڑی افسوسناک ہے کہ اس کے قول و عمل کے دو بالکل جدا جدا رنگ ہوں اور اس کے قول سے جو امیدیں بندھتی ہوں خود اسی کے عمل سے ٹوٹ کر رہ جاتی ہوں۔ پچھلے دنوں کئی ہندو صحافیوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو بد گوئی کا نشانہ بنایا۔ مسلمانوں کے جذبات اس معاملہ میں جس قدر زار زدگ ہیں ان کو ساری دنیا جانتی ہے اور بار بار اس نزاکت کا تقریر بھی کوٹلی ہے مگر بایں ہمہ انھوں نے ان تازہ واقعات کو خون کے گھونٹوں کی طرح بی لیا اور صرٹ پر اس احتجاج پر اکتفا کیا۔ بعض اس لئے کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے دامن پر فرقہ واریت کی آگ کو ہوا دینے کا کوئی معمولی سے معمولی الزام بھی آئے۔ انھیں امید تھی کہ مسادات اور مذہبیت کی علمبردار حکومت ان کے جذبات کا احترام کرے گی اور ان صحافیوں کے ساتھ وہ معاملہ کرے گی جس کے یہ اپنی حرکات کی بنا پر مستحق ہوئے تھے۔ چنانچہ وعدہ کی حد تک یہ امید پوری تھی۔ مگر جہاں تک اخباری اطلاعات کا تعلق ہے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت صرف دلاسے کر رہ گئی اور جس علی کارروائی کا انتظار تھا وہ ابھی تک منظر عام پر نہیں آئی۔ ایسے واقعات ایک دو نہیں بلکہ آزادی کے بعد سے کئی بار ہو چکے ہیں لیکن ایک باری وہ توقعات پوری نہیں ہیں جن کا پورا کرنا اپنے کاغذی اطلاعات اور زبانی بیانات کے پیش نظر حکومت کا فرض تھا۔ اس طرح کا بار بار کا تجربہ اس نتیجہ پر پہنچا رہا ہے کہ حکومت کی نظر میں مسلمانوں کے جذبات کی وہ اہمیت نہیں ہے جو اہمیت اس ملک کے دوسرے بسنے والوں کے جذبات کی ہے ان جذبات کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اور اب ہم بھی ان کے بارے میں کسی کارروائی براہ راست نہیں کرتے کیونکہ

ہاتیں برانی ہو چکیں اور کارروائی کا وقت گزر چکا۔ مگر اصولی حیثیت سے یہ مسئلہ ضرور قابل فکر ہے کہ آخر یہ کیا تیار کیوں رواد رکھا جاتا ہے کہ ایسی حرکت اگر کوئی مسلمان کرے جتنا ہے تو جہنم اقتدار مارے شکنوں کے دیکھی نہیں جاتی۔ جس کی متعدد مثالیں ہیں۔ درانچا لیکچر غیر مسلموں کی ایسی دل آزار حرکتوں پر باوجود دپے درپے احتجاجات کے حکومت کے کان پر جوں تک نہیں دیتی۔ اگر جمہوریت اور سیکولرزم کے معنی یہی ہیں کہ اکثریت کو ناجائز قسم کی مداخلت حاصل ہوں تو ایسی جمہوریت اور ایسے سیکولرزم سے ہزار بار پناہ! اور اگر یہ معنی نہیں ہیں بلکہ حکومت کسی مصلحت کی خاطر ذلیل کی پالیسی اختیار کرے ہوئے ہے تو ہجر اس کے کیا کہا جائے کہ خدا اس ملک خیر کرے جس کی حکومت مصلحت کو فرض پر مقدم رکھتی ہے۔

ہم حکومت سے اپنے نبی اور اپنے مذہب کے ناموں کے تحفظ کی بھیک نہیں مانگتے۔ مسلمانوں کی غیرت ایک لمحہ کے لئے بھی یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ وہ اس ناموں کے تحفظ کی بھیک مانگتے پھرے۔ ہم صرف حکومت کو اس طعن و تبصر دلانا چاہتے ہیں کہ ملک کی تین چار کرڈر کی آبادی کے جذبات کے معاملہ میں ایسی لاپرواہی کسی لحاظ سے بھی دانشمندی نہیں ہے۔ ہر شخص اور ہر ملت کے صبر کا ایک پیمانہ ہوتا ہے اس میں خواہ کتنی ہی وسعت ہو مگر ایک حد ایسی ضرور آتی ہے جہاں پہنچ کر وہ اپنی ساری وسعتوں کے باوجود دھچک پڑتا ہے۔

تصوّف کیا ہے ؟

آزاد دین تصوف سے متعلق کئی اچھی اچھی چیزیں ہمارے اس زمانہ میں خالق ہوجلی میں لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ تازہ طبع کتاب اپنے اختصار کے ساتھ انصاف و تحقیق اور مباحث کے سچاؤ کے لحاظ سے بہت ممتاز سمجھی جائے گی اور انشاء اللہ ان تمام حق پسند حضرات کے لئے اطمینان کا باعث ہوگی جو تصوف کے بارہ میں بھی انصاف سے غور کرنا چاہتے ہیں اور جن کو اس کے نام سے خواہ مخواہ کی صدا اور چڑ نہیں ہے

اس میں مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان، مولانا محمد اویس صاندوی گرامی، مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کے مندرجہ ذیل آٹھ مقالے ہیں۔ گویا ان تینوں حضرات کی مشترک تالیف ہے۔

(۱) تصوف بڑا جمادی غور اور تجربہ (۲) تصوف اور اس کے اعمال و اشغال کے متعلق میرے چند عقین (۳) تصوف اور اس کے اعمال و اشغال کے متعلق بعض شبہات (۴) تصوف کے متعلق بعض شکوک و شبہات کا جواب (۵) عقین اور اس کے ثمرات (۶) تصوف اور عقین یعنی تصوف کے بارہ میں شیخ الاسلام ابن تمیمہ اور شیخ ابن قیم کی تصریحات (۷) پہل تصوف اور دینی جدوجہد (۸) طالبان سلوک کو ابتدائی مشورے۔

۴۰ صفحات۔ کتابت طبعیت ویدہ زیب، کاغذ اعلیٰ قیمت سہ

ملنے کا پتہ: مکتبۃ الفرقان کوئٹہ روڈ وٹھو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معارف الاحادیث

شفاعت :-

مشرقیں پیش آنے والے جن واقعات کی اطلاع احادیث میں صراحت کے ساتھ دی گئی ہو، اور جن پر ایک مومن کو یقین لانا ضروری ہو، اُن میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بھی جو شفاعت کے متعلق حدیثیں اتنی کثرت سے وارد ہوئی ہیں کہ سب ملا کر تو ان کی حد کو پہنچ جاتی ہیں۔ پھر شفاعت کی ان حدیثوں کے مجموعہ سے سمجھ کر شارحین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کئی قسم کی ہوگی اور بار بار ہوگی۔ سب سے پہلے جبکہ سارے اہل عمر اللہ کے حلال سے سرا سیمہ اور خوفزدہ ہوں گے اور کسی کو لب ہلانے کی جرأت و ہمت نہ ہوگی اور آدم علیہ السلام سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام اولوالعزم پیغمبر بھی نفسی نفسی کے عالم میں ہوں گے اور کسی کے لیے شفاعت کی جرأت نہ کر سکیں گے تو اس وقت عام اہل محشر کی دعوت پر واردان کی تکلیف سے متاثر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہمت کر کے اور اللہ کے لطف و کرم پر اعتماد کر کے آگے بڑھیں گے اور پوری نیاز مندی اور حُسنِ ادب کے ساتھ (جو آپ کے شایانِ شان ہو) بارگاہِ رب العزت میں اہل محشر کے لیے سفارش کریں گے کہ ان کو اس فکر اور بے چینی کی حالت سے نجات دی جائے اور ان کا حساب کتاب اور فیصلہ فرما دیا جائے۔ بارگاہِ جلالت میں اس دن یہ سب سے پہلی شفاعت ہوگی اور یہ شفاعت صرف آپ ہی فرمائیں گے۔ اس کے بعد ہی حساب اور فیصلہ کا کام شروع ہو جائے گا۔ یہ شفاعت جیسا کہ عرض کیا گیا عام اہل محشر کے لیے ہوگی، اسی لیے اس کو ”شفاعتِ عظمیٰ“ بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ انبیاء کے مختلف درجہ کے ان گن گناروں کے بارہ میں جو اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے جہنم کے سزاوار ہوں گے یا جو جہنم میں آئے جا چکے ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ ان کو معاف کر دیا جائے۔ اور جہنم سے ان کو نکالنے کی اجازت دے دی جائے آپ کی یہ شفاعت بھی قبول ہوگی اور اس کی وجہ سے خطا کار امتیوں کی ہمت بڑی قدامت و جہنم سے نکالی جائے گی، اس کے علاوہ کچھ صاحبین امت کے لیے آپ اس کی بھی شفاعت کریں گے کہ ان کے لیے بغیر حساب کے داخل جنت کا حکم مے دیا جائے۔ اسی طرح اپنے بہت سے امتیوں کے حق میں آپ تپتی دجستا

کی بھی اللہ تعالیٰ سے استدعا کریں گے، حدیثوں میں شفاعت کے ان تمام اقسام اور واقعات کی تفصیل درج ہوئی ہو۔
پھر حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ شفاعت کا دروازہ کھل جانے کے بعد اور انبیاء علیہم السلام فلک عظام اور اللہ کے دوسرے صالح اور مقرب بندے بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل ایمان کے حق میں سفارشیں کریں گے۔ یہاں تک کہ کم عمر میں فوت ہونے والے اہل ایمان کے معصوم بچے بھی اپنے ماں باپ کے لیے سفارشیں کریں گے۔ اسی طرح بعض اعمال صالحہ بھی اپنے مالکوں کے لیے سفارش کریں گے اور یہ سفارشیں بھی قبول فرمائی جائیں گی اور بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی جن کی نجات اور ششش ان سفارشوں سے ہوا ہے۔

مگر کھانا رہے کہ سب شفاعتیں اللہ کے اذن سے اور اس کی مرضی اور اجازت سے ہوں گی۔ ورنہ کسی نبی اور کسی فرشتے کی بھی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی ایک آدمی کو بھی دوزخ سے نکال سکے یا اس کا اذن اور ایما پائے بغیر کسی کے حق میں سفارش کے لیے زبان کھول سکے۔ قرآن پاک میں ہے۔
مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ
کون ہے جو اس کی بارگاہ میں بغیر اس کی اجازت کے کسی کی سفارش کر سکے۔ (بسم)

دوسرے موقع پر فرمایا گیا۔
وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْضَاهُ
اور وہ نہیں سفارش کر سکیں گے مگر صرف اس کے لیے جسے وہ رضا ہوگی۔

بلکہ اہل اکرام نے حیا کر فرمایا جو شفاعت دراصل شفاعت کرنے والوں کی عظمت و مقبولیت کے اظہار کے لیے اور ان کے اکرام و اعزاز کے واسطے ہوئی ورنہ حق تعالیٰ کے کاموں اور اس کے فیصلوں میں دخل دینے کی گنجائش نہ ہوتی۔
”یفعل ما يشاء ويحكم ما يريد“ اس کی شان ہے۔

اب ذیل میں باب شفاعت کی چند حدیثیں درج کی جا رہی ہیں۔

(۸۹) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ
مَاجِرُ النَّاسِ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ اشْفَعْ إِلَى رَبِّكَ فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا
وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ يَا إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّهُ خَلِيلُ الرَّحْمَنِ فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ
عَلَيْكُمْ يَوْمَئِذٍ فَإِنَّهُ كَلِيمُ اللَّهِ فَيَأْتُونَ مُوسَى فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ
بِعِيسَى فَإِنَّهُ رُوحُ اللَّهِ وَكَلَّمَهُ، فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ

سے عرض کرنے کی جرأت کر سکیں) پس یہ لوگ مینى علیہ السلام کے پاس آئیں گے (اور ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے، وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ میں اس کام کا اور اس مرتبہ کا نہیں ہوں تم کو (اللہ کے آخری نبی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ) پھر وہ لوگ مسجدِ پاس آئیں گے (اور شفاعت کے لیے مجھ سے کہیں گے) پس میں کہوں گا کہ میں اس کام کا ہوں (اور یہ میرا ہی کام ہو) پس میں اپنے رب کریم کی بارگاہِ خاص میں حاضری کی اجازت طلب کروں گا، مجھے اجازت دے دی جائے گی (میں اندر حاضر ہو جاؤں گا) اور اللہ تعالیٰ اس وقت مجھے اپنی کچھ خاص تعریفیں اپنی حمد کے لیے الہام فرمائیں گے جو اس وقت مجھے معلوم نہیں ہیں تو اس وقت میں انہی الہامی محامد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کروں گا اور اس کے آگے سجدہ میں گر جاؤں گا (مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہو کہ آپ وہاں ایک ہفتہ تک سجدہ میں پڑے رہیں گے۔ اس کے بعد) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو فرمایا جائے گا کہ اے محمد سراٹھاؤ اور جو کتنا ہو کو تمھاری سنی چائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرنا چاہے گی۔ پس میں کہوں گا اے پروردگار میری امت، میری امت! (یعنی میری امت پر کج رحم فرمایا جائے اور اس کو بخشت یا جائے) پس مجھ سے کہا جائے گا جاؤ اور جن کے دل میں جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو تو اس کو نکال لو، پس میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا (یعنی جن کے دل میں جو کے دانہ برابر بھی نور ایمان ہو گا ان کو نکال لاؤں گا) اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ کرم کی طرف لوٹوں گا اور پھر ان ہی الہامی محامد کے ذریعہ اس کی حمد و ثنا کروں گا اور اس کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا اے محمد سراٹھاؤ اور جو کتنا ہو کو تمھاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرنا چاہے گی، پس میں عرض کروں گا، اے پروردگار میری امت میری امت! تو مجھ سے فرمایا جائے گا کہ جاؤ اور جن کے دل میں ایک ذرہ کے بقدر (یا فرمایا کہ رائی کے دانے کے بقدر) ایمان ہو ان کو بھی نکال لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ۔ میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا (یعنی جن کے دلوں میں ذرہ برابر یارانی کے دانے کے برابر نور ایمان ہو گا ان کو بھی نکال لاؤں گا) اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ کرم کی طرف لوٹوں گا اور پھر ان ہی الہامی محامد کے ذریعہ اس کی حمد و ثنا کروں گا اور اس کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا، پس مجھ سے فرمایا جائے گا اے محمد اپنا سراٹھاؤ اور جو کتنا ہو کو تمھاری سنی چائے گی اور جو مانگنا چاہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرنا چاہے گی، پس میں عرض کروں گا میرے رب میری امت میری امت! پس مجھ سے فرمایا جائے گا جاؤ اور جن کے دل میں رائی کے دانے سے کم سے کم بھی ایمان

ہوا اللہ کو بھی نکال لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ۔ پس میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا۔ یعنی جن کے دل میں رائی کے دانہ سے کم سے کم کھڑی ایمان کا نور ہوگا ان کو بھی نکال لاؤں گا، اور اس کے بعد چوتھی دفعہ پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ کرم کی طرف لوٹ کر آؤں گا اور ان ہی الہامی محامد کے ذریعہ اس کی جہ کروں گا۔ پھر اس کے آگے سجدہ میں گر جاؤں گا۔ پس مجھ سے فرمایا جائے گا، اے محمد اپنا سر سجدہ سے اٹھاؤ اور جو کہنا ہو کہو، تمھاری سنی جائے گی۔ اور جو مانگنا چاہو مانگو تم کو دیا جائے گا۔ اور جو سفارش کرنا چاہو کرو تمھاری سفارش مانی جائے گی۔ پس میں عرض کروں گا کہ اے پروردگار مجھے اجازت دیجیے ان سب کے حق میں جنھوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ کام تمھارا نہیں ہو، لیکن میرے عزت و جلال اور میری عظمت و کبریائی کی قسم میں خود دوزخ سے ان سب کو نکال لوں گا جنھوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہو۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں چند باتیں تشریح طلب ہیں۔

(۱) حدیث میں جو کے برابر، رائی کے دانہ کے برابر، اور رائی کے دانہ سے کم سے کم کتر دل میں ایمان ہونے کا جو ذکر ہو اس سے مراد نورِ ایمان اور ثمراتِ ایمان کے خاص خاص درجے ہیں جن کا ادراک ہم کو تو نہیں ہوتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت اس وقت اس کا ادراک کر لے گی اور آپ ان درجوں والوں کو اللہ کے حکم سے نکال لائیں گے۔

(۲) حدیث کے آخری حصہ میں مذکور ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے تین دفعہ شفاعت فرمانے کے بعد چوتھی دفعہ حق تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ مجھے ان لوگوں کے بارے میں اجازت دی جائے جنھوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہو، اس کا مطلب نفاذِ یہود کہ حق لوگوں نے آپ کی دعوتِ توحید کو قبول کر لیا اور ایمان لے آئے، لیکن دوزخ سے نجات پانے اور جنت میں جانے کے لیے جو اذرا اعمال کرنا چاہتے تھے۔ وہ انھوں نے بالکل نہیں کیے۔ تو مطلب یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر میں ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرنے کی اجازت چاہیں گے جن کے پاس کسی درجہ کا جسدِ ایمان اور توحید کا اعتقاد نہ ہوگا لیکن عملِ خیر سے بالکل خالی ہوں گے (مسلم شریف) کی ایک روایت میں غالباً اسی گروہ کے حق میں لم یعمل خیراً قحط کے الفاظ آئے ہیں۔ جن کا مطلب یہی ہو کہ انھوں نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے "لیس ذالک لك" یعنی ان مسکینوں کو جہنم سے نکالنے کا کام میں نے آپ کے لیے نہیں رکھا ہو، یا مطلب یہ ہو کہ آپ کے لیے یہ سزاوار اور مناسب نہیں ہو۔ بلکہ یہ کام میری عزت و جلال اور میری عظمت و کبریائی اور شانِ فعالِ مہمید کیلئے

ہی سزاوار ہو اس لیے اس کو میں خود ہی کر دوں گا۔ اس عاجز کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہو کہ جن لوگوں نے ایمان لا کر احکام کی تعمیل بالکل نہیں کی ایسوں کو دوزخ سے نکالنا پیغمبر کے لیے مناسب نہیں ہو۔ اس درجہ کا عفو و درگزر اللہ ہی کے لیے سزاوار ہو۔ واللہ اعلم۔

(۳) معلوم ہوتا ہو اس روایت میں کچھ اختصار سے کام لیا گیا ہو۔ چنانچہ اسی حدیث کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں آدم علیہ السلام کے بعد اور ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اہل محشر کے نوح علیہ السلام کی خدمت میں بھی حاضر ہونے کا ذکر ہو جو اس میں نہیں ہو۔ نیز اس میں صرف اپنی امت کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذکر ہو، حالانکہ قرین قیاس یہ ہو کہ پہلے آپ عام اہل محشر کے لیے حجاب اور فضیلت کی شفاعت فرمائیں گے جس کو "شفاعت کبریٰ" کہتے ہیں، پھر حسب حساب کے قیاس میں بہت سے آپ کے امتی اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے دوزخ کی طرف بھیج دیے جائیں گے تو آپ ان کو دوزخ سے نکالنے اور جنت میں داخل کرنے کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔ واللہ اعلم

(۴) اہل محشر کے جو نام نہ کسی شفیع کی تلاش میں نکلیں گے اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے دل میں ہی ڈالے گا کہ وہ پہلے آدم علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر ان کی رہنمائی اور شہداء سے ابراہیم اور موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں۔ یہ سب منجانب اللہ اس دن اس لیے ہو گا کہ علمی طور پر سب کو معلوم ہو جائے کہ اس شفاعت کا منصب اور مقام محمود اس کے آخری نبی کے لیے مخصوص ہو۔ بہر حال اس دن یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور رفعت مقام کے برابر محشر اظہار کے لیے منجانب اللہ ہو گا۔

(۹۰) عن عمر بن حصین قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج قوم

من امتي من النار بشفاعتي يومئذ الجهنمين (رواه البخاري)

(ترجمہ) عمران بن حصین سے مروی ہو۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک گروہ میری امت میں سے میری شفاعت سے دوزخ سے نکالا جائے گا جن کو جہنمیوں کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ بخاری (تشریح) یہ ان کی توہین و تعظیم نہ ہوگی، بلکہ جہنم سے نکالے جانے کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑ جائے گا جو ان کے لیے خوشی کا باعث ہو گا کیونکہ یہ اللہ کے کرم کو یاد دلانے کے لیے۔

(۹۱) عن عوف بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اتاني آت من

عند ربِّي فخيرني بين ان ابرأ من الله بشفاعتي ام اني اخلد في الجنة بشفاعته فاخترت لشفاعتي

وحي من مات لا يشرك بالله شيئاً (رواه الترمذي وابن ماجه)

(ترجمہ) عوف بن مالک سے مروی ہو۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے

پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا پیغام لے کر آیا۔ اس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا کہ میں ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات اختیار کروں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ میری نصف امت کو جنت میں داخل فرمادیں یا یہ کہ مجھے شفاعت کا موقع ملے تو میں نے حق شفاعت کو اختیار کر لیا۔ اور میری شفاعت ان لوگوں کے لیے ہوگی جو ایمان اور توحید کی میری دعوت کو قبول کر کے، اس حال میں مرے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

(۹۲) عن ابی ہریرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اسعد الناس بشفاعتی

یوم القیامتہ من قال لا الہ الا اللہ خالصاً من قلبہ وانفسہ (رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری شفاعت سے بہرہ مند وہی ہوں گے جنہوں نے خلوص قلب سے لا الہ الا اللہ کہا ہو۔ (تشریح) اس حدیث کا بھی مطلب یہی ہے جو اوپر دلی حدیث میں دوسرے لفظوں میں فرمایا گیا یعنی جو شرک کی بیماری میں مبتلا ہوگا اس کو شفاعت سے فائدہ نہ ہوگا۔ ہاں اگر شرک سے پاک ہو گیا ہو اور دوسرے قسم کے گناہ ہیں تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے فائدہ ہوگا۔

(۹۳) عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال شفاعتی لاهل الکتاب من

امتی ————— (ترمذی وابوداؤد ورواہ ابن ماجہ عن جابر)

(ترجمہ) حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے حق میں ہوگی جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں گے۔ (ترمذی وابوداؤد)۔ اور اسی حدیث کو ابن ماجہ نے بجائے انس کے حضرت جابر سے روایت کیا ہے۔

(تشریح) اس قسم کی حدیثوں سے نڈراور بے خوف ہو کر گناہوں پر اور زیادہ جری ہو جانا بڑا کمینہ پن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے ارشادات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں سے شامت نفس سے گناہ ہو جائیں وہ بھی مایوس اور ناامید نہ ہوں، میں ان کی شفاعت کر دوں گا اس لیے وہ شفاعت کا استحقاق پیدا کرنے کے لیے اللہ کے ساتھ اپنے بندگی کے تعلق کو اور میرے امتی ہونے کے تعلق کو درست کرنے کی فکر کریں۔

(۹۴) عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلا قول

اللہ تعالیٰ فی ابراہیم ربّ اّنھن اضلن کثیراً من الناس فمن تبعنی فانه منی وقال

عینی ان تعذبھم فانھم عبادک فرغم بیدہ فقال اللھم منی امتی ویکلی

فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى يَا جِبْرِئِيلُ أَذْهَبَ إِلَى مُحَمَّدٍ — وَرَبِّكَ أَعْلَمُ — فَسَلِّمْ مَا يَبْكِيهِ
فَاتَاهُ جِبْرِئِيلُ فَسَأَلَهُ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا قَالَ فَقَالَ اللَّهُ لَجِبْرِئِيلَ
أَذْهَبَ إِلَى مُحَمَّدٍ فَقُلْ أَنَا سَنَرْضِيكَ فِي أَمْتِكَ وَلَا نَسُوءُكَ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک (سورہ ابراہیم) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ آیت تلاوت فرمائی ”وَقَدْ أَهْنُ أَصْلَانِ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي“ میرے پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے یعنی ان کی وجہ سے بہت سے آدمی گمراہ ہوئے، پس جو لوگ میری پیروی کریں وہی میرے ہیں تو ان کے لیے تو میں تجھے سے عرض کرتا ہوں کہ ان کو تو بخش ہی دے اور عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول بھی تلاوت فرمایا جو قرآن پاک (سورہ ائدہ) میں ہوا ”إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ“ (اے اللہ اگر آپ میری امت کے ان لوگوں کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں) یعنی آپ کو عذاب و سزا کا پورا حق ہو، یہ دونوں آیتیں تلاوت فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یاد کیا اور وعائے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا اے میرے اللہ میری امت: میری امت! اور آپ اس دعا میں روئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو فرمایا تم محمدؐ کے پاس جاؤ۔ اور اگرچہ تمھارا رب سب کچھ خوب جانتا ہو مگر پھر بھی — تم جا کر ہماری طرف سے پوچھو کہ ان کے اس رونے کا کیا سبب ہو، پس جبرئیل آپ کے پاس آئے اور آپ کو پوچھا آپ نے جبرئیل کو وہ بتلادیا جو اللہ سے عرض کیا تھا (یعنی یہ کہ اس وقت کے میرے رونے کا سبب امت کی فکر ہے جبرئیل نے جا کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا) تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو فرمایا کہ محمدؐ کے پاس جاؤ اور ان کو ہماری طرف سے کہو کہ تمھاری امت کے بارہ میں ہم تمھیں راضی اور خوش کر دیں گے۔ اور تمھیں رنجیدہ اور غمگین نہیں کریں گے۔ (مسلم)

(تشریح) حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی دو آیتوں کی تلاوت فرمائی ایک سورہ ابراہیم کی آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے متعلق ذکر فرمایا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی قوم اور اپنی امت کے بارہ میں عرض کیا کہ ”فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ“ (یعنی ان میں سے جن لوگوں نے میری بات مانی وہ تو میرے ہیں اور میں ان کے لیے آپسے مغفرت کی درخواست کرتا ہوں) اور جنہوں نے میری نافرمانی کی تو آپ غفور رحیم ہیں چاہیں تو ان کو بھی بخش سکتے ہیں — اور دوسری آیت سورہ ائدہ کی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ذکر ہے کہ وہ اپنے گمراہ امتیوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ”إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ“

فَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَعَزَّيْتُمُ الْحَكِيمَ“ (اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور آپ کو عذاب دینے کا پورا حق ہو۔ اور اگر آپ ان کو بخش دیں تو آپ غالب ہیں۔ بکھڑے کر سکتے ہیں اور حکیم ہیں جو کچھ کریں گے حکمت کے مطابق ہی ہوگا) ان دونوں آیتوں میں اللہ کے دونوں علیل الغد پیغمبروں نے پورے ادب اور بڑی احتیاط کے ساتھ اپنی اپنی امتوں کے خطا کار لوگوں کے لیے دے لفظوں میں سفارش کی ہو۔ ان آیتوں کی تلاوت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کا مسئلہ یاد دلایا اور آپ نے ہاتھ اٹھا کر اور دو کر بارگاہ الہی میں اپنی فکر کو عرض کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطمینان دلایا کہ آپ کی امت کا مسئلہ آپ کی مرضی اور خوشی کے مطابق ہی طے کر دیا جائے گا اور اس معاملہ کی وجہ سے آپ کو رنجیدہ اور غمگین ہونا نہیں پڑے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ ہر پیغمبر کو اپنی امت کے بلکہ ہر مقتدا کو اپنے متبعین اور متبعین کے ساتھ ایک خاص قسم کا شفقت کا تعلق ہوتا ہے جس طرح کہ ہر شخص کو اپنی اولاد کے ساتھ ایک خاص تعلق ہوتا ہے جو دوسرے انسانوں کے ساتھ نہیں ہوتا اور اس تعلق کی وجہ سے ان کی قدرتی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے چھٹکارا پائیں اور اس شفقت اور رافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب پیغمبروں سے بڑھے ہوئے ہیں اور اس لئے قدرتی طور پر آپ کی یہ بڑی خواہش ہے جو مختلف موقعوں پر بار بار آپ سے ظاہر ہوئی کہ آپ کی امت دوزخ میں نہ جائے اور جہنم کی عملی اس درجہ کی ہو کہ ان کا دوزخ میں ڈالا جانا اور کچھ عذاب پانا ناگزیر ہو۔ ان کو کچھ سزا پانے کے بعد نکال لیا جائے چنانچہ مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس خواہش کو پورا فرمائیں گے اور آپ کی شفاعت سے بہت سے لوگ جہنم سے بچ جائیں گے اور بہت سے ڈالے جانے کے بعد نکال لیے جائیں گے۔

شفاعت کے سلسلہ کی حدیثوں میں صحیح مسلم کی یہ حدیث ہم جیسے خطا کاروں، گنہگاروں کے لیے بڑا سہارا ہو اور اس میں بڑی بشارت ہو۔ بعض روایات میں ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سن کر فرمایا کہ میں تو جب مطمئن اور خوش ہوں گا جب میرا کوئی امتی بھی دوزخ میں نہیں رہے گا۔ ع۔ بریں مرثوہ گرجاں نشاۃ مست

اللہ تعالیٰ کو بطور خود سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود رونے کا سبب پوچھنے کے لیے حضرت جبریل کو رسول اللہ کے پاس بھیجا صرف آپ کے اکرام اور اعزاز کے طور پر تھا کہ اپنے مقررین کے ساتھ بادشاہوں کا یہی طرز ہوتا ہو۔ واللہ اعلم۔

(۹۵) عن عثمان بن عفان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم شفيع

يوم القيمة ثلاثة الانبياء ثم العلماء ثم الشهداء (رواه ابن ماجه)

(ترجمہ) حضرت عثمان بن عفان سے مروی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت

میں تین طرح کے لوگ (خصوصیت سے) شفاعت کریں گے۔ انبیاء و علیہم السلام پھر دین کا علم رکھنے والے، اور پھر شہسار۔ (ابن ماجہ)

(تشریح) حدیث کا مطلب یہ نہیں ہو کہ ان تین گروہوں سے باہر کا کوئی شخص کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا بلکہ خاص شفاعت انہی تین گروہ والوں کی ہوگی لیکن ان کے علاوہ بعض ان صاحبین کو بھی اذن شفاعت ملے گا جو ان تینوں میں سے کسی گروہ میں بھی نہیں ہوں گے۔ بلکہ جیسا کہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے چھوٹے بچے بھی اپنے ماں باپ کی سفارش کریں گے اور اعمال صالحہ کی بھی شفاعت ہوگی۔

(۹۶) عن ابی سعید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان من اعفی من یشفع للفئام ومنہم من یشفع للقبیلۃ ومنہم من یشفع للعصبۃ ومنہم من یشفع للرجل حتی یدخلوا الجنة۔ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں بعض افراد وہ ہوں گے جو جماعتوں اور قوموں کی شفاعت کریں گے (یعنی ان کا مقام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو قوموں کی شفاعت کی اجازت دے گا اور قوموں کے حق میں ان کی سفارش قبول فرمائے گا) اور بعض وہ ہوں گے جو عصبہ (یعنی دس سے چالیس تک کی تعداد والی کسی پارٹی) کے بارہ میں شفاعت کریں گے اور بعض وہ ہوں گے جو ایک آدمی کی سفارش کر سکیں گے (اور اللہ تعالیٰ ان سب کی شفاعتیں قبول فرمائے گا) یہاں تک کہ سب جنت میں پہنچ جائیں گے۔ (ترمذی)

(۹۷) عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصف اهل النار فیہم بہم الرجل من اهل الجنة فیقول الرجل منہم یا فلاں اما تعرفنی انا الذی سقیتنا شربۃً وقال بعضهم انا الذی وھبت لك وضوءً فیشفع لہ فیدخلہ الجنة۔ (رواہ ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ آخرت میں صفت بازے کھڑے کیے جائیں گے اہل دوزخ (یعنی اہل ایمان میں سے کچھ گنہگار لوگ جو اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں سزا پانے کے مستحق ہوں گے) وہ آخرت میں کسی موقع پر صفت بازے کھڑے ہوں گے، پس ایک شخص اہل جنت میں سے ان کے پاس سے گزرے گا تو صفت والوں میں سے ایک شخص اس کو گزرنے والے جنتی کو پکار کر کہے گا کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں وہ ہوں کہ ایک دفعہ میں نے نیکو پانی پلایا تھا۔ (یا شربت وغیرہ) پینے کی کوئی اچھی چیز پلایا تھی) اور اسی صفت والوں میں سے کوئی اور کہے گا کہ میں نے تمہیں وضو کے لیے پانی

دیا تھا، یہی شخص ان لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے سفارش کرے گا اور ان کو جنت میں داخل فرمادے گا۔ (ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا میں صاحبین سے محبت اور قربت کا تعلق اپنی عملی کوتاہیوں کے باوجود بھی انشاء اللہ بہت کچھ کام آنے والا ہو بشرطیکہ ایمان نصیب ہو۔ (خوس ان چیزوں میں جس طرح بہت سے جاہل عوام سخت غلو اور افراط میں مبتلا ہو کر گرہ ہوئے ہیں اسی طرح ہمارے زمانے کے بعض اچھے خاصے بڑے لکھے سخت تعریف میں مبتلا ہیں۔ اور ان چیزوں میں افراط کی خرابی ہو یا تعریف کی گمراہی جب ہمارا حق ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کی اور اس کی صفات کی صحیح معرفت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی صحیح معرفت اور اپنی صفات کا صحیح یقین نصیب فرمائے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بہرہ مند کرے کہ معاملہ اول و آخر اسی کے ہاتھ ہو۔

زاد سفر

امام نووی شاہ صحیح مسلم کی مقبول کتاب ریاض المباحین کے نصف اول کا سلیس و عام فہم ترجمہ جس میں صریح بخاری، مسلم، ترمذی و ابوداؤد کی وہ صحیح روایات ہیں جن کا تعلق فضائل اعمال، اخلاق و اصلاح و تہذیب اور زندگی کے روزمرہ کے احکام و مسائل سے ہے اور جو صحیح روحانیت تقویٰ، اخلاص و ایمان پیدا کرنے کے لئے کسیر کا کم رکھتی ہے۔

یہ کتاب بہترین و بیاض و مرئی و مرشد کا کام کرتی ہے۔ ہر عنوان کے نیچے پہلے قرآن مجید کی آیات صحیح ترجمہ، پھر احادیث ہیں۔

یہ نازہ ایڈیشن پہلے ڈوایٹریشنوں سے ہر لحاظ سے بہتر ہے، عمدہ اور مضبوط جلد، خوشنماگر دپوش قیمت تین روپے

اس رسالہ میں لڑکیوں کو میکا و رسم سال میں رہنے پہنچانے اور والدین، شوہر، اعزہ اور برادری کے ساتھ حسن معاشرت کے طریقے بتائے ہیں۔ اور خانہ داری کے علمی اصول سمجھاتے ہیں۔

حسن معاشرت

تین سرورق خوبصورت سرنگا جہیز میں دینے کے قابل اور ہر گھر کی زینت۔ (از خیر النساء صاحبہ) قیمت ۱۳ روپے

اس مجموعہ میں قرآنی اور ماثور دعائیں، عنوانات و مضامین کی ترتیب و میلین ترجمہ کے ساتھ مختلف اوقات کے اذکار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یقین کی ہوئی دعائیں درج ہیں۔ قیمت ۶ روپے

دُعائیں

ملنے کا بہتر، بکتر، خاتم الفرقان گوئن روٹو لکھنؤ

”اللہ کے گھر پہنچ کر“

اگزشتہ تین سالوں میں اللہ تعالیٰ نے ادارہ الفرقان کو حج نمبر نکالنے کی توفیق دی پھر ان نمبروں کے خاص مقالات و مضامین آپ جیسے کریں گے نام سے کتابی شکل میں بھی مرتب ہو کر شائع ہو گئے اور الحمد للہ وہ ایسی چیز تیار ہو گئی کہ اس کے بعد اس سال حج نمبر نکالنے کے لئے دلی میں کوئی خاص تحریک ہی پیدا نہیں ہوئی۔ البتہ ہمارے مخدوم و محترم مولانا گیلانی نے پچھلے نمبروں کے لئے ہماری ہی استدعا پر اپنے سفر حج کی جو سرگزشت سپرد قلم فرمائی تھی اس کی دو جلدیں سلسلہء مسند کے حج نمبروں میں شائع ہو چکی ہیں، چونکہ اس کا آخری حصہ جو خاص حج سے متعلق تھا باقی رہ گیا تھا اور الفرقان کے ناظرین میں سے بہت سول کو اس کا خاص اشتیاق تھا اس لئے رمضان مبارک میں مولانا سے اس کے لئے عرض کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا مدد فرما کر ہماری طرف سے ادارہ الفرقان کے ناظرین کی طرف سے بہتر سے بہتر جزا دے، آپ نے یہ آخری قسط تحریر فرما کر اس سلسلہ کو پورا فرمادیا۔ سلسلہ کے حج نمبر دلی پہلی قسط میں عزم سفر سے لے کر مدینہ طیبہ کی حاضری اور وہاں کے قیام کی سرگزشت اور مسند کے حج نمبر دلی دوسری قسط میں مدینہ طیبہ سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچنے تک کے حالات و واقعات ناظرین کرام بڑھ چکے ہیں۔ اس کے بعد ”اللہ کے گھر پہنچ کر“ جو کچھ گزارشہ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے (ملاحظہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے گھر پہنچ کر

(از مولانا مناظر حسن گیلانی)

(ایک نمبر دو وغیرہ میرے لیے کے لئے مدد الفرقان غیر سے صرف ایک حج پر نہیں مقلدے کھواچے ہیں خیال تھا کہ شاید اب شخص دیا جاؤں گا لیکن تقاضے کا سلسلہ جاری ہے۔ کچھ باتیں رو بھی گئی ہیں ان ہی سے یہ سچی قسط اس سلسلہ کی تیار کی جاتی ہے بھولی بھری باتیں خدا کرے یاد آتی جلی جائیں نفس حج اور اس کے مناسک کی عام باتیں ہیں اظہار ہے کہ اس قسم کے مضامین میں جیسا کہ مضمون ہے ان کے ذکر کی ضرورت ہی کیا ہے مناسک کی عام کتابیں عربی اردو میں موجود ہیں اور الفرقان کے گزشتہ حج نمبروں کے ذریعہ کافی سرمایہ اس سلسلہ میں جمع ہو چکا ہے جس جو کچھ بھی گنجائش رہ گئی ہے وہ اسی بات کی ہے کہ اپنے شخصی واردات و سوانح جو قابل ذکر ہوں اور کسی نہ کسی حیثیت سے افادیت کا کوئی پہلو ان میں ہونا کو بیش کر دیا جائے اسی لحاظ سے آئندہ سطریں کا مطالعہ کیا جائے۔ فقط

مناظر حسن گیلانی

طواف قدوم وحی وغیرہ کے قصوں سے فارغ ہونے کے بعد ہمارے رفقاء کرام خصوصاً مولینا عبدالمجید و مولینا عبدالباقی صاحبان وغیرہ تو متفق ہونے کی وجہ سے حلال ہونے کے مشاغل میں مصروف ہوئے لیکن فقیر قادر تھا یعنی حج و عمرہ دونوں کے احرام کی نیت ساتھ کی تھی حنفی مذہب کی رو سے حج کی تین قسموں قرآن و افراد و نسیح میں افضل ترین شکل قرآن ہی ہے۔ علماء احناف کا دعویٰ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن ہی کی شکل میں حج فرمایا تھا عمل کرنے کے بعد محسوس ہوا کہ حلال ہونے کی جھجھکیوں سے بھی آزاد رہنے کی ضمانت قرآن ہی میں تھی۔ اگرچہ ہمارے رفقاء کا دعویٰ اس وقت بھی تھا اور شاید اب بھی ہو کہ متفق ہی میں سہولت کا پہلو زیادہ ہے۔ مجھ پر عزیمت کا الزام قائم کیا گیا تھا اور اپنے آپ کو رخصت سے مستفید ہونے والوں میں شمار فرماتے تھے مولینا عبدالباقی غریبا لوالا لطیفہ ناز کے منتظر لے کر بیٹھ گئے ہمارے سلطان صاحبزادے میں ایک دفعہ جمعہ کی ناز بڑھا کر لایا تھا۔ مولوی عبدالباقی صاحب فرماتے تھے اس کو حب کیا گیا کہ ہماری پانچ و قسروں کی ناز نہ کر کیوں نہیں پڑھتے تو جھجکا کر بولا کہ جناب آپ امیر لوگ ہیں جتنی نازیں چاہے پڑے (باقی صفحہ ۱۸)

جو بیان کیا کرتے ہیں کچھ وہی نوعیت اپنے حج و عمرہ کی اس زمانہ میں یہ حضرات قرار دیتے تھے۔

ہمارے قافلے فرودگاہ کے لئے محلہ مغلہ کی مشہور رباط، رباط محروق کا انتخاب کیا تھا غالباً حیدرآباد کی کسی بیگم کی تعمیر کرائی ہوئی یہ رباط ہے، سب کے ساتھ فقیر کی منزل بھی یہ رباط قرار پائی لیکن طواف وحج سے فارغ ہونے کے بعد جب رباط پہنچا اور قیام و طعام کے نظم کا سوال اٹھا تو خاکسار نے رفیقوں سے عرض کیا کہ نامناسب نہ سمجھا جائے تو اس بندے کو بردار آزادی عطا فرمایا جائے۔ پوچھا گیا تیرا مطلب کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ میرے لئے قیام ہی کی فکر کیجئے نہ طعام کی۔ دل یہ چاہتا ہے کہ چند دن کے لئے میرا حرم کے شرعی لذت حاصل کروں یعنی ۵ ہو گا کسی دیوار کے سائے تلے بیٹھ کر کام محبت سے اس آرام طلب کو

میری آرام طلبی نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ صرف شرط بخج اور نیکہ کے لئے دو تین دن جو آغاز مناسک کے لئے باقی ہیں ان کو حرم ہی کے کسی گوشہ میں گزار دوں۔ یہ تجویز داغ میں مختلف وجوہ سے آئی، مکہ معظمہ میں قیام کی مدت کا حد سے زیادہ اختصار، زمانہ وہ آگیا تھا کہ چاروں طرف سے حجاج کچھ کھنچا کر مکہ معظمہ میں جمع ہو چکے تھے لاکھوں لاکھ کی اس بیڑ میں سب سے بڑی ضروری ایجنسی محسوس ہوتی تھی کہ براہ راست حج اسود کی تقبیل ولس یعنی یوسرہ دینے کی آرزو دل ہی دل میں رہی جاتی تھی، خیال آتا تھا کہ از او تم تا قائم حضرت انبیا علیہم السلام کے دست مبارک کی تمام مقامی جو پتھر کر رہا ہے، تو اتر کی روشنی میں جانتا ہوں کہ ان بزرگوں کی تقبیل ولس سے جان نہ کہہ کا یہ پتھر شرف ہے اس کو جو مناد اور اس پر ہاتھ رکھ کر کلمہ شہادت و دعوت کے عہد و پیمان کی تجدید کی تمنا دل کو بڑا پارسی تھی بید اللہ فوقی ایڈیٹر کا قرآنی اشارہ حوصلہ میں اور بلندی پیدا کرتا تھا، صحیح حدیثوں میں پڑھا تھا کہ کعبہ کی دیوار کا یہ پتھر آسمان و زمین کے خالق و مالک کا یمن اور سیدنا ہاتھ ہے، اللہ اللہ اللہ کا دہننا ہاتھ بڑھا ہوا تھا، وہی ہاتھ حواصل سے آخر تک سارے انبیاء کے مبارک دستوں ہاتھوں پر تھا، جی چاہتا تھا کہ اسی کے ساتھ لپٹ جاؤں، پکڑ لوں اس ہاتھ کو، کہ پھر وہ ہاتھ سے نہ چھوئے لیکن انسانوں کا طوفان تھا جو اس پتھر کے ارد گرد ٹھاٹھیں مار رہا تھا، گھسنے والے بھیڑ کو چیرتے پھاڑتے سنگ اسود تک پہنچنے کی کوششوں میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کچھ مٹی میں خواہر جافظ کی مشہور غزل کے اشعار مجسم ہو کر سامنے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کھڑے ہیں، گویا ان کے قلم نے ٹھیک اسی موقع کی تصویر کھینچی ہے فرماتے ہیں ۵

چہ زوہ بود ایک زوہ در بردہ مطرب کمی و قصد باہم مست و ہنار

ازیں انیوں کہ ساقی درے افگند حرفیاں را نہ سر ماند و نہ دستار

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بندہ غریب آدمی ہے، مجھ غریب آدمی کے لئے ایک ہی جمعہ کی نازا اٹھواڑے میں بہت سے نادر کتاب سفر حجاز میں جو بلند و بالا دی نے اپنے حج کے اس غریب کو پہلو کا کرنا کر فرماتے ہیں مجھ غریب کے قرآن کی امیرانہ شان کی طرف کچھ اشارہ بھی فرمایا ہے ۱۷

دیکھتا تھا اور دل کہتا تھا۔

خردمہر چند نقد کا ناث ست چہ سخیہ پیش عشق کیمیا کار
عشق کیمیا کار کی گرمی بازار کا حال دیکھنے سے ہی تعلق رکھتا تھا، نہ بڑوں کی بڑائی باقی تھی اور نہ چھوٹوں کا چھوٹ ہونا
لوگ تھے کہ گرسے پڑتے تھے اور پکارنے والا ہکا رہا تھا۔

سکندر رانی بخشنہ آئے بزور زریں نسبت ایں کار

یہ سب لفظ نہیں واقعہ ہے اپنی آنکھوں دیکھی بات ہے کہ لاکھوں میں انہیں تو یقیناً ہزاروں میں چند ہی خوش قسمت
تھے جو کسی نہ کسی طرح انسانی بحر موج کو چہرتے بھاڑنے کعبہ کے اس سیاہ پتھر تک براہ راست پہنچنے میں کامیاب
ہوتے تھے۔ دردناک منظر غریب نجدی حاجیوں کا تھا، سنگد فی میں حالانکہ ان کی ثمرت ہے لیکن اس سیاہ سنگ کے
عشق میں ہم دیکھتے تھے کہ آج بجائے دل کے ان کے سر گویا پتھر کے بنے ہوئے تھے سعودی حکومت کی پولیس کے جوان
ہاتھوں میں بیدلے ہوئے حجر اسود کے گرد کھڑے ہوئے تھے نجدی دیوانہ حاجی ہر چیز سے بے پروا ہو کر اسلام کو ناکافی
ٹھہراتے ہوئے حجر اسود کی تغیل کے لئے جان ہر کھیل کر جب حجر اسود تک پہنچ جاتا اور بوسے لئے پہنچے سر کو جھکاتا
کہ اچانک ٹڑاڑ انتہائی بے دردی کے ساتھ نجدی پولیس کے سپاہی کی بید اس غریب کے سر پر سے لگتی۔ بید پر بید
سپاہی اڑتا جا رہا ہے لیکن پتہ چلتا تھا کہ ان کو نجدی حاجی پھول سمجھ رہا ہے سنگ اسود کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔

طوافِ قدوم کے ابتدائی مناسک ہی میں ان باتوں کا اندازہ ہو گیا، میرے لئے یہ نجدی حاجیوں کے سر و
کی نگینی آسان تھی اور نہ دل اس پر راضی ہوتا تھا کہ اسلام کی شکل میں شرعی مطالبہ کی تعمیل کر کے آگے بڑھ جاؤں
سوچ بچار کمر اس راحت طلب دل نے یہی صورت نکالی کہ اپنا بستر ہی کسی کی دیوار کے نیچے ڈال دیا جائے۔
جو میں گھنٹوں میں آخر کوئی وقت، دن کو نہ ہی رات کی پچھلی گھنٹوں ہی میں شاید ایسا مل جائے کھل کر دل کی
آرزو پوری کر لوں۔

رفیقوں نے اجازت دیدی، سب کا بستر باط محرق کے کمروں میں لگ گیا اور جسے اجازت مل گئی
تھی سب سے الگ ہو کر باب ابراہیم کی مت میں حرم شریف کے ایک گوشہ میں اپنا بستر ڈال دیا ڈرتا تھا نجدی
سپاہی کی ٹھوکر ڈال ڈرتا تھا بھری قفل سے آٹھا دئے جانے کی رسوائی نہ پیش آئے۔ اس رسوائی کی برداشت
بردل کو اتار دہ کر لیا گیا تھا، لیکن مشکبے کی ایسی صورت کبھی پیش نہ آئی۔

اب ہم تھے۔ اور کعبہ مکرمہ و مقدس کی دید و دام کا تماشا، دیکھتے دیکھتے جب طبیعت میں نشاط کی کیفیت
پیدا ہوئی اٹھٹھا اور کسی کے گھر کے چاروں طرف رقص کا منظر شروع ہوتا، دن کو تو خیر ناگن تھا اور رات میں بھی

لہائی جگے بوسے حجر اسود کی طاعت اشارہ بھی سرتابو کا فی بھا جاتا ہے نجدی دادی، والوں کے نزدیک وہاں کافی تھا

بارہ ایک بجے تک طوائفی ملاطم کا جوش مویں ہی مارتا رہتا لیکن رات جب کافی بھیگ جاتی، ڈھائی مین بجے تک نسبتاً طواف کرنے والوں کی تعداد گھٹ گھٹا کر اس نقطہ تک پہنچ جاتی، کہ مجھ جیسے کم درجہ و جاں والوں کے لئے بھی حجاز سود تک براہ راست رسائی گونہ آسان ہو جاتی تھی

بات جو گزری ہوئی ہے اُسے کیسے چھپاؤں، روایات کی روشنی میں حجاز سود جو کچھ میرے لئے تھا اس باب میں اپنے نقطہ نظر کا ذکر کر چکا ہوں، میرے لئے وہ نمائندگی کر رہا تھا آدم و حوا، ادریس و نوح کے ساتھ ساتھ قوموں کے امام ابراہیم خلیل اور ان کے فرزند ذبیح علیہما السلام کے مبارک ہاتھوں کی بھی اور یقین کی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ اور کسی جگہ کے متعلق کچھ بھی کہا جائے لیکن بغیر کسی شک و شبہ کے کہ یہ وہی پتھر ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کے لمس اور لب اقدس کی تقبیل کی سعادت قطعی طور پر حاصل ہوئی ہے۔ الغرض ایمان کی آنکھوں سے تو نہ پوچھئے کہ ذہن کہاں کہاں تک پہنچتا تھا اور اڑتا ہوا دماغ کن بندہوں کو چھو جھولینا تھا۔ تو یہ ہے کہ مخلوقات سے گذر کر خالق تک کے یقین (دست راست) کی تخلیق اسی سایہ پتھر سے تڑپ تڑپ کر نکل رہی تھی اور ایمان کی آنکھ یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی لیکن اسی کے ساتھ اب کیا بتاؤں کہ پہلی دفعہ رات کی پچھلی گھریلوں میں جب حجاز سود کے جوسنے کی سعادت سے سرفرازی میری آئی تو اس وقت میں نے کیا پایا، کوئی تشبیہ سمجھ میں نہیں آتی کچھ ایسا معلوم ہوا کہ گوند کر کوئی بکلی بھی جو چاندنی کے پتروں میں مڑے ہوئے اس کاٹے پتھر کے ان ٹکڑوں سے مرے ظاہر و باطن میں جذب ہو گئی۔ ناقابل بیان سرور و نشاط کا ایک کیفیت جمول تھا، جو میرے وجود میں ٹپل مچائے ہوئے تھا، ایک حال تھا نہیں کہہ سکتا کہ کیا حال تھا، باہر کی کوئی تاثیر تھی یا ایمانی مشاہدات کے نتائج نے ناسوتی رنگ اختیار کر لیا تھا۔ لیکن بات کچھ اسی رنگ میں پیش آئی۔

دیوارِ حرم کے نیچے کی چندوں کی یہ زندگی جو ساری زندگی کے اوقات میں سب سے زیادہ قیمتی تھی

لے سلاٹوں کا ایک کمرہ اٹھ طبقہ جو فرقہ قرآن کے نام سے مشہور ہے اور ان ہی کو اٹھ طبقہ ہی کہتے ہیں جن کو مسلمانوں کی غرست میں شریک کرنا صحیح نہیں تو اسلام کی توہین ہے۔ ان گروہ کی ایک ٹولی کعبہ سے اس پتھر کو اکھاڑ کر لے بھاگی تھی خیال ان بے ایمانوں کا یہ تھا کہ خلقت کی کشش کو بہ کی طرت اسی پتھر کا نتیجہ ہے۔ جبروت ملک مین کی سجد میں اس پتھر کو ان ایمان بختوں نے نصب کر دیا تھا کھانچا کھانچا کارِ رخ اسی طرے پٹ جاتے گا لیکن ایسا نہ ہوا آخر عبا کی خلیفہ مقتدر کے زمانہ میں یہ پتھر واپس ہوا اگر چند ٹکڑوں کی شکل میں۔ ان ٹکڑوں کو چاندنی کے پتروں سے جڑ کر کچھ کعبہ میں اسی مقام پر نصب کر دیا گیا جہاں وہ پہلے تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ملاحدہ کی یہ جماعت عمورہ سرخ پوشوں کے نام سے بھی موسوم تھی۔ ان کے حالات موجودہ ریڈشرٹ (سرخ قمیص) والوں سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ تاریخ کا یہ راز ہے، کاش کوئی اس پر کام کرنا ۱۲

دشواری اگر کبھی محسوس ہوئی، تو صرف اس وقت جب بشری ناگزیر تقاضے کے لئے جگہ کی تلاش ہوئی کہ جاننے والوں نے حرم کی عمارت کے پیچھے پتہ دیا کہ ایک مکان ہی اس کام کے لئے مختص ہے۔ داخل ہونے کے لئے اس مکان میں فقیر داخل تو ہو گیا لیکن جو گھناؤنا حد سے زیادہ مکروہ رُح کو توڑ مڑ دینے والا نظارہ آنکھ کے لئے اور رُح گسل بدو کا بھسما رانا ک کے لئے سامنے آیا اب بھی جب اس کا خیال آتا ہے تو دم گھٹنے لگت ہے۔ باضابطہ حکومت قائم ہے نہ زمین ہی کی کمی ہے، اور نہ رُپے کی، پھر اتنے اہم مسئلہ کی طرف سے حکومت کی غفلت یقیناً ایک بدترین مجربانہ غفلت تھی نہیں کہ سکتا کہ پٹرول اور طلا کے معاون کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد بھی اللہ کے کعبہ کی نگرانی جس حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اس مسئلہ کی طرف اس نے توجہ کی ہے یا نہیں۔

پہلی دفعہ تو جس طرح بھی ممکن ہوا شہر میں تمام کام چلا لیا گیا لیکن دوبارہ اس غفلت کدو کا تصور بھی مرے لئے وبال جان بنا ہوا تھا۔ تدبیر بھی سمجھ میں آئی کہ خارج کا سوال تو داخل کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ داخل ہی میں ممکنہ حد تک جو کمی ہو سکتی تھی دل کو اسی پر راضی کرنا پڑا جب تنگی مطالبہ حد سے زیادہ بڑھ جاتا تو ایک خاص قسم کی ڈبل رٹنی باب ابراہیم کے باہر دوکانوں میں ملتی تھی اسی کے چند مکلوں کو پیر کے بدرد کے ساتھ روانہ کر دیا کرتا، چپنے کے لئے زم زم کا پانی تھا اور کبھی کبھی دوکانوں میں بیونچ کر جائے کی ایک دو چالیاں داخل کی کمی کی اس تدبیر سے خارج کی فکر غیر معمولی حد تک کم ہو گئی اور جب کبھی ہوئی تو اس کے لئے بعض دوسری صورتیں نکل آتی تھیں جو صحیح طور پر اب یاد نہیں رہیں۔ باب ابراہیم کے متصل ایک مدرسہ ہے جس کے مہتمم فاری محمد اسحاق صاحب سے فقیر کی راہ درم حیدر آبادی سے تھی شاید ان کی دست گیری کام آئی یا اس ناگزیر ضرورت کے لئے اپنے ساتھیوں کی فرد گاہہ رابطہ محروق تک جانے کی زحمت گوارا کرنی پڑی۔

بہر حال اپنے رفیقوں کا یہ آزاد کیا ہوا بندہ بے دام جوڑا جاکینے یا عدا اس زمانہ میں

دیوانہ باش تاغم تو گر ان خورند

دائے مشہور قاعدے کے تحت زندگی گزار رہا تھا۔ ہر چیز سے بے بردا ہو کر چند روزہ مجاور حرم بنا ہوا چوبیس گھنٹے وہیں گزارتا تھا سنی عرفات وغیرہ کے لئے شہر خروگاہ، سواری شکاری اور دوسرے ساز و سامان کی درد سر لو کو اس ہونیار دلوانے یا دیوانہ ہشیار نے اپنے دوستوں اور رفیقوں کے سر ڈال دیا۔ امتنان و تشکر کے جذبات آج بھی اپنے ان شخص کرم فداؤں کی طرف سے دل میں ہلاتا ہوں سب سے زیادہ بار اس مسئلہ میں خاکسار کی طرف سے مولینا عبد الباقی بے چارے کے سر بڑ گیا۔ وہ خود بھی تھے ان کے ساتھ ان کے والد و والدہ بھی۔ مزید ایک ناکارہ کا احاطہ بھی ہو گیا۔ عرض کر دیا گیا تھا جو کچھ اپنے لئے کیجئے گا وہی سب کچھ اس دیوانے کے لئے کر لیجئے گا جو خوجی کے ساتھ دیوانے کے اس غم کو اپنے قلب و دماغ میں انھوں نے جگہ دی۔ ایک لمحہ کے لئے بھی ان قصوں اور ان کے

متعلقہ سوالوں کا غلطہ بھی میرے دل میں کبھی نہیں گذرا، کام سب ہو رہا تھا لیکن جس کے لئے ہو رہا تھا وہ بے غم ہو کر اپنے جنون و سرستی کے تصور میں غرق تھا۔ ایک دن مولینا عبدالباقی صاحب نے فرمایا کہ آخر یہ خود غرضی کب تک؟ ایک رات حرم میں مولینا نے بھی گزاری اور حجر اسود کے متعلق ذاتی تجربات کا مزق ان کو بھی ملا ان ہی سے ان کے ذاتی تجربات کا حال دریافت کیا جاسکتا ہے۔ تاہم ایک یوم الترویہ کی تاریخ آگئی۔ ۸ ذی الحجہ جب کہ منظر سے حجاج بنی کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور شب خلی میں گذر کر زکوٰۃ عفات کے تاریخی میدان میں پہنچتے ہیں

کب تک بے ہوش رہتا، ہوش میں آنا ہی پڑا۔ یوم الترویہ کی صبح ہوئی۔ بستر احرم سے اٹھا کر باط محروقی میں لے آیا، سمجھے ہوتے تھا کہ سواری کے اونٹ تیار ہی ملیں گے۔ سویرے اپنے رفیقوں کے ساتھ نکل جائیں گے ہمارے رفقا بھی تیار بیٹھے تھے۔ مطوف صاحب جو خود مرحوم ہو چکے اور اب طوفی کا کام ان کے صاحبزادگان والا تبار انجام دیتے ہیں عموماً اودھ کے حاجیوں کی قیادت و سربراہی ان ہی کے سپرد ہے اکثریت میرے قافلہ میں اودھ ہی کے بزرگوں کی تھی۔ بہاری ثم دکنی ہونے کے باوجود اپنے کو فخر نے اودھ ہی کے ان مطوف صاحب کے سپرد کر دیا تھا۔ بڑے خوشنما قطعی الفاظ کے ماحیث و تہق کے ساتھ اپنے حاجیوں کو مطمئن کئے ہوئے تھے کہ وقت بر سواری اور بار برداری کے اونٹ آپ کی فرد گاہ پر پہنچ جائیں گے اور بہولت تمام ٹھیک وقت ہر سب کو لے کر روانہ ہوں گے۔ سب کام سے فارغ ہو کر صرف سوار ہو جانے کا ارادہ کر کے سب آنکھوں کی صبح کو بیٹھ گئے۔ ویدہ انتظار مطوف صاحب کے بھیجے ہوئے اذنوں پر گئی ہوئی تھی۔ ہر ٹاپا لٹکا یہی سمجھ میں آتا کہ مطوف کے اذنوں ہی سے اس کا تعلق ہے لیکن ہم سمجھ غلط ہی ثابت ہوتی رہی۔ احتیاطاً مقررہ وقت سے پہلے بھیجے کا وعدہ تو خیر جب وقت ہر بھی نہ اونٹ ہی پہنچے اور نہ پہنچنے کی توجیہ کرنے والی خبر ہی مطوف صاحب کے دربار سے ہم لوگوں تک پہنچی تو انتظار نے غم اور غم بالآخر غیظ و غضب کے بارے تک چڑھ گیا۔ سب سے زیادہ متاثر ہمارے میر قافلہ مولینا عبدالباقی صاحب تھے۔ صبح تو یہ ہے کہ کج سے فارغ ہو جانے لگے پہنچنے کے بعد بھی داغی کوفت کے آثار و نقوش کا ازالہ مولینا کے دل و دماغ سے نہ ہو سکا جو سفر حجاز میں بھی بالآخر کسی نہ کسی رنگ میں ابھری پڑا۔ غریب مطوف کی رسوائیاں اس کتاب کی اشاعت کے بعد نہ صرف ہی کہ دور دور تک پہنچیں بلکہ ان کے پیشہ برائی بھی اچھا خاصہ اثر پڑا۔ مطوف اور ان کے فرزندوں کو جس کی معذرت

ملے مطوفی ایک پیشہ ہے۔ یہ شاعری نہیں بلکہ واقعہ کا اظہار ہے۔ ابتدا میں اس کا حال کچھ بھی ہو کتابوں سے اس کی تاریخ کا پتہ نہیں چلتا۔ والدہ اعظم اس پیشہ کو آغاز حجاز میں کب سے ہمارے غم آتی ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں قریش کے ہمارے حجاج کا غیر مقدم میرا ہوں کی حیثیت سے کرتے تھے چندہ سے کعبہ کے ان ہمانوں کے لئے زفاہ (ہمان نمازی) متایہ (آب رسانی) کا نظم کیا جاتا تھا (آئی حاشیہ صفحہ ۱۰۱)

طلب کرنی پڑی۔

اپنے رفقا کے اس حال کو دیکھ کر جو دوا دے گا، اس کو اپنے جنون سے دست بردار ہونے پر مجبور ہونا پڑا، ہوش میں آکر عرض کرنے لگا اجازت دیجیے تو مہوطن صاحب کے مکان تک پہنچ کر واقعہ کا پتہ چلاؤں، ٹوٹی چھوٹی عربی میں گفتگو کی قدرت نے اس خیال پر مجھے بھی آمادہ کیا تھا اور اسی بنیاد پر دوسروں کو بھی اجازت دینی پڑی۔

ایک دلچسپ لطیفہ: جب چلنے لگا تو ساتھیوں میں اودھنی کے ایک رفیق جو غائبے میاں کے نام سے پکارا جاتے تھے اپنی ہنر کے محرم بن کر چلنے لگے تھے۔ مہزوزت سے کچھ زیادہ نیک بھی تھے اور جسم بھی ایسا پایا تھا جو بجائے طول کے عرفاً و عملاً بسطہ کی خصوصیت سے سرفراز تھا جس کی وجہ سے پیدل چلنے میں کافی صعوبت بھی ہوتی تھی، دم بھولنے لگا، تاہم بے چارے یہ سوچ کر کہ تنہا ٹوٹی کا جانا مناسب نہیں ہے میری رفاقت پر تیار ہوئے۔ راگیروں سے ہوجھتے پچھتے سڑکوں سے گزرتے گلیوں میں پہنچے جو کافی عجیبہ و غریب تھے میاں نے دیکھا کہ مولوی کی امداد کا وقت آگیا، ادھر عربی میں راگیروں سے فقیر دریافت کر رہا تھا، دیکھا کہ ایک طرف سے

”مکان عملہ لقا در کجاست“

کے سوال کی آواز آرہی ہے۔ پلٹ کر دیکھا تو ہمارے بے میاں کسی سے فارسی میں دریافت کر رہے ہیں جس سے پوچھ رہے تھے حیران تھا کہ کیا جواب دے۔ بے ساختہ نہیں بڑا، بے میاں انسان نہیں آپ عرب کی گلیوں میں ہیں، تب جو سکے، بے چارے نے خیال کیا کہ آؤ دو کی جگہ ناپید ہونے کا نام نہ لے جائے گا۔

بہر حال یوں ہی کرتے بڑے ہنستے ہنساتے بے میاں کے ساتھ اس مکان تک پہنچا جس کے متعلق بتایا گیا تھا کہ یہی ہمارے مہوطن صاحب کا مکان ہے۔ اندر داخل ہوا زینے سے اوپر چڑھ گیا لیکن نیچے ہوا اوپر مکان کے سوا کہیں کہیں کا پتہ نہ تھا۔ حجاج کے تقاضوں سے بچنے کے لئے ”خانہ بھائی گزاشت“ کے اپنے فرزندوں اور (بقیہ حاشیہ گوشہ) مقابلہ اس میں ہوتا تھا کہ مکان دوازی میں کون کس پر سبقت لے جاتا ہے لیکن ہمارے ملازم ”میں سلا مکتوس ہو گیا“ اب حجاج کی حیثیت ان دختروں کی ہے جن کے بھلوں کے انتظار میں باغیاں سال بھر گناہاں بھیلنے تو بھرانے کے پتے اور لکڑیوں سے مکہ متدک کا نہ کھانے کی کوشش کرتا ہے۔ بظاہر میرا خیال تو کچھ اور جاتا ہے کہ ہندوستان کے ہندوؤں کے طرز عمل سے کچھ تاریخی حلقہ مطوفی کے پیشہ کارے قیام نہیں ہندوستان ہی سے یہ لہری کی کسی شکل میں حجاز پہنچی ہو، اپنے معبود عاصیہ کے میدان میں غفرنے دریا نہ کیا کہ شیخ کی پیشہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں آپ نے کوئی راج کیا ہے۔ آہ دیدہ ہو کر خدا غریق رحمت کرے خواب یا کشاید سامعین و دعوہ عرفات میں آئے تھے لیکن واقعی حج کی نیت سے اب تک ان کا پیشہ دراز حج عروم ہی رہا۔ عرض کیا گیا کہ میرے سے پہلے ایک دفعہ تو حج ہی کی نیت سے حج کر لیجئے۔ وعدہ کیا کچھ ہی دن بعد ان کا انتقال ہو گیا شاید وعدہ پورا کر کے میرے ہوں رحمت اللہ

نایند دل سیت مطوت صاحب رو پوش ہو گئے تھے، نابوس، ناکام، نامراد ہم دونوں واپس ہوئے۔ سارے وقتا دم بخود تھے۔ وقت تھا کہ بے رحمی کے ساتھ گدڑا جاتا تھا لیکن مطوت کے دل میں بھی رحم پیدا ہوا اس کی کوئی علامت کسی شکل میں سامنے نہیں آ رہی تھی۔ حیران تھے کہ اب کریں تو کیا کریں۔

ہارے انتظار کی غیر معمولی کوفت کے برداشت کرنے کے بعد کسی نہ کسی شکل میں سواریوں کی صورت سامنے آئی۔ اونٹ آئے سامان لا دیا گیا، ہم لوگ بھی سفوفوں میں لڑ گئے، مدینہ منورہ کا سفر کو لاری میں ملے ہوا تھا، سفوف کی سواری کا یہ پہلا تجربہ ہم لوگوں کے لئے تھا کچھ ایسا خیال ہے کہ شہری حدود تک پہنچ ہی ہم میں کچھ لوگ روٹا ہوئے۔ ارادہ یہ کیا گیا کہ فخر شہر نکل جانے کے بعد واٹھوں پر سواریوں کے۔ اس کا ایک فائدہ بھی ہوا، فائدہ کیا ج کی کرامت کیجئے اسے خیال کیجئے

ٹھیک جب کہ معظمہ سے باہر نکلے تھے شہر کے آخری کناروں پر کچھ دکانیں تھیں، میری نظر اچانک ایک دکان پر پڑی، دیکھا کہ سامنے ہرے ہرے رنگ کے کچھ بھیل ہیں، آگے بڑھ کر دیکھا تو نیم خام قسم کے دس پندرہ لیموں تھے یوں ہی بے سوچے قیمت بوجھی، جو بتائی گئی کچھ زیادہ نہ تھی۔ میں نے ان سارے لیموں کو اٹھالیا۔ بڑا سا ایک بٹوا احرام کی چادر کے ساتھ میری کمر میں لٹکا ہوا تھا اسی میں ان ہرے ہرے تازہ لیموں کو بھر لیا۔ دام ادا کر دیا اس وقت سمجھ میں نہیں آیا کہ میں نے آخر یہ لیموں کیوں خریدے لیکن بعد کو ثابت ہوا کہ میرے اچل سئی کا یہ زور تھا، حالات جو پیش آئے عالم اسباب کی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ یہ لیموں میرے ساتھ نہ ہوتے تو اب تک جو جی رہا ہے خواہ کی حال میں جی رہا ہو، وہ آج سے بیس کہیں سال پہلے ہی ختم ہو چکا ہوتا جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

بالآخر شہر مکہ کی آبادی ختم ہو گئی اور فقیر اپنے سفوف پر دوسرے رفیق فی النسخہ کے ساتھ بڑھ گیا جو غالباً مولانا جلد لہاری صاحب کے والد ماجد مرحوم حکیم عبدلغنی صاحب تھے۔ اب میرا اونٹ بڑھتا چلا جاتا تھا ڈنگ، ادبچے نیچے ہوتے ہی سے دو تو منی کے میدان کی طرف جا رہا تھا، اور ہمال دووانے کے لئے وادی مکہ کی ہواؤں کی سنہاٹ نے "ہو" کا کام کیا، روح کو تو کیسے کہوں کہ "روحانیت" والے ہی جا میں روح کیے کھلتی ہے لیکن دماغ کے پٹ کھل گئے، مطالعہ کے معلومات مجھ میں کھل ہو ہو کر سامنے آنے لگے۔ اللہ کے غلیل، ابراہیمؑ اور اہل صلوات اللہ علیہ وسلم کی اسی وادی میں آمد و رفت کا زمانہ ایسا معلوم ہوتا تھا، ماضی کے ہر دور کو جا ل کر کے مرے روبرو کھڑا ہوا ہے۔ ایک ایک واقعہ جس کا ذکر کتابوں میں کیا گیا ہے یاد آ جاتا تھا، شکار کے لئے حضرت ابراہیمؑ کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام ان ہی میدانوں میں نکلتے ہوں گے، جبرائیلؑ سے ان کے سہری تعلقات، جبرائیلؑ کا دو حکومت، جبرائیلؑ کے بعد عاتقہ کے جبر و زور کے افسانے، اسماعیلی نسل کی ملکیت۔ ان کے گلے ہوئے سلاطین، ان کے خزانے، ان کی معدنی دولت، لوگ بنی خاندان کا مکہ کی حکومت پر امتیاز خرساوی۔

ملہ سہادی معدنی ثروت اس زمانہ میں چونکہ انیا حاصل کر رہی ہے کہتے ہیں کہ عرب کی سرزمین کا نصیب حصہ (باقی حاشیہ صفحہ ۳۵ پر)

بادشاہوں میں عمر و بن لُحی کا عہد اسلامی سے تین سارے بنو عدی پہلے کہ مغربہ میں ان اصنام کو لانا جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ابتدائاً ان کی عہد نوح میں ہوئی اور قبول تکلیف ہندوستان میں وہی بت اور مورتیاں کی زمانہ میں پہنچیں کہ بتوں کے الفاظ ہیں کہ

وهذه اسماء مريانية
وقعت الى الهند فصار بها
اسمناهم التي زعموا انها صور
الدواري السبعة وراكمتهم الجن
من جوفها فقتلهم ۲۳
عہد نوح کے ان ہی بتوں کے نام ہندوستان تک پہنچے
جو سریانی الفاظ ہیں انھوں نے یہی نام اپنے ان بتوں کے رکھ دیے
جسے خلق ان کا خیال ہو کہ وہ پتھر یا لکڑی کی مورتیاں ہیں ان مورتیوں کی پرستش
جن بھی کبھی داخل ہو کر ہوتے ہیں اور اسی بات نے ہندوستان
کے باشندوں کو فتنے میں ڈال دیا۔

الغرض اپنے وطن ہند اور قدیم عرب کے ان تعلقات کے متعلق میرے پڑانے والی خوبیا کی خیالات جن میں ایک خیال وہ بھی ہے جس کا ذکر حافظ ابن قیم بھی بحوث طویل نے اپنی مشہور کتاب کتاب الروع میں کیا ہے یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ خیر وادی الارض وادی مسکو و کرۃ زمین ہر سب سے بہتر وادی ایک وادی ہے اور دوسری

الوادی الذی بالہند ۱۱ وادی ہند وستان کی ہے

القیہ ماثیہ مؤرخ شہر مدینہ منورہ کے سواد کے معدنی ذخیروں کا بھی سراغ مل رہا ہے اسی کو دیکھ کر تاریخ کے ان نھوں کو جھٹلانے کی اہمیت نہیں ہوتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی کے زمانہ میں عبد اللہ بن جبریل ایک مشہور جوادی تھا لکھا ہے کہ ماجیوں کے لئے شام سے گیسوں شہر رکھی گئی دو دو ہزار اونٹوں پر سنگوں پر اکڑا تھا کہتے ہیں کہ اس کی دولت کا قلعی جہاز کے ایک پوشیدہ خزانے سے تھا کہ کی ہزاروں میں اتفاق سے اس کا پتہ چل گیا تھا کہ بتوں نے داخل الاغت میں لکھا ہے کہ جہاز ہر کی قبروں میں

۱۔ حکم عظیم من لیا قوت واللواء والذهب لفضۃ والزیجد ۲۰ ایک بڑا توہ اس کو بلا قوت ہوتی سونا چاندی اور زبرجد ہزاروں میں کم و کر قبروں کے بنانے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون مصر کی طرح ان میں بھی تھا بہر حال اسی خزانہ سے جب جی ہا ہوتا وہ کچھ لے آتا اور لوگوں میں کھانا کپڑے قیر کتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے کہ یحییٰ بن مس کی دیگ کے سارے کے نیچے دو پھر کی دھوپ سے بچے جھانپا ہوا تھی۔ یہ دیگ اس خزانہ کا سوار اور فتنہ ہی پر بیٹھے بیٹھے اس سے کھانا نکال لیتا تھا۔

لے شیخ الاسلام ابن قیم نے بھی ان کتاب الجنوات میں اسی قسم کے ذاتی تجربوں کا دعویٰ کیا ہے میری کتاب طائفہ تعویذ میں جس کی تفصیل مل سکتی ہے تھے حضرت علی کے اسی قول میں ہے کہ ہندوستان کی اسی وادی سے طیب لعلی خوشبو والی چیزیں عرب میں آتی ہیں۔ یہ بھی ہے کہ حضرت آدم اسی وجہ سے ہندوستان کی اسی وادی میں آئے گئے تھے یہ ہے کہ عرب و ہند کے تعلقات بہت کم توہ کی گئی ہے نہ روایات و تاریخی ہتھیان دونوں ملکوں کے حد سے زیادہ گہرے ہیں قریش کے مشرکین اسی بنیاد پر عرب کے ہند و اپنی کتابوں میں غیرت کے قرار دیا کہ کسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مجبور جزئی نفیلت کے اس قسم کے مترادف اور انہوں کا معاد اور کچھ نہیں جانتا اسی لئے طراد لکھا

عرب کے کھلے ہوئے اس میدان میں ہیں کو کھل کھیلنے بلکہ فنڈوں کے بھرنے کا خوب موقع ملا۔ اسی راستہ سے کتابوں میں لکھا ہے کہ مین کے حبشی ساتھی والے جو کچھ کو گرانے کے لئے آئے تھے یعنی اصحاب ذیل بھاگے تھے اور اسی راستہ کی مختلف منزلوں پر جیسا کہ ایام جاہلیت کے شعرا نے ذکر کیا ہے حبشیوں کی لاشیں گل گل کر گرتی چلی جاتی تھیں جن کو ہندوں سے جھڑنے والی لکڑیوں نے عصفت ماکول کھایا: (ابھوسہ) گو اگر بر بنا کر رکھ دیا تھا۔

الغرض کتابوں میں بڑے ہوئے تاریخی مقامات جو سنئے ہوئے تھے اب دیکھے ہوئے بنتے چلے جا رہے تھے بڑھتے ہوئے سامنے قربانی کا وہ میدان (مذبح) ہی نام والا بھی آہی گیا۔ اسی وادی میں دو باب بیٹے ایسا ہی میل واسمعیل ذبح و ذوں اللہ کے ان راستہ زخلص بندوں نے اس دین کا پہلا سنگ بنیا دلفصب کیا تھا جس دین کے ماننے والوں کا مطلب ہی یہ ہونا ہے کہ اپنا سب کچھ اسی کے سپرد انھوں نے کر دیا جس کا سب کچھ ہے جو قرآنی الفاظ۔

فلما اسلما وتلّٰہ للحبیبین جب دونوں باب بیٹے سلمان ہو گئے اور باب نے بیٹے کو پستانی کے بل پنگ دیا۔

کا کھلا ہوا اقتضار و مفاد ہے، اسی دن کے ”اسلام“ نے اس دین کو پیدا کیا جس کا نام ”اسلام“ ہے بہر حال ہم ”اسلام“ سپردگی نام ”کلی تفویض“ والی اس وادی میں آخر پہنچ گئے ہیں۔ یہ ایک غیر آباد مقام تھا لیکن چند دنوں کے لئے دنیا کے بڑے سے بڑے شہر کی آبادیوں سے جموئی ہم سری کہنے لگتا ہے نگیں یک منزل و دمنزل مسکانوں کی دو طرفہ نظاروں کی بیچ میں اسطرح کی خام سنگہ مزدوں سے بھی ہوئی ایک سڑک نکلتی ہے صحیح طور سے یاد نہیں رہا یا دیکھنے کا موقع نہ ملا کہ اس سڑک کے دورویہ مکانوں کا جو سلسلہ ہے ان کے سوا بھی دوسری سمتوں میں مکانات ہیں یا نہیں، ہمارے اوٹ اسی مرکزی سڑک میں داخل ہو گئے۔ شہر دماغ میں ایک ترشے ہوئے بہار کے پاس جمرۃ العقیقہ ملا تھا ہمارے اوٹ کا چلانے والا جو راستہ بھر ”میزان“ میزان کی حد اداں سے کان کو بہرہ کے ہوئے تھا یعنی ہر تھوڑی دیر بعد ہم شہادت اٹھانے کو حکم دینا کہ وزن برابر رکھو گی ایک طرف زیادہ بار نہ ڈالو، اسی تھال نے ”شیطان اکبر شہر“

طے رہا بات میں مبارک بیان کیا گیا ہے قربانی کے ارادے میں شیطان رہ رہ کر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب مبارک میں دوسرے لٹاتا رہا اور حضرت اسے دھکارتے رہے اسی کی یادیں ان مقامات کو علامتوں سے نمایاں کر دیا گی ہے عوام ان کو شیطان کے لفظ سے ہی دھبہ و مومسم کہنے لگے۔ سیدنا امامان امام شیخ الاسلام حضرت علامہ سے درس دریافت کیا غیر ملکی طیفنا تھا کہ پستادہ دل ترک سپاہی نے پن کر کر نما میں نگلیوں سے شیطان کو لوگ مانتے ہیں لکڑیوں کی کافی کچھ کھنڈ میں بیٹول دباے پھینکا اور دن دن بجائے کھنڈوں کے

یا برے طغیطان کا نعرہ مارا، برے بڑے کے ہندی لفظ کا عربی تلفظ تھا شتر سوار اس کے ہندی ہونے کی ریتاً کر کے عربی کا گا یا ہندی میں ترجمہ کر رہا تھا اور اپنی ہندوستانی زبان (اُردو) سے تقریباً کہ اور مدینہ میں کاروبار کرنے والے ہر حال واقف ہوتے ہیں۔

وہ آگے بڑھا، اور شیطان اور باغیچہ شیطان کی علامت ایک خرد ملی گول توڑے کی شکل میں جو تھی اسی کے اس پاس کی جگہ، اونٹ کو خیر الباسطہ کہہ کر آگے کے اترنے کی جگہ تجلے شیطان کے بڑوس ہی میں مقرر کی گئی الجنس الی جنس میل کی تم کو باغی کے سوا بخت و اتفاق کے اس دل چسپ حادثہ کی توجیہ اور کیا کی جائے۔

خیراب جو کچھ بھی سمجھے، آتا رہے گئے ہم لوگ تجلے شیطان کے قدموں ہی میں۔ دن کا آخری حصہ تھا جس طرح بسوں نے گزارا ہم نے بھی گزارا، کوئی خاص بات قابل ذکر پیش نہ آئی صبح ہوئی، اونٹ موجود تھے۔ اب تلماش جنجو کی حاجت دینی خیمہ خرگاہ سب لگ گیا اور اس داوی کی طرف انسانوں کا سلاب پل پڑا جس میں تاریخ کے نامعلوم زمانہ سے نسل انسانی کی غیر معمولی تعداد اکٹھی ہوتی رہی ہے اور انشاء اللہ برقی دنیا ملک ہوتی رہے گی۔

چل جا رہے تھے بیچ کا سہانا دقت غائب آب و گیاہ بے سنگ ذیل داوی کے ان پٹیل میدانوں میں جن میں شمالاً و جنوباً شرقاً و غرباً ہست پہاڑوں کی نظائریں چلی ہوئی تھیں۔

خیال آتا کہ یہ کتنا بڑا مسئلہ ہے: پھر دوسرے ہوتا کہ دنیا میں سیلوں ٹیلوں کی کیا کمی ہے قوموں کی یہ عام عادت ہے۔ دل جواب دیتا، دیکھنے کی بات یہ نہیں ہے کہ کتنے لوگ جمع ہوئے بلکہ سوچنے کا مسئلہ یہ ہے کہ انسانیت کا یہ اجتماع کس کے لئے ہو رہا ہے؟

ناچنے گانے بجانے، تھرکے پینے بنانے کھل کھیلنے کے غلوٹ و غیر غلوٹ سیلوں کو تو جانے دیجئے، دین اور دھرم کی بھاپ بن سیلوں اور ٹیلوں پر لگائی جاتی ہے یا لگی ہوئی ہے۔ دین ہی کے نام پر لوگ اکٹھے ہوتے ہیں اس باب میں ان کا حال کیا ہے؟ واقعہ بتا رہا ہے کہ جیسے ہونے والے جہاں کہیں بھی جمع ہوتے ہیں کسی مخلوق ہی کے نام پر جمع ہوتے ہیں۔ یلہ اور ملے لڑکے داغ سے کسی کا دامن پاک نہیں۔

اللا یہ کہ

زمین کے اس سائے کوہ ہوا انبیا و افریقہ پر رب دامن کر کے بیچ میں حرفات ہی کے میدان کا میلہ وہ میلہ ہے جس میں اکٹھے ہونے والے بلا خوف تردد کہا جاسکتا ہے کہ۔

”کائنات کے خالق قدوس“

اور صرف کائنات کے خالق قدوس ہی کی بزرگی اور بڑائی کے نعروں کے ساتھ اکٹھے ہوتے ہیں اسی کے قدموں پر لوٹنے کے لئے زندگی کی ساری کوتاہیوں کی تلافی کے لئے چلے آتے ہیں، ہند سے سندھ سے چین سے چین

ترک سے ناجیک سے ہر کوئے قاوران (دوس) اور افریقہ کے مغربی و شمالی و جنوبی حصوں سے تیرہ لاکھ سوسو ڈان سے مصر سے اور لیبیا سے اور کیا کیا بتایا جائے کہ کہاں کہاں سے کن کن راستوں سے عمان و یمن سے ان دور افتادہ مقامات سے جی جہاں ایشیائی ملک پہنچنے والے کبھی کبھی دونوں میں انیس سو بیسوں میں پہنچتے ہیں کچھ اسی قسم کے خیالات میں ڈوبے ہوئے ہر باقا نہیں موقت غلط قسم

تک پہنچا دی دے گئے جہاں کے وقت اور قیام کے بغیر ج کے قالب میں رخ کی رنج پیدا نہیں ہوتی ایسی رخ کا رکن اکبر ہے جس کے بغیر کسی کا رخ نہیں ہوتا،

حد نظر تک جہاز دیکھنے کو دن نوڑے نیوں کے سبکھوں کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا غنائیسیہ ہی تیسے روز ایک درخت مذکور کوئی جھاڑی نیچے ریت اور بڑا آسمان اور زمین کی پشت پر طنائوں سے بڑھتے ہوئے حجاب کی بارگاہیں شاید ہندوستانی حساب سے نوے کا وقت ہوگا ہمارا قافلہ اس مقام تک پہنچے گا جہاں ہمارے مہلک حجاب لے ہاتھ نیچے گڑوا دے تھے جب تک کہ اپنے اپنے نیوں میں داخل ہو کے میری نظر پانی بیچنے والے کے تین ہر پڑی غالباً جاوڑے میں ایک زن قیمت بتائی گئی خرید لیا گیا اور اترنے کے ساتھ ہی پانی میں ڈال کر دے رفقہ کی خدمت میں حاضر ہوا آزادی کے پردہ والے کا بھیسر طالب ہوا لوگ اسے ہوئے ڈورایا گیا، قہر بڑا رواں نہ بھایا کہ اپنے بڑے کے ساتھ سے نکل جانے کے بعد ہر اس کی طرقت داہنی عرفات کی داوی میں ناکھن سہہ لیکن بات سمجھ میں نہ آئی اور اس جھڑکھل بھانگا، ساتھیوں میں کسی نے ساتھ نہ دیا اور انہیں غلیل کی مسجد کا بھڑکھڑ پھرتے ہوئے ہوئے ہوئے بغیر کہ داہنی کی راہ کیا ہوگی آگے ہی بڑھتا گیا، ظہر کی نماز تک اس مقام تک پہنچ گیا، جہاں کہا جاتا ہے اللہ کے غلیل نے اپنے مالک کے آگے اٹھائے گا تھا اور جس تانے کو ہم دیکھتے تھے اس کے لئے دعا میں مانگی تھیں یہی رہتی مسجد و گاہ اب مسجد ابراہیم کے نام سے ایک اچھی خاصی عمارت کی شکل میں موجود ہے مسجد میں حجاب بے ہوشے تھے لیکن سیکڑوں کی بھی گنجائش جس مسجد میں مشکل شکل لگتی ہے اسی میں لاکھوں کی سائی کا سوال ہی کیا تھا چند عقل باختہ اور دیوانوں کے سوا جلا رہاں تک اور کون ہونچتا ظہر کی نماز تو اطمینان سے ادا ہوئی ظہر کا وقت آفتاب میں اڑا سے ذرا سا ڈھلا تھا غالباً مئی کا مہینہ تھا، عرب کا ریگستان مسجد سے باہر تھا اس ارادے سے کہ وہ پ اور لو کی تپش کی شدت سے پناہ لینے کے لئے جہاں تک جلد ملے ہو اپنے خیرے تک پہنچ جائوں لیکن

منزل نہاں شد از نظر

چٹیل میدان میں نہ کوئی نشانی نہ علامت جس سے اپنی جگہ پہچانی جائے ناخن شنوئی اور خورد رانی کی سر بھگتی پڑی۔

لے مغربی افریقہ کے جزیرے جو متواتر کل جہاز میں ٹکرائی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں میں نے ساہے کہ دوسری مین تیسے میں دین سے جگہ ایشیائی تک پہنچتے ہیں وہاں سے ریل پر سوار ہوئے ہیں ٹکرائی جہازوں کا کافی تعداد ہر سال عربین میں حاضر ہوتی ہے ۱۲

آفتابِ وق وادی کے اس خیمستان میں اس کا بہتہ جلانا کہ مولانا عبدالمجید و مولانا عبدباری کے خیمے کہاں ہیں المام یا کشف کے سوانا ممکن تھا بیٹکنے والا غریب دونوں سے محروم و دونوں آنکھیں تھیں اور دونوں ہانگیں غنیمت تھا کہ چھتری ہاتھ میں تھی، شاید یہ گھٹنے دو گھٹنے تک تلاش کا جذبہ غالب رہا، لیکن کب تک؟ زلفار نے بھی جیسا کہ معلوم ہوا، واپسی کا انتظار کچھ دیر کر کے جانے والے کو اللہ کے سپرد کر دیا، کہاں کوئی ڈھونڈتا؟ صبر کے سوا ان کے لئے چارہ ہی کیا تھا، دلچسپ کہنے یا دل دوڑاتا تھا یہ تھا کہ مجد ابراہیم سے بچنے کے بعد خدا ہی جاننا ہے کہ کیلوں کا چکر رگستان میں دینا رہا اور ہر طرف آدمی آدمی تھے، آدم زاد ہی تھے، سب مسلمان ہی تھے، اپنے دینی بھائی ہی تھے، لیکن دل ہندی بھائی کو ڈھونڈتا تھا، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کھوڑتا پھرتا تھا، کاش کسی ہندوستانی حاجی پر نظر پڑ جائے، ڈھونڈتا رہا، لیکن صرف ڈھونڈتا ہی رہا، جو بھی سامنے آئے وہ مصری ہوتے یا مراکشی، بخاری ہوتے یا جاوی، لیکن ہر ہندوستانی بھائی ناپسند تھا، کس سے بولوں کس زبان میں بولوں بہت ہی نہیں پڑتی تھی، گویا آست میر سے ہے یہ سارے سامنے آئے والے بھائے بنی آدم کے بنی جان یا جن زاد سے بنے ہوئے تھے۔ ان کی توجہ میری طرف ہوتی، نہ مرے دل میں ان سے ملنے کی لپک پیدا ہوتی، تو کی شدت الامان المصطفیٰ نیز و تند گرم آنکھیں جھونکوں پر جھونکتے آتے، اور ایک نیم جاں غریب ہندی ان ہی میں جھونک دیا، بآوازِ کچھ تک علوم ہوتا تھا، تو کی حدت سرایت کر گئی، بسا اوقات زبان باہر نکل پڑتی چلتے چلتے کبھی کبھی یہ تماشائی پیش ہوتا کہ تو کی شدت سے بے جاں غریب حاجی دیکھا کہ گیارہ زلفار ریت کو چٹا چٹا کر اس کو دفن کر رہے ہیں، ایک نہیں متعدد مقامات میں اس نظارے کو دیکھ دیکھ کر یقین ہو گیا کہ اسی دادی میں تڑپ کر اپنی جان اب تجھے بھی جاں آفریں کے سہرہ در کرتی پڑے گی، جذبہ بانی خیال آتا کہ اوروں کے ساتھ تو زلفار بھی ہیں جوٹی کے نیچے نہ ہی ریت ہی کے نیچے مرنے والے کو دبا دیتے ہیں، ہائے تیری موت کہ دفن کرنے والا بھی کوئی نہیں، رات ہوگی، میدان خالی ہو جائے گا، ورنہ کس کا پیٹ اپنی قبر بنے گی، جو ہندوستان کے صوبہ بہار کے ایک گاؤں میں پیدا کیا گیا، کہاں آکر کس جگہ ڈالیا؟ دوسو سال کا زور ہوتا کہ عقل سمجھاتی کہ موت بہر حال موت ہے

چہ برخت مردن چہ برکت خاک

یہ تو صرف دہی دھوکے ہیں کہ مرنے والا کیسی کے ساتھ اس حال میں یا اس حال میں مرنا، ہوائی جہاز کے کونوں سے ملنا تو کیا، بلکہ اسے مرنا تو کیا، ہندو کی گولیوں سے مرنا تو کیا، قح تو یہ ہے کہ اگرچہ اسے جیسا مرنے والے جو مر چکے یا باؤ مار دین سے مار ڈالنے کی جو دھمکیاں انسانیت کو دی جا رہی ہیں، ہر حال میں مرنے والے میں جانتے ہیں، زندگی کا ستم ہو جانا آخری انجام ہر مرنے والے کا یقیناً ایک ہی ہوتا ہے، اہل احساس مفاد سے جذباتی جوش پیدا کرنے کے لئے موت کی ان شکلوں کو جن تعبیروں میں بھی پیش کیا جائے، یہ دکھا یا جائے کہ محبوب کے زانو پر سر رکھ کر جان دیدی یا اسی موت کو جیسا تک بنانے

کے لئے کہا جائے کہ دشمنوں نے ہلک کر ذبح کر دیا۔ لاش کو گھسیٹ کر کنویں میں ڈال دیا۔ کتوں کو کھلا دیا حالانکہ دیکھتے تو ہر حال میں مرنے کے سوا

ادوبھی کوئی نئی بات کسی حال میں بھی پیش آتی ہے۔ خیر کچھ بھی ہو حالات ہی ایسے تھے کہ مخلوقات کا خیال قدرتنا دل سے نکلنے لگا۔ جب دل خالی ہوا تو چاہئے یہی کہ ایسے خیال سے بھر جاتا جو مخلوق نہ ہو لیکن اب یاد نہیں کہ ہوا کیا۔ اور خلا ملک کے رقبے شام گھنٹی بھی نہیں ہو کچھ کمد یا گیا ہٹسنے والے بس اسی کو غنیمت خیال کریں بس انہی بات یاد رکھنے کی ہے جب لوکی شدت ہوتی، گرم ہوا کے آتشیں جھونکوں کا حمل ہوتا جس کی وجہ سے پیاس سے حالت زبوں ہونے لگتی تفریق بیچ میں قہوہ منلے جا پائے خانے جہاں کہیں مل جاتے اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے عموماً وہ مل ہی جاتے تھے تو دیریں گھس جاتا اور کم از کم پانچ چھ پنجائوں کی کامل ایک براد (کتلی) سادہ چائے کی طلب کر کے پیا لیکن کس طرح پیتا؟ اب سمجھ میں آیا کہ

مکہ کے سوا کے آخری کنارے پر ہرے ہرے لیوں جو خرید و کر کے میرے بڑے میں ڈلوادنے گئے تھے ان کی غرض کیا تھی لیوں یاد آئے وقفہ وقفہ سے ایک ایک لیوں نکالتا جاتا قہوہ خانہ کے مالک سے مانگ لیتا تراش کر کے لیوں کا عرق فنجان میں بچھڑ دیتا، پینے کے ساتھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کئی رُوح قالب میں داپس آگئی اس موقع پر میرے لئے مکہ معظمہ کے یہ لیوں اب حیات کی گواہ قدرتی کُنیاں بن گئے تھے جن کا ایک ایک قطرہ امرت کا کام کر رہا تھا، ہر بار (کتلی) میں چار پانچ پنجائوں کی چائے عموماً ہوتی۔ چائے کی رُوح افزا خوشبو، شکر اور عرق لیوں کی ترشی کا یہ چاشنی دار امیزہ کیا بناؤں کہ کن خوشگوار یوں کو پیدا کرتا تھا۔ زمانہ گزر گیا لیکن کام وہی میں اب بھی ان کی یاد بھل پیدا کر دیتی ہے ان سفری قہوہ خانوں میں پینے والوں کا انتخاب ہی بندھا رہتا تھا، دیر تک اسی لئے پناہ لینے کی ان میں بھی گنجائش نہ تھی، قبل اس کے کہ قہوہ خانہ کا عرب یا بر دی مالک اُٹھ جانے کا حکم لے، خود ہی اُٹھ جاتا، آگے بچھے، دائیں بائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ خیمے ہی خیمے نظر آتے تھے، بڑے بھی چھوٹے بھی، چاہتا تو ان میں سے کسی میں گھس جاتا لیکن کاش ہندی کا خیمہ ہوتا، اس آواز کے سوا کوئی بات بن نہ آئی۔ مرحوم ڈاکٹر اقبال کے تجریدی تھویری فلسفہ کے نہ مرا تر و طینت کے رشتہ کی اہمیت مدت ہوئی دل سے نکل چکی تھی۔ لیکن آج وہی بھولا ہوا رشتہ عرب کے میدان، عرفات کی وادی میں یاد آیا۔ اب سمجھتا ہوں کہ عقلی ہوں یا عجز باقی جو لہریں بھی ہماری فطرت میں ابھرتی ہیں ان میں کوئی جے کار بے معنی تو نہیں ہے صرف استعمال کی غلطی سے وہ غلط ہو جاتی ہیں۔

آفتاب کی تازت بہ تدریج حبیب کہ چاہئے تھا کم ہوتی چلی جا رہی تھی۔ چھتری کے بعد مرے دل کا آخری سہارا وحدت و شدت کی یہی کمی تھی۔ دن جیسے جیسے دھل رہا تھا، حاجیوں کے خیموں میں اسی نسبت سے دیکھا کہ شورشِ ہجرت چلی جا رہی ہے۔ ہزار ہا ہزار میلوں کی مسافت طے کر کے سفر کے مصوبات کو مرا داشت کر کے غیر معمولی قربانیوں کے بعد

ہونے والے جس مقصد سے معرفت و عرفان کے اس میدان تک اپنے آپ کو پہنچانے میں کامیاب ہوئے تھے، جس طرح ممکن ہو جاتے تھے کہ اسی مقصد و مراد سے دامن کو بھر لیا جائے۔

ایک طرف دن بھی گھلتا چلا جا رہا تھا اور اسی نسبت سے دل بھی گھل رہا تھا۔ اللہ اللہ! جنہوں نے اندر کی چیخ بکا کر گریہ دیکھا، نالہ و زاری، توبہ و استغفار، شاید زمین بھی کانپ رہی تھی، آسمان بھی تھرا رہا تھا، آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے لگانے ہوتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کئی مخلوق کو دوسری مخلوق کی خبر نہیں ہے۔ سامنے سب کے گویا صرف ان کا ارحم الراحمین، غافر الذنب، قابل التوب، الغفور الرحیم خالق کے سوا کوئی دوسرا باقی نہ رہا تھا۔ اپنے وجدان کے شخصی آئینہ میں مجھے تو کچھ ایسا دکھایا جا رہا تھا کہ ہر ایک کا مٹی، مال کے مرقع میں کچھ کر ہر ایک کے سامنے گویا کھڑے ہیں، خیر کے متعلق تو نہیں کہہ سکتا، لیکن قرآنی آیت۔

یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر و ما عملت من سوء۔ ہر شخص نے جو کچھ برا کیا ہے اس کو مارتے گا
میں سورہ (برائی) کے جس ثانوی بروز و ظہور کی اطلاع دی گئی ہے اسی واقعہ کی ایک جھلک آج دکھائی جا رہی تھی اور وہ اس حال میں۔

یوم یبعث اللہ الناس اشدنا تالیس و اعمالہم۔ اس دن وہاں ہوں گے وہ کچھ مٹے ناکہ کچھیں اپنے کروڑوں کو
کا استقبال نظر رہا، وہی جھانک رہا تھا، گویا یوں سمجھے کہ ماضی حال اور حال مستقبل بنا ہوا تھا۔ مینوں زمانے ایک دوسرے
میں آج مرغم اور مندرج ہو کر ایک ناقابل بیان کیفیت کو پیدا کئے ہوئے تھے۔

دیوانوں کے لئے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ”ہو“ بس“ ہوتی ہے۔ پھر جہاں ہاؤ ہو، شور و غل کے ہنگاموں کا یہ حال
ہو سو جا سکتا ہے کہ مقل سوختوں ہر ان کا کیا اثر ہو سکتا تھا، جاننے پہچاننے والے رفیقوں کے لئے، ”مجموعہ نطق“
بن جانے یا بنادے جانے کی زحمت میں رحمت کا جو بخنی پہلو تھا، اب سامنے آیا۔

اخذتہ العزۃ بالاشعر۔ بکڑیا سوت (کے خیال) نے اس کو گناہ کے ساتھ
کے نفسیاتی نرغہ کی بڑی گولٹ مچتی تھی، مولویت، بزر و فیسریت خطابت، اور خدا جانے اور کیا کیا بلا تھیں جسے لغافہ
اور برے چڑھے ہوئے تھے پھٹ پھٹ کر عرفانی جھونکوں کے نذر ہو چکے تھے۔

کتاؤں میں وادی عرفات میں آنے والی عرفانی ہستیوں کے جو تاریخی اقوال بالسرے بڑھنے میں آئے تھے ایک
ایک کر کے آج یاد آتے چلے جاتے تھے سب سے زیادہ دھننے والا جس بزرگ و مرشدین رہا تھا وہ اس راہ کے مشور و راہی
نفیصل بن میاض نور اللہ رحمہ اللہ کے قلب مبارک کی بجا رسی وادی میں اسی دن، ان کی جان کی ہلے پناہ
کراہ، معاوضاتہ دان غفرت لی
بائے رے میری رسوائی خواہ مجھے بخش ہی کیوں نہ چکا ہو۔

یاد آ کر تڑپ اڑتی تھی معلوم ہوتا تھا کہ اہل اہل کفر و فسق کی باطنی گہرائیوں سے ”و احسنہما علیٰ ما فعلتہما“

فی حبیب اللہ وادج کنت رحمہ اللہ کانت رحمہ اللہ۔ افسوس ہے اپنی ان زیادتیوں پر جس کا اللہ کے پہلو میں

مُرکب ہوا اور عاقراًق اڑانے والوں میں۔

کی موبیں باہر آکر نہامست، دُخِ مالہ میں غوطے بہ رغوٹے دیتی پہلی بار نہ انھیں اور کیا کیا بنا یا جائے کہ کن کن پر کیا کیا گزرا رہا تھا۔ اب آفتاب مغربی افق کے آخری کنارے تک پہنچ چکا تھا، کیلچے خون تھے، آفتاب سرخ تھا، سرخٹ یاس کی نگاہ سے ہرزخ کے اس تاریخی دن کو ہر ایک، خصوصاً کوہا تھا، زندگی بھر کا سودا تھا جو آج چکا یا جا رہا تھا، آنے والوں تو یہاں تک پہنچنے کا موقعہ نہ ہی جانا۔ اب کہ کیت لی گیا تھا کون جانے کہ ختم ہونے کے بعد عرفات کے اس میدان میں مغفرت و آمر و رزش عام کے اس پائل دن کے گزرنے کا موقعہ ملے گا۔ بے ساختہ سینوں سے تجنید نکل رہی تھیں بلبلائے دانے بلبلائے تھے، رو رہے تھے، جلا رہے تھے۔ گو دودھ اور زہر کی تھارے کے لحاظ سے نسبتاً وقت ٹھنڈا ہو چکا تھا، لیکن ظاہر ہے کہ مٹی کے مینے کی یہ خام مٹی ہی کے مینے کی خام مٹی۔

اچانک خوفناقی فضا میں ابڑکا ایک لکڑنوار ہوا، آفتاب ڈوب رہا تھا اور بار کا یہ لکڑھیل رہا تھا چند لمحوں میں وہی وادی جو میلوں میں پہلی ہوئی تھی اچانک گھٹنگو، گھٹاؤں کے سائے میں آگئی۔ جودہ ہی کہ ٹپ ٹپ کا سلسلہ شروع ہوا، خیموں والے خیموں کی طرف خرگاہوں والے خرگاہوں کی طرف بھاگنے لگے، لیکن اسے اس خرگاہوں کی بے کسی جس کے پاس خیمہ بھی تھا، اور ڈرہ بھی، اس کے دوست بھی تھے اور ساتھی بھی، ہرج سب سے بھڑا ہوا کالے کپڑے کی ایک ہلکی سی چھتری کے سوا لاکھوں لاکھ سے بھرے ہوئے اس میدان میں پناہ کا کوئی ٹھکانہ نہیں رکھتا، کہاں جاتے۔

کچھ برہمنیں کہ بڑھتے ہوئے یہ بارش اس کا سلسلہ بہ تدریج شدت پذیر تھا کہاں تک پہنچنے والا ہے، احرام کی دو چادروں کے سوا کوئی دوسرا کپڑا بھی پاس نہیں، عاریت میں ملنے کی توقع نہیں، تھوہ خانے والوں کی مٹھی ٹکڑیوں کا اندیشہ اور بھی رخ کرنے میں مانع تھا جہاں تک یاد آتا ہے جس کے بھر دوسے کے سوا ہر دوسرے نکلوا تھا، اسی کے بھر دوسے پر کالی کپڑے دانی چھتری ہی کے نیچے کسی جگہ بیٹھ گیا، بادل گر جنے لگے، بلبلیاں کر کینے لگیں، مذاکاب سر دھوئے، کئے، جلا بھنے کیلچے میں ایشاقت و نشاط کی نئی زندگی چھونک رہے تھے، اندیشہ تھا کہ برسے گا اور خوب برسے گا، آغا ز اسی رنگ میں ہوا لیکن اگر محافظہ غلطی نہیں کر رہا ہے تو کہہ سکتا ہوں پسند رہے ہیں منٹ سے زیادہ صبح منوں میں بارش کا سلسلہ باقی نہ رہا، ایک طرف سے بارش آئی اور عرفات کی وادی کو تر کر کے گل لگی، شاید کچھ پہاڑی ناے بھی بہہ پڑے، پھر بھی چھتری کی پناہ کافی ہو گئی، کپڑے کچھ جیسے عزور لیکن برداشت سے زیادہ ان کی تری نہیں پہنچی تھی۔

اب آفتاب ڈوب چکا تھا، اذخٹوں والے، گدھوں والے، اپنی اپنی سواروں پر مغرب کی نماز پڑھتے بغیر

اس نیت سے کہ مزدلفہ میں عنکاری نماز کے ساتھ جمع کر کے دنوں و قیام کی نمازوں کو ادا کر کے سنت نبویہ کی تعمیل کی سعادت حاصل کریں گے، پہلے بڑے دو ٹائٹلوں کے ساتھ قطع مسافت کا کوئی دوسرا ذریعہ جس کے پاس نہ تھا۔ اس تماشے کو دیکھ کر سوچنے لگا کہ اب وہ کیا کرے ٹائٹلوں کی سواری کے مسافروں کی کمی نہ تھی۔ کہہ بنے گی مکان میں۔

خدا فیضاً من حیث افاض الناس ہیں بڑا اسی جگہ سے جہاں سے عوام اس سبیل بڑے کی قرآنی آواز اور الناس کی ملی بھگت میں جدھر سب جا رہے تھے، چلے جاتا، گستاخی ریت میں پاؤں پہلے دھستے تھے لیکن آسمانی چہرہ کا دیکھنے اس مسئلہ کو بھی آسان کر دیا، اور قرآنی آیت۔

یثبت بہ الاقدام تاکر جمادے پاؤں کو

کا مطلب اب سمجھیں آیا کہ بارش کے فغادی پہلوؤں میں ایک فائدہ یثبت اقدام کا بھی دیکھتانی علاقوں میں ہے۔ راستہ میں ہر ایک دوسرے کو بشارت دیتا چلا جا رہا تھا، بوم عرفات کے ٹھیک اختتام کی ایک گھڑیوں میں باران رحمت کا جہل رحمت کے دامن میں نزول سمجھا گیا کہ نیک نال تھی، قول سے نہ ہی فعل ہی سے رضا مندی کے نتیجے کو امید داروں کا حواسن پیدا کر رہا تھا۔ دل چسپ بات اس سلسلے میں یہ بھی کہ جن ہندوؤں کے جھینے میں عرفات سے پیدل افغان کی سعادت حاصل تھی، شاہراہ ایک دوسرے کو یا الحاج کے جد پر تھی، اضافہ سے بکا رہے ہیں راستہ میں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر مبارک ادایاں دیتا چلا جاتا ہے۔ یا الحاج خیمہ، یا الحاج محمد، یا الحاج علی ان ہی آوازوں سے کان مہمور تھے۔

جل بڑنے کی حد تک گوبیرل جل پڑا لیکن نہ بھرا اور وہ بھی جن حالات میں سسل جو گویا پیدل چلتا ہی رہا تھا۔ قہوہ خاؤں کی ہلکی کراری کی نشست کے سوا بیٹھنے کا موقع مشکل ہی سے ملتا تھا، یا دہنیں کہ کہاں کہاں بھٹک بھٹک کر پہونچا، اتنی بات یاد رہ گئی ہے کہ جہاں نہر زبدہ کے صاف شفاف پانی کے بڑے بڑے ٹپے جوں بنے ہوئے تھے، وہاں تک بھی پہونچا، اسی سلسلہ میں اپنی نگہ راس جگہ بھی ہوئی جہاں پر لوگ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ جلالہ الملک بن سونو سلطان نجد و حجاز و قوت فرما ہیں۔ سیر میں نظر تو نہیں پڑی لیکن مجمع والے کہہ رہے تھے کہ خطیبہ اونٹ، ہر سوار ہو کر خطبہ سونو سلطانی موقف کے قریب کسی پہاڑی پر سے رہا ہے لیکن نہ میری آنکھوں نے خطیبہ کو دیکھا اور نہ کانوں تک خطبہ کی آواز پہونچی۔ کچھ بھی ہو خیال یہی ہے کہ اپنی تمنا کی ان اوقات کو گزارنے کے لئے شاید وادی عرفات کے طول و عرض میں گھومنے اور کھمکتا ہوں کہ اس مبارک وادی کے اکثر حصوں میں وقت کا شرف سن حیث لا بدی غالباً میسر آگیا۔

ہر حال چلنے کی حد تک گویا پیدا فاضلہ کی شکل میں سب کے ساتھ شریک ضرور تھا لیکن بار بار جی چاہتا تھا کہ کاش کوئی سواری مل جاتی لیکن سواری ملنے کا امکان ہے، اس سوال کی بھی ہمت اپنے غیر ہندی امانوں ساتھ بول

سے نہیں ہوتی تھی، البتہ در سے کبھی کبھی کان میں ایک آواز گونجتی تھی لیکن صرف آواز ہوا و آواز کے الفاظ کا ہیں اس کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ الفاظ عربی کے ہیں اس سے زیادہ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا، آخر دل کڑا کر کے اپنے ایک ہم دوش ہم سفر ساتھی سے جو غالباً کوئی بدوی عرب تھا، دریافت کیا کہ آواز لگانے والے کیا کہہ رہے ہیں۔ تب اس نے بتایا کہ

”یار واکب، یار واکب“

یعنی (اے سواری) بڑھ چڑھنے والو اے سواری بڑھ چڑھنے والو) کے الفاظ کو خاص ندائی صورت میں ادا کر رہا ہے سواری کے حاجت مندوں کو بلارہا ہے۔ اس تفسیر کے بعد اب میرے کان بھی یار واکب ہی سننے لگے۔ ورنہ اس سے پہلے اس مبہم جملہ آواز پر خدا ہی جانتا ہے کہ عربی الفاظ کو میرا ذہن منطقی کر چکا تھا، سوار ہو جانے کا بھی امکان ہے! بدوی کی اس اطلاع سے فائدہ حاصل ہوا اب بلند ہونے والی ان آوازوں کی طرف میری توجہ ہوئی تاکہ کرایک آواز لگانے والے شتر سوار کے پاس پہنچ گیا اور عربی ہی میں مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ان میں سوار ہونا چاہتا ہوں شتر سوار نے پوچھا کہ مزدلفہ میں کس جگہ آؤ گے؟ کیونکہ کرایہ کی مقدار کا اندازہ مسافت کی مقدار سے ہو سکتا تھا۔ میرے لئے شتر سوار بدوی کا یہ سوال، جذراہم بن گیا، کیا جواب دوں، ایک مسافر جس کی نہ کوئی منزل ہے اور نہ سکن، مرخیمہ مطوف صاحب مرے ساتھیوں کے قافلہ کے ساتھ غازی واپس لئے چلے جا رہے ہوئے یا ناہیکری کو سوار کر لیا ہو لیکن میں کیا جانوں کہ مرے رفقاء کہاں آتا رہے جائیں گے: ییلوں میں پہیلی ہوتی مزدلفہ کی دادی جس سے کسی قسم کی سابقہ واقفیت نہیں، یہ حالات ہی ایسے تھے کہ بدوی کے سوال سے بھجکا ہو کر رہ گیا۔ پھر کچھ سوچ کر جواب دیا کہ جہاں تھا راجی چاہے کسی مناسب مقام ہر حاجیوں کے درمیان مجھے اتار دینا۔ یاد نہیں اس نے کرایہ کیا مانگا، روپیہ دو روپیہ ہیں کچھ خیف ہی سی رقم تھی۔ بٹوسے میں لیموؤں کے ساتھ کچھ روپے جی سودی سکے کے بٹسے ہوئے تھے جو کرایہ کے لئے کافی ہو سکتے تھے راضی ہو گیا۔

ایک عرفاتی فتنہ: آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ کچھ ابر کی وجہ سے بھی تاریکی معمول سے زیادہ تھی۔ اونٹ جب بٹھایا گیا تب معلوم ہوا کہ اسی اونٹ پر تہال نے کسی کو سوار کر رکھا ہے اور مجھے روایت کی حیثیت سے اسی اونٹ کی پشت پر بیٹھا بڑے گا، زندگی میں شتر سواری کا موقع کبھی نہیں ملا تھا۔ ڈرتے کانپتے ہوئے کسی طرح پہلے سوار کے پیچھے بیٹھنے کی حد تک تو بیٹھ گیا، اونٹ کھڑا ہو گیا تاہم کی وجہ سے صحیح طور سے شخصیت اس سوار کی متعین نہ ہو سکی جس کا مجھے روایت بنایا گیا تھا لیکن جون ہی کہ قدم اونٹ نے بڑھا یا آگے بیٹھے ہوئے سوار نے مخاطب کرتے ہوئے صاف شستہ آؤ دو میں کچھ دریافت کیا آواز ہی سے میں جو نکلا، اس میں بھی نہیں کہ نسوانی خصوصیت نمایاں تھی بلکہ نسوانیت کے ساتھ نہائی کیفیتوں سے بظاہر بدہیز تھی۔ دلچ جو نکلا بوجھا آپ کون ہیں؟ جواب میں جو کچھ کہا جا رہا تھا اور جس طریقہ سے کہا جا رہا تھا میں تو سنائے میں آگیا، اونٹ کی نئی نئی سواری (غیر شندنی کی) وجہ سے اعصاب یوں ہی متاثر تھے اور اب اس احساس

کے ساتھ کچھ کسی جوان ہندی خاتون کا ردیف بنا دیا گیا ہے، مہرے ہوش اڑ گئے، کچھ دیر کے لئے تو مہسوت سا بار بار اور خاتون صاحبہ نصیحت و نصیحت اور دوس فرمائے اور طرارے بھرتے ہوئے خدا ہی جانتا ہے کہ کیا کچھ فراموشی جلی جا رہی تھیں دو کون ہیں، ان کا وطن کہاں ہے کن کی صاحبزادی ہیں، حجاز تک پہنچنے کی وجہ کیا ہے۔ بظاہر بوی بی شاہد الہ آباد انھوں نے اپنا آبائی وطن بتایا تھا۔ بہر حال مہسوت ہونے کے بعد جب ہوش آیا تو اس کے سوا کوئی فکر مجھ پر مسلط نہ تھی کہ ردافت کے اس سفر سے محرومی کا موقعہ جہاں تک جلد جس طرح بھی ممکن ہو میسر آئے دل دھڑک رہا تھا اور بار بار بخاری والی مشہور روایت یاد آ رہی تھی یعنی حج کے موقعہ پر من کے قبیلہ شعم کی ایک خاتون سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس وقت آئی جب آپ حضرت عباس کے بڑے صاحبزادے فضل بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنے عم زاد نو جوان بھائی کو ردیف بنائے ہوئے عرفات ہی سے واپس ہوئے تھے ختمیہ خاتون اپنے پیغمبر سے حج ہی کے متعلق ایک مسئلہ دریافت کر رہی تھی جواب دیتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو جوان ردیف فضل بن عباس کی نظر بار بار مسئلہ دریافت کرنے والی خاتون پر پڑ رہی ہے جو خود بھی دیکھنے والے کی طرح عمر کے شبابی حد دوسے تجا وز نہ ہوئی تھیں۔ دیکھا گیا تھا کہ فضل بن عباس کے کان کی ٹوک کو کپڑے ہوئے ان کے سر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری طرف پھیر رہے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں کہ بھائی!

اِنَّ هَذَا يَوْمٌ مِّنْ مَّلَاحٍ فِيْهِ سَمِعَهُ د آج کے دن جو اپنے کان اور اپنی نگاہ اور اپنی زبان

بصیرہ و لسانہ غفلتہ (بھاری) کا مالک ہوا وہی نجات گیا،

خیال یہی آیا کہ آدم کے بچوں کو مغفرت اور رحمت حق سے محرومی کی ایسی کوششوں کی شاہد یہ کوشش ہو، اس کا تو تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ جیسے سست ارادہ ناقص العزم خاتونوں کے لئے اتنا بڑا نظم کیا گیا ہو جس غیب کو گرانے کے لئے شیطان کا دوامی تجربہ یہ ہو کہ ہلکا سا ہلکا جھٹکا ہیغیرہ کافی ہوا، بن ایدی یعنی سن مکہ ہو کر سینہ تانے بغیر کی جھجک کے جس کے سامنے بار بار آیا اور کامیاب ہوا اسی کے لئے خلف بائین و شمال سے آنے کی ضرورت ہی کیا تھی، خلفی زمین و شمالی گھاٹیں تو ان کے لئے کتابے جن کے متعلق سمجھتا ہے کہ رد و رد ہو کر جن سے مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صورت جو پیش آئی تھی وہ کافی خطرناک تھی دیکھا کہ ہوں کی حفاظت کے لئے تو بعون اللہ و توفیقہ رات کی تاریکی کافی ہو گئی اور سماعت کے متعلق بھی کہہ سکتا ہوں کہ کانوں نے خود سننے کا ارادہ نہ کیا بلکہ اتفاقاً شاد آیا۔ بہر حال ابتلا و آزمائش کے میدانوں میں امتزاج و در کی بات ہے اس امتحان و ابتلا کے لفظ کے سننے کی بھی جس میں شبہ نہیں الحاحات کے لفظ یعنی ہی کے نیچے جس کی ساری زندگی گزری ہو، الطاف مخفیہ کے تجربات کے سوا جس کے

لے قانون حجاب کی خفیوں پر مدام رشہ بر کے باوجود حج کے موقعہ پر بعض دشمنیں عورتیں کے لئے میں بظن ظاہر میں خصوصاً بھرے کو بے نقاب رکھنے کا حکم ہو تو ان کو دیا گیا ہے شاہد کھلائی و امتحانی معاملات ہی سے اس کا تعلق ہے ۱۲

پاس کچھ نہ ملو رنج پوچھے تو پہنچا پاش پہنچے کچھ تھکنا اس وقت کوئی دوسری بات کام آئی اور آج تک انہی حالات سے گزرتے ہوئے قبر کے قریب ہوتا چلا جا رہا ہے۔

بہر حال تنبیہ اور ہینک کے بعد پہلا ارادہ تو یہی ہوا کہ ادٹ سے کود پڑوں لیکن ادٹ سے کودنے کے نتائج سے ناواقفیت روک بن گئی، الحاح کے ساتھ شتر بان (جمال بدوی) سے کہنے لگا ادٹ بٹھا دو، اس اوٹ پر میں ایک قدم آگے بڑھ نہیں سکتا، بدوی بھی حیران تھا اور شاید ہمارے ہندی خاؤن بھی میرے اس بونے پن پر حیران تھے کچھ داکتیں بھی ماریں مگر، نہ جانے کسے سو اگسی دوسری چیز کی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔ مرے اس حال کو دیکھ کر بدوی بھی نرم ہو گیا، ادٹ بٹھا دیا گیا، اتر بیٹھا، بدوی نے ایک دوسرے ادٹ کی طرف اشارہ کیا جو شاید اسی حلقہ سے تعلق رکھتا تھا مگر دیا کہ اسی پر بیٹھ جاؤں، ادٹ بٹھا دیا گیا، چڑھ گیا، اب بھی بجائے انفرادے کے پھسر دی ردفات کا قصہ پیش آیا تاہم میں کہ ادٹ، اس ادٹ پر بیٹھا یا گیا تھا، بجائے عورت کے وہ مرد نکلتے، اطمینان تھا، آگے بڑھے، قدر و کچھ کم کلامی کا سلسلہ شروع ہوا، حیرت ہو گئی جب میرے عربی سوال کا جواب انھوں نے بھی آزد میں دینا شروع کیا، معلوم ہوا کہ صرف یہی نہیں کہ وہ ہندی ہیں بلکہ مسند سودی میں وہ بھی اسی طسیر معلوم لیبیا کی کا پیشہ کرتے ہیں جیسے فقیر محمد عثمانی (جامعہ عثمانیہ) میں بچوں کی پڑھونی کا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھا، دلچسپ باتیں ہوتے گئیں، زیادہ دیر نہیں گئی کہ ہم مولفہ کی اس دادی میں یوں بیٹھے گئے، جس میں جس طرف دیکھتے پڑ گئے اس حصہ کی خالو سوس کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا اور انسانیت ان ہی کی روشنی میں ٹھاٹھیں مار رہی تھی، جہاں کہ وعدہ تھا کہیں جگہ جہاں چاروں طرف حجاج ہی حجاج تھے، جمال دغشتران نے آثار دیا، ہم بھی اتر گئے، رات کا کچھ حصہ گزر چکا تھا، پہلی ٹکر ماروں کی ہوئی، جو کسی طرح اما کر لی گئیں بیٹھے ہوئے اونٹوں کے قطاروں میں ایک کھلی زمین پر بیٹھ گیا۔ زمین بارش کی وجہ سے تر تھی لیکن کہاں جاتا، مرے لئے کوئی جگہ بھی ہو۔ اتنی ہاتھی مار کر کہ وہیں بیٹھ گیا، کچھ جھوک لگی، سامنے کے چار خانے میں چند بسکٹوں کے ساتھ چارہ پی۔ اب ناگزیر تقاضے نے سنا تا شروع کیا، کہاں جاؤں، کہہ جاؤں، انسانی آنکھوں کے دریچے ہر طرف کھلے ہوئے ہیں۔ ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد آخر ایک بدوی ہی ہے اپنی ناگزیر ضرورت کا اظہار کیا، عرب کے یہ بدوی ہمارے جیسے کچھ بھی معلوم ہوں لیکن تجربہ نہ ہو، ہمیشہ ہی ثابت کیا کہ غیر معمولی جبلت طبیعت رکھتے ہیں۔ انتہائی بے تکلفی کے ساتھ اس نے سامنے کی کسی جگہ کی طرف اشارہ کر کے کہا دیکھ بیٹھ جاؤ، میں نے کہا بھائی انسانوں کے اس ہجوم میں بے ساختہ اس کی زبان سے اس وقت جو فقرہ نکلا اب تک حافظہ میں محفوظ ہے۔ بولا

بیٹھ بھی ہاؤ عاوی نہیں سسرانا

اجلس الحاح لا یستحق

مجھے بھی بے ساختہ مہی آگئی، اس کے شعور سے پر حیرا کہ ہائے تعامل کرنے کی جرأت تو نہ ہوئی لیکن تاکتے جھانکتے

ادھوں کی آڑے کر ضرورت پوری کی گئی، اسی سلسلہ میں دلچسپ سوال پانی کا تھام کوئی لوطا، برتن میرے پاس نہ تھا، کیا کروں؟ کسی قومہ خانے میں پہنچ کر کٹر رہ (صریحی) کے لئے جانے کی اجازت چاہی، مالک قومہ خانے نے اجازت نہ دی تب میں نے چھتری جو ہر پڑھائی کی صراحی سے یقیناً بہت زیادہ قیمتی تھی، اسی کو زمین رکھ کر صراحی پانی کے ساتھ حاصل کی لیکن آڑ کی بجائے تلاش کرتے ہوئے اس قومہ خانے سے اتنا دوزخ گیا کہ داپہ کے بعد پھر وہاں تک پہنچنا میرے لئے ناممکن تھا۔ صراحی کو چھتری کا کافی سنا و منہ خیال کر کے چھتری کا خیال دل سے نکال دیا۔ دریافت کرتے ہوئے مزدلفہ کی مسجد شجر حرام پہنچنا، صبح کی نماز پھر گھر میں ادا ہوئی، مالک کے بعد منی کے لئے حاجی جہل بڑے، زیادہ چاہیوں کے ساتھ بندہ بھی روانہ ہوا، یاد آگیا یا یاد آگیا ایک عہد میں پھر نے لگیں، ایک اونٹ والے سے معاملہ طے ہوا سوار ہوا، یہ کچھ کاسے رنگ کا اونٹ تھا اور گیل بھی اس کی اک میں نہ تھی۔ بدوست نے تھما دیا اور جیسے سے اس کو ہکاتا چلا، اونٹ کا کافی شار آؤ پر پٹنی پھڑکنے والا تھا، چند ہی قدموں کے بعد عجیب و غریب آوازیں بلبلاہٹ کی اس کے اندر سے نکلنے لگیں، اور گرن جھکا کر ایسا معلوم ہوتا تھا اب نہیں تو تب سوار کو زمین پر پٹک کر رہے گا، خدا جانے یہ واقعہ تھا بھی یا نہیں لیکن مجھ پر اسی قسم کے دوسرے مسئلے تھے، چلانے لگا، حافظ کا شعر یاد آیا۔

اسے سارا بن کر دکھائیں رہ کر ان نہ دارو

مگر سکر املا کر حال کچھ نہ رکھتا رہا، خدا جانے ہندی بھٹان وغیرہ کی گالیوں سے نواز رہا تھا یا کیا تاہم میرے اضطراب کو دیکھا کہ حد سے گزر رہا ہے اور میں نے اس کو یقین دلا یا کہ کرایہ کا جو روپیہ اور اگر کچھ ہوں اس سے باز آیا تب اس نے اونٹ کو بٹھا کر مجھے آرا دیا۔ اب آزاد تھا، بیدل رفیقوں کے ساتھ منی تک پہنچ گیا سب کے ساتھ جمرہ عقبہ پہنچا، سطوت سکھانے والے مناسک حج کے میرے پاس تو تھے نہیں، کچھ اپنے کتابی معلومات کچھ دوسروں کو دیکھ دیکھ کر رمی کے کام سے نافرمان ہو کر جمرہ عقبہ کے سامنے ہی ایک چھڑا سا میدان تھا جس میں دوکانیں تھیں، چند بیویوں کے بچے ہوئے چنے لے کر گڑ گھنٹال بن کر زمین پر آلتی پالتی مارے ان ہی ہنوں کو چبانے لگا خیال تھا کہ رمی کے لئے جمرہ عقبہ تک ہر حاجی کا پہنچنا یقینی ہے یہی مقام ہے جہاں ان رفیقوں سے ملنے کی قطعی توقع کی جاسکتی تھی جن سے ایک دن اور ایک رات بچھڑا رہا۔ دل کا یہ فیصلہ صبح تھا، حیدر آباد کے ایک قدیم کرم فرما مولیٰ نا حکیم رفیع الحسن صاحب جو مجلس اشاعت العلوم کے ناظم بھی تھے اور ناکارہ پر خاص عنایت فرماتے ہیں، اچانک دیکھنا ہوں چلا رہے ہیں۔

اُسے سولانا آپ کہاں ہیں کل سے آپ کی تلاش ہے، سرکاری مکان جو حاجیوں کے لئے منی میں سیرخانہ لے

لیا ہے، اس میں آپ کے لئے ایک خاص کمرہ مختص کر دیا گیا ہے۔

پٹ بڑا معلوم ہوتا تھا کہ دوسروں سے جدا ہوئے خدا جانے جیسے گزرے یا سال، حکیم صاحب کے ساتھ ساتھ اسی

حیدر آباد میں مکان تک پہنچ گیا، یہاں بچھا اٹھنے والے کاغذ کے ایک ایک فیض خصوصاً مولینا عبدالباقی و مولینا عبدالحامید صاحبان سے نفاذ کی سعادت اس زمانہ میں حاصل ہوئی جب دونوں حضرات اپنے دوسرے مناقب و فضائل کے ساتھ

”الحاج“

بھی بن چکے تھے جس وقت الگ ہوا وہ حاجی نہ تھے اور جس وقت ملا، اس وقت وہ حاجی ہو چکے تھے بغل گیری ہوئی بوجھ گچھ ہوئی کہاں رہے، کیسے کھوسے گئے، سواہیوں کی بوجھاڑ تھی لیکن انہیں کڑمال دینے کے سوا اس تقدیری نوشتہ کی توجیہ و تفسیر اور کیا ہو سکتی تھی۔

نحر و ملحق وغیرہ کے مناسک ادا ہوئے۔ طواف زیارتہ کے لئے مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور واپس ہوتے ہوئے مولینا عبدالباقی کی رور دین بن کر ایک اونٹ پر بھر مٹی کی قیام گاہ تک پہنچے اور تو کچھ نہیں ایک لطیفہ واپسی کے وقت ایسا پیش آیا جسے عمر بھر نہیں بھول سکتا، اونٹ جس بدو کا واپسی کے لئے کرایا کیا گیا، اس نے سوار کرنے کی حد تک تو ہم دونوں کو سوار کر لیا، ہم آگے، مولینا ندوی پیچھے میری کم تھام کر بیٹھ گئے۔ دوی قدم اونٹ چلا ہو گا کہ بدو نے تقاضا شروع کیا، میرا کرایہ دیدو، کہا گیا بھائی! قیام گاہ پہنچ کر دوں گا، اس وقت پیسے میرے پاس نہیں ہیں، اتنی کمائی عربی و دہلی سمجھ لیتا تھا، سننے کے ساتھ ہی اس کی زبان سے بے ساختہ نکلنے لگا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون لاحول ولاقوة یعنی انا للہ اور لاحول کے بعد اس نے کہا کہ ”توسلانی“

الابا للہ انت سلیمان حبیبنا اللہ ونعم الوکیل ہے اور حبیبنا اللہ نعم الوکیل کا وظیفہ شروع کر دیا۔

”سلیمانی“ پہلا توجیہ میں نہ آیا کہ کیا مطلب؟ لیکن کان میں بات بڑی ہوئی تھی، سرحد کے پٹھانوں کو عموماً عرب میں سلیمانی کہتے ہیں۔ وہ مجھے سرحدی پٹھان ٹھہرا رہا تھا اور اپنی بدوی زبان میں کچھ بڑبڑانے لگا، اتنی بات سمجھ میں آئی تھی کہ اپنے کرایہ سے وہ لاپس ہو چکا ہے۔ اور ہم دونوں پٹھانوں نے دھوکے کئے کہ اس کے اونٹ پر قبضہ کر لیا ہے یعنی پہنچ کر اونٹ سے کو کر کرایہ دے بغیر بھاگ جاؤں گا۔ لاکھ بھاتا رہا کہ بھائی! میں سلیمانی نہیں ہوں ہندی مسلمان ہوں لیکن وہ بار بار راستہ چار و چولہ کے ساتھ حبیبنا اللہ نعم الوکیل کا وظیفہ سلسل پڑھتا رہا جب تک کہ مٹی کی فرد گاہ میں پہنچ کر کرایہ کے پیسے اس کے حوالہ نہ کئے گئے۔

۱۔ اسرائیل کے بارہ اباط میں دس اباط اسرائیل کی کھوئی ہوئی بیڑوں کے نام سے انجیل میں موسوم ہیں۔ وہ کہاں گم ہوئے بخت نصر (جنون نضر) عراقی جبار سے پہلے ایران، ایران سے ہٹ کر یثرب وغیرہ ہوتے ہوئے ان ہی کھوئی ہوئی بیڑوں کا کوئی حصہ سرحد ہند کی پہاڑیوں میں بھی پھیل گیا ہے تو عرب اس زمانہ میں ایک ترقی فیصلہ کی صورت اختیار کر گیا ہے سرحدی پٹھانوں کی بھی یہی اسرائیل ہونے کے مری ہیں۔ ان کی مقامی زبان پشتو میں عمری زبان کے کافی الفاظ عربی تیسرے عربی لفظ حتیٰ قلم جسے مدینہ کے یہودیوں کا سن ہے اسی لفظ سے مراد دے کی تعبیر بھی کچھ اسی طرت اشارہ کرتی ہو کہ وہ پیمان اب بھی پیمان اسرائیلی بادشاہ ذبی کی یاد دہ کرتے ہیں تعجب تک کہ عرب کے بڑوں تک یہ بات کیسے پہنچ گئی؟

منفی کے یہ چند دن بڑے سکون اور لطف کے گزرے۔ حیدر آبادی قافلہ کے امیر فقیر کے قدیم محسن، وکیل شہیر مولوی فیض الدین صاحب تھے جن کا مکان سائے شہر حیدر آباد میں مولویوں اور اسی قسم کی دوسری مذہبی شخصیتوں کی عام فروغ کا کسی زمانہ میں تھی۔ دس دن میں میں مہمان اسی ٹولی کے وکیل صاحب کے پاس اس زمانے میں عموماً فروکش رہا کرتے تھے، دیوبند میں یہ خصوصی عنایت مبذول فرماتے تھے۔ بہترین پکے بکائے المان نعم ان کے پاس سے آتے رہے اور ہم صرف کھاتے رہے یعنی اسی میں ایک دن رقعہ کی صاحب لاکر دیا لکھا ہوا تھا، ذرا مجھ سے اگر ملو، رقعہ لانے والے کے ساتھ روانہ ہوا، قریب ہی میں ڈیرہ تھا، ایک لاغر اندام بزرگ بیٹھے ہوئے تھے، جن کو پہلے نہیں پہچانتا تھا، سلام و مزاج بڑی کے بعد وہی، لوے، آپ نے مجھے پہچانا، نفی میں جواب پا کر فرمانے لگے۔

”بستر موتی“

کا نام آپ نے سنا ہے ”بستر موتی“ او وہ دوسرے خاص عزیزوں میں ہیں، ہاں! وہی موتی جس کا نام اسمعیل سید طبع الرحمن ہے

آپ کے سامنے بیٹھا ہے، خود ان سے ملاقات نہ تھی لیکن خصوصیات و صفات سے کافی واقف تھا، برادری کے آدمی تھے مصلح منیر، بہار وطن تھا، بیرسٹری کی ڈگری لانے کے لئے ولایت (الندون) آشریف لے گئے، سنا ہے کہ ایک عظیم صاحبہ برتووی فریفتہ ہوئے لیکن کوئی دوسری عظیم صاحبہ جو ان ہی کی گرویدہ و شیعہ ہوئیں اس جوڑی کے ساتھ ہندوستان (بہار) واپس ہوئے۔ وہنگونڈیں بیرسٹری شروع کی، بیرسٹری خوب چلی، ان حملات کی روشنی میں میرا قدرتی سوال ہوا آپ یہاں کہاں؟ اب دیدہ ہوئے فرمانے لگے کیا عرض کروں! اجاںک میرا خواہیہ داغ خدا ہی جانتا ہے کیوں چوٹا اور جاگتا ہوٹنے کے ساتھ جس کے پاس سے بھاگا تھا اسی کے آستانے تک بھاگا چلا آیا ہوں، پوچھنے کی حد تک پہنچ گیا، لیکن عرفات جانے کے یہ چند دن باقی تھے کہ شہر بخارا چلا گیا، ایسا بخار جس کے بعد نہ ہوش باقی رہا نہ جوش بجا رہے کبھی کبھی ہوش آتا اور معلوم ہوتا کہ عرفات جانے کی تاریخ قریب لگی ہے، تب یقین ہوا کہ یہاں تک پہنچ کر لوکا گیا ہوں، اس کا مطلب یہی ہے کہ میرا جرم ناقابل عفو و قصور مغفرت کا متقاضی نہیں ٹھہرا، ایوں ہو کر جو کچھ مرضی ہو تو تسلیم کر کے بھڑا ہا۔ کہنے لگے کہ ٹھیک دو دن عرفات کی روانگی کے لئے باقی تھے کہ کچھ بخار میں کمی بھی محسوس ہوئی اور قوت کا احساس بھی ہونے لگا، اب یاد نہیں رہا کہ بخار ہی کی حالت میں باضعف شدید کے باوجود سخت میں لو کہ عرفات روانہ ہوئے اور عرفات کے وقوف کا موقع مل گیا۔ واپسی میں اس قدر تندرست ہو چکے تھے کہ بظاہر دیکھنے والا شغل ہی سے ان کو ایسا آدمی سمجھ سکتا تھا جو اپنے شہر بخاری دورے سے شغایاب ہوا ہو، ان کی زندگی عبرت کی زندگی تھی، آغا ز لندن سے ہوئی اعتقاد محرم مستم سے مربوط ہونے کے بعد ہوا۔

اسی زمانہ میں شاید اس کا بھی تجربہ ہوا کہ جمعہ کی نماز سعودی حکومت کی طرف سے زوال سے پہلے ادا کی گئی

بعض اشرف کا مذہب ہے کہ جمعہ کا وقت قبل از زوال ہو جاتا ہے ممکن ہے کہ اہل مذہب اس ملک میں یہی ہو لیکن اس معاملے میں دو دفعہ کی حاضر و غائب کا ذکر دس بار دہرے کے مسئلہ و رد میں مذہب میں تفریق اس کے بجائے ترجمے میں تفریق ہی ہوئی زوال سے پہلے نہیں

بہار میں میرا جرم ناقابل عفو و قصور مغفرت کا متقاضی نہیں ٹھہرا، ایسا بخار جس کے بعد نہ ہوش باقی رہا نہ جوش بجا رہے کبھی کبھی ہوش آتا اور معلوم ہوتا کہ عرفات جانے کی تاریخ قریب لگی ہے، تب یقین ہوا کہ یہاں تک پہنچ کر لوکا گیا ہوں، اس کا مطلب یہی ہے کہ میرا جرم ناقابل عفو و قصور مغفرت کا متقاضی نہیں ٹھہرا، ایوں ہو کر جو کچھ مرضی ہو تو تسلیم کر کے بھڑا ہا۔ کہنے لگے کہ ٹھیک دو دن عرفات کی روانگی کے لئے باقی تھے کہ کچھ بخار میں کمی بھی محسوس ہوئی اور قوت کا احساس بھی ہونے لگا، اب یاد نہیں رہا کہ بخار ہی کی حالت میں باضعف شدید کے باوجود سخت میں لو کہ عرفات روانہ ہوئے اور عرفات کے وقوف کا موقع مل گیا۔ واپسی میں اس قدر تندرست ہو چکے تھے کہ بظاہر دیکھنے والا شغل ہی سے ان کو ایسا آدمی سمجھ سکتا تھا جو اپنے شہر بخاری دورے سے شغایاب ہوا ہو، ان کی زندگی عبرت کی زندگی تھی، آغا ز لندن سے ہوئی اعتقاد محرم مستم سے مربوط ہونے کے بعد ہوا۔

ارشادات شیخ

(از: مولانا محمد امین صاحب دی نگرانی)

محبوب بھائی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مجلس وعظ و تحقیق انوار و برکات کی مجلس ہوتی تھی جو کچھ فرماتے تھے قلوب اس سے متاثر ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں ہوں شیخ عیسیٰ الدین بن مبارک پر کہ انھوں نے ان مواعظ میں سے ہاتھ وعظ قلب فرمائے جو آج تشنگان حق کے لیے چشمہ آب حیات سے کم نہیں ہیں۔ اہل مصر نے الفیض الربانی کے نام سے ان مواعظ کو شائع کیا تھا اور جناب مولانا عاشق الہی مرحوم نے اردو میں ان کا ترجمہ بھی فرمایا تھا جو غالباً اب نایاب ہو چکا ہے، اٹنا مطالعہ میں خیال آیا کہ ان مواعظ میں سے ملفوظات کے طور پر کچھ انتخاب کیا جائے اور اصحاب قلوب اور صاحبان ذوق کے سامنے پیش کر کے ان کی دعا حاصل کی جائے!

(۱) ایمان والا قلب "کیرن" اور "کس طرح" نہیں جانتا وہ نہیں جانتا کہ "بلکہ" کیا جو اس کا قول تو "ہاں" ہی۔

(۲) اپنے "بیار" ہونے کو موت کے بعد کے لیے ڈھچھوڑو کہ اس وقت بیدار ہونا تم کو مفید نہ ہوگا۔

(۳) قلب گویا پرند جو بدن کے "پنجرہ" میں، موتی ہے ڈیر میں، مال جو صندوق میں، پس اعتبار پرند کا ہے

"پنجرہ کا نہیں، اعتبار موتی کا ہے ڈیر کا نہیں، اعتبار مال کا ہے صندوق کا نہیں۔

(۴) اول اپنے نفس کو نصیحت کرو اس کے بعد دوسرے کے نفس کو نصیحت کرو۔

(۵) جب توحید گھر کے دروازے پر ہوا اور شرک گھر کے اندر، تو کوئی نفاق ہے۔

(۶) افسوس کچھ پرکتیری زبان تقویٰ بھارتی ہے اور دل قاہر بن رہا ہے زبان شکر کرتی ہے اور دل اعتراض

کر رہا ہے۔

(۷) جب تم کو یہ کہو تو چاہیے کہ تمہارا ظاہر بھی تو یہ کہے اور باطن بھی، تو یہ حکومت کی کاپی پلٹ ہے۔

(۸) یوں کہو کہ تمہاری عمر میں صرف یہی ایک دن باقی رہ گیا، جو پس آخرت کے لیے تیار رہو۔

(۹) کثرت سے وہ لوگ ہیں جو گھر میں بیٹھیں تو دراندہ و بیکار بنیں، اور دوکان پر آئیں تو پرہیزگار بنیں، کھانے پینے میں زہریلی اور مہربور ہو گیا صدیق،

(۱۰) جو شخص اہل فلاح کو نہیں دیکھتا وہ فلاح نہیں پاتا۔

(۱۱) مخلوق کے دروازہ کو بند کر دو اور اپنے اور خدا کے درمیان دروازے کھول لو۔

(۱۲) کھردرے اور موٹے کپڑے پہننے رکھا سو کھا کھانے میں شان نہیں ہے، شان تیرے قلب کے زہد اختیار

کرنے میں ہے سچا شخص پہلے اپنے باطن پر صوف بنتا ہے اسکے بعد اسکا اثر ظاہر تک پہنچتا ہے۔

(۱۳) تنگ حالی کا مقابلہ کرو صبر سے اور خوشحالی کا شکر سے۔

(۱۴) قلب کی زندگی اس میں ہو کہ مخلوق (کے خیال) سے نکل جائے اور حق تعالیٰ کیساتھ قائم ہو۔

(۱۵) افسوس ہے کہ تمہاری زبان مسلمان ہے مگر دل مسلمان نہیں، قول مسلمان ہے مگر فعل مسلمان نہیں۔

(۱۶) تمہارا علم تم کو پکار رہا ہے کہ میں تم پر محبت ہوں۔

(۱۷) اپنی آرزو کم کرو زہد پاؤ گے، کمر سار زہد تھناؤں کا کم کرنا ہی ہو۔

(۱۸) برسے ساتھیوں کو چھوڑ، ان کے تعلقات کو توڑ، اور رشتہ اہل حق سے جوڑ۔

(۱۹) خالق کا شکوہ مخلوق سے مت کرو۔

(۲۰) اس دنیا کے سمندر سے ڈرو کہ بہتری مخلوق اس میں ذوب چکی ہے۔

(۲۱) اے قبائلی مصیبت، میں تجھ کو دیکھتا ہوں کہ ہر مخلوق کو رہنسی کرتا ہے اور خالق کو ناراض، اپنی دنیا کی

آبادی کے پیچھے اپنی آخرت کو دریان کرتا ہے۔

(۲۲) دنیا کے حاصل کرنے میں ایسے نہ ہو جاؤ کہ جیسے رات کے وقت لکڑیاں جمع کرنے والا کہ اسے خبر نہیں کہ اس

کے ہاتھ میں کیا آتا ہے (یعنی لکڑی یا سانپ؟)

(۲۳) قناعت اختیار کرو کیونکہ قناعت کا خزانہ کبھی ختم نہ ہوگا۔

(۲۴) اے مکین، اپنے نفس پر رو، تیرا بچہ مر جاتا ہے تو تجھ پر قیامت قائم ہو جاتی ہے اور تیرا دین مر جاتا ہے تو

تجھ کو پروا نہیں ہوتی ہے اور نہ تو اس پر روتا ہے۔

(۲۵) افسوس کہ تو سانپوں کو کس طرح چھو رہا ہے اور لٹ پٹ رہا ہو حالانکہ نہ تجھ کو سانپ پکڑنے کا ہنر معلوم

اور نہ تو نے تریاق کھا رکھا ہو کہ نہ ہار نہ کرے تو خود اندھا ہے پھر لوگوں کی آنکھوں کا علاج کیونکر کرے گا، تو کوئی لگا

ہے پھر لوگوں کو تعلیم کس طرح دے گا جاہل ہے پھر دین کیونکر درست کرے گا؟

(۲۶) اے غافل، قبر و موت کا اندھا پنا منہ کھولے ہوئے ہو شاہ تھا، او قدر کا جلا د اپنے ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے (دہائی حکمت)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تھوڑی بُراہلِ حق کیساتھ

(از مولانا محمد ادریس صاحب ندوی نگرانی)

گاہے گاہے باز خواں اس دفتر پارہیں سر را
تازہ خواہی داشتن گردا غمبائے سینہ را

(۱)

دل بیٹھے جا رہے ہیں۔ اہل دل سبے جا رہے ہیں کہ آج مدینہ کے دارالامارۃ میں امام دارالہجرت حضرت مالک کو کورسے لگائے جا رہے ہیں۔

امام کا فتویٰ ہے کہ خلافت نفس و کیک کا حق ہے۔ منصور نے جبرائیت لی ہے اور جبر کا شرع میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر کسی سے جبراً طلاق دلائی جائے تو واقع نہ ہوگی۔

منصور کے حال چاہتے ہیں کہ امام طلاق جبری کے عدم اعتبار کا فتویٰ زدیوں کہ بادل الگ بیعت جبری کا انکار نہ کر بیٹھیں۔ مگر یہ ممکن کیسے تھا امام کے نزدیک مسئلہ یوں ہی ثابت تھا وہ اس کے خلاف کیسے فتویٰ دیتے؟ حکم ہوا کہ نشر کورسے لگائے جائیں۔۔۔

اللہ اللہ، کیسا عبرت خیز سماں ہو وہ مالک بن انس جو مدنیہ کی گلیوں میں کھبی گھوڑے اور خچر پر اس لیے سوار نہیں ہوئے کہ جو سرزمین قدوم نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے شرف ہوئی ہے اس کو میں جانور کے سمنوں سے کیسے روندوں؟ آج انھیں کے جسم نازک پر درے پڑ رہے ہیں، تمام پٹھ خون آلود ہوئی ہو اور دونوں ہاتھوں کے مونڈھے اتر گئے ہیں۔ حکم ہوا کہ اونٹ بٹھا کر ان کی تشہیر کرو، امام مالک کی مدینہ میں تشہیر ہو رہی تھی (یعنی مجرموں کی

لے نقد لکھ میں طلاق جبری درست نہیں ہو۔ خفیہ کے یہاں طلاق کو واقع ہو جائے گی، ایک لیے خفیہ کے پاس نائل ہیں جن کے ذکر کرنے کا یہ موقع نہیں ہو۔

طرح باندھ کے ان کو مدینہ میں گھایا جا رہا تھا) اور ان کی زبان حقیقت ترجمان سے سلسل یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے :-
 من عرفنی فقد عرف ذی من لا یعرفنی جو مجھ کو جانتا ہو وہ جانتا ہی جو نہیں جانتا
 فانما مالک بن انس اقول طلاقاً لملکۃ ہو وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں فتویٰ
 یس حبشیؑ دیتا ہوں کہ طلاق جبری کچھ نہیں ہے !

(۲)

بغداد کا ایوان خلافت و بارہویوں سے بھرا ہو خلیفہ معتمد اپنے پورے شان و شکوہ کے ساتھ تخت خلافت پر جلوہ افروز ہے۔ امام اہل سنت و اجماعت حضرت احمد بن حنبل پابندِ بزمِ کھڑے ہیں۔ بیڑیاں اتنی بو بھل ہیں کہ پردوں میں حرکت نہیں ہو سکتی ہے۔ خلیفہ اور معتزلی علماء امام سے خلقِ قرآن کی تائید چاہتے ہیں لیکن امام بہا و از بلند فرماتے ہیں :-

اعطونی شیئاً من کتاب اللہ مجھ کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت
 و سنت رسولہ حتی اقول میں سے کچھ دو تاکہ میں اس کے مطابق کہوں۔
 امام باغی کی سختی پرستی سے خلیفہ کا دل نرم ہوتا ہے اور کہتا ہو کہ :-
 اے احمد میرے ملک کی تائید کرو، تمہیں اپنا مقرب خاص بناؤں گا پھر تم کو میرے اس قیمتی
 فرش پر بیٹنے کا فخر حاصل ہوگا۔

جواب میں پھر ارشاد ہوا :-

مجھ کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں سے کچھ دو تاکہ میں اسی کے مطابق کہوں۔
 حکم ہوا کہ احمد کے پیر میں بیڑیاں ڈال دی جائیں، درے لگانے والے بلائے گئے اور امام کے ہاتھ باندھ دیے گئے، تمام تخت کے لیے ایک بار زبان حق کھلتی ہے اور یوں گویا ہوتی ہے کہ
 ”اے امیر المؤمنین قیامت کے دن کو یاد کیجئے جب کہ آپ بھی تمام حقیقتی کے دربار میں کھڑے ہوں گے
 ٹھیک اسی طرح کہ اس وقت میں آپ کے سامنے ہوں، پھر آپ میرے اس خون کا کیا جواب دیں گے؟
 مخالفین نے دیکھا کہ معتمد ان الفاظ سے متاثر ہو رہا ہے، سچا ٹھیکے لے اے امیر المؤمنین یہ شخص گمراہ ہو (نمود باشر) اس کو ہرگز نہ چھوڑا جائے، انجام کار کوٹے پڑنا شروع ہو گئے۔ پہلا کوڑا پڑا تو امام نے فرمایا، سم اشہ۔ دوسرے پر فرمایا
 لا حول ولا قوۃ الا باللہ، تیسرے پر فرمایا القرآن کلام اللہ غیر مخلوق، (قرآن اللہ کا کلام ہے غیر مخلوق ہو)
 چوتھے پر ارشاد فرمایا قل کن تبصیرنا لا کما کتب اللہ لنا ذکرہ دیکھو گا کہ ہم کو ہرگز نہ پہنچے گی کوئی چیز (تعلیف یا نصیبت)
 لیکن وہ جو اللہ نے ہمارے لیے لکھی ہے

شدت الم سے امام بیہوش ہو گئے، تھوڑی دیر کے لیے کوڑے روک دیے گئے، جب بیہوش آیا تو خلیفہ نے پھر کہا کہ میری بات مان لیجئے میں رہ کر دوں! امام نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور پھر کوڑے پڑنا شروع ہو گئے۔ متعدد بار ایسا ہی ہوا۔ امام جب بیہوش ہو جاتے تو کوڑے روک دیے جاتے جب بیہوش آتا تو خلیفہ پھر درخواست کرتا مگر حق و استقامت کا یہ ہار اپنی جگہ سے ہٹنے کا نام نہ لیتا۔ جب آخری بار بیہوش آیا تو اپنے کو مقسم کی قید و بند سے آزاد پایا۔ گھڑا لے گئے ستوپیش کیا گیا مگر روزہ سے تھے اس لیے نوش نہیں فرمایا، نذر کا وقت آ گیا تو تکلیف کی شدت کے باوجود جماعت سے نماز ادا فرمائی۔

(۳)

آج عروس البلا و بغداد کی زینت و آرائش کی کوئی حد نہیں، خلیفہ ہارون الرشید تخت خلافت پر تکیں ہوئے ہیں، ہر مجلس مجلس عشرت و طرب، ہر مجلس مجلس لطفت و مسرت، ہر جا نعمۂ عیش و نشاط، ہر سمت منظر فرحت و نشاط کہیں علماء و زہاد کا مجمع، کہیں نامی گرامی شعرا کا اجتماع، انعام و اکرام کی بارش ہو رہی ہو، خزانہ شاہی کے دولے کھلے ہوئے ہیں اعزاز و مناصب کی تقسیم ہو رہی ہے لیکن کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ جن سے خلیفہ کو دلی عقیدت ہو اس جن سرست میں شریک نہیں ہیں خود ہارون الرشید کو بھی حیرت ہے جس کا اظہار وہ اپنے خط میں یوں کرتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشرکے بندے ہارون الرشید امیر المومنین کی طرف سے اپنے دینی بھائی سفیان سعید الثوریؒ کی جانب!

میرے بھائی آپ کو معلوم ہے کہ اشر تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا ہے، تجھ کو بھی محض اللہ کے واسطے آپے محبت اور قلبی تعلق ہے اگر خلافت کا طوق میری گردن میں نہ ہوتا تو اپنی محبت و اخلاص کے باعث خود حاضر خدمت ہوتا، کوئی ایسا نہیں ہے جس نے اس موقع پر مجھے اس منصب بیل کی مبارک باوند دی ہو، میں نے خزانوں کے دروازے کھول دیے ہیں مگر انقدر عطیات اور عظیم الشان بخششوں کی وجہ سے میری آنکھوں کو نورانہ دل کو سرور حاصل ہو رہا ہے ان تمام باتوں کے باوجود آپ اب تک میرے پاس تشریف نہیں لائے میں نہایت شوق سے یہ عرض خدمت اقدس میں بھیج رہا ہوں، اے ابوجب اللہ آپ کو مومن کی زیارت اور اس کی ملاقات کے فضائل بخوبی معلوم ہیں اس لیے یہ خط دیکھتے ہی تشریف لائیے اور محبت فرمائیے۔

ہارون الرشید نے عباد طالقانی کو یہ خط دیا اور حکم دیا کہ حضرت سفیان ثوری کی خدمت میں لے جائیں، عباد کہتے ہیں کہ میں خط لے کر کوفہ پہنچا اور حضرت موصوف کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت سفیان ثوری نے خط اہل مجلس کے سامنے ڈال دیا، اور فرمایا کہ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ اپنے ہاتھ ایسی چیز میں لگاؤں جس میں مظلوموں کا ہاتھ لگا ہو۔ حضرت کے حکم سے بعض اہل مجلس نے خط پڑھنا شروع کیا، پورا خط سننے کے بعد حضرت سفیان ثوری نے ارشاد فرمایا کہ اسی خط کی پشت پر ظالم کو جواب لکھو، لوگوں نے عرض کیا کہ اے ابو عبد اللہ خلیفہ کا معاملہ ہے اگر خط کا جواب اچھے اور صاف خط پر دیا جائے تو بہتر ہے۔ ارشاد فرمایا کہ انہیں اسی خط کی پشت پر جواب لکھو، یہ خط اگر کسب حلال سے ہے تو ہارون الرشید کو اس کا عوض ملے گا ورنہ وہ اسی کے ساتھ ڈالا جائے گا، میرے یہاں ایسی کوئی چیز نہ رہے جس کا ظالم کے ہاتھ نے سنا ہے کہ ہو کہ ببادادہ ہمارے دین کو خراب کرے، عرض کیا گیا کہ جواب میں کیا لکھا جائے، فرمایا کہ لکھو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے بندے سفیان کی جانب سے ہارون الرشید کی طرف، جو امیدوار زلزلہ کے قریب میں مبتلا ہے جس کی ایفائی حلاوت سلب کر لی گئی ہے جو تلاوت قرآن کی لذت سے محروم ہو، میں تم کو صاف لکھ رہا ہوں کہ میں نے تم سے محبت کا رشتہ توڑ دیا۔ میرے اور تمہارے تعلقات ختم ہو گئے تم نے میرے نام جو خط بھیجا ہے اس میں اقرار کیا ہے کہ مسلمانوں کے بیت المال سے تم بچاؤ وغیرہ صحیح مصارف کر رہے ہو، گویا تم یہ لکھ کر اپنے اس فعل پر خود شائبہ ہو گئے جو جن کے سامنے تمہارا خباثت چھایا گیا ہے اور ہم لوگ کل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی شہادت دیں گے۔ اے ہارون، تم نے مسلمانوں کے مال پر حملہ کر رکھا ہے کیا تمہارے اس فعل سے مجاہدین فی سبیل اللہ اور مسافرین راضی ہیں؟ کیا تمہارا یہ فعل اہل علم کے نزدیک پسندیدہ ہے؟ کیا یہ وہ عورتیں اور یتیم بچے اس سے راضی ہیں؟ کیا تمہاری رعایا کو اس سے مسرت ہے؟ اے ہارون اپنے ہاتھ کو روکو۔ کل اللہ کے یہاں جو ابدی کے لیے تیار رہو، یقیناً کرو کہ تم کو ایک عادل اور حکیم کے دربار میں کھڑا ہونا ہے۔ اپنے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ ایمان اور زہد کی صورت تم سے سلب کر لی گئی ہے تلاوت قرآن مجید کی لذت اور صلوات کی بخشش کے شرف سے تم محروم ہو گئے ہو اور تم نے اپنے لیے ظالم اور ظالموں کا سرگودہ بننا پسند کر لیا ہے۔

اے ہارون تم تخت شاہی پر بیٹھے ہوئے سریر و دنیا کے استعمال میں مصروف ہو اور دروازہ پوتم نے پر دے ڈال رکھے ہیں، ظالم پناہ تمہارے قصر میں کے سامنے کھڑی رہتی ہے، یہ

لوگوں پر ظلم کرتی ہے۔ اس کا انصاف نہیں ہوتا ہے، دوسری پر شراب کی حد جاری کرتے ہیں لیکن خود شراب خوار ہیں، زانی کو سزا دیتے ہیں لیکن خود زانی ہیں، چور روکے باتھ کھاتے ہیں لیکن خود چور ہیں، قاتل کو سزائے موت کا حکم سناتے ہیں لیکن خود قتل کرنے میں بیباک ہیں کیا یہ احکام تم پر اور تمہاری سپاہ پر ضروری نہیں ہیں قبل اس کے کہ وہ دوسروں پر جاری کیے جائیں؟

لے ہارون، اس دن تمہارا کیا حشر ہوگا جب پکارنے والا پکارے گا کہ ظالمین ادران کے اعوان و انصار کو جمع کرو، پھر تم مع اپنی پوری جماعت کے بارگاہ ایزدی میں حاضر کیے جاؤ گے اور تم ان سب کے امام ہو گے!

لے ہارون میری نصیحت پر عمل کرو۔ اپنی رعایا کے بارہ میں اللہ سے ڈرو اور اس پر غور کرو کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے متعلق کیا حال تھا؟ اے ہارون جس طرح خلافت تم کو ملی ہے اسی طرح تم سے کسی دوسرے کو ملے گی، دنیا کا یہی رنگ ہو جس کچھ لوگ تو وہ ہیں جو (اس سلسلہ میں) اپنے لیے نفع آخرت کا سامان مہیا کرتے ہیں اور کچھ لوگ وہ ہیں جن کی دنیا و آخرت دونوں تباہ ہیں۔ اب تم آئندہ مجھے کوئی خط نہ لکھنا اس لیے کہ میں جواب نہ دوں گا۔

عبادِ طاعتانی کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری کے نصیحت جس کے الفاظ مجھ پر اثر کر چکے تھے، میں خطایک کو فہ کے بازار آیا اور پکار کر کہا کیا کوئی ایک انڈی کی طرف بھاگنے والے کا خریدار ہے؟ لوگ درہم و دینار لیکر دوڑے، میں نے کہا درہم و دینار نہیں، ایک صوف کا جبہ چاہیے وہ لایا گیا میں نے اپنا امیرانہ لباس اتار کر اسی جبہ کو پہنا اور غلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں پہنچا۔ پہلے تو وہ بان نے میرا مذاق اڑایا پھر مجھے شرفِ باریابی حاصل ہوا۔ ہارون نے جب مجھے اس رنگ میں دکھا تو کھڑا ہو گیا اور پھر بیٹھ گیا اپنا سر پہنے لگا کہ انوس میں نامراد ہی رہا، اور قاصدِ بامراد ہو گیا پھر اس نے خط پڑھا شروع کیا اور انوس کے چہرہ پر جاری تھے۔

معضل مصاحبین نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین سفیان نے آپ کے مقابلہ میں بڑی بے باکی سے کام لیا جو انھیں پابِ زنجیر قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔ ہارون الرشید نے کہا ملے بند گان دنیا سفیان کو ان کے حال پر بھڑو رہد بیشک وہ شخص بد بخت ہو جس کے تم ہم نہیں ہو، یقیناً سفیان ایک مرد متقی ہے!

عباد کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے اس روز سے معمول کر لیا کہ ناز و چنگاڑ کے بعد اس کو پڑھا اور خوب رٹا۔

(۴۳)

۲۰ مئی ۱۹۷۸ء آج قلعہ دمشق کا ایک قیدی قید حیات سے آزاد ہو گیا، کہتے ہیں کہ جب سائنس نے
آنکھیں کھلیں تو اس کی زبان پر یہ آیت تھی

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ فِي مَقْعَدٍ صَدَقَ عَنْْدَ مَلِكٍ مُّقْتَدِرٍ

یہ قیدی کہا کرتا تھا کہ قید میری خلوت ہو، قتل میری شہادت ہو، اور جلا وطنی میری سیاحت ہو، مقید وہ
ہے جو اپنی خواہشات کا مقید ہے اور مجبوس وہ ہے جس کا قلب خدا کی جانب سے بند ہے۔

اس قیدی کا نام شیخ الاسلام ابن تیمیہ ہے، بلاشبہ علما کی ایک جماعت نے ابن تیمیہ پر سخت تنقید کی ہو
خود ان کے مؤیدین اور ان کے کمال کے معترفین نے بھی ان کے تفردات سے اختلاف بلکہ انہی براءت تاکا اظہار
کیا ہو، مگر ان کے دلولہ حق اور حاکمیت دین کے جوش کا سب کو اقرار ہو، ان کو ایک سلسلہ میں زندان خانہ
جہان پڑا، وہاں دیکھا کہ سب قیدی خدا سے غافل ہیں آخرت سے بے پروا ہیں، لہو و لعب میں مبتلا ہیں،
شیخ نے ان سب کو نصیحت کی، ان سے توبہ کرائی، عقائد کی تصحیح کی، جو کتاگ چور اور ڈاکو تھے ان کی پیشانیاں
سجدوں کے آثار سے چمک اٹھیں اور زبانیں ذکر الہی سے تر ہو گئیں۔

ایک مرتبہ شیخ الاسلام کی قازان سے ملاقات ہوئی قازان اور بہت سے تاتاری دواہرہ اسلام میں
داخل ہو چکے تھے مگر اخلاق و اعمال میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا، ابن تیمیہ نے انتہائی بے باکی سے نصیحت کی،
لوگوں کا خیال تھا کہ قازان اب قتل کا حکم دینا ہی چاہتا ہے مگر اس پر حق کی ہیبت طاری ہو چکی تھی، زبان
کھلی تو ان الفاظ پر کہ ————— میں نے دعا فرمائی۔

اب درائیں کہ شیخ الاسلام نے کیا دعا شروع کی! ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا خداوند اگر قازان خدا اور
ربوں کے لیے لڑ رہا ہو تو اس کی مدد کر اور اگر مال و دولت اور سلطنت کی خواہش کے لیے لڑ رہا ہو تو اس کو اپنی مرد
سے محروم رکھ۔ لوگوں نے دیکھا کہ قازان ہاتھ اٹھائے ہوئے ہر فقرہ پر آمین، آمین کہہ رہا تھا۔

قازان کے حکم سے کھانا آیا، ابن تیمیہ کے سوا سب نے کھانا دجہ دریافت کی گئی تو صاف فرمایا کہ میں یہ کھانا کیسے
کھاؤں جو لوگوں کے مال سے لوٹ کر حاصل کیا گیا ہو اور لوگوں کے درختوں کو کاٹ کر کھا گیا ہو۔

مازہ خواہی داستان گرد اغمائے سنیہ را
گا ہے گا ہے باز خوں این قصہ پارینہ را

(صفحہ ۴۲ کا بقیہ) ————— ہے صرف حکم کا منتظر ہے۔

(۶۷) صاحبو، تم دنیا کے پیچھے دوڑ رہے ہو کہ وہ تم کو کچھ دے دے، اور دنیا اہل اللہ کے پیچھے دوڑ رہی

ہے تاکہ ان کو کچھ دے دے، وہ ان کے سامنے سر جھکائے کھڑی رہتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

معاشیاتِ عبادیت

(از مولانا عبدالباقی عثمانی)

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطِيعُونِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ۔

”میں نے پیدا کیا میں نے جن داس کو مگر اس لئے کہ میری ہی عبادت میں لگے رہیں میری مادی (دان) لوگوں کے پیدا کرنے سے) رزق کی فکر میں ان کو کھانا نہیں۔ نہ یہ مادی (جو کتنی اسے کچھ کو کھلائیں) (جیسا کہ بہت سے مشرکین برعزم خود اپنے دینی دیناؤں کو کھلاتے پلاتے ہیں) یہ تو خود اللہ ہی ہے جو سب کا رزق رساں بخشنے قوت والا ہے۔“

بس یہی آیات اسلامی معاشیات کے سارے اصول و فروع کی اسی بنیاد ہیں۔ معاش یا قرآن کی اصطلاح میں حقوق بلاشبہ زندگی کی سب سے مقدم اور اگر ضرورت ہے لیکن ہے ذریعہ یا ضرورت ہی زندگی کا مقصد بہر حال نہیں۔ لہذا جب تک پہلے خود مقصد معلوم و متعین نہ ہوئے، اس کے مناسب دموافق کسی ذریعہ یا وسیلہ کا تعین کیسے ہوگا۔ زندگی کا جو مقصد ہوگا اسی کے اعتبار سے تو ذرائع و وسائل کی نوعیت و حیثیت اور اہمیت کا فیصلہ ہوگا اور جہاں کہیں وسیلہ نفس و میل کی حیثیت باہر قدم کھائے گا یا اہل مقصد میں محاذ ہونے کی جگہ مزاج ہونے لگے گا وہیں اس کو روک دینا پڑے گا۔

پہلی آیت ما خلقت الجن والانس لایعبدون کے ساتھ فرما دیا گیا کہ انسان کی پیدائش کا مقصد و مدعا اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس اپنے پیدا کرنے والی کی عبادت و عبدیت یا پریش و بندگی میں لگا رہے۔ کوئی بھی مخلوق ہو اس کا مقصد تخلیق خود اسی کی اقتیاری خلقت و فطرت یا خصوصی نوعیت کی ترقی و تکمیل ہی ہو سکتی ہے۔ آدم کا کمال یہی ہوا کہ بہتر سے بہتر تمام کے صفات اس میں نمایاں ہوں نہ کہ انگوڑ یا نار ہو جائے۔ گھوڑے کا کمال اس کی فرسیت یعنی فیزیکی صفات کی ترقی ہوگی نہ کہ شیر یا باقی بن جانا اسی طرح آدمی کا مقصد و بھی صرف آدمی بننا ہی ہو سکتا ہے یعنی آدمیت کی خصوصی و امتیازی فطرت کی ترقی و تکمیل نہ کہ کھانے پینے پہنے جتنے جانے کی مشترک حیوانی ضروریات میں دوسرے جانوروں سے آگے نکل جانا یا بڑھیا جانور

(HIGHYERANIMAL) میں جانا۔ غرض انسان کا اعلیٰ سے اعلیٰ انسان بننا یہی اس کی انسانیت یا انسانی ذات و شخصیت کا ارتقا و تحقیق (REALIZATION) یعنی اس کے پیدائشی و نوعی مقصد کا کمال ہو گا اس لئے معاشیات ہی کیا زندگی کے کسی چھوٹے بڑے شعبے کو بھی اسلامی سمجھنے سمجھانے سے پہلے یہ دیکھنا ہو گا کہ یہ ذات و شخصیت یا انسان کی خاص و فائز امتیازی خلقت اسلام کی نگاہ میں ہے کیا؟

انسان کی پیدائش کا لاملاک میں اعلان فرما کر جب ان کو اس کے سجدے کا حکم دیا گیا تو خاص خصوصیت اس کی یہ منصوص فرمائی گئی ہے کہ اس کے اندر میں (خدا) نے خود اپنی روح کی ایک شان چھوٹی ہے (نفس فیہ من روحی) دوسرے عنوان سے کائنات میں اس کے خاص مقام کا یوں تعین فرمایا گیا کہ زمین پر ایک اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں کسی کا خلیفہ یا جانشین صحیح معنی میں وہی ہو گا اور ہو سکتا ہے جو اپنے مختلف یا خلیفہ بنانے والے کی ذات و صفات سے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ مائلت و اقربیت رکھتا ہو حضرات صوفیاء اسی معنی میں انسان کو حق جل و علا کا مظہر نام کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کے کمالات کو سب سے زیادہ ظہور بخشا ہے ایک اور اعتبار سے اسی حقیقت کو امانت سے بھی تعبیر فرمایا گیا ہے۔

خدا کا جو ہر ہی مضمون تصور حیات و ارادہ علم و قدرت و خلق و امر و غیرہ تمام صفات کمال کی جامعیت و نامحدودیت ہے اسی نامحدودیت کی روح یا طلب و مزب انسان کے اندر اس حد تک چھوٹی گئی ہے کہ اس دنیا کی محدود و ضئیل زندگی کے مطالبات میں بھی اس کی طلب و تمنا کو کسی حد و نہایت پر قرار و قناعت قطعاً نہیں۔ نہ اس وقت تک ملن ہے جب تک اس کی خواہش یا چاہہ پر سے تمام حد بندیاں ہٹ کر نامحدودیت کے اس مقام کو نہ پالے جہاں جو کچھ چاہے اور مانگے بے روک ٹوک پائے۔ لکھو فیہا ما تشہی انفسکم و لکھو فیہا ما یتدعون۔ دوسرے لفظوں میں انسان کی فطرت کی اعلیٰ مانگ جنت ہے۔ خدا میں نامحدودیت کا تحقیق بالذات و بالفعل ہے اور اس نے خلیفہ میں اس نے اسی نامحدودیت کے تحقیق یا قوت سے فعل میں لانے کا مطالبہ چھوڑ کر گویا اسی کو مخلوق خدا (CREATED GOD) بنا دیا گیا ہے تاکہ اپنے خالق خدا کی جانشینی کا سزا دار ہو۔

ایک مقررہ یہ ہوا۔ دوسرا یہ ہے کہ کسی کی جانشینی کے معنی یا خلافت کی حقیقت و کمال یہی ہے کہ اپنی خوشی و خواہش کو اپنے جانشین یا خلیفہ بنانے والے کی مرضی و مشیت کے تابع بلکہ اس میں فنا کرنے سے یہی مطلب عبادت و عہدیت یا بندگی و سوا گلندی کا ہے۔ خود اسلام کے معنی بھی ایسی کامل سپردگی ہی کے ہیں کہ عہد اپنے رب بندہ اپنے مالک کے حوالہ اپنے کو اس طرح کرنے کے اس کی مرضی و مشیت کے ساتھ پورا پورا توافق پیدا ہو کر کوئی تعارض و تضاد باقی نہ رہ جائے۔ عہدیت کی اسی خصوصیت کو حضرت مجدد و وقت نے جابجا ذیل کی اس مثالی حکایت

سے واضح فرمایا ہے کہ:-

”ایک شخص نے ایک غلام خریدنا خریدنے کے بعد دریافت کیا کہ میں تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ حضور رکھ سے تو وہی نام ہے جس سے آپ پکاریں۔ دریافت کیا کہ کھا کیا کرتے ہو؟ کھا حضور ان سے کھانا بھی دیا ہے جو آپ کھا لیں دریافت کیا پہنا کیا کرتے ہو؟ کھا آج سے پوشاک بھی دیا ہے جو حضور پہنا لیں“

”اسی طرح حضرت حاجی اماد اللہ صاحب کے سامنے آیت و ماخلقت الجن والانس الا لعیبدون براۓ مال کیا گیا کہ اس میں جن و انس کی تخصیص کی کیا وجہ ہے۔ خدا تعالیٰ کی عبادت تو ساری مخلوق ہی کرتی ہے حضرت نے فرمایا کہ ایک مثال سے فرق سمجھو ایک تو نوکر ہے اور ایک غلام (عبد) نوکر کا کام تو متعین ہوتا ہے خواہ ایک خواہ متعدد مثلاً دارجی کہ اس کے لئے کھانا پکانے کی خدمت معین ہے..... اور غلام کی کوئی خدمت معین نہیں ہوتی بلکہ تمام خدمات اس کے ذمہ ہیں جس کا بھی حکم ہو جائے چنانچہ ایک وقت اس کو آقا کا پاخانہ بھی اٹھانا پڑا ہے اور ایک وقت آقا کی پوشاک پہن کر آقا کا تمام مقام اور زائب (خلیفہ) بن کر جلد یا دربار میں جانا پڑا ہے غرض غلام کو کسی وقت کی خدمت سے بھی انکار نہ ہوگا“

حاصل یہ کہ جن و انس کے سوا دیگر مخلوقات میں سے ہر ایک کی طاعت و عبادت کی کوئی نہ کوئی صورت معین ہے یعنی ہر مخلوق سے کوئی نہ کوئی خاص کام ہی متعلق ہے جس کے سوا دوسرا کام اس سے نہیں لیا جاتا۔

”مگر انسان کی کوئی خدمت معین نہیں ایک وقت میں انسان کا سونا عبادت ہے۔ ایک وقت میں پاخانہ پھینکا بھی عبادت ہے مثلاً جماعت تیار ہوا در پاخانہ پیشاب کا زور ہو تو پاخانہ پیشاب سے فراغت واجب ہے اور ناپڑ پھینکا حرام اس وقت اس کا پاخانہ جانا ہی عبادت ہے..... اور ایک وقت انسان کی یہ شان ہے کہ منظر حق بنا ہوا ہے اس وقت اس کی زبان سے مردہ دل زمرہ ہوتے ہیں۔

غرض جو شان غلام کی ہوتی ہے وہی انسان کی ہے عبدِ ثعلب کے سے انسان ہیں ہے..... کہ کسی خاص حالت اور نماز کام کو اپنے لئے جو چیز نہیں رکھتا بلکہ حضرت حق جس حال میں رکھیں اسی میں اس کو رہنا چاہئے کس آلہ میں توکل اور بے دشا لڑنا چاہیں تو دشا لڑے، چوکا نہیں تو چوکا رہے گی دودھ کھائیں تو گھی دودھ کھائے۔

یہ مطلب نہیں کہ رزق و معاش کی اسبابی فکر و تدبیر ترک کر کے اباجوں کی طرح اچھے پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے اور خود سے فاقہ کو دعوت دے یا آسمان سے خوان اترنے کا انتظار کرنے لگے بلکہ ہمارے اندر کسب و اختیار کی جو صفت و ولایت فرمائی گئی ہے اسی کا دہرا مطالعہ جس طرح ایک طرف یہ ہے کہ حصولِ معاش کے اسبابی مشاغل و تدابیر میں اپنی فہم و بصیرت کے موافق آزادی کے ساتھ اس کسی اختیار کو مکمل استعمال کریں اسی طرح اس کی انہی جہت کا یہ تقاضا ہے کہ طلبِ رزق کی ساری تدبیریں اور کوششوں میں صاحبِ امانت (حق تعالیٰ) کی مرضی و مشاکمہ بھی پورا پورا لحاظ رکھا جائے ایک طرف

اگر صنعت و حرفت، زراعت و تجارت، مزدوری و ملازمت وغیرہ معاشی اسباب میں ہمارے اختیار کو کوئی بھی آزادی بخشی گئی ہے۔ تو دوسری طرف ان اسباب کی بعض صورتوں پر حرام و حلال، جائز و ناجائز کی کچھ تشریحی یا بندیاں خود ہماری خلعتی و روحانی فطرت یا انسانیت کی ترقی و تہذیب کے لئے عائد کر دی گئی ہیں۔

اب ان آزادیوں اور پابندیوں کو ساتھ ساتھ لے کر چیلنے میں اگر کبھی ہم کو جھوکا رہنا پڑے تو یہ سمجھنا درست ہوگا کہ ہمارا پروردگار (رب) ہی خود ہمارے ہی پرورش و مصالح کے تحت اسی طرح جھوکا رکھنا چاہتا ہے جس طرح طیب کسی مریض کو۔ اور اگر آزادی و پابندی کے اس سندان عشق اور جام شریعت کی بازی یا ہم آہنگی میں دو دھگھی کیا ہفت قلم کی سلطنت و دولت مل جائے تو اس کو بھی اپنے رب ہی کی طرف سے اور اپنی عہدیت ہی کی پرورش و ربوبیت کا سامان اور امتحان جانا چاہئے کیونکہ

”رزق بین فرخی و تلی کرنے والا تو خود تمارا رب (یا پالنا)

ان ربك یبسط الرزق لمن

ہی ہے جو اپنے بندوں کو خوب جانتا سمجھتا ہے کس کے حق

یشاء و یقدر انہ کان بعبادہ

میں فرخی مناسب ہے اور کس کے تلی

خیر البصیرا۔

تو بندگی جو گدایاں بشرط خود مکمل کہ خواجہ خود روش بندہ برداری داند

آدمی کے بچے کو اگر آدمی بنانا ہے یا آدمی ہی کی ناپندگی و خلافت کا حق ادا کرنا کرنا ہے تو اس کی صورت فقط یہی ہے کہ جب آدمی ماں باپ کی صفات نے کرہید اہوا ہے تو انہیں کی تربیت و شفقت کی گود میں بے جوں و چرا اپنے کو ڈال دے ورنہ اتفاق سے اگر کسی بھڑے کے جھگ میں پڑ گیا تو اس کے بھٹ اور اس کی بردوش میں رو کر ٹوٹھانے پینے دھنسنے کی گرگی صفات ہی کا اس کے اندر نشوونما ہوگا۔ مدت ہوئی لکھنؤ کے ٹوپیکل کالج میں ایک ایسا ہی کوئی دس بارہ برس کا بچہ دیکھنے میں آیا تھا جو کسی بھڑے کے بھٹ میں ملا تھا اور جس کو اب از سر نو آدمی کی طرح کھانا پینا، بولنا چالنا سکھا یا جا رہا تھا۔ کیا عرض کیا جائے کہ آج پوری انسانیت یورپ کے ایسے ہی گرگ صفات نام نہاد انسان کے جھگ میں گرفتار رہے اور اس گرگی معاشیات و سیاسیات ہی کی بدولت آج پوچھنے تو آدمی آدمیت کی ردی اور اس دعا فیت کی زحمتی دونوں سے ایک ساتھ محروم ہو رہا ہے۔

غرض اسلام کی کتاب کی رو سے انسان کی انسانیت جب خود اس کے خالق کی چھوٹی ہوئی روحانیت اور اسی کی عطا کی ہوئی خلافت میں منحصر ہے تو لازماً اس روحانیت و خلافت کا ہر دان چڑھنا بھی اسی پروردگار کی بنائی اور بتائی ہوئی واہ معیشت پر چلنے چلائے میں منحصر ہوگا جس نے اس کے اندر خود اپنی رُوح چھوٹی اور اس کے سر پر خود اپنی خلافت کا تاج رکھا ہے اللہ تعالیٰ کی جو خاص صفت عہد کے بالمقابل واقع ہوئی ہے وہ رب ہی کی ہے اور عہدیت کا مطالبہ

براہ راست صفت ربوبیت ہی کا لازماً ثمرہ لایا گیا ہے ارشاد ہے کہ اللہ ہی ہمارا تہارا رب کا رب یا پڑرگا رہے۔ اس لئے اسی کے ساتھ عہدیت یا بندگی کا تعلق پیدا کرو یہی ساری انسانیت کی صلاح و فلاح کی جانب سیدھی شاہراہ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ دَجِي وَرَبِّكَم فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ کسی کا پالنے والا یا مربی صحیح طور پر وہی ہوتا ہے اور سمجھا جاتا ہے جو اُس کی امتیازی و ذمی فطرت و صلاحیت کو تربیت کی راہ سے کمال تک پہنچا سکے جیسے انسان اس معنی میں باغ کا پالنا ہے کہ ہر پودے پر درخت کو اس کی خصوصیات کے مطابق پروان چڑھانے کا سامان کرتا ہے

زندگی کی ہر راہ کی طرح معاشی زندگی میں بھی ہماری شان عہدیت کا پہلا مطالبہ یہی ہے کہ اپنے معاشی رب یا رزاق کی ربوبیت و درازاقیت پر بھروسہ کر کے فقر و غنا کے نتائج سے بے پردہ ہوا کر اس کی طرف سے عام کی ہر سی رزقی و معاشی آزادی اور پابندیوں کو بے چون و چرا قبول کر لیں عہدیت بلکہ نفس اسلامیت ہی کی معنوی حقیقت یہی ہے بے چون و چرا سپردگی و سرفرازی کی زندگی ہے باقی معاشی فراغ و فراخی کے کسی اپنے مجموعہ یا خود ساختہ خاص و عام انفرادی و اجتماعی معیار و معیار و نتیجہ کو حاصل و پیدا کر لینا نہ ہمارے قبضہ و قدرت میں ہے اور نہ ہم پر اس کی جواب دہی و ذمہ داری ہے اور نہ انسانی زندگی کے انجام و آخرت کی اصل فلاح و کامیابی کسی خاص و عام معاشی معیار پر موقوف فرما دی گئی ہے۔ اس کا انحصار تو زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح معاشی تنگی و فراخی کے ہر حال میں بھی سراسر پس دہی بندگی کی زندگی گزارنے پر رکھا گیا ہے۔

انسان کی پیدائش کا مقصد و مدعا عبادت و عہدیت کو قرار دینے کے ساتھ ہی ساتھ یہ فرمانا کہ تم اسے پیدا کرنے سے مراد رزق و معاش کے مسائل حل کرنا نہیں اس کا مطلب یہی ہے کہ آدمی کو پیدا ہونے اور زندگی لےنے کے بعد زندگی کی حفاظت و بقا کے لئے سب سے پہلی فکر رزق کی جو لگ جاتی ہے اس سے بے فکر فرما دیا جائے تاکہ زندگی کی اصل مراد بندگی کی تحصیل تکمیل میں یکسوئی سے لگے رہنے میں پیٹ کا دھندلا حائل نہ ہو۔ دنیا میں بھی غلام اور غلامی کا تصور یہی رہا جو کہ جب آقا غلام کے سارے وقت و قوت کو اپنی غلامی کے لئے گھیر لیتا ہے تو بقائے حیات بھر کی اس کی معاشی حاجتوں کی پابجائی خود اپنے ذمہ رکھتا ہے یہی صفات سیدھی بات معلوم ہوتی ہے کہ درج عنوان پہلی آیت میں ایک طرف انسان سے اگر اپنی پوری کی پوری زندگی کو بندگی بنا دینے کا مطالبہ فرمایا ہے تو دوسری طرف دوسری ہی آیت میں رزقی احاطہ جاتا ہے کہ ذمہ دارانہ تک و دوسرے بلکہ دشواریاں خود ہی اس کی ضمانت فرمائی ہے کہ رزقی رساں تو دراصل صرف اللہ ہی کی قوت والا ہے اِنَّ اللَّهَ هُوَ الرِّزَاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِّينِ۔

اہل و عیال کے نان و نفقہ کی ایک درجہ میں ذمہ دارانہ فکر و تہمیر ساموسے پھر بھی سووہ ظہ میں عہد کامل بلکہ اکمل العباد و علی اللہ علیہ وسلم کو اولاً خود دون رات کے مختلف اوقات میں بیچ یا ناز و عبادت کا علم فرما کر ساتھ ہی اس پر آگاہ فرمایا کہ

کافرون کو دنیوی یا معاشی زندگی میں ہم نے بظاہر سروسری ولا تتمدن عینک الی ما متعناہ

وفا دانی بخشی ہے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھنا یہ تو ان
حق میں فتنہ ہے۔ آپ کے لئے تو میں آپ کے پروردگار ہی کا
رزق بہتر دیا سندہ تر ہے

اس کے بعد ہی اہل و عیال کے معاملہ میں فرمایا کہ ا۔

خود اپنے اہل و عیال کے متعلق بھی آپ کا اہل فریضہ ان کو
عبادت یا نماز کا حکم کرنا اور اس پر مجھے رہنا ہے ہا زرق
یا معاش کا معاملہ تو ہم اس کا کوئی سوال یا موافقہ آپ سے
نہ کریں گے رزق تو ہم خود ہی آپ کو دیں گے اور اس میں
کچھ کمی اور تنگی بھی ہوتی اعتبار تو انجام و عاقبت جی آخرت
کی کامیابی کا ہے سو وہ صرف تقویٰ (وہی عبدیت) کی
زندگی سے وابستہ ہے

معاذ بھی کہ رزق رسال و حقیقت صرف سبب الاسباب ہے نہ کہ وہ اسباب جن کو ہم رزق ہی سمی و طلب میں اختیار
کرتے ہیں طلب و تدبیر کی جو کچھ اجازت یا حکم ہے وہ بھی اس لئے نہیں کہ رزق کا ملنا نہ ملنا اس پر سو قوت ہے بلکہ یہ بھی
در اہل عبدیت ہی کی تربیت و تمرین کی ایک تدبیر ہے کہ کون اپنی طلب و تدبیر کو بالذات حصول رزق میں موثر نہ بنا کر
اور بالکل غیر مشیت الہی پر مبنی مان کر جائز و ناجائز حلال و حرام کے قائم کئے ہوئے ربوبیتی حدود اللہ راہی معاشی تدبیر و
میں استوار رہنا ہے اور کون خود ان تدبیروں کا بندہ بن جاتا ہے ورنہ جس طرح پانی زمین اور ہوا کی گونا گوں ادنیٰ و
اعلیٰ حیوانی مخلوقات کو رزق طلب و تدبیر کے شعوری اختیار و تیز کے بجائے غیر شعوری جبلت کی خاص خاص بندگی
راہوں سے بیٹ پالنے کی رہنمائی کر دی گئی ہے اسی طرح انسان کو بھی اس کی حیوانی حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے
کسی خاص جبلت کے سپرد کر دیا ہوتا یا فرشتوں کی طرح سرے سے بیٹ کے دھندے سے آزاد ہی رکھا گیا ہوتا شعوری
اختیار کی امانت تو اسی لئے عطا ہوئی ہے تاکہ انسان اپنی روحانی و اخلاقی فطرت کے کمالات کو تشریح و تکلیفی عبدیت
کی راہوں سے حاصل کر سکے اور اس کے لئے اپنے بندوں کے حال کی پوری واقفیت و بصیرت رکھنے والے (اللہ کا
عبادہ خجیراً بصیراً) حضرت حق

”جس کو جس حال میں رکھیں اسی میں اس کو رہنا چاہئے کل اڑھائیں تو کل اڑھے اور دو سالہ اڑھائیں تو
دو سالہ اڑھے بھوکا رکھیں تو بھوکا رہے گی دودھ کھلائیں تو گمی دودھ کھائے۔“

بھلا بندگی کی اس معاشیات کو خدا بننے والوں کی اس معاشیات سے کیا سرکار جس کی انگریز نگری میں نہ کوئی

امیر امیر رہ سکتا ہے نہ غریب غریب، نہ مزدور مزدور، نہ کارخانہ دار، نہ کارکن کارخانہ، نہ زمیندار زمیندار سب کو ہم نے ہی اشتراکیت و اشتراکیت وغیرہ کی ایک ہی لاشی سے انکا جانا ہے خیر جن کے سامنے نہ اس زندگی کے آگے کوئی زندگی ہے، نہ اپنے ہی دوسوای داغوں کی نئی سی روز روز بننے بڑھنے والی خرافاتی آجیاد جیو کس سوا علم و یقین کا کوئی غیر مشکوک حربہ نہ۔ وہ غریب اندھے کی لاشی چلانے کے سوا آخر کڑی کیا سکتے ہیں۔ نعم و نعمہ تو ان پر ہے جو ایک طرف نامحدود ادبی زندگی پر ایمان کے مدی ہیں جس کے سامنے ان بہت زندگی الخیولہ الدنیا۔ کے رنج و راحت کی بساط خواب کی بھی نہیں، دوسری طرف لادیب فیہ“ والی ذلالۃ الکتاب کی عداوی تعلیمات کے حرفت حرف کو ہر خاک شہ سے پاک جانتے ہیں وہ اسلام کے لیل کے ساتھ سیاسیات و معاشیات پر کتا ہیں لکھ لکھ کر اپنی ہی نہیں اپنے خدا و رسول کی کتاب و سنت کی آوازیں اس طرح ان کی آوازوں میں ملانے کی کیوں کوشش کرتے رہتے ہیں کہ گویا آخرت کی خیر و باقی“ حیات کی طرف لانے والی کتاب اور اس کے لانے والے رسول کے منظر بھی صرف اسی بہت زندگی کے سیاسی و معاشی منافع ہیں اور ادبی و علمی زندگی کے مصالح یا تو سے نظر انداز یا محض ضمنی دوزی نظر آتے ہیں۔

بہر حال اسلامی و غیر اسلامی معاشیات کا سب سے پہلا فرق تو یہی ہے کہ

(۱) اسلامی معاشیات کا بنیاد و مقصد معاشیات یا آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی کے بناؤ بگاڑ یا فلاح و خسران سے ہے جس کی طرف اشارہ تمہیدی سطروں میں کیا جا چکا اور تفصیل آئندہ مباحث میں آئے گی۔

(۲) دوسرے اسلامی معاشیات کی رو سے انسان کے رزق و معاش کا مدار یا ایجاد بندہ“ معاشیات کی نظریات پر قطعاً نہیں بقائے زیست کے لئے جس طرح ہر جاندار کے رزق کی ضمانت خود اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے اسی طرح مومن و کافر ہر انسان کی بھی۔

کہنے طرح طرح کے جاندار ہیں جو اپنی روزی اپنی بیٹھ پر لاؤ
نہیں بھرتے اللہ ہی تم کو بھی روزی دیتا ہے اور ان کو بھی
دعاؤ اللہ وہ انہا بھرا نہیں کہ جب تک تم دعاؤ فرماؤ
اجتہاد و ہمت وال کے ہنگامے نہ برباد کرو سماعت ہی نہ کرے
وہ تو سب کا حال خود ہی پوری طرح سننے اور جاننے والا ہے“

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ

مَنْ كُنِيَ بِمِثْلِ زَيْنٍ بَرٍّ فَلَا جَانِدَارَ لَهٗ غَيْرَ مِثْلِ زَيْنٍ
اللہ ہی ہر سے وہ جانتا ہے کہ کس کو زمین پر ٹھہرا
اور کس پر دھاک ہو جاتا ہے“

اس وقت تک کی رزق رسانی کا وہ خود ہی ضامن ہے۔ حدیث میں تو یہاں تک اور اس قوت کے ساتھ اس ضمانت کی تصریح فرمادی گئی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک کبھی مرنے کی امید نہیں کرے کہ اس کا رزق ہوا نہ کرے۔

إِنَّ تَقَاتُكَ لَكُمْ تَقَاتُكُمْ حَتَّى تَشْكُلَ رِزْقُكُمْ

میلان جب سامان تھے ان کے معاشی مسائل کا اصلی حل یہی خدائی ضمانت یعنی رزاقیت تھی صحابہ اور غیر القرآن کا ذکر نہیں۔ عام مسلمانوں کے بھی بعد عروج نہیں ملین زوال کی گزشتہ صدی کے اسی ہندوستان اور اس کے باطن تخت دہلی کے ایک بزرگ حضرت شاہ اسماعیل صاحب کے متعلق ابھی وہی دن ہوتے حضرت مجدد و تھانوی کے ملفوظات میں پڑھا کہ ان کی بڑا خواہ بادشاہ کی طرف سے مقرر تھی جب انگریزوں کا دور دورہ ہوا تو بجائے عی مہینوں کے انگریزی مہینوں سے خواہ یعنی شروع ہوئی جب شاہ صاحب کی خواہ آئی تو سید پرست سخت کرنے اور انگریزی تاریخ لکھنے کے لئے کہا گیا شاہ صاحب نے فرمایا میں انگریزی تاریخ نہیں لکھوں گا ان کے لئے عرض کیا کہ اب انگریزی تاریخ ہی لکھنے کا حکم ہے در نہ خواہ بند ہو جائے گی۔ آپ نے فرمایا میں کا فزوں کی مادت پر عمل نہیں کروں گا چاہے خواہ بند ہو جائے خدا رزاق ہے انگریز رزاق نہیں۔

بظاہر کیسی چوٹی بات پر یہ ضد تھی۔ بات چوٹی ہو یا بڑی اصل بات وہی ہے کہ ان کی نظر میں بس جو رزاق تھا، تھا غیر پر ان کی نظر پڑتی ہی نہ تھی۔

یہ تو پھر بھی گئی صدی کے ایک گئے بزرگ کا واقعہ تھا راقم احقر کے خود اپنے والد مرحوم کا رزق و معیشت کے معاملہ میں بارہا خالی ہاتھ ہونے پر بھی ایسی بے فکری اور اطمینان کا رنگ تھا جو اس ناخلف کو رنگ میں ہزاروں کا کھاتا دیکھ کر بھی تعجب نہ ہوا۔ آج بھی اللہ تعالیٰ سے ذرا گہرا تعلق رکھنے والے ایسے ایک نہیں کسی صالح جوانوں کو جاننے کی سعادت حاصل ہے جو رزق بے فکری کا کوئی خاص یا معتد بہ سامان نہ رکھتے پر بھی ایسی بے فکری سے اللہ کے کاموں میں لگے ہیں کہ حاش و معیشت کا مسئلہ گواہ زندگی کا کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ اسی طرح او بھی من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ کی کئی مثالیں وطن و دکن دونوں ملک کی آنکھوں دیکھی مانتے ہیں۔

(۳) نفس رزق کی ضمانت کے بعد رزق بے قید و قدر یا معاشی تنگی و کشادگی کا مسئلہ ہے اس پر فصل گفتگو تو آگے کے باب میں آتی ہے لیکن اوپر جہد حق معاشیات کی تفصیل گذری اس کا اصل بھی یہی ہے کہ آج کل معاشی بیخ و بن کو مٹانے کے فتنوں نے جس طرح آسمان سر ہر ہٹا کر دکھائے اس نامروری کا نشانہ نہ صرف اسلامی معاشیات کا پیش ہوا نہیں بلکہ عہدیت یا "بندہ پروری" کے مصالح اور خدائی مشیت کے بالکل منافی ہے۔ (بقیہ بر صفحہ ۵۷)

لہ الاضافات الیومیہ حصہ ہفتم ۱۴۲۸ھ

لہ اس مسئلہ کے کچھ مسودات تجدید تعلیم و تبلیغ میں بھی قابل ملاحظہ خصوصاً دینی خاندانوں اور علماء کے معاش سے متعلق۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ملاوت قرآن کے متعلق

ایک مسئلہ کی تحقیق

پیش از محمّد منظور لغسمانی

اس ناچیز نے رمضان کے متعلق ایک تقریر میں اپنے ایک بزرگ کا یہ معمول نقل کیا تھا کہ وہ اس مبارک مہینہ میں دوسرے اذکار و تسبیحات کے علاوہ قرآن مجید کے تین سے زیادہ ختم کر لیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ بعض اہل علم نے اس کے متعلق یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ ان بزرگ کا یہ طرز عمل قابل مدح اور لائق تقلید نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن میں پورا قرآن ختم کرنے سے صراحتاً منع فرمایا ہے اور عمل بھی آپ کی یہی رہا کہ آپ نے بھی ایک دن میں پورا قرآن ختم نہیں فرمایا۔ حالانکہ اگر یہ کوئی اچھا کام ہوتا تو آپ ضرور اس کو کرتے۔ ذیل کی سطروں میں اسی مسئلہ کی کچھ تحقیق و تفتیح کرتے کا ارادہ ہے واللہ التوفیق۔

بیشک بعض احادیث میں اس کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو جو روزانہ ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے اس سے منع فرمایا، پھر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کو سات دن سے کم میں قرآن ختم کرنے کی اجازت نہیں دی اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کو وہ دن میں ختم کرنے کی اجازت دی اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان میں سے ۳ دن میں ختم کرنے کی بھی اجازت دی اور اس سے کم میں ختم کرنے سے منع فرمایا۔

اب بارہ میں سب سے زیادہ مشہور اور زیادہ واضح حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) کی ہے۔ یہ اجمال و تفصیل اور الفاظ و عنوان کے کچھ فرق کے ساتھ صحیحین میں بھی ہے اور سنن میں بھی۔ زیر بحث مسئلہ پر زیادہ روشنی چونکہ صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ سے پڑتی ہے اس لیے میں اسی کے الفاظ نقل کرتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بیان فرماتے ہیں۔

كنت اصوم الدهر واقرأ القرآن في كل يوم في كل يوم (بلا تاخیر) روزہ رکھا کرتا تھا اور ہر

کل لیلۃ فاما ذکرک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم واما ارسل الی فاتیتۃ فقال لی الم اخیر انک تصوم الدھر و قهر القرآن کل لیلۃ فقلت بلی یا نبی اللہ! ولم ارد بهذا الا الحیر قال فان بحسبک ان تصوم من کل شھر ثلثۃ ايام قلت یا نبی اللہ الی اطیق افضل من ذالک قال فصم صوم داؤد نبی اللہ فانہ کان عبد الناس قال وافر القرآن فی کل شھر قلت فانی اطیس افضل من ذالک قال فافر فی کل عشرین قلت انی اطیس افضل من ذالک قال فافر فی کل عشر قلت یا نبی اللہ انی اطیق افضل من ذالک قال فافر فی سبعم ولا تزد علی ذالک فان لنز وحاك علیک حقا ولنز وراك علیک حقا ولجسدک علیک حقا

رات میں (یعنی نوافل میں) پورا قرآن پڑھا کرتا تھا۔ پس یا تو کسی نے میرے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا (اور آپ خود تشریف لائے) یا آپ نے مجھے بلوایا (اور میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا)۔ آپ نے مجھ سے فرمایا مجھے خبر ملی جو کہ تم عشرہ روزہ رکھتے ہو اور ہر رات میں پورا قرآن پڑھتے ہو، میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! اور میں ایسا ثواب ہی کی نیت سے کرتا ہوں، اس کے سوا میرا کچھ قصہ نہیں ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا تمہیں اتنا کافی جو کہ ہر مہینہ میں بس تین روزے رکھ لیا کرو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس سے زیادہ کی پوری طاقت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو پھر زیادہ سے زیادہ کر دو کہ اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام کے طریقہ پر روزے رکھا کرو، وہ اللہ کے بڑے عبادت گزار بندے تھے (اکا طریقہ یہ تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن نامہ کہتے) اور ختم قرآن کے بارہ میں آپ نے فرمایا کہ ہر مہینہ میں ایک قرآن پورا کر لیا کرو، میں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کی قوت رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا تیس دن میں پڑھ لیا کرو، میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ کی پوری طاقت رکھتا ہوں آپ نے فرمایا تو پھر دس دن میں ایک قرآن پڑھ لیا کرو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا سات دن میں قرآن پورا کر لیا کرو اور اس سے زیادہ نہ کرو کیونکہ تمہاری بیوی کا تم پر حق ہوتا اور تمہارے

قَالَ عَمِلَ اللَّهُ فَشَدَّ ذَكَتَ
فَشَدَّ دَعْلَى۔

مٹنے والوں اور مہانوں کا بھی تم پر کچھ حق ہو اور تمھارے
جسم کا بھی تم پر حق ہو حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں
سختی کی یعنی نفس کے لیے شفقت کی راہ اختیار کی
تو مجھ پر سختی ڈالی گئی۔

صحیح مسلم باب النہی من صوم الذہر۔

اس روایت سے چند چیزیں معلوم ہوئیں۔

(۱) ایک یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ درہ راست میں یعنی روزانہ تہجد میں پورا قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے اور حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ گفتگو ای کے متعلق کی تھی۔

(۲) دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ان کو ایک مہینہ میں ایک قرآن ختم کرنے کا مشورہ دیا پھر
جب انھوں نے عرض کیا کہ میں آسانی اس سے زیادہ کر سکتا ہوں تو آپ نے میں دن میں ایک قرآن ختم کرنے کا مشورہ دیا اور
جب انھوں نے اس کے بعد بھی عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ بھی آسانی کر سکتا ہوں تو آپ نے ان کو دس دن میں اور
اس کے بعد عرض کرنے پر سات دن میں ایک ختم کرنے کی اجازت دے دی اور اس سے زیادہ سے منع فرما دیا۔ (صحیح
مسلم اور صحیح بخاری میں آخری اجازت سات ہی دن کی ہے)۔

(۳) تیسری بات حدیث کے آخری الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ زیادہ پڑھنے سے آپ نے ان کو صرف اس لیے منع
فرمایا کہ ان کی بوی اور ان کے پاس آنے جانے والوں کی حق تلفی نہ ہو اور جہاں ہی صحت پر کوئی زیادہ برا اثر نہ پڑے۔
اور جامع ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے آخری دفعہ عرض
کرنے پر پانچ دن میں ختم کرنے کی اجازت دی اور اس سے کم میں ختم کرنے سے منع فرمایا تھا (ترمذی ۱۱۶۱)۔

اس روایت سے اور اس کے علاوہ بھی کسی روایت سے معلوم نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سات
دن سے کم میں یا پانچ دن سے کم میں ختم کرنے سے منع فرمانا اس وجہ سے تھا کہ ایسا کرنا فی نفسہ کوئی بری بات ہے
بلکہ روایت میں صحت تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ مشورہ اس لیے دیا تھا کہ ان کے اہل خانہ کی
اور دوسرے لوگوں کی حق تلفی نہ ہو اور غریبوں کی تعجب و شفقت سے ان کی جہاں ہی صحت پر کوئی زیادہ خراب اثر نہ پڑے۔
یہی وجہ ہے کہ نبض صحابہ کو اپنے تین دن میں ختم کرنے کی بھی اجازت دی چنانچہ صحیح الزوائد میں بحوالہ الزائد
و دیگر طبرانی سعید بن مسدد الزہری سے مروی ہے۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
میں تین دن میں پورا قرآن پڑھا کر رہا ہوں؟

قلت یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم

اقرء القرآن فی ثلاث قال
نعم فكان یقرء حتی خاشی.
مجمع الزوائد ج ۲۹ ص ۲۹۹

ان کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ کرام سے ثابت ہو کہ تین دن میں پورا قرآن ختم فرمانے کا ان کا معمول تھا، چنانچہ مجمع الزوائد ہی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود اور دوسرے صحابہ کرام کے متعلق اس کی روایات موجود ہیں (مجمع الزوائد جلد ثانی باب کم یقر فی اللیل)

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمر کو سات دن سے کم میں یا پانچ دن سے کم میں قرآن ختم کرنے کی اجازت جن وجوہ سے نہیں دی وہ ایسی چیزیں نہیں ہیں جن میں سب کا حال کیاں ہو گا بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے احوال میں اس سے زیادہ کی گنجائش ہو چنانچہ جن صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳ دن میں ختم کرنے کی اجازت دی ان کے حالات ایسے ہی ہوں گے۔ اور امام ترمذی نے ابواب القراءة میں اسی مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا ہے۔

ودروی عن عثمان بن عفان انما كان یقرء القرآن فی رکعتیوتر
اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہو کہ وہ ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کرتے تھے، یہ ان کا رواج تھا۔ (یعنی ترکیباً ایک رکعت اتنی طویل پڑھتے تھے) صحیح ۱۱

اور حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ نے اپنے رسالہ ”اقامۃ الحجہ“ میں تمیم بن ادس بن خارجہ صحابی کے متعلق بھی کتاب الانساب للسمعانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ وہ بھی ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کرتے تھے۔ ان کے علاوہ قتادہ وسید بن جبر وغیرہ متعدد اکابر تابعین کے متعلق بھی ایسا ہی نقل کیا گیا ہے۔ تو ان سب حضرات کے اس طرز عمل کی توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ انھوں نے اپنے حالات میں اس کی گنجائش سمجھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو ”نبی شفقت“ پر محمول کیا اور کسی غور کرنے والے والے کو اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کا حضرت عبد اللہ بن عمر کو سات دن سے کم میں یا پانچ دن سے کم میں ختم کرنے سے منع فرمانا شفقت ہی کی بنا پر تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ اپنے ان کو پہلے ایک مہینہ میں ختم کرنے کے لیے کہا

لے فی الایامی وروی عن سید بن جبر ان قرء القرآن فی رکعتی فی الکعبہ۔ صحیح ۱۱
عمر بن الخطاب انہم قرءوا القرآن فی درن ذالک (ای فی اقل من ثلاث) نفع الباری صحیح ۲۳

اور اس کے بعد بار بار ان کے اس عرض کرنے پر کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں سات دن تک کی یا پانچ دن تک کی اجازت دی اگر بالفرض یہ بھی تحریم یا تنہی کرنا بہت ہوتی تو آپ ان کے عرض کرنے پر اپنے حکم کو نہ بدلتے اور دوسروں کو تین دن تک کی اجازت نہ دیتے۔ بہر حال اس کو تحریم یا کرہت کی نفی سمجھنا اور ایک دن میں پورا قرآن ختم کرنے کو مطلق محصیت یا امر قبیح قرار دینا صحیح نہیں بلکہ ایک قسم کا غلو ہے۔

اس سلسلہ میں ایک بات یہ بھی قابلِ ملاحظہ ہو کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی مذکورہ بالا روایت (نیز اس مضمون کی دوسری روایات) کا قلعی سرت قیام میل یعنی تہجد میں قرآن مجید ختم کرنے سے ہی صحابہ کرام تہجد ہی میں قرآن مجید زیادہ پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ وغیرہ جن حضرات کے متعلق اس کا ذکر آتا ہے کہ وہ روزانہ پورا قرآن ختم کیا کرتے تھے تو ان کا معمول رات کے نوافل ہی میں ختم کرنے کا تھا، حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی جو روایت ادبِ نقل کی گئی ہو اس کے الفاظ سے بھی یہ ظاہر ہے اور امام بخاری نے عبداللہ بن عمروؓ کی اس حدیث کا ”قیام میل“ کے ابواب میں ذکر کر کے گویا اس پر تنبیہ کر دی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ روزانہ رات کے نوافل میں پورا قرآن ختم کرنا اور اس کو بھی متعطل اور دھڑائی معمول بنانا یقیناً بڑا سخت مجاہدہ ہے اور اس میں اہل و عیال کے اور دوسرے اپنے ملنے والوں کے حقوق کے ضائع ہونے کا اور جسمانی صحت پر اثر پڑنے کا قوی خطرہ ہے اس لیے عام حکم اسکا بھی ہو گا کہ لوگوں کو اس سے منع کیا جائے لیکن اگر کبھی کسی ایسا ہو یا سال میں چند دنوں کوئی ایسا کہے (جیسا کہ حضرت قتادہؓ تاہی کے متعلق روایات میں ہے کہ وہ رمضان کے آخری عشرہ میں روزانہ رات کو ایک قرآن ختم کرتے تھے) یا کوئی لشکر کا بندہ اپنا معمول ایسا مقرر کرے کہ مثلاً دو تین منزلیں تہجد میں پڑھ لیا کرے اور باقی چند گھنٹہ دن میں تلاوت کر کے پورا قرآن ختم کر لیا کرے اور اس شخص کے حالات ایسے ہوں کہ اس طرز عمل کی وجہ سے دوسرے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کوئی خلل نہ پڑے تو ایسے شخص کے اس طرز عمل کو خلاف شرع یا خلاف منشا نبویؐ قرار دینا یقیناً غلط ہوگا۔

ہاں اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی العاص ہی کی ایک اور روایت بھی قابلِ ذکر ہے، یہ

روایت ترمذی اور ابوداؤد میں ہے اور اس کے الفاظ صرف اتنے ہیں :-

”حافظ بن عمرؓ ای حدیث کہ میں نے نبیؐ سے فرماتے ہیں ”وَأَغْرَبُ بَعْضِ الظَّاهِرِ فَقَالَ يُمُحَنِ الْقُرْآنَ فِي مِثْلِ مِثْلَةٍ وَقَالَ الْوَدِيُّ أَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ عَلَى أَنَّهُ لَا تَقْدِيرَ فِي ذَلِكَ وَانَّمَا هُوَ بِحَسَبِ إِنْشَاطِ وَالْقُوَّةِ فَغَلِي بُدَا بِخِلَافِ الْخِلَافِ الْأَحْوَالِ وَالْأَشْخَاصِ۔“ فتح الباری جز ۲ ص ۲۲

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لم یفقد من قرء القرآن فی اقل من ثلاث۔
عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص
نے تین دن سے کم میں قرآن ختم کیا اس نے
سمجھ کر نہیں پڑھا۔ (ترمذی ص ۳۱۱)

اس کے متعلق پہلی بات تو یہی ہے کہ اس کا تعلق بھی صرف قیام لیل سے ہے اس کا ایک قرینہ تو یہی ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا عام دستور تہجد ہی میں زیادہ قرآن پڑھنے کا تھا اور دوسرا قرینہ بلکہ دوسری دلیل یہ ہے کہ ”فقہ قرآن“ سے مراد اگر اس کے دقائق اور معارف کا سمجھنا ہو تو وہ تو مہینوں بلکہ سالوں میں بھی مکمل ہے، اور اگر اس کے ظاہر معنی کا فہم حاصل کیا جائے (جیسا کہ ظاہر اور قیاس پر ہے اور جیسا کہ شارحین نے سمجھا ہے) تو قرآن کی زبان اور اس کے اسلوب بیان کا ہر جانتے والا یقیناً ایک دن میں تہائی قرآن سے بہت زیادہ بلکہ بہت سے اللہ کے بندے پورا قرآن اس کے سادہ معنی کے فہم کیا تھ ختم کر سکتے ہیں۔ یہ عاجز ایسے بہت سے حضرات کو جانتا ہے جو قرآن پاک کے ظاہر معنی کے فہم کے ساتھ پورا قرآن مجید ایک دن میں آسانی سے ختم کر سکتے ہیں اور کر لیتے ہیں۔ اس لیے اس حدیث کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ جو شخص تہجد میں تہائی قرآن سے زیادہ پڑھے وہ سمجھ کر نہیں پڑھے گا اور بیشک عام حال یہی ہے۔

دوسری بات اس حدیث کے بارہ میں یہ قابلِ ملاحظہ ہے کہ اس میں قرآن کے سمجھنے کی نفی کی گئی ہے ثواب کی اور مقبولیت کی نفی نہیں کی گئی ہے۔ پس اگر کوئی شخص تہجد میں بھی تہائی قرآن سے زیادہ پڑھے اور بلا سمجھ پڑھے (خواہ وہ عالم ہو یا غیر عالم) تو آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اس نے سمجھ کر نہیں پڑھا اور اس لیے فہم قرآن کی فضیلت وہ حاصل نہیں کر سکا، لیکن آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے کوئی اچھا کام نہیں کیا یا وہ اجر و ثواب اور قبول عند اللہ کا مستحق نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص اس کو منتقل معمول بناتا ہے اور اس کی وجہ سے اس سے متعلق دوسرے حقوق اللہ یا حقوق العباد میں خلل پڑتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا یہ طرز عمل شریعت کی نگاہ میں صحیح نہ ہوگا لیکن اس میں تہائی قرآن سے کم یا بیش کی کوئی خصوصیت نہیں، اگر بالفرض کوئی شخص تہجد

۱۔ شاہ ابن قیم زاد المعاد میں۔ عبد الرحمن بن ابی ملی سے نقل ہیں دخلت علی امرأة فقرأت سورة ہود فقال لہ

یا عبد الرحمن لکذا القراءۃ ہود اللہ فی ما عندہ مستتہ اشھد ما فرغت من قرائتہا (زاد المعاد بہاش زرقانی ص ۳۱۱) میں

سورہ ہود کی تلاوت کر رہا تھا کہ اللہ کی ایک نئی اور اس نے کہا عبد الرحمن تم سورہ ہود کو اس طرح پڑھتے ہو، حسدا

کی قسم میں کچھ مینے یہ سورہ ہود پڑھ رہی ہوں اور بھی ختم نہیں کر رہی ہوں۔ ”تو فقہ قرآن کا ایک وجہ یہ بھی ہو کہ جو شخص نیسے یہ سورہ ہود ختم ہو۔“

میں روزانہ صرف ایک ہی منزل پڑھنے کا اپنا معمول مقرر کرتا ہے اور اس کے خاص حالات ایسے ہیں کہ اس معمول کی وجہ سے اس کے متعلقہ فرائض اور حقوق پراثر پڑتا ہے تو اس کو کہا جائے گا کہ وہ اس معمول میں بھی تخفیف کرے اور اس کے لیے یہ تخفیف کرنا ہی افضل ہو گا۔

یہاں تک تو مسئلہ کی تحقیق اور اس سے متعلقہ احادیث کی مختصر تشریح ہوئی، اب میں یہ اور عرض کرنا چاہوں گا کہ میں نے اپنی تقریر میں جن بزرگ کے متعلق یہ ذکر کیا تھا کہ وہ رمضان مبارک میں دوسرے اذکار و تسبیحات کے علاوہ ۲ سے زیادہ قرآن ختم کر لیتے ہیں ان بزرگ کا معمول یہ ہے کہ وہ رمضان مبارک میں روزانہ دس دفعہ تین سو اتین پارے (چند دفعہ دن رات کی فصل نمازوں میں اور چند دفعہ نمازوں سے باہر، غرض کل تین سو اتین پارے) اور دس دفعہ پڑھتے ہیں اور اس طرح رمضان کے مہینے کے ختم کے ساتھ قرآن مجید کے اُن کے ۳۷ سے زیادہ ختم پورے ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ طرز عمل کسی طرح بھی کسی حدیث کے خلاف نہیں پڑتا۔

یہی بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز عمل نہ تھا، بلاشبہ یہ صحیح ہو۔ لیکن یہ سمجھنا بری سطحی دیکھ کی غلطی ہے کہ اس قسم کے اعمال کے صحیح اور مقبول ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ بالکل وہی عمل اسی صورت اور اسی مقدار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی رہا ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:-

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیدع العمل	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض عمل کرنا
دھو یحب ان یعمل بہ	چاہتے تھے (اور آپ کو وہ عمل پسند ہوتے
خشیتہ ان یعمل بہ	تھے لیکن اس پسند اور چاہت کے باوجود
الناس فیغرض علیہم	آپ اس عمل کو صرف اس خطرے سے بچھڑ دیتے
(صحیح الفوائد)	تھے کہ مبادا لوگ بھی اس کو کریں اور پھر وہ
	ان پر فرض کر دیا جائے۔

پس ہو سکتا ہے کہ کوئی عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب ہو اور آپ نے نہ کو یہ حدیث صحت کی وجہ سے اس کو اپنا معمول نہ بنایا ہو۔

اور مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پشاپ سے فارغ ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وضو کے لیے پانی پیش کیا تو آپ نے فرمایا:-

ما امرت کلما بليت	مجھے اس کا حکم نہیں ہے کہ جب جب پشاپ
ان ۱ تنوضاً و لو فعلت	کردوں تو ضرور اسی وقت وضو کر دوں اور اگر

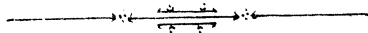
لکھت سنہ

جمعہ الفاضل

میں ایسا کروں گا تو مسئلہ ہو جائے گا یعنی پھر لوگوں کو اسکی پیروی کرنی پڑے گی۔

حالات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نصیحت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض سوتھوں پر بیان فرمائی اور اس کی ترغیب دی ہے لیکن خود اپنے لیے بھی اس کے خلاف نہ بھی کیا تاکہ وہ سنت پر ان جہات اور عوام شقت میں نہ پڑیں۔ لیکن جن صاحبکین امت کا یہ طرز عمل ہے کہ وہ ہر دم و نحو کی حالت میں اپنا چاہتے ہیں ان کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ سنت نبوی کے خلاف عمل کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ کتنی بڑی غلطی ہوگی۔

بہر کیف اگر اللہ کا کوئی بندہ اتنے نوافل پڑھا ہی، یا ذکر و تسبیح یا تلاوہ قرآن میں اتنا مشغول رہتا ہو جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول نہ تھا تو صرف اس وجہ سے اس کے عمل کو غلط بلکہ خلاف سنت بھی نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں ہمارے لیے اس کا یقین رکھنا ضروری ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کاموں میں شب و روز مشغول رہتے تھے، مثلاً تعلیم، تربیت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اسلام، کلمۃ الحق کی جلد دہش، اور امت کے ہر طبقہ کے لیے عملی نمونے قائم کرنا، یہ سب چیزیں ہمارے نوافل اور ذکر و تلاوت سے افضل ہیں خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تو یہ جیسے سترین فرائض کے درجہ میں تھیں۔ پس ہر حال میں فضیلت تو آپ ہی کے عمل میں ہے اور آج بھی جو اس قسم کی ذمہ داریاں رکھنے والے ہیں ان کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل ہی سوا سہ سہ ہے لیکن رمضان مبارک میں خود آپ کے مشاغل میں بھی اس کا خاصہ جو فرق آجاتا تھا اس کو بھی ہمیں پیش نظر رکھنا چاہیے۔ نیز یہ سمجھنا چاہیے کہ دن میں یہ سارے کام کرنے کے ساتھ ساتھ رات کو آپ اللہ کے حضور میں اتنی اتنی دیکھ کر ہوتے کہ پاؤں پر درم آجاتا تھا۔



(بقیہ صفحہ ۵۶) سلمان جو اپنی خدائی سے دست بردار ہو کر جو خدا کی بندگی کا برا بھلا توہراتا کرتا ہے اس کے لیے اس کے ساتھ تو کئی دوزخی یا بھلی و قدری رازق کا معاملہ خصوصاً کئی ”بندہ پروری“ کے مصالحوں پر ہی بنی ہوتا ہو گا۔ گزشتہ مہینہ اقبال اشرف کے نام سے حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کے مخطوطات کا ایک بہت مختصر کتابچہ ناشر کی عنایت سے موصول ہوا جس میں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی تفسیر سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ

”بہت سے سلمان ایسے ہیں کہ انکا ایمان افلاس ہی سے باقی ہوا اللہ تعالیٰ ان کو غنی کر دیتا تو اس قدر طبعانی اختیار

کریں کہ کفر تک پہنچ جائیں اور بہت سے ایسے ہیں کہ انکا ایمان ان کے غنا (دوستخانی) کی وجہ سے محفوظ ہوا ان

پر افلاس آجائے تو کفر و کاحادیں مبتلا ہو جائیں۔“ بس ”خواجہ خود روش بندہ پروری داند“ (باقی)

حجاج منزل جدہ

اور اُس کی جامع مسجد

اگر گذشتہ سال حق تعالیٰ نے جب حرمین شریفین کی حاضری کی توفیق دی توجہ میں چار دفعہ کچھ کم و بیش ایک ایک دن حجاج منزل میں قیام ہوا اور اس لیے حجاج منزل کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھنے اور محسوس کرنے کا زیادہ موقع ملا۔ آخری دفعہ میں نے ادارہ حجاج منزل کے صدر مولانا محمد سلیم صاحب سے اور ان کے چھوٹے بھائی حجاج منزل کے منظم حکیم محمد نعیم صاحب سے اس بارہ میں ایک گفتگو کی اور اس میں عرض کیا کہ پوری حجاج منزل کا کام تو بہت بڑا ہے اور اگر بیسویں برس میں بھی تیار ہو سکے تو بہت جلد ہی تیار ہو گی اور اب صورت یہ ہو کہ آئندہ دس بارہ برس تک حج سخت گرجا ہی کے موسم میں لے گا اور حجاج کو ان سالوں ہی میں حجاج منزل میں سرچھاپے کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہو گی اس لیے میری رائے ہے کہ پہلے اس حجاج منزل کی مجوزہ جامع مسجد اور اس کے ساتھ غسل خانے اور پاخانے اور سیڑھیوں سے متعلق چند خاص کمرے بنانے کا منصوبہ بنائیں اور اس کے مصارف کا تخمینہ کر کے اور اس کو شاغ کر کے اس کے لیے ہندستان و پاکستان کے مسلمانوں سے اعانت کی اپیل کریں اور کوششوں کی رفتار کو تیز کر دیں، اگر سال دو سال میں یہ کام ہو گیا تو اتنے ہی اللہ و رسول کے مہمانوں کو بہت کچھ آسائش مل سکے گی۔

ناظرین کو یاد ہو گا اس سفرے دہلی پر الفرقان میں بھی میں نے اپنی اس گفتگو کا ذکر کیا تھا اس کے بعد مولانا محمد سلیم صاحب کو میں نے اس کی یاد دلائی اور تقاضے کے لیے خط بھی لکھا موصون نے میرے اس خط کے جواب میں ”حجاج جامع مسجد حجاج منزل“ کا تخمینہ اور اپیل بھیجی ہے جو

کسی قدر اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کی جا رہی ہے اس کے ساتھ چند اکابر کی اپیلیں بھی ہیں۔
ادریہ عاجز (مدیر الفرقان) ایک عظیم کاخیر سمجھ کر اس اپیل کو الفرقان میں شائع کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ
اپنے بندوں کو توفیق دے کہ اس سعادت میں حصہ لیں۔

جو حضرات جامع مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں لوہا، لکڑی، حبیا، تعمیری سامان بھیجا چاہیں وہ
اس کے متعلق مولانا محمد سلیم صاحب سے مکاتبت کریں۔ نقد روپیہ اپنے خاص مقصد حجاج کے ذریعہ
بھی بھیجا جاسکتا ہے جس کی ان کو وہاں سے رسید ملے گی اور براہ راست ڈاک کے ذریعہ رقم بھیجنے
کی صورتیں بھی ہیں جن کے تفصیلی قواعد بڑے ڈاکخانوں سے معلوم کیے جاسکتے ہیں۔

(مدیر)

(از ادارہ حجاج منزل جده)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حجاج منزل جده کی تحریک کسی خاص ثقافت کی محتاج نہیں۔ چار سال سے ہندوستان کے
ہزاروں حجاج کرام اس کی عارضی قیام گاہوں میں قیام کر چکے ہیں اور حجاج منزل کی مسجد ان مقبول بندوں کی
تخلیل و کبیر اور ذکر و عبادت سے آباد ہو چکی ہے۔ ہمیشہ سے حجاج ہندوستان کے لیے جده کا قیام ایک مصیبت
تھی۔ اس لیے حجاج منزل کی تحریک معرض وجود میں آئی۔ اور اس مقصد خیر کے لیے جلالتہ الملک عبدالعزیز آل
سعود نے اپنے مراسم شام سے چوتھہ ہزار مٹر مرلج کا وسیع رقبہ نئی گودی اور شہر کے قریب عطا فرمایا جس کے بعد
۱۳۶۶ھ سے عام طور پر حجاج کرام نے اس زمین سے فائدہ اٹھانا شروع کیا۔

حجاج منزل کی تعمیر اور اس کی مختلف عمارتوں کی تیاری کا وسیع کام کارکنان منزل کے پیش نظر ہے۔
مگر آغاز تعمیر خدا کے ہمت سے ہو تو یقیناً باعث خیر و برکت ہو گا۔ جامع مسجد حجاج منزل کی بجائے خود ایک متقل صدقہ
جاریہ ہے۔ اس مختصر اپیل کے ذریعہ ایسی دینی ضرورت کو آپ کے سامنے رکھنا ہے جن خوش نصیب بندوں کو اللہ تعالیٰ
نے اپنے فضل و کرم سے قدرت و استطاعت کے ساتھ توفیق خیر کی نعمت عطا فرمائی ہے وہ ہمیشہ ایسے مواقع خیر
کے متلاشی رہتے ہیں۔

”جامع مسجد حجاج منزل“ کی تعمیر میں شرکت اُن عالی ہمت مقبول بندوں کا حق ہو جو اس کی
لازوال رحمت کے امیدوار ہیں۔

اللہ کی مسجدیں وہی آباد کیا کرتا ہے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھے، نماز پڑھتا
اور زکوٰۃ دیتا ہو اور خدا کے سوا کسی سے ڈرتا بھی نہ ہو۔ (قرآن مجید)

اسی یقین پر میں آپ کو شرکت کی دعوت دے کر اجر و ثواب عظیم کا مستحق بنانا چاہتا ہوں۔
 ”جامع مسجد حجاج منزل“ کی تعمیر کا سوال بار بار آپ کے سامنے آنے والا نہیں، رب العالمین کی ضمانتی
 اور خوشنوی کی راہ میں دینے والوں کے لیے یہ خاص موقع ہے۔

کیا آپ اس عظیم کار خیر کے لیے اپنی فرض شناسی کو ہاتھ بڑھانے کی اجازت دیں گے۔ یہ کیا
 آپ اللہ کے اس گھر کی تعمیر میں حصہ لیں گے؟ خدا داد و توفیق اگر شامل حال ہے تو لائیے اور جو کچھ ہو سکے
 ”جامع منزل جلدہ“ کی جامع مسجد کے لیے جمع کیجئے، تاکہ آپ کا عطیہ خدا کے سامنے رکھ دیا جائے۔

خاکسار

والسلام

محمد سلیم عفی عنہ

صدر ادارہ حجاج منزل، جلدہ

(مسجد حجاج منزل کا ابتدائی تخمینہ)

- ۱۔ مسجد کے اندرونی تمام حصوں وغیرہ کی لاگت،
 - ۲۔ صحن، برآمدوں اور گلیروں وغیرہ کی لاگت،
 - ۳۔ بڑے چھوٹے گبندوں بچت اور مناروں کی لاگت،
 - ۴۔ بیت الخلا، حوض، فٹ پاتھ اور بیرونی احاطہ مسجد وغیرہ کی لاگت،
 - ۵۔ لکڑی کا تمام کام۔ (دروازے، کھڑکیاں وغیرہ) م
 زمین کی بھرائی۔ جائے نمازیں، بجلی کی فٹنگ
 آب رسانی وغیرہ کے مصارف،
- کل میزان ۴۷۵۰۰۰ ریال

نوٹ :- (۱) مسجد میں تین ہزار سے زیادہ بیک وقت نمازیوں کی گنجائش ہوگی، اور بیرونی احاطہ
 تک مزید ڈیڑھ ہزار نمازی شریک ہو سکیں گے۔

(۲) مصارف تعمیر ریالات میں رکھے گئے ہیں۔ اس لیے کہ ریال اس ملک کا سکہ ہو۔ اس جمل سورہ پیہ
 ہندی کا اوسط نرخ ۶۵ ریال ہے جس کے حساب سے ایک ہزار روپیہ ہندی کے ۶۵۰ ریال ہوتے ہیں۔

چند اہم آراء کے ضروری اقتباسات

(۱) حجاج منزل کے وسط میں مسجد کا وسیع شامیانہ بنا ہوا ہو جس میں پانچ وقت ڈیڑھ ہزار کی عمت ہوتی ہے، ہندوستانی دپاکت فی علما، اس یکجائی اجتماع کو مواعظ و نصائح سے مستفیع فرماتے رہتے ہیں۔ یہ صورت جب مستقل صورت اختیار کر لے گی اور مسجد مجوزہ کے طولانی منارے اور گبن میلوں دور سے ہزار میں نظر آ کر یہ گئے تو قلوب کس درجہ فرست و طمانیت سے بسر فرماتا ہو جائے گا کریں گے،
(۶۶ نومبر ۱۹۴۷ء) مولانا محمد طیب صاحب م دارالعلوم دیوبند

(۲) وسط میں ایک وسیع شامیانہ کے نیچے نماز پڑھنے کی جگہ ہے اور ہزاروں حاجیوں کے لیے جو میدانوں اور سڑکوں کے کنارے دن رات بسر کرتے تھے ایک گونہ آرام کی جگہ بن گیا ہو گا۔
(۶۷ دسمبر ۱۹۴۷ء) خان بہادر سید احمد حسین صاحب ضوی رئیس کھنؤ

(۳) اس وسیع قطعہ آراضی پر جو تعمیر کا نقشہ آفس میں آویزاں ہے اس کے بغیر معائنہ کے بعد حرمین شریفین کے ہر زاوے کو اس عظیم الشان نقشہ کے مطابق حجاج منزل و جامع مسجد کی جگہ سے جلد تعمیر کی تکمیل پر عملی توجہ کرنا چاہیے۔
(۱۳ اکتوبر ۱۹۴۹ء) شفا الملک حکیم نثار احمد صاحب، کلکتہ

(۴) منزل کے وسط میں ایک مسجد بنائی گئی ہے، جو بہت کشادہ اور ہوادار ہے، مگر افسوس ہے کہ قلیل سرمایہ کی وجہ سے ابھی تک وہ صرف کھڑکی کے ستونوں پر ایسا کشادہ اور چٹائیوں سے مسقف ہے، پانچوں وقت جب کہ عظمت و جبروت والے شہنشاہ حقیقی کے بلاوے پر مؤذن حجاج کو بلاتے ہیں تو کثیر القعداد حجاج کی لمبی لمبی صفیں بندھ جاتی ہیں، اللہ اللہ ایک بہت ہی پرکھت نظارہ ہوتا ہے۔
(۱۱ نومبر ۱۹۴۹ء) خان صاحب حاجی محمد رب نواز صاحب
رئیس ڈیرہ غازی خاں

(۵) وسط میں حجاج کی باجماعت نماز کی ادائیگی کے لیے عارضی طور پر ایک بڑا حصہ مسقف کر دیا گیا ہے،

تاکہ بارش اور دھوپ سے بچتے ہوئے تقریباً ڈیڑھ دو ہزار حجاج دزائین نماز ادا کر سکیں مختلف اوقات میں دینی اجتماعات بھی یہاں شائدہ میں آئے، کیا اچھا ہو کہ ہندوستان و پاکستان کے غیر حضرات اس حجاج منزل کی کچی بار کوں کو جلد از جلد نچتہ کمروں کی شکل میں تبدیل کرنے کی جدوجہد فرمائے تاکہ اس کی مسجد کو مستحکم اور نچتہ بنا کر ثواب عظیم حاصل فرمائیں اور اس کی تعمیر میں حصہ لے کر دارین کی سعادت حاصل کریں۔

(۱۲ اکتوبر سنہ ۱۳۸۵ھ)

احاج مولینا مفتی محمد یونس صاحب

خطیب جامع مسجد وعید گاہ - لائل پور

(۶) احمق عبدالقادر رائے پوری عرض کرتا ہے کہ اس سے پہلے دو دفعہ بیت اللہ شریف کی حاضری ہوئی۔ دینی ان دونوں مرتبہ جدہ میں تکلیف دہی اس دفعہ حجاج منزل میں رہ کر بہت راحت اٹھائی۔ اس کی ضرورت ہو کہ مسلمان اپنی تکمیل کی طرف توجہ کریں۔ کیوں کہ اس سے ہندوستان اور پاکستان کے آنے والے حجاج کو بہت آرام ملنے کی قوی امین ہے، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جلد سے جلد اس کو پورا کرادے۔

(۱۲ نومبر سنہ ۱۳۸۵ھ)

حضرت مولینا شاہ عبدالقادر صاحب

(رائے پور ضلع سہارن پور)

(۷) جس شخص کو حجاز کی مقدس سرزمین پر حاضری کا ایک بار بھی شرف حاصل ہوا ہو وہ ان تکالیف اور زحمتوں سے خوب واقف ہو جو جدہ میں حجاج کو پیش آتی ہیں۔ غالباً حج کا مشکل ترین مرحلہ اور سب سے بڑا امتحان ”باب مکہ“ اور ساحل جدہ ہی پر پیش آتا ہے، ”حجاج منزل“ کی تعمیر ہندی اور پاکستانی حجاج کی اہم ترین ضرورت تھی۔ ”مدرسہ صلوئیہ“ کا وجود مکہ معظمہ میں حجاج کے حق میں ایک آریہ رحمت ہے، اور اب حجاج منزل جدہ کا وجود جدہ میں ان کے لیے ایک بے بدل نعمت ہو، اگر حجاج کو اپنی ضرورتوں کا صحیح احساس اور بعد میں آنے والوں کے ساتھ کچھ بھی ہمدردی ہے تو وہ حجاج منزل کی تکمیل کے لیے پوری کوشش کریں گے، اور جلد سے جلد اس کو اس قابل بنادیں گے کہ وہ بیک وقت ہزاروں حجاج کے لیے فروگاہ اور مرکز بن سکے۔ خدا کرے آئندہ سال اس میں معتد بہ اضافہ اور ترقی نظر آئے۔

(۱۲ محرم سنہ ۱۳۸۵ھ)

احاج مولینا ابوالحسن علی صاحب ندوی

(لکھنؤ)

۲ نومبر سنہ ۱۳۸۵ھ

استدراک

محمد منظور نعمانی

الفرقان کی گزشتہ سے پیوستہ اشاعت میں یعنی رجب کے شمارہ میں زیر عنوان ”ڈیڑھ مہینہ پاکستان میں“ اس عاجز نے اپنے سفر پاکستان کے جتنے جتن کچھ واقعات لکھے تھے یہ کوئی تفصیلی روزنامہ یا سفرنامہ نہیں تھا بلکہ جن واقعات یا جن تاثرات کو کسی حیثیت سے میں نے قابل ذکر سمجھا صرف وہی اس میں ذکر کیے تھے۔ اس سلسلہ میں اتفاق سے لاہور کے چند بزرگوں اور دوستوں سے ملاقات کا بھی ذکر کیا تھا اور لاہور کے علاوہ جہاں جہاں جانا ہوا وہاں کے بزرگوں اور دوستوں سے ملاقات کا کوئی مستقل تذکرہ نہیں کیا گیا تھا۔ اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ دوسرے مقامات پر اپنے بزرگوں اور دوستوں سے جو ملاقاتیں ہوئیں چونکہ ان کے لیے مجھے کوئی خاص اہتمام نہیں کرنا پڑا اور اکثر وہ بیشتر دوسرے کاموں کے ضمن ہی میں یہ ملاقاتیں میسر آ گئیں اس لیے واقعات سفر کی ابتدائی یادداشت میں ان ملاقاتوں کا کوئی تذکرہ درج نہیں ہوا لیکن لاہور میں مجھے ان ملاقاتوں کے لیے خاص اہتمام کرنا پڑا اس لیے یادداشت میں ان کا ذکر آگیا اور پھر اس یادداشت ہی کو سامنے رکھ کر میں نے وہ مضمون مرتب کیا جو رجبے الفرقان میں شائع ہوا تھا۔ بہر حال دوسرے مقامات کے بزرگوں اور دوستوں سے ملاقات کا کوئی ذکر ہی مجھے جبر سے اس مضمون میں نہیں آیا۔ لیکن الفرقان کے بعض ناظرین نے اس سے یہ سمجھا کہ جن حضرات کی ملاقات کا ذکر اس میں کیا گیا ہو ان کے علاوہ کئی اور قابل ذکر بزرگ سے شاید اس سفر میں مل ہی نہیں سکا اور پھر انھوں نے اس کو ایک عجیب اور غیر متوقع بات سمجھ کر مجھ سے دریافت کیا ہے کہ فلاں فلاں جگہ فلاں فلاں حضرات سے کیوں ملاقات نہیں ہو سکی اور وہ خیریت سے تو ہیں۔“

اپنے ایک مخدوم بزرگ کے توجہ دلانے سے مجھے اس کا احساس ہوا کہ جو لوگ مولانا احتشام الحق صاحب سے شخصی طور پر واقف نہیں ہیں ان کو میرے ان الفاظ سے شبہ ہو سکتا ہے کہ مولانا موصوف شاید کچھ تجدد پسند قسم کے واقع ہوئے ہیں اور وہ اپنے دارالعلوم کے طلبہ کو کاجوں اور یونیورسٹیوں کے اسٹوڈنٹس کا نمونہ بنانے اور ان کے نقش قدم پر چلانے کا شوق یا ارادہ رکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر توجہ نہ دلائی جاتی تو شاید کبھی بھی مجھے اس کا شعور نہ ہوتا کہ میرے ان الفاظ سے کسی کو یہ شبہ بھی ہو سکتا ہو لیکن اب مجھے اس کا اعتراف ہے کہ جو لوگ مولانا کی شخصیت سے کیسے واقف ہیں ان کو میرے ان لفظوں سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ بہر حال اگر کسی صاحب کو ایسا خیال ہوا ہو تو وہ اس کی تصحیح فرمائیں، واقعہ یہ ہے کہ مولانا موصوف ان سطور کے راقم سے بھی غالباً کئی درجہ زیادہ تجدد پسند ہی سے دور ہیں، ان کا حال تو یہ ہے کہ لباس تک میں اپنے اکابر کی وضع اور طرز کے شدت سے پابند ہیں، اونچی سے اونچی مجالس میں ہمارے پرانے بزرگوں کی طرح صرف کرتا پہن کر اور مجلس میں یا کاندھے پر بڑا سا دمال رکھ کر شریک ہوتے ہیں اور اس لیے قدرتی طور پر وہ اپنے دارالعلوم کے طلبہ کے لیے بھی (بلکہ سب ہی مسلمانوں کے لیے) اپنے بزرگوں کے طرز زندگی ہی کو بہت سہمے سمجھتے ہیں۔

اس عاجزانے اپنے تذکرہ سفر کی مغتولہ بالا سطروں میں جو کچھ عرض کیا تھا اس سے میرا اشارہ طلبہ کی صرف رہائش اور خورد و نوش کے اُن اونچے انتظامات کی طرف تھا جو مولانا موصوف کے ذریعہ تجویز ہیں۔ مولانا کا نقطہ نظر اس بارہ میں مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ طلبہ کی رہائش اور خورد و نوش کا معیار اونچا ہونے سے اُن کو طلبہ کی سیرت اور ان کے عزام میں بلندی پیدا ہونے کی توقع ہے۔ لیکن اس عاجز کو ہندوستان کی بعض مشہور دینی درسگاہوں میں اس تجربہ کے نتائج دیکھنے کے بعد اس بارہ میں اطمینان نہیں، بلکہ دوسرا خدشہ ہے، بہر حال ان سطروں سے میرا مطلب صرف اتنا ہی تھا۔

شمیم جانفزا

(از محمد صدیقی کھنڈی)

بھینی بھینی پتھر شمیم جاں فزا آنے لگی
ٹھنڈی ٹھنڈی پھر دینے کی ہوا آنے لگی
اضطرابِ دل کا سماں پھر جہم ہونے لگا
مژدہ لطفِ دکر مے کر صبا آنے لگی
پھر سکونِ دل نے کڑوا لیا کہ تڑپا نے لگا
دل سے پھر بے ساختہ لب تک دعا آنے لگی
میں نے چھیر انغمہ نعت اور ادھر ہر سمت سے
جیسے کانوں میں صدائے مرجبا آنے لگی
رفتہ رفتہ سب مناظر ہو گئے پیشِ منظر
دل میں رہ رہ کر حرم کی یاد کیا آنے لگی
قابلِ نظارہ ہے کجے کے پردے کی ہر سار
ہر طرف سے جھومتی کالی گھٹا آنے لگی
پھر گریبا نظروں میں میدانِ احد کا لالہ زار
بن کے نکمت یاد گلزارِ قبا آنے لگی
جتنا اہلِ مدینہ میں سراپا گوش ہوں
مرجبا اہلِ دہلا و سہلا کی صدا آنے لگی

کیوں نہ ہوا اپنا شام جاں معطر
بارغِ طیبہ سے نسیمِ دل کشا آنے لگی

جگر پارے

(حضرت جگر مراد آبادی)

جب تک کہ غمِ انساں سے جگرِ انسان کا دل معمور نہیں
 جنت ہی سہی دنیا لیکن جنت سے جہنم دور نہیں
 جز ذوقِ طلب، جز شوقِ سفر، کچھ اور مجھے منظور نہیں
 اے عشقِ بنّا اب کیا ہوگا کہتے ہیں کہ منزل دور نہیں
 واعظ کا ہر اک ارشاد سجا، تقریر بہت دلچسپ مگر
 آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں، چہرے پتھیں کا نور نہیں
 اس نفع و ضرر کی دنیا سے، میں نے یہ لیا ہے درسِ جنوں
 خود اپنا زیاں تسلیم کر، اوروں کا زیاں منظور نہیں
 میں زخم بھی کھاتا جا تا ہوں، قاتل سے بھی کتا جا تا ہوں
 تو بہن ہے دست و بازو کی، وہ دار کہ جو بھر پور نہیں
 اربابِ تم کی خدمت میں اتنی ہی گزارش ہے میری
 دنیا سے قیامت دُور سہی، دنیا کی قیامت دور نہیں

انتخاب

۲۰ ————— ۱۵۱۰ھ

بعض اہم تاریخی حقیقتیں | عام اندازے کے مطابق روس میں ٹھکانی کروڑ مسلمان آباد ہیں مسلمانوں کی اکثریت وسطی ایشیا اور کوہ قاف کی جمہوریتوں میں بستی ہے۔ یہ تعداد کسی واحد ملک میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہونے کے علاوہ سوڈین یونین کے اندر ایک مضبوط اور بہت بڑے مذہبی ہلاک کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس کے باوجود سوڈین یونین میں مسلمانوں کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جاتا جس کے وہ مستحق ہیں مسلمانوں کے ساتھ سوڈین یونین کا یہ رویہ سوڈین یونین کے اس نظریہ کا نتیجہ ہے جس کے مطابق مذہب اشتراکیت کا دشمن ہے اور اسی لئے اسے روسی حدود میں کوئی جگہ نہیں مل سکتی موقع بہت روسی سیاست دان مسلمانوں کی اہمیت صرف اس وقت محسوس کرتے ہیں جب کہ وہ مشرق وسطیٰ اور مشرق قریب کے اسلامی ملکوں کی آنکھوں میں دھول بھونکنے کی کوشش کرتے ہیں اور مقاصد کے حصول کے بعد اسلام کے اثر و نفوذ کو ختم کرنے کے لئے ہر قسم کے متعطل طے استعمال کرنے لگتے ہیں اس وقت انھیں مسلمانوں کی اہمیت اور ان کی سیاسی طاقت کا کوئی خیال نہیں آتا۔

۱۹۲۹ء کے مشہور مقدمہ تاشقند سے پہلے مسلمانوں کے متعلق حکومت سوڈین یونین کی پالیسی انتہائی عمت اما تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ کوہ قاف اور وسطی ایشیا کے علاقوں میں اشتراکیت نے پوری طرح ہاتھ پاؤں نہیں پھیلانے تھے اس کی جڑیں مضبوط نہیں ہوئی تھیں۔ یہ علاقے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے سوڈین یونین میں اسلام کے مضبوط مراکز ہیں۔ مقدمہ تاشقند کے کچھ عرصہ بعد روس کو مجلس اقوام میں شامل کر لیا گیا کہ بننے کے کچھ عرصے بعد ملک روس نے مذہب کے خلاف مہم نرم کر دی تھی اس کا مقصد مذہب دنیا کو یہ یاد کرانا تھا کہ روس اب مذہب کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرے گا۔ لوگوں کو ان کی مرضی کے مطابق عبادت کرنے یا آزادی حاصل ہو گئی ہے لیکن یہ اسے با آواز و کھاک شدہ

کچھ عرصہ بعد روسی ارباب اختیار بھراپنے اصلی رنگ و پ میں جلوہ گر ہو گئے اور نام نہاد مسلمان جمہوریتوں میں مسلمانوں

برعمرہ حیات تنگ کیا جانے لگا، اگر دوسری جنگ عظیم نہ چھڑ جاتی تو مسلمانوں کے آلام و مصائب کا بھی خاتمہ نہ ہو سکتا تھا۔ نازیوں کا مقابلہ کرنے اور جنگ جیتنے کے لئے حکومت روس کو مسلمانوں کی سرگرم امداد کی اشد ضرورت تھی لیکن روسی حکام کی جاری حکمت عملی کے پیش نظر یہ توقع نہ تھی کہ مسلمان جنگ میں روس کی جی کھول کر مدد کریں گے چنانچہ مطلب برامری کے لئے ماسکو کی پالیسی میں نرمی اور لچک پیدا ہو گئی۔ اس نئی حکمت عملی کا مقصد صرف مسلمانوں کو رام کرنا ہی نہ تھا، اس کا ایک بڑا مقصد اتحادی طاقتوں پر یہ ظاہر کرنا بھی تھا کہ روس میں کسی قسم کا مذہبی تشدد نہیں جو اگر مذہبی تشدد ہوتا تو بھلا مسلمان روسی افواج میں کیوں شامل ہوتے اور مسلمان جمہوریتیں سن من دھن سے ماسکو کی خیمہ برداری کیوں کرتیں

جنگ کے دوران میں مسلمانوں کو قرآن کریم اور احادیث شریفہ اور قانون شریعت شائع کرنے کی اجازت دی گئی۔ ان کتب مقدسہ کی اشاعت پر ستمبر ۱۹۴۲ء میں پابندی لگا دی گئی تھی مئی ۱۹۴۳ء میں حکومت نے جہم مسلمانوں کو جبر بھیجنے کے لئے منتخب کیا چند مساجد میں نماز ادا کرنے کی اجازت دے دی گئی اور مسلمانوں کے بعض اہم شہروں میں نئی مساجد تعمیر کی گئیں۔

مابعد جنگ :- یہ حالات زیادہ دیر تک قائم نہیں رہے جنگ میں اتحادیوں کی فتح نے روس کو نشہ اقتدار میں برست کر دیا مسلمانوں کے متعلق ان کی نرم پالیسی میں پھرتی آگئی اور اب حال یہ کہ اسلام کی جگہ اشتراکی نظریات کو مسلمانوں پر زبردستی ٹھونسنا جا رہا ہے قانون شریعت پر رکیک حملے کے جا رہے ہیں، ان بڑے پھر اچھائی جاری ہے اور ان کا منہ اڑایا جا رہا ہے اشتراکی اخبارات و رسائل ان نظریات کی کھلم کھلا توہین کر رہے ہیں جو مسلمانوں کے لئے جان سے زیادہ عزیز ہیں ماسکو کے علمبردار اسلامی قومیت کو بیخ کنی کے لئے کھانڈ کر پھینک دیا گیا ہے اور کدو قات اور وسط ایشیا کی اسلامی جمہوریتوں کی تاریخ کو توڑ مڑ کر پیش کیا گیا ہے اشتراکی جماعت اس نسخہ شدہ تاریخ کو اسلامی معاشرت اور اسلامی نظریات پر ضرب کاری لگانے کے لئے استعمال کر رہی ہے۔ ایسے تمام مسلمان رہنماؤں کا صفایا کیا جا چکا ہے جو اسلامی رسم و رائج میں روسی مداخلت کے خلاف تھے مسجدوں کے دروازے نازیوں پر پھرنے ہو گئے ہیں حج کے لئے مکہ منظرہ جانے کی پھر ممانعت ہو گئی جو قرآن پاک کا رکھنا اس کی تلامذت کرنا جرم قرار دیا گیا ہے اور عید میلاد، عید قربان اور عید الغفر منانے والوں کو حکومت کا باغی سمجھا جاتا ہے۔

تاریخ کی شدھی :- آذربائیجان کی اشتراکی جماعت کی مجلس مرکز پر کے معتمد اول میر فرغ باگرت نے ۱۹۷۱ء جولائی ۱۹۷۱ء کو آذربائیجان کے دارالحکومت باکو کے دانشوروں سے خطاب کرتے ہوئے اپنی تقریر میں انیسویں صدی کی مشہور اسلامی تحریک مریدیت کے خلاف خوب زہر لگایا اور اس کے شارح حضرت شہیل علیہ الرحمۃ پر خوب کج چہرہ اچھائی، اس تحریک کا مقصد ذاختان اور کدو قات کے دوسرے مسلمان لگوں میں ناز روس کے غاصبانہ سامراجی

اقدامات کے خلاف جہد کرنا تھا۔ تاریخ میں اس تحریک اور اس کے رُخ رواں حضرت شکیل کو بڑی اہمیت حاصل ہے چند سال پہلے کی بات ہے کہ روسی مورخین حضرت شکیل کو ایک بہت بڑا دانشور اور ترقی پسند خیال کرتے تھے جس نے سامراجی روس کی نوآبادیاتی استحصالی پندی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ مگر اب جب کہ اسکو کے حکم پر مسلم قومیت کو ختم کیا جا رہا ہے تو یہی حضرت شکیل عثمانی شہنشاہیت کے ابھٹ بن گئے۔ زار روس سے غداری کرنے کا الزام ان کے سر قویپ دیا گیا ہے اور ان کی تحریک کو ایک تخریبی تحریک سے تعبیر کیا جا رہا ہے جس نے روسی ثقافت کی توسیع میں رکاوٹیں پیدا کر کے اسے سخت نقصان پہنچایا۔ کرپلین کے اتحادوں کی طرف سے کوہ قات کے علاقے کی تاریخ میں یہ تعریف نہ صرف حضرت شکیل کو تاریخ اسلام اور ترقیات اسلام میں ان کے جائز مقام سے ہٹانے کے لئے کیا گیا ہے بلکہ اس کا سبب بڑا مقصد اسلام اور مسلمانوں کی خواہشات کی مذمت کرنا ہے۔ جو زار کے عہد میں ترقی پسند روسی ثقافت کی تہذیبی تحریک کی دشمن تھیں اور اپنی ہمہ گیریت کی وجہ سے روسی تہذیب و تمدن کو پھیلنے نہیں دیتی تھیں۔ بالگرد نے تحریک سریدیت کی مذمت کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ یہ تحریک ترکوں کے مابین اتحاد اور دنیا کے دوسرے مسلمانوں کے مابین اتحاد کی داعی قوی ہو چکی ہے۔ (ترجمہ) (مدینہ منجور)

ڈھاکہ ۲۰ جولائی ۱۹۷۱ء مسٹر مفضل چودھری جو اسکو کی بین الاقوامی اقتصادی کانفرنس میں روس کی سیرا شرکت کرنے کے بعد ڈھاکہ واپس آئے ہیں انھوں نے کہا کہ روسی حکومت اپنی پوری توجہ ملک کی صنعتی اور زرعی ترقی پر صرف کرتی ہے جس نے ملک کو ترقی و توسیع کے موجودہ دور تک پہنچا دیا۔ مسٹر چودھری نے کہا کہ روسی حکومت پسماندہ ملکوں کو امداد دینے کی بڑی خواہش رکھتی ہے لیکن وہ یہ بھی چاہتی ہے کہ ان کی امداد قبول کرنے والے ملک روسی نظریات کو بھی قبول کریں۔

روسی مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر چودھری نے کہا کہ صرف ماسکو ہی میں مسلمانوں کی آبادی ساٹھ ہزار کی ہے لیکن شہر میں صرف ایک مسجد ہے جو صرف جمعہ کو کھلتی ہے اور باقی دنوں میں بند رہتی ہے ہم نے نماز جمعہ اسی مسجد میں ادا کی اور وہاں کے مسلمانوں سے تعارف حاصل کیا۔ ہم روس کی مسلمان ملکوں کو دیکھنا چاہتے تھے لیکن آخری وقت پر یہیں مطلع کیا گیا کہ اس بار سے میں انتظامات نہیں کئے جاسکتے ملک کی سیاسی حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے مسٹر چودھری نے کہا کہ روس کی برسرِ اقتدار اشتراکی جماعت اپنے سوکسی دوسری جماعت کا وجود برداشت نہیں کرتی ملک میں کوئی دوسری جماعت موجود نہیں ہے اور کسی شخص کو حکومت پر تنقید کی اجازت نہیں ہے ملک میں پریس کی آزادی مفقود ہے اور خبروں پر سخت سانس عائد ہے۔

مسٹر چودھری نے روس کے نظام تعلیم کی بڑی تعریف کی اور طبی سائنس کا خاص طور پر ذکر کیا۔ آپ نے کہا وہاں تربیت یافتہ ڈاکٹروں اور لیڈی ڈاکٹروں کی افراط ہے لیکن روسی مسلمانوں میں تعلیم یافتہ افراد کی بہت کمی ہے۔ (جی ۱۱)

علم و فضل، دھیان، گیان اور درویشانہ ریاضتوں کے لحاظ سے پرانے ہندو رشیوں کے نقش قدم پر ہیں اور ہندوؤں کے علمی حلقہ میں مرتبہ اجتہاد رکھتے ہیں۔ ۵۰۰ ہجری کے انگریزی روزنامہ لیڈر (الہ آباد) میں بھائے جی کے اس قول کی تائید یہی نہیں بلکہ انتہائی شد و مد سے کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

”یہ فرمان تو اپنی اہمیت کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ اس کو ریڈیو سے، امیکرون سے، میگافون سے ہر ہر علاقہ میں جہاں یہ مودی جانور ہیں خوب خوب نشر کیا جائے۔ اور شرعی و نوابجی کے اس مضمون کی تحریک کر مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں کو چاہئے کہ پولیس اور مجسٹریٹوں کو مدایت کر دیں کہ اس درندہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جائے جو حملہ کے وقت بھیڑیے اور لگڑ گچھے کی طرح خطرناک ہو جاتا ہے اور ان سے کہیں بڑھ کر نقصان رساں عامہ ملاقا کے حق میں ہو جاتا ہے، مجھے تو ایسا یاد پڑتا ہے کہ سر ایچ بی، موڈی (سابق گورنر یو پی) اپنی تقریر میں کہہ چکے ہیں کہ ملک میں مختلف قسم کے ہندوؤں کی آبادی کا تخمینہ ۲ کروڑ کا ہے تو اگر ہر ہندو سے روزانہ نقصان کا تخمینہ ہلکے سے ہلکا مگر کافی رکھا جائے جب بھی سالانہ نقصان مجموعی ۲۰۰ ارب روپیہ کا ہوتا ہے۔ آگے چل کر اس مودی جانور کے ہاتھوں ہولناکی عمارتی نقصانات، مینوپلیٹوں کی غفلت، شکاری اور غلط کاری کا اور ادرہست سی کام کی چیزوں کا ذکر ہے۔ طویل مضمون تمام و کمال اردو میں لانے کے قابل ہے۔ کم از کم ایک اقتباس تو اور سن ہی لیجئے۔

”یہ بھی عجیب سی بات ہے کہ جہاں بنارس کے متعدد محلوں کی طرح ہندو مسلم آبادی ملی جلی ہے وہاں ہندو مسلمانوں کے گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں ان کا استقبال ہندو طبقہ یا پستول سے کیا جاتا ہے

برخلاف اس کے ان کے ہندو بڑوسیوں کے گھر بار کو وہ خوب جی بھر کر لٹاتے ہیں۔ اس بارہ میں

اسلام ہندو مت سے کہیں زیادہ معقول پسند ہے۔“

کوئی مسلمان اگر اس کی آدمی آزادی سے بھی اس سلسلہ پر گفتا تو خدا جانے اس پر کیا بیت جاتی! (صدق جہد لکھنؤ)

لکھنؤ مینوپلیٹ کی طرف سے ایک نئے مجوزہ قانون کا اعلان :-

سیکولر ازم چور دروازے سے

ذبیحہ کے لئے ۶۰ روپیہ دینا ہوگی، اور ذبیحہ کے لئے عمرنی راس لیکن جو قصاب بھائے

ذبیحہ کے جانور کو ۶۰ روپیہ ملنا منی شین کے ذریعہ سے ہلاک کر ڈالنا چاہیں گے انکے لئے کوئی فیس نہیں

گویا جو قصاب اس روشن خیال مینوپلیٹ کی حدود کے اندر اب بھی ذبح کے طریقہ پر قائم رہیں گے انھیں ہر چھپٹے بڑے جانور پر ایک روپیہ سے لے کر چھ آنے تک جرمانہ دینا ہوگا۔ اور جو ذبح کو کھوڑ کر دوسرا طریق جانور کشی

پاکستان سے
سالانہ (المنظر) پاکستانی (مکرم)
دیگر مالک سے
سالانہ (۱۲) ٹنلنگ

المنظر

ہندوستان سے
سالانہ چندہ - ۱۰
فی کاپی - ۱۸

جلد ۱۹	بابہ ماہ ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ	مضمین	فہرست
--------	-----------------------	-------	-------

صفحہ	لکھنے والے	مضامین	فہرست
۲	عقیق الرحمن سنبھلی	نگاہ اولیں	۱
۵	مدیر	معارف الاداء پیش	۲
۱۲	مولانا نسیم احمد فریدی	اب سے ایک سچائیں برس پہلے	۳
۲۵	مولانا عبدالباقی صاحب ندوی	قانون مشیت و کرتا قانون معیشت	۴
۴۱	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	الغنیہ طین کے بنیادی اسباب	۵
۵۶	جناب محمد نیاز صاحب	قم باذن اللہ (الظم)	۶

سرخ نیل کا نشان اس بات کی علامت ہے کہ جناب کی مدت خریداری اس شمارہ
بزرگ ہو گئی ہے لہذا اپنا چندہ برسے ایک سال مبلغ (پانچ روپیہ) بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر مشکور فرمائیے، اگر تاخیر
تک جناب کا چندہ وصول نہ ہوا اور کوئی اطلاع آئی تو اگلا ہرجہ دی جانی بھیجا جائے گا جس کا وصول کرنا جناب کا
اخلاقی فریضہ ہوگا۔ پاکستان کے حضرات اپنا چندہ سکرٹری صاحب "ادارہ اصلاح و تبلیغ" آسٹریلیا بلوگس
لاہور کے پتہ پر ارسال فرمائیں اور ایک کارڈ کے ذریعہ ہم کو اس کی اطلاع ضرور دیں اور قدیم خریدار صاحبان
اس اطلاع کے ساتھ اپنا خریداری بھی ضرور لکھیں۔ اگر آپ کے چندہ کی اطلاع ۱۵ ستمبر ۱۳۷۱ء تک وصول
نہیں ہوئی تو ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور سے آپ کی خدمت میں الفقیہان بذریعہ دی جانی ارسال کیا جائے گا۔
دیگر مالک کے حضرات اپنا چندہ ۱۲ ٹنلنگ بذریعہ پوسٹل آرڈر دفتر الفرقان لکھنؤ کو ارسال فرمائیں۔ والسلام
ناظم ذی المنظر لکھنؤ

المنظر لاہور سے سالانہ چندہ ۱۰ روپے فی کاپی ۱۸

(مدودی) محمد منظور لکھنؤ بذریعہ منی آرڈر فرقان لکھنؤ کو ارسال فرمائیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بن کا اولیٰ

پچھلے مہینے انھیں صفحات مساجد نے ایڈیٹر "قلم اتریا" اور اُس جیسے دوسرے درمیان شاتھن سول کے بارے میں حکومت کی سرکاری پراٹھا قشوش کرتے ہوئے آگاہی دی تھی کہ اگر حکومت نے ان لوگوں کے خلاف سخت اقدام کر کے ان ناپاک حرکات کا سدباب نہ کیا تو ایک نہ ایک دن ضرور مسلمانوں کا پناہ صبر بھلک جائے گا۔
ہم نے لکھا تھا کہ

”ہم حکومت سے اپنے نبی اور اپنے مذہب کے ناموس کے تحفظ کی بھیک نہیں مانگتے۔ مسلمانوں کی غیرت ایک لمحہ کے لیے بھی یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ وہ اس ناموس کے تحفظ کی بھیک مانگتے پھریں۔ ہم صرف حکومت کو اس طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ لاکھ تین چار کروڑ آبادی کے جذبات کے معاملہ میں ایسی لاپرواہی کسی محاذ سے بھی دانشمندی نہیں ہو۔ ہر شخص اور ہر ملت کے صبر کا ایک پیمانہ ہوتا ہے، اس میں خواہ کتنی ہی وسعت ہو مگر ایک حد ایسی ضروری ہے کہ وہاں پہنچ کر وہ اپنی ساری وسعتوں کے باوجود پھلک پڑتا ہے۔“

خدا کی شان کہ ان الفاظ کو لکھے ہوئے پورا ایک مہینہ بھی نہ ہوا تھا کہ ہمارا یہ اندیشہ احوالہ بن کر سامنے آگیا۔ الہ آباد کے ہندی روزنامے ”امرت پتر کجا“ نے اپنی ہرگت کی اشاعت میں سرکارِ دو عالم (ہم) ہمارے ماں باپ اور ہماری اولاد آپ پر قربان کی شان میں ایک ایسی ناپاک عبارت شائع کی کہ اگرچہ نقل کفرِ فہرین پھر بھی زبانِ قلم میں اس کے نقل کرنے کی تاب نہیں اور جب جب بھی وہ عبارتِ نفرت سے گزرتی ہے جذبات کو قابو میں رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس عبارت کا مسلمانوں کے علم میں آنا تھا کہ ان کے سینوں میں ایک آگ بھڑک اٹھی اور اس آگ نے صبر و ضبط کے اس دامن کو جلا کر خال کر دیا جس نے انہیں ان جذبات کو چھپائے رکھا تھا۔ یوپی کی حکومت نے جب اپنی راجدھانی اور اس کے آس پاس الہ آباد اور کانپور کے شہروں کو خاص طور سے ان مشغلوں کے لپیٹ میں آتا دیکھا تو اس مسئلہ کو قابلِ اعتنا سمجھا۔۔۔۔۔ اور سرکارِ گت کے اخبارات سے معلوم ہوا کہ حکومت اس روزنامہ کے خلاف قانونی کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ مگر چونکہ اس ارادہ کا اعلان خود حکومت کی جانب سے ایک باقاعدہ کمیونک کی شکل میں نہیں ہوا (جو کہ ضروری تھا۔۔۔۔۔) نیز کھلے تجربات کی بنا پر مسلمانوں میں حکومت کی جانب سے ایک ظلم یا ایسی اور بے اقتاد دی بھیلی ہوئی تھی۔ اس لیے غیر خبری ان میں سے بہت سوکے تھیلے کی جیانی کیفیت میں کمی نہ کر سکی، اور وہ ہو گیا جس کا ہمیں اندیشہ تھا۔

جو کچھ ہوا، وہ اچھا ہوا یا برا ہوا؟ اور خود مسلمانوں کے مفاد کے لیے کیا ہوا؟ اس بحث کو رکھیے! جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ یہ دیکھئے کہ جو کچھ ہوا وہ کیوں ہوا؟ اور اس کا ذمہ دار کون ہے؟ تاکہ آئندہ نہ ہو۔

ہماری قطعی رائے ہے کہ جو کچھ ہوا اس میں گونچہ موجبِ بدستوں کی موثر پستی کو بھی دخل ہو مگر سب سے زیادہ ذمہ دار خود حکومت ہے، نہ صرف یوپی کی حکومت بلکہ ہر اس صورت کی حکومت جہاں کھیلے دنوں ایسی کوئی کمینہ حرکت کی گئی اور وہاں کی حکومت نے خاموشی سے تاثر نہ دیکھا۔ مسلمانوں نے ہر ممکن طریقہ سے ان کو اپنے جذبات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی۔ اللام پر اللام دیا، احتجاج پر احتجاج کیا، مگر تمام حکومتوں کا رویہ یکساں ہی رہا اور انھوں نے کوئی ضرورت اس کی محسوس نہ کی کہ اتنی بڑی آبادی کے جذبات پر مشتمل کرنے کی آزادی پر پابندی عائد کریں اور مجروح جذبات کی تسکین کا پورا پورا سامان کریں۔۔۔۔۔ پھر کوئی

معارف الاحادیث

جنت اور اس کی نعمتیں

عالم آخرت کی جن حقیقتوں پر ایمان لانا ایک مومن کے لیے ضروری ہو اور جن پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن و مسلم نہیں ہو سکتا ان ہی میں سے جنت و دوزخ بھی ہیں اور یہی دونوں مقام انسانوں کا آخری اور پھر ابدی ٹھکانا ہیں۔ قرآن مجید میں بھی جنت اور اس کی نعمتوں کا اور دوزخ اور اس کی عذابتوں کا ذکر اتنی کثرت سے کیا گیا ہے اور ان دونوں کے متعلق اتنا کچھ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر اس سلسلے کی سب باتوں کو ایک جگہ جمع کرنا چاہے تو صرف انہی سے ابھی خاصی ایک کتاب تیار ہو جائے۔ اسی طرح کتب حدیث میں بھی جنت و دوزخ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صد احادیثیں محفوظ ہیں جن سے ان دونوں کے متعلق کافی معلومات مل جاتے ہیں۔ پھر بھی یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ قرآن مجید میں اور اسی طرح احادیث میں جنت و دوزخ کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے اس کی پوری اور اصلی حقیقت کا علم وہاں پہنچ کے اور مشاہدہ کر کے ہی حاصل ہو سکے گا۔ جنت تو جنت ہے، اگر کوئی شخص ہماری اس دنیا ہی کے کسی بارونق شہر کے بازاروں کا اور وہاں کے باغوں اور گلزاروں کا ذکر ہمارے سامنے کرے تو اس کے بیان سے جو تصور ہمارے ذہنوں میں قائم ہوتا ہے، ہمیشہ کا تجربہ ہو کہ وہ اصل کے مقابل میں ہمیشہ بہت ناقص ہوتا ہے۔ بہر حال اس نفس لامری حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے قرآن و حدیث میں جنت یا دوزخ کے بیان کو پڑھنا چاہیے۔

در اصل آیات یا احادیث میں جنت اور دوزخ کا جو ذکر فرمایا گیا ہے اس کا یہ مقصد ہی نہیں ہو کہ لوگوں کے سامنے وہاں کا مکمل جغرافیہ اور وہاں کے احوال کا پورا نقشہ آجائے بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں میں دوزخ اور اس کے عذاب کا خوف پیدا ہو اور وہ ان برائیوں سے بچیں جو دوزخ میں

لے جانے والی ہیں اور جنت اور اسکی بہاروں اور لذتوں کا شوق اُبھرتے تاکہ وہ اچھے اعمال اختیار کریں جو جنت میں پہنچانے والے ہیں اور وہاں کی نعمتوں کا مستحق بنانے والے ہیں۔ پس اس سلسلہ کی آیات اور احادیث کا اصلی حق یہی ہے کہ اُن کے پڑھنے اور سننے سے شوق اور خوف کی کیفیتیں پیدا ہوں۔ اب اس سلسلہ کی چند حدیثیں دیکھ کی جاتی ہیں۔

(۹۸) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال

اللہ تعالیٰ اعددت لعبادی الحمد الخیر ما لاخلین رات ولا اذن سمعت و
لا خطر علی قلب بشر و ان شئتم فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ عین
(متفق علیہ)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو نہ کسی کان نے سنا ہو نہ کسی بشر کے دل میں کبھی ان کا خطرہ یا خیال ہی گذرے اور اگر تم چاہو تو پڑھو قرآن کی آیات "فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ" (جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی بھی اُن نعمتوں کو نہیں جانتا جو ان بندوں کے لیے (جو ماہِ خدا میں اپنا محبوب مان خرید کرنے والے ہیں اور راتوں کو عبادتِ خداوندی میں مصروف رہنے والے ہیں) چھپا کے اور محفوظ کر کے رکھی گئی ہیں جن میں ان کی آنکھوں کے لیے ٹھنڈک کا سامان ہے) (بخاری سلم)

تشریح :- یہ حدیث قدسی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات اس تصریح کیساتھ فرمیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے (اور وہ قرآن مجید کی آیت نہ ہو) تو ایسی حدیث کو حدیثِ قدسی کہتے ہیں۔ یہ حدیث شریف بھی اسی قسم کی ہے۔ اس میں اللہ کے صاحبِ بندوں کے لیے نجات اور خوشی کا ایک عام اور ظاہر پہلو تو یہ ہے کہ دارِ آخرت میں ان کو ایسی اعلیٰ قسم کی نعمتیں ملیں گی جو دنیا میں کبھی کسی کو نصیب نہیں ہوں گی بلکہ کسی آنکھ نے بھی آنکھ نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے اسکا حال نا اور نہ کبھی کسی

انسان کے دل میں ان کا خیال ہی کو رہا اور بشارتِ مسرت کا دوسرا خاص پہلو، محبت و شفقت اور عنایت و کرم سے بھرے ہوئے رب کریم کے ان الفاظ میں ہے کہ ”اعلٰی کلمۃ (عباد)“ زمین نے اپنے بندوں کے لیے ایسی ایسی نعمتیں تیار کر کے رکھی ہیں کہ ان میں ہر بندے اپنے رب کریم کے اس کرم پر۔

(۹۹) رعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موضع سوط فی الجنة

خیر من الدنیا وما فیہا (ترمذی علیہ)

(ترجمہ) اور حضرت ابو ہریرہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک کوڑے کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (بخاری سلم)

تشریح: ہر عکبیر و راج تھا کہ جب چند سو اوروں کا قافلہ چلتا تو جو سو ارنزل پڑتے وقت وہاں قیام کرنا چاہتا وہاں اپنا کوڑا ڈال دیتا پھر وہ جگہ اسی کی گھن بقی اور کوئی دوسرا اس پر قبضہ نہ کرتا۔ تو اس حدیث میں کوڑے کی جگہ سے مراد اصل اتنی مختصر سی جگہ ہے جو کوڑا ڈال دینے سے کوڑے والے سو کرے مخصوص ہو جاتی ہے جس میں وہ اپنا بستر لگا لے یا خیمہ ڈال لے۔ تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جنت کی تھوڑی سی تھوڑی جگہ بھی دنیا و مافیہا سے بہتر اور زیادہ قیمتی ہے۔ اور اس میں کیا شبہ ہے، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے فانی ہے اور جنت اور اس کی ہر نعمت باقی ہے اور فانی اور باقی کا کیا مقابلہ۔

(۱۰۰) عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غَدُّ وَفٍّ فِی سَبِيلِ

اللہ اَوْ رَحْمۃ خَیْرٍ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیہَا وَلَوْ اَنَّ اَمْرًا عَاثَ مِنْ نِسَاءِ اَہْلِ الْجَنَّةِ اَطْلَعَتْ اِلَى الْاَرْضِ لِاَضَاعَتْ مَا بَیْنَهَا وَالمَلٰٓئِکَةُ مَا بَیْنَهَا وَدِجًا وَتَصِیْفُهَا عَلٰی رَاسِہَا خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیہَا (رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت انس سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راہِ خدا میں ایک دفعہ صبح کا نکلنا یا شام کا نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور اگر اہل جنت کی بیویوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانکے تو ان دونوں کے درمیان (یعنی جنت سے لے کر زمین تک) روشنی ہی روشنی ہو جائے اور نہک اور غوثیوے بھر جائے اور اس کے سر کی صرف اور رھنی

بھی دنیا دانیہاے بہتیشہ۔۔ (بخاری)

تشریح :- حدیث کے ابتدائی حصہ میں راہ خدا میں نکلنے کی یعنی خدمتِ دین کے کسی سلسلہ میں سفر کرنے اور چلنے پھرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ صبح کا یا شام کا نکلنا بھی دنیا دانیہاے بہتیشہ۔۔ اور یہاں صبح شام کا ذکر غالباً صرف اس لیے کر دیا گیا ہے کہ صبح یا شام ہی کو سفر پر روانہ ہونے کا دستور تھا، ورنہ اگر کوئی شخص مثلاً دن کے درمیان حصہ میں خدمتِ دین کے کسی سلسلہ میں جائے توفیقاً اس کے اس جانے کی بھی وہی فضیلت ہے پھر حدیث کے دوسرے حصہ میں اہل جنت کی جنتی بیویوں کے غیر معمولی حسن و جمال اور ان کے لباس کی قدر و قیمت کا ذکر کیا گیا ہے۔۔ اور اس موقع پر اس کے ذکر کرنے کا مقصد غالباً اہل ایمان کو خدمتِ دین کے سلسلہ کے کاموں کے لیے گھر چھوڑ کر نکلنے کی ترغیب دینا اور یہ بتلانا ہے کہ اگر تم اپنے گھر والے اور گھر والیوں کو عارضی طور پر چھوڑ کر تھوڑے سے وقت کے لیے بھی ماہِ خدا میں نکلو گے تو جنت میں ایسی بیویاں ہمیشہ ہی ہوتی تھیں اور زندگی کی سرکاری رہیں گی جن کے حسن و جمال کا یہ عالم ہے کہ اگر ان میں سے کوئی اس زمین کی طرف ذرا بھانکتے تو زمین اور آسمان کے درمیان کی ساری فضا روشن اور مہر جلائے اور جن کا لباس اس قدر قیمتی ہے کہ صرف سر کی اور ہنسی اس دنیا دانیہاے بہتیشہ میں قیمت ہے۔

(۱۰۱) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان

فی الجنة شجرة یسیر الہر اکب فی ظلھا مائة عام لا یقطعھا ولقاب قوس احدکم فی الجنة خیر مما طلعت علیہ الشمس وتغرب۔ (متفق علیہ)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سوارا کئے سایے میں سو سال چلے اور پھر بھی اسکو پار نہ کر سکے۔ اور جنت میں تم میں سے کسی کی کمان کے بقدر جنگہ بھی اس ساری کائنات سے بہتر ہے جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے یا غروب ہوتا ہے۔ (بخاری مسلم)

تشریح :- حدیث کا مقصد دنیا اور اسکی راحتوں اور لذتوں کے مقابلہ میں جنت اور

اس کی نعمتوں کی بااثری بیان فرما کے اس کا شوق دلوں میں پیدا کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی بات یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمیں اور رحمت کے جو سامان اپنے بندوں کے لیے جنت میں پیدا کر دیے ہیں ان میں سے ایک جنت کے وہ طویل و عریض سایہ دار درخت ہیں جن کا سایہ اتنے وسیع و رقبہ پر پڑتا ہے کہ سوار سوساں میں بھی اس کو طے نہیں کر سکتا۔ اور دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ جنت میں ایک کمان کی جگہ دنیا دانیہما سے بہتر ہے۔۔۔۔۔ ابھی اوپر عرض کیے اس دستور کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ کوئی سوار جب کہیں اترنا چاہتا تھا تو اس جگہ پر اپنا کوڑا ڈال دیتا تھا اس سے اس جگہ پر اسکا حق قائم ہو جاتا تھا۔۔۔۔۔ اسی طرح کا ایک دستور یہ تھا کہ جب کوئی پیادہ آدمی کسی جگہ منزل کرنا چاہتا تھا تو وہ اپنی کمان وہاں ڈال دیتا تھا اور اس طرٹ وہ جگہ اس کے لیے مخصوص ہو جاتی تھی، پس اس سریش میں کمان کی جگہ سے مراد گویا ایک آدمی کی منزل ہو اور مطلب یہ ہو کہ ایک پیادہ مسافر کمان ڈال کے جتنی جگہ کا مستحق ہو جاتا ہے جنت کی اتنی مختصر سی جگہ بھی اس دنیا کی اس باری کائنات سے زیادہ قیمتی اور بہتر ہے جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

(۱۰۴) عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اهل الجنة

يا كلون فيها ويشربون ولا يتغفلون ولا يملكون ولا يتعوطون ولا يتخطون
قالوا فما بال الطعام قال جبراء و رشح ك رشح المسك ينهمون التسبيح والتحميد
كما تلهمون النفس۔ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت جنت میں کھائیں گے اور پئیں گے بھی لیکن نہ انھیں تھوک آئے گا اور نہ پیشاب پاخانہ ہوگا اور نہ ان کی ناک سے ریزش آئے گی۔۔۔۔۔ بعض صحابہ نے عرض کیا تو کھانے کا کیا ہوگا؟ (یعنی جب پیشاب پاخانہ کچھ بھی نہ ہوگا تو جو کچھ کھایا جائے گا وہ آخر کہاں جائے گا؟) انہی نے فرمایا کہ ڈکار اور پسینہ شک کے پسینہ کی طرح (یعنی غذا کا جو اثر نکلتا ہوگا وہ انہی دو طریقوں سے نکل جایا کرے گا) اور ان اہل جنت کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ کی حمد و تسبیح اس طرح جاری

ہوگی جس طرح تھا راسخ جاری رہتا ہے۔ (مسلم)

تشریح :- مطلب یہ ہے کہ جنت کی ہر غذا کیفیت مادہ سے پاک ایسی لطیف اور نورانی ہوگی کہ سپید میں اس کا کوئی نمسلہ تیار نہیں ہوگا جس ایک خوشگوار دکار کے آنے سے معدہ خالی اور ہلکا ہو جائے گی اور کچھ پسینے کے راتے نکل جائے گا۔ لیکن اس پسینہ میں بھی مشک کی سی خوشبو ہوگی۔ اور اس دنیا میں جس طرح آپسے ہاتھ اندر سے باہر اور باہر سے اندر راسخ کی آمد و رفت ہو جنت میں اسی طرح اللہ کا ذکر جاری ہوگا اور سبحان اللہ و بحمد اللہ یا سبحان اللہ و بحمد اللہ سانس کی طرح ہر دم جاری رہے گا۔

(۱۰۳) عن ابی سعیدؓ داجی ہریرۃ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ینادی مناد ان لکم ان تصحوا فلا تقربوا بدوا وان لکم ان تحبوا فلا تدوا وانا لکون لکم ان تصحوا فلا تموتوا بدوا وان لکم ان تنعموا فلا تنبوا سوا بداء۔ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوسعید اور ابو ہریرہ سے مروی ہے یہ دونوں بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پکارنے والا جنت میں جنتیوں کو مخاطب کر کے پکارے گا کہ یہاں صحت ہی تمہارا حق ہے اور نہ رستی ہی تمہارے لیے مقدر ہے اس لیے اب تم کبھی بیمار نہ پڑو گے اور یہاں تمہارے لیے زندگی اور حیات ہی ہے اس لیے اب تمہیں موت کبھی نہ آئے گی۔ اور تمہارے واسطے جوانی اور شباب ہی ہے اس لیے اب کبھی تمہیں بڑھاپا نہیں آئے گا اور تمہارے واسطے یہاں سپین اور پیش ہی ہے اس لیے اب کبھی تمہیں کوئی تنگی اور تکلیف نہ ہوگی۔

تشریح :- جنت صرت آرام اور راحت کا گھر ہے اس لیے وہاں کسی تکلیف کا اور کسی تکلیف دہ حالت کا گورنہ ہوگا نہ وہاں بیماری ہوگی نہ موت آئے گی نہ پڑھاپا کسی کو آئے گا نہ کسی اور قسم کی کوئی تنگی اور پریشانی کسی کو لاحق ہوگی۔ اور جنتی بندے جب جنت میں پہنچیں گے تو شہدائے حق ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابدی حیات اور ابدی راحت کی یہ بشارت سنا کر ان کو مطمئن کر دیا جائے گا۔

(۱۰۴) عن ابی ہریرۃ قال قلت یا رسول اللہ ما خلق الخلق؟ قال من الماء قلت

الجنة ما بناها قال الجنة من ذهب ولبنۃ من فضہ وملاطہا المسک الاذ فر وجہا رھا اللؤلؤ

والیا قوت وترتبتھا الزعفران من میدخلہما ینعم ولا یبأس ولیحند ولا یموت ولا یبلی ثیا بہم ولا یغنی شبا بہم۔
(رواہ احمد و الترمذی و الدارمی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی؟ آپ نے فرمایا پانی سے، پھر ہم نے عرض کیا کہ جنت کس چیز سے بنی ہے (یعنی اسکی تعمیر پتھروں سے ہوئی ہے یا اینٹوں سے یا گرس چیز سے؟) آپ نے فرمایا اس کی تعمیر اس طرح ہے کہ ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی اور اس کا سالہ (جس سے اینٹوں کو جوڑا گیا ہے) تیز خوشبودار رنگ ہے اور وہاں کے سنگریز جو کچھ ہوئے ہیں وہ موتی اور یاقوت ہیں اور وہاں کی خاک گویا زعفران ہے۔ جو لوگ اس جنت میں پہنچیں گے ہمیشہ عیش اور چین سے رہیں گے اور کوئی تنگی تکلیف انکو نہ ہوگی اور ہمیشہ زندہ رہیں گے وہاں ان کو موت نہیں آئے گی اور کبھی ان کے کپڑے پرانے اور خستہ نہ ہوں گے اور ان کی جوانی کبھی نہ اڑی نہ ہوگی۔
(احمد، ترمذی، دارمی)

تشریح :- حضرت ابو ہریرہ کے پہلے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا ہو کہ عام مخلوق پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے پانی پیدا کیا اور پھر اس سے اور مخلوق وجود میں آئی۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے ”وَاللّٰهُ خَلَقَ مَعًا ذَا جِبۡہِ مِنۡ مَّاءٍ“ اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے ”وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلِّ شَیۡءٍ حَیۡۃٍ“ جس کا حاصل یہی ہے کہ ہر جاندار پانی سے پیدا کیا گیا ہے) پھر دوسرے سوال کے جواب میں جنت کی تعمیر اور وہاں کے فرش اور وہاں کی خاک کے متعلق جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اس کی اصلی حقیقت اور کیفیت مشاہدہ ہی سے معلوم ہوگی۔ البتہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ جنت کی تعمیر اس طرح نہیں ہوئی ہے کہ کسی حکم نے اسے بنایا ہو جس طرح ہماری اس دنیا میں عمارتیں بنی ہیں بلکہ وہ جنت اور اسکی ہر چیز معماروں اور صناعتوں کے توسط کے بغیر محض اللہ کے حکم سے بنی ہے جس طرح کہ زمین و آسمان اور آسمان کے ستارے آفتاب و قمر و غیرہ مثلاً براہ راست اللہ کے حکم سے بنے ہیں۔

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَیۡءًا أَنۡ یَقُولَ لَهُ کُنۡ فَیَکُونُ۔
(باقی)

ابے ایک سو چالیس برس پہلے

ایک مہر حق آگاہ کی مجلس میں

(نسیم احمد فریدی فاروقی امر دہلی)

تصویر کی کار فرمائی سے تیرہویں صدی کے ثلث اول کی دہلی میں جا پہنچا۔

یہ دہلی ہے۔ سلطنت مغلیہ کا چراغ لال قلعہ میں ٹٹٹا رہا ہے غنیمت ہے ابھی، کچھا نہیں ہے حضرت شاہ جہاں عزیز محدث دہلوی رہا جو دیرانہ سالی پوری جدوجہد کے ساتھ ملت بیفا کی نگرانی میں مصروف ہیں اور سلطنت کے مادی سہماے کے زوال سے جو خراب نتائج پیدا ہو گئے ہیں ان کے ازالہ کی تدبیر انھوں نے تعلیمات اسلامیہ کی ترویج و اشاعت کے اندر ڈھونڈھ لی ہے ان کے یہاں شاگردوں اور مریدوں کا ایک جم غفیر جمع ہے اور حدیث و تفسیر کے اعلیٰ مضامین بیان ہو رہے ہیں۔ وہ اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نقش قدم پر چل کر اور ان کی روایات کو زندہ رکھ کر ان کی جانشینی کا پورا پورا حق ادا کر رہے ہیں۔ اس عظیم الشان محدث کے آثار فیض پر پہلے حاضر ہو کر اکابر ادلیا کے مزارات پر حاضر ہوا۔ بعدہ شاہجامانی مسجد جہان کو عظمت کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا کہ۔۔۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید کے مزار پر نواہر پر حاضری کا شوق غالب ہوا

لے حضرت میرزا صاحب کو عام طور سے جان جان کہا اور لکھا جاتا ہے میں ہی پہلے ایسے ہی آتا اور لکھتا تھا لیکن مولانا شاہ رؤف احمد صاحب رابہ پوری نے درالعارف میں جان جان لکھا ہے اور مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے اس کی صراحت کی ہے جس کے بعد کسی استغناء کی گنجائش نہیں رہتی۔ (فریدی)

— وہاں پہنچا۔ دیکھا کہ خانقاہ منظر یہ میں ایک درویش بعد انداز خسروانہ بیٹھا ہوا باہر کے تیز و تند چوٹوں سے بے پردا ہو کر چرخ ایمان چلا رہا ہے۔ اُس کے چہرے پر عجیب انوار ہیں۔ اُس کی بازوؤں میں دل لگتا ہے۔ اُس کی خاموشی میں بھی ایک کشش ہے۔ توحید کا متوالا ہے۔ عشق رسول میں سرشار ہے کبھی قرآن مجید کی تفسیر بیان کر رہا ہے کبھی بخاری و ترمذی کا درس دے رہا ہے کبھی مکتوباتِ امام ربانی کے معارف سبقتاً پڑھا رہا ہے کبھی ثنوی مولانا روم کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ پھر اُس کے ساتھ ساتھ صبح و شام کا حلقہ ہے، ذکر ہے، تلاوت ہے، رات کو تہجد ہے۔ ہندو و بیرون ہند کے کثیر التعدادِ طالبین جمع ہیں۔ روزانہ آنے جانے والوں کا کوئی شمار نہیں۔ خانقاہ میں باقاعدہ مقیم رہ کر منازلِ سلوک کو طے کرنے والے لگ بھگ ڈیڑھ سو ہیں۔ ان سب کے معمولات اور ظاہری و باطنی حالات کی پوری نگرانی ہو رہی ہے۔ ان میں اکثر غریب و نادار ہیں مگر توکل و قناعت کا مجسمہ ہیں۔ اپنے ایمان کو سنبھالنے آئے ہیں، اپنے مرشد کے قدموں سے لگے بیٹھے ہیں اور ایک زندہ و تابندہ عمل کو سامنے رکھ کر اتباعِ سنت کی مشق کر رہے ہیں اور یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ جی چاہی زندگی نہیں گزاریں گے بلکہ وہ زندگی گزاریں گے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کا پیام اللہ کی طرف سے پہنچایا ہے۔

میں دریافت کرنا چاہتا تھا کہ یہ کون بزرگ ہیں، مجمع میں اگرچہ قاری امام الدین نجاشی امر دہی بھی بیٹھے تھے (جو کہ قاری جلیل الرحمن صاحب پانی پتی کے اساتذ ہیں) مگر وہ مجھ سے فاصلے پر تھے۔ یکایک میری ملاقات حضرت شاہ رفون احمد رافت مجددی رامپوری سے ہو گئی۔ اس سے پہلے غائبانہ طور پر اردو و فارسی کے ایک ادیب کی حیثیت سے میں اُن سے واقف تھا مگر یہاں اُن کو خاص درویشانہ رنگ میں دیکھا۔ یہ حضرت مجدد الدلت ثانیؒ کی اولاد میں اُس شاخ سے تعلق رکھتے ہیں جو رامپور میں مقیم ہو گئی ہے۔ حضرت شاہ ابوسعید مجددی، حضرت شاد احمد سعید مجددی اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددی مہاجرِ دہلی اساتذِ مولانا نونوئیؒ کے قریبی رشتے دار ہیں۔

میں نے ان سے عرض کیا ان بزرگ کے کچھ حالات بتلایئے۔ انھوں نے فرمایا میسے بیر و شرد

حضرت شاہ غلام علی صاحب نقشبندی مجددی ہیں حضرت مرزا منظر جان جاں شہید کے خلیفہ و شاگرد ہیں۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں (۱۱۹۵ھ) پنجاب سے دہلی آ گئے۔ اپنے مہتمم کی وفات (۱۱۹۵ھ) تک سلوک کی تکمیل کی بعدہ اُن کی قائم مقامی میں رشد و ہدایت کے اندر رشتہ خونی و مصروف ہیں۔ میں نے کہا اتنا کثیر مجمع رہتا ہے آخر خانقاہ کے مصارف کی کیا صورت ہے؟ فرمایا اس کو نہ پوچھو بس خزانہ غیبی سب انتظام ہو رہا ہے۔ حضرت الا خود فرمایا کرتے ہیں کہ میرا خزانہ تو اللہ کے وعدے میں یہ جمع تو کچھ بھی نہیں اس سے زائد مجمع ہوتا ہے سب کو کھانا ملتا ہے سب کی تواضع کی جاتی ہے۔ خود داری کا یہ عالم ہے کہ نواب ٹونک نے ایک مرتبہ لکھا کہ خانقاہ کے مصارف کے لئے کچھ مقرر کر دیا جائے تو حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ نواب صاحب کو یہ شعر لکھ کر بھیج دو۔

ما آبرو سے فقر و قناعت نمی بریم

با میر خاں گہوے کہ روزی مقرر است

دہم فقر و قناعت کی آبرو کو برباد نہیں کریں گے۔ نواب امیر خاں والی ٹونک سے

کہہ دو کہ روزی اللہ تعالیٰ کے یہاں سے مقرر ہے)

یہ شعر سن کر میرے ادب و عیب کیفیت طاری ہوئی اور مہارتِ عالیہ کی کاوہ واقعہ ذہن میں گھومنے لگا کہ حضرت عالم گیر اورنگ زیب ایک درویش کے پاس پہنچے تھے اور اُن سے اُن کی خانقاہ کے مصارف کے لئے جاگیر دینے کی خواہش ظاہر کی تھی درویش نے یہ شعر پڑھ دیا تھا۔

شاہ مارا وہ دہمنت نہند

رازق نازق بے منت دہند

میں نے کہا کہ ان کے کچھ ملفوظات بھی جمع کئے گئے ہیں۔ یہ سن کر انھوں نے اپنی بیاض و رمالٹار نکالی جو فارسی زبان میں تھی۔ اور فرمایا کہ اس میں لکھے ہوئے ہیں دیکھ لو مگر یہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۲۳۱ھ سے یکم شوال ۱۲۳۱ھ تک کے یعنی صرف ساڑھے پانچ مہینے کے ملفوظات ہیں ان کی تاریخ اور دن

بھی درج ہے۔ آخر میں تھوڑے سے ملفوظات اخیر قید تائید ہیں۔

ڈھائی سو صفحے سے زیادہ کی یہ کتاب میں نے اول سے آخر تک دو مرتبہ پڑھی۔ اس کے پڑھنے سے دل کو عجیب کیفیات و جذبات نصیب ہوئے۔ اس میں توحید و سنت کے اسرار، سلوک و تصوف کے رموز، بزرگان دین کے حالات اور اخلاقی و معاشرتی ہدایات سب چیزیں موجود ہیں میں نے اس مجموعہ میں سے رموز سلوک و تصوف (جو بڑی تعداد میں ہیں اور بڑے لوگوں کے سمجھنے کے ہیں) اور چند اور باتوں کے علاوہ باقی ملفوظات کو اردو زبان میں ترجمہ کر لیا۔ تاکہ میں ان بزرگ کی باتیں ان لوگوں تک پہنچا دوں جو ان سے مل نہیں سکے اور براہ راست فارسی زبان کی کتاب سے کما حقہ مستفیض نہیں ہو سکتے۔

بعد کو مورخ نے بتایا کہ ۱۲۳۹ھ میں شاہ جلد لعویز محدث دہلوی دنیا سے چل بسے اور

بقول مومن خاں مومن ۷

دست بیدار اہل سے بے سرو پا ہو گئے

فقر و دین، لطف و کرم، فضل و ہنر، علم و عمل

اس کے اگلے ہی سال ۱۲۴۰ھ کو دہلی کا نقشبندی مجددی منہری درویش بھی نصرت ہو گیا جو اللہ کے نام کا عاشق۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کا شیدا تھا اور جس نے اپنے جیتے جی چار دہا عالم میں توحید و سنت کا غفلہ ڈال رکھا تھا۔ اور جس کو مدینہ اور رواق مدینہ سے اتنا گہرا تعلق تھا کہ باوجود انتہائی ضبط کے واشوق المدینہ، واشوق المدینہ و احسرة المدینہ کا دل ہلا دینے والا نعرہ اس کی زبان سے نکل جاتا تھا اور آج تک یہ محسوس ہوتا ہے کہ نفاذ میں یہ آواز گونج رہی ہے۔

رہے نام اللہ کا ————— نور اللہ مضجوعہ

۱۲۴۰ھ

اب اس بزرگ کے ملفوظات سنئے :-

لے نور اللہ مضجوعہ حضرت شاہ غلام علیؒ کی تاریخ وصال سے۔ در آثار الصنادید فروری

فرمایا۔ شیخ عبدالحی محدث رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خط خواجہ حسام الدین خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کو لکھا ہے اُس میں تحریر ہے کہ شیخ احمد علیہ السلام کی آمد سے میرے دل کے حالات دگرگوں ہو گئے اور غشاۃ بشری میرے دل میں نہیں رہا اور یہ بات خاطر نہیں ہوگی کہ ایسے بزرگوں سے بد اعتقاد نہیں ہونا چاہئے۔ اس لفظ غشاۃ سے پتہ چلا کہ شیخ محدث کے اعتراضات جو انھوں نے حضرت مجددؒ پر کئے ہیں انرا وہ بشریت تھے نہ انرا وہ حقیقت یہ بات شیخ محدث کے پچھلے تمام اعتراضات کا جواب ہے۔

حضرت خازن الرحمۃ خواجہ محمد سعید دعوۃ النبی حضرت خواجہ محمد مصوم رحمہما اللہ کا ذکر آیا اُس پر فرمایا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ نور اللہ مرقدہ نے فرمایا ہے کہ ”اولاد شیخ احمد جو ہر بارے میں“ وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ دونوں صاحبزادے مقامات حضرت مجدد الف ثانیؒ کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں کسی نے عرض کیا کہ حضرت قاضی تنہا را اللہ بانی تہیٰ نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ محمد مصومؒ مجددؒ میں حضرت مجددؒ کے شریک ہیں فرمایا جزاً و یقیناً یہ بات نہیں کہی جاسکتی، البتہ حضرت مجددؒ نے اُن کے بارے میں یہ ضرور فرمایا ہے کہ ہمارا اور تمہارا معاملہ صاحب شرح وقایہ کا اپنے دادا کے ساتھ والا معاملہ ہے کہ اُن کے دادا وقایہ کو جتنا تحقیر کر لیتے تھے صاحب شرح وقایہ اتنا ہی حصہ یادادہ و حفظ کر لیتے تھے یعنی جو کچھ معارف میرے اوپر کھلتے ہیں تم اُن کو (معاً) حاصل کر لیتے ہو۔

فرمایا۔ حضرت خواجہ ضیاء اللہ خلیفہ خواجہ محمد زبیر آخر شب میں گریہ و زاری کیا کرتے تھے اور لوگوں کو تنبیہاں بیدار کرتے تھے اور فرماتے تھے، افسوس ہے تمہارے حال پر۔ تم دعویٰ محبت کرتے ہو۔ اور حال یہ ہے کہ تمہارا محبوب حقیقی بیدار ہے۔ تمہاری طرف متوجہ ہے اور تم ہو کہ غافل پڑے ہو تم دعویٰ محبت میں جھوٹے ہو عاشقوں کا تو یہ حال ہوتا ہے۔

مجنوں بخیال زلف لیلے اور دشت در دشت بختجوئے لیلے امی گشت

می گشت بدشت و برز بانس لیلے لیلے امی گفت تاز بانس می گشت

فرمایا۔ آدمی کو چاہئے ہمہ وقت متوجہ فی اللہ رہے اور ہر وقت اور ہر فعل میں انوار و اسرار اور فیوض و برکات کی تمیز کرے مثلاً جب نماز پڑھے تو اس بات پر دھیان دے کہ انوار و برکات

کس کیفیت کے ساتھ آ رہے ہیں۔ قرآن پڑھتے وقت غور کرے کہ اب کس نوعیت کے انوار ہیں۔ اسی طرح اس کا خیال کرے کہ درود پڑھنے میں کیا فیض آ رہا ہے لا الہ الا اللہ پڑھنے میں کیا برکات ظہور پذیر ہو رہے ہیں مطالعہ حدیث سے کیا کیا اسرار منکشف ہوتے ہیں۔ اسی طرح مضرات کا خیال کرے کہ منہیات و مثبتہات سے مثلاً لقمہ مشقیہ سے کیا عظمت آئی غیبت سے کیا ضرر باطن کو پہنچا۔ دروغ گوئی سے دل پر کیا تاریکی جھائی علیٰ ہذا القیاس تمام منہای میں اپنا ضرر سمجھے اور ان سے پرہیز کرے۔

فرمایا۔ ”خطرات مرتبہ ولایت میں ضرر پہنچاتے ہیں، مرتبہ کمالات نبوت میں خطرہ نیک“ مضر نہیں۔ چنانچہ دیکھو امام الاعلیٰ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عین حالت نماز میں تدبیر جنگ اور درستی صف لشکر فرماتے تھے۔ اور ان خیالات سے ان کی حضور کی دل میں فرق نہیں آتا تھا۔ فرمایا۔ طریقہ نقشبندیہ میں دو چیزیں ضمن طور بر اختیار کی جاتی ہیں۔ ایک اتباع سنت دوسری توجہ بقلب۔ جیسا کہ صحابہ کرام کا طریقہ تھا صحابہ کرام کمالات کے اندر تمام اولیا امت سے افضل ہیں۔ کمالات صحابہ اصول کی حیثیت رکھتے ہیں اور کمالات اولیا فرع ہیں پس جس طریقہ میں طور و پنج صحابہ ہوگا وہ افضل ہوگا۔

فرمایا۔ امام چند قسم کا ہوتا ہے (۱) القادر خداوندی (۲) عدائے فرشتہ (۳) مدائے روحانی (۴) آواز نفس مطمئنہ

فرمایا۔ ”فنا زوال آرزو کا نام ہے ایک بزرگ نے اسی کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔
 قنابے تیری اگر ہے تمنا تری آرزو ہے اگر آرزو ہے
 فرمایا۔ مرد با تمیز (درویش) دو چیزیں شکستہ اور ڈو ثابت رکھتا ہے۔ دل اور پاؤں شکستہ اور دین و یقین ثابت۔

فرمایا۔ ایمان اللہ فرض ہے لیکن تین باتیں خاص طور پر ملحوظ رہیں

(۱) اللہ کی وحدانیت پر یقین اور ایمان

(۲) یہ یقین کرے کہ جو امر وقوع میں آتا ہے تضار الہی سے وقوع میں آتا ہے

(۱۳) ہر فرحت و غم اور ہر مسرت و اہم جویش آئے اس کو حق تعالیٰ کی طرف سے جانے۔ درود و غم و شادان اور غم و مسرت سے خدا ہوا

فرمایا۔ فقہ و فاقہ کمال طایفہ ہے۔ درویشوں کو طایفہ پیغمبر خدا اختیار کرنا چاہئے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات یہ تھے کہ انتہائی بھوک کی وجہ سے پتھر پیٹ پر باندھتے تھے توکل کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بلا پر ہمداد و عطا پر شکر فرماتے تھے۔ آپ کے متعلق قلت طعام کی بہت سی احادیث وارد ہیں چنانچہ شامل ترمذی میں آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی سے بھی دزدان متواتر اپنا پیٹ نہیں بھرے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ فاقہ کی رات درویشوں کی لیلۃ المعراج ہے۔

محفل مبارک میں ذکر آیا۔ کہ صحابہ کے بعد قرن تابعین میں کون فاضل تر ہے؟ آپ نے فرمایا اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض نے بسبب نسب و عبادت حضرت امام العارفین زین العابدین رضی اللہ عنہ کو فضیلت دی ہے۔ بعض نے فقر و زہاد و افراط محبت رسول کو پیش نظر رکھ کر حضرت اویس قرنی قدس سرہ کو افضل قرار دیا ہے جس نے ترویج شریعت و تجدید ملت کا لحاظ کر کے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو ترجیح دی ہے اور جن نے طریق طایقت کے اجرا کی بنا پر حضرت حسن بصری نور اللہ مرقدہ کو بہتر کہا ہے۔

میان رمضان شاہ خلیفہ شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مجلس میں اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اس جہاں سے چلتے فرما گئے اور حضرت ام کلثومؓ دیرہ پر غم سے منسوب ہمارے ہی میں میں بھی رویا اور شدت الم سے بیدار ہو گیا میں اس خواب کی تعبیر میں حیران ہوں۔ حضرت نے فرمایا تم سے ام معروٹ ترک ہوا ہو گا یا آئندہ ایسا ہو گا اس تعبیر پر ایک واقعہ یاد آیا کہ مالک بن نواریہ نے خواب میں دیکھا کہ سرکارِ دو عالم کی وفات ہو گئی اسی دن حضرت علمائے شریعت بریلوی کی وفات واقع ہوئی۔

۱۔ حضرت سیدنا امین حضرت ابراہیم خوری کے مقلد کہا میں سے تھے اتباع مذمت اور عمل باعزیزت میں دور دور نظر نہیں رکھتے تھے آپ کی مجلسوں میں حضرت سیدنا محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جن بریلی مالک کیلئے اخطا ہو میرت سیدنا محمد غمیدہ

ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا کہ مکتوب شیخ احمد میں لکھا ہے آپ نے فرمایا۔ کون شیخ احمد؟ اس نے کہا شیخ احمد سرہندی، اس پر فرمایا۔ میری مجلس سے اٹھ جاؤ کیسے۔ اس نے میرے پیر کا نام اس طرح لیتے ہو (ادب و احترام کے ساتھ نہیں لیتے) سفر حجاز کا ذکر آیا تو فرمایا۔ بیت اللہ شریف کے نام سے عجیب انوار غیظ ہو جاتے ہیں اور میرا دل شوق طواف میں اختیار سے باہر ہو جاتا ہے۔

نسبت مجددیہ کا ذکر آیا۔۔۔ تو آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا الہی زندگی میں۔ نزع میں۔ اور قبر میں اس نسبت شریف سے بھرپور رکھنا اور حشر و نشر بھی اسی کے ساتھ کرنا فرمایا۔ بوقت دعا انوار و برکات آتے ہیں لیکن یہ فرق کرنا مشکل ہوتا ہے کہ یہ انوار دعا میں یا انوار قبولیت۔ بعض اکابر نے لکھا ہے کہ اگر دعا کے وقت دونوں ہاتھ جو مل جلوم ہوں تو یہ علامت قبولیت ہے اور میں اس طرح امتیاز کرتا ہوں کہ اگر دعا کے وقت قلب کو بشارت حاصل ہو تو یہ علامت قبولیت ہے ورنہ انوار دعا ہیں۔

فرمایا ایک روز حضرت مرزا صاحب شہید نے ایک کام کے لئے دعا کی، انوار دعا آئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ امید قبولیت ہے میں نے دل میں کہا کہ یہ کام نہیں ہوگا چنانچہ بحکم الہی وہ کام وقوع میں نہیں آیا۔

فرمایا ایک روز حضرت قاضی شہناش اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک کام کے لئے میں نے دعا کی ایسا محسوس ہوا کہ دعا بھی قبول نہیں ہوئی۔ پھر دعا کی پھر عدم قبولیت معلوم ہوئی، اس کے بعد پھر دعا کی تب میرے قلب میں انبساط و انتشار پیدا ہوا۔ میں نے دل میں کہا دعا ضرور ہم آغوش دعا ہوگی چنانچہ بفضل الہی وہ کام برآیا۔

فرمایا۔ بازار میں تجارت کرنے میں کوئی مفاد فقہ نہیں لیکن اس نسبت سے جو کہ مخلوق خدا کی حاجت رفع ہوگی اور اس کے ساتھ موثر حقیقی کسب اور اسباب کونہ جانے فرمایا۔ حضرت خواجہ محمد زبیر قدس سرہ مصری اپنے منہ میں رکھتے تھے اور کام کم کرتے تھے۔

اس لئے کہ انسان ہر بہت سی آفات زبان ہی کی بدلت آتی ہیں اور خوشی بہت سی بلاؤں کو دفع کرتی ہے، پھر شنوی مولینا، دم کا یہ شعر پڑھا

اے زبان ہم رنج بے درماں توئی اے زبان ہم گنج بے پایاں توئی
ایک نفل میں یہ شعر بار بار پڑھا

بعثت گرجنوں پیدائی کردم چہ می کردم چوں مجنوں سوسے صحرائی کردم چہ می کردم
فرمایا بیعت تین قسم کی ہوتی ہے۔

(۱) بیعت توسل (۲) بیعت برائے رفع معاصی۔ (۳) بیعت برائے کسب سلوک

طلب حق جل مجدہ کا ذکر آیا۔ حضرت نے یہ دودھ پڑھا
بکٹ کمانی میں اکوں سنو سکھیو تم آئے پنی کوڈھونڈھن میں گئی آئی آپ گنوائے
یعنی میں (مخلص) افسانہ خفق بیان کرتا ہوں اے دوستو سنو میں نے جستجوئے محبوب میں
آخر کار خود ہی کو گم کر دیا اُس کا پانا تو درکنار۔

فرمایا۔ حضرت مجتہد دانت ثانی نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب نفس مطمئن ہو جاتا ہے شرح
صدر حاصل ہو جاتا ہے۔ اس منزل میں ایمانیات کے اندر انسان محتاج دلیل نہیں رہتا۔
امر نفی۔ بدیہی۔ اور امر اعتقاد کی کشفی ہو جاتا ہے۔

ایک روز شدت ضعف قلب کے باعث اٹھ کر بیٹھنے کی طاقت نہیں تھی ایک خادم نے
عرض کیا۔ حضرت کو کمال ضعف ہے اس کا ازالہ ادویات کے ذریعہ کرنا چاہئے

یہ سن حرارت محبت الہی خوش میں آئی اور بے اختیار ہو کر یہ شعر پڑھا
ہر چند بیرختہ دل و ناتوان شدم ہر گز کہ یار دوسے تو کردم جواں شدم
اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اہل طریقہ کو کوجہ دی۔

لے شاہ رکن احمد مجددی نے اس سوت پر لکھا ہے کہ خود کو گم کر دینا ہی اُس کا پانا ہے اور یہ شعر لکھا ہے

رقم از خوش نگارم آمد بے خودی طرہ کارم آمد

ایک دن فرمایا — میرا دل چاہتا ہے کہ میرے مرشد کی یہ خانقاہ وسیع ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ میں اہل دعیال نہیں رکھتا کہ ان کے واسطے مکان کی وسعت چاہوں یہ خواہش محض اللہ کے واسطے ہے کہ لوگ طلب حق میں اپنے اپنے وطنوں کو چھوڑ کر آتے ہیں اور جائے اتقا مت نہیں پاتے بس ان کی ہی سہولت کے لئے وسعت مکان چاہتا ہوں — نیز فرمایا کہ میرے بعد اس جگہ میاں ابوسعید بیٹھیں اور حلقہ و مراقبہ اور درس حدیث و تفسیر میں مشغول رہیں — بعد ازاں فرمایا کہ بعض شخص کتے ہیں کہ میاں ابوسعید پر یہ عنایت کس لئے ہے وہ نہیں سمجھتے کہ میاں ابوسعید پانسو مریدوں کو چھوڑ کر میرے پاس آئے ہیں اس سے پہلے وہ دوسرے مشائخ سے خرقہ خلافت پانچکے ہیں لیکن اب وہ اپنی گردن اخلاص میں میری بیعت کا حلقہ ڈالے ہوئے پیری سے مریدی کی طرف آئے ہیں بھلا وہ کیونکر عنایت و دعا کے مستحق نہ ہوں۔

فرمایا — حضرت شیخ عبدلقدار جیلانی نے چار ہزار گوں سے بیعت کی تھی اور مجھ کو (اس وقت) تین یاد ہیں۔

(۱) اپنے والد حضرت سید ابوصالح سے

(۲) حضرت شیخ ابوسعید محرقیؒ سے

(۳) حضرت حماد دباس سے (یہ کتبہ سازی کا پیشہ کرتے تھے)

فرمایا — حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ نماز پڑھتے ہیں بوقت قیام نظر کا سجدہ گاہ پر رکھنا عمل ممنون ہے اور یہ عمل ان بہت سے تعینات سے جو موافق سنت نہیں ہیں بہتر و مفید تر ہے۔

فرمایا — کہ طریقہ خواجگان نقشبندیہ اگرچہ اتباع سنت ہے لیکن حضرت شاہ نقشبندؒ نے علی حیثیت سے اس کا خاص اہتمام کیا بعدہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اتباع سنت کو شائع و رائج فرمایا۔

فرمایا — حضرت خواجہ ہمار الدین نقشبندؒ حضرت شیخ عبدلقدار جیلانیؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ جمہم اللہ میں سے ہر ایک معصداً سرار الہی ہے ایک کو

ملہ ایک دوسری مجلس میں آپ نے ان کے جو تھے ہر کا نام شیخ ابوآلونا بتلایا ہے۔

دوسرے پر فضیلت دینا اور ایک کے کمال کو دوسرے کے کمال پر فوقیت دینا نہ چاہئے ان بزرگوں کی مثال ان آئینوں کی سی ہے جو مختلف رنگ کے ہوں مثلاً چار آئینے ہیں ان میں ایک سرخ ہے۔ دوسرا سبز تیسرا زرد اور چوتھا سفید ہے ہر ایک آئینہ آفتاب سے روشن ہے اور ہر ایک ہر اس کی کرنیں چمک رہی ہیں پس ہر تو آفتاب کے لحاظ سے سب آئینے مساوی ہیں گو رنگ کا فرق ہے لیکن فیض آفتاب سے مستفیض ہیں۔

فرمایا۔ کوئی شخص قابلِ پیری و لائقِ مسند نشینی اس وقت ہوتا ہے جبکہ مسائلِ ضروریہ کا علم رکھتا ہو، توکل و قناعت زہد و صبر و فیہ و مقاماتِ عشرۃ اُس کو حاصل ہوں۔ اربابِ دنیا کی صحبت سے اجتناب رکھتا ہو، مشائخِ کرام کی صحبت سے فیض یافتہ ہو۔ اُس کا ظاہر شریعت سے آراستہ اور باطن طریقت سے پیراستہ ہو۔ بعد ازاں فرمایا۔ میں اپنا حال کیا بیان کروں عراقی کے ان شعروں کے بموجب ہے۔

بزمیں چو سجده کردم ز زمیں ندا برآمد کہ مرا خراب کردی تو بہ سجده ریا
بطوان کعبہ فتم بجرم رہم ندا دند کہ بروں ورچہ کردی کہ در دن غلام آئی
فرمایا۔ کشف میں احتمالِ خطا و صواب ہر دو ہے اور وجدان میں احتمالِ خطا نہیں ہے مثلاً ایک شخص نے دور سے ایک چار پائے کی صورت دیکھی اور یہ جانا کہ شیر ہے لیکن درحقیقت وہ شیر نہیں بلکہ وہ کوئی اور چار پایہ ہے یا پانی دیکھا اور وہ سراسر آب تھا پس مثالِ اہل کشف کی یہی ہے۔ اور وجدان کی مثال ہوا کی سی ہے کہ وہ اگرچہ نظر نہیں آتی لیکن اُس کی حرارت و برد و دست محسوس ہوتی ہے اس ادراک میں خطا کا احتمال نہیں ہے اس کے بعد فرمایا کہ مجھ کو وجدانِ صحیح کا ادراک عطا فرمایا گیا ہے۔

بعد ازاں مولانا رفیع احمد مجددی رامپوریؒ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا تم نے تو مشائخِ نقشبندیہ کے رسائل مثلاً فقراتِ حضرت خواجہ احرامؒ و رشحات وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے، وہ او با خاموش رہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس سلسلے کے بزرگوں نے اپنی کتابوں میں حضور و جمعیت کی ترغیب دی ہے ذوق و

شوق کا چنداں اعتبار نہیں کیا۔

ایک دن فرمایا۔۔۔۔۔ صوفیان خانقاہ کے حالات کا جائزہ لیا جائے کہ ہر ایک ”ذوق قلبی“ کس مقدار میں ہے۔ تہلیل بلحاظ معنی کس قدر ہے۔ اسم ذات کی قابلاً و سائاً کتنی مراد مست ہے۔ درود استغفار و تلاوت کلام پاک کی کیا رفتار ہے۔ خانقاہ میں لیل و نہار ہر شخص کس طرح گزارتا ہے اور اوقات کو کس عنوان سے صرف کر رہا ہے پس جو کوئی معروف و مشغول این اذکار ہو اسکو خانقاہ میں رکھیں ورنہ خارج کریں۔

فرمایا۔۔۔۔۔ مکتوب امام ربانی کے معارف بہت بلند ہیں ہمارا حال تو ان مکتوبات کے سمجھنے میں اس امی و ناخواندہ جیسا ہے جو وضو کر کے رو بہ قبلہ ہو کر کلام اللہ شریف کو کھولتا تھا اور اپنی انگی قرآن کی سطروں پر پھیرتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔ الہی تو نے سچ کہا۔ الہی تو نے سچ کہا۔ تو نے موتی پروئے ہیں۔

فرمایا کہ میں مکتوبات امام ربانی سے اخذ فیض کرتا ہوں بالکل اس طرح جس طرح مرید اپنے پیروں سے اخذ فیوض و برکات کیا کرتے ہیں۔

ایک دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے عقیدت مندوں اور مریدوں کو توجہ دینے کی طرف متوجہ ہو رہے تھے جب آپ نے دیکھا کہ مجمع بے شمار ہے کیونکہ لوگ سمرقند، بخارا، غنائی، تاشقند، حصار، قندھار، کابل، پشاور، ملتان، کشمیر، لاہور، سرہند، امروہہ، سہیل، برہلی، رامپور، کھنؤ، جاکس۔ بہرائچ، گورکھپو، عظیم آباد، دھاکہ، حیدرآباد، پونہ وغیرہ مقامات سے بطلب حق آئے ہوئے تھے حضرت کو ان دنوں ضعف بہت تھا فرمایا کہ لوگوں کی باری مقرر ہو جائے تیس آدمی حلقہ صبح کے لئے مخصوص ہو جائیں اور تیس حلقہ عصر کے لئے اور باقی انخاص آگے دن اسی طرح تیس تیس کر کے آئیں اور توجہ حاصل کریں جب سب کو توجہ حاصل ہو جائے پھر وہ پہلے تیس انخاص آئیں اور توجہ سے متفیض ہوں۔۔۔۔۔ فرمایا حضرت مجدد صاحب اور میرے پیروں میں شامل کسی تھا کہ باری مقرر ہوتی تھی۔

فرمایا ایک روز مجھ کو امام ہوا کہ حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنے خلفاء بطرف دکن بھیجے

تھے تم اپنے غلفاء کو بطرتِ کابل و بخارا و قندھار بھیجو۔

فرمایا۔ جو ترقی بسبب خدمت حاصل ہوتی ہے ریاضت سے اُس کا عشرِ غیر بھی حاصل نہیں ہوتا، خدمت سے سالہا سال کا کام منٹوں میں ہو جاتا ہے۔ خدمت ہی سالک کو کامیاب کرتی ہے۔

کسبِ صوفیا کا ذکر آیا تو فرمایا۔ بعض صوفیاء نے برائے اکلِ حلال تجارت وغیرہ بھی کی ہے لیکن نمازِ صبح (کے بعد) سے لے کر ظہر کی نماز تک اس کسب میں مشغول رہے اور ظہر کے بعد کے اوقات کو حلقہ و مراقبہ اور ذکر و توجہ میں بسر کیا ہے۔

فرمایا۔ آدمی کو چاہئے کہ اللہ کے وعدوں پر نظر کرے اسبابِ ظنیہ پر نگاہ نہ کرے۔ یقین کے ساتھ جانے کہ وہ روزی رساں ہے جس کو بیدار کیا اُس کی روزی مہتیا کی ہے۔

فرمایا۔ بنا خانقاہ سے پہلے جگہ کی تنگی کے باعث صوفیوں کی اقامت کے لئے مکان کی آرزو تھی پڑوس میں ایک مکان تھا اُس کا مالک فروخت کرنا چاہتا تھا ایک شخص نے کہا اس مکان کو آپ خرید لیں اُس وقت ایک کوڑی میرے پاس نہیں تھی۔ کارسازِ حقیقی کی جناب میں اس مدعا کے پورا ہونے کی دعا کی اُس نے دعا کو ہم آغوشِ مدعا کر لیا غیب سے انتظام ہو گیا اور اس مکان کو خرید کر تحتِ تصرف لایا چند مکانات اور بھی سات آٹھ ہزار روپیہ میں خرید کر شامل کر لئے۔ اس وقت تک اللہ تعالیٰ غیبِ الغیب سے خرچِ عنایت فرما رہا ہے اور تمام کام بوجہِ احسن پورے کر رہا ہے۔

فرمایا۔ صوفیان خانقاہ کو مدامتِ تہجد کی تاکیدِ ملیح کی جائے۔ سوتے کو بیدار اور بیدار کو متوجہ بیدار کیا جائے۔

یک چشمِ زدنِ غافلِ ازاں شاہ نہ باشی
شاید کہ نگاہِ کند آگاہ نہ باشی

(باقی آئندہ)

قانونِ مشیت نہ کہ قانونِ معیشت

(از مولانا عبد الباقی ندوی)

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ يُبْدِلُكَ الْخَبِيرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ تَوَلَّيْتُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتَوَلَّيْتُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرُدُّنِي مِنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

”اقرار کرو کہ اے اللہ ملک کے حقیقی مالک تو ہی جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے چین لیتا ہے جس کو چاہتا ہے ملک و حکومت دے کر اعزّت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے چین کر دے دلیل کر دیتا ہے بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے کہ تو ہی ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو ہی زندہ کو مرنے سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔“

کیسا پختہ قول و قرار لیا گیا ہے کہ جس طرح لیل و نہار موت و حیات کے سارے طبعی قوانین یا کونین حوادث و واقعات تمام تر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں اسی طرح ملک و رزق یا سیاست و معیشت کے سارے الٹ پھیر یا انقلابات پر بھی بالکلہ اللہ ہی کی مشیت فرمانروا ہے۔

اسلام اور اسلامیت کا سب سے بڑا طرہ امتیاز توحید کی تعلیم ہے اس توحید کا مطلب صرف

یہ نہیں کہ خدا اپنی ذات و صفات میں ایک ایک کرتا ہے ایک تو ایک معنی کر کے یہ چیز ہی ہے کہ اس کی خاص منطق جبریت و انفرادیت یا وحدت میں کوئی دوسرا فرد شریک نہیں نہ یہ مطلب ہے کہ خالق عالم صرف ایک ہے۔ اس توحید کے قائل تو ۳۴ کروڑ تو نادوں کے پجاری ہمارے وطنی بھائی بھی ہیں بلکہ ساری دنیا کے مشرک اس اعتبار سے اپنے کو موحّد ہی کہتے ہیں۔ خود عرب کے مشرک بھی خالق صرف ایک اللہ ہی کو مانتے مانتے تھے۔

”اگر ان سے بوجھو کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے لَیَقُولَنَّ اللہ۔“
 اسلامی یا قرآنی توحید کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس کا اللہ مطلق خالق نہیں کہ مخلوق کو پیدا کر کے خود ریٹائر ہو گیا ہو یعنی کائنات اور انسان کو پیدا کر کے اس طرح آزاد نہیں چھوڑ دیا ہے کہ اپنے آفاقی (طبعی) اور نفسی (ذہنی) قوانین کے تحت خود بخود چلتے رہیں قرآنی اصطلاح میں ان قوانین کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت کی محض آیات یا ایک دوسرے پہلو سے حکیمانہ انتظامات کی ہے۔ بالفاظ دیگر عالم میں جو طبعی اسباب یا انسانی تدابیر کا رفرمانظر آتی ہیں یہ اپنے نتائج و ثمرات کی علت نہیں فقط ایک مقررہ انتظامی علامت ہیں علت آفاقی و نفسی مخلوقات و غیرات کے ہر ہر ذرہ کی ہر ہر حرکت سکون کی بالذات خود ان کے خالق یا اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے۔ ہمارے اندر ہر آفاق و انفس میں جہاں کہیں جو کچھ بھی ہے اور ہو رہا ہے حَالٌ مَّایِدَیْہِ اور بِیْعِل مَایِدَہِ کے ارادہ و مشیت ہی سے ہو رہا ہے۔

ایک سیاست و معیشت کیا آدمی اپنی زندگی کے کسی حقیر سے حقیر معاملہ میں بھی جو اسباب و تدابیر اختیار کرتا ہے مسلمان کا سلمہ عقیدہ ہے کہ وہ نتائج و مقاصد کے حصول میں بالذات قطعی موثر و ذخیل نہیں۔
 ”اثیر بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و اذن پر موقوف ہوتی ہے۔ زندگی کے ہر انفرادی و اجتماعی بناؤ بگاڑ بڑتی و منزل نفع و ضرر عطا و منع نصیبت و نعمت، رنج و راحت کے ظاہری اسباب بس ظاہری ہی ہوتے ہیں حقیقی سبب صرف سبب الاسباب کی مشیت و ارادہ ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیم کی اس ہمہ گیر توحید مشیت سے قرآن و حدیث کا دفتر معمور ملے گا جس کا حاصل یہی ہے کہ نظام عالم میں طبعیت کا قانون مشیت کے قانون کی محض ظاہری و اصطلاحی علامت و آیت یا انتظامی حکمت ہے بالکل اسی طرح جیسے ریل کا ہتھا

(گلن) گزرا ریل کے آنے کی محض ظاہری و انتظامی علامت ہوتی ہے مگر علت علت تو دراصل ڈراور کا ارادہ یا منیت ہے۔

یہ مثال تو علت و معلول ہی کی بحث میں غالباً فلسفہ یا سائنس کی کسی جدید کتاب میں نظر سے گزری ہے عجیب مسرت ہوئی کہ معاشیات ہی کے سلسلہ میں آج کل حضرت مجدد و تھانوی علیہ الرحمۃ کے بعض مواعظ وغیرہ پڑھ رہا تھا تو علل و اسباب کی اسی نوعیت و حقیقت کی بحث میں مثال تک بعینہ ہی ملی فرق ریل کے ہتھے کی جگہ صرف ریل کی لال جھنڈی کا ہے اس کا دہے کہ

”اسباب و تدابیر کا درجہ صرف اتنا ہے جیسے ریل کا لازم لال جھنڈی دکھلانے جس سے ریل گاڑی فوراً رک جائے گی سو ظاہر ہے کہ لال جھنڈی میں تاثیر کی قوت نہیں اگر ڈرائیور انجن کو نہ روکے تو ہزار جھنڈیاں بیکار ہو جائیں گی پس لال جھنڈی کا درجہ صرف اتنا ہے کہ ایک اصطلاح مقرر کر لی ہے لیکن اگر کسی وقت ڈرائیور اس قرار و ادوا (اصطلاح) کے خلاف کرنا چاہے تو جھنڈی میں اس کو روکنے کی طاقت ہرگز نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ مقرر فرما دیا ہے کہ شخص اسباب کو اختیار کرے گا ہم مسببات پر ان کو فائز کر دیں گے لیکن کسی وقت اگر وہ مسببات کو بیراہ کرنا چاہیں تو اسباب سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے حقیقت شناس یوں کہتا ہے۔

کا زلف تست مشک افشانی اما شقاں مصححت را تہمتے برآہوئے جبین بستہ اند
اسباب کا نام مصححت و حکمت کی وجہ سے ہے ورنہ کرتے سب کچھ وہی ہیں اور زندہ کا نام ہو جاتا
کہاں میں اور کہاں نی حکمت گل نسیم صبح تیری ہسرانی

حقیقت میں موثر وہی ہیں اسباب میں تاثیر کی طاقت نہیں۔ وہ صرف علامات ہیں جیسے بھی لال جھنڈی کی مثال دی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس مضمون کو بار بار بیان فرمایا ہے کہ ایک جگہ بہت تصریح کے ساتھ

لے ملت یا علیت (Cause & Effect) کی اس حقیقت کو ظنیانہ اور سائنسی طور پر سمجھنے کے لئے قائم ہذا کا مضمون سیرۃ النبیؐ جلد سوم (مطبوعہ دارالمنین) میں ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے اور پچیسویں صدی کی سائنس میں تو علت و اسباب کا نام بھی ختم ہی کھٹولا اللہ کی تعریف تو ہو ہی گئی۔ الا اللہ کی شہادت میں علم نہیں زیادہ تر ہوا مانع ہے۔

کے ساتھ فرماتے ہیں :-

أَفَرَأَيْتُم مَّا لِحَرْثِكُمْ ءَأَنْتُمْ تَنْزِعُونَ

ذرا دیکھو تو اسی کہ جو کچھ تم ہوتے ہو اس کو اگاتے

أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ كَلْشَاءِ

تم ہو یا ہم ہیں اگاتے والے اگر ہم چاہیں تو اس

لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ

ساری پیداوار کو چور کر دیں پھر اس طرح

إِنَّا لَمُخْرَمُونَ بَلْ نَحْنُ مُحْرِمُونَ

کی باتیں بناتے رہ جاؤ کہ ہم تو بڑے تاوان (تباہی)

أَفَرَأَيْتُم مَّا لَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ءَأَنْتُمْ

میں آگے بلکہ سر سے خالی ہاتھ ہی رہ گئے کہ اس

أَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ

سرمایہ تک جا مارا اچھا پھر دیکھو کہ بانی جو تم پیتے ہو

الْمُنْزِلُونَ كَلْشَاءِ لَجَعَلْنَاهُ أَجَا

وہ بادل سے تم برساتے ہو یا ہم ہیں برساتے والے

حَبًّا فَلَوْ لَا تَشْكُرُونَ أَفَرَأَيْتُم

اگر ہم اگر چاہیں تو اس کو (پینے کے ناقابل) کھاری

النَّارِ الَّتِي تَوْرَدُونَ ءَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ

بنادیں سو تم سن کر کیوں نہیں کرتے بہرہ دیکھو کہ

شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ

(اسی طرح) آگ جو تم جلاتے ہو اس کی کڑوی (ذرت

(سورہ واقفہ)

تم نے پیدا کیا یا پیدا کرنے والے ہم ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اعیان و اشیا ہی کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کہ ان کے افعال و آثار ان کے اندر

بہرے قانون طبیعت کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ شیت کی پیداوار ہوتے ہیں۔ انسان اپنی

کھیتی باڑی کھانے پینے وغیرہ کی معاشی ضروریات کے لئے جو اختیاری تدابیر و افعال اختیار کرتا ہے

وہ بھی اپنی کامیابی یا کامیابی میں علمائے معاشیات کے مروجہ قوانین معیشت کے نہیں بلکہ بالکل لاشعری

کے قانونِ شیت کے تابع ہوتے ہیں ہمارے ان اختیاری افعال و تدابیر کی

”ہماری طرف نسبت ایسی ہی ہے جیسے بچے کے ہاتھ میں قلم لے کر پھر اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں

لے کر لکھا یا جائے (ورد و چار لفظ خوشنما لکھ کر) دل بڑھانے کے لئے) بچہ کی تعریف کر دی جائے

کہ شاباش بہت اچھا لکھا اب اگر بچہ مجھدار ہے وہ جانے گا کہ میرا اچھا کمال کچھ نہیں کمال اس کا

ہے جس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے اور نادان ہے تو جہالت سے ناز کرنے لگے گا، مگر

جس وقت دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ سے الگ ہو جائیگا اس وقت معلوم ہو گا کہ طلوع کھل جائے گی کہ وہ (بچہ) خود دیکھنے پر کتنا قادر ہے اور اس میں کتنا کمال ہے۔

معاشیات کی دنیا میں اس دوسرے ہاتھ کے الگ ہو جانے اور اگاتے تم ہو یا ہم ہیں اگانے والے کا تماشہ شاید آج ساری دنیا سے بڑھ کر خود ہمارے ہندوستان میں دیکھا دکھلایا جا رہا ہے آزادی کے بعد سب سے بڑوں کی بڑی بڑی زبانوں پر سب بڑا دعویٰ یہ تھا کہ اس ملک میں سنگا بھوکا کسی کو نہ رہنے دیا جائے گا۔ مگر مسلسل پانچ سال سے یہ رہا ہے کہ زیادہ اگاؤ زیادہ اگاؤ کی جتنی زیادہ سے زیادہ تدبیریں کی جا رہی ہیں اتنی ہی کٹی پر کٹی بادلت برقت زیادہ ہوتی جا رہی ہے عین جنگ کے زمانے سے بھی گزانی دایا بی کتنی چیزوں کی بڑھ گئی ہے پہلے سب بڑی زبان سے یہ دعویٰ نکلا کہ دو سال (۱۹۵۷ء) کے بعد باہر سے غلہ کا ایک دانہ نہ منگوا یا جائے گا۔ ابھی ۱۹۵۷ء آنے بھی نہ پایا تھا کہ اہل تدبیر کی دراندگیوں کی صدائیں ہر طرف سے آنے لگیں اب ۱۹۵۸ء کے بجائے خدا کا نام لئے بغیر کسی پنج سالہ منصوبہ کی خدائی کے اعلان پر اعلان ہوتے رہتے ہیں پھر بھی اگر دوسرا ہاتھ الگ ہی رہا تو منصوبہ بازیوں یا در تفکھات کی کمی کیا ہوگی کوئی اور منصوبہ کچھ اور باتیں بنانی جائیں گی ورنہ اپنی خوش تدبیریوں پر جمناست کا ناز ہوگا۔

آگے کا حال تو اللہ ہی کو معلوم اور اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے سر دست اگاتے تم ہو یا ہم ہیں اگانے والے کا یہ حال ہر شخص دیکھ رہا ہے کہ کسی فرد و جماعت کی نہیں ہمارے ملک و حکومت کی پوری طاقتیں سالہا سال سے زیادہ اگاؤ پر صرف ہو رہی ہیں متعل وزارتیں قائم ہیں سیکڑوں دفتر کھل گئے ہیں، ہزاروں لاکھوں کام کرنے والے لگے ہیں۔ کروڑوں اردوں روپیہ پانی کی طرح بہا یا جا رہا ہے ماہرین کے کمیشن کمیشن اور کمیٹیوں پر کمیٹیاں بنتی رہتی ہیں۔ ساتھ ساتھ اخباروں میں جیسی جیسی آئے دن خبریں آتی رہتی ہیں ان کا اندازہ دو ہی چار دن کی تازہ خبروں

سے لگائیے :-

۲۴ اپریل ۱۹۵۷ء کی خبر ہے کہ مستقل اطلاعات مل رہی ہیں کہ بستی (یو۔ پی) کے غمناں حصوں میں
نہائی آبادی سخت غذائی کمی کا سامنا کر رہی ہے۔ درختوں کی پتیاں اور جڑیں چبا چبا کر لوگ
بیٹ بھر رہے ہیں تین مہینوں سے روز بروز حالت بد سے بدتر ہو رہی ہے۔

اسی تاریخ کی اندور سے آئی ہوئی خبر ہے کہ اناج اور پانی دونوں کی کمی سے ضلع جمبوا کے چار سو
گاؤں کے ایک لاکھ آدمی باسیوں کو سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

مرحیہ بھارت کے خود وزیر اعلیٰ کو متاثر علاقوں کا دورہ کر کے سخت حیرت ہوئی کہ زیادہ تر
لوگ جنگلی پھلوں پتیوں املی کے بیجوں اور درختوں کی جڑوں پر گزارہ کر رہے ہیں (قومی آواز ۲۵ اپریل ۱۹۵۷ء)

اس سے ایک دن پہلے (۲۳ اپریل ۱۹۵۷ء) کی شملہ سے اطلاع ہے کہ ضلع حصار (پنجاب) میں
مولیشیوں تک کے لئے چارہ پانی دونوں کی اتنی قلت ہے کہ ستمبر سے اب تک دو ہزار وگین چارہ بھیجا
جا چکا ہے۔ مارچ و اپریل میں چارہ خریدنے کے لئے تین لاکھ اکتالیس ہزار کی تقاوی دی گئی۔ پانی کی
قلت دور کرنے کے لئے نہر کھودی گئی تاکہ گاؤں کے تالابوں میں پانی اکٹھا کیا جاسکے۔

گرانی یوں ہی کیا کم ہے کہ بہی میں حکومت کو غلہ کے نرخ میں تھوڑا نہیں بچاس فیصدی کا
اضافہ کرنا پڑا ہے جس کے متعلق ایک ہی دن بعد (۲۵ اپریل) کی خبر ہے کہ سولسٹوں نے ستیہ گرہ کا
تہیہ اور طے کر لیا ہے کہ غلہ کے گوداموں پر راج کر کے قبضہ کر لیں گے اور اسے پُرانے داموں پر فروخت
کر دیں گے۔ (قومی آواز ۲۶ اپریل ۱۹۵۷ء)

تین چار سال کے اندر ملک میں لاکھوں ایکڑ زمین نئی زیر کاشت آچکی ہے۔ کروڑوں کا غلہ
باہر سے آتا ہے پھر بھی قحط و گرائی و کمی کا ہنوز روزا دل ہی نہیں روزا فروں نظر آتا ہے اور
حکومت والوں کی یہ بے بسی کیسی عبرت کی ہے کہ بس باتیں بناتے رہ جاتے ہیں۔

فظمہ فنگھون اس فنگھون کی ایک مثال یہ ہے کہ کیا کیا جائے آبادی بہت بڑھتی جاتی ہے
ابھی ۲۴ اپریل ہی کو ہمارے ہندوستان کے وزیر خزانے کل ہند زرعی کانفرنس کی ایک تقریر میں اس

بڑھتی آبادی پر اس طرح اہل دانشوریش فرمایا کہ :

”ایک طرف آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے دوسری طرف زمین کی قوت پیداوار کم ہوتی جا رہی ہے جس سے ملک کو سخت غذائی دشواری کے سامنے کاندیشہ ہے۔“

اور عبرت پر عبرت ہے کہ تھک کر ان مدعیان تدبیر کے ترکش سے آخری تیر اس طرح کے نکلنے لگے ہیں کہ ضبط تولید (برکتہ کثرت) کے ذریعہ بڑھتی ہوئی آبادی کو روکا جائے اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اناج کھانا ہی کیا ضرور ہے بے اناجی خدا کے ادارے قائم ہو رہے ہیں، نمائش ہوتی ہیں۔ بوٹل کھل رہے ہیں ”تفکونی“ بے بسی ہی کی ایک مثال اور یاد آئی کہ کیا کیا جائے ارضی وسامی آفات خشک سالی و ترسالی (سیلاب) وغیرہ دم ہی نہیں لینے دیتیں کسی اخبار (غالباً پانیر) نے جھجھلا کر جواب دیا کہ

”اتنے بڑے ملک میں اس طرح کی آفات تو ہمیشہ ہی کہیں کہیں آتی رہی ہیں اور آتی رہیں گی اگر حکومت ایسے عذرات میں پناہ لیتی رہی تو قحط و قنط پر کبھی قابو نہ پاسکے گی!“

مدعا بنی ظنی و فرضی تفکلمات کے ذکر کا فقط یہ ہے کہ انسانی تدابیر ہی اگر ملکی و عمومی قحط و قلت یا شخصی و انفرادی اخلاس و عسرت پر قابو پانے کے لئے ہوتیں تو کون ملک یا کون فرد ہے جو اپنی والی کوئی تدبیر اٹھا رکھتا ہے مگر توجہ ہمیشہ ایک ہی نکلتا رہتا ہے کہ لگ گیا تو تیر نہیں نکتا۔ اگر کامیابی ہو گئی تو اپنی خوش تدبیر پر ناز و درندہ تفکلمات کی کیا کمی؟ سیدھی بات سمجھنے سے گریز نہ ہو تو معاشیات کیا انسانی تدابیر کا زندگی کے سارے چھوٹے بڑے معاملات میں یہی حال ہو کہ تیر کبھی لگا کبھی نہیں لگا جس کے معنی یہی ہیں کہ ہمارے قابو سے باہر کوئی اور غیبی قوت یا مشیت ذمیل کا رہے جنہوں نے اس مشیت کو پایا اور مانا ہی نہیں وہ تفکلماتی باتیں سیاسیات و معاشیات میں بھی جینی چاہیں بناتے رہیں لیکن اسلامی توحید لا اِلهَ اِلَّا اللّٰہ کے بنیادی اقرار ہی کا مطلب جب یہ ہے کہ فہم کا نفع و ضرر فعل و اثر شہادت تدبیر و اسباب کے نہیں بالکل غیبی سبب الاسباب کے ارادہ و مشیت کے تابع ہے تو اسلامی سیاسیات و معاشیات کا بھی یہ اقرار کوئی جزئی و فرعی مسئلہ نہیں بلکہ بالکل ابتدائی

لے شاید اس تعبیر کی ضرورت نہ کی چھپانے کے لئے اب بھی اصطلاح *amaly Planning* (منزلی منصوبہ بندی) بجا کی گئی ہو۔

مطالب اور خواہشات کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں کو چاہتی ہے ملک مہتی ہے اور جس سے چاہتی ہے عین یعنی جس سے اللہ تعالیٰ کی مشیت میں کو چاہتی ہے بے حساب رزق عطا فرماتی ہے ﴿وَتُؤْتِي الْمُلُوكَ مِنْ شَاءٍ وَمَنْزِعُ الْمُلُوكِ مِمَّنْ شَاءَ..... وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾۔

”خود اپنا تجربہ اپنے اور اکثر عزیزوں دوستوں کے انفرادی واقعات تک میں بھی ہے اور جو بھی ذرا غور کرے گا یہی تجربہ ہو گا کہ معاش و رزق کا معاملہ بالخصوص کچھ مٹی جیٹ لایمبٹین ہی ظاہر ہوتا ہے اور تدبیر کے تیرالعموم نشانہ سے ہٹ کر ہی کرتے ہیں۔ بار بار دیکھا کہ اگر کسی تعلیم میں ہا سبب سے کم ہو گا تو نہ خیال کیا جاتا تھا وہ کچھ نہ ہوئے اور جن کو انہوں سمجھا گیا تھا وہ ہر ہمارے دل سے میدان معاش میں کہیں آگے نکل گئے تجارت وغیرہ ہر چیز میں یہی مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ بار بار اس شخص اور جس چیز کی تجارت کے چلنے کے ظاہری اسباب زیادہ ہوتے ہیں وہ رہ جاتی ہیں اور جس کے ظاہری امکانات کم ہوتے ہیں وہ چل جاتی ہیں باقی نکات بعد وقوع تو ہر واقعہ میں کمال ہی لئے جاتے ہیں“ (تجدید تعلیم و تبلیغ ص ۷۱)



غرض کوئی ماننے نہ مانے لیکن اسلامی معاشیات کا نام لینے والوں، اس پر کتابیں اور مضامین لکھنے والوں کو اس کے سمجھنے سمجھانے کے سوا حق ہی کیا حاصل ہے کہ معاش یا رزق کی کمی یا زیادتی تنگی فرخی یا خود قرآن کی تعبیر میں ”بسط و قدر کا تعلق نہ معاشی اشیاء کے قانون طبیعت سے ہے اور نہ انسانی تدبیروں کے یہ تکنیکی یا انسان ساز قانون معیشت سے۔ بلکہ اس کا دار و مدار تمام تر اللہ تعالیٰ کے وجود و اوستہ قانون مشیت پر اور معاشی مشکلات کا حل خود قدرت والے خدا کے بتائے ہوئے قوانین مشیت میں ڈھونڈنا چاہئے نہ کہ بے بس بندوں کے بنائے ہوئے قانون معیشت میں۔ رزقی مشیت پر۔ اس کی گوناگوں حکمتوں کی طرف ارشادات کے ساتھ۔ جس تکرار و اصرار کے ساتھ زور دیا گیا ہو ذیل کی آیات سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

لے معاشی مشکلات کا یہ اسلامی حل ان کے لئے بھی مباحث میں اپنے موقع پر ملے گا۔

کہیں اس مشیت کو صفت رب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ پالنے یا پرورش کرنے والا ہی اپنے زیر پرورش کی مصلحتوں یا نفع وغیرہ کو خوب جانتا ہے کہ اس کو کون سی حاجت کس کس کیفیت یا کس مقدار و صورت میں پوری کرنی چاہیے پھر انسان کے پیدا کرنے والے سب (پروردگار) سے بڑھ کر اپنے زیر پرورش بندوں کی فطرت و تعلقات کے منافع و مضار کو کون پوری طرح جان اور سمجھ سکتا ہے اور اس کے مناسب اس کی معاشی یا رزقی حاجتوں کو بسط یا قدر کے ساتھ پوری کر سکتا ہے اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَ يَقْدِرُ لَهُ كَمَا يَشَاءُ اِنَّهٗ كَانَ عَاجِزًا صَبِيْرًا وہی اپنے بندوں کے مالی و دینی دنیا و آخرت کے مصالح کی پوری پوری خبر و بصیرت رکھتا ہے۔

آدمی کو مال و دولت پر کتنا گھمنڈ ہوتا ہے خصوصاً غریبوں کے مقابلہ میں، ہم بہ بھلا کوئی مشکل و مصیبت کیا آسکتی ہے۔ ہر چیز کا مقابلہ مال و دولت سے کریں گے اسی گھمنڈ میں انبیاء و مرسلین کے ڈراؤں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے اور ان سے اور ان کے غریب بیروں سے اکڑا کر کہتے ہیں کہ ہم تو تمہاری باتوں کو ماننے والے نہیں ہم مال و اولاد سب میں تم سے بڑھے ہوئے ہیں ہم بہ بھلا وہ عذاب کیا آسکتا ہے جس سے تم ڈرتے ہو۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَوْمِي مِن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتَنَفِّضُوْهَا إِنَّا جَاءَنَا الرُّسُلُ مِن قَبْلِهِ
كَافِرُونَ وَقَالُوا لَئِن لَّا نَرَاكُم مَّا أَفْلَحْنَا وَ لَئِن لَّا نَدْرَاكُم مَّا نَعْمَدُ بَيْنَ - (سبا ۴)

فرمایا کہ ان مال و اولاد پر اکرٹنے والوں سے کہہ دو کہ یہ تو میرے پرورش فرمانے والے رب ہی کا کام ہے کہ (اپنی پرورش حکمتوں کے تحت) جس کو چاہتا ہے رزق زیادہ دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے لیکن اکثر نادان انسان (ان حکمتوں کو) جانتے نہیں اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَئِن لَّا رَأَيْتَ النَّاسَ لَيُجَاهِلُوْنَ سُبُوْلَهُ سب سے بڑی حکمت و مصلحت تو آخرت کی فلاح اور خدا کا قرب ہے سو خوب جان لو کہ تمہارے اموال و اولاد جن پر اترتے ہو تم کو ہمارا مقرب نہیں بنا سکتے مگر ہاں ایسے اموال و اولاد والوں کو بھی ہمارا قرب نصیب ہو سکتا

ہے) جو اہل ایمان اور اہل صراط کے لیے اچھے سوال و جواب کا بھی اہتمام ہی کی راہ میں لگائیں اور چاہیں یہ لوگ اللہ کے لیے ہیں کہ ان کو جس عمل کی بدولت اگر مال و اولاد کو بھی خدا ہی کی راہ میں نکالیں، وہ ان کے لیے جہنم کا مال و اولاد کے گھنڈ میں ہماری ان حکمتوں اور انتظامی مصالح اور محلات کی آیات میں ہم کو ہر آنے کی کوشش کرتے ہیں (جیسے آج کل کی معیاری مذاہب و حکمتیں تو یاد رکھیں کہ ان کے پیچھے کیا سامنے کیا ہوگا۔ لہذا ہر وردگار کے پروردگار محلات و نعمات میں ان ہر آنے والی کوششوں کے دخل و مقولات سے باز رہیں۔

اور پھر بتا کیدان کو سنا، وہ کہ یہ کام تو صرف میرے ہی در و درکار و سب ہی کا ہے کہ (ہر درش کے مناسب) جس کو چاہتا ہے رزق زیادہ دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے۔ اور اگر تم کو زیادہ دیا ہے تو گھمنہ کرنے کے بجائے اس کو دینے والے ہی کی مدد سے خرچ کرو۔ اس طرح جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے (وہ) رائیگاں نہ جائے گا بلکہ ہر در و درکار اس کا بدلہ لے گا اور وہی بہترین رزق دینے والا ہے۔

وَمَا أَمَّا الْأَعْمَىٰ إِذَا دُعِيَ إِلَىٰ يَوْمِ اللَّهِ فَمَدَّ يَدَيْهِ إِلَىٰ السَّمَاءِ ۖ وَاللَّهُ يَوْمَئِذٍ يُشْفِقُ عَلَىٰ الْغَافِلِينَ ۖ أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ لِقَاءُ يَوْمَئِذٍ أَجْتَمَعُوا فِيهِ ۖ فَاصْبِرْ ۖ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ ۚ

صفت رب ہی کے سیاق و سباق میں سورہ شوریٰ کے دوسرے رکوع میں ارشاد ہے کہ اے محمدؐ آپ ان مشرکین سے کہنے کہ جس بات میں تم ادھلی حق کے ساتھ اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔ (باقی اپنا معاملہ تو یہ ہے کہ جس اللہ کی اوپر نشان توحید و قدرت وغیرہ بیان ہوئی) اسی اللہ کو اپنا سب ماننا اور جو سب ہے لازماً اسی کی مٹھی و مشیت پر بھر وسر کرنا اور (ہر معاملہ میں) اسی کی طرف رجوع کرنا ہوں..... وہی ہر بات کا پوری طرح سننے دیکھنے والا ہے اسی کے ہاتھ میں آسمان وزمین کی کنجیاں ہیں اس کے بعد معاف فرمایا کہ وہی بربریت یا بدوردگاری پر مبنی حکمتوں کے موافق ایسا قدرت کی ان کنجیوں سے کھول کر جس کو چاہتا ہے رزق زیادہ دیتا ہے

اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے بے شک وہی بہتہ کی حکمت و تعلیمت کو کما حقہ جانتے والہ ہے
 ”وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَخُذُوهُ اِنِّیْ اِلَہٌ وَّ اٰلِہٖمُ اللّٰہُ رَبِّیْ قَلِیْلٌ تَوَكَّلْتُ عَلَیَّ رَبِّیْ اَنْ یَّعِیْبَ

..... کہ مَقَالِدُ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ مِیْنُ سُبُطِ الرَّزْقِ مِیْنُ کُلِّ شَیْءٍ مُّکْرَمٍ عَلَیْمٌ

صفت رب کی خصوصیت کے علاوہ خود ذات جامع اوصاف سُبُطِ الرَّزْقِ طرت نسبت فرما کر بھی رزقی
 بسط و قدر کو اسی کی مشیت پر اکلید بنی ہونے کو چاہتا ہے ہر ایک سے۔ ہر مادی غنہ فرمایا گیا ہے
 کہ رزقی بسط یا معاشی کشادگی ہر ماں میں۔ ہر شخص کیلئے لازماً خیریں ہیں جوئی رستہ کے تیرے کس
 میں اِنَّہٗ یُسَبِّطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعِصِّدُہٗ ہر کے ساتھ ہی فرمایا کہ مَلٰٓئِکَۃٌ جُنُّوۃٌ دُیُوۡی اِلٰی وِلٰیۡتِ
 کا حصہ مل گیا ہے وہ اس دنیوی دولت (پست) زندگی پر اترتے ہیں حالانکہ دنیا کی یہ (پست) زندگی
 آخرت کے مقابلہ میں ایک نہایت حقیر نتائج کے سوا کچھ نہیں۔ اِنَّمَا حِیۡوَةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَآمَاتٌ
 اسی طرح غلبہ کیست کے چھپنے کو کہ میں اِنَّہٗ یُسَبِّطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعِصِّدُہٗ

کے ذرا آگے ہے کہ یہ پست دنیوی زندگی جو کھیل کر کے کچھ ہی نہیں اور زندگی تو بے شک بس آخرت
 ہی کی زندگی ہے کاش روحانہ اس کھیل کو کی زندگی نہ لگیں ہیں وہ اس کو جانتے ہو دَمَاسَا
هٰذِہِ الْحَیۡوَۃُ الدُّنْیَا اِلَآ اَفْهَوُۃُ لَعِبٍ وَّ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَہِیْ حَیٰوَاتٍ کَثِیْرَۃٌ مَّا کُنَّا نَعْلَمُ کُوۡلٰی حَیۡلٍ کُوۡدٍ
 میں زندگی گنوانے کی حماقت کیوں کہتے مطلب یہی ہو کہ رزق کی بسطی و قدری ملکوتوں یا معاشی
 کشادگی و تنگی کی مصالحتوں کو غفلت میں کو دیکھ گھومنے والی چند روزہ زندگی کی تازہ دین تولتے اور
 اترتے رہنا آخرت سے بے خبری و غفلت کی حماقت کے سوا کیا ہے۔

بلکہ درحقیقت اس غفلت و حماقت ہی نے دنیوی زندگی کو کھیل کو دینا دیا ہے ورنہ اگر اسی
 معاشی خوش حالی و فراغت یا مال و دولت کو خدا کی راہ میں لگا یا اور آخرت بنانے والے مصارف
 میں صرف کیا جاتا تو سراسر کامیابی و کامرانی کا ذریعہ بن جاتی کیا روزہ کے تجربات سے دیکھتے
 نہیں کہ رزق و معاش کی زیادتی و کمی کا مہار خالی انسانی تدبیروں پر نہیں اللہ ہی جس کو چاہتا
 ہے رزق زیادہ دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے بے شبہ اس (زیادتی و کمی) میں ایسا

لانے والوں کے لئے (اللہ کی حکمتوں کی) نشانیاں ہیں ہیں (اگر اس معاشی کشاکش کا حقیقی مُخرِج دُفع حاصل کرنا ہے تو اس کو اہل حقوق ہر اللہ کی راہ میں خرچ کرو) رشتہ دار کو رشتہ دار کا حق دوسکین کو مسکین کا اور مسافر کو مسافر کا (اسی طرح اور بھی جو اہل حقوق اللہ اُجالے نے مقرر فرمائے ہیں ان کو ادا کرنے میں) ان لوگوں کے لئے بھلائی ہے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

”أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ فَآتِ ذِي الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (روم ص ۴۰)

لیکن آدمی کا عام حال یہ ہے کہ جہاں اس کو کچھ خوش حالی یا مال و دولت کی نعمت عطا ہوئی تو خدا و آخرت سب کو بھول کر اُس کو اپنی دانش و تدبیر کا نتیجہ جاننے لگتا ہے (اِذَا خَوَّلْنَا نِعْمَةً مِّمَّا قَالُوا اِنَّمَا اُذِيتُهُ عَلٰی عَلْمِهِ) حالانکہ دراصل یہ آزمائش ہوتی ہے کہ دیکھیں تم ہمارے اس عطیہ نعمت کو دنیا ہی کی پست زندگی اور کسب کو دیں کھپا دیتے ہو یا اس سے ہماری وفا جوئی اور آخرت کی فلاح کا کام لیتے ہو (ہاں بھی فِتْنَةٌ وَلَٰكِن اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ) اس کے کچھ ہی آگے سورہ زمر (ص ۵۷) میں پھر اسی حقیقت کا اعادہ فرمایا گیا ہے کہ کیا خود زمرہ کے معاشی و زرّی تجربات سے لوگوں کو یہ نظر نہیں کہ آتا کہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے اور اس زیادتی و کمی میں ایمان لانے والوں کے لئے (اللہ کی حکمتوں کی) نشانیاں ہیں۔ اَدْلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ (رَن فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیَاتٍ حِثِّبِ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔

اسلامی معاشیات پر خامہ فرسائی فرمانے والے نو مسلمان یہ تو بڑی دھوم دھام سے دعویٰ کرتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہے سب انسان ہی کے لیے پیدا کیا گیا خَلَقْتُ لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے خدمت و تابعداری کے لیے ہے سَمِعْتُ لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

الْأَرْضِ لَكِن يَبْهَلُونَ أَنَّهُم مُّجْرِمُونَ۔ دُنیا تو تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے، مگر تم اس کو خود
دُنیا کے لئے نہیں پیدا کئے گئے ہو کہ اسی کے پیچھے جان دیتے رہو۔ سارا خالق اسی الٰہی منطق اور
اصلی اسلامی منطق کے صرف ایک مقدمہ الدُّنْيَا جِلْقَتْ لَكُمْ كُودًا رَکْنَةً اور دوسرے دَانْتُمْ
جِلْقَتُمُ الْآخِرَةَ کو فراہم کر دینے کا ہے۔ حالانکہ خود قرآن مجید میں یہ تو وہی چار جگہ ملے گا کہ دُنیا
انسان کے لئے ہے۔ سارا زور میلوں مقامات پر ذرا ذرا سے تعبیری اختلاف سے اسی پر ملتا
ہے کہ خود انسان خدا و آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہی انسانیت کا مرجع منتہی ہے وَالْإِلٰهِ رَبِّكَ
الرَّحْمٰنُ۔ وَالْإِلٰهِ رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی۔ اِلَيْهِ تُجْبَوْنَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرِ اِلَيْهِ الْمَلٰٓئِكَةُ وَغَيْرُهُ عَنَادَاتٌ تَعْبُدُوْنَ اِلٰهًا غَيْرَ
ہی نہیں پوری اسلامی زندگی کی منطق کے اصلی دوسرے ہی مقدمہ پر بار بار زور دیا گیا ہے
اور ان دونوں مقدموں کے ملانے سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے وہی ہر شعبہ میں ٹھیک اور ٹھیک
اسلامی زندگی کا تصور و معیار ہے یعنی جب دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے اور تم خدا و آخرت
کے لئے تو دنیا کی ہر چیز کو اس طرح استعمال کرو کہ خدا کی رضا اور آخرت کی فلاح و نجات
حاصل ہو۔ بالفاظ دیگر دنیا اور اپنے دونوں کے پیدا کرنے والے کے مطابقت زندگی بسر کرو یہی
تمام دوسرے شعبوں کی طرح زندگی کے معاشی شعبہ میں بھی عبادت و عبدیت بندگی و سرافکندگی
والی وہ اسلامی زندگی ہو گی جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے اور جس کو اوپر معاشیات عبدیت
کے عنوان سے واضح کیا جا چکا اسی منطق کے مطابق زندگی وہ صالح زندگی ہے جس کا ایمان کے ساتھ
دعوای الصالحات کو جو ذکر ہر جگہ مطالبہ کیا گیا اور موت و زندگی کا سارا ہنگامہ اسی حسن عمل کی
آزمائش و امتحان کے لئے برپا کیا گیا ہے خُلِقَ الْمَوْتُ وَالْحَيٰوةُ لِنُبَيِّنَنَّكُمْ اَنْتُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔
زمین پر ہم کو اپنا جائز (خلیفہ) بنا کر اور بعض کو بعض پر ترمی لے کر جا ہی یا مالی یا معاشی زندگی
میں جو اونچ نیچ خود ہمارے پالنے والے رب نے رکھی ہے، یہ اسی لئے ہے کہ ہمارے پروردگار کا مقام
و مصالح کے لئے ہم کو امتحان سے گزارا جائے۔ جَعَلْنَا خَلَائِفَ الْاَدْنٰى وَدَفَعْنَا بَعْضَكُمْ فَوْقَ
بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْمَا اَنۡكُمۡ اِنَّ رَبَّكُمۡ عَلِيمٌ الْحَسَابُ وَ اِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

نبوی تمثیل میں اسی حقیقت کو یوں واضح فرمایا گیا ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے (اللہ دنیا مزرعۃ
الآخرۃ) یعنی اس کھیتی کے لئے دنیا کی مختلف مخلوقات کی صورت میں تم کو زمین پانی ریز ببار اور
کشادہ دزی کے آلات وغیرہ جو کچھ بھی طرح طرح کے سامان دے گئے ہیں (فیما تاکلمہ) ان سب کی
غرض یہی امتحان ہے کہ تم ان سامانوں کو آخرت میں کام آنے والی کھیتی میں لگاتے ہو یا نہیں۔

ضرورت ہی نہیں زمینت کا بھی جو کچھ سامان اس زمین پر پیدا کیا ہے وہ بھی حسن عمل ہی کے امتحان
کے لئے ہے (إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ مَرْيَبًا لِّمَن يَهْتَدِي ۚ لَّهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ حَتَّىٰ تُخْرُجَ) اور آئیے امتحان ختم
ہوتے ہی سامان امتحان کو بھی ختم کرایا جائے گا (وَأَنَّا لَنُحْصِي عَمَلُهُمْ صَاعِدَ الْجُودَا جَابِجًا كَىٰ
ان مختلف تہریجات کے علاوہ ایک جگہ زمین و آسمان سب کی بہرہ آئش کی غرض و دوڑ میں اسی
حسن عمل کے امتحان و ابتلا کو فرمادیا (وَالَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ
عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لَنُفِئَنَّكُمْ لَهَا لَعْنًا لِّمَن كَانَ يَكْفُرْ) لیکن جو کوئی کفر ملوث و ارض کی اس ابتلائی آفرینش کے اصلی نتیجہ
بعث بعد الموت ہی کے سرے سے منکر ہیں ظاہر ہے کہ وہ اسی باتوں کو انسانہ و انسانی ہی جانیں گے
وَلَقَدْ قُلْنَا لَكُمْ إِنَّا لَنَمُوتُ ۖ فَمِنْكُمْ مَّنْ كَفَرَ ۚ فَتَبَدَّلْنَا الْمَوْتَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ۚ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لَنُفِئَنَّكُمْ لَهَا لَعْنًا لِّمَن كَانَ يَكْفُرْ ۚ ()
جب ساری کائنات ارض و سموات کا مدعا انسان کو اس کی انسانیت کی تربیت تکمیل
کے لئے ابتلا و آزمائش سے گزارا ہے تو معاشی تعلیمی و فراخی یا زرقی بسط و تنہا سے بھی مشیت کا مقصود
اس ابتلا ہی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔

سورہ انفجیر میں معاش و رزق کی اس ابتلائی نوعیت کو خصوصیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے
پہلے عا و قوم و فرعون وغیرہ کے لئے جاہ و مال و عظمت و ثروت والے بڑے بڑے جباروں کی کشری و
فساد انگیزی اور پھر اسی دنیا میں ان کے معتب و برباد ہونے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے کہ

بہر حال آدمی کا یہ حال ہو کہ جب اس کو اس پروردگار
بطور آزمائش عزت و نعمت عطا کرتا ہے تو اکثر نے
اور کہنے لگتا ہے کہ مجھ کو تو میرے بڑے دگار نے معزز
فَمَا أَصْبَا ۚ إِذْ أَمَّا بَنِيٰٓٓ
رَجَبٌ فَأَكْرَمَهُ ۚ وَدَعَمَهُ فَيَقُولُ
رَبِّیْ أَكْرَمُنِی ۚ وَ أَمَّا إِذْ أَمَّا بَنِيٰٓٓ

بنالیا ہے۔ دوسری طرف جب آزمائش ہی کے طور پر
 رزق یا معاش میں کمی یا تنگی کو ہی باقی کو تو بے صبر ہو کر
 کہنے لگتا کہ مجھ کو تو میرے پروردگار نے ذلیل ہی کر ڈالا

آگے شدت کے ساتھ متنبہ کیا گیا کہ ہرگز نہیں دکھانا اصل بات نہ یہ ہے نہ وہ تم کو بھال دجاہ دیا
 جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں جتنا کہ دوسروں کے مقابلہ میں اکڑاؤ اور اپنی بڑائی بانگو، بلکہ
 (دل) دراصل یہ تمہارا امتحان ہے کہ تم اس بناء و مال کو یقینوں سکینوں وغیرہ کی خدمت و عزت
 میں خرچ کر کے اپنی انسانیت و آخرت کو ضائع کرنا چاہتے ہو یا نہیں۔ تمہارا عام حال یہ ہے کہ نہ تم خود
 یقینوں کی قدر پہچانتے ہو نہ دوسروں کو سکینوں کو کھلانے پلانے پر اپنی مثال و ترغیب سے آمادہ
 کرتے ہو۔ حد یہ ہے کہ خاص اپنی ہی کامیابی نہیں میراث تک کے مال کو سمیٹ کر خود ہی اپنے عیش و عشرت
 میں اڑا دیتے ہو پھر بھی مال سے جی نہیں بھرتا اور چاہتا رہتا ہے کہ حق و ناحق کی تمیز کے بغیر اس کے عشق و
 طلب میں غرقاب رہتے ہو۔

كَلَّا بَلْ لَّا تَخْتَارُ مُوَدَّاتِیْمَ وَّلَا تَخْتَارُ عَلٰی طَعَامِ الْمَسْكِیْنِ وَتَاْكُلُوْنَ
 الشَّرَآءَ اَكْلًا مَّثْمًا وَتَحْبُوْنَ الْمَكَانَ اُجْبًا ۝

حالانکہ اپنی واجب ضرورتوں سے جو زائد مال تم کو دیا گیا تھا اس کا مقصد یہ ہرگز نہ تھا کہ اپنی ہی
 عیش و عشرت جہاد و منزلت کا اس کو ذریعہ بنا لو اور پھر بھی بل من مزید کی جہنم نہ بھرے بلکہ وہ دراصل
 تمہاری اس آزمائش کے لئے تھا کہ دوسرے اہل حقوق اور اہل حاجت پر صرف کر کے اپنی انسانیت
 و آخرت کے بناء کا انتظام کرو لیکن تم نے ایسا نہ کیا تو اب کان کھول کر سن لو کہ آخرت یا قیامت میں
 ”جب زمین ریزہ ریزہ کر دی جائے گی اپنی یہ دنیا برباد کر دی جائے گی اور جن امتحان کے لئے

تم پیدا کئے گئے تھے اس کے نتیجہ کا فیصلہ و اعلان فرمانے کے لئے تمہارا پروردگار صرف درصفا کا تب
 اعمال وغیرہ) فرشتوں کے ساتھ (میدان حشر میں) تشایف فرما رہا گا اور ساتھ ہی تمہارے ہمتیانی
 پیغمبر کی جگہ جہنم کو بھی سامنے لایا جائے گا اس دن سمجھ آئے گی کہیں اب سمجھ آئے کا وقت کہاں رہا ہوگا

تب جبے ہی کے ماتر میں سہرت سے آدمی کہنے لگے گا کہ کاش میں نے اس (آخر وی) زندگی میں کام نہ لے والا کوئی عمل کیا ہوتا، لیکن اس دن خدا کے عذاب کے برابر کوئی عذاب دینے والا ہوگا اور نہ اس کی جگہ کے برابر کوئی جگہ ملنے والا۔

”كَلَّا إِذَا دُخِلَ الْأَرْضُ دُكَاوُكًا وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا وَجَاءُ يَوْمَئِذٍ
بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى يَقُولُ يَلَيْتَنِي قَدَّمْتُ
رَبِّحَاتِي يَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَ أَحَدٍ وَلَا يُؤْتِي وَثَاقَهُ أَحَدٌ۔“

دوسری طرف جو لوگ دنیا کی عیش و عشرت میں آخرت یا اپنے پروردگار (رب) کی طرف واپسی کو نہ بھولے مال و دولت جاہ و عزت کی کثرت و قلت بسط و قدر کے جس حال میں بھی رہے، اپنے مقام امتحان کے حقوق نفس کے ایمانی اطمینان کے ساتھ ادا کرتے رہے، ان سے ارشاد ہوگا کہ

اے اپنے پروردگار پر اتمتہ و اطمینان رکھنے والے نفس اب تو پر دان چڑھ کر یعنی عبدیت کی تکمیل کے ساتھ اپنے پالنے والے کے پاس اس طرح خوش خوش واپس ہو کہ وہ تجھ سے خوش رہے اور تو اس سے پس میرے بندوں (یعنی عبدیت و بندگی کا امتحان پاس کرنے والوں) میں داخل

ہو جا اور داخل ہو جا میری جنت میں، جو میں نے اپنے بندوں ہی کے لئے تیار کی ہے۔“

”يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمطمِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي۔“

حرم آں روزگاریں منزل ویراں بروم

راحت جاں ظلم و زپے جاناں بروم

حجاب چہرہ جاں می شود غبارِ رنم خوشادے کہ ازیں چہرہ پردہ فرسگم
چنین نفس نہ منزاعے چون خوش الحان است روم گلشن رضوان کہ فرخ آں چہنم

المیہ فلسطین کے بنیادی اسباب

(از سولین سید ابوالحسن علی حسینی ندوی)

مترجمہ: عتیق الرحمن بنعلی

اس ترجمہ کی پہلی قسط الفرقان ماہنامہ رجب ۱۴۰۱ء میں شائع ہوئی تھی جس میں بتلایا گیا تھا کہ فلسطین میں مسلمانوں کی بے گمانی کے تین خاص سبب ہیں (۱) اُن داخلی اور نفسیاتی محرکات کی کمزوری جو عقیدے اور اصول کی راہ میں موت کو محبوب بنا دیتے ہیں (۲) جذبات پر عمل کی زور دہی اور جانبازی کے مواقع پر امتیاز پسندی (۳) ایک ایسی شخصیت کا فقدان جس کے دل و دماغ پر فلسطین ہی فلسطین چھا جائے۔ پھر پہلے سبب پر کچھ تفصیلی بحث کی گئی تھی جس میں دکھلایا گیا تھا کہ داخلی محرکات کی قوت کن نتائج کو پیدا کرتی ہے اور ان کے ضعف کے نتائج کس شکل میں سامنے آتے ہیں۔ اب آج اس مقالہ کے نتیجے کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے یاد رہے کہ یہ مقالہ دمشق کی ایک مجلس میں پیش کیا گیا تھا۔ اور اناخوان المسلمون نے اسی وقت اسے چھپوا کر شائع بھی کر دیا تھا۔ مدیر حضرات! اب میں کچھ گفتگو دوسرے سبب پر کرنا چاہتا ہوں۔

عقل کی قیمت اپنی جگہ پر تسلیم ہے۔ کسے مجال ہے کہ اس میں کلام کرے اور اس کی اہمیت کا انکار کرے اور کسی معاملہ میں سوچ بچار اور حزم احتیاط کو غلط قرار دے خصوصاً جبکہ معاملہ افراد کا نہیں اُمم کا ہو لیکن بایں ہر عزت میں یہ کہنے کی جرأت اپنے اندر پاتا ہوں کہ ہر امت کی زندگی میں بعض مراحل ایسے ضرور آتے ہیں کہ جب عواقب سے

بے پرواہ ہو کر جوش و جذبات کی آواز پر لبلیک کننا عین زندگی اور ہوش و
خرد کے چپکریں پڑنا عین ہلاکت ہوتا ہے

کیونکہ عقل زمانہ قدیم سے آدمی کو ڈرانے سماتے ، فوری اقدامات سے باز رکھنے اور کاموں میں دیر
لگوانے کے لئے بنام ہے۔ ہاں اس عقل نے عظمت و سر بلندی کے بہترین مواقع قوموں کے ہاتھوں
سے نکلوا دئے ہیں۔ بار بار خطرات کو نہایت مبالغہ آمیز انداز میں پیش کیا ہے کتنی ہی بار فتح و ظفر کی قریب
ہوتی ہوئی گھڑیوں کو دور کیا ہے کتنے ہی زرین لمحات کو ضائع کیا اور کتنے ہی اموال غنیمت کو کھو یا
بیشک یہ ٹھیک نہیں ہے کہ دل عقل سے بالکل بیگانہ رہے بلکہ اس سے مشورہ اور امداد دیتے دینا چاہیے لیکن یہ بھی
ٹھیک نہیں ہے کہ اس کی رائے کا بالکل پابند رہے بلکہ کسی وقت تنہا اپنے دجائے بھی بھروسہ کرنا چاہئے
اپنا ہے دل کے پاس ہے پاسبان عقل لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

جو دل کبھی عقل سے بغاوت اور کبھی خود اعتمادی کی جرات نہ کرے۔ اس میں کوئی خیر نہیں وہ ایک بھلے مو
انگوارہ اور ایک بے جان وجود ہے۔

ہم جب دنیا کی تاریخ پڑھتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ بیشتر فتوحات اور وہ بڑے بڑے معرکے
جن کی تعجب خیزی اور حیرت انگیزی بقائے دوام اختیار کر گئی ہے ان سب کا سہرا دل اور اس کے
سرفروشانہ جذبات کے سر ہے اور وہ تاریخ جو ہمارے قلوب کو ایمان اور شجاعت سے معمور کر دیتی ہے
اس کی عظمت اور اس کا دبدبہ بھی اس کے انھیں اوراق سے قائم ہے جن پر سرفروشی اور جانبازی
کی داستانیں ثبت ہیں۔ اگر یہ اوراق ہماری تاریخ سے نکال دئے جائیں تو یہ تاریخ تاریخ سے زیادہ
ریاضی کی کتاب بن جائے

جو دل ایمان سے قوت حاصل کرتا ہے اس کے کام کی ابتداء وہاں سے ہوتی ہے جہاں کار
عقل تمام ہوتا ہے اور عقل تک کر میٹھ جاتی ہے عقل اس پر جہالت جنوں اور ہوس و شہی کی تہمتیں نہرتی
اور فقرے کتنے کتنے ہیں لیکن وہ یہ بھول جاتی ہے کہ ایک بار نہیں سیکڑوں بار دل کا جوش و جنوں خود
اس کے کام آیا ہے اور اس جاہل کے احسانات سے علم و تہذیب کی گردن بھی جھکی ہوئی ہے کیا

عقل کو اپنی بے چارگی، اسیری اور مظلومیت کا وہ زمانہ یاد نہیں ہے جب یہ دل ہی اس کی مدد کو آیا تھا، اسی نے اُس کے بندھن کھولے اور بیڑیاں توڑیں تھیں اور پھر انصاف کے ساتھ اُس کا حق دلا یا تھا یہ دل کا جو ٹیلا بن ہی تھا جس کی بڑلت علم کو تسلط حاصل ہوا اور یہ دل ہی تھا جس نے کتنے ہی موقعوں پر ہندیب و ثقافت کی حفاظت کی اور وحشیوں کی نازنگی سے اُسے بچایا۔

قوی ایمان اور یقین والا دل خطرات میں کود پڑتا ہے اور جو کچھ کرنا ہوتا ہے کر گزرتا ہے اور عقل تذبذب، سوچ بچار، عاقبت اندیشی اور مصلحت بینی میں کھڑی رہ جاتی ہے

بے خط کو دہڑا آتش غرور میں عشق حسن ہے جو تماشائے لب بام ابھی
پھر لطف یہ ہے کہ جب صاحب ایمان و عشق پر خطر بازی جیت لیتا ہے اور نظروں منور ہو کر لوٹتا ہے تو وہی عقل جو تھوڑی دیر پہلے اس پر زنا عاقبت اندیشی کے فتوے صادر کر رہی تھی اس کے اقدام کے لئے وجہ جواز بیان کرتی ہے اور سو سو دلیل اس کے اقدام کے صحیح اور برص ہونے پر دلاتی ہے

ناطفہ سر بگربیاں کہ اسے کیا کیجیے

حضرات! اسلام کے مہدائیں کو یاد کیجئے۔ (ادھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ باخلافت بنکھال لیتے رہے اور ادھر یکایک فتنوں کا ایک سیلاب اُمنڈا اُٹا ہے، ہاتھوں کے طوطے اڑانے والے مصائب کی لینا شروع ہوتی ہے۔ دینے کے اندر نفاق کی وبا پھوٹ پڑتی ہے اور دینے سے باہر بعض قبائل مرتد ہو جاتے ہیں اور باقی بعض خلیفہ رسول کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں عرب یکہ مظلوم در دینہ منورہ کے علاوہ کوئی جگہ ایسی باقی نہیں رہی ہے جہاں جمعہ قائم ہوا اور مسلمانوں کا حال اپنی قلت، دشمنوں کی کثرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی کی وجہ سے عروہ بن زہیر کے الفاظ میں اُن بھیڑوں کے مانند ہو گیا ہے جو بارش کی سردرات میں بھیگنے کے خوف سے اپنے ہارے میں ڈبکی پڑی ہوں۔ ایسی نازک اور ناگفتہ بہ حالت میں ابوبکر صدیق جناب رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت اور آپ کی

مرضی کو پورا کرنے کے خیال سے حبش اسامہ کو شام کی طرف روانہ کرنے کا قصد فرماتے ہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کو حضرت اسامہ کے زیر قیادت اسی مقصد سے ترتیب دیا تھا، یہاں عقل معارضہ کرتی ہے اور کہتی ہے کہ نہیں! ایسی حالت میں کہ مدینہ ایک کھلا ہوا شہر ہے چاروں طرف دشمن ہیں، ان کے حملہ کا ہر دم خطرہ ہے اور ہمارے پاس بس یہی ایک منظم لشکر ہے ایسی حالت میں اس کو مدینہ سے باہر بھیج دینا ہرگز توہین ہوشمندی اور داناہی نہیں ہے مدینہ کے اہل الرائے حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اے خلیفہ رسول! اس لشکر میں مسلمانوں کی اہم جمعیت بلکہ ان کی کل پونجی ہے عرب سارا کا سارا آپ سے باغی ہو چکا ہے ایسی صورت میں کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ مسلمانوں کی ایک اہم جماعت کو آپ اپنے سے جدا کر دیں مگر ابوبکر یقین حقیق کا پتلا جو عشق کی ایک جست کے لئے تلا بیٹھا ہے، انھیں جواب دیتا ہے۔

”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں ابوبکر کی جان ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا مبارک کو پورا کر کے رہوں گا، اگرچہ مجھے اس کا بھی یقین ہو جائے کہ درندے مجھے اٹھا لیجائیں گے اور قسم ہے اسی ذات کی میں اس ارادہ کو نافذ کر کے رہوں گا اگرچہ میں بستیوں میں تنہا ہی کیوں نہ رہ جاؤں۔“

آخر کار ابوبکرؓ جو چاہتے تھے وہ ہوا اور اسامہؓ اپنے لشکر کو لے کر مدینہ سے چل پڑے جبین خرد ہر وہل پڑ گئے کیونکہ اسے خیال تھا کہ اس کی نہ مان کر ایک زبردست غلطی کی گئی ہے جس کا نتیجہ زہر چھلکنے میں بلا استثنا سب ہی کو شریک ہونا پڑے گا۔ مگر جب اسامہؓ مظفر و منصور واپس آئے اور واقعات نے ثابت کیا کہ اس لشکر کا کھٹنا بہت ہی اچھا ہوا۔ تو عقل نے اپنا موقف تبدیل کر دیا اور پھر اسی نے اس فیصلہ پر یوں تبصرہ کیا جو تاریخ نے محفوظ کر لیا ہے کہ

”اس وقت میں اسامہؓ کا کوچ ایک نہایت مفید اقدام اور عین مصلحت ثابت ہوا کیونکہ راہ میں عرب کے جس قبیلہ پر بھی ان کا گزر ہوتا تھا وہ مرعوب اور پست ہمت ہو جاتا تھا قبل کہ کہتے تھے کہ اگر مدینہ میں زبردست قوت نہ ہوتی تو ایسے نازک وقت میں ان کا یہ لشکر ہرگز مدینہ

سے ابھرنا جاتا۔ بس مسلمانوں کا یہ ایک اقدام یکروں تدبیروں کے قائم مقام ہو گیا ہے۔
 عشق کی ایک جست پٹے کر دیا قصد تمام اس زمین و آسمان کو بے کراں بچھا تھا میں
 معزز حاضرینِ اعرب کی تاریخ کا ورق ورق سرفروشیوں اور چاہنا زدوں سے منور ہے اور
 شاید یہ کہنا صحیح ہے کہ سرفروشی میں دنیا کی کوئی قوم عربوں کی ہمسر نہیں ہے اور یہ بھی حقیقتاً صحیح ہے
 کہ ان سرفروشیوں کو اس تہذیب کو وجود دیں لانے کا ثمر حاصل ہے جس کے سایہ میں عقل، علم
 اور انسانیت کو پھلنے پھولنے کا موقع حاصل ہوا۔

بے جگرگی اور سرفروشی کے ان واقعات میں سب سے بڑا کام نامہ اور جنگوں کی تاریخ میں سب سے
 زیادہ بدخطر اقدام حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا وہ سفر ہے جو آپ نے ایک لشکرِ جبار کے ساتھ
 عراق سے شام کی طرف کیا تھا اور نفسِ سفر سے بھی زیادہ یہ ہے کہ ان دونوں ملکوں کی نہایت خطرناک
 اور دشوار گزار درمیانی مسافت کو انھوں نے صرف پانچ دن میں طے کیا اور زمین کا کہنا ہے کہ
 ”معرکہ یرموک سے قبل حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کو لکھا کہ عراق میں اپنا ایک
 نائب چھوڑ کر اپنی فوج کے ساتھ شام کا رخ کریں۔ یہ حکم پاتے ہی وہ ساڑھے نو ہزار فوج
 کے ساتھ نہایت تیز رفتاری سے شام روانہ ہو گئے۔ رافع بن عریہؓ ان کے دہلیز
 راہ تھے اور عجلت کے پیشِ نظر وہ انہیں ایسے راستے سے لے گئے جس پر ان مسافروں سے
 پہلے کسی کا گزر نہوا تھا۔ خشک صحراؤں اور چٹیل میدانوں سے گزرے، پہاڑوں پر چڑھے
 اور وادیوں میں اترے تنگ گھاٹیوں پر ودق رگیتانوں اور ہلاکت خیز جنگوں کو
 قطع کیا۔ پانی نہ ملا تو اونٹوں کو بخر ذبح کیا اور ان کے پیٹ کے پانی کے ذخیرہ سے خود
 پیا اور گھوڑوں کو پلایا اور کسی نہ کسی طرح پانچ دن میں منزل مقصود تک جا پہنچے۔“

اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا پورے لاؤ لشکر کے ساتھ دریائے دجلہ میں کود پڑنا
 بھی تاریخِ عالم میں بے خونی اور جاں فروشی کا ایک نادرا واقعہ ہے جو ہمیشہ یادگار رہے گا۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ
 ”سعدؓ شرماءن کے سامنے دجلہ کے کنارے پر ٹھہرے دریا کو پار کرنے کے لئے کشتیاں وغیرہ

ان کے پاس نہ تھیں اور اس وقت کشتیوں کا فراہم کرنا ان کے لئے ناممکن تھا اور پھر جب سدا غیر معمولی طور پر جڑھا ہوا بھی تھا زیادتی کے مارے پانی کا رنگ سیاہ ہو گیا تھا اور طغیانی کی شدت سے سطح پر جھاگ آ گئے تھے جیسے فوٹو غصب سے منہ سے جھاگ نکلنے لگے ہوں۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت سعد امیر لشکر نے وجہ کے ساحل برہی لشکر کے سامنے ایک تقریر کی اور کہا رفیقو! میں نے عزم مصمم کر لیا ہے کہ اس بحر ظالم خیز کو عبور کرنا ہے! لشکر نے ایک آواز ہو کر جواب دیا اللہ تبارک و تعالیٰ اور آپ کے لئے بھلائی اور راست روی کا فیصلہ فرمائے جو رائے عالی ہو اس پر عمل فرمائیے! بس حضرت سعد نے اپنا گھوڑا وجہ میں ڈال دیا اور تمام لشکر نے بلا استثنا اور ملتان! آپ کی اقتدار کی اور اس طرح بے تکلف بڑھنا شروع کر دیا جیسے خشکی پر چل رہے ہوں یہاں تک کہ اس کنارے سے اس کنارے تک پانی کو ڈھانپ لیا اور یہاں پہلے پانی کے سوا کچھ نہ دکھائی دیتا تھا اب وہاں آدمیوں اور گھوڑوں کے سوا کچھ نہیں نظر آ رہا تھا۔ اطمینان اور بے خوفی کا ان کی یہ عالم تھا کہ آپس میں اس طرح مزے سے باتیں کرتے جا رہے تھے جیسے دریا کے اندر نہیں کنارے پر چل رہے ہوں۔ اہل فارس نے جب ان سر بھروں کی پریشان دیکھی اور وہ منظر دیکھا جو آج سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا تو بے ساختہ چلانے لگے دیوانے ہیں! دیوانے! ان سے لڑنا انسانوں سے نہیں دیوانوں اور جنات سے لڑنا ہے!

اور ایسے ہی دلیری کے عظیم کارناموں میں سے فاتح اندلس طارق بن زیاد کا زامہ بھی ہو موزین لکھتے ہیں کہ جب طارق اس سرسبز جزیرہ میں اترے تو جن کشتیوں پر سوار ہو کر آئے تھے ان سب کو جلو دیا۔ اس پر لشکر کے کچھ لوگوں نے ان کو ملامت کی اور کہا کہ آپ نے واپسی کی راہ مسدود کر دی اب اگر ضرورت پڑی تو اہم اپنے ملک کو کیسے لوٹیں گے۔ آپ کا یہ فعل عقل اور دانائی کے سرا سر خلاف ہے۔ یہ سن کر طارق ہنسنے اور ہاتھ تلوار کے قبضہ پر رکھ کر بولے کشتیوں اور درگاہ نقل و حرکت کی حفاظت اور نقصان سے بچاؤ کی فکر اسے ہوتی ہے جس کے سامنے واپسی کا سوال ہوتا ہے۔ لیکن میرا معاملہ یہ ہے کہ میں نے قطعی طور پر طے کر لیا ہے کہ یہیں رہنا اور جنگ کرنا ہے۔ یہاں تک

کہ یا تو یہ سرزمین ہمارا وطن بن جائے یا مدفن ہے

دست از طلب نزارم تا کام من برآید یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید
چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ حضرت طارق کا یہی جرات مندانہ اقدام اندلس کی فتح کا سب سے بڑا سبب
تھا اگر انھوں نے کشتیاں نہ چلوادی تو وہ فوج سے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ

اب تمہارے لئے فراہ کی کوئی راہ نہیں ہے اَيُّهَا النَّاسُ، اَيْنَ الْمَفْرَ، الْبَحْرُ
پیچھے ہٹنا ہے اور سامنے دشمن بخدا اب مِنْ دَرَاكُمُ وَالْعُدُوْ اَمَّا مَكُمُ
تمہارے لئے صرت یہی راہ ہے کہ صدق وَلَيْسَ لَكُمْ وَاللّٰهُ اِلَّا الصِّدْقُ
اور صبر کی طاقت سے لڑو وَالصَّبْرُ۔

کشتیاں چلوانے کے بعد حضرت طارق کی زبان سے نکلے ہوئے ان الفاظ نے فوج میں جہاد اور
سرفروشی کی ایک آگ بھڑکا دی اور انہیں اپنے سر پہی گردنوں پر بار معلوم ہونے لگے نتیجہ یہ ہونا
چاہئے تھا ہوائی فتح اور کامیابی — اور حضرت طارق کا یہی خطرناک اقدام جسے عقل نے
تہور و جہالت سے تعبیر کیا تھا اس سلطنت کا سنگ بنیاد بنا جس نے عقل اور علم کو چار چاند
لگائے۔ ہندیب کے گیسو سنوارے، تمدن کو ترقی کے آخری زینے تک پہنچایا، یورپ کو علم و عقل
کا سبق پڑھایا اور دنیا سے منوالیا کہ ان امور میں بھی امامت کا منصب عربوں ہی کو حاصل ہے
یہ سلطنت اسی اندلس کی اسلامی سلطنت تھی جس کی یاد کے ساتھ طارق کی یاد ہمیشہ کے لئے
وابستہ ہو گئی ہے۔

ایسی ہی غیر العقول جرات اور بے پناہ بہادری کے اور بھی کتنے ہی کارنامے ہیں جن سے
عربوں کی تاریخ تابندہ ہے مثلاً جلد الرحمن الدنیل صقر قریشی کا اندلس میں داخلہ، باردن الرشید
کا شدید سردی کے ایام میں بغداد سے ہرقلہ کا تاریخی سفر اور نقفور کی سرکوبی۔ سرزمین روم معظم
کے تاریخی غزوات اور طلیحہ کی مشہور جنگ۔

حضرات! عربوں کے عہد اول میں ان کو اقوام عالم کے مقابلہ میں مقام اتلیا زعطا

کرنے والی یہی بے خوفی اور سرفروشی کی اسپرٹ تھی جس اسپرٹ سے ان کی مقابل اقوام خالی ہو گئی تھیں اور ضرورت سے زیادہ غور و خوض کرنے اور موانع خط سے بچنے اور گریز کرنے کا مرض ان کو لاحق ہو گیا تھا جس کی بدولت ان میں بزدلی اور کمزوری آگئی اور اپنے ملک اور اپنی عزت سے ہاتھ دھو بیٹھیں، عربی فتوحات کے تیر و تندر جھوکوں نے ان کے رہے سہے کس بل بھی نکال دیے اور بھوسے کی طرح اڑا کر پھینک دیا اور اس رہے کے بعد ان کے جو دے صرف کچھ مٹے مٹے نشانات رہ گئے، لیکن عربوں کا یہ دور ختم ہو کر ایک دوسرا دور شروع ہوا جس میں بزدل بنادینے والی عقلیت اور بھونک پھونک کر قدم رکھنے کا شورہ دینے والی علمیت کا ان پر تسلط ہو گیا اور بے دھڑک قدم بڑھانا اور موت کے منہ میں کود جانا وہ بھول گئے اور ان کے بجائے یہ فن دوسری قوموں نے سیکھ لیا کہ زندگی کو کیسے داؤبہر لگایا جاتا ہے اور موقعوں سے کس طرح فائدہ اٹھایا جاتا ہے چنانچہ یورپ کی قریبی جنگوں کی تاریخ اور انیسویں صدی میں مشرق پر یورپ کی قبضہ گیری کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے نہایت خطرناک تیز اور جرات مندانہ اقدامات سے بھری مٹی ملے گی۔ اب عربی دنیا کے موجودہ احوال میں اس وقت تک کوئی تبدیلی نہیں آسکتی جب تک کہ عرب اس معاملہ میں اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کر لیں، ضروری ہے کہ حکمت کے ساتھ اسی پہلی مجاہدانہ اسپرٹ، چابک دستی اور جرات کو ان میں واپس لایا جائے اور بقول شاعران کا حال ایسا ہو جائے کہ

اذا هم القی بین عینیہ عن مہ' ونکب عن ذکر العواقب جانبا۔

(جب وہ کسی بات کی ٹھان لیتا جو تو بچہ اسی کو پیش نظر رکھتا ہے اور نتائج سے بالکل آنکھیں بند کر لیتا)

حاضرین کرام فلسطین کا موجودہ مسئلہ تو نہایت ہلکا اور معمولی مسئلہ ہے اور عربوں کی کامیابی اس میں بالکل یقینی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ان کا ہر تصرف آزادانہ ہو، کوئی خارجی دباؤ اثر انداز نہ ہو، زمانہ کاربوری طرح ان کے سینہ ہاتھ میں ہو، اپنی سیاست کے وہ خود مالک اور خود مختار ہوں، وہ اور ان کی فوجیں بے دریغ قربانیاں دیں، طاقت کا بھروسہ استعمال کریں، اللہ کی مدد پر کامل یقین رکھیں صرف اپنے دست دباؤ و ہر بھر و سر رکھیں، مادہ کو حقیر سمجھیں اور نفس پر قابو رکھیں اور طے کر لیں

کہ تا دم فتح جان دینے اور جان لینے سے منہ نہ موڑیں گے۔

اب صرت آخری نقطہ بحث رہ گیا اور یہی آخری تیز جس پر میں اس وقت بحث کرنا چاہتا ہوں ہمارے تمام حبیبدہ مسائل اور معاملات کا تاریک ترین پہلو کہ جو ایک ایسی شخصیت کی کمی جس پر اس قضیہ کی ہمہ وقتی فکر مسلط ہو جائے اور دن کا چین اور راتوں کی نیند اس پر حرام کرنے۔

معزز حضرات! میں نے تاریخ کا وقت نظر سے مطالعہ کیا اور عام دنیا کی تاریخ اور خاص اس اُمت کی تاریخ کے اڑک ترین لمحوں اور ہوش فرسام حلوں کا گہری نظر سے جائزہ لیا تو ہر ایسی شکل کے سرے پر جو اس اُمت کے وجود اس کی عزت اور اس کے وقار کو بیخ کن کر رہی ہو، ایک ایسا مرد خود آگاہ کھڑا نظر آیا جس کا دل اس حالت پر بے چین اور مضطرب ہو گیا، وہ اپنے آپ اور اپنے اہل و عیال کو بھول گیا، اس نے اپنے عیش اور اپنی راحت کو تھک دیا اور اس نے اپنی زندگی کا مقصد وحید اُمت کو اس دلدل سے نکال لینا قرار دے لیا پھر اس وقت تک وہ چین سے نہ بیٹھا جب تک اس مصیبت کو شکست نہ دے لی، اس نے اپنی ذات کو اس کام کا مکلف سمجھا گویا کہ وہ پیدائشی اس کے لئے کیا گیا ہے اور اس سے الگ رہنے کے لئے اس کے پاس کوئی نذر نہیں ہے! اب اس سلسلہ میں چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دفاعی جہد مسلمانوں پر کیا گزری ان کو ان ہوش ربا مصائب سے سابقہ ہوا جن سے کوئی اُمت اور کوئی جماعت اپنے اٹھان کی ابتدا میں کبھی آشنا نہیں ہوئی اور قریب تھا کہ یہ مصائب دعوت اسلام کا خاتمہ کر دیں۔ ان مصائب کی شدت کو سمجھنے کے لئے میں آپ کو عروہ بن زبیرؓ کا وہ قول بھیرا دلاتا ہوں کہ مسلمانوں کی وہ حالت ہو گئی تھی جو بارش کی سردرات میں بھیڑوں کی ہو جاتی ہے، لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس مصیبت سے نمٹنے کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کھڑا کر دیا۔ وہ نبی نہ ہوتے ہوئے بھی انبیاء کی شان استقامت کے ساتھ کھڑے ہوئے اور اپنی بوری توجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

عظیم میراث کو بچانے اور اس کی بگڑی کو بنانے پر مرکوز کردی انھوں نے اپنی جان اس میں کھپا دی اور اس کی فکر میں اپنے وجود کو گم کر دیا اور ا فوق الفطرت شخصیت ثابت ہوئے۔ ان کی ضرورت سے بھی زیادہ نرمی مشہور ہے اور انھوں نے ہمیشہ سختی اور سخت گیری پر نرمی اور مہربانی کو ترجیح دی تھی۔ لیکن آج وہ ابو بکر کوئی اور ہی ابو بکر تھے۔ اس موقع پر ان کی سختی کے مقابلہ میں جلال فاروقی بھی ماند پڑ گیا۔ کیونکہ وقت اسی کا متقاضی تھا۔ ابو بکر نے دیکھا کہ وہ ایک عظیم امانت کے ذمہ دار اور اس کے لئے جواب دہ ہیں چنانچہ اس موقع پر ان کی زبان سے وہ مبلغ جملہ ادا ہوا جو ان کے جذبات، ان کی نفسیات اور ان کے احساس ذمہ داری کا سچا ترجمان تھا انھوں نے کہا۔ اَنْفَعُ لِدِينِ وَنَاسِحٌ۔ (یہ نہیں ہو سکتا کہ میں زندہ رہوں اور دین میں کوئی نقص پڑ جائے)۔ یہی بھڑکتی ہوئی غیرت اور تڑپتا ہوا دل تھا جس نے ابو بکر میں یہ طاقت پیدا کی کہ انھوں نے دین کو نرغہ سے نکال لیا اور آنے والی نسلوں تک بلا کم و کاست پہنچا دیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرماتے ہیں کہ

”جو نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمایا، عرب میں اتمداد اور نفاق اس تیزی سے پھیلنا شروع ہوا جس تیزی سے خشک جنگل میں آگ بھیلی ہے اور خدا جانتا ہے کہ میرے والد (حضرت ابو بکرؓ) پر مصائب اور انکار کا وہ جھوم ہوا کہ ان کی جگہ اگر یہاں بھی ہوتا تو ہل جاتا۔“

صحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کیفیت ہو گئی تھی جو بارش کی رات میں بارے میں چھپی ہوئی بھگی ہوئی بیڑوں کی ہوتی ہے لیکن میرے والد کی استقامت اور دستری ہوش و حواس کا یہ عالم تھا کہ صحاب کرام میں اگر کسی بات پر اختلاف رائے ہوتا تھا تو فوراً عنان فیصلہ اپنے ہاتھ میں لے کر اس گتھی کو سلجھا دیتے تھے۔“

اور اسی لئے حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا تھا اور کوئی شبہ نہیں کہ بالکل سچ فرمایا تھا کہ :-

”قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر اس وقت خلافت کا بار ابو بکرؓ پر لگتا تو پھر دنیا میں کوئی اللہ کی عبادت کرنے والا نہ رہتا۔“

یہ جملہ حضرت ابو ہریرہؓ نے تین بار دہرایا۔

ایک دوسری مثال میں ایک اوسط درجہ کے آدمی کی پیش کرتا ہوں جسے ہم صرف دنیا کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی حیثیت سے جانتے ہیں۔

یورپے مڈی ویلٹیوی فوجوں نے یکبارگی پانچ کلاؤسٹین کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ یورپے فلسطین تک کوئی بادشاہ اور کوئی لشکران کی یلغار کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ اسلامی حکومتوں نے گھٹنے نہ ٹیک دئے ان کی تاب مقاومت جوابے گئی اور مسلمانوں کے شہر کے شہر ان کی غلامی کے برہم شکن بن گئے۔ صلیبی فوجوں کا یہیل رواں اس امت اور اس کی تہذیب کے وجود کو چیلنج کر رہا تھا۔ ایک زبردست مصیبت جس نے عالم اسلام کو موت و زیست کے دور اسے برکھڑا کر دیا تھا اور یہ طوفان اگر ملو نہی بڑھتا رہتا تو کوئی شبہ نہیں کہ مشرق پر مغربی استبداد اور استعماریت کے قیام کا جو سانحہ انیسویں صدی میں پیش آیا وہ سو لہویں صدی ہی میں پیش آجاتا، اس طوفان سے ٹکر لینا ان عام بادشاہوں اور جرنیلوں کے بس کا کام نہ تھا جو بیت المقدس اور عالم اسلام کی آزادی کے دفاع کو فکر و سعی کا صرف جزوی حصے سے لے سکتے تھے اور اس کے لئے اپنے دوسرے مقاصد اور مشاغل سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے۔ اس کام کے لئے ایک ایسے مرد مجاہد کی ضرورت تھی جو اس ایک فکر کو لے کے دنیا کی ہر فکر سے دست بردار ہو جاتا۔ یہ مرد مجاہد سلطان صلاح الدین ایوبی تھا جسے اللہ نے اس عظیم شان کا کام کے لئے منتخب فرمایا اور اسکے بھی دل سے لگ گئی۔ ۱۱۷۱ء یاقن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

اُس نے دم کے دم میں اپنی زندگی کا نقشہ بدل کر اپنے کو اس مقدس کام کا بیڑا اٹھانے کے لائق بنالیا چنانچہ سلطان کے دوست قاضی ہمار الدین عرف ابن خلدون (متوفی ۱۳۸۵ء) کا بیان ہے کہ

”اس نے عورت سے توبہ کی، لڑائی و فتنات کو ترک کیا اور محسوس کیا کہ اللہ نے اُس کو جس کا عظیم

کے لئے پیدا کیا ہے اس کا اور اس عیش پرستی اور مصیبت کوئی جگہ نہیں ہے۔“

بہر کیف صلاح الدین فلسطین کی عزت کو بچانے اور صلیبی یلغار کو پسپا کرنے کے لئے کمر بستہ ہوا اور تن من و دھن کا کل سرمایہ اس کے لئے وقف کر دیا۔ ابن خلدون اس کی سیرت میں لکھتے ہیں کہ

”سلطان کا شوق جہاد اس درجہ بڑھ گیا تھا اور اس کے ظاہر و باطن پر یہ شوق اس طرح نمایاں ہو گیا تھا کہ اسے جہاد کے ہر اکوئی دوسری بات نہ تھی بلکہ ایک توجہ کا مرکز صرت سامان جہاد اور مجاہدین تھے اور صرت اس شخص سے دلچسپی تھی جو جہاد کی باتیں کرے اور اس کے شوق کو بھڑکا کر اسے جہاد فی سبیل اللہ کی محنت میں اس نے اپنا کمال ادا کیا۔ اپنی بیوی اور اپنی اولاد سب کو خیر باد کہہ دیا تھا اور ایک ایسے معمولی سے خیمے میں زندگی بسر کرتا تھا جو ہوا کے تیز ہموں کوں کا بھی مقابلہ کر سکتا تھا کوئی شخص اگر اس کا تقرب حاصل کرنا چاہتا تو اس کی واحد صورت یہی ہوتی کہ وہ سلطان کے جوش جہاد کو تیز کرنے والی باتیں کرے۔“

بیت المقدس کی فکر سلطان کے دلی میں گہ کو گئی تھی اور اس پر صلیبیوں کے قبضہ کا اس کو اتنا رنج تھا کہ بیان میں نہیں آ سکتا۔ ابن شداد کہتے ہیں کہ:-

”خدا تعالیٰ رحمت کرے سلطان کے دل پر بیت المقدس کی فکر کا اتنا بوجھ تھا جسے پس انداز بھی برداشت نہ کر سکیں۔“

میں چاہتا ہوں کہ بیت المقدس اور بلاد اسلامیہ کے سقوط پر سلطان کے اضطراب، درد و کرب اور رنج و الم اور ان مقامات کو دہاں لینے اور صلیبی فوجوں کو شکست دینے کے لئے سلطان کی بے چینی اور ہمتیابی کا مرقع آپ کے سامنے پیش کروں مگر اس مقصد کے لئے مجھے ابن شداد کے الفاظ سے زیادہ کامیاب اور بلند الفاظ نہیں ملتے عساکر کے دل و زوہ واقف بہ صلاح الدین کے اضطراب کا عالم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

”سلطان کا حال ٹھیک اس غم نصیب ماں کا سا تھا جو اپنے لخت جسکے گور رو رہی ہو گھوڑا دوڑا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے تھے، لوگوں کو آمادہ جہاد و پیکار کرتے تھے لشکر کی صفوں میں بنفس نفیس دیوانہ وار گشت لگاتے تھے اور بیہوش ہو کر آنسوؤں کے ساتھ یہ دل دغا رہدا بلند کرتے جاتے تھے یا لا اسلام! یا لا اسلام!

کے فرزند اسلام کی مدد کو دوڑو، عکا کی بربادی اور اس کے باشندوں کی تباہی جب
جب سلطان کی نظر کے سامنے آتی تھی پھر جاتے تھے اور پوری قوت سے لوگوں کو انتقام
اور جہاد پر ابھارتے تھے۔ اس دن دن بھر رزق کا ایک دانہ منہ میں نہیں گیا، صرف مشروب
کے چند گلاس طبیب خاص کے کہنے سننے پر نوش کئے تھے۔

عکا کی طرف پیش قدمی کرنے کے لئے راستہ بنانے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔
”سلطان ان تمام امور کی دیکھ بھال نفیس کرتے تھے اور اس سلسلہ میں ہر طرح کی مشقت
برداشت کرتے تھے اور کسی موقع پر بھی پیچھے نہیں رہتے تھے یہ ان کی شدت حسن اور دفور
درد و فکر کا متقاضی تھا۔ مجھے ان کے ایک طبیب سے یہاں تک معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن سے اتوار
تک انھوں نے اتنی توڑی غذا کھائی تھی جو بالکل نہ کھانے کے برابر تھی اور وہ بھی طبیب کے
بہت اصرار سے۔“

عادلہ کی جنگ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

”میں نے دیکھا کہ سلطان رحمۃ اللہ علیہ اپنے خواص کی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ اپنے خیمہ
سے سوار ہو کر نکل پڑے حالانکہ فوج ابھی سوار بھی نہ ہونے پائی تھی۔ بالکل جیسے اس
اپنے بچے کی موت پر رونے کے لئے کسی اور کی منتظر نہیں رہا کرتی؟“

حضرات! یہ اس بے پناہ فکر مضطرب دل اور بے چین روح ہی کا طویل ہے جو سلطان
صلاح الدین ایوبیؒ کی ہم شاندار طریقہ سے سر ہوئی اور ایسے سخت اور فوج میں فتح میں
حاصل ہوئی اس کے جھڈے کے نیچے بھاری تعداد میں فوجوں کا اجتماع اور امرار کا غیر معمولی التفات
یہ سب بھی کیا تھا؟ اس کے دھڑکتے ہوئے دل پھر کتنی روح اور اُبلتے ہوئے ایمان کی صدائے بازگشت!
آپ تاریخ کا کوئی سنگین معرکہ اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ آپ کو ضرور فتح کے پیچھے ایک دھڑکتا ہوا دل چلتی
ہوئی نبض، ایک گرجتا ہوا خیر اور پھرا ہوا بہادر ملے گا۔

ہمارے اس تازہ جہاد کا سب سے کمزور پہلو یہی ہے کہ عرب میں کوئی جماعت کوئی مصلحت اور کوئی فرد ایسا موجود نہیں جو فلسطین کی حفاظت کے لئے ہر فکر اور ہر کام سے اس شخص کی طرح فانی ہو جس کا اکلوتا بیٹا بیمار ہو یا وہ کسی ایسے سنگین مقدمہ میں پھنس گیا ہو جس کے ہار جانے کی صورت میں سخت ترین سزا یقینی ہو، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک طرف تو فلسطین کا معرکہ درپیش ہے اور دشمن ہماری گھات میں ہے اور دوسری طرف ہماری باہمی تپیش اور اندرونی رقابتوں کا بازار بھی گرم ہے آپ نے کہیں بھی سنا ہے کہ کسی خاندان کا کوئی عزیز جوان یا بڑا بوڑھا بیمار ہو مرض شدید سے شدید تر ہو تا جا رہا ہو موت سر پہ کھڑی نظر آ رہی ہو اور اس خاندان کے باقی ارکان بچائے مریض کے دوا علاج کے اس کے منصب اور اعزاز بر قاضی ہونے کے لئے باہم دست و گریباں ہوئے ہوں۔ یہ انہوں کا حال اگر کہیں دیکھنے میں آئے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انہیں مریض سے کوئی تعلق اور محبت نہیں بلکہ نفس انسانیت تک سے یہ عاری ہیں فلسطین کی ذمہ داری قدرتی طور پر بہت سے اسلامی ملکوں کے درمیان تقسیم ہے لیکن وائے حسرت کہ ملک والوں میں یہ جذبہ نہیں ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری دوسروں سے زیادہ محسوس کریں بلکہ اپنی ذمہ داری بھی دوسروں ہی پر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ سب کا مسئلہ ہے اور اس کے خاطر خواہ حل نہ ہونے کی صورت میں سبھی کو خطرہ ہے۔ اور پھر اس جمہوری تماشے نے مسئلہ کو اب بھی کھٹائی میں ڈال دیا ہے کہ ایک ملک کے حصہ میں جو ذمہ داری آتی ہے وہ پھر ملک کے ہر رہائشی پر تقسیم ہوتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی اہم ذمہ داری ایک مذاق بن کے رہ جاتی ہے عوام ارکان حکومت بڑا لیتے ہیں اور ارکان حکومت عوام پر کوئی شخص اس کو اپنا ذاتی مسئلہ اور خود کو اس کا پورا ذمہ دار اور جواب دہ نہیں سمجھتا، لیکن میرے بزرگوں اور عزیز و مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہماری یہ تینوں کمزوریاں —

جن کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا — لا علاج نہیں ہیں۔ داخلی اور نفسی محرکات کا سرچشمہ یا مان ہے جو اس امت کے سینہ میں آج بھی ہے اور ابھی خشک نہیں ہوا ہے اور ہر وقت اسے گرایا جاسکتا ہے وہ دُح اور وہ دل جو جاننازی ہر آمادہ کرتا ہے کمزور کسی نہیں ہوتا صرف باگیں ٹھیلی کرنے کا

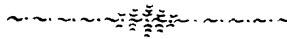
منظر ہوتا ہے علیٰ ہذا امت خدا خواستہ بانجھ نہیں ہو گئی ہے۔ ایسی امت کے متعلق بانجھ ہونے کا تصور بھی کیسے کیا جاسکتا ہے جس نے اب تک ہر گتھی کو بٹھانے کے لئے اور ہر آڑے وقت میں کام آنے کے لئے ایسے ایسے مردوں کو جنم دیا ہے جن کے حوصلوں کے سامنے آسمان پست ہو ہو گیا اور کیا بعید ہے کہ فلسطین ہی امت میں ایک نئی رُوح اور شرقِ عربی میں بیداری کی ایک عام لہر دوڑا دے۔

ہمارے عظیم شاعر ڈاکٹر محمد اقبال نے تو کہا ہے :-
دلیلِ صبح روشن ہے تاروں کی تنک تابی

افق سے آفتاب ابھرا گیا درِ گراں خوابی
مسلمان کو مسلمان کر دیا طوفانِ مغرب نے

سلاطینِ ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
عروقِ مردہ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکے نہیں اس راز کو سینا و فارابی

اور اقبال کے ایک شعر پر ہی اپنی بات ختم کرتا ہوں
نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ دیراں سو
ذرا تم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساتی



قربا ذن اللہ

(از محمد نبی ز صاحب)

ترے دل میں جو مومن واقعی ایمان پیدا ہو
غنا میں شان استغنا کماں غافل دعا یہ کر
زمانے کی غلامی سے نجات لے دو مشکلیں
امامت کا اگر دل میں فقط ارمان پیدا ہو
اگر بدر و احد کے معرکے سرکج بھی ہو لیں
تو پھر دور خلافت کا اُجی امکان پیدا ہو
.. توکل ہو تو پھر تجھ سے درخبر لرز اُٹھے
ابھی ناں جویں جو جسم میں وہ جان پیدا ہو
ذرا اٹھ خانقاہوں سے ہو یا ہو مساجد سے
حسینی روح بن کر آہر میریدان پیدا ہو
افق پر زہدگی کے آفتاب آسانایاں ہو
تجلی کر، ہو یا ہو، بہ عروشاں پیدا ہو
دکھائے پھر زمانے کو ابھی اسلام زندہ ہے
آٹھا قرآن کو، اے صاحب قرآن پیدا ہو
سبق بھولے ہوئے بندوں کو پھر سے معرفت کا د
بانداز نوی اے مست صد عرفان پیدا ہو
ترا انسانیت کا درس پا کر اس زمانے میں
نئے جذبوں کا حامل اک نیا انسان پیدا ہو

عرب کے ریگزاروں سے نمایاں ہونے والے اُٹھ

نئے سرے میں ان خاک ہندوستان پیدا ہو



ج ۱۹ د ۱۳۱۱ ماہ ذی الحجہ ۱۳۱۱ مطابق ستمبر ۱۹۵۲ء نمبر ۱۲

نمبر شمار	مضامین	لکھنے والے	صفحات
۱	خاتمہ جلد نوزدہم	محمد منظور نعمانی	۲
۲	بنگاہ اولیں	" "	۳
۳	معارف الاحادیث	" "	۴
۴	یادگار موتیں	مولانا سید مناظر احسن گیلانی	۱۳
۵	ایک سو چالیس برس پہلے	مولانا نسیم احمد فریدی	۲۵
۶	تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ	مولانا محمد اویس ندوی	۳۸
۷	جزم عظیم (تقریر)	مدیر	۴۱
۸	تعارف و تبصرہ	ع - سی	۵۱
۹	انتخاب	۱۵۱ د	۵۵

سُخِشِ نِشِل کا نشان! اس بات کی علامت ہو کہ جناب کی خدمت خریداری اس شمارہ پر ختم ہو گئی ہو۔ لہذا اپنا چندہ برائے ایک سال مبلغ (پانچ روپیہ صر) بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر شکوہ فرمائیے۔ اگر اراکتو برسوں تک جناب کا چندہ وصول نہ ہوا، اور نہ کوئی اطلاع آئی تو اگلا پرچہ وی پی بھیجا جائے گا جس کا وصول کرنا جناب کا احتسابی فریضہ ہوگا۔ پاکستان کے حضرات اپنا چندہ سکرٹری صاحب "ادارہ اصلاح و تبلیغ"، اسٹریٹین بلڈنگس لاہور کے پتہ پر ارسال فرمائیں، اور ایک کارڈ کے ذریعہ ہم کو اس کی اطلاع ضرور دیں، اور قریب خریدار صاحبان اس اطلاع کے ساتھ اپنا نمبر خریداری بھی ضرور لکھیں۔ اگر آپ کے چندہ کی اطلاع ۱۰ اراکتو برسوں تک موصول نہ ہوئی تو "ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور" آپ کی خدمت میں "الفرقان" بذریعہ وی پی ارسال کیا جائے گا۔ دیگر مالک کے حضرات اپنا چندہ ۱۲ شنگ بذریعہ پوسٹل آرڈر دفتر "الفرقان" لکھنؤ کو ارسال فرمائیں۔ والسلام

نہم۔۔۔ الفرقان۔۔۔ لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کو بھیج دیا ہے

خاتمہ

۱۹
چیزوں میں سے

(از: محمد منظور نسائی)

یہ شمارہ سنہ ۱۳۷۱ھ کا آخری شمارہ ہو، اس پر "الفرقان" کی انیسویں جلد ختم ہو گئی، اور اب اگلے پرچے سے اسکی عمر کا بیسواں سال بفضلہ تعالیٰ شروع ہو گا۔

اُس رب کریم کا شکر کس طرح ادا ہو جس نے اب ۱۹ برس پہلے "الفرقان" کے اجراء کا داعیہ فی میں ڈالا، اور انتہائی بے سرو سامانی کی حالت میں جبکہ اس راہ کا کوئی تجربہ بھی نہ تھا اس کے جاری کرنے کی ہمت عطا فرمائی، اور پھر اُس وقت سے اب تک اُسی کی مدد اور دستگیری نے اس کو زندہ اور جاری رکھا

فَلَا لِمُحَمَّدٍ فِي الْإِبْتِدَاءِ وَالْإِنْتِهَاءِ وَلَهُ الشُّكْرُ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرِّاءِ - ۶ -

اگر کوئی دینی خدمت اس کے ذریعہ ہوئی، اور اللہ کے کچھ بندوں کو اگر کچھ دینی نفع پہنچا تو وہ محض فضل ہی ہے، اور جو قصور رہا، اور جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئیں وہ سب اپنی نااہلی اور بے بضاعتی کا نتیجہ ہیں جن کی معافی کی اُسی رب کریم سے التجا اور اُمید ہے۔

۱۹ برس کی اس طویل مدت میں "الفت سن" کے ذریعہ اللہ کے ہزاروں بندوں سے دینی انوح کا اور ایک قسم کی معاملت کا تعلق ہوا، پھر کچھ وہ ہیں جن کا یہ تعلق اب تک قائم ہے، اور کچھ وہ ہیں جن کا تعلق کچھ عرصہ رہا اور کسی وجہ سے پھر نہ رہ سکا، بلکہ سیکڑوں تو ایسے بھی ہونگے جو کسی زمانہ میں "الفرقان" کے خریدار تھے اور اب وہ اس دُنیا سے بھی جا چکے ہیں، اللہ اُن کے ساتھ رحمت و مغفرت کا معاملہ فرمائے، بہر حال یہ سب محض ایک درجہ میں "الفرقان" کے محسن اور اس خدمت کی انجام دہی میں ہمارے معاون ہے ہیں، اور اگر دینی

دعوت و خدمت کا یہ سلسلہ اللہ کے نزدیک کسی درجہ میں قابل قبول اور لائق اجر ہے، تو انشاء اللہ وہ ہمتور بھی اسکے اجر میں حصہ دار ہیں۔ ہمارے پاس شکر یہ کہ چند الفاظ کے سوا ان حضرات کے لئے کچھ بھی نہیں ہے بس حق تعالیٰ ہی اُنکے اس تعاون علی الخیر کا اجر اور ہماری طرف سے جزا و خیر عطا فرمائے۔

ہمیں اس کا بھی پورا اندازہ اور صدق دل سے اعتراف ہے کہ الفرقان کے ان محبین اور معاونین کے بارہ میں ہم سے بہت کوتاہیاں ہوئیں، اور ان میں سے بہت سے حضرات کو (خاص کر دفتر کی انتظامی کمزوری) ہار ہا تکلیفیں پہنچیں۔

جیسا کہ پہلے بھی غالباً کئی بار الفرقان کے انہی صفحات میں عرض کیا گیا ہو، آج بھی عرض کرنا ہے کہ اہل دفتر کی غفلت سے یا کسی صحابی غلطی کی وجہ سے جن دوستوں کی کوئی حق تلفی اس سلسلہ میں کبھی ہوئی ہو وہ بے تکلف مجھے اطلاع دیں، انشاء اللہ تانا مکان اُن کا حق ادا کرنے کی کوشش کی جائے گی، اور اگر کوئی دوست اپنی محبت اور شرافت کی وجہ سے اطلاع دینا پسند نہ کریں تو پھر معاف ضرور فرمادیں، اس عاجز پر یہ اُن کا بڑا صدقہ اور بڑا احسان ہوگا، اور انشاء اللہ وہ اجر عظیم کے مستحق ہوں گے۔

ناظرین کرام کو یاد ہوگا (الفرقان) پہلے ۵۶ صفحات پر شائع ہوتا تھا، گذشتہ سال جب کوریا کی جنگ میں تیزی آئی تو ایک مہم کاغذ کی قیمت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا، اور ہمیں مجبوراً الفرقان کے صفحات ۴۸ کر دینے پڑے، لیکن اُس وقت ہم نے وعدہ کیا تھا کہ جب کاغذ کی قیمت کچھ اعتدال پر آئے گی، الفرقان کے صفحات پھر ۵۶ کر دیئے جائیں گے۔

چنانچہ اب چند ہفتوں سے کاغذ کی قیمت کچھ اتری ہے، اسلئے اب الفرقان انشاء اللہ سابق معمول کے مطابق ۵۶ ہی صفحات پر شائع ہوا کرے گا۔

خیال یہ ہے کہ شکایات پیدا ہونے میں اکثر اس کو بھی دخل ہوتا ہو کہ بیشتر حضرات خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر کا حوالہ نہیں دیتے۔ اگر اسکی پابندی کر لی جائے کہ ہر خط اور مئی آرڈر کو پین پر ہمیشہ خریداری نمبر اور اپنا پورا پتہ صاف صاف تحریر کر دیا جائے تو شکایات میں بڑی حد تک کمی ہو جائیگی انشاء اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ اولیں

سلسلہ میں ہمارے ملک کی حکومت کے خاتمہ اور قومی حکومت کے قیام کے بعد ہندوستانی مسلمانوں پر مصیبتوں کا جو طوفان آیا وہ اگرچہ سراسر شر و فساد تھا لیکن قدرتی طور پر اس میں یہ ایک پہلو خیر کا بھی تھا کہ اس نے ہندوستانی مسلمانوں کی کمزور پوزیشن کو پوری طرح کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا تاکہ وہ نئے ہندوستان میں اپنے صحیح موقف اور مقام کو سمجھ لیں اور یہاں باعزت زندگی حاصل کرنے کیلئے انھیں جو کچھ کرنا چاہئے اور اپنے کو جیسا کچھ بنانا چاہئے اس میں وہ دیر نہ کریں۔ چنانچہ ان طوفانی مصائب جہاں بہت سوں کے پاؤں اکھڑے اور بہت سوں میں افسردگی اور مایوسی آئی، وہیں بہت سے مسلمانوں میں ایک چونک اور سیداری کی کیفیت بھی پیدا ہوئی بہت سے وہ بھائی جو اللہ سے اپنا تعلق توڑے ہوئے تھے انھوں نے اپنے مالک سے نئے سرے سے اپنا تعلق جوڑنے کا فیصلہ کیا، اور بہت سے وہ لوگ جو ہمیشہ سے حسین خوابوں کی ”جنت“ میں رہنے کے عادی تھے اور مسلمانوں کی کمزوریوں کو سمجھنے کیلئے حقیقت پسندوں کی طرح اپنے کمزور پہلوؤں پر غور کرنے کے وہ مطلق خوگر نہ تھے ہم نے دیکھا کہ اس طاعون نے ان کو بھی حقیقت پسند بنا دیا، اور بہت سے وہ جذباتی بھائی جو اپنے جذبات اور اپنی جھوٹی تمناؤں کے خلاف عقل کی کوئی بات سننے کیلئے تیار نہ تھے وہ مقبولیت پسند بن گئے، اور عقل کی ”کردوسی“ باتیں بھی سننے لگے۔ لیکن افسوس کہ یہ حالت دیر تک قائم نہ رہی، اور جیسے ہی وہ طوفان کچھ اتر آیا، اور حالات کچھ درست ہوئے پھر وہی پہلی والی غفلت اور بے فکری واپس آ گئی، اور اپنی بُرائیوں اور کمزوریوں کے خلاف جہاد کے ارادے، اور نئی زندگی پیدا کرنے کے عزم خستہ ہو گئے، جیسے کہ مسلمانوں کے سب سے مل ہو گئے، اور ان کی کئی خطرہ اور غم بابتی بنیں۔

کئی برس کی لا پرواہی کے بعد اب اچانک ایک ایسا تکلیف دہ سانحہ پیش آیا جس نے مسلمانوں کو بھرپور متحرک کر دیا۔ سیداری پیدا کرنے کی خدمت انجام دی، اور وہ یہ کہ الہ آباد کے ہندی روزنامے ”مرت پتریکا“ نے کسی ایک مسلمان کے

جان یا مال پر نہیں، بلکہ پوری مسلمان قوم کی رُوح پر ایک ایسا کاری دار کیا کہ پوری قوم ٹپ ٹپ ٹپ اور پھخت پھات اپنے وہ واقعات پیش کئے جو عام طور سے اخبارات میں آچکے ہیں۔ ان واقعات جیسا کہ عرض کیا گیا پھر مسلمانوں احساس و بیداری کی ایک کیفیت کسی درجہ میں پیدا کی ہو، اور ان میں کے بہت سے وہ لوگ بھی جو گذشتہ تین چار سو سال مسلمانوں کی فکر سے کیوسے ہو گئے تھے سوچنے لگے ہیں کہ کئے دن کی ان دلائل و براہین، ستم رانیوں اور نا انصافیوں کے بچنے کھلنے یہیں کیا کرنا چاہئے۔ لیکن دیکھا جا رہا ہے کہ بہت پرانی اس غلطی کا پھر اعادہ ہو رہا ہے کہ نور زکرم اور سلم دربان کا سارا زور صرف اس پر صرف کیا جا رہا ہے کہ جن کی طرف اکثریت کے زعم یا اقتدار کے نشیتر و لا زار کیا اور نا انصافیاں ہوتی ہیں ان کو کس طرح روکا جائے اور شرافت و انصاف کا روتہ اختیار کرنے پر کتنے تدبیریں اور کوششوں سے ان کو مجبور کیا جائے۔ حالانکہ سب سے پہلے سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں وہ کیا کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے اس ٹک میں قریباً ہم کردار ہونے کے باوجود ہمارے نازک ترین جذبات کھیلنا اور ہمارے ساتھ بڑی سے بڑی نا انصافی کرنا لوگوں کے لئے اتنا آسان ہو گیا ہے۔

اس وقت ہم اپنے بھائیوں کی رضامندی اور ناراضی سے بالکل بے پروا ہو کر یہ حق بات صاف صاف کہنا اپنا ایمانی فرض سمجھتے ہیں کہ دوسروں کے مظالم کے شکوے شکایتیں کر کے اور انکے خلاف غیظ و غضب سے بھری پُر جوش تقریریں کر کے اور آتشیں مضامین لکھ کے ہم اپنے دل کا بخار تو نکال سکتے ہیں اور عام مسلمانوں کی نگاہ میں مقبول اور محبوب بھی بڑی آسانی سے بن سکتے ہیں، لیکن اس سے حالات کو نہیں بدلا جاسکتا، اور مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جاسکتا۔

موجودہ حالات میں ذلت اور مقہوریت کی اس لعنت مسلمانانِ ہند کے نجات پانے کی پہلی اور اہم شرط یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے ان بُرائیوں اور کمزوریوں کو دور کیا جائے جنکی خوش سے مسلمانوں کو اللہ کی نظر سے گرایا ہو اور دنیا میں اتنا بے وزن اور بے اثر کر دیا ہو کہ ہر کینہ نفس انھیں ستانے اور انکے ساتھ شدید شدیدے انصافی کر سکتا ہے۔

وہ بُرائیاں اور کمزوریاں کیا ہیں؟ مسلمان کہلانے کے باوجود خدا سے بے تعلقی۔ اللہ کے احکام کے مقابلے میں اپنی خواہشات کی پیروی۔ دعوتِ الی اللہ کے پیغمبرانہ کام سے دستبرداری اور اپنے ذاتی کاموں ہی میں انہماک، جہلی اور بد اخلاقی۔ انکی بہت بڑی تعداد کا حال یہ ہے کہ وہ نا علم یا فہم نہ

جاہل ہے — ملی احساس و شعور سے بالکل خالی ہے، اپنے پیٹ اور اپنی دوسری ذاتی ضرورتوں کے سوا اس کے سامنے کوئی مقصد اور مسئلہ نہیں ہے۔ وہ زمانہ کے اُن حوامل اور اُن حالات و حقائق سے بھی بے خبر ہے جن سے اس زمانہ میں کسی ایسی قوم کے ایک فرد کو بھی ناواقف اور بے خبر نہیں رہنا چاہئے، جو دنیا میں عزت کے ساتھ رہنے کی آرزو مند ہو۔

یہ ہیں ہماری قوم کی وہ اصولی بیماریاں اور کمزوریاں، جنہوں نے ہمیں اللہ کی رحمت اور نصرتِ محروم کیا ہے، اور دنیا میں ہماری سادگیاں گرائی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں سے ان بُرائیوں کو نکالنے کی کوشش کرنا اور ان میں کھڑے ہونے کے لئے کتنا کھلم کھلا اندر یہ یہ بیماریاں موجود ہیں، اور تھا اور ہے اہم مسئلہ جس پر تھامے مسئلے کا حل موقوف ہے، یہ ہے کہ ان بیماریوں سے نجات حاصل کر کے تم سندرست اور توانا، اور عزت کی زندگی حاصل کرنے کے لائق بنو! مسلمانوں کیلئے ایک خاصا کڑوا گھونٹ ہے، اور ایسا کرنے والے قوم میں مقبول اور محبوب نہیں بن سکیں گے، بلکہ بہت ممکن ہے کہ وہ منہمائے قوم کے معقوب بنیں، اُن کی گایاں بنیں، اور اُنکے ہاتھوں سے تکلیفیں اٹھائیں، اور بہت درمیانہ درجہ کے لوگ بھی ان کی بات کو بے وقت کی راگنی کہیں، لیکن اللہ کے بخشے ہوئے یقین کی بنا پر قسم کھا کے کہا جاسکتا ہے کہ راہ صرف یہی ہے، اور اس کے بغیر عزت کی زندگی حاصل کر نیکہ دروائے ہمارے لئے بند ہیں، کسی میں طاقت نہیں ہے کہ قانونِ قدرت اور نوشتہ الہی کو بدل سکے۔

پھر یہ کام ہاتھوں پر برسوں جانے کا کام نہیں ہے، یہ قوم کی سیرت میں انقلاب کا کام ہے، جو بڑے صبر اور استقلال، اور بڑی بے لذت اور بے ذائقہ محنت کو چاہتا ہو، وہ صبر و استقلال اور وہ بے ذائقہ محنت جس کے نمونے انبیاء علیہم السلام اور اُنکے تبعین کی اس مقصد کی کوششوں میں ہمیں نظر آتے ہیں — اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس کا یقین نصیب فرمائے، اور اس میں جاننا بازی کی توفیق بخشے۔ اللہم ثبتنا علی ملتہ رسولک و فوعلی الجہاد فی سبیلک۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا اس سے ہرگز یہ نہ سمجھا جائے کہ دوسری تدبیریں اور کوششیں سرے سے ترک کر دیجائیں بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ تعمیرِ سیرت جس پہلو کی طرف ہم نے توجہ دلائی ہو اُس کی واقعی اہمیت کو محسوس کیا جائے، اور قومی جدوجہد میں اب تک یہ پہلو جس طرح نظر انداز ہوتا رہا ہے، اُس نہ غلطی نہ ہو۔

مَعَارِفُ الْاَحَادِیْثِ

اہل جنت کیلئے حق تعالیٰ کی دائمی رضا:۔

(۱۰۵) عن ابی سعید قال قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان اللہ تعالیٰ یقول لاهل الجنة یا اهل الجنة فیقولون لبتک ربنا وسعد یدک والخیر کلمہ فی یدیک فیقول هل رضیتم؟ فیقولون وما لنا لا نرضی یا رب وقد اعطینا ما لم نعط احداً من خلقک فیقول الا اعطیکم افضل من ذالک فیقولون یا رب وای شیء افضل من ذالک؟ فیقول احل علیکم رضوانی فلا اسخط علیکم بعدہ ابدًا۔ (متفق علیہ)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بیان فرمایا کہ:۔ (جنتی جب جنت میں پہنچ جائینگے اور وہاں کی نعمتیں انکو عطا ہو جائیگی تو) اللہ تعالیٰ ان کو مخاطب کر کے فرمائیں گے کہ اے اہل جنت! وہ عرض کریں گے کہ ہمارے رب ہم حاضر ہیں، حاضر ہیں، آپ کی بارگاہ قدس میں حاضر ہیں، اور ساری خیر اور سب بھلائی آپ ہی کے قبضہ میں ہے (جس کو جو چاہیں عطا فرمائیں یا عطا نہ فرمائیں)۔ پھر اللہ تعالیٰ ان بندوں سے فرمائیں گے، تم خوش ہو؟ (یعنی جنت اور جو نعمتیں جنت میں تم کو دی گئیں تم ان سے راضی ہو؟)۔ جنتی بندے عرض کریں گے، لے پروردگار! جب آپ نے ہمیں یہاں وہ کچھ نصیب فرمایا ہے جو اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیا تھا (یعنی آپ کی بخشش اور آپ کے کرم سے جب یہاں ہمیں وہ نعمتیں اور وہ راحتیں اور لذتیں نصیب ہیں، جو دنیا میں کسی

بڑے سے بڑے کو بھی نصیب نہیں تھیں) تو ہم کیوں راضی اور خوش نہ ہوں گے! —
 اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کیا میں تمہیں اس سب سے اعلیٰ و افضل ایک چیز اور دوں!
 وہ بندے عرض کریں گے، کہ خداوند! وہ کیا چیز ہے جو اس جنت اور اس کی ان نعمتوں سے بھی
 افضل ہو؟۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں تم کو اب اپنی دائمی اور ابدی رضامندی، اور
 خوشنودی کا تحفہ دیتا ہوں، اس کے بعد اب میں کبھی تمہارا راضی نہ ہوں گا۔ (بخاری و مسلم)
 (تشریح) جنت اور اس کی ساری نعمتیں عطا فرمانے کے بعد اُس ربِّ کریم کا اپنے بندوں سے پوچھنا کہ
 ”تم راضی ہو، خوش اور مطمئن ہو؟“ بجائے خود کتنی بڑی نعمت ہے، اور پھر دائمی رضا کا تحفہ، اور کبھی ناراض
 نہ ہونے کا اعلان کتنا بڑا انعام اور احسان ہو، اس سے جو لذت اور مسرت اہل جنت کو اُس وقت حاصل ہوگی
 اگر اُس کا ایک ذرہ اس دنیا میں ہم پر منکشف کر دیا جائے تو دنیا کی کسی لذت اور مسرت کی چاہت ہمارے
 دلوں میں نہ رہے۔ بیشک بیشک اللہ کی رضا، جنت اور اس کی ساری نعمتوں سے بہت ہی اعلیٰ و بالا ہو۔
 ”وَصَوَافِیْ مِنْ اللّٰہِ الْکَبْرِ“ اور لذت و مسرت میں اعلانِ رضا سے بڑھ کر صرف ”دیدارِ الٰہی ہو“

جنت میں دیدارِ الٰہی :-

حق تعالیٰ کا دیدار وہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے اہل جنت کو نوازا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ نے
 جن کو عقلِ صحیح اور ذوقِ سلیم عطا کیا ہے وہ اگر خود اپنے وجدان میں غور کریں تو اس نعمت کی خواہش اور تمنا
 وہ ضرور اپنے میں پائیں گے، اور کیوں نہ ہو جو بندہ اپنے خالق اور رب کی بے شمار نعمتیں اس دنیا میں پارہا پارہ
 اور پھر جنت میں پہنچ کر اس سے لاکھوں گنی نعمتیں پائے گا، لازماً اُس کے دل میں یہ تمنا اور تڑپ پیدا ہوگی
 کہ کسی طرح میں اپنے اس محسن اور کریم رب کو دیکھ پاتا جس نے مجھے وجود بخشا، اور جو اس طرح مجھے اپنی نعمتیں
 اُنڈیل رہا ہے۔ پس اگر اُسے کبھی بھی یہ نظارہ نصیب نہ ہو، تو یقیناً اس کی لذت و مسرت اور اُس کے
 عیش میں بڑی کمی اور بڑی تشنگی رہے گی، اور اللہ تعالیٰ جس بندہ سے راضی ہو کر اُس کو جنت میں پہنچائیں گے
 اُس کو ہرگز اس سے تشنگی اور محروم نہیں رکھیں گے۔

اہل ایمان کے لئے قرآن مجید میں بھی اس نعمت عظمیٰ کی بشارت سنائی گئی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ کرامؓ کو صاف صاف اسکی خوشخبری دی ہے، اور تمام اہل ایمان نے بغیر کسی تردد کے اس پر یقین کیا ہے۔ لیکن بعض ایسے طبقے اور ایسے لوگ جو آخرت کی چیزوں کو بھی اس دنیا کے انداز سے سوچتے ہیں اور یہاں کے اپنے محدود علم و تجربہ کو علم و تجربہ کا آخری اور انتہائی درجہ سمجھتے ہیں انھیں اس مسئلہ میں شبہات پیش آتے ہیں، وہ سوچتے ہیں کہ دیکھا تو اُس چیز کو جاسکتا ہے جو جسم ہو، جس کا سفید یا زرد وغیرہ کوئی رنگ ہو، اور جو آنکھ کی سیدھ میں ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے، نہ اُس کا کوئی رنگ ہے، اور نہ اس کے لئے آگے یا پیچھے کی کوئی بہت ہے، تو پھر اُس کو دیکھا کیونکر جاسکتا ہے!۔

حالانکہ یہ سراسر مغالطہ ہے اگر اہل حق کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا کی انہی آنکھوں سے ہوگا جو صرف جسم کو اور کسی رنگ دار چیز ہی کو دیکھ سکتی ہیں، اور جن کی بینائی صرف اس چیز کا ادراک کر سکتی ہے جو اُن کی سیدھ میں یعنی سامنے ہو، تو بیشک ان منکرین کا یہ سوچنا کسی درجہ میں صحیح ہوتا، لیکن نہ قرآنِ حدیث نے یہ بتلایا ہے، اور نہ اہل حق کا یہ عقیدہ ہے۔

اہل حق، اہل السنۃ و الجماعۃ جو قرآن و حدیث کے اتباع میں اس کے قائل ہیں کہ حجت میں حق تعالیٰ کا دیدار اُن بندوں کو نصیب ہوگا جو اس نعمت عظمیٰ کے مستحق ہوں گے، وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو بہت سی ایسی قوتیں عطا فرمائیں گے جو اس دنیا میں کسی کو عطا نہیں ہوئیں، اور انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایسی آنکھیں عطا ہوں گی جن کی بینائی کی قوت اتنی محدود اور کمزور نہ ہوگی، جتنی کہ اس دنیا میں ہماری آنکھوں کی ہے، اور اُن ہی آنکھوں سے اہل جنت کو حق تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا جو نہ جسم ہے، نہ اس کا کوئی رنگ ہے، اور نہ اُس کے لئے کوئی بہت ہے، بلکہ وہ ان سب چیزوں سے وراۃ الوراۃ ہے، وہ نور ہے، سراسر نور ہے، اور سارے انوار کا سرچشمہ ہے۔

اس توضیح کے بعد بھی رویتِ باری کے مسئلہ میں جن لوگوں کو عقلی استحالہ کا دوسوہ ہو، انھیں فراہم کر کے لئے اس پر غور کرنا چاہئے کہ اپنی مخلوقات کو اللہ تعالیٰ بھی دیکھتا ہے یا نہیں؟ اگر دیکھنا صرف ان ہی ذرائع سے اور ان ہی شرائط کے ساتھ ہو سکتا ہے جن سے ہم دیکھتے ہیں، تو پھر تو چاہئے کہ

اللہ تعالیٰ بھی کسی کو نہ دیکھ سکتا ہو، کیونکہ نہ اس کے آنکھ ہے، اور نہ کوئی مخلوق اسکی نسبت کسی جہت میں پس جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ آنکھوں کے بغیر دیکھتا ہے، اور ہماری آنکھیں جن چیزوں کو کسی طرح اور کسی حال نہیں دیکھ سکتیں، وہ اُن کو بھی دیکھتا ہے، اور بغیر مقابلہ اور جہت کے دیکھتا ہے، انھیں رویت باری کے مسئلہ میں بھی اس قسم کا کوئی دوسرہ نہ ہونا چاہئے، اور اللہ و رسول کی اطلاعات اور بشارات پر یقین کرتے ہوئے سمجھ لینا چاہئے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور رحمت سے ایسی آنکھیں نصیب فرمائیں گے جو حق تعالیٰ شانہ کے جمال کے نظارہ کی لذت بھی حاصل کر سکیں گی۔

قرآن پاک میں اہل ایمان کو بشارت سنائی گئی ہے، کہ ”ذُجُجَتْ يَوْمَئِذٍ نَاصِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاطِقَةٌ“ (مطلب یہ ہے کہ اہل جنت کے چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے، وہ خوش و خرم اور شاد ہونگے، اور اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے) — اور اس کے بالمقابل دوسرے موقع پر مکذبین اور منکرین کے بارہ میں فرمایا گیا ہے ”وَاَنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَجُوتُونَ“ (یعنی یہ بد نصیب لوگ اُس دن اپنے رب سے روک دیئے جائیں گے، اُسکی زیارت اور اُس کی دید سے محروم رکھے جائیں گے)۔

جنت میں حق تعالیٰ کی رویت سے متعلق رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جو احادیث مروی ہیں وہ سب مل کر حد تو اترو پہنچ جاتی ہیں، اور ایک مومن کے یقین کے لئے بالکل کافی ہیں — ذیل میں اُن میں سے صرف چند حدیثیں درج کی جاتی ہیں :-

(۱۰۶) عَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ

الْجَنَّةَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى تَرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ؟ فَيَقُولُونَ الْمَرْتَبِيعُ

وَجَوْهَنَا الْمَرْتَدُّ خَلْنَا الْجَنَّةَ وَتَجَنَّا مِنَ النَّارِ قَالَ فَيَرْفَعُ الْحَسَابُ

فَيَنْظُرُونَ إِلَى وَجْهِ اللَّهِ فَمَا أَعْطُوا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَى

رَبِّهِمْ ثُمَّ تَلَا لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحَسَنَى وَزِيَادَةَ - (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت صہیبؓ وحی سے مروی ہو کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بیان فرمایا کہ

جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن سے ارشاد فرمائیں گے :- کیا تم چاہتے ہو میں تم کو ایک چیز مزید عطا کروں ؟ - (یعنی تم کو جو کچھ اب تک عطا ہوا، اُس پر مزید اور اُس سے سوا ایک خاص چیز اور عنایت کروں) - وہ بندے عرض کریں گے :- آپ نے ہمارے گھرے روشن کئے (یعنی سرخروئی اور خوب روئی عطا فرمائی) اور دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کیا (اب اس کے آگے اور کیا چیز ہو سکتی ہو جس کی ہم خواہش کریں) - حضور فرماتے ہیں کہ ان بندوں کے اس جواب کے بعد کیا ایک حجاب اُٹھ جائے گا - (یعنی اُن کی آنکھوں سے پردہ اُٹھا دیا جائے گا) پس وہ روئے حق اور جمال الہی کو بے پردہ دیکھیں گے۔ پس اُن کا حال یہ ہوگا (اور وہ محسوس کریں گے) کہ جو کچھ اب تک اُنھیں ملا تھا اُس سے زیادہ محبوب اور پیاری چیز اُن کے لئے یہی دیدار کی نعمت ہو۔ یہ بیان فرما کر آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاذ فرمائی ”لَذَیْنِ احْسَنُوْا لِحُسْنٰی وَ زَیَادَةٌ“ (جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھی بندگی والی زندگی گذاری اُن کے لئے اچھی جگہ ہے (یعنی جنت و ما فیہا) اور اُس پر مزید ایک نعمت (یعنی دیدار حق) - (مسلم)

(تشریح) ۱ - آنکھوں سے پردہ اُٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دفعۃً اُنکی آنکھوں کو بینائی کی ایسی طاقت عطا فرمائے گا کہ وہ روئے حق کا نظارہ کر سکیں گی - واللہ اعلم

۲ - رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آخر میں جو آیت تلاوت فرمائی اُس کے ذریعہ یہ بتلایا ہے کہ اس آیت میں ”زیادہ“ سے مراد حق تعالیٰ کے دیدار کی نعمت ہو جو جنت اور نعمائے جنت کے علاوہ، اور ان سے سوا ہے -

(۱۰۷) عن جریر بن عبد اللہ قال کتا جالساً عند رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم فظفر الی القمر لیلۃ البد فقال انکم سترون ربکم کماترون

ھذا القمر لا تضامون فی رویتہ فان استطعتم ان لا تغلبوا علی صلوۃ

قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا فافعلوا، ثم قرء وسمی محمد ربک قبل

طلوع الشمس وقبل غروبھا - (متفق علیہ)

(ترجمہ) جویر بن عبداللہ بخلی سے مروی ہے کہتے ہیں کہ (ایک رات کو) ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے چاند کی طرف دیکھا، اور یہ چودھویں رات تھی (اور چودھویں کا چاند پوری آب و تاب کے ساتھ اور بھرپور نکلا ہوا تھا)، پھر آپ نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یقیناً تم اپنے پروردگار کو اسی طرح دیکھو گے جیسے کہ اس چاند کو دیکھ رہے ہو، تمہیں اُسکے دیکھنے میں کوئی کشمکش نہیں کرنی پڑے گی اور کوئی زحمت نہ ہوگی، پس اگر تم یہ کہہ سکو کہ طلوع آفتاب سے پہلی نماز، اور غروب آفتاب سے پہلے والی نماز کے مقابلہ میں کوئی چیز کبھی تم پر غالب نہ آئے (یعنی کوئی مشغلہ اور کوئی دھچکاؤ آرام طلبی ان نمازوں کے وقت میں تمہیں اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے) تو لازماً ایسا کرو (پھر انشاء اللہ دیدار حق اور نظارہ جمالِ اکسی کی نعمت ضرور تم کو نصیب ہوگی۔) اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی:۔
 ”وَمِمَّنْ جَعَلَ رَبُّكَ ثَلَاثًا مِّنْ يَّوْمٍ ؕ ذَٰلِكُمْ مَّا تَدْبُرُونَ“ (اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اسکی تسبیح کرو
 (یعنی اس کی پاکی بیان کرنے کے ساتھ اسکی تعریف بیان کرو) سورج کے نکلنے سے پہلے، اور اُسکے ڈوبنے سے پہلے)۔

(بخاری و مسلم)

(تشریح) - ۱۔ دنیا میں جب کسی حسین و جمیل چیز کے دیکھنے والے لاکھوں کروڑوں جمع ہو جائیں اور سب اُس کے دیکھنے کے انتہائی درجہ میں شتاق ہوں، تو ایسے موقعوں پر عموماً بڑی کشمکش اور بڑی زحمت ہوتی ہے، اور اس چیز کو اسی طرح دیکھنا بھی مشکل ہوتا ہے، لیکن چاند کا معاملہ یہ ہے کہ اس کو مشرق و مغرب کے آدمی بغیر کسی کشمکش اور زحمت کے، اور پورے اطمینان سے بیک وقت دیکھ سکتے ہیں، اِسے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُس کی مثال سے سمجھایا کہ جنت میں حق تعالیٰ کا دیدار اسی طرح بیک وقت اُسکے بے شمار خوش نصیب بندوں کو نصیب ہوگا، اور کسی کو کشمکش اور زحمت سے سابقہ نہیں پڑے گا، سب کی آنکھیں بڑے سکون و اطمینان سے وہاں جمالِ حق کے نظارہ کی لذت حاصل کریں گی۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

۲۔ آخر میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک ایسے عمل کی طرف بھی توجہ دلائی جو بندہ کو اس نعمت (دیدار حق) کا مستحق بنانے میں خاص اثر رکھتا ہے، یعنی فرد عصر کی نمازوں کا خصوصیت سے

ایسا اتہام کہ کوئی مشغولیت اور کوئی دلچسپی ان نمازوں کے وقت میں اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے۔ اگرچہ فرض تو پانچ نمازیں ہیں، لیکن نصوص کتاب و سنت ہی سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان دو نمازوں کو خاص اہمیت اور فضیلت حاصل ہو۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآنی آیت ”وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا“ پڑھ کر، ان دو نمازوں کی اسی خصوصیت اور فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(۱۰۸) عن ابی رزین العقیلی قال قلت یا رسول اللہ اکلنا یری ربہ
مخلیابہ لومہ القیمۃ قال بلی قلت وما آیۃ ذالک؟ قال یا ابا رزین
الیس کلکم یری القمر لیلۃ البد و مغللیابہ قال بلی قال فانما هو خلق
من خلق اللہ واللہ اجل واعظم۔ (رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) ابو رزین عقیلی سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! کیا قیامت میں ہم میں سے ہر ایک اپنے رب کو اکیلا (بغیر بھیڑ بھاڑ اور کشمکش کے) دیکھ سکے گا؟۔ آپ نے فرمایا:۔ ہاں! دیکھ سکے گا۔ میں نے عرض کیا:۔ اور کیا اسکی کوئی نشانی اور مثال (ہماری اس دنیا میں بھی) ہے؟۔ آپ نے فرمایا:۔ لے ابو رزین! کیا چودھویں اتہام میں سے ہر ایک چاند کو بجائے خود اور اکیلا بغیر بھیڑ بھاڑ کے نہیں دیکھتا ہے؟۔ عرض کیا، کہ:۔ ہاں بیشک، چاند کو تو ہم سب اسی طرح دیکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، کہ:۔ وہ تو اللہ کی مخلوق میں سے بس ایک ادنیٰ مخلوق ہے، اور اللہ تو بڑی جلالت والا، اور نہایت عظمت والا ہے (پھر اُس کے لئے کیا چیز مشکل ہے)۔

(ابوداؤد)

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ لَدَنَّا النَّظَرَ اِلَى وَجْهِكَ وَ الشَّقَاقِ

اِلَى اِيْقَاتِكَ

یادگار موتیں

(مولانا سید مناظر حسن گیلانی)

مشہور حدیث ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا۔ اکثر اذکھام اللذات (لذتوں کو ڈھا کر کھدینے والی یعنی موت کو بہت زیادہ یاد کیا کرو) سچ پوچھے تو اسی نبوی وحیت کی تعمیل اس مضمون سے مقصود ہے۔ ایسے واقعات جن کا موت سے تعلق ہے۔ ان ہی کا ذکر اس عنوان کے تحت انشاء اللہ کیا جائے گا۔ موت کے یاد کرنے کی ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے، بڑے بڑے مواعظ اور پچھتے دار تقریروں کے مقابلے میں موت کا ہلکا سا خیال زیادہ نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی میں کتے ہیں، کہ کئی الموع بالموت واعظاً (آدمی کے لئے موت کا کافی واعظ ہو) کے الفاظ کھدے ہوئے تھے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہر مینے میں ”لغتِ عربیہ“ کے ناظرین کے سامنے یہی زندہ واعظ کھڑا ہوگا۔ سب سے زیادہ یاد رکھنے کی مستحق جو چیز ہے، اُسی کو یہ زندہ واعظ آپ کو یاد دلاتا ہے گا۔ ابتداء میں تو چند خاص استثنائی حوادث کا تذکرہ کیا جائے گا، بعد کو ارادہ ہے انشاء سے پورا کرے کہ مرتے ہوئے مرنے والوں پر جو کچھ گزری اور اتفاقاً کتابوں میں ان کا تذکرہ کر دیا گیا ہے، حتیٰ الوسع اسی کو جمع کر دیا جائے، ممکن ہو کہ آئندہ وہ کوئی کتاب ہی بن جائے۔ وانما الاعمال بالنیات و نکل امرء ما نوى واللہ بقول الحق وهو یجھد السبیل۔

اگرچہ ایسی صوتیں شاذ و نادر کبھی کبھی پیش آئی ہیں، لیکن ہمارے ہاں کی مستند کتابوں میں چند ایسے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بعض لوگوں سے زندگی کے آثار کا تجربہ کیا گیا۔

خواب میں نہیں بلکہ بیداری میں ان کا مشاہدہ کرایا گیا۔ اس سلسلہ میں پہلا واقعہ تورمُولُ اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک صحابیؓ ہی کا ہے، میر صحابہؓ کی شاید ہی کوئی کتاب ہوگی، جس میں اجمالاً یا تفصیلاً اس واقعہ کا تذکرہ نہ پایا جاتا ہو۔

کہتے ہیں کہ حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی خلافت کا زمانہ تھا، ایک انصاری صحابیؓ جن کا مدینہ کے قبیلہ خزرج سے خاندانی تعلق تھا، اسم گرامی ان کا زید بن خارجه بن ابی زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تھا۔ اُن صحابیوں میں تھے جو بدر میں شریک ہونے کی وجہ سے تمام صحابہؓ میں خصوصی اقبالیہ کے ستی قرار پائے تھے۔ بہر حال ان ہی کا قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی وفات ہو چکی تھی، جیسے مرنے والے کی لاش پر چادر الیجائی ان کو بھی چادر اڑھا دی گئی تھی، اچانک دیکھا گیا کہ چادر چہرے سے ان کے سر گئی، اور ان کی زبان مبارک سے السلام علیکم السلام علیکم کی آواز نکل رہی ہے، مگر والے جو قطعی طور پر ان کی موت کو یقینی ٹھہرا چکے تھے سب اچنبھے میں تھے، ایک صحابیؓ حضرت نعمان بن بشیرؓ فعل کی دو گانہ ادا کر رہے تھے، ان کے کان میں بھی "السلام علیکم" کی آواز آئی، نماز میں سبحان اللہ، سبحان اللہ کے الفاظ ان کی زبان پر جاری تھے۔ ہر ایک حیرت میں تھا کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے، پھر سنا جا رہا تھا کہ وہی مرنے والے صحابیؓ حضرت زیدؓ کہہ رہے ہیں:۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اَوَّلُ مَا رَآهُ النَّبِيُّ (چپ رہو، چپ رہو) گویا کچھ سنانے کے لئے چپ رہنے کا حکم دے رہے ہیں، اسکے بعد خاص قسم کے نفسے کیے بعد دیگرے سُنے گئے، جو عجیب و غریب تھے، کہہ رہے تھے:۔

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ، یہی بات تھی۔ کتابِ اوّل۔ (پہلے نوشتہ) میں،

صَدَقَ، صَدَقَ، (سچ بولے، سچ بولے، سچ بولے)۔

یہ فقرہ ختم ہوا، تب سُنا گیا:۔

اَبُو بَكْرٍ الصِّدِّیْقُ، ضَعِیْفٌ فِی جَسَدِهِ قَوِیٌّ فِی اَمْرِ اللّٰهِ

(جمانی طور پر کمزور، اور اللہ کی بات میں زور آور)

کان فی الکتاب الاول (یہی بات کتابِ اوّل، یا پہلے نوشتہ میں تھی)

صَدَقَ، صَدَقَ، (سچ کہا، سچ کہا، سچ کہا)۔

اس کے بعد تیسرا فقرہ اُن کی زبان سے سنا گیا:-

عمر بن الخطاب، قوی فی جسده قوی فی اموالہ (جسمانی طور پر بھی زور آور، اور اللہ کی بات میں بھی زور آور) صدق، صدق صدق (سچ کہا، سچ کہا، سچ کہا)۔

چوتھا فقرہ یہ تھا:-

عثمان بن عفان، مضت اشتتان (دو گزر گئے) دبی اربع (چار باقی ہیں)۔

اسی کے ساتھ یہ بھی فرما رہے تھے، ترجمہ ان کے عربی الفاظ کا یہ ہے، کہ:-
 ”فتنے اٹھ کھڑے ہوئے، بے زوروں کو زور والے کھانے لگے۔
 الساعة (مقررہ گھڑی) قائم ہو گئی، قریب ہو کہ بیراریس کی خیر تم تک پہنچے اور کیا ہے بیراریس“

بعض کتابوں میں ہے کہ آخر میں یہ بھی سنایا گیا کہ مشہور انصاری صحابی عبداللہ بن واہب رضی اللہ عنہ کا نام لیکر کہہ رہے ہیں:-

”بالتلاہ علیہ عبد اللہ بن رواحہ“

اور اسی کے ساتھ یہ بھی بولے، کہ:-

”کیا تم میرے ساتھ خارجہ اور سعد کو پارہے ہو؟“

عربی کے الفاظ ہیں:- ”هل احسنت بی خارجة وسعد“ مذکورہ بالا مواد حافظ بن عبدالمبر کی کتاب ”استیعاب“ اور حافظ مزنی کی ”تہذیب“ سے ماخوذ ہے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ الکتاب الاقل (پہلے نوشتہ) سے ان کی کیا مراد تھی، باقی فقیر ظاہر ہیں، جن میں کچھ گزرے ہوئے واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہو، اور حضرت عثمانؓ کے ذکر کے بعد جو کچھ ان کی زبان سے سنا گیا، اس میں مستقبل میں پیش آنے والے بعض حوادث کی طرف

اشارہ ہے، جن میں ”بیراریں“ کے واقعہ کو خاص اہمیت دی گئی ہے، یہ قبائکے مشہور کنویں کا نام ہے جس میں حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی انگلی سے وہ انگوٹھی گر پڑی اور لاکھ ڈھونڈی گئی مگر نہ ملی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس انگوٹھی میں کیا راز تھا، عجیب بات ہے کہ اس انگوٹھی کے گم ہو جانے کے بعد اسی کے نمونے پر حضرت عثمانؓ نے دوسری انگوٹھی جو بنوائی تھی، ان کے شہید ہو جانے کے بعد اس کا بھی پتہ نہ چلا، کہ کون لے گیا، اور کیسے غائب ہو گئی۔

آخری فقرہ جس میں حضرت عبداللہ بن رواحہ صحابیؓ کو خطاب کر کے پوچھا گیا ہے کہ: ”خارجہ اور سعد کو تم میرے ساتھ پار ہے ہو؟“ اربابِ سیر نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ ان دونوں میں ایک عیسیٰ خارجہ تو مرنے والے صاحب کے والد کا نام تھا، اور سعد ان کے بھائی تھے، شاید ان دونوں کی رُوح

سہ کامل ابنِ اشیر نے اس انگوٹھی کے گرنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: جب بیرونِ عرب کے سلاطین کے نام رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خطوط روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ ان سلاطین کے دربار کا قاعدہ ہو کہ جن خطوط پر مہر نہیں ہوتی وہ قبول نہیں کئے جاتے، تب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلے لوہے کی ایک انگوٹھی بنوائی، جبریل امینؑ نے جب منع کیا تو تابنے کی بنوائی، لیکن اس سے بھی رد کیا، اس کے بعد چاندی کی انگوٹھی بنوائی گئی جس پر تین سطروں میں محمد رسول اللہ کے تینوں الفاظ کندہ تھے۔ یہی انگوٹھی حکمِ جبریلؑ استعمال ہوتی رہی۔ خطوط پر ہر ماسی سے لکائی جاتی تھی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد ابو بکر صدیقؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد اس کو استعمال کیا، اُن کے بعد عمر فاروقؓ اسی کو پہننے اور استعمال کرتے رہے، حضرت عثمان غنیؓ جب خلیفہ ہوئے تو لکھا ہے کہ کچھ سال تک اپنے ایامِ خلافت میں اسی انگوٹھی کو استعمال کرتے رہے، ایک دن اسی آئینہ کنویں کے منہ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ انگلی سے نکل کر انگوٹھی کنویں میں گر گئی، اس واقعہ کو بہت اہمیت دی گئی، کنویں کا پانی ٹھکرایا گیا، ڈھونڈنے والوں نے کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا، لیکن انگوٹھی نہ مل سکی۔ ابنِ اشیر کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ اعتدالِ عاقلانہ یہاں حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اس انگوٹھی کے گم ہو جانے کا بہت زیادہ غم ہوا، انھوں نے بڑے بڑے انعامات کا بھی اعلان کیا، لیکن کھوئی ہوئی انگوٹھی نہ ملی، مجبور ہو کر اسی کے نمونے پر دوسری انگوٹھی بنوائی، جسے پہن رہتے تھے، جس دن شہید ہوئے پتہ نہ چلا کہ اسے کون لے بھاگا۔ واللہ اعلم

اس وقت ان کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی تھی، اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔
حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے زمانہ میں پیش آنے والے واقعات کی طرف ایسا کرتے ہوئے
ان کی زبان سے جو یہ الفاظ نکلے، یعنی:۔

قامت الساعة (انتیاب ۱۹۰) الساعة (گھڑی) قائم ہو گئی۔

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص دور کے اختتام کی تعبیر بھی، عہد صحابہ میں قامت الساعة
سے کی جاتی تھی، اگر یہ واقعہ ہے تو اس سے بعض حدیثوں بلکہ بعض خاص قرآنی آیتوں کے سمجھنے میں
بڑی سہولت پیدا ہو سکتی ہے۔

بہر حال جتنی دیر میں یہ فقرے ختم ہوئے ہوں، اتنے وقت تک مرنے والے میں زندگی کے آثار
کا شاہدہ دیکھنے والوں کو ہوتا رہا۔ فقرے ختم ہوئے، اور جس حال میں پہلے تھے، پھر اسی حال کی طرف
واپس ہو گئے۔

عہد صحابہ کے بعد ایک دوسرا واقعہ تابعین کے زمانہ میں کچھ اسی نوعیت کا پیش آیا، اس کا
تذکرہ بھی ہمارے یہاں کی معتبر کتابوں میں کیا گیا ہے، میں اس وقت ابن سعد کے طبقات اس واقعہ کو
نقل کر رہا ہوں۔

مشہور تابعی حضرت ربیع بن حراش کے بھائی کا یہ قصہ ہے جن کا نام ربیع تھا، خود ربیع تو
بڑے جلیل القدر صحابیوں کے شاگرد تھے، جابہ نامی مقام میں حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے جو
تاریخی خطبہ دیا تھا، اس میں ربیع شریک تھے، حضرت حذیفہ صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) انکے بھائی تھے،
ربیع کی بہن ان کے نکاح میں تھیں۔

ابن سعد نے دو مستقل سندوں کے ساتھ اس قصے کو بیان کیا ہے، جس سند میں ابو حواریہ مشہور محدث
صاحب کتاب ہیں، ہم اسی سند کی روایت کا خلاصہ درج کرتے ہیں، خود ربیع سے براہ راست یہ سنایا
گئے تھے۔ میرے بھائی ربیع بیمار ہوئے، مرض ان کا شدید تھا، جس کی وجہ سے وہ صاحب فراش ہو گئے،

اسی عرصہ میں اپنی ایک ضرورت سے مجھے باہر جانا پڑا، وہی پر لوگوں نے بتلایا کہ ابھی میرے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے۔

اس خبر کے سننے کے ساتھ بے ساختہ زبان پر "انا للہ وانا الیہ راجعون" جاری ہوا اور لپکا ہوا، میں اپنے بھائی کے پاس پہنچا، دیکھا چادران کو اڑھادی گئی ہے، اور پشت پر لٹا دیئے گئے ہیں، الغرض مرنے والوں کے ساتھ جو طرز عمل اختیار کیا جاتا ہے، ان کے ساتھ بھی دستور کے مطابق وہی سب کچھ کر دیا گیا تھا، میں نے فوراً خوشبو جو مردوں کو استعمال کی جاتی ہے، اس کے ننگوانے کا اور کفن کے قیام کرنے کا حکم دیا، اسی حال میں ہم بیٹھے تھے، دوسری روایت میں ہے کہ ان کے لئے ہم دُعا کر رہے تھے اور استغفار پڑھ رہے تھے، کہ اچانک دیکھتا ہوں کہ چادر چہرے سے ان کے اُلٹ گئی، اُن کا چہرہ بالکل تندرستوں کا چہرہ معلوم ہوتا تھا، حالانکہ طویل اور شدید علالت کے وہ شکار تھے، چادر اُلٹنے کے ساتھ ہی پہلا فقرہ ان کی زبان پر جو جاری ہوا، وہ "السلام علیکم" کا تھا، بے ساختہ میری زبان سے بھی "وعلیکم ورحمة اللہ" کے الفاظ نکلے، اس کے بعد میں کہنے لگا:-

"بحان اللہ! بھائی مرنے کے بعد ؟"

مطلب ان کا یہ تھا کہ مرنے کے بعد تم بول رہے ہو، آخر یہ کیا ہے، جواب میں وہی کہتے ہیں کہ میں نے سنا ربیع کہہ رہے تھے:-

"تم لوگوں سے الگ ہونے کے بعد میری ملاقات اپنے رب سے ہوئی، جو

مجھ سے دُوح اور دُحیمان کے ساتھ ملا، میرا رب قطعاً غصہ والا نہ تھا"

جو ان کے عربی الفاظ "انی لقیۃ ربی بعد کہ قتلۃ فی بردح و دُحیمان و رب غیور غضبان" کا ترجمہ ہے، دُوح و دُحیمان جیسا کہ معلوم ہے، قرآن کے اصطلاحی الفاظ ہیں۔ مقررین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد "دُوح و دُحیمان" کو وہ پاتے ہیں۔ ان غیبی حقائق کی تشریح اس زیادہ اور کچھ نہیں کی جاسکتی کہ راحت و سکون، آسودگی و طمانیت کی ضمانت ان کے اندر رہو گی۔

ربعی کہتے ہیں، کہ مذکورہ بالا الفاظ کے بعد میرے ان ہی مرے ہوئے بھائی نے یہ بھی کہا، کہ:-

کسانی اقوا باخضروا من سندس
میرے رہنے مجھے بے زنجیر بنائے جو سندس اور
واستبرق۔

اسی کے ساتھ یہ خبر بھی انھوں نے دی، کہ:-

وجدت الامرا يسر مما
تم لوگوں کے جی میں جو باتیں ہیں، ان سے معاملہ کو
فی انفسکم۔

واللہ اعلم، اس کا کیا مطلب ہے، بظاہر تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ دہشت اور خوف، ڈر اور ہراس کی جو
کیفیت موت کے متعلق زندہ انسانوں میں پائی جاتی ہے۔ اسی کا ازالہ کرتے ہوئے اطمینان دلاتے ہیں کہ
عام خیالات کے برخلاف وہاں کا معاملہ چنداں دشواری نہیں ہے، آگے اس کی نصیحت کرتے ہوئے کہ پھر بھی
پا چنے کہ لوگ فریب اور دھوکہ میں نہ رہیں، لا تختروا (دھوکہ میں نہ پڑ جانا) کا لفظ بھی انکی زبان سے نکلا،
جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ جس سے جتنا بن پڑے مرنے کے بعد کے حالات کو درست کرنے کی تیاریوں میں
مشغول رہے۔ آخر میں یہ کہتے ہوئے، کہ:-

”میں نے اپنے رب کے اجازت لی تھی کہ تم لوگوں کو بشارت سنا دوں“

مرنے والے صاحب ریح نے کہا، کہ:-

خاسمونی الی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم فرانہ وعد فی ان لا

یسبقنی حتی ادرکہ۔

ربی کہتے ہیں کہ بس ان الفاظ کے بعد میں نے دیکھا کہ جیسے کنکری پانی میں پھینکی جائے، اور پانی میں
وہ بیٹھ جاتی ہے، اسی طرح میرے بھائی پر موت طاری ہو گئی، یعنی جیسے مرے ہوئے تھے، اسی طرح
مرے ہوئے دکھائی دینے لگے۔

کون جانتا ہے کہ بے شمار مرنے والوں میں سے کبھی کبھی اس قسم کے آثار کا مشاہدہ قدرت کی طرف سے
جو کرایا جاتا ہے اس کا مقصد کیا ہوتا ہے، سننے والوں میں دو ہی قسم کے آدمی ہو سکتے ہیں، ایک وہ جو

گپ اور خرافات ٹھہرا کر زندگی کے اپنے مشاغل میں غرق ہو جاتے ہیں، اور زیادہ تر اسی قسم کے نفوس کی کثرت ہے، لیکن ”علیٰ علی شفی قدیر“ جن کے ایمان کا جزو ہے، وہ اس کے بھی عجیب تر باتوں کو سننے میں، اور سمجھتے ہیں کہ اطلاقی اقتدار میں سب ہی طرح کی باتوں کی گنجائش ہو، کسی نہ کسی شکل میں واقعہ پیش آیا جن کا یہ تاثر ہو، ان کے لئے یہ سوچنے کی بات ہو کہ ربیع جن کی بے جان لاش سامنے تھی، ان ہی کا یہ کہنا کہ مجھے استبرق اور سندس کے جوڑے پہنائے گئے، ظاہر ہو کہ یہ لباس اس جسم کو تو پہنایا نہیں گیا جس پر چادر پڑی ہوئی تھی، پھر جوڑے جس جسم کو پہنائے گئے اس جسم کی نوعیت چادر کے نیچے والے جسم سے چاہئے تو یہی کہ الگ ہو۔

ان کے بیان کے اور نفردوں کا مطلب تو ظاہر ہے، البتہ یہ کہنا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وعدہ فرمایا ہے کہ جب تک میں نہ آؤں، آپ مجھے پیچھے چھوڑ کر آگے نہ چلے جائیں گے، یعنی:-
 ”لا یسبقنی حتیٰ ادرکھ“ کا جو مطلب ہے، اس سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے، شاید سوختہ سامانوں کے لئے نوید رُوح پرور ہے، پتہ چلتا ہے کہ مرنے والا جن کے دین پر مرتا ہو، مرنے کے ساتھ ہی ان کے قدموں تک پہنچنے کا موقع اس کو دیا جاتا ہے، گویا بخاری وغیرہ والی مشہور روایت کہ مرنے والوں سے دوسری باتوں کے ساتھ یہ بھی پوچھا جاتا ہے، کہ ”ما تقول فی هذا الرجل“ (تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے ہو)، جیسا کہ معلوم ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی سے اس سوال کا تعلق ہے، مومن آپ کو پہچان لے گا، اگر غور کیا جائے تو ربیع کے بیان سے اس حدیث کے سمجھنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

بیداری کی حالت میں دیکھنے والوں نے مرنے کے بعد جن آثار کا مشاہدہ کیا ہے، یہ تو اس کی دو تاریخی شائیں تھیں، واقعہ یہ ہے کہ ایسی صورتیں شاذ و نادر ہی پیش آتی ہیں، قصہ کہانی کی کتابوں کو چھوڑ کر قابل اعتبار کتابوں میں ہی دو واقعات مجھے ایسے ملے ہیں، جن میں دیکھنے والوں کی بحالت بیدار کا ان آثار کو دیکھا، باقی خواب میں تو مرنے والوں سے زندوں کا ایسا تعلق جسکی توجیہ خیالی قوت کے

کوششوں سے ہم نہیں کر سکتے، اس باب میں تو واقعات کا کافی ذخیرہ معتبر کتابی وثیقہ نہیں پایا جاتا ہے۔ میں جو کچھ کنا چاہتا ہوں، مثلاً اس کو اسی مشہور واقعہ سے سمجھ سکتے ہیں۔

دو صحابی یعنی حضرت صعوب بن جشم اور عوف بن مالک میں غیر معمولی گہری دوستی تھی، مواخاۃ اور بھائی چارہ کا رشتہ دونوں میں زندگی بھر قائم رہا، حضرت صعوب نے ایک دن اپنے دوست عوف بن مالک سے کہا، کہ بھائی! دکھو! ہم دونوں میں پہلے جو مر جائے وہ وعدہ کرے کہ خواب میں آکر وہ ملاقات کرے گا، عوف نے کہا، کہ کیا یہ ہو سکتا ہے۔ بولے، کیوں نہیں؟۔ اتفاق یہ پیش آیا کہ حضرت صعوب کا عوف سے پہلے انتقال ہو گیا، واقعی چند دنوں کے بعد عوف خواب میں دیکھتے ہیں کہ حضرت صعوب ان کے سامنے ہیں، عوف نے پوچھا، کہ واقعی تم میرے بھائی صعوب ہو؟ بولے ہاں ہی ہوں، عوف نے دریافت کیا، کہو! تم پر کیا گزری، صعوب نے کہا کہ کچھ آزمائشوں کے بعد میری مغفرت ہو گئی، عوف کہتے ہیں کہ اتنے میں میری نظر ان کی گردن پر پڑی جس پر ایک سیاہ دھبہ تھا، میں نے پوچھا یہ کیا ہے، کہنے لگے، کہ:-

”بھائی! یہ دس اشرفیاں ہیں، فلاں یہودی سے ان کو میں نے بطور قرض

لیا تھا (اور واپس کے بغیر مر گیا)۔“

صعوب نے اسی کے بعد یہ بھی عوف سے کہا، کہ:-

”قرض کی گئی ہوئی یہ اشرفیاں اس وقت تک ایک سیلنگھ میں میرے گھر میں

رکھی ہوئی ہیں، کاش! یہودی تک ان اشرفیوں کو تم پہنچا دیتے“

صعوب نے اسی کے ساتھ یہ اطلاع بھی دی، کہ:-

”مرنے کے بعد میرے گھر میں جتنے عادی اب تک پیش آئے ہیں، انکی

خبریں مجھے پہنچا دی گئی ہیں، حتیٰ کہ ایک بلی میرے گھر میں تھی، چند دن

ہوئے وہ مر گئی، مجھے اس کی بھی اطلاع ہے“

گذشتہ ہی کی نہیں، بلکہ مستقبل میں پیش آنے والے ایک حادثہ کا بھی عوف سے صعوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

تذکرہ کیا، فرمایا، کہ:-

”میری ایک بچی ہے، پتہ دن بعد اُس کا بھی انتقال ہو جائے گا، چاہئے کہ
لوگ اُس بچی کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں“

حوت کہتے ہیں کہ خواب سے بیدار ہو کر اٹھا، صبح ہوئی، تب اپنے دوست صعب کے گھر پہنچا، اندر اپنے
اُمّہ کی اطلاع دی، صعب کی بیوی نے شکایت کی، کہ صعب کے انتقال کے بعد آج آپ آئے ہیں،
دوستوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا ہے:- میں نے کچھ چلے حوالوں سے جیسا کہ دستور ہے کام لیا، پھر
جو خواب دیکھا تھا، اُس سے گھر والوں کو مطلع کیا۔ سینک جس میں اشرفیاں تھیں، خواب میں اس کی جگہ لمبی
بتا دی گئی تھی، عورتوں سے اجازت لیکر حضرت حوت وہاں تک پہنچے، واقعی جیسا کہ ان سے کہا گیا تھا،
دیکھا کہ سینک میں دن اشرفیاں بھری ہوئی ہیں، گھر والوں سے اجازت لی، کہ یہودی کو ان کے پہنچانے کا
حکم دیا گیا ہے۔ بھلا ایسے سچے خواب کے بعد کون انکار کر سکتا تھا، حضرت حوت ان اشرفیوں کو لیسکر
باہر نکلے، یہودی سے دریافت کیا کہ صعب پر تمہارا کچھ باقی ہے۔ یہودی نے کہا، کہ ہاں! کچھ تھا تو، لیکن
وہ بڑے نیک آدمی تھے، میں نے ان کو بخش دیا۔ میں نے کہا، کہ لو! تمہاری اشرفیاں بجنسہ سینک میں رکھی
ہوئی تھیں، خواب میں صعب نے مجھے اطلاع دی، اور تم تک پہنچانے کو کہا۔ یہودی دیکھ کر دنگ ہو گیا،
بولہ کہ بجنسہ وہی ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد وہ مسلمان ہو گیا، اور بولا، کہ:-

”محمد رسول اللہ کے صحابی کیسے لوگ ہیں، مرنے کے بعد بھی اپنا قرض
ادا کرتے ہیں، حالانکہ ان کے اور میرے سوا اس قرض سے کوئی واقف تھا،
کیونکہ لینے کے بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا“

بہر حال حضرت حوت نے پھر صعب کے گھر والوں سے پوچھا، کہ تمہارے ہاں کوئی حادثہ پیش آیا مختلف
پیش آنے والے واقعات کا لوگ ذکر کرتے رہے، آخر خود حضرت حوت نے کہا، کہ کوئی بلی بھی تمہارے ہاں
مری ہے، لوگوں نے تصدیق کی۔ پھر حضرت صعب کی بچی کو انھوں نے بلایا، دیکھا کہ اس کو بخار ہو، گھر والوں سے
کہہ دیا کہ اسکی خبر گیری میں غفلت سے کام نہ لیجیو، صعب نے خاص طور پر اس بچی کے متعلق مجھ سے کہا ہے، کہ

اچھا سلوک اس کے ساتھ کیا جائے۔ کہتے ہیں کہ چھ دنوں کے بعد بچی بھی مر گئی۔
سیر صحابہ کی مختلف کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ مشہور ناقد محدث علامہ ابن قیمؒ نے
اپنی تصنیف ”کتاب الروح“ میں بھی اس کو نقل کیا ہے۔

واقعات جو بیان کئے گئے ہیں، اگر وہ صحیح ہیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ خواب خوف کا صرغ خیالی
خواب تھا، اشرفیوں کا بحالت بیداری بانا، آبی کے مرنے کے واقعہ کی توثیق، اور بچی کی موت، کیا ان
امور کی توجیہ خیالی مخزنات کے نظریہ سے ہو سکتی ہو۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہ جانے والوں کے ساتھ مرنے والوں کی رُوح
تعلق پیدا کر سکتی ہو، اس سلسلہ میں بعض عجیب و غریب واقعات کتابوں میں ملتے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ
آئندہ ان کا تذکرہ کیا جائے گا۔

”زادِ سفر“

امام نووی شارح صحیح مسلم کی مقبول کتاب ”ریاض الصالحین“ کے نصف اول کا سلیس اور عام فہم ترجمہ جس میں
صحیح بخاری، مسلم، ترمذی و ابوداؤد کی وہ صحیح روایات ہیں جن کا تعلق فضائل اعمال، اخلاق، اصلاح و تہذیب اور
زندگی کے روزمرہ کے احکام و مسائل سے ہے، اور جو صحیح روایت، تقویٰ، اصلاح و ایمان پیدا کرنے کے لئے اس کے
حکم رکھتی ہے۔ یہ کتاب بہترین دینی مصطلح و مرتبی و مرشد کا کام کرتی ہے، ہر عنوان کے نیچے پہلے قرآن مجید کی
آیات مع ترجمہ، پھر احادیث ہیں۔ یہ تازہ ایڈیشن پہلے دو ایڈیشنوں سے ہر لحاظ سے بہتر ہے۔
عدہ اور مضبوط جلد، خوشنماگر دپوش۔ قیمت :- (۸ روپے)

اس رسالہ میں لڑکیوں کو میکہ اور شہر سال میں رہنے سننے، والدین، شوہر، اعزہ، اولاد
برادری کے ساتھ حسن معاشرت کے طریقے بتائے ہیں، امور خانہ داری کے عملی اصول
سمجھائے ہیں۔ سرورق خوبصورت سترنگا۔ جہیز میں دینے کے قابل اور ہر گھر کی زینت (انوار النساء) قیمت ۱۸ روپے
اس مجموعہ میں قرآنی اور ماثور دعائیں، عنوانات و مضامین کی ترتیب و سلیس ترجمہ کے ساتھ مختلف
دعائیں، اوقات کے اذکار، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تلقین کی ہوئیں دعائیں درج ہیں۔

قیمت :- ۶ روپے

ایک سو چالیس برس پہلے

ایک مردِ حق آگاہ کی مجلس میں

(نسیم احمد فویدی)

(گذشتہ سے پیوستہ)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نماز عصر کے لئے مسجد میں تشریف لائے ہوئے تھے، بعد ادا بے نماز ملا گل محمد غزنوی نے کسی شخص سے کلام کیا، حضرت نے بہت ڈانٹا اور فرمایا کہ :-

”بارگاہِ حق تعالیٰ میں بے ادب نہیں ہونا چاہئے، یہاں پر غیر حق کی جانب ہرگز متوجہ نہ ہونا چاہئے، دیکھو بادشاہ ظاہری کے سامنے کس قدر آداب ملحوظ رکھے جاتے ہیں، پس بادشاہِ حقیقی کے روبرو بدرجہ اولیٰ انکسار تو واضح ہونا چاہئے۔ اپنے کو عدم محض اور نیست کر کے ”دریاز“ پر آیا کرو“

فرمایا ————— ”میاں ابوسعیدؒ نے اپنے احوالِ باطن میں ایک رسالہ تحریر کیا جو ”میں اُس کو شروع سے آخر تک دیکھا ہے، مکتوباتِ امام ربانیؒ کے مطابق ہے“

فرمایا کہ ————— ”مولانا خالد رومیؒ سے بھی میں نے کدیا ہو کہ وہ اپنے احوالِ باطن کو تحریر کریں، انشاء اللہ تعالیٰ وہ بھی اپنے حالات تحریر کر کے بھیجیں گے“

۱۔ آپ کے متعلق حضرت مولانا محمد عبد الشکور صاحب فاروقی مجددی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں :- (ہفتیہ ۲۴ پیر)

مولانا رؤف احمد رافت رامپوریؒ اس مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

”مولانا خالد افضل خلفاء حضرت والا میں، بغداد میں ہدایت و رہنمائی میں مصروف اور مرجع خلائق ہیں، اُن کا ایک عریضہ حضرت والا کی خدمت میں آیا تھا، اُس میں لکھا تھا کہ سو عالم تہجو صاحب تصانیف اس فقیر کے حلقہ میں آکر قابلِ اجازت ہو گئے ہیں، اور پانچ سو اکابر علماء داخل سلسلہ ہوئے ہیں، اور اُن عوام و خواص کی تعداد جو بیعت ہو چکے ہیں عدد شمار سے باہر ہے۔“

ایک شخص کتبہ معظمہ سے حضرت کا نام سن کر خانقاہ میں آیا، اور اُس نے بیان کیا کہ :-

”میں نے بیت اللہ شریف میں بغداد کے ایک قافلے کے لوگوں کی زبانی سنا کہ ایک عالم مہر مولانا خالد نے ہندوستان پہنچ کر حضرت شاہ غلام علی سے طریقہ نقشبندیہ اخذ کیا ہے، اور فرقہ خلافت زبیر تن کر کے آیا ہے، وہ قلم روم میں بڑی شہرت رکھتا ہے، وہاں کے علماء و اکابر اُس کے ہاتھ پر بیعت ہوئے ہیں، میں نے جب یہ سنا تو میں

۲۷ کا بقیہ حاشیہ

”آپ (حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ) ہی کے ایک خلیفہ حضرت مولانا خالد کرویؒ تھے، جن کے مناقب میں علامہ شامیؒ نے جن کی شرح درختار پراچ مفتیان مذہبِ خفی کی بنیاد ہے، ایک مستقل رسالہ تالیف فرمایا جس کا نام :-

سلسلہ الحسام الہندی لنصوحہ مولانا خالد النقشبندیؒ ہے، یہ رسالہ مصر میں چھپ چکا ہے۔

علامہ شامیؒ نے رسالہ مذکورہ میں حضرت مولانا خالدؒ کے علمی و علمی کمالات کو تفصیل سے بیان فرماتے، اور ۱۲۲۴ھ میں اُن کا براہ ایران پورے ایک سال سفر کے بعد دہلی پہنچنا، اور حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونا اور ان کے دریائے فیض سے سیراب ہو کر قلب ارشاد بن کر اپنے وطن واپس ہونا، اور وہاں مرجع خواص و عوام ہونا مفصل ذکر کیا ہے۔“ وغیرہ

۱۲۲۴ھ میں مولانا خالد کروی نقشبندیؒ کا انتقال ہوا۔

(الفرقان مجلہ دالفت ثانی نمبر)

حضرت والا کی ملاقات کا مشتاق ہوا، آخر الامام بفضلِ خدا اس آستانِ فیضِ نشان پر پہنچ گیا ہوں۔“

کچھ عرصہ بعد ایک مغربی حضرت کا اسم مبارک سنکر قطع منازل کر کے مولانا خالد رومیؒ سے ملاقات کرتا ہوا حاضرِ دربار ہوا، اُس نے بیان کیا کہ:-

”ایک لاکھ آدمیوں کے قریب اُن کے حلقہٴ ارادت میں داخل ہو چکے ہیں، اور ایک نہرا قبرِ علماء داخل طریقہ ہوئے ہیں۔“

حضرت والا نے یہ سنکر فرمایا:-

”اس خوشخبری کے سُننے سے میرا دل پریشہ کی برابر بھی خوش نہیں ہوا، فخر و مباہات کا تو ذکر ہی کیا ہے۔“

فرمایا:- ”جس کا یقین زیادہ ہے، اُس کا مقام اونچا ہے۔“

درسِ کلام مجید فرما رہے تھے، اور اُس کے معانی کی تحقیق میں مشغول تھے، ایک شخص نے عرض کیا، کہ آپ کی تحقیق مولانا شاہ عبدالعزیزؒ سے بھی زیادہ ہے۔ فرمایا:-

”توبہ، توبہ! وہ تو بحرِ علم اور دریائے بیان ہیں۔“

فرمایا:- ”ایک روز مولوی شاہ رفیع الدین ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔ میں بھی

اُس مجلس میں حاضر تھا، ناگاہ انوارِ ویرکات کا ظہور ہوا۔ میں نے کہا کیا سبب ہے

ان دُوسطروں کے پڑھنے سے بہت فیض وارد ہوا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ

یہ دُوسطرس حضرت عبدالحمد رحمۃ اللہ علیہ کی نوشتہ ہیں۔“

اسی سلسلے میں یہ بھی فرمایا، کہ:-

”دوسرے دن بھی ایسا ہی اتفاق ہوا، میں نے کہا آج فیضِ بخورِ دگر آشکارا ہوا ہے

مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ سطور (جو میں نے پڑھیں) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے

باطن میں طریقت سے پیراستہ ہیں، اُن کا قول ہے کہ جو معارفِ باطن برابر بھی شریعت کے مخالف ہوں وہ ایک جو کے عوض بھی نہیں خریدے جاسکتے۔

فرمایا: — کہ:۔

”حدیث کے پڑھنے سے عجیب فیوض و برکات ظاہر ہوتے ہیں، افسوس کہ لوگوں نے اس برکت کے دیکھنے سے اپنی آنکھوں کو بند کر رکھا ہے۔ کل چند احادیث مناقبِ صحابہؓ میں پڑھی گئیں، میں نے مشاہدہ کیا کہ جسم کو غسل سے زیادہ طہارت اور دل کو تصفیہ سے زیادہ لطافت حاصل ہوئی۔“

مرتب ملفوظات فرماتے ہیں، کہ میں ایک دن حلقہ میں حاضر ہوا، اتفاقاً درمیانِ حلقہ جگہ باقی نہیں رہی تھی، فقرائے بسِ پشت بیٹھ گیا، حضرتؑ نے یہ شعر زبانِ مبارک سے پڑھا:۔

فرضہ است ترا آمدن بدرگہ دوست

اگر دروں نہ دربارِ آستانِ دریاب

حضرتؑ کو عرسِ حضرت مودودِ حبشیؑ میں ایک فقیہ نے طلب کیا، تو فرمایا: — کہ:۔

”میں مجلسِ سماع اور محفلِ وجد و توحید میں ہرگز نہیں جاتا، اگرچہ کسی بڑے سے بڑے بزرگ کا عرس کیوں نہ ہو۔“

بعد ازاں فرمایا: — کہ:۔

”خداوندِ امجد سے کون سی خطا سرزد ہوئی، کہ صبح ہی صبح مجلسِ بدعت میں جھک کر طلب کیا گیا۔“

فرمایا: — کہ:۔

”عنایاتِ الہی جو نالائق کے حق میں صادر ہوتی ہیں، میں اُن کا کس منہ سے شکرا دہا کر دوں۔

لوگ طلبِ حق میں بغداد، سمرقند، بخارا، تاشقند سے اس جگہ آتے ہیں اور نسبتِ نقشبندیہؒ

مستفیض ہوتے ہیں، ہر شخص اپنی استعداد کے موافق فیض حاصل کرتا ہے، میری کیا حیثیت ہے، یہ تمام عنایات حضرت ایزد رحمن ہیں جو بواسطہ توجہات مرزا جان جان مجھ کمترین کے شامل حال ہیں۔“

فرمایا: ————— کہ:۔

”چاروں طرف سے لوگ یہاں آتے ہیں اور قسامت پذیر ہوتے ہیں، قریب ایک سو چالیس اشخاص وہ ہیں جو خانقاہ میں مستقل طور پر رہتے ہیں، طالبین کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے، باایں ہمہ میرے دل میں کوئی خطرہ نہیں گذرتا کہ انکے کھانے کے لئے روٹی اور پہننے کے لئے کپڑا درکار ہے (کہاں سے انتظام ہوگا) اکھنڈ شرمیرا دل ”خطرات این واکں“ سے پاک و صاف ہو۔“

فرمایا: ————— کہ:۔

”حضرت خواجہ بزرگ نمین الدین چشتی اجمیریؒ کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام نے رواج پایا۔“

فرمایا: ————— کہ:۔

”بزرگان نقشبندیہ میں متعدد نسبتیں ظہور پذیر ہوئی ہیں، لیکن اصل نسبت حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کی ہے۔“

بعد ازاں ایک لطیفہ ارشاد فرمایا: ————— کہ:۔

”حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ نے دیگ طعام پکائی، اُس میں بہت سا نمک حضرت مخدوم اعظمؒ نے ڈالا، نسبت نے تیزی پکڑ لی، پھر سرخ مرچیں حضرت میر ابو العلیؒ نے ڈالیں، اُس سے نسبت تیز تر ہو گئی، پھر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اُس میں دہی ڈال دیا، اُس سے عجیب کیفیت ہو گئی۔“

مکتوبات کا درس دے رہے تھے اُس میں کسی موقع پر دُنیا اور اہل دُنیا کی مذمت ارقام فرمائی ہو کہ جو شخص دُنیا میں پھنسا ہوا ہے اُس کو بروزِ جزا سوائے حسرت و ندامت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا، اُس پر فرمایا: — کہ:۔

”دُنیا نام ہے حاجتِ اصلیہ سے زیادہ طلب کرنے کا“

نیز فرمایا: — کہ:۔

”جو چیز دل کو حق تعالیٰ سے غافل کر دے، وہی دُنیا ہے“ اور یہ شعر پڑھ دے۔

چھیت دُنیا و لباس دُنوی از خدا غافل شدن لے مولوی

چھیت دُنیا از خدا غافل شدن نے لباس و فقرہ و فرزند و زن

جامع ترمذی کا درس دے رہے تھے، یہ حدیث پڑھی گئی:۔

فضل عائشة علی النساء کفضل الشریح یعنی حضرت عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے

علی سائر الطعام۔ جیسی تمام کھانوں میں شریح کی فضیلت۔

اس پر ارشاد فرمایا: — کہ:۔

”اس حدیث سے تمام عورتوں پر حضرت عائشہؓ صدیقہؓ کی فضیلت ثابت ہوئی“

پھر فرمایا: — کہ:۔

”اُن کو علم، اجتہاد، فقاہت، ترک و تجرید اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا

محبوب ہونے کے باعث تمام عورتوں پر فضیلت ہے“

فرمایا: — کہ:۔

”حضرت عائشہؓ کے ترک و تجرید کے بارے میں وارد ہے کہ ایک دن اُنکے پاس

ہزار ہا درہم و دینار آئے، سب کو ایک ہی مجلس میں صدقہ کر دیا، ایک کوڑی

اپنے پاس نہ رکھی“

نسر مایا :-

”حضرت فاطمہؓ کو جو فضیلت ہے وہ جگر گوشہ رسولؐ ہونے کی حیثیت سے ہی، حضرت یحییٰؑ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں ہونے کی وجہ سے فضیلت ہے، حضرت آسیہؑ کو جو فضیلت ہے وہ ایک تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کے باعث ہے، دوسرے اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے فرعون کے ہاتھ سے انتہائی شہداء اپنے اوپر پھیلے، اور فرعون کی ظلمت کدہ میں جہاں ہر طرف کفر و ضلالت کی آندھی چل رہی تھی، اپنے چراغِ ایمان کو بجھنے نہیں دیا۔“

نسر مایا :-

”شیخ سعدی شیرازیؒ ”انوارِ ولایت سرور دیہ“ اپنے اندر رکھتے ہیں اور بہت ذکی ہیں،
ان دو شعروں میں تمام سلوک کو بیان فرما دیا ہے :-

مرا پیر دانا سے فرخِ شہاب دو آمر ز فرمود بر رئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود میں مباش دگر آنکہ بر غیر بد میں مباش
یعنی مجھ کو میرے مرشد حضرت شیخ شہاب الدین سرور دیہؒ نے ساحلِ آب پر
یہ دو نصیحتیں نسر مائیں

- ۱۔ خود بینی نہ کرنا کہ اپنے آپ کو اچھا سمجھنے لگو۔
- ۲۔ بد بینی نہ کرنا کہ دوسروں کے عیب تلاش کرو اور اُن کو بُرا سمجھو۔

نسر مایا :-

”جو شخص ہم سے تعلق رکھتا ہے اُس کو چاہئے کہ ہمارا سالِ لباس اور ہمارا سا طرزِ طریقہ اختیار کرے۔“

حضرت دریں حدیث سے رہے تھے کہ چشتیہ سلسلے کے ایک بزرگ ملاقات کیلئے تشریف لائے
اُس وقت فرمایا:۔

”ہم متوسلانِ نقشبندیہ“ بادہِ نوحانِ جامِ مودت“ ہیں، ہماری ”گزک“ درود
اور حدیث ہو، جو قلب کو گوناگوں ذوقِ بخشش ہے، اور نگارِ تحقیق کے چہرے سے
نقابِ کشائی کرتی ہے۔“ بعد ازاں ایک آہ سرکشینی اور فرمایا:۔
واشوق المدینہ ——— واشوق المدینہ ——— واحسرة المدینہ

حضرت حسن بصریؒ کا ذکر آیا تو فرمایا۔ — کہ:۔
”موالی میں سے تھے، لیکن ایک بڑی فضیلت رکھتے ہیں وہ یہ کہ ایامِ رضاہت میں
ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے پستانِ مبارک کو انکے منہ میں دیا
خدا کی قدرت کہ دودھ اُترا، اور انھوں نے نوش فرمایا۔“
فرمایا:۔

”اُن کی عادت تھی کہ ہر روز چالیس ہزار مرتبہ سبحان اللہ پڑھتے تھے۔“
ضمناً یہ بھی فرمایا۔ — کہ:۔
”علماء و صوفیاء دونوں کو افضلیتِ تسبیح و تہلیل میں اختلاف ہے، متاخرین نے
تہلیل کو افضل قرار دیا ہے۔“
فرمایا۔ — کہ:۔

”اکثر طرق و سلاسل حضرت حسن بصریؒ تک منتهی ہوتے ہیں، وہ درحقیقت کبرِ اصلاً
کے پیشوا ہیں۔“
۱۱ رجب المرجب کو فرمایا:۔

”آج کا دن حضرت شاہ ناصر الدین قادریؒ کے وصال کا دن ہے، ان کا مزار

محلہ صیش پورہ (دہلی) میں واقع ہے، یہ میرے والد کے مرشد تھے، اس مَن کی شب گذشتہ
میں اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھائے تھے، میں بھی اُسی دن اپنے وطن (پنجاب)
سے دہلی آیا تھا، جب دہلی پہونچا تو میرے والد بہت خوش ہوئے کہ وہ مجھے اپنے
مرشد سے بیعت کرائیں گے۔“

ایک شخص حاضر ہوا، اُس نے کلمات شوقیہ ادا کرنے شروع کئے، حضرت نے یہ دُشعر پڑھے:۔۔۔
مُرفانِ چمن بہرِ صبا ہے خواند ترا با صلا ہے

ندامِ اس گلِ خندان چہ نکٹ بُودارد کہ مُربِ ہر چنے لگتکٹوئے اُودارد

اسی مجلس میں یہ شعر بھی پڑھا:۔۔
کیا رِگو یَدِ مِظیری مشورِ شوم بہ بے نظیری
پھر فرمایا:۔۔۔ کہ:۔۔

”اس شعر کا اصل مضمون حافظ شیرازیؒ کے اس شعر میں پایا جاتا ہے:۔۔۔
نامِ مَن رقتِ رونے بربِ جاناں ز سہو
اہلِ دل را بوئے جاں می آید از نامِ ہنوز

فسرِ مایا:۔۔

”حافظ شیرازیؒ کے بعض مضامین موافق حدیث ہیں“ ثبوت میں یہ شعر پڑھا:۔۔۔
ساقیا عشرتِ امروز بفرودِ مفلک یاز دیوانِ قضا خطِ امانے بنِ آکر
(اس میں اس حدیث کا مضمون ہے)

اِذَا آمَسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرْ صَبَاحَكَ وَادَا جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کر، اور جب صبح
اصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرْ مَسَاءَكَ کرے تو شام کا منتظر نہ رہ (نہ جانے کب بت آجائے)

پھر فرمایا:-

”آج کے کام کو کل کے حوالے نہ کیا کرو، فرصت کو غنیمت شمار کرو“

فرمایا:-

”اکثر اولیاء کو اپنے تصرفات کا خود پتہ نہیں ہوتا“

فرمایا:- کہ:-

”میرے احباب میں سے جو صبر و توکل اور قناعت و تقویٰ کا راستہ چلتا ہوا اور حضورؐ کی محبت اور انوار و کیفیات، قلب میں رکھتا ہے، میری جانب سے اُس کو اجازت ہے کہ طالبوں کو بیعت کرے، اور جس کے صبر و توکل وغیرہ میں نقصان ہے اُسے دوسروں کو مُرید کرنا خطا ہے، گو وہ میرے اجازت یافتگان میں سے ہو، لیکن حقیقت وہ مجھ سے مجاز نہیں ہے“

فرمایا:-

”کلمہ طیبہ لا اِلهَ اِلَّا اللہ آیاتِ قرآنی میں سے ایک آیت ہے، اور محمدؐ رسول اللہ بھی کلامِ ربّانی سے ایک کلمہ ہے، پس کلمہ کو اس کا ظاہر ہے کہ یہ آیت کلامِ باری ہے پڑھا جائے تو فیضِ نبویؐ دگر آئے گا، اور اگر اس کا ظاہر سے پڑھا جائے کہ یہ ایسا کلمہ ہے جس کے پڑھنے سے آدمی مسلمان ہوتا ہے، اور ہم اپنے پیغمبرؐ کی طرف سے مامور ہیں کہ زبان سے یہ کلمہ ادا کریں اور دل میں اسکی تصدیق کریں تو فیضِ بانہ از دگر حاصل ہوگا“

نیز فرمایا:- کہ:-

”بلحاظ معنی اول کلمہ پڑھنا جُنبی کو حرام ہے“

فرمایا:- کہ:-

”طالب کو چاہئے کہ ایک لمحہ بھی مطلوب کی یاد سے غافل نہ ہو۔ پھر یہ شعر پڑھا: یہ

ایں شربت عاشقی است خسرو بے خون جگر چشیدنتواں

نسر مایا:-

”حنفی مسلک والے کو ضروری ہے کہ موطائے امام محمدؒ اپنے پاس رکھے، اُس کتاب میں یہ عجیب کام کیا ہے کہ اخبار صریح و استوار صحیح اپنے مذہب کی تائید میں لائے گئے ہیں۔“
بعد ازاں فرمایا: کہ:-

”فقہ کے چاروں مسلوں میں چار خاصے ہیں، جو ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتے ہیں۔“

۱۔ خاصۂ مذہب حنفی کتاب ”ہدایہ“ ہے کہ دوسرے فقہاء کے یہاں اس کے پایہ کی کوئی کتاب نہیں۔

۲۔ مذہب امام شافعیؒ میں امام غزالیؒ زبردست محقق ہوئے ہیں۔

۳۔ مذہب حنبلیؒ میں حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ سرکارِ مقربانِ بارگاہِ اکسی ہیں۔

۴۔ مذہب مالکیؒ میں خود امام مالکؒ کا وجود آیۃ من آیات اللہ ہے۔

ایک روز طالبین کو توجہ دینے میں مشغول ہوئے، ایک شخص سے فرمایا کہ وہ اہلِ حلقہ کو پنکھا کرے

اور ارشاد فرمایا: کہ:-

”حضرت مرزا جان جاں شہیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ: میں کشتاد کھیتا ہوں کہ جو کوئی

اہلِ حلقہ کو پنکھا کرتا ہے ہر ایک کے فیضِ توجہ میں شریک ہو جاتا ہے، اسلئے کہ اُس سے

ہر ایک کو راحت پہنچتی ہے۔“ اور حضرت شہیدؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ: ”ایک دن

میں اپنے مرشد سید السادات حضرت سید نور محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ حضرت

بہت خوش خوش بیٹھے ہیں، اس کا سبب دریافت کیا تو حضرت اقدسؒ نے فرمایا، کہ

آج میں نے فراق کو بہت سے نیکھے تقسیم کئے ہیں، اس عمل کی قبولیت کی وجہ سے درگاہِ اُسی سے فیوض و برکات بارش کی طرح برس رہے ہیں۔

مکرارِ بیعت کا ذکر ہوا تو فرمایا:۔

”طالب کو متعدد شیوخ سے بیعت کرنا جائز ہے، چنانچہ بعد از وفات سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت صدیق اکبرؓ سے بیعت کی گئی، اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ سے۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کا خلفائے راشدینؓ سے بیعت ہونا انتظامِ امورِ دینیہ کے لئے ضروری تھا، دنیا کے لئے، اس سے معلوم ہوا کہ مکرارِ بیعت جائز ہے۔“

”تصوف کیا ہے؟“

اُردو میں تصوف سے متعلق کئی ایسی اچھی چیزیں ہمارے اس زمانہ میں شائع ہو چکی ہیں، لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ ”مازہ طبع کتاب اپنے اختصار کے ساتھ انصاف و تحقیق اور مباحث کے سلیجھانے کے لحاظ سے بہت ممتاز کچھ جائیگی، اور انشاء اللہ ان تمام حق پسند حضرات کے لئے اطمینان کا باعث ہوگی جو تصوف کے بارہ میں بھی انصاف سے غور کرنا چاہتے ہیں، اور جن کو اس کے نام سے خواہ مخواہ کی ضد اور چڑ نہیں ہو۔۔۔۔۔ اس میں

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر ”الفتاویٰ“ مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگار۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مندرجہ ذیل آٹھ مقالے ہیں، گویا ان تینوں حضرات کی مشترک تالیف ہے۔

- ۱۔ تصوف پر ابتدائی غور اور تجربہ۔
 - ۲۔ تصوف اور اُس کے اعمال و اشغال کے متعلق میرے چند یقین۔
 - ۳۔ تصوف اور اُس کے اعمال و اشغال کے متعلق بعض شبہات۔
 - ۴۔ تصوف کے متعلق بعض شکوک و شبہات کا جواب۔
 - ۵۔ یقین اور اُس کے ثمرات۔
 - ۶۔ تصوف اور یقین (یعنی تصوف کے بارہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور شیخ ابن قیمؒ کی تصریحات)۔
 - ۷۔ اہل تصوف اور دینی جدوجہد۔ ۸۔ طالبانِ سلوک کو ابتدائی مشورے۔
- (۵۰ صفحات)۔ کتاب طبعات دیدہ زیب۔ کاغذ اعلیٰ قیمتِ عہد

ملنے کا پتہ: کتب خانہ الفرقان گوشت روڈ لکھنؤ

تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ

(از مولانا محمد اویس صاحب مدنی نگامی)

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۵)

اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک حج کے سلسلہ سے مکہ معظمہ میں موجود ہیں۔ ایک دن کعبہ کے اندر حاضر کی قصد کیا۔ وہاں حضرت عمر فاروقؓ کے پوتے حضرت سالمؓ کو جلوہ افروز پایا، خلیفہ نے عرض کیا کہ حضرت مجھ کو خدمت کا موقع دیا جائے اور کچھ حکم دیا جائے جس کی تعمیل کا شرف حاصل کر دوں حضرت سالمؓ نے ارشاد فرمایا کہ

”اللہ کے گھر میں اللہ کے سوا اور کسی سے مانگنا شرم کی بات ہے۔“

جب دونوں حضرات کعبہ سے باہر نکلے تو خلیفہ نے پھر عرض کیا کہ اب تو کعبہ سے باہر ہیں اب کچھ طلب فرمائیں حضرت نے فرمایا کہ میں آپ سے کیا مانگوں؟ دنیا یا دین؟ ہشام نے کہا کہ دنیا، ارشاد ہوا ”دنیا تو میں نے اس کے مالک حقیقی سے بھی کبھی طلب نہیں کی پھر آپ کے دو اس کے مالک نہیں ہیں“ کیے مانگوں؟“

(۶)

بنی امیہ کی طرف سے ابن ہبیرہ کے سپرد عراق کا انتظام و انصرام ہے، ابن ہبیرہ نے ایک مرتبہ شیعہ بیئہ استقامت، سپیکر علم و معرفت، مجسمہ زہد و تقویٰ امام ابو خلیفہؒ سے عرض کیا کہ آپ کبھی قدم رنجہ فرماتے تو مجھ پر احسان ہوتا، فرمایا میں تم سے مل کر کیا کر دوں گا؟ مہربانی سے

پیش آؤ گے تو خوف ہے کہ تمہارے دام میں آ جاؤں، متاب کر گئے تو میری ذلت ہے، تمہارے پاس جو زور و مال ہے مجھ کو اس کی حاجت نہیں، میرے پاس جو دولت ہے اس کو کوئی شخص حسین نہیں سکتا۔

ابن ہبیرہ نے بعض اکابرِ علما کو اپنے نظامِ حکومت میں شامل کر رکھا تھا۔ دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ امام ابوحنیفہ بھی عہدہٴ تعین یا خزانہ کا افسر بنی ہونا قبول فرما لیں، مگر امام اعظم کا کمال احتیاط اور غایتِ دین اس خدمت سے مانع تھا، صاف انکار فرما دیا۔ ابن ہبیرہ نے قسم کھا کر کہا کہ جبراً منظور کرنا ہوگا، امام کے ہم صحبت بزرگوں نے اس خدمت کی منظوری کے لئے بہت کچھ کہا مگر امام نے جواب میں ارشاد فرمایا:-

”اگر ابن ہبیرہ کے کہے کے لئے مجھ کو دروازہ دیں تو یہ بھی مجھ کو گوارا نہیں، نہ کہ وہ کسی مسلمان کے

قتل کا فرمان لکھے اور میں اس پر ہرگز دوں؟“

ابن ہبیرہ کو حکم ہوا کہ امام کو ایک سو دس کوڑے مارے جائیں، حکم کی تعمیل ہوئی مگر امام کی استقامت میں کوئی فرق نہیں آیا اور ابن ہبیرہ کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی۔

عہدِ نبوی عباس میں بھی یہی قصہ کا عہدہ امام کے کمالِ تقویٰ کے لئے آزمائش کا سبب بنا تھا، خلیفہ منصور عباسی نے قصہ کا عہدہ پیش کیا، امام نے انکار فرمایا، منصور نے قسم کھائی کہ ہم ضرور قاضی بنائیں گے، امام اعظم نے بھی قسم کھائی کہ میں اس منصب کو ہرگز قبول نہ کروں گا، ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت آپ غور نہیں فرماتے کہ امیر المومنین قہم کھا رہے ہیں، فریاد فرمایا امیر المومنین کنارہ ادا کرنے پر مجھ سے زیادہ قادر ہیں، اسی وقت امام کو زندان خانہ بھیج دیا گیا اور اسی سلسلہ میں امام کا انتقال ہوا۔ بِحَالَتِهِ دَانَاکَیْہِ دِلْسُجُو اللہ اللہ یہ وہی عظیم المرتبت امام ہیں جن کے حق میں ابراہیم بھری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نماز میں یہ آیت پڑھی گئی

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا تَعْمَلُ الْخَالِکُوْنَ
یعنی خدا کو ظالموں کے اعمال سے بے خبر نہ سمجھو

امام اعظم پر یہ آیت سن کر ایسی حالت طاری ہوئی کہ پورا بدن کانپنے لگا، زائرہ کا بیان ہے کہ رات کے نوٹھ میں ایک ن آیت دَقْنَا عَظْمًا جِلًّا لِّمَنْزُومٍ پڑھوئے تو بار بار اس آیت کو پڑھتے تھے یہاں تک کہ صبح ہو گئی، صبح کما بھل بن مزاحم نے کہ امام ابوحنیفہ کے لئے دنیا متوجہ کی گئی مگر انھوں نے توجہ نہ کی، دنیا

کے قبول کرنے کیلئے ان کے کوڑے لگائے گئے مگر انھوں نے قبول نہ کیا۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ابتلا و آزمائش کو امام احمد بن حنبلؒ یاد فرماتے اور روایا کرتے تھے۔

(۷)

دوسری صدی ہجری کا وسطی زمانہ ہے اور ابو جعفر منصور عباسی خلیفہ حج کے لئے مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں ایک رات کو طوائف کے وقت دیکھا کہ ایک شخص منظر مہم کے پاس کھڑا دعا مانگ رہا ہے کہ
اے نبی میں تجھ سے فریاد کرتا ہوں عالم کے فتنہ و فساد کی اور ظلم و طمع کی جس سے حقداروں کی حق تلفی ہو رہی ہے،
طوائف سے فراغت کے بعد ابو جعفر نے اس شخص سے دریافت کیا کہ تم کیا دعا مانگ رہے تھے؟ کون ظلم کرتا ہے؟
کون فساد کرتا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ جناب وہ آپ ہی ہیں آپ ہی نے ظلم و فساد برپا کر رکھا ہے، آپ ہی
کی حرص و طمع نے سب کو تباہ کر رکھا ہے کسی حقدار کو اس کا حق نہیں پہنچتا ہے!
خلیفہ نے کہا تم کیا کہتے ہو خزانہ میرے قبضہ میں ہی عیش و عشرت کا سامان میرے لئے مہیا ہے مجھ کو
ظلم و طمع سے کیا واسطہ؟ اس شخص نے کہا

ایہ المؤمنین آپ بڑھ کر ظالم کون ہو گا خدا نے مسلمانوں کی خدمت و حفاظت آپ کے سپرد کی، مگر آپ
عیش میں مبتلا ہیں مسلمانوں کا مال چھین چھین کر جمع کر رہے ہیں۔ دروازہ پر پہرہ دار مقر میں غریب و مظلوم
آپ کے پیچھے نہیں سکتے، آپ کی بیگم دیکھ کر دروازہ دار دعا مانگے اور آفت بجائی بھی جو رشوت و ظلم کا بازار گرم
اس پر ہر مومن آپ کا خلق خاندان نبوت سے ہے پھر بھی آپ مسلمانوں پر ظلم دار کہتے ہیں؟
بیت المال کا خزانہ اپنے لئے جمع کرتے ہیں؟ خدا کے سامنے آپ کیا جواب دیں گے؟

منصور یہ رگ ریہ طاری تھا کہنے لگا آخر میں کیا کروں؟ جواب ملا کہ علماء و صلحا امت کا مہم جو خلیفہ بنے کہا کہ
وہ لوگ تو مجھ سے دور رہنا چاہتے ہیں، اس مرد مسلمان نے کہا کہ وہ لوگ آپ کے لئے دور رہتے ہیں کہ باوا
کہیں آپ ان کو بھی اپنے ظلم میں شریک نہ کریں، آپ یہ خطہ دور کر دیتے سداہل دین آپ کے شریک ہو جائیں گے۔

(۸)

سلطان عالم گیر نے نواب کریم خاں سے دریافت کیا کہ آپ کی عمر کیا ہے؟ تو انہی عرض کیا کہ

مہار سال اس سلطان نے تعجب کیا کہ کہا کہ آپ اپنی عمر مہار سال کیسے کہتے ہیں تو انہی نے کہا کہ حضور اصل میں میری

جرم عظیم

مدیر الفرقان کی ایک تقریر ۲۲ دیقعدہ مطابق ۱۵ اگست جمعہ کے دن مالیکا کو ضلع ناسک (مہاراشٹر) میں بعد نماز جمعہ وہاں کی بڑی مسجد نورانی میں کی گئی تھی۔ یہی سے واپس ہوتے ہوئے وہاں دو دن قیام ہوا تھا۔ اس کے بعد شنبہ کی صبح کو ایک خصوصی اجلاس میں اور پھر شب کو ایک اجتماع عام میں جو تقریریں ہوئی تھیں اگر وہاں کے ان احباب نے وہ مرتب کر کے پیچیدہ جھوٹوں نے تقریر نوٹ کرنے کا اہتمام کیا تھا تو انشاء اللہ آئندہ اشاعتوں میں ہم ان کو بھی بریہ ناظرین کر سکیں گے)

(بعد خطبہ)

حضرات! میں اس وقت یہی سے آ رہا ہوں میرا یہ سفر حج کو جانے والے بعض حضرات کو زحمت کرنے کے لئے اور حجاج میں تبلیغی کام کے سلسلے میں ہوا تھا۔ حاجیوں کا آخری جہاز اسلامی کل ہی روانہ ہوا ہے بہت سے حاجیوں کے دوست احباب اور اعزہ ان کو زحمت کرنے کے لئے کسی طرح جہاز پر پہنچ گئے تھے۔ میں بھی ان ہی میں تھا جب جہاز چھوٹنے کا وقت قریب آیا تو یہ سب اتر آئے میں بھی اتر آیا اس آخری وقت میں انھوں نے جس طرح حجاج کو زحمت کیا اور حجاج نے اپنے ان دوستوں اور عزیزوں کو جس طرح خدا کا نیکو نامہ منظر میری آنکھوں میں بالکل تازہ ہے کل ہی کی تو بات ہے۔ اس منظر سے میرا ذہن ایک خاص حقیقت کی طرف منتقل ہوا ہے اور اس وقت میں آپ کے سامنے اسی کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے ایک فرضی مثال عرض کرتا ہوں۔ فرض کیجئے اللہ کا کوئی خاص بندہ ہے اس نے کچھ

لوگوں پر بہت احسانات کئے ہیں، عمر بھران کی خدمتیں کی ہیں اور اسی کی تعلیم و تربیت سے وہ آدمی بنے ہیں اور یہ لوگ بھی اسکی محبت کا بڑا دم بھرتے ہیں اور اس کے ساتھ خلوص اور وفاداری کا بڑا دعویٰ کرتے ہیں۔ ایک وقت آباک اللہ نے اپنے اس بندہ کے لئے سفر حج کا سامان کر دیا اور اُس نے حج کا ارادہ کر لیا اور فرض کیجئے کہ کس طرح ہمارے بہت سے تبلیغی احباب دو دین تین برس کی نیت سے حجاز جاتے ہیں تاکہ اُس مقدس سرزمین میں اور نہایت اعلیٰ صلاحیتیں اور ادبی نسبتیں رکھنے والے وہاں کے باشندوں میں دینی جدوجہد کے رواج کو پھیلانے کی کوشش کریں تو وہی طرح فرض کیجئے کہ اللہ کے اُس بندہ کا ارادہ بھی زیادہ مدت تک مدینہ طیبہ قیام کرنے کا ہے تو چلتے وقت اُس نے اپنے اُن دوستوں کو متعین کیا جن پر اُس نے عمر بھر احسانات کئے تھے اور جو اُسی کی تعلیم و تربیت اور محنت سے آدمی بنے تھے اور جو اُس کی محبت اور وفاداری کا بڑا دعویٰ بھی رکھتے تھے اور ان سب کو اُس نے کچھ وصیتیں کیں اور اس سلسلہ میں ایک خاص وصیت یہ بھی کی کہ میرے پیچھے میرے گھربار کی فکر رکھنا اور میرے چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت کا بھی تم ہی انتظام کرنا اور ان کی ہر طرح کی نگرانی اور دیکھ بھال رکھنا۔ الغرض ان کی جو فکریں میں اُٹھاتا اور ان کی تعلیم و تربیت کے لئے جو کچھ میں کرتا میری داپھی تک وہ سب کچھ تم کرنا۔ ان لوگوں نے اس کا پورا پورا اقرار کیا اور ذمہ داری لی اور اللہ کو گواہ بنا کر اطمینان دلایا کہ ہم یہ سب کچھ کریں گے اور جو کچھ ہم سے ہو سکے گا اُس میں کوئی کمی اور کوتاہی نہیں کریں گے۔ پس اپنے ان دوستوں سے یہ عہد و اقرار لے کر اللہ کا وہ بندہ روانہ ہو گیا۔ لیکن بعد میں اُس کے ان دوستوں نے اپنے اس محسن اور مربی کی وصیت کو بھلا دیا اور اپنے عہد و اقرار کو نہیں نباہا۔ چند روز تک تو یہ اُس کے گھروالوں کی کچھ خبر لیتے رہے اور کبھی کبھی جا کے حال پوچھتے رہے مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد بالکل بے پروا ہو گئے بلکہ اُس کے گھر کی طرف سے نکلنا بھی چھوڑ دیا۔ چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت اور اخلاقی نگرانی کے سلسلہ میں بھی انھوں نے کچھ نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچے بری صحبتوں میں پڑ گئے اور وہ ہو گئے ان میں بری سے بری عادتیں آگئیں۔ انھیں شراب پینے اور سینا دیکھنے کی لت پڑ گئی۔ اور گھر کی چیزیں بیچ بیچ کے دھڑا

اوسینما کا شوق پورا کرنے لگے پھر وہ چورا اور جواری بھی ہو گئے اور آخر ایک دن ان حرکتوں کی بدلت جیل میں پہنچ گئے۔ پھر ان بچوں کی ماں یعنی حج کو جانے والے اس اللہ کے بندہ کی بیوی فرض کیجئے بیمار پڑی اور انہوں نے اس کی بھی کوئی خبر نہیں لی اور نہ کسی اور نے دوا دارو کی کوئی فکر کی یہاں تک کہ وہ بیچاری اس دنیا سے رخصت ہو گئی، اور پھر جب گھر بالکل خالی ہو گیا تو چوروں اٹھائی گیر وں نے گھر کا سب سامان حتیٰ کہ دروازوں کے کواڑ اور چھتوں کے کڑی تختے بھی نکال لئے اور پھر ہر رات نے آکر کھڑی ہوئی دیواریں بھی گرا دیں اور اس طرح اس بندہ خدا کا بنا بنایا گھر بالکل برباد ہو گیا۔۔۔ تو ذرا تصور کیجئے کہ جب کسی ذریعہ سے مدینہ طیبہ میں اس کو اپنے ان دوستوں کی اس غفلت شکاری اور بے دفاعی کی اور اس کے نتیجہ میں بچوں کے آوارہ ہو کر جیل میں پہنچ جانے کی اور بیوی کے کس پرسی کی حالت میں مرنے اور پھر گھر کے آجڑٹنے اور دیواروں تک کے گر جانے کی اس کو خبر ملے گی تو اس کو کتنا صدمہ ہوگا اور زبانی محبت و دعویٰ کرنے والے اپنے ان بے وفادار دوستوں کی طرف سے اس کے دل کی خوشی یا ناخوشی کا کیا حال ہوگا؟

حضرات! یہ کوئی واقعہ نہیں ہے بلکہ فرضی اور بالکل فرضی مثال ہے لیکن اس میں ہمارے اور آپ کے لئے بڑا سبق ہے۔

ذرا غور کیجئے! اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اب قیامت تک کے لئے اور ساری دنیا کے لئے آپ ہی نبی ہیں اور آپ کے بعد دنیا کے کسی حصہ میں کسی وقت بھی کوئی نبی نہیں بھیجا جائے گا اور اس کی وجہ سے یعنی ختم نبوت کے اس منصب کی وجہ سے قیامت تک کے سارے انسانوں کی اور ساری دنیا کے آدمیوں کی ہدایت کی فکر اور کوشش کی ذمہ داری حضور پر آگئی کیونکہ جو نبی جس قوم کی طرف بھیجا جائے اس کے ذمہ ہے کہ وہ اس قوم تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی اور اس کی ہدایت کی جو کوشش اور فکر کر سکتا ہو وہ کرے، پھر اس بڑی اور وسیع ذمہ داری کی امانت کی صورت

اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے یہ مقرر ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مقصد کے لئے اپنی امت سے کام لیں اور آپ کی امت قیامت تک اس کام کو آپ کی نیابت میں کرتی رہے اور گویا آپ ہی کی طرف سے اس خدمت کو انجام دیتی رہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریقہ اختیار فرمایا۔ جب تک آپ اس دنیا میں رہے اپنے پورے امکان بھرا اللہ کی مخلوق کی ہدایت کی فکر اور کوشش کرتے رہے اور جو لوگ آپ کی بات مان کر آپ کی امت میں شامل ہوتے رہے اُن سے بھی آپ دعوت و ہدایت کا یہ کام لیتے رہے اور اللہ کے وہ سب بندے پوری وفاداری اور جاننازی کے ساتھ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ نبوت سے قریباً ۲۲-۲۳ سال بعد دنیا سے حضور کے رخصت ہونے کا وقت آگیا۔ اس وقت آپ نے اپنی والی یہ ساری فکر اور کوشش کلی طور پر امت کے سپرد کر دی اور اُس وقت امت کا جو طبقہ موجود تھا اُس نے صرف قول سے نہیں بلکہ اپنے حال اور عمل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پسے طور پر مطمئن کر دیا کہ ہم اسی طرح آپ کی والی اس فکر اور کوشش کا حق ادا کرتے رہیں گے اور اس خدمت کو آپ کی طرف سے برابر انجام دیتے رہیں گے اور اس طرح آپ کا کام نیا بہتہ ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کو امت کے سپرد کر کے رخصت ہو گئے اور پھر ایسا ہی ہوا کہ ایک عرصہ تک یہ کام بالکل اسی انداز میں ہوتا رہا اور امت کے ذریعہ حضور کی بعثت کا مقصد پورا ہوتا رہا۔ لیکن کچھ مدت کے بعد شیطان حضور کی امت کو اس کام سے غافل کر دینے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر نہ امت میں اس کام کی فکر رہی اور نہ اس کے لئے وہ جدوجہد رہی جس پر حضور اس امت کو لگا کر گئے تھے۔ بلکہ کچھ اور زمانہ گزرنے کے بعد تو امت اس کو بھی بھول گئی کہ حضور کے دعوت و ہدایت کے اس کام کو جاری رکھنا اُس کے ذمہ ہے اور حضور اپنا یہ کام قیامت تک کے لئے اس کے سپرد کر گئے ہیں اور اس مقصد کے لئے اس کو اپنا نائب بنا کر گئے ہیں۔ امت کی اس غفلت اور کوتاہی کے دو نتیجے ہوئے ایک یہ کہ دوسری قوموں کو دعوت دینے اور اللہ کے دین کی طرف بلانے کا جو کام جاری تھا وہ بند ہو گیا اور اس کی وجہ سے اسلام میں قوموں کے نئے داخلہ کا

سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہماری اس غفلت و تقصیر کی وجہ سے کروڑوں بلکہ اربوں انسان یعنی حضرت آدم کے فرزند اس مدت میں ایسے مر چکے ہیں جن کو دوزخ سے بچانے کی اور ایمان کے راستہ سے جنت میں پہنچانے کی کوئی فکر اور کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے اور دوسرا نتیجہ امت کی اس غفلت اور کوتاہی کا یہ ہوا ہے کہ بہت بڑی تعداد خود امت محمدیہ میں ایسی پیدا ہو گئی ہے جو پشتوں سے مسلمان ہونے کے باوجود اسلامی تعلیم و تربیت سے بالکل محروم ہے اور اس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہمارے مسلمان ہونے کا کیا مطلب ہے۔ ان میں سے بہت سوں کے عقیدے کا فرانہ اور مشرکانہ ہیں اور عام زندگی کا فروں اور مشرکوں سے کچھ بھی ممتاز نہیں ہے۔ پھر ان میں جو بھی ہیں، ڈاکو بھی ہیں، خرابی اور جھوٹ بھی ہیں بلکہ بہت سے علاقوں کا حال یہ ہے کہ وہاں کے مسلمان کہلانے والے بد اخلاقیوں اور بد اطواریوں میں اسلام کے منکروں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ آج کتنی برائیاں ہیں جن میں مسلمان کہلانے والوں کا حصہ دوسروں سے زیادہ ہے۔ سینما جو اس زمانہ کا عام انجیٹ ہے واقف لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس کے دیکھنے والوں میں سب سے زیادہ حصہ مسلمانوں کا ہے کئی برس پہلے کا ایک واقعہ ہے جو مجھے ہمیشہ یاد رہتا ہے میں مراد آباد سے دہلی جا رہا تھا۔ انٹرکلاس کے جس ڈبہ میں تھا، اُس میں دو ہندو صاحبان اور بھی تھے اور ان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سینما کے کاروبار سے خاص تعلق رکھتے ہیں بلکہ ان میں سے ایک صاحب کسی سینما کے غالباً مالک تھے اور وہ شاید میرے ٹھکے کے تھے جب ٹرین امر وہر کے اسٹیشن سے گزری تو ان میں سے ایک نے دوسرے صاحب سے کہا کہ یہاں امر وہر میں فلاں صاحب سینما قائم کر رہے ہیں اور اس پر اتنی لاگت لگا رہے ہیں۔ آپ کا کیا اندازہ ہے کامیاب ہو سکے گا یا نہیں؟ جن سے سوال کیا گیا تھا یہ وہی صاحب تھے جو کسی جگہ کے سینما کے مالک تھے۔ انھوں نے سوال کرنے والے سے پوچھا کہ یہاں کتنی آبادی ہے؟ انھوں نے بتلایا کہ اتنی آبادی ہے (مجھے اب ٹھیک یاد نہیں کہ انھوں نے کتنی آبادی بتلائی تھی)۔ غالباً ساٹھ ستر ہزار اس سے کچھ زیادہ بتلائی تھی، انھوں نے کہا کامیاب ہونا مشکل ہے پھر ان ہی صاحب نے سوال کرنے والے صاحب سے پوچھا کہ عٹنڈس آبادی کتنی ہے یعنی مسلمان کتنے ہیں؟ اُس نے جواب دیا کہ وہی لوگ زیادہ ہیں پھر پوچھا کہ ان میں روزمرہ کی محنت مزدوری

اور دستکاری کرنے والے کتنے ہوں گے؟ اُس نے جواب دیا کہ ایسے ہی لوگ بہت زیادہ ہیں۔ سب کچھ معلوم کر کے اُس نے کہا کہ پھر کامیاب ہو جائے گا۔ حضرات یہ بات دس برس سے زیادہ کی ہے لیکن میرے دل میں ہرے زخم کی طرح تازہ ہے۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دعوت و ہدایت اور دینی تعلیم و تربیت کا اپنا دالا جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کے لئے امت کے سپرد کیا تھا جب امت نے اس کو چھوڑ دیا تو اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہوا کہ دین میں قوموں کی نئی آمد اور نئے داخلہ کا سلسلہ ہی بند ہو گیا اور دوسری اس سے بھی زیادہ افسوس ناک خرابی یہ پیدا ہوئی کہ خود امت کا بہت بڑا حصہ دین سے اس قدر بیگانہ ہو گیا کہ وہ ایمانیات تک سے بے خبر ہے اور اعمال اور اخلاق میں وہ اسلام سے اتنا ہی دور ہے جتنے کہ غیر مسلم لوگ بلکہ بعض برائیوں میں اس کا حصہ غیر مسلموں سے بھی زیادہ ہے۔ اگر ہمارے اور آپ کے دلوں میں امت کا اور دین کا کچھ بھی درود ہو تو اس صورت حال پر ہمارے دلوں کو رونا چاہیے۔

يا قلب بعد اليوم للملم تذب و جد اعلیہ فانت من جلمود

آپ حضرات نے سنا ہو گا کہ امت اپنے پیغمبر کی روحانی اولاد ہوتی ہے۔ اسی رشتہ سے قرآن پاک میں حضور کی ازواج مطہرات کو مسلمانوں کی امیں کہا گیا ہے ارشاد ہے۔

وَأَسْرَدَاجَهُ أَهْلَهُمْ (یعنی حضور کی بیویاں مسلمانوں کی امیں ہیں)

اور ایک حدیث میں ہے حضور نے ارشاد فرمایا:-

اَنَا مِنْكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ مِنَ وَلَدِهِ یعنی میں تمہارے لئے ایسا ہی ہوں جیسا کہ بی بی اولاد کیلئے باپ ہوتا ہے تو ذرا سوچئے کہ امت جو حضور کی روحانی اولاد ہے جب اس کے اس قدر بگڑ جانے کی اطلاع حضور کو فرشتوں کے ذریعہ ہوتی ہوگی جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے تو حضور کے قلب مبارک پر کیا گزرتی ہوگی اور آپ کو کتنا دکھ اور صدمہ ہوتا ہو گا اور جو لوگ اس حالت کو دیکھتے ہوئے بھی کوئی فکر نہیں کرتے اور اس کو بے لگ اور درست کرنے کے لئے جو کوششیں اس وقت بھی کی جاسکتی ہیں

لے (ترجمہ) اے دل اگر آج کے ان حالات کی وجہ سے اور اس دینی زوال کے غم سے تو بچھل نہ جائے تو
تو بچھلے گا ۱۲

وہ بھی نہیں کرتے تو حضورؐ کے قلب مبارک کو ان کی طرف سے کیسی شکایت ہوگی۔

حضرات! میں اس وقت آپ سے اور اپنے نفس سے بھی بس یہی کہنا چاہتا ہوں کہ ہم ذرا سوچیں کہ حضورؐ کی فکر اور حضورؐ کے کام کو چھوڑ کے ہم نے حضورؐ کے ساتھ کتنی بڑی بے وفائی کی ہے اور آئندہ کے لئے اپنے رویہ کو بدلیں حضورؐ کی فکر کو اپنی فکر بنائیں اور دین کی دعوت و خدمت اور اس کے لئے جہد و جہد کی جو ذمہ داری حضورؐ نے امت پر ڈالی ہے اس کی اہمیت کو محسوس کریں اور ہم میں سے ہر ایک اپنی زندگی کا ہر وگرام ایسا بنائے جس میں اپنی ذات کی اور اپنی اولاد کی اور گھر بار کی فکر کے ساتھ حضورؐ کے اس کام کی بھی فکر ہو اور اپنے اپنے ذاتی کاموں کی کوشش کے ساتھ دین کی جہد و جہد میں بھی ہم میں سے سب کا کچھ حصہ ہو۔

یہ دینی دعوت اور دینی تحریک جس کو عام طور سے لوگ تبلیغی تحریک اور تبلیغی جماعت کی تحریک کہتے ہیں اس کا اصل مقصد اور اس کا اصلی پیام بس اتنا ہی ہے کہ حضورؐ والی فکر اور حضورؐ کے کام اور حضورؐ والی جہد و جہد کو ہم اپنی فکر اور اپنا کام اور اپنی جہد و جہد بنائیں اور خود ایمانی زندگی حاصل کرنے کے لئے اور امت میں ایمان اور ایمانی زندگی کو عام کرنے کے لئے نئے سرے سے ایک عام اور ہمہ گیر کوشش ہو۔ اگر یہ جہد و جہد اس وسیع بیابان پر ہونے لگے جیسا کہ اس کا حق ہے تو انتشار و فضا بکھل بدل جائے گی اور جب ہمارے معاشرہ میں ایمان اور عمل صالح کی فضا قائم ہو جائے گی اور حضورؐ کی لامی ہوئی ایمانی زندگی کسی درجہ میں ہماری قومی زندگی بن جائے گی تو دوسری قویوں کے لئے بھی اسلام قبول کرنے کا راستہ کھل جائے گا اور وہ عملی زندگی میں اسلام کی خوبیوں اور اس کی برکتوں کو آنکھوں سے دیکھ کر پناہ مانگیں گے۔

اس جہد و جہد کے لئے ہمارے سامنے ایک طریقہ اور ہر وگرام ہے جس سے آپ کچھ نہ کچھ ضرور واقف ہوں گے کیونکہ اللہؐ کے فضل سے یہ کام آپ کے یہاں کچھ عرصہ سے ہو رہا ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہفتہ وار اجتماع بھی ہوتا ہے اور ہر ہفتہ ایک نہ ایک جماعت کہیں کا سفر بھی کرتی ہے۔ اور کبھی کبھی بڑے بڑے سفر بھی کئے جاتے ہیں اور باہر کی جماعتیں بھی میں نے سنا ہے کہ بار بار

یہاں آئی ہیں اس لئے آپ ہمارے طریقہ کار اور پروگرام سے کچھ نہ کچھ ضرور واقف ہوں گے، پھر بھی میں اتنا عرض کرتا ہوں کہ ہمارے اس کام میں سب اہم چیز یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو اس کی عام دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کا پروگرام اس طرح بنائیں کہ ہر سال میں ایک دفعہ کم از کم ایک چلہ یا ایک مہینہ کا اور ہر مہینہ میں کم از کم تین دن کا وقت اپنے دوسرے کاموں سے اس دینی جدوجہد کے لئے اور حضور والے اس کام کے لئے فاسخ کریں اور جماعت کی شکل میں کہیں جائیں اور ان دنوں کو اس طرح گزاریں کہ اللہ کے ساتھ اور دین کے ساتھ خود ان کے اپنے تعلق میں بھی ترقی ہو اور اللہ کے دوسرے بندوں میں بھی ایمانی زندگی کے لئے جدوجہد ہو اور ان کو بھی اس جدوجہد پر کھڑا کرنے کی دعوت اور کوشش ہو۔ اس وقت زبانی بس میں اتنا کہہ سکتا ہوں اس سے آگے کی تفصیلات آپ کی سمجھ میں ابھی طرح اس وقت آسکیں گی جب آپ اس طرح کے دو چار سفر جماعتوں کے ساتھ کریں گے۔ اس سفر اور نقل و حرکت کے علاوہ اس کے سلسلہ کی کچھ اور چیزیں بھی ہیں جن کی طبع ہم خصوصیت سے دعوت دیتے ہیں اور وہ ہر حال میں اور ہر جگہ کرنے کی ہیں بلکہ ان کی دعوت ہم مردوں کے علاوہ اپنی بہنوں عورتوں کو بھی دیتے ہیں۔

ان میں پہلی چیز یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اس کی عادت ڈالے کہ کلمہ طیبہ کے ذریعہ وہ بار بار اپنے ایمان کو تازہ کیا کرے یعنی ہماری یہ عادت اور مستقل حالت ہو جائے کہ ہم اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہوئے بھی تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد دھیان فکر کے ساتھ اور کلمہ کی عظمت کے احساس کے ساتھ کلمہ شریف پڑھ پڑھ کے بار بار اس عہد و اقرار کو تازہ کیا کریں جو اس کلمہ کی روح ہے اور جب تک اس کی عادت نہ پڑے اس وقت تک اپنا معمول مقرر کر لیں کہ ایک بار صبح کے وقت اور اسی طرح ایک بار شام کو کم از کم دس دس دفعہ خوب دھیان اور فکر کے ساتھ اور دل کی بیداری کے ساتھ کلمہ شریف پڑھا کریں اور اس کے ذریعہ اپنے ایمانی عہد کو تازہ کیا کریں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ نماز جہاں تک بس پڑے شروع و ختم کے ساتھ اور پوری پابندی اور پورے اہتمام کے ساتھ پڑھی جائے۔ نماز بڑی چیز ہے اور اس میں آدمی کی زندگی کو ایسا فی

زندگی بنانے کی اور گندگیوں سے اس کو پاک کرنے کی بڑی تاثیر ہے۔ آج ہماری نمازیں جو بے اثر ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کو جس طرح پڑھنا چاہئے ہم اس طرح پڑھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ میں اس تنگ وقت میں تفصیل سے نہیں بتا سکتا کہ نماز خشوع و خضوع کے ساتھ کس طرح پڑھی جاتی ہے اور اس کی کیا تدبیر ہے۔ آپ کے یہاں اللہ کے جو ایسے بندے ہوں جن کے متعلق آپ کا اندازہ ہو کہ ان کی نمازیں خشوع و خضوع والی نمازیں ہوتی ہیں۔ آپ ان سے پوچھنے یا کتابوں سے رہنمائی حاصل کیجئے۔ الحمد للہ اس سلسلے میں اچھی اچھی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور ان کو پڑھ کر اپنی نمازوں کو انشاء اللہ اچھی نماز بنایا جاسکتا ہے خود اس عاجز کا بھی ایک رسالہ ”نماز کی حقیقت“ کے نام سے ہے وہ بھی اس مقصد کے لئے انشاء اللہ مفید ہو سکتا ہے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ نماز کے علاوہ اللہ کے ذکر کی عادت ڈالی جائے اور اللہ کی یاد سے اُس بیدار کیا جائے۔ ذکر اللہ کا سب سے اعلیٰ درجہ تو یہ ہو کہ ذکر زندگی میں بس جائے اور ہر حال میں اس حال کے مناسب اللہ کی یاد ہو لیکن یہ بات سیکھنے سے اور بڑی مشق سے حاصل ہوتی ہے اور کم سے کم درجہ یہ ہے کہ صبح شام کچھ ذکر کا معمول مقرر کر لیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے ذکر کے جو کلمات تعلیم فرمائے ہیں۔ ان میں کلمہ تمجید بڑا جامع کلمہ ہے اور اس کی بڑی فضیلت ہے یعنی ”سبحان اللہ والحمد للہ لا الہ الا اللہ والہ اکبر“ تو سو دفعہ صبح و فجر سے پہلے یا فجر کے بعد اور سو دفعہ شام (بعد مغرب یا بعد عشا) اس کے پڑھنے کی عادت ڈال لی جائے اور اسی طرح اس کے ساتھ سو سو دفعہ استغفار اور درود و شریف پڑھنا معمول بنالیا جائے اور جلدی گنتی پوری کرنے کے لئے بہت رواں اور جلدی جلدی نہ پڑھا جائے بلکہ سمجھ کے اور مزے لے لے کے دل و زبان سے پڑھا جائے۔ اگر آپ خوب اچھی طرح پڑھیں گے تو بھی ان تینوں کلموں کے سو سو دفعہ پڑھنے میں آدھ گھنٹے سے کم ہی وقت لگے گا۔ بہر حال صبح شام اتنے ذکر کی عادت ہم میں سے ہر وہ شخص نالے جن کو ابھی تک اتنے ذکر کی بھی عادت نہیں ہے (۴) چوتھی بات جو ہم اپنے ہر بھائی سے کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس کو اس کی فکر ہونی چاہئے کہ اللہ و رسول اُس سے کیا چاہتے ہیں اور دین کیا ہے اور اس کا کیا مطالبہ ہے اور پھر اپنی زندگی کو اس کے

مطابق چلانے کی فکر کرنا چاہئے۔ دراصل جماعتوں کے ساتھ باہر نکلتا بھی اسی لئے ہے کہ جماعتی ماحول میں خود ان چیزوں کی مشق جیسی طرح کی جاسکے اور دینی تربیت حاصل کی جاسکے۔ اور جیل بھر کر ان ہی چیزوں کی دوسروں کو دعوت دی جائے۔

آخر میں میں پھر عرض کرتا ہوں کہ طریق کار اور پروگرام کے سلسلے میں جو کچھ اس وقت میں نے آپ عرض کیا ہے یہ پوری بات نہیں ہے پوری بات صرف عمل اور تجربہ ہی سے اور اس دعوت اور جدوجہد کو لے کر جماعتوں اور قافلوں کی شکل میں اللہ کے بند بنیں پھر ہی سے آپ کے سامنے آئے گی اللہ تعالیٰ آپ کے اندر اس کے لئے عزم پیدا کرے اور توفیق دے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِتْنًا لَنَصْرَنَّ لَهُمْ سُبُلًا وَارِثًا اللَّهُ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ۔

اگر آپ نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور اس جدوجہد کو اپنی زندگی کا جز بنالیا اور اس میں یہ کام جس طرح ہونا چاہئے کسی درجہ میں اگر ہوئے لگا تو پھر ساری دنیا میں ایک نئی زندگی انتشار الہی آئے گی اور دنیا کا نقشہ بدل کے رہے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب روضہ اقدس میں اس کی اطلاع ہوگی کہ آپ کی امت نے پھر سے آپ کی فکر کو اپنی فکر بنا لیا ہو اور دعوت اور دینی جدوجہد کا جو کام آپ امت کے سپرد کر کے گئے تھے، امت کا ایک بڑا عنصر اس کے لئے پھر کھڑا ہو گیا ہے اور اب آپ کے لاکھوں امتی اپنے ذاتی کاموں اور اپنے گھروں کو چھوڑ چھوڑ کے اس دعوت کو لئے ہوئے شہر بہ شہر اور قریہ بہ قریہ اور ملک بہ ملک پھر پھریں تو ذرا سوچئے کہ حضور کی روح پاک کو اس سے کیسی خوشی اور کتنی ٹھنڈک حاصل ہوگی اور اپنے ان اقیبوں کے لئے قلب منور سے کیسی کئی دعائیں نکلیں گی۔

دینی بھائیو اور غمگینو! اگر سب کچھ قربان کر کے بھی یہ دولت حاصل کی جاسکے تو ازراہِ حق۔
بِسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی ہمارے اور آپ کے دلوں کو اس کے لئے کھولے اور توفیق و بہت نصیب فرمائے اور اس راہ کا چلنا ہمارے لئے آسان فرمائے۔ اللّٰهُمَّ شَيْتَانًا عَلٰی مِدَّةِ رَسُوْلِكَ وَتَوَّابًا عَلٰی الْجِهَادِ
فِي سَبِيلِكَ

تَعَارُفٌ وَتَبَصُّرٌ

(از: ج - سی)

معاشی ناہمواریوں کا اسلامی حل | از نعیم صدیقی، ایڈیٹر ”جراغِ راہ“ ناشر مکتبہ چراغِ راہ
۹۔ لوٹیا بلڈنگ آرام باغ روڈ کراچی ۷۱۔

دیدہ زیب کتابت و طباعت، (۳۳۶ صفحات)، مجلد مع گرد پوش، قیمت: — (پچھلے)۔

اس زمانے میں معاشی پریشانیوں کی بدولت بنی آدم کے لئے زندگی ایک مصیبت بنی ہوئی ہے، انسان پریشان ہے کہ زندگی کے دن کیسے پورے کرے، اطمینانِ خاطر کہاں سے لائے، اور عزتِ اکبر کو کس طرح بچائے؟ اشتراکی فلسفہ کا کہنا ہے کہ اس کے پاس ان تمام سوالات کا کافی و دشافی جواب ہے، اور اسکے عملی نظام کا قیام ان پریشانیوں سے نجات پانے کا ضامن ہے، مگر یہ واقعہ ہے کہ جو ملک اس کو قبول کر لے گا، اسکے اسلام کی خیر نہیں ہے! قبول کرنے والے نہ بھی چاہیں مگر اشتراکیت اپنے مزاج اور طبعی عمل سے مجبور ہے۔ پاکستان بھی باقی دنیا کی طرح سخت معاشی پریشانیوں و ناہمواریوں کا دوچار ہے، اور اُسے جلد یا بدیر کوئی نہ کوئی حل ڈھونڈ لینا ہے۔ نعیم صدیقی صاحب نے اپنی اس تصنیف کے ذریعہ ملتِ پاکستان کی ایک ایسے حل کی طرف رہنمائی کی ہے جو اسکے مزاج اور اسکی روایات سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ یہ حل اسلام کا معاشی نظام، اپنے پورے پس منظر کے ساتھ۔۔۔۔۔ کتاب کے بنیادی مباحث یہ ہیں:۔

کیونرم یا اسلام — معاشی ناہمواریوں کا اسلامی حل — معاشی اصلاح کی اسلامی سکیم
اسلامی اسکیم کا عملی نفاذ

ان مباحث پر تقریباً ایک سو ذیلی عنوانات کے تحت شرح و بسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے، اور دکھلایا گیا ہے کہ اسلام موجودہ دور کے معاشی مسائل کو کس قدر اطمینان بخش طور سے حل کر سکتا ہے۔

از:۔ نذر محمد خالد۔ ناشر مکتبہ چراغِ راہ۔ (۳۰ صفحات)
اشتراکیت، مذہبِ اولِ اخلاق عمدہ کتابت و طباعت۔ قیمت:۔ (۳۳)۔

روس میں اشتراک کی انقلاب کے بعد مذاہب اور اخلاق پر کیا گذری؟ یہ ایک بڑی درناک استان ہے اور ہمیں سے یہ بات دُنیا نے جانی کہ اشتراکیت، مذہب اور اخلاق کو برداشت نہیں کر سکتی، اشتراک کی مفقین اس حقیقت کو طرح طرح کے پروپیگنڈے اور تاویلات میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، اور باور کرانا چاہتے ہیں کہ اشتراکیت کو مذہب و اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے، مگر وہ یہ نہیں سوچتے کہ بائبل اشتراکیت کے اقوال و نظریات اور حاملین مذہب و اخلاق پر ”سُرخ فوجوں“ کی دست پوش تارکینی واقعات کو وہ آخر کہاں لیا کر دفن کر دیں گے!

یہ کتاب جو اول سے آخر تک ادعا آت سے نہیں، ٹھوس تاریخی اور تصنیفی مواد سے لبریز ہے، ان لوگوں کے لئے ایک چیلنج ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا، کہ اشتراکیت جنت کی تعمیر کے لئے مذہب و اخلاق کی تخریب ضروری ہے۔

از:۔ سید صفی علی عابدی۔ ۳۸ صفحات۔ (قیمت:۔ ۸)۔
ہندوستانی سوشلزم ناشر مکتبہ ”فکر نو“ ۱۳۵۷ھ شاہ گنج (الہ آباد)۔

اس کتابچہ میں عابدی صاحب نے ہندوستانی سوشلزم کی حقیقت پر روشنی ڈال کر بتلایا ہے کہ یہ یورپ سے آیا ہوا حقیقی سوشلزم نہیں ہے، بلکہ مختلف اجزاء سے تیار کیا ہوا ایک نیا مرکب ہے اور اس کا تجزیہ کر کے دیکھا جائے تو اس میں گاندھی ازم اور ہندو ازم کی کافی آمیزش نظر آتی ہے۔ نہایت دلچسپ کتابچہ ہے اور صاف گوئی اور بے باکی کے لحاظ سے قابلِ داد۔

۱۔ جنت سے زمین پر	۴	از:- ابن احمد قرنی (ایم، اے)۔ مکتبہ منسلح انسانیت،
۲۔ پہلا خون	۴	لویا بلڈنگ
۳۔ خوفناک طوفان	۶	آرام باغ روڈ
۴۔ خدائی معمار	۸	کراچی

بچوں کو قصوں کہانیوں سے بہت دلچسپی ہوتی ہے، کہانیوں کی چھوٹی چھوٹی کتابوں کو وہ بہت پسند کرتے ہیں، اور کہانی جو سبق دیتی ہے وہ اُن کے ذہن پر نقش ہو جاتا ہے، جس کو وہ مدتوں نہیں بھولتے۔ عام طور سے لوگ تجارتی نقطہ نظر سے کہانیاں لکھ کر مارکیٹ میں لاتے ہیں۔ انھیں اسے کوئی بحث نہیں ہوتی کہ ان کہانیوں کا اثر بچوں کی نفسیات پر اچھا پڑے گا یا بُرا۔ ابن احمد قرنی نے ہمارے آپکے بچوں کی اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے سچی اور اصلاحی کہانیوں کا ایک دلچسپ اور سبق آموز سلسلہ شروع کیا ہے۔ زیر تبصرہ چار کتابیں چار کہانیوں پر مشتمل ہیں، جو قرآنی قصے ماخوذ ہیں۔

المکالمۃ الاعظمیہ | (یعنی اُردو عربی ترجمہ حصہ اول و حصہ دوم) از:- مولانا محمد حسن عظمیٰ
المجلد الاول و الجزء الثاني | (فاضل جامعہ ازہر مصر)۔ ناشر:- پروپرائٹر مکتبہ ابراہیمیہ عابد روڈ
حیدرآباد دکن۔ قیمت:- فی حصہ (عبر)۔

اس تالیف کا مقصد عربی طلباء میں عربی سے اُردو اور اُردو سے عربی ترجمہ کی استعداد پیدا کرنا ہے کتاب کے اس مقصد میں کامیاب ہونے کی کمان تک توقع ہے؟ سچی بات ہے کہ اس حیثیت کے رائے زنی کا حق اہل تدریس و تعلیم کو ہے، خاص طور سے ان حضرات کو جو افتاء سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں کوئی رائے ظاہر نہیں کرنا چاہتے، مگر کتاب کے ”حرف آغاز“ (دیباچہ) میں فاضل مولف نے اپنی تالیف کی فوٹیت جتانے کے لئے عربی ادب و انشاء کے معاملہ میں عام ہندوستانی علماء کو جو ایک سکرے سے نااہل قرار دیدیا ہے، اور یہ خیال قائم کر لیا ہے کہ جسے مصر و شام جا کر نہیں پڑھا وہ نہ صحیح عربی بول سکتا نہ لکھ سکتا ہے یہ ایک بڑی ناروا جہارت ہو۔ احمد شہر ہندوستان و پاکستان میں متعدد ایسی ہستیاں موجود ہیں جو صحیح عربی

نہایت سلیس و یلین اور شگفتہ عربی بولنے اور لکھنے پر ماہرانہ قدرت رکھتی ہیں، اور اہل عرب بھی انکے قائل ہیں۔

تاریخ سیاسی ادارات

از: محمد رحمت علی مصباح الیم (عثمانیہ)۔ ناشر: رضوی اینڈ کمپنی، نظام شاہی روڈ، حیدر آباد کراچی۔
کاغذ کتابت، طباعت معمولی - ۶۲ صفحات - قیمت: - - عہر -

قدیم روم اور یونان میں کون کون سے سیاسی ادارے تھے، یہ ادارے کس نہج پر قائم کئے جاتے تھے، پھر کس ڈھنگ پر کام کرتے تھے وغیرہ وغیرہ؟۔ اس مقالہ میں انہیں امور کی تفصیل اور تحقیق پیش کی گئی ہے، قیمت ظاہری حیثیت سے بہت زیادہ ہے۔

عہد نبوی میں نظام حکمرانی (جلد اول)

از: جناب اکرم محمد حمید الرحمن - ناشر: مکتبہ ابراہیمیم - حیدرآباد (دکن)

مکتب، طباعت اور کاغذ بہتر - ۳۲۰ صفحات - مجلد - قیمت :- للیجر -

کتابت کی نہیں ہے، یہ دوسرا ایڈیشن ہے جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی، کی طرح یہ بھی کوئی مستقل تالیف نہیں ہے، بلکہ ڈاکٹر صاحب کے مختلف مقالہ ہیں جو بقول خود ڈاکٹر صاحب کے انفرادی طور پر، بہ اجازت و بلا اجازت نہ معلوم کتنی دفعہ کہاں کہاں چھپے۔ کتابی صورت میں پہلی بار ان کو دہلی کے مکتبہ جامعہ نے چھاپا تھا، اور اب دوسری بار حیدرآباد کے مکتبہ ابراہیمیتہ نے اس صورت میں یکجا کر دیا ہے۔ ہر مقالہ اپنے موضوع پر خوب ہے، خاص طور پر تین مقالے:۔ (۱) قرآنی تصور مملکت - ۲ - اسلامی عدل گستری اپنے آغاز میں - اول - ۳ - عہد نبوی کی سیاست کاری کے اصول) تو بہت ہی خوب، اور قابل دید ہیں۔ کتابی غلط بہت ہیں، جن کی وجہ سے چھ صفحے کا غلط نامہ شروع میں لگنا پڑا ہے۔

حکیم الامت: فقوش واثوات: حضرت تھانوی کی آخری پندرہ سالہ زندگی کے حالات۔
مولانا عبد الماجد ریادی: جس نے اور اچھوتے انوار سے قلمبند فرمائے ہیں، یہ مطالعہ کے بعد ہی معلوم ہوگا۔
بڑا سا سبز - ۱۴ صفحات - قیمت ۳ پیسے - کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

انتخاب

ادارہ

سمیور ناننہ جی غور فرمائیں! ہارگت کو مظلوم اور دل گرفتہ مسلمانوں نے جو احتجاجی مظاہرہ کیا اس سلسلہ میں ایک بیان تو چندتو ہر لال نہرو نے دیا یعنی کہ "ایسے لوگ انجان ہیں" اور ایک بیان شری سیمور ناننہ جی نے دیا کہ "یہ لوگ فدا ہیں۔ بیات ہم نے اس لیے کہی کہ اس سے بہتر اور سمور ناننہ کے ذہنی رجحانات کا پتہ چلتا ہو حالات کی تمام طرف سے یہ ہے کہ بہتر بھی کانگرس میں ہیں اور ہندوستان کے ذریعہ انہیں ہیں اور پورٹا ناننہ جی بھی کانگرس میں ہیں اور یو پی کے ذریعہ داخلہ میں۔ مدلل یہ احتجاج ضدین ہی ہماری دہلی سیاست کی پیچیدگیوں کا خاص سبب ہے۔ بہر حال ہم سمیور ناننہ جی کی خدمت میں سائن دھرم ہمارے دل کے صدر شری شیمو ناننہ جی چڑا کا وہ مکتوب پیش کرتے ہیں جسے موصوف نے "ماہز آفت اندیا" کے ایڈیٹر کے نام لکھا ہے۔ آنریبل ذریعہ داخلہ غور فرمائیں اور ایک پبلک بیان دیکر شیمو ناننہ جی کے بارے میں اپنے انکار عالیہ کا اظہار کریں شیمو ناننہ جی نے ایڈیٹر کو لکھا کہ "اچھے اخبار میں ایک خبر شائع ہوئی ہے جس میں ۱۵ اگست کو سیاہ جھنڈیوں سے مظاہر کرنے والوں کی خلاف بدترین فساد کی الزام میں چارہ جوی پر زور دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہندوستان کی جمہوری حکومت اپنی حقیقت..... اس قدر جلد بے نقاب کرنے کے لیے تیار ہو تو مظاہرین ہی نہیں بلکہ دوسرے لاکھوں کر دیں انسان اس اقدام کا خیر مقدم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس نامناسب عبارت کے خلاف احتجاج کے سلسلہ میں مسلمانوں کو نہ صرف ہندوستان کی بلکہ تمام دنیا کی اخلاقی حریت حاصل ہو حضرت محمد صاحب اس خدا کے پیغمبر ہیں جس کی ہم سب عبادت کرتے ہیں، اس لیے ناموس پیغمبر کا تحفظ قسم کی فرقہ داریت سے بے بسی ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس مقدس فرض کی ادائیگی کے لیے جدوجہد کریں۔ ہم اپنی اس جدوجہد کو انتہائی پسند کریں گے۔ ہمیں دوسرے مذاہب اور مذاہبان دین کا احترام کرنا چاہیے تاکہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں سے مذاہب اور مذہبی رہنماؤں کا احترام کریں۔"

عزت و ذلت ”ریاست“ دہلی کا ایک مشہور اور پرانا اخبار جو۔ اس نے اپنے ایک مضمون میں ہندوستانی مسلمانوں کا جو نقشہ کھینچا ہو اسکا خلاصہ حسب ذیل ہو:-

- ۱۔ پہلے تو ہندو ایک مسلمان کو خافض صاحب، غافض صاحب کہتے تھے ہنگو اب مسلمان کہتے تھے کو لالہ جی لالہ جی کہتے نہیں تھکے
- ۲۔ پہلے کوئی ہندو اس لیے بھرت پر نہ سو سکتا تھا کہ کہیں ہندو میں کسی مسلمان خاتون کی بے پردگی نہ ہو لیکن اب وہ دندناتے ہوئے پھرتوں پر سوتے ہیں اور کسی مسلمان کی مجال نہیں کہ دم مار سکے۔
- ۳۔ پہلے دہلی میں گائے ذبح ہوتی تھی، اب اگر کوئی مسلمان پھل چورو بھی یہ حرکت کئے تو خود اس کے بھائی مسلمان ہی ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے اسے گرفتار کر دیتے ہیں۔

۴۔ آج کوئی ہندو مسلمان خاتون کو دھکیلا اگر اس پر آوازے کے تو کسی مسلمان کی یہ ہمت نہیں کہ لوٹ کر کچھ کہہ سکے البتہ اگر کوئی مسلمان غندہ کسی ہندو عورت کے ساتھ یہی حرکت کر بیٹھے تو اسکی پسلیاں تک توڑ ڈالی جائیں گی۔
یاد رہی طرح کی بہت سی باتیں لکھ کر مسلمانوں کی پر تانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس آزاد ملک میں آج کا مقام کیا ہو؟ مسلمانوں کی حالت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہو بے بہت زیادہ غلط نہیں کہا جا سکتا بلکہ بعض بعض مقامات پر تو حالت اس سے بھی کچھ زیادہ خراب ہی ملے گی۔

کیا واقعی مسلمان اس بات کے سوچنے کیلئے ابھی تیار نہیں ہیں کہ اس ملک میں انکی حیات کیوں ہو گئی اور اس کے اسباب کیا ہیں؟ ہم یہ بات ان مسلمانوں سے کہہ رہے ہیں جو یہ بیان رکھتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہو اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادے سے ہوتا ہے اور یہ کہ مسلمانوں کی عزت و ہر آزادی حاصل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کو رہنمائی کرنا اور اسکی نافرمانی سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ (مستاد امپ)

۵۵ سال بعد! (پہلے وقایع نگار کے قلم سے) تاگیور ۲۲ جولائی ۱۹ جولائی کو جامع مسجد برہانپور کے سامنے سے ۵۵ سال بعد پانی کے لیے شیشی کی پوجا کا جلوس بامحا جاتا ہوا نکلا۔ مسلمانوں نے ہتھی کشتہ کو اٹھایا دیئے اور جلوس کوئی چار گھنٹہ تک کارہلے لیکن ڈپٹی کمشنر کے یہاں سے جواب آیا کہ سرکار حکم دے چکی ہو کہ باجے کو کھڑا اور مندر کے سامنے سے گزرنے کی آزادی حاصل ہو۔

اور مسلمانوں کو تنبیہ ملی کہ حکم سرکار کی مخالفت سے باز رہیں، جلوس بخیریت گزر گیا۔
بیشاک خبر تھی بھی ایسی ہی کہ ”نیشنلسٹ“ پریس میں انہی خوشی کے ساتھ شائع ہو لیکن باجے کی ”انڈین“ اور ”ہیو پر“ پابندی کے ساتھ دیکھیے ابھی اور کن کن چیزوں کو ”آزادی“ حاصل ہونے والی اور کن کن چیزوں پر پابندی لگنے والی ہو! ————— ”آزادی ہند“ کے مخالفوں کی بدگمانیاں اور پیش گوئیاں آج سے چند سال قبل دلی بالآخر کچھ صحیح ہی نکلتی آ رہی ہیں۔

(صدق صاحب دیکھو)

